تفسیر مدارک النسفی اردو

مدارک التنزیل وحقائق التاویل

جلد دوم

پارہ 11 تا 20

تالیف

ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود النسفی

(ت 710ھ)

مقدمہ و تحقیق و تہذیب
یوسف علی بدیوی

تصحیح و نظرثانی
محی الدین دیب مستو

مترجم
استاذ الحدیث مولانا شمس الدین [illegible]

اس میں مکمل تفسیر کا مستند اردو ترجمہ [illegible] الفاظ قرآنی کی لغوی و شرعی تشریح کی گئی ہے۔ ہر آیت کے باب میں قراء کرام کے اقوال، عربی تصریف، شان نزول کا ذکر، ملحدین کے اعتراضات کے جوابات اور احکام قرآنی کا فقہی حکم و منقبت ائمہ دین کے اقوال سے استدلال ہے۔

مکتبۃ العلم
18 اردو بازار لاہور پاکستان
Ph: 37211788 - 37231788

نام کتاب .... تفسیر مدارک النسفی اردو

تالیف: ... الشیخ ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی رحمہ اللہ

مترجم .... استاذ التفسیر والحدیث مولانا شمس الدین محمد

ناشر .... خالد مقبول

مطبع .... آر آر پرنٹرز

ملنے کے پتے

❖ مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور ☎ 37224228

❖ مکتبہ [illegible] اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور ☎ 37221395

❖ مکتبہ جویریہ ۱۹۰۔ اردو بازار ○ لاہور ○ پاکستان ☎ 37211781

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت،
طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔
بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ
کرم مطلع فرما دیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لئے ہم بے حد شکر
گزار ہوں گے۔

(ادارہ)

فہرست

پارہ ⑪

سُوْرَۃُ یُوْنُسَ ⑩

پارہ ⑫

سورۃ ھود ⑪

سورۂ یوسف (۱۲)

پارہ (۱۳)

سورۃ الرعد ⑬

سورۃ ابراہیم ⑭

پارہ ربما (۱۴)

سورۃ الحجر (۱۵)

سُوْرَةُ النَّحْل (۱۶)

پارہ ۱۵

سورۃ بنی اسرائیل (۱۷)

سورۃ الکہف ⑱

پارہ ۱۶

سورۃ مریم (۱۹)

سورۃ طٰہٰ ۲۰

پارہ ۱۷

سورۃ الانبیاء ۲۱

سورۃ الحج (۲۲)

پارہ ۱۸

سورۃ المؤمنون (۲۳)

سورۃ النور ۲۴

سورۃ الفرقان ۲۵

پارہ : ۱۹

سُوْرَۃُ الشُّعَرَاء ⑳

سورۃ النمل ۲۷

پارہ: ۲۰

سورۃ القصص ۲۸

سورۃ الکہف ⑱

(پھر وہ تمہیں بتادے گا جو کچھ تم کرتے تھے) پس وہ اس کے مطابق تمہیں بدلہ دے گا۔

وہ جان چھڑانے کے لئے قسمیں اٹھائیں گے تم ان سے اعراض کرو:

آیت 95: سَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَیْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ (ہاں وہ اب تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے تاکہ تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو) تاکہ تم ان کو چھوڑ دو اور توبیخ بالکل نہ کرو۔ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ (پس تم ان سے اعراض کرو) ان کی طلب پوری کردو۔ اِنَّهُمْ رِجْسٌ (وہ لوگ بالکل گندے ہیں) یہ ترکِ عتاب کی علت ہے یعنی عتاب ان کے لئے کوئی فائدہ مند نہیں۔ اور ان کے مناسب نہیں کیونکہ وہ پلیدی ہے جس کی تطہیر کی کوئی صورت نہیں۔ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ (اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے) ان کا انجام جہنم ہے ان کی توبیخ و عتاب کیلئے جہنم کافی ہے ان کو ڈانٹ ڈپٹ کی تکلیف نہ کرو۔ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ (ان کاموں کے بدلے میں جو کچھ وہ کیا کرتے تھے) ان کو ان کے کئے کا بدلہ دیا جائے گا۔

اگر تم راضی ہو بھی گئے مگر اللہ راضی نہ ہوگا:

آیت 96: یَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ (وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ) اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھانے سے ان کا مقصد صرف تمہیں راضی کرنا ہے تاکہ اس سے ان کو دنیوی فائدہ پہنچ جائے۔ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ (پس اگر تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ ایسے شریر لوگوں سے راضی نہ ہوگا) فقط تمہاری رضامندی ان کے لئے کافی نہ ہوگی جبکہ اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہیں اور وہ جلد ملنے والی یا بعد آنے والی سزا کی زد میں ہیں۔

نکتہ: یہ اس لئے فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ مومنین کی رضامندی میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی نہیں۔ جب ان کا عمل اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے مناسب ہو تو اس میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

دیہاتی لوگ کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں اور اسی لائق ہیں کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ پر جو احکام نازل فرمائے ہیں ان سے

عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ

واقف نہ ہوں اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے — اور دیہاتیوں میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو اپنے خرچ کرنے کو تاوان

مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾

سمجھتے ہیں اور تمہارے لئے مصیبتوں کے آنے کے منتظر رہتے ہیں۔ انہی پر بری گردش ہے — اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ

اور دیہاتیوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں — اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کی

عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ

نزدیکی کا اور رسول ﷺ کی دعائیں لینے کا ذریعہ بناتے ہیں۔ خبردار یہ ان کے لئے نزدیکی کا سبب ہے — اللہ ضرور انہیں اپنی رحمت میں

فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾

داخل فرمائے گا — بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے

دیہاتی کفر و نفاق میں بڑھ کر ہیں:

آیت ۹۷: اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا (دیہاتی لوگ کفر اور نفاق میں بہت ہی سخت ہیں) شہریوں کی نسبت کیونکہ ان کی طبیعت میں سختی اور درشتی ہوتی ہے یہ علماء اور علم کی مجالس سے دور ہوتے ہیں۔ وَاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا (اور وہ اسی لائق ہیں کہ وہ نہ جانیں) وہ اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ وہ نہ جانیں حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ (ان احکام کو جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے) یعنی احکام و فرائض جو اللہ تعالیٰ نے اتارے اور دین کی حدود۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے ان الجفاء والقسوة فی الفدادین۔ سختی اور جفا ان لوگوں میں زیادہ ہوتی ہے جو کھیتوں اور مویشیوں میں آوازیں بلند کرتے ہیں۔ فداد یہ چیخنا اور آواز دینا۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ (اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے) ان کے حالات کو حَكِيْمٌ (بڑی حکمت والے ہیں) ان کو مہلت دینے میں حکمت والے ہیں۔

انفاق کو چٹی کہنے والا ٹولہ:

آیت ۹۸: وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ (اور بعض بدو ایسے ہیں جو قرار دیتے ہیں اس چیز کو جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں) صدقہ کرتا ہے مَغْرَمًا (جرمانہ) چٹی سمجھ کر اور تاوان قرار دے کر کیونکہ وہ مسلمانوں سے تقیہ کرتے ہوئے خرچ کرتا ہے اور محض دکھانے کی خاطر کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی رضا اس کو مقصود نہیں ہوتی اور نہ ہی ثواب حاصل کرنا مطلوب ہوتا ہے۔ وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ (اور تمہارے متعلق گردشوں کے منتظر ہیں) وہ حوادث زمانہ اور تبدیلی احوال کے منتظر ہیں کہ تمہارا امر ختم ہو جائے۔ صدقہ دینے سے ان کی جان چھوٹ جائے۔ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ (برا وقت انہی پر پڑنے والا ہے) ان پر مصائب و آلام آئیں گے اثرات پہنچیں گے۔ جیسے کہ وہ مسلمانوں کے متعلق توقع رکھے ہوئے ہیں۔

قراءت: مکی، ابوعمرو نے السُّوْءِ پڑھا۔ اس کا معنی عذاب ہے اور بعض نے فتحہ سے پڑھا ہے اس کا معنی مطلق برائی ہے ذلت یا مصیبت جیسا کہتے ہیں رجل سوء و رجل صدق کے مقابلہ میں۔ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ (اور اللہ تعالیٰ سنتے ہیں) جب صدقہ کے لیے ان کو کہا جاتا ہے۔ تو جو کچھ وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں کو سننے والے ہیں۔ عَلِيْمٌ (جانتے ہیں) ان باتوں کو جو وہ چھپانے والے ہیں۔

آیت ۹۹: وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ (اور بعض دیہاتی ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور قرار دیتے ہیں اس چیز کو جو وہ خرچ کرتے ہیں) جہاد و صدقات میں قُرُبٰتٍ (قرب کا ذریعہ) قربت الٰہی کے اسباب عِنْدَ اللّٰهِ (اللہ کے ہاں)۔ یہ يَتَّخِذُ کا دوسرا مفعول ہے۔ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ (اور رسول کی دعاؤں کا ذریعہ) رسول اللہ ﷺ کی دعائیں بھی مقصود ہے کیونکہ آپ ﷺ ان کیلئے دعائیں فرماتے کہ اللہ تعالیٰ برکت دے۔ وہ تمہارے گناہ معاف فرمائے جیسے کہ اس ارشاد میں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی اٰلِ اَبِیْ اَوْفٰی (بخاری ۱۴۹۷ - مسلم ۱۰۷۸) اَلَآ اِنَّهَا (یاد رکھو بے شک ان کا یہ خرچ کرنا) یہ خرچ کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں قُرْبَةٌ لَّهُمْ (ان کے لئے قرب کا ذریعہ ہے)

قراءت: نافع نے قُرُبَةٌ پڑھا۔

مسئلہ: جس نے صحیح طور پر اللہ تعالیٰ کی رضامندیوں اور رسول اللہ ﷺ کی دعائیں حاصل کرنے کیلئے صدقہ کیا اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت کی گواہی اور تصدیق ہے کہ اس کی امید بار آور ہوگی اس کو جملہ مستانفہ کے طور پر ذکر کیا اور آلا حرف تنبیہ اور حرف تحقیق ساتھ ساتھ لائے تاکہ بات کی پختگی ہو اور اس پر پورے اعتماد کا اظہار ہو جائے کہ ان کی امید یقیناً ضرور پوری ہو گی) اور اسی طرح سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ (ضرور اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت میں داخل کریں گے) رحمت سے مراد جنت ہے۔ سین کو وعدہ کی پختگی کیلئے داخل کیا۔

نکتہ: اس کلام میں صدقہ کرنے والوں پر کیسے کیا خوب انداز سے رضامندی کا اظہار کیا گیا اور جب صدقہ کرنے والے کی نیت خالص ہو تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کو کیا عظیم مرتبہ اور مقام ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ (اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے) خلل والوں کے عیوب کو چھپانے والے رَّحِيْمٌ (بڑی رحمت والے ہیں) تعمیل اطاعت کرنے والوں کی کوشش کو بھی قبول فرما لیتے ہیں۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ

اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ سبقت سے جانے والے ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کی

رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ

فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ

رہیں گے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور تمہارے گرد و پیش جو دیہاتی ہیں ان میں منافق ہیں

وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۣ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ

اور اہل مدینہ میں بھی ایسے لوگ ہیں جو منافقت پر اڑ گئے ہیں آپ انہیں نہیں جانتے۔ ہم انہیں جانتے ہیں

سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ۚ

ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے پھر وہ عذاب عظیم کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

سابقون الاولون کا تذکرہ:

آیت ۱۰۰: وَالسّٰبِقُوْنَ (اور سبقت کرنے والے) یہ مبتدا ہے۔ الْاَوَّلُوْنَ (پہلے) یہ مبتدا کی صفت ہے مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ (جو مہاجر) کا بیان ہے۔ نمبر ۱: اس سے مراد وہ لوگ جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔ نمبر ۲: جو بدر میں حاضر ہوئے۔ نمبر ۳: بیعت رضوان میں جو موجود تھے۔ وَالْاَنْصَارِ (اور انصار میں) اس کا عطف المہاجرین پر ہے ای من الانصار یہ بیعت عقبہ اولیٰ والے ہیں جن کی تعداد سات تھی اور بیعت عقبہ ثانیہ والے جن کی تعداد ستر تھی۔ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ (اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں) مہاجرین انصار میں سے نمبر ۱: اس سے تمام صحابہ کرام مراد ہیں۔ نمبر ۲: اس سے قیامت تک آنے والے لوگ مراد ہیں جنہوں نے اطاعت و ایمان کے ساتھ ان کی اتباع و پیروی کی رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ (اللہ ان سب سے راضی ہو گیا) یہ خبر ہے ان کے اعمال حسنہ کی وجہ سے وَرَضُوْا عَنْهُ (اور وہ سب اس سے راضی ہو گئے) ان دنیوی اور اخروی نعمات کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائے وَاَعَدَّ لَهُمْ (اور ان کے لئے مہیا کر دیئے) اس کا عطف رَضِيَ پر ہے۔ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ (ایسے باغات جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی)

قراءت: مکی نے تَحْتِهَا پڑھا ہے۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے)

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ

اور کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا انہوں نے ملے جلے عمل کیے کچھ نیک عمل بھی ہیں اور کچھ برے اعمال بھی۔ قریب ہے اللہ

يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ

ان کی توبہ قبول فرمالے بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے۔ آپ ان کے اموال سے صدقہ لے لیجئے جو انہیں

وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾

پاک کر دے گا اور ان کو بابرکت بنا دے گا، اور ان کے لیے دعا کیجئے۔ بے شک آپ کی دعا ان کے لیے باعث سکون ہے، اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ

کیا ان لوگوں نے نہیں جانا کہ بلاشبہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات قبول فرماتا ہے، اور یہ کہ

اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ

اللہ خوب زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے مہربان ہے۔ اور آپ فرما دیجئے کہ عمل کرتے رہو سو عنقریب دیکھ لے گا تمہارے اعمال کو اللہ اور اس کا رسول بھی

وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور اہل ایمان بھی، اور عنقریب تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو سب پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے سو وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

اور کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک ملتوی رکھا جاتا ہے وہ انہیں عذاب دے یا ان کی توبہ قبول فرمائے، اور اللہ علیم ہے حکیم ہے۔

معترف گناہ مؤمن:

آیت ۱۰۲: وَاٰخَرُوْنَ (اور کچھ اور لوگ ہیں) ان مذکورہ مؤمنوں کے علاوہ اور لوگ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ (جو اپنی خطا کے معترف ہو گئے) اپنے پیچھے رہ جانے پر جھوٹے عذر پیش نہیں کیے بلکہ انہوں نے ندامت سے اپنے عمل کا اعتراف و اقرار کیا کہ انہوں نے بہت بڑی غلطی کی ہے ان کی تعداد دس تھی۔ ان میں سے سات نے ان آیات کو سن کر جو متخلفین کے متعلق اتری تھیں اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ دیا۔ آپ ﷺ تشریف لائے اور عادت مبارکہ کے مطابق سب سے پہلے مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ آپ نے جب ان کو بندھا ہوا دیکھا تو ان سے سوال کیا انہوں نے ذکر کیا کہ ہم نے قسم اٹھائی ہے کہ اپنے آپ کو نہیں کھولیں گے جب تک اللہ کے رسول ﷺ خود نہ کھولیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں بھی قسم اٹھاتا ہوں کہ جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہوگا تمہیں نہیں کھولوں گا۔ جب یہ آیت اتری آپ نے ان کو آزاد فرما دیا۔

طریق سے ہو وَیَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ (اور وہی صدقات کو قبول کرتا ہے) اور ان کو قبول فرماتے ہیں جبکہ خلوص نیت سے دیئے جائیں۔

نکتہ: ھُوَ کا لفظ تخصیص کو ظاہر کر رہا ہے کہ یہ کام رسول اللہ ﷺ کے حوالے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی توبہ کو قبول کرنے والے اور مستحق کرنے والے ہیں پس توبہ میں اسی ہی کا قصد کرو اور اسی کی طرف تمام نسبت کرو۔ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ (اور بے شک اللہ ہی توبہ کو قبول کرنے والے ہیں) بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والے ہیں۔ الرَّحِیْمُ (رحمت کرنے والے ہیں) اور گناہ کو معاف کر دیتے ہیں۔

وعید برائے مستقبل:

آیت ۱۰۵: وَقُلِ (اور آپ کہہ دیں) ان توبہ کرنے والوں کو اعْمَلُوْا فَسَیَرَی اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (عمل کئے جاؤ پس اللہ دیکھ لیگا تمہارے عمل کو اور اس کا رسول اور مومنین بھی)۔ نمبرا: تمہارا کوئی عمل مخفی نہیں خواہ خیر ہو یا شر اللہ تعالیٰ پر اور نہ اسکے بندوں پر چھپا کر تم نے دیکھ لیا اور تمہارے سامنے ظاہر ہو گیا۔ نمبر۲۔ غیر تائبین کو توبہ کی ترغیب کیلئے یہ فرمایا۔ روایت میں وارد ہے جب ان کی توبہ قبول کر لی گئی تو ان لوگوں نے کہا جنہوں نے توبہ نہ کی تھی کہ یہ وہ لوگ ہیں جو کل گزشتہ ہمارے ساتھ کلام کرتے اور بیٹھتے تھے۔ انکو کیا ہو گیا۔ پس یہ آیت اتری اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد فَسَیَرَی اللّٰهُ یہ انکے حق میں وعید ہے اور اصرار کے انجام سے ڈرایا گیا ہے اور توبہ سے متعلق غفلت برتنے سے خوف دلایا گیا۔ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ (اور ضرور تم کو اس ذات کے پاس جانا ہے جو تمام مخفی) جو لوگوں سے پوشیدہ ہے وَالشَّهَادَةِ (اور کھلی چیزوں کو جاننے والا ہے) جس کا وہ مشاہدہ کرتے ہیں فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (پس وہ تم کو تمہارا سب کیا ہوا بتلا دے گا) یہ تنبیہ تذکیر اور اس پر مجازات کا ذکر ہے۔

التواء والے لوگ:

آیت ۱۰۶: وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ (اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ اللہ کے حکم آنے تک ملتوی کر دیا گیا ہے) مدنی، کوفی قراء سوائے ابوبکر نے بلا ہمزہ پڑھا ہے۔ دوسرے قراء نے مُرْجَئُوْنَ پڑھا ہے یہ ارجئتہ اور ارجیتہ سے ہے۔ جب تم اس کو مؤخر کیا جائے۔ اور اسی سے المرجئہ ہے۔ مطلب اس طرح ہے واخرون من المتخلفین موقوفون الی ان یظہر امر اللّٰہ فیہم۔ متخلفین میں سے دوسرے روک دیئے گئے یہاں تک کہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم ظاہر ہو۔

اِمَّا یُعَذِّبُهُمْ (خواہ وہ ان کو سزا دے) اگر وہ اصرار کریں اور توبہ نہ کریں۔ وَاِمَّا یَتُوْبُ عَلَیْهِمْ (یا ان کی توبہ قبول کرلے) اگر وہ توبہ کرلیں ان کی تعداد تین تھی نمبر۱۔ کعب بن مالک نمبر۲۔ ہلال بن امیہ نمبر۳۔ مرارہ بن الربیع۔ یہ غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے یہی وہ لوگ ہیں جنکا تذکرہ اس آیت میں ہے وعلی الثلثۃ الذین خلفوا۔ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ (اور اللہ خوب جاننے والا) ان کے مؤخر کرنے کو حَكِیْمٌ (بڑا حکمت والا ہے) اور ان کو مؤخر کرنے میں اِمَّا کا لفظ شک و تردد کے لئے آتا ہے۔ بندوں کا لحاظ کر کے اِمَّا کا استعمال کیا گیا یعنی ان کو عذاب کا خطرہ ہے اور تمہیں ان پر رحمت کی امید ہے۔ روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو ان کے ساتھ سلام و کلام سے منع فرما دیا ان حضرات نے اپنے آپ کو ستونوں سے بھی نہ باندھا اور شدید گھبراہٹ و غم کا اظہار کیا۔ جب انہیں بائیکاٹ کا علم ہوا تو اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا اور اپنی نیتوں کو خالص کر لیا اب ان کی توبہ مخلصانہ تھی پس ان کو اللہ تعالیٰ نے خوش کر دیا۔ (واقعہ روایت کعب سے بخاری و مسلم میں مذکور ہے)

رحمت اللہ سے رکھی اور وہاں نمازیں ادا فرمائیں) ان کے بھائی بنو غنم بن عوف کو حسد پیدا ہوا کہنے لگے ہم بھی مسجد بنائیں گے اور رسول اللہ ﷺ کو نماز کی اس میں دعوت دیں گے اور ابو عامر راہب جب شام سے آئے گا تو وہ بھی اس میں نماز پڑھا کرے گا یہ ابو عامر وہ شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کو احد کے دن کہا آپ کے مقابلہ میں جو بھی لڑے گا میں اس کا ساتھ دوں گا حنین تک مختلف لڑائیوں میں شریک رہا۔ چنانچہ مسجد قباء کے قریب انہوں نے ایک مسجد بنائی۔ اور رسول اللہ ﷺ کو کہا ہم نے بیمار اور حاجت مند لوگوں کی خاطر ایک مسجد بنائی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ اس میں نماز پڑھیں آپ ﷺ نے فرمایا اس وقت میں سفر پر جا رہا ہوں۔ تبوک سے واپسی پر انشاء اللہ ہم اس میں نماز ادا کریں گے۔

جب تبوک سے آپ واپس لوٹ آئے انہوں نے مسجد میں آنے کا سوال کیا اس پر یہ آیات اتریں۔ آپ ﷺ نے وحشی اور معن بن عدی وغیرہ کو حکم دیا اس مسجد کی طرف جاؤ جس کے بنانے والے ظالم ہیں اور اس کو گرا دو۔ پس ایسا کر دیا گیا اس جگہ کو کوڑا کرکٹ مردار اور فضلات ڈالنے کا حکم فرمایا۔ ابو عامر فاسق شام میں اپنی موت مرگیا۔ ضِرَارًا (ضرر پہنچانے) یہ مفعول لہ ہے۔ اسی طرح اس کا مابعد بھی۔ تقدیر عبارت یہ ہے مضارۃ لاخوانھم اصحاب مسجد قباء مسجد قباء کے ساتھیوں کو نقصان پہنچانے کیلئے۔ وَّكُفْرًا (اور کفر پر تقویت حاصل کرنے کے لئے) منافقت کو مضبوط کرنے کیلئے وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (اور ایمان والوں میں تفریق ڈالنے کیلئے) کیونکہ وہ اکٹھے مسجد قباء میں نماز ادا کرتے انہوں نے چاہا کہ ان میں انتشار پیدا ہو جائے۔ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ (اور اس شخص کے قیام کا سامان کرنے کیلئے) اس شخص کے قیام کا سامان بنانے کیلئے حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (جو خدا اور اس کے رسول کا مخالف رہا ہے) وہ ابو عامر راہب تھا جس کے نماز ادا کرنے اور رسول اللہ ﷺ پر غلبہ پانے کیلئے یہ مرکز بنایا گیا تھا۔

بعض کا قول یہ ہے کہ فخر و مباہات اور ریاکاری یا شہرت کیلئے بنائی جانے والی مسجد اسی حکم میں ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے علاوہ کسی بھی غرض کیلئے بنائی جانے والی مسجد یا ناپاک مال سے بنائی ہونے والی مسجد بھی مسجد ضرار کے حکم میں ہے۔ مِنْ قَبْلُ (پہلے سے) یہ حَارَبَ کے متعلق ہے یعنی اس مسجد کی تعمیر سے پہلے خندق کے دن وَلَيَحْلِفُنَّ (اور یہ ضرور قسمیں کھائیں گے) جھوٹے اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى (کہ ہم نے تو صرف بھلائی ہی کا ارادہ کیا تھا) ہم اس مسجد کی تعمیر سے اچھی غرض ہی رکھتے تھے مثلاً نماز، ذکر اللہ، نمازیوں کی آسانی وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں) اپنے اس حلف میں۔

ایسی مسجد میں قیام کی ممانعت:

آیت ۱۰۸: لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا (آپ اس میں کبھی کھڑے نہ ہوں) نماز کیلئے لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى (البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے)

مسجد قباء میں قیام کا حکم اور ان کے باسیوں کی تعریف:

لام ابتدائیہ ہے اُسِّسَ یہ مسجد کی صفت ہے مراد اس سے مسجد قباء ہے جس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ نے رکھی کے زمانہ

قیام تھا اپنے دست اقدس سے رکھی۔ نمبر ۲۔ مسجد نبوی جو مدینہ میں ہے وہ مراد ہو۔ مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ (اول دن سے) اس کی تعمیر کے پہلے دن سے۔ ایک قول یہ ہے کہ تقاضا قیاس تو یہ ہے کہ یہاں منذ آتا کیونکہ وہ ابتداء غایت فی الزمان کیلئے آتا ہے اور یہاں من لائے جو کہ ابتداء غایت فی المکان کیلئے ہے۔ الجواب من کا لفظ زمان و مکان دونوں کیلئے آتا ہے۔

اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ (وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں) نماز کیلئے فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ (اس میں ایسے آدمی ہیں کہ وہ خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والوں کو پسند کرتا ہے) جب یہ آیت اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین کی جماعت کے ساتھ قباء میں تشریف لائے اور مسجد قباء کے دروازے پر کھڑے ہو گئے انصار مسجد میں بیٹھے تھے۔ آپ نے آواز دیکر فرمایا۔ امؤمنون انتم؟ کیا تم ایمان والے ہو؟ تمام خاموش رہے پھر آپ نے اس بات کو دہرایا اس پر حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! بلاشبہ وہ مؤمن ہیں اور میں بھی ان کے ساتھ۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم فیصلے پر راضی ہو؟ انہوں نے کہا ہاں! فرمایا کیا تم آزمائش پر صبر کرنے والے ہو؟ انہوں نے کہا جی ہاں! فرمایا کیا تم خوشحالی میں شکرگزار ہو۔ انہوں نے جواب دیا جی ہاں حضور! آپ نے فرمایا رب کعبہ کی قسم تم مؤمن ہو۔ پھر آپ بیٹھ گئے اور فرمایا اے گروہ انصار اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعریف فرمائی ہے تم بوقت وضو کیا عمل کرتے ہو اور پاخانے کے وقت تمہارا کیا عمل ہے؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہم پاخانہ سے فارغ ہو کر تین ڈھیلے استعمال کرتے ہیں پھر پتھروں کے استعمال کے بعد پانی استعمال کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی فیه رجال یحبون ان یتطهروا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ تمام نجاسات سے تطہیر کیلئے یہ آیت عام ہے۔ تیسرا قول اس تطہیر سے گناہوں کی توبہ کے ذریعہ تطہیر مراد ہے یحبون ان یتطهروا میں محبت سے مراد طہارت کو ترجیح دینا اور اس کی اس طرح حرص کرنا جیسا کہ محب کسی محبوب چیز کی حرص کرتا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر راضی ہے اور ان پر احسان فرمانے والے ہیں جیسا محب محبوب کے ساتھ کرتا ہے۔

دونوں میں تقابلی فرق:

آیت ۱۰۹: اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ (کیا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد رکھی) تعمیر کی بنیاد رکھتا ہے۔ عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ (تقویٰ پر اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی پر وہ زیادہ بہتر ہے یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی گھاٹی کے گرنے والے کنارے پر رکھی ہو) یہ استفہام تقریری ہے اور واضح ہونے کی وجہ سے جواب ذکر نہیں کیا گیا۔ مطلب یہ ہے۔ جس نے اپنے دین کی بنیاد مضبوط ستون پر رکھی ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اور رضامندی ہے۔ خیر ام من جس نے اپنی عمارت کی تعمیر کمزور بنیادوں پر رکھی ہو۔ وہ بنیادیں باطل اور منافقت ہے جس کی مثال قلت ثبات اور استمساک میں گرنے والے گڑھے۔ گرنے والے کنارے کی ہے گرنے والے گڑھے کا کنارہ تقویٰ کے مقابلے میں ذکر کیا گیا کیونکہ گرنے والے گڑھے کے کنارے کو اس چیز سے مجاز قرار دیا جو تقویٰ کے مخالف ہے۔

الشفا کنارہ۔ جرف الوادی وادی کی وہ جانب جس کو پانی نے نیچے سے کھوکھلا کر دیا ہو۔ سیلاب اس کو کھود ڈالتا ہے۔

وہ کمزور ہو جائے انہدام کرنے والا، پھٹنے والا جو گرا چاہتا ہو۔ اس کا وزن فَعِلٌ ہے جو فاعل سے قصر کر کے پڑھا جیسا کہ خلف کو خالف سے پڑھا ہے۔ اس کا الف فاعل کا الف نہیں بلکہ اصلی ہے یہ اصل میں ھَوِرٌ تھا تحرک کی وجہ سے واؤ کو الف سے بدل دیا ہے یہ انتہائی بلیغ کلام ہے۔ جو باطل کی حقیقت و اصلیت کو طشت از بام کر رہا ہے۔

قراءت: شامی، نافع نے الْبنی اسس بنیانہ کو اُسِّسَ بُنْیَانُہٗ پڑھا ہے۔ شامی، حمزہ اور یحییٰ نے جُرُفٍ کو جُرْفٍ راء کے سکون سے پڑھا۔ ابو عمرو نے ھارٍ کو امالہ سے پڑھا جبکہ حمزہ نے ایک روایت کے مطابق اور یحییٰ نے امالہ کیا ہے۔

فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ (پھر وہ اس کو لے کر دوزخ کی آگ میں گر پڑے) باطل اس کو لیکر جہنم میں گر پڑا۔ جب آیت میں حرف حق کو باطل کیلئے بطور مجاز استعمال کیا گیا تو حرف کیلئے انہار کا لفظ لائے جو اس کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ نیز یہ تصور دیا کہ باطل پرست نے اپنی تعمیر کی بنیاد جہنم کی وادی کے گرنے والے گڑھے کے کنارہ پر رکھی ہے وہ کنارہ اس کو لیکر جہنم کی گہرائی میں جا گرا ہے۔

جابر کہتے ہیں میں نے مسجد ضرار سے اس وقت دھواں نکلتا ہوا دیکھا جب وہ جہنم میں گری۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو سمجھ ہی نہیں دیتا) ان کو نفاق کی سزا کے طور پر خیر کی توفیق نہ دے گا۔

منافقین کے خبیث مقاصد کی نشاندہی:

آیت ۱۱۰: لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ (یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے۔ ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی) اس کا گرانا ان کے نفاق و شک میں اضافہ کا باعث بنا رہے گا کیونکہ اس سے ان کو مزید غصہ آئے گا اور وہ ان پر گراں گزرے گی۔ اِلَّا اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ (مگر یہ کہ ان کے دل ہی فنا ہو جائیں) شامی، حمزہ اور حفص نے تَقَطَّعَ پڑھا جو اصل میں تَتَقَطَّعُ ہے۔ دیگر قراء نے تُقَطَّعَ۔ پڑھا ہے جس کا معنی ان تقطع قلوبهم قطعا و تفرق اجزاء۔ انکے دلوں کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ کر اجزا الگ کر دیئے جائیں اس وقت ان کو تسلی ہوگی البتہ جب تک ان کے دل صحیح سالم اور باقی ہیں ان میں شک باقی رہے گا اور مضبوطی سے جما رہے گا۔ پھر یہ درست ہے کہ شک کے زائل کرنے کی تصویر بٹھانے کیلئے کیا گیا ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ حقیقۃً کٹنا مراد ہو۔ جو کہ ان کے قتل سے ممکن ہے۔ یا قبور میں پہنچ کر یا آگ میں داخل ہو کر۔

ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے دل توبہ و ندامت سے اپنی اس زیادتی پر کٹ جائیں نڈھال ہو جائیں۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ (اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے) ان کے عزم سے حَكِيْمٌ (بڑی حکمت والے ہیں) ان کے جرائم کی سزا میں حکمت والے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

بے شک اللہ نے مومنین سے اس بات کے عوض ان کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا کہ ان کے لئے جنت ہے۔

يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ

وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کر دیئے جاتے ہیں اس پر سچا وعدہ ہے توریت

وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ

انجیل اور قرآن میں ہے اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا کون ہے۔ سو تم لوگ بیچ اس بیع پر خوش ہو جاؤ

الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١١﴾ التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ

جس کا تم نے معاملہ کیا ہے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ وہ لوگ توبہ کرنے والے ہیں۔ عبادت کرنے والے ہیں، حمد کرنے والے ہیں۔

السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ

روزہ رکھنے والے ہیں، رکوع کرنے والے ہیں۔ سجدہ کرنے والے ہیں۔ نیک باتوں کی تعلیم دینے والے ہیں اور بری باتوں سے روکنے

الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٢﴾

والے ہیں اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں اور آپ مومنین کو خوشخبری سنا دیجئے۔

نفع بخش تجارت جس میں اقالہ نہیں:

آیت ۱۱۱: إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی) اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی اطاعت شعاری اور اس کی راہ میں مال خرچ کرنے کو جنت کے بدلے خرید لینے سے تشبیہ دی اور روایت میں آیا ہے کہ ان سے تجارت کا معاملہ کیا اور ثمن کو بہت بڑھا کر دیا۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے نفوس کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اموال عنایت کرنے والے بھی وہی ہیں۔ ایک اعرابی کا گزر رسول اللہ ﷺ کے پاس سے اسی حالت میں ہوا جبکہ آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے تو وہ کہنے لگا اللہ تعالیٰ کی قسم یہ نفع بخش بیع ہے ہم اس میں نہ اقالہ کریں گے اور نہ اقالے کا مطالبہ کریں گے۔ وہ جنگ پر روانہ ہوا اور شہید ہو گیا۔ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں) یہ بیع کی شکل بیان فرمائی فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ (وہ بھی قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں) یعنی کبھی وہ دشمن سے لڑتے ہیں کبھی دشمن ان کو قتل کر دیتا ہے۔

قراءت: فَیُقْتَلُوْنَ وَیَقْتُلُوْنَ حمزہ اور علی نے پڑھا۔ وَعْدًا عَلَیْهِ (اس پر وعدہ کیا گیا ہے) یہ مصدر ہے جس کا معنی وعدھم بذلک وعدا
ان سے وعدہ کیا وعدہ کرنا۔ حَقًّا (سچا) یہ وعدا کی صفت ہے اس میں اطلاع دی گئی ہے کہ یہ پورا کیا جانے والا وعدہ ہے۔ یہ وعدہ
جس کو میں نے لکھ دیا ہے۔ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ (تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں)

نکتہ: یہ دلیل ہے کہ ہر امت والوں کو قتال کا حکم دیا گیا اور اس پر ان سے وعدے کئے گئے پھر فرمایا وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ
اللّٰهِ (اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون وعدے کو پورا کرنے والا ہے) کیونکہ عہد و خلافی قبیح چیز ہے۔ جب اس کا ارتکاب کوئی شریف
آدمی نہیں کرتا تو اکرم الاکرمین کیونکر وعدہ کی خلاف ورزی فرمانے والے ہیں۔ اس سے زیادہ بلیغ اور بلیغ انداز میں جہاد کی
ترغیب نہیں دی جا سکتی۔ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ (تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا معاملہ تم نے ٹھہرایا ہے خوشی
مناؤ) تمہیں انتہائی خوش ہونا چاہیے کہ تم فانی کے بدلے باقی کا سودا کر رہے ہو۔ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ (اور یہ بڑی کامیابی ہے)
صادق رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ تمہارے ابدان کی قیمت صرف جنت ہے۔ پس ان کو صرف اسی کے بدلے میں فروخت کرو۔

آیت ۱۱۲: اَلتَّآئِبُوْنَ (وہ ایسے ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں) نمبر۱۔ یہ مدح کی بنا پر مرفوع ہے ای هم التائبون یعنی یہ
مذکور مومنین ہی تائب ہیں۔ نمبر۲۔ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر العابدون ہے۔ الْعٰبِدُوْنَ (عبادت کرنے والے) وہ لوگ جو فقط
اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرنے والے ہیں اور عبادت اسی کے لئے خالص کرنے والے ہیں اس کا مابعد خبر کے بعد خبر ہے۔ یعنی
التائبون من الكفر على الحقيقة الجامعون لهذه الخصال۔ کہ حقیقۃً کفر سے توبہ کرنے والے وہ ان خصال کے جامع
ہیں۔

حضرت حسن رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے شرک سے توبہ کی۔ اور نفاق سے براءت کا اظہار
کیا۔ الْحٰمِدُوْنَ (حمد کرنے والے) اسلام کی نعمت پر۔ السَّآئِحُوْنَ (روزہ رکھنے والے) نمبر۱۔ روزہ رکھنے والے ہیں۔
آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔ سياحة امتي الصيام (رواہ ابن جریر) نمبر۲۔ طلبہ علم مراد ہیں کیونکہ وہ زمین میں سفر کرتے ہیں اور
منازل علم سے علم حاصل کرتے ہیں نمبر۳۔ عبرت کیلئے زمین میں سفر کرنے والے ہیں۔ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ (اور رکوع اور
سجدہ کرنے والے) نمازوں کی محافظت کرنے والے ہیں۔ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ (اور نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے) ایمان
اور معرفت و اطاعت کے ذریعہ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (اور بری باتوں سے باز رکھنے والے) شرک و معاصی سے واؤ کو
درمیان میں داخل کیا کہ یہ صفت پوری کڑی ہے جو بیان کی گئی ہے نمبر۲۔ مروی ہے۔ [illegible] تنافی ظاہر کرنے کے لئے واؤ لایا گیا
جیسا کہ اس ارشاد میں ثيبات وابكارا (تحریم ۵) وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ (اور اللہ تعالیٰ کی حدوں کا خیال رکھنے والے)
اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی۔ نمبر۲۔ شریعت کے تقاضے وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ (اور آپ ایسے مومنین کو خوشخبری سنا دیں) جو ان صفات
کے ساتھ متصف ہیں۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ

اور اللہ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کرے جب تک کہ ان پر کھول نہ دے جن سے ان کو بچنا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ

بیشک اللہ ہر چیز کو جانتا ہے بیشک اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں جلاتا ہے

وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾

اور مارتا ہے اور تمہارا کوئی نہیں اللہ کے سوا حمایتی اور نہ مددگار۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ

بیشک اللہ مہربان ہوا نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر جو ساتھ رہے نبی کے مشکل کی گھڑی میں

الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ

بعد اس کے کہ قریب تھا کہ دل پھر جائیں بعضوں کے ان میں سے پھر مہربان ہوا ان پر بیشک وہ

بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ

ان پر مہربان ہے رحم کرنے والا۔ اور ان تین شخصوں پر جن کو پیچھے رکھا تھا یہاں تک کہ جب تنگ

عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ

ہو گئی ان پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے اور تنگ ہو گئیں ان پر ان کی جانیں اور سمجھ گئے کہ کہیں پناہ نہیں اللہ سے

اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

مگر اسی کی طرف پھر مہربان ہوا ان پر تاکہ وہ پھر آئیں بیشک اللہ ہی ہے مہربان رحم والا۔

مہربانی کرتے تھے حلیم (حلیم الطبع تھے) خلائق پر صبر کرنے والے تکالیف پر درگزر کرنے والے تھے۔ وہ باپ کے لئے ہدایت و استغفار کے طالب تھے جب باپ کا جہنمی ہونا ثابت نہ تھا۔

گناہ کو جان بوجھ کر کرنے سے مواخذہ ہوگا:

آیت ۱۱۵: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرتا کہ کسی قوم کو ہدایت کرنے کے بعد گمراہ کر دے جب تک کہ ان چیزوں کو صاف صاف نہ بتلا دے جن سے وہ بچتے رہیں) جس سے

بچنے اور پرہیز کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے جیسا کہ مشرکین کیلئے استغفار وغیرہ اور دیگر مشتبہات اور وہ چیزیں جن کا ممنوع ہونا واضح کر دیا۔ اور اس پر وہ اپنے ان بندوں سے جن کی رہنمائی اسلام کی طرف کر دی مواخذہ بھی نہیں فرماتا۔ ورنہ وہ گمراہ کرتا ہے مگر جبکہ اس کا اقدام جان بوجھ کر کریں اور وہ جانتے ہوں کہ اس کا ماننا ضروری ہے۔ باقی وضاحت و اطلاع سے پہلے مواخذہ نہیں۔ دراصل اس آیت میں ان صحابہ کے عذر کا بیان ہے جن کو خدشہ ہوا کہ استغفار مشرکین کے سلسلہ میں کہیں مواخذہ نہ ہو جائے۔ مایتقون سے مراد وہ چیز ہے کہ ممانعت کی بنا پر جس سے بچنا ضروری ہے باقی عقل سے معلوم ہونے والی چیز کا دارومدار اس پر نہیں ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں)

مالک وہی ہے اس کی فرمانبرداری کے بغیر چارہ نہیں:

آیت ۱۱۶: اِنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور تمہارا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہ یار ہے اور نہ مددگار ہے)

آیت ۱۱۷: لَقَدْ تَّابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ (اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کے حال پر توجہ فرمائی) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی توجہ پر منافقین کو پیچھے رہنے کی اجازت دینے پر رجوع فرمایا۔ جیسا دوسرے ارشاد میں ہے۔ عفا اللّٰہ عنک لم اذنت لھم (توبہ ۴۳) وَالْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ (اور مہاجرین و انصار کے حال پر بھی) اس میں مسلمانوں کو توبہ پر ابھارا گیا ہے۔ ہر مومن تو بہ و استغفار کا محتاج ہے یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین و انصار بھی۔

الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ فِیْ سَاعَۃِ الْعُسْرَۃِ (جنہوں نے تنگی کے وقت میں پیغمبر کا ساتھ دیا) غزوۂ تبوک کے موقع پر۔ اس کا معنی وقت العسرۃ ہے۔ الساعۃ کا لفظ مطلق وقت کے لئے استعمال ہوتا ہے صحابہ کرام جو تبوک گئے سواریوں کی تنگی تھی دس دس صحابہ ایک ایک اونٹ پر سوار ہوتے تھے۔ سفر کا زاد راہ ردی قسم کی کھجوریں اور جو تھے وہ بھی تھوڑی تھی۔ بھوک اس حد تک پہنچ گئی کہ دو دو کو ایک کھجور ملتی اور بعض اوقات ایک جماعت اس ایک کھجور کو چوس کر پانی پی لیتی اور پانی کی قلت کا حال یہ تھا کہ اونٹوں کو ذبح کر کے ان کی اوجھڑیاں بعض اوقات نچوڑ کر پینی پڑیں۔ اور موسم شدید گرمی اور مسافت دراز اور قحط و خشک سالی اپنے جوش پر تھی۔

مِنْۢ بَعْدِ مَا کَادَ یَزِیْغُ قُلُوْبُ فَرِیْقٍ مِّنْھُمْ (اس کے بعد کہ ان میں سے ایک جماعت کے دلوں میں کچھ تزلزل پیدا ہو چلا تھا) تیسرا ایمان پر ثابت قدمی میں۔ نمبر ۲۔ اس غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے میں

نَحْو: کاد میں ضمیر شان ہے اور اس کے بعد والا جملہ منصوب ہے یہ اسی طرح ہے جیسا کہا جاتا ہے لیس خلق اللّٰہ مثلہ ای لیس الشان خلق اللّٰہ مثلہ اللہ تعالیٰ نے اس جیسا بنایا نہیں۔

قراءت: حمزہ اور حفص نے یزیغ پڑھا ہے۔

ثُمَّ تَابَ عَلَیْھِمْ (پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی) دوبارہ تاکید کیلئے لائے۔ اِنَّہٗ بِھِمْ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان سب پر بہت ہی شفیق و مہربان ہے)

تین صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی توجہ رحمت کا چھینٹا پڑا!

آیت ۱۱۸: وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ (اور ان تین شخصوں کے حال پر بھی) ای وتاب علی الثلاثۃ۔ اس کا عطف النبی پر ہے۔ اور مقبولوں پر رجوع فرمایا۔ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا (جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا) غزوہ سے پیچھے رہ گئے۔ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ (یہاں تک کہ جب زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی) ما رحبت میں ما مصدریہ ہے بمعنی رحبھا۔ وسعت کے باوجود۔ دراصل یہ حیرانی کو تمثیل سے ذکر فرمایا۔ گویا وہ زمین میں کوئی جگہ نہیں پاتے تھے کہ جہاں قلق اضطراب اور گھبراہٹ سے بھاگ کر چلے جائیں۔ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ (اور وہ اپنی جان سے تنگ آگئے)

النفس سے مراد قلوب ہیں ان کے دلوں میں انس و سرور نہ رہ گویا وہ فرط وحشت و غم سے نکل نکل گئے۔ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ (اور انہوں نے یقین کر لیا کہ اللہ تعالیٰ سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی مگر اسی کے پاس) انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے نکلنے کا راستہ معافی و استغفار کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ (پھر ان کے حال پر توجہ فرمائی) پچاس ایام کے بعد لِيَتُوْبُوْا (تاکہ وہ آئندہ بھی رجوع رہا کریں) تاکہ وہ بھی توابین میں شامل ہو جائیں۔ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (بیشک اللہ تعالیٰ بہت توجہ فرمانے والے بڑے رحم کرنے والے ہیں) ابوبکر وراق کہتے تھے خالص توبہ یہ ہے کہ تائب کو زمین باوجود وسعت کے تنگ نظر آئے اور خود اس کا اپنا نفس بھی اس پر تنگ ہو۔ جیسا کہ یہ تین صحابہ کرام۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَ مَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ

مدینے والے اور ان کے آس پاس کے رہنے والے دیہات کے لوگوں کے لئے یہ زیبا نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹ کر

رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ

پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ بات کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان سے زیادہ اپنی جانوں کو عزیز کر بیٹھیں۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ انہیں جو بھی کوئی پیاس

ظَمَاٌ وَّ لَا نَصَبٌ وَّ لَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ

یا تھکن یا بھوک اللہ کی راہ میں پہنچتی ہے اور وہ کسی جگہ جو قدم رکھتے ہیں جس سے کافروں کو جلن ہوتی ہے

وَ لَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ

اور دشمن سے جو بھی کوئی چیز لے لیتے ہیں تو اس سب کی وجہ سے ان کے لئے نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ بلاشبہ اللہ نیک کام کرنے والوں کا

اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَ لَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً وَّ لَا يَقْطَعُوْنَ

اجر ضائع نہیں فرماتا۔ اور وہ لوگ جو بھی کوئی چھوٹا بڑا خرچ کرتے ہیں اور جس کسی میدان کو قطع کرتے

وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

ہیں تو یہ ان کے لئے لکھ لیا جاتا ہے تاکہ اللہ ان کے عمل کا اچھے سے اچھا بدلہ عطا فرمائے۔

سچوں کا ساتھ دو:

آیت ۱۱۹: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو) نمبر۱۔ ایمان والوں کے ساتھ نہ کہ منافقین کے ساتھ۔ نمبر۲۔ ان ایمان والوں کے ساتھ جو پیچھے نہیں رہے۔ نمبر۳۔ ان لوگوں کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کے دین میں اور قول، نیت و عمل میں سچ اختیار کرنے والے ہیں۔

مسئلہ: یہ آیت اجماع کی حجیت پر دلیل ہے کیونکہ صادقین کا ساتھ دینے کا حکم دیا گیا پس ان کا قول قبول کرنا ضروری ہوا۔

اپنی جان کو عزیز سمجھ کر جہاد سے پیچھے نہ رہنا چاہیے:

آیت ۱۲۰: مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ (مدینہ کے رہنے والوں کو اور جو دیہاتی ان کے گردو پیش ہیں یہ مناسب نہیں تھا کہ وہ رسول خدا کا ساتھ نہ دیں) یہ نہی کے معنی میں ہے ان لوگوں کو خصوصاً ذکر کیا اگرچہ تمام لوگ اس معاملے میں برابر ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ آنحضرت ﷺ کے بالکل قریب رہتے تھے۔ اور آپ کا نکلنا ان کے سامنے واضح تھا۔

وَلَا يَرْغَبُوْا (اور نہ اپنی جان کو عزیز سمجھیں) اور نہ یہ چاہیے کہ وہ بخل کریں بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ (ان کی جان کے مقابلہ میں) جو کچھ بھی پہنچا رہے آپ کو۔ یعنی ان کو نہ چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو حضور ﷺ کی ذات کے مقابلے میں ترجیح دیں بلکہ پریشانی اور تکلیف میں آپ کا ساتھ دیں اور سختی اور تنگی میں اپنے کو آپ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ ذٰلِكَ (یہ) پیچھے رہنے کی ممانعت بِاَنَّهُمْ (اس سبب سے) اس وجہ سے لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ (ان کو جو پیاس لگتی ہے) پیاس وَّلَا نَصَبٌ (اور جو تکان پیش آتی ہے) تھکاوٹ وَّلَا مَخْمَصَةٌ (اور جو بھوک لگتی ہے) بھوک فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (اللہ کی راہ میں) جہاد میں وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا (اور جو چلنا وہ چلے) اپنے گھوڑوں کے سموں سے کفار کی جس زمین کو وہ روندتے ہیں اور اپنے اونٹوں کے قدموں اور پاؤں سے لتاڑتے ہیں۔ يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ (جو کفار کیلئے غصہ کا باعث ہوا) ان کو ناراض کرے اور ان کے سینوں کو تنگ کرے۔ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا (اور انہوں نے دشمن کی جو کچھ خبر لی) ان لوگوں کی جو مصیبت پہنچتی ہے نمبر۲۔ قید و بند نمبر۳۔ زخم نمبر۴۔ بڑی لوٹ نمبر۵۔ شکست وغیرہا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ (ان سب پر ان کے نام ایک ایک نیک عمل لکھا گیا) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہر گھبراہٹ کے بدلے ستر ہزار نیکیاں ملتی ہیں کہا جاتا ہے نال منہ جب اس کو تکلیف پہنچائے اور اس کو کم کرے۔ یہ ہر ایسی چیز کے متعلق عام ہے جو پریشانی کا باعث بنے۔

مَسْئَلَه نمبر۱۔ جو آدمی کسی کام کا قصد کرتا ہے تو اس کے لئے اس کی نقل و حرکت، قیام و قعود، کلام، مشی، دوڑ وغیرہ تمام قابل بدل اور صلہ ہیں۔ نمبر۲۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد مددی لشکر کے ساتھ مال غنیمت میں برابر کا شریک ہے کیونکہ کفار کے علاقوں کو روندنے سے ان کو غصہ آتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے عامر کے دونوں بیٹوں کو حصہ عنایت فرمایا۔ حالانکہ وہ دونوں لڑائی کے ختم ہونے کے بعد پہنچے تھے۔

الْمَوْطِئ نمبر۱۔ یہ مورد کی طرح مصدر ہے نمبر۲۔ ظرف مکان ہے۔ اگر ظرف مکان مانیں تو پھر يَغِيْظُ الْكُفَّارَ کا معنی (اس کا روندنا کفار کو غصہ دلانے والا ہے۔ یہ مصدری معنی ہے) روندنے کی جگہ کفار کو غصہ دلانے والی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (بیشک اللہ تعالیٰ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتے) یعنی بیشک وہ مخلص ہیں اللہ تعالیٰ ان کا ثواب باطل نہ کریں گے۔

اخلاص والے ہر چھوٹے بڑے عمل کا بدلہ ہے:

آیت ۱۲۱: وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً (اور جو کچھ انہوں نے خرچ کیا) اللہ تعالیٰ کی راہ میں صَغِيْرَةً (چھوٹا) خواہ ایک کھجوری کیوں نہ ہو وَّلَا كَبِيْرَةً (بڑا) جیسا کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جیش عسرہ میں دیا ہو وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا (جتنے میدان ان کو طے کرنے

کفار کے ساتھ قرب مکانی کے لحاظ سے قتال کیا جائے:

آیت ۱۲۳: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَکُمْ (اے ایمان والو ان سے لڑو جو تمہارے آس پاس ہیں) تم سے جو قریب ہیں مِّنَ الْکُفَّارِ (کفار سے) قتال تمام کفار کے خلاف خواہ وہ قریب ہوں یا بعید واجب ہے لیکن وجوب قرب مکانی کے لحاظ سے ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی قوم سے لڑائی کی پھر حجاز کے دیگر کفار سے۔ پھر شام۔ کیونکہ شام عراق کی نسبت مدینہ سے زیادہ قریب ہے اسی طرح ہر طرف میں لازم ہے کہ قریب تر سے لڑیں۔ وَلْیَجِدُوْا فِیْکُمْ غِلْظَۃً (اور ان کو تمہارے اندر سختی پانی چاہیے) تم میں قتال سے قبل ان کے ساتھ بات میں سختی و درشتی ہونی چاہیے۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ (اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے ساتھ ہے) نصرت و غلبہ کے ذریعہ۔

منافقین کا قرآن سے استہزاء اور اس کا جواب:

آیت ۱۲۴: وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَۃٌ (اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے) مَا صلہ ہے جو تاکید کیلئے ہے فَمِنْھُمْ (تو بعض منافقین) منافقین میں سے مَّنْ یَّقُوْلُ (کہتے ہیں) ایک دوسرے کو کہتے ہیں اَیُّکُمْ زَادَتْہُ ھٰذِہٖٓ (اس سورت نے تم میں سے کس کے ترقی دی ہے) اس سورت نے اِیْمَانًا (ایمان میں) ایمان والوں کا استہزاء اور سورت کا انکار کرتے ہوئے اَیُّکُمْ یہ مبتداء کی وجہ سے مرفوع ہے۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّھُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ (سو جو لوگ ایماندار ہیں اس سورت نے ان کے ایمان میں ترقی دی ہے)

آیت ۱۲۵: وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ (اور جن کے دلوں میں بیماری ہے) شک و نفاق۔ یہ ایسا بگاڑ ہے جو بدن کی بیماری کی طرح علاج کے لائق ہے فَزَادَتْھُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِھِمْ (قرآن کی گندگی کے ساتھ اور گندگی بڑھا دی) یعنی کفر جو ان کے کفر کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ وَمَاتُوْا وَھُمْ کٰفِرُوْنَ (اور وہ حالت کفر ہی میں مر گئے) اس میں ان کے کفر پر اصرار کرنے کی اطلاع دی گئی ہے۔ (جو کہ یقینا سچی بات ہوئی)

منافق سالہا سال آفات میں ڈالے جاتے تاکہ توبہ کر لیں مگر کہاں......:

آیت ۱۲۶: اَوَلَا یَرَوْنَ (کیا ان کو دکھائی نہیں دیتا) منافقین کو

قراءت: حمزہ نے تَرَوْنَ پڑھا ہے اور خطاب ایمان والوں کو ہے۔ اَنَّھُمْ یُفْتَنُوْنَ (کہ یہ آفت میں پھنسے رہتے ہیں) قحط امراض وغیرہ میں مبتلا کیے جاتے ہیں۔ فِیْ کُلِّ عَامٍ مَّرَّۃً اَوْ مَرَّتَیْنِ ثُمَّ لَا یَتُوْبُوْنَ (ہر سال میں ایک یا دو بار پھر بھی باز نہیں آتے) اپنے منافقت سے وَلَا ھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ (اور نہ وہ کچھ سمجھتے ہیں) نہ عبرت حاصل کرتے ہیں۔ نمبر ۲۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ جہاد کے ذریعہ تو وہ توبہ کرتے ہیں حالانکہ اسلام کا غلبہ دیکھتے بھی ہیں۔ اور نہ نصرت سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ

بلاشبہ تمہارے پاس رسول آیا ہے جو تم میں سے ہے۔ تمہیں جو تکلیف پہنچے وہ اس کے لئے نہایت گراں ہے، وہ تمہارے نفع کے لئے حریص ہے

بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿١٢٨﴾ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ حَسۡبِىَ اللّٰهُ ۖ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا

اہل ایمان کے ساتھ بڑی شفقت اور مہربانی کا برتاؤ کرنے والا ہے۔ سو اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میرے لئے اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی

هُوَ ؕ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ ۖ وَهُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ ﴿١٢٩﴾

عبادت کے لائق نہیں۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہی عرش عظیم کا رب ہے۔

منافقین کی نظر بازیاں:

آیت ١٢٧: وَاِذَا مَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ نَّظَرَ بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ (اور جب کوئی سورت اتاری جاتی ہے تو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں) وحی کا انکار کرتے ہوئے ایک دوسرے کو آنکھوں سے طعنے دیتے ہیں اور اسلام کا مذاق اڑانے کیلئے اور زبان سے یہ کہہ رہے ہوتے ہیں۔ هَلۡ يَرٰٮكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ (تم کو کوئی دیکھتا تو نہیں رہا) مسلمانوں میں سے ؟ کہ ہم واپس لوٹ چلیں۔ ہم اس کو سن کر صبر نہیں کر سکتے اور شدید کھٹکے ہیں۔ ہمیں تو اتنی شدید ہنسی آ رہی ہے جس کی وجہ سے ان کے درمیان ہمیں ٹھہرنے کی صورت میں رسوائی کا خدشہ ہے۔

نمبر ٢۔ جب کوئی سورت منافقین کے عیوب ظاہر کرنے کیلئے اترتی ہے تو وہ ایک دوسرے کو اشارے کرتے ہیں۔ اگر تم آپ کے پاس سے اٹھے ہو تو تمہیں کسی نے اٹھتے دیکھا تو نہیں ثُمَّ انْصَرَفُوۡا (پھر وہ چل دیتے ہیں) پھر رسوائی کے خطرہ کے پیش نظر آپ کے پاس سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ (اللہ تعالیٰ نے ان کا دل پھیر دیا ہے) قرآن کے سمجھنے سے بِاَنَّهُمۡ (اس سبب سے کہ وہ) قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ (بالکل بے سمجھ لوگ ہیں) وہ تدبر ہی نہیں کرتے کہ بات کو سمجھیں۔

عظیم الشان رسول کی رفیع الشان صفات:

آیت ١٢٨: لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ (تمہارے پاس آئے ایک عظیم الشان رسول) محمد ﷺ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ (جو تمہاری جنس سے ہیں) تمہاری جنس تمہارے نسب سے عربی، قرشی تمہاری طرح عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ (جن کو تمہاری مشقت والی بات نہایت ہی گراں گزرتی ہے) ان پر گراں گزرتی ہے کیونکہ وہ تمہیں میں سے ایک ہیں۔ عنتکم تمہاری تکلیف اور تمہیں ناپسند بات کا پہنچنا یعنی وہ تمہارے عذاب میں پڑنے اور مبتلا ہونے سے ہر وقت ڈرتے ہیں۔

حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ (تمہارے فائدے کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں) تمہارے ایمان کے متعلق بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ (اور ایمان والوں کے ساتھ) جو تم میں سے ہیں یا تمہارے علاوہ میں سے ہیں رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ (بڑے شفیق مہربان ہیں) کہا گیا ہے

کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کیلئے اس کے ناموں میں سے دو نام ایک جگہ اکٹھے نہیں ذکر فرمائے صرف حضرت محمد ﷺ کیلئے رؤف، رحیم دو نام جمع کر کے ذکر فرمائے۔

آیت ۱۲۹: فَإِنْ تَوَلَّوْا (پھر اگر یہ روگردانی کریں) اگر آپ پر ایمان لانے سے اعراض کریں اور عہدِ صدود اختیار کریں۔ فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ (تو آپ کہہ دیں کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے) یعنی اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو اور اپنے امور اس کے سپرد کرو اس کی ذات ان کے تمام حملوں کی طرف سے کافی ہے وہ ذات ان کے خلاف تمہاری مدد فرمانے والی ہے۔ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ (اس کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں میں نے اسی پر بھروسہ کر لیا) میں نے اپنا معاملہ اسی کے سپرد کیا۔ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ (اور وہ مالک ہے عرش کا) مخلوقات میں سب سے بڑی مخلوق عرش الٰہی ہے۔ اہل سماء کے طواف کیلئے اس کو بیت فرمایا اور ان کے لئے دعا کا قبلہ بنا دیا۔ الْعَظِيمِ (بڑی عظمت والا ہے) قراءت: یہ جر کے ساتھ ہے اور مرفوعاً پڑھنے کی صورت میں رب عزوجل کی صفت ہے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت سب سے آخر میں نازل ہوئی۔

تمت ترجمة التوبة ليلة الخميس من شهر جمادى الاخرى ۱۴۲۳ھ ۲۸ اگست ۲۰۰۲ء والحمد لله اولاً وآخراً۔

اللّٰهم ارزقني توبة نصوحًا كما فعلت بفضلك مع اصحاب نبيك ﷺ۔

سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَتِسْعُ اٰيَاتٍ وَاِحْدٰى عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۂ یونس مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں ۱۰۹ آیات اور ۱۱ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ① اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ

الٓر۔ یہ آیات ہیں کتاب حکیم کی۔ کیا لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے انہی میں سے ایک شخص کی طرف وحی بھیجی

اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؁ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ

کہ لوگوں کو ڈرایئے اور ان لوگوں کو بشارت دیجئے جو ایمان لائے کہ ان کے لئے ان کے رب کے پاس اچھا مرتبہ ہے۔ کافروں نے کہا

اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ② اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ

کہ بے شک یہ کھلا جادوگر ہے۔ بلاشبہ تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں

اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ۭ

پیدا فرمایا پھر وہ عرش پر مستوی ہوا وہ ہر امر کی تدبیر فرماتا ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کرنے والا نہیں۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ③ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ

وہ اللہ تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو، کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے، اللہ نے سچا وعدہ

حَقًّا ۭ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

فرمایا ہے، بلاشبہ وہی مخلوق کو پہلی بار پیدا فرماتا ہے پھر وہ دوبارہ پیدا فرمائے گا تاکہ ان لوگوں کو انصاف کے ساتھ

بِالْقِسْطِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا

بدلہ دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے پینے کو کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے بوجہ اس کے کہ وہ

يَكْفُرُوْنَ ④

کفر کرتے تھے۔

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ۔

آپ کی نبوت قابل تعجب کیوں ہے؟

۱،۲: الٓرٰ اور ان کی مثل امالہ سے حمزہ و علی اور ابو عمرو رحمہم اللہ کے نزدیک۔ یہ حروف تحدی کیلئے شروع سورۃ میں لائے گئے ہیں۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ (یہ اس کتاب کی آیتیں ہیں) تلک سے اشارہ ان آیات کی طرف ہے جو سورت میں پائی جاتی ہیں الکتاب سے یہ سورۃ مراد ہے۔ الْحَكِيْمِ (جو پر حکمت ہے) نمبر۱۔ حکمتوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے کتاب کی صفت حکیم لائی گئی ہے۔ نمبر۲۔ کذب اور [illegible] ہونے سے محفوظ ہے۔ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا (کیا ان لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا) اس میں ہمزہ استفہام انکاری کا ہے۔ لوگوں کے اس کے متعلق تعجب کرنے پر انکار و تعجب کا اظہار کیا گیا ہے۔

عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ (کہ ہم نے وحی بھیج دی) یہ کان کا اسم اور عجبا اس کی خبر ہے اور للناس کا لام محذوف کے متعلق ہے جو کہ عجبا کی صفت ہے جب وہ مقدم ہے تو حال بن گیا۔ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ (انہی میں سے ایک شخص کے پاس کہ سب آدمیوں کو ڈرائے)۔ نمبر۱۔ ان سے پہلے با مقدر ہے بان انذر۔ نمبر۲۔ ان مفسرہ ہے کیونکہ ایحاء میں قول کا معنی پایا جاتا ہے۔ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ (اور ایمان والوں کو خوشخبری سنائے کہ ان کو) انّ سے پہلے با محذوف ہے بانّ لھم۔ للناس میں لام کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے اس بات کو ایک عجوبہ قرار دیا۔ جس پر وہ تعجب کرتے تھے کہ ایک انسان کی طرف وحی آئی اور وہ انسان بھی ایسا جو ان کے متوسط طبقے میں سے ہے نہ کہ ان کے مالدار سرداروں میں سے۔ اسی لئے وہ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو رسالت کے لئے ابو طالب کے یتیم بھتیجے کے سوا اور کوئی نہ ملا۔ اور وہ آگ سے ڈراتا اور جنت کی خوشخبری سناتا ہے۔ حالانکہ ان باتوں میں سے کوئی بھی تعجب انگیز نہیں ہے کیونکہ امم کی طرف مبعوث رسل انہی جیسے انسان ہوتے ہیں اور یتیم اور بے مایہ کا بھیجا بھی تعجب خیز نہیں۔ کیونکہ نبوت کیلئے وہ منتخب کیا جاتا ہے۔ جو اسباب نبوت کا جامع ہو اور مالداری اور دنیا میں مرتبہ والا ہونا یہ اسباب نبوت سے قطعاً نہیں ہے اور جزاء اور سزا کیلئے دوبارہ اٹھانا یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت عظمیٰ کا تقاضہ ہے پس یہ کیونکر قابل تعجب ہوا بلکہ تعجب انگیز اور قابل انکار تو صحیح عقل و فکر میں جزاء کا انکار ہے۔

قدم صدق کی مراد:

لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ (پورا مرتبہ ملے گا ان کے رب کے ہاں) نمبر۱۔ قدم کا معنی سابقیت اور فضیلت اور بلند مرتبہ مقام ہے۔ کیونکہ تگ و دو اور سبقت قدم سے حاصل ہوتی ہے اس لئے اچھی کوشش اور آگے کے مقام [illegible] اس میں سابقیت کو قدم سے تعبیر فرمایا گیا۔ جیسا کہ نعمت کو ید یا ہاتھ کہتے ہیں کیونکہ وہ ہاتھ سے ادا کیا جاتا ہے اور دینے والا اپنے بازو اس کے لئے دراز کرتا ہے جود و سخا میں کہتے ہیں۔ لفلان قدم فی الخیر۔ قدم کی نسبت صدق کی طرف کر کے زیادت فضل کی طرف اشارہ کر دیا۔ اور یہ [illegible] عظیم انعامات سے ہے۔ نمبر۲۔ قدم کا معنی مقام صدق ہے۔ نمبر۳۔ عادت میں سبقت کا مصدر تام مراد ہے۔ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ (کافر کہنے لگے بلاشبہ یہ تو کھلا جادوگر ہے)

قراءت: مدنی، بصری، شامی نے لَسِحْرٌ پڑھا ہے۔ جنہوں نے ساحر پڑھا ہے اس سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی مراد لی ہے۔ اس میں دلیل ہے کہ وہ لوگ اس بات سے عاجز تھے کہ آپ کا مقابلہ کریں اور آپ کے سچے ہونے کے معترف تھے۔

قضاء وقدر کا وہی مالک:

۳: إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ (بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا پھر عرش پر قائم ہوا) استویٰ کا معنی استیلاء و غلبہ ہے کیونکہ ذات باری مکان سے پاک اور محدود ہونے سے وراء الوراء ہے۔

يُدَبِّرُ (وہ تدبیر کرتا ہے) حکمت کے مطابق اندازہ کرتا اور فیصلہ فرماتا ہے۔ الْأَمْرَ (ہر کام کی) تمام مخلوقات کا معاملہ اور آسمان زمین اور عرش کا معاملہ۔ جب اللہ تعالیٰ کی عظمت و ملکیت کا تذکرہ آسمان و زمین اور عرش کی پیدائش سے کیا۔ اور پھر یدبر الامر کا جملہ لا کر عظمت کو مزید واضح کر دیا۔ اور بتلا دیا کہ اس کی شان یہ ہے کہ قضاء و قدر والا کوئی امر ان کے حکم سے باہر نہیں ہے۔ اسی طرح مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ (کوئی سفارش کرنے والا نہیں بغیر اس کی اجازت کے) میں اللہ تعالیٰ کی عزت و کبریائی کی دلیل مزید دے دی۔ ذَٰلِكُمُ (وہ) اس سے اشارہ عظمتوں کے ساتھ متصف ذات کی طرف کیا جو عظمتیں مذکور ہوئیں۔ اللَّهُ رَبُّكُمْ (اللہ تمہارا رب ہے) وہی تو مستحق عبادت ہے فَاعْبُدُوهُ (پس تم اسی کی عبادت کرو) اس کو وحدہ لاشریک جانو اور کسی مخلوقات میں سے انسان اور فرشتوں کو بھی اس کا شریک مت بناؤ۔ چہ جائیکہ وہ جمادات بت وغیرہ جو نہ اپنے نفع و نقصان پر بھی قدرت نہیں رکھتے أَفَلَا تَذَكَّرُونَ (کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے) کیا تم تدبر نہیں کرتے کہ جس سے تم مصالح اور منافع کے پانے والے سے نافع و مصلح کی ذات پر استدلال کر سکو۔

۴: إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا (تم تمام نے اسی کی بارگاہ میں لوٹنا ہے) جمیعا حال ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم بالآخر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پس اس کی ملاقات کی تیاری کرو۔ نمبر ۱۔ المرجع کا معنی رجوع کرنا۔ نمبر ۲۔ رجوع کی جگہ وَعْدَ اللَّهِ (اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے) یہ الیہ مرجعکم کیلئے مصدر بطور تاکید لایا گیا ہے۔ حَقًّا (سچا) یہ وعد اللہ کیلئے مصدر مؤکد ہے۔ إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ (وہی پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ بھی پیدا کرے گا) یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے کی علت بیان کرنا ہے۔

شرک نہ کرنے والے منصف ہیں:

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ جزا دے) یعنی تخلیق اور اعادہ کی حکمت یہ ہے کہ مکلفین کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے۔ بِالْقِسْطِ (انصاف کے ساتھ)

نحو: بالقسط یہ یجزی کے متعلق ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے لیجزیھم بقسطہ۔ نمبر ۱۔ تاکہ اپنے انصاف سے انکو بدلہ دے اور انکو اجر پورا پورا عنایت کرے۔ یا نمبر ۲۔ ان کے انصاف کا بدلہ دے۔ یعنی جو انہوں نے انصاف اور عدل کیا اور ظلم نہ کیا۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ

[اللہ وہ ہے جس نے سورج کو روشنی والا بنایا اور چاند کو نور والا بنایا اور اس کے لئے منزلیں مقرر فرما دیں تاکہ تم

السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝۵

برسوں کی گنتی جان لو اور حساب کو معلوم کر لو یہ چیزیں اللہ نے حق ہی کے ساتھ پیدا فرمائی ہیں وہ جاننے والوں کے لئے تفصیل کے ساتھ نشانیاں بیان فرماتا ہے

اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ

بے شک رات اور دن کے آگے پیچھے آنے جانے میں اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا فرمایا ہے ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں

یَّتَّقُوْنَ ۝۶

جو ڈرتے ہیں۔

جبکہ وہ ایمان لانے سے اسلئے کہ شرک بڑا ظلم ہے جیسا کہ (سورۂ لقمان:۱۳) میں فرمایا ان الشرک لظلم عظیم اور یہ وجہ سب سے بڑھ کر ہے کیونکہ اس ارشاد کے مقابلہ میں وارد ہے۔ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ (اور جن لوگوں نے کفر کیا انکو کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا اور دردناک عذاب ہوگا انکے کفر کی وجہ سے) اور میرا کلام بھی ایک وجہ ہے۔

نمونۂ قدرت:

۵: هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً (وہی ذات جس نے سورج کو تیز روشنی والا بنایا) یہ ضوء سے ضیاء بنا ہے۔ ضیاء میں یا اصل میں واؤ ہے ماقبل کسرہ کی وجہ سے یا کی گئی ہے۔ اور ہمزہ سے قبل یہ تبدیلی لائی گئی کیونکہ یا حرکت کیلئے زیادہ مناسب ہے۔

دوسرا نمونہ:

وَّالْقَمَرَ نُوْرًا (اور چاند کو نور والی بنایا) ضیاء نور کی نسبت تیز روشنی کو کہتے ہیں۔ اسی لئے چاند کے لئے نور (دھیمی روشنی) اور سورج کیلئے ضیاء (تیز روشنی) کا لفظ لایا گیا۔ وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ (اور اس کے لئے مقرر کر دیا منزل کا اندازہ) اور چاند کا اندازہ کیا یعنی اس کے چلنے کی منازل مقرر فرمائیں۔ نمبر۲۔ ذا منازل۔ اس کو منازل والا بنایا۔ جیسا کہ سورت یٰسین ۳۹۔ میں فرمایا والقمر قدرنٰہ منازل۔

لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ (تاکہ تم سالوں کی گنتی جان لو) یعنی سالوں کی تعداد اور مہینوں کی۔ ذکر صرف سنین کا فرمایا کیونکہ مہینے ان میں خود شامل ہیں۔ وَالْحِسَابَ (اور حساب کو) اور مدتوں کا حساب اور مقررہ اوقات سالوں اور مہینوں کے ساتھ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ ذلک کا مشار الیہ مذکورہ چیزیں ہیں (کہ اللہ تعالیٰ نے ان مذکورہ چیزوں کو نہیں بنایا) اِلَّا بِالْحَقِّ (مگر حق کے ساتھ) اس حکمت بالغہ سے یہ متصل ہیں۔ بے کار پیدا نہیں کئے گئے۔ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ (وہ نشانات کو کھول کر بیان کرتا ہے)

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِیْنَ

بلاشبہ جو لوگ ہمارے پاس آنے کی امید نہیں رکھتے اور وہ دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے اور اس پر مطمئن ہو گئے اور وہ لوگ

هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ⑦ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ⑧ اِنَّ الَّذِیْنَ

جو ہماری آیات سے غافل ہیں ایسے لوگوں کا ٹھکانہ ان کے اعمال کی وجہ سے دوزخ ہے۔ بے شک جو لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ

ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کا رب انکے ایمان کی وجہ سے انہیں راہ بتا دے گا۔ ان کے نیچے نہریں جاری

الْاَنْهٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ⑨ دَعْوٰىهُمْ فِیْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ۚ

ہوں گی۔ نعمت کے باغوں میں ہوں گے۔ ان میں انکی یہ بات ہو گی کہ اے اللہ تو پاک ہے۔ اور ان میں ان کا تحیہ سلام ہو گا

وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ⑩

اور ان کی آخری بات الحمد للہ رب العلمین ہو گی۔

قراءت: مکی، بصری، حفص نے یاء سے پڑھا جبکہ دیگر قراء نے نون سے پڑھا ہے۔ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ (جاننے والے لوگوں کیلئے) یعنی وہ ان میں غور کر کے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

نکتہ نمبر۳:

۶: اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ (بیشک رات دن کے آگے پیچھے آنے میں) نمبر۱۔ ان میں سے ہر ایک کے دوسرے کے پیچھے آنے میں۔ نمبر۲۔ ان کے باہمی رنگوں کے مختلف ہونے میں۔ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اور ان چیزوں میں جو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کی ہیں) یعنی تمام مخلوقات میں لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ (ڈرنے والوں کیلئے ان لوگوں کیلئے جو ڈرتے ہیں) ڈرنے والوں کا خاص طور پر تذکرہ فرمایا کیونکہ آخرت کا خطرہ اور ڈر ہی لوگوں کو بیدار کر کے ان کو غور و فکر کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔

دنیا پر خوش اور آخرت سے غافل آگ میں:

۷: اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا (جن لوگوں کو ہمارے سامنے پیش ہونے کا کھٹکا نہیں ہے) نمبر۱۔ بالکل انکی توقع ہی نہیں رکھتے۔ اور نہ ہی اس کا خیال اپنے دلوں میں لاتے ہیں کیونکہ حقائق کو دیکھنے سے وہ غفلت کا شکار ہیں۔ یا نمبر۲۔ ہماری بہتر ملاقات کی امید نہیں کرتے جیسا کہ سعادت مند لوگ امید کرتے ہیں۔ یا نمبر۳۔ ہمارے سامنے پیشی کی حاضری سے نہیں ڈرتے۔ وہ

بڑی ملاقات جس سے ڈرنا ضروری ہے۔

وَرَضُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (اور وہ دنیوی زندگی سے خوش ہیں) آخرت کے مقابلہ میں۔ انہوں نے قلیل فانی کو کثیر باقی پر ترجیح دی ہے۔ وَاطْمَاَنُّوْا بِھَا (اور مطمئن ہیں) وہ اس میں اس طرح رہ رہے ہیں جیسے اس سے زائل نہ ہوں گے انہوں نے مضبوط تعمیرات کی ہیں اور لمبی امیدیں باندھ رکھی ہیں۔ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ (اور جو لوگ ہمارے دلائل سے غفلت برتنے والے ہیں) ان میں سوچ بچار نہیں کرتے۔

نحو: اس پر وقف نہیں کیونکہ ان کی خبر اُولٰٓئِکَ مَاْوٰھُمُ النَّارُ ہے۔

۸: اُولٰٓئِکَ مَاْوٰھُمُ النَّارُ (ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ کی آگ ہے)

نحو: اُولٰٓئِکَ مبتدا اول، ماوٰھم مبتدا ثانی، النار اس کی خبر اور دونوں مل کر اُولٰٓئِکَ کی خبر اور یہ ان کی خبر ہے۔ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ (اس کمائی کے بدلے میں جو وہ کرتے تھے) باء کا متعلق جزو محذوف کلام اس پر دلالت کر رہا ہے۔

جنت ایمان سے ملی:

۹: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَھْدِیْھِمْ رَبُّھُمْ بِاِیْمَانِھِمْ (بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے ان کا رب ان کو ان کے ایمان کی وجہ سے ان کے مقصد تک پہنچا دے گا) ان کے ایمان کے سبب ان کا رب ان کو ثواب تک پہنچانے والا ہے کیونکہ انہوں نے سیدھے راستہ پر استقامت اختیار کی۔ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھِمُ الْاَنْھٰرُ (ان کے نیچے نہریں جاری ہونگی) اس کا بیان اور تفسیر ہے۔ کیونکہ سعادت کے سبب کو مضبوطی سے تھام لینا سعادت تک پہنچنے کی طرح ہی ہے۔ نمبر۲۔ آخرت میں جنت کے راستے کی طرف ان کے نور ایمان کے سبب ان کی راہنمائی کرے گا۔ اور اس حدیث میں اسی بات کا ذکر ہے ان المومن اذا خرج من قبرہ صوّر لہ عملہ فی صورۃ حسنۃ۔ فیقول لہ انا عملک فیکون لہ نورا و قائدا الی الجنۃ والکافر اذا خرج من قبرہ صوّر لہ عملہ فی صورۃ سیئۃ فیقول لہ انا عملک فینطلق بہ حتی یدخلہ النار (ابن جریر فی تفسیرہ) کہ مومن کا عمل اچھی شکل میں جنت کا راہنما ہوگا اور کافر کا عمل بری شکل میں جہنم کا راہنما بنے گا۔

مسئلہ: اس میں اس بات کا ثبوت ہے کہ مجرد ایمان نجات کا باعث ہے اسی لئے بایمانہم فرمایا گیا۔ عمل صالح والی بات ساتھ نہیں ملائی۔ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ (نعمتوں والے باغات میں) یہ نمبر۱۔ تجری کے متعلق ہے نمبر۲۔ الانہار سے حال ہے۔

جنت والوں کی دعا وسلام:

۱۰: دَعْوٰھُمْ فِیْھَا سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ (ان باغات میں ان کی پکار ہوگی اے اللہ تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے) دعویٰ یہاں دعا کے معنی میں ہے کیونکہ اللّٰھم نداء ہے کہ اے اللہ ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں۔ یعنی سبحانک اللّٰھم کہہ کر وہ اپنے رب کو پکاریں گے یہ ذکر ان کی لذت کیلئے ہوگا عبادت کیلئے نہیں۔ وَتَحِیَّتُھُمْ فِیْھَا سَلٰمٌ (اور سلام آپس میں السلام علیکم ہوگا) نمبر۱۔ سلام سے وہ ایک دوسرے کو مبارک باد دیں گے۔ نمبر۲۔ فرشتے اس طرح ان کو سلام کریں گے گویا مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے نمبر۳۔ اللہ تعالیٰ کا ان کو سلام ہوگا۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰھُمْ (اور ان کی آخری بات) اور ان کی دعا کا اختتام تسبیح ہوگی۔ اَنِ الْحَمْدُ

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ

اور اگر اللہ لوگوں پر نقصان واقع کرنے میں جلدی کرتا جیسے کہ وہ بھلائی کے لئے جلدی مچاتے ہیں تو ان کا وعدہ پورا ہو چکا ہوتا۔ سو جو لوگ

الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ⑪ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ

ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے ہم انہیں ان کی سرکشی میں اندھے سرگرداں چھوڑے رہتے ہیں۔ اور جب انسان کو

الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ

کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارتا ہے لیٹے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور کھڑے ہوئے، پھر جب ہم اس کی تکلیف ہٹا دیتے ہیں تو ایسی حالت میں گزر جاتا ہے گویا

لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑫ وَلَقَدْ

اس نے ہمیں کسی تکلیف کے پہنچ جانے پر پکارا ہی نہ تھا۔ اسی طرح حد سے بڑھ جانے والوں کے لئے ان کے اعمال مزین کر دیئے گئے ہیں۔ اور ہم نے

اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا

تم سے پہلے بہت سی جماعتوں کو ہلاک کیا جبکہ انہوں نے ظلم کیا اور ان کے پاس ان کے رسول کھلی کھلی دلیلیں لے کر آئے۔ اور وہ لوگ

كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ⑬ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي

ایمان لانے والے نہ تھے۔ ہم اسی طرح مجرموں کو سزا دیا کرتے ہیں۔ پھر ہم نے تمہیں زمین میں

الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ⑭

ان کے بعد خلیفہ بنا دیا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟

لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (کہ سب تعریفیں اللہ رب العالمین کیلئے ہیں) یہ کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ یہ اَنْ مخففہ من المثقلہ ہے اور اصل عبارت یہ ہے انہ الحمد للہ رب العالمین۔ یہ ضمیر شان ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کے کلام کی ابتداء تسبیح اور آخر تحمید سے ہوگی یعنی اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تقدیس سے ابتداء کر کے شکر و ثناء پر اختتام ہوگا۔ اور اس کے درمیان میں اپنے ارادے سے جو گفتگو چاہیں گے وہ کریں گے۔

جلد عذاب نہ آنے میں حکمت:

۱۱: وَلَوْ یُعَجِّلُ اللّٰہُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَہُمْ بِالْخَیْرِ (اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر برائی بھیجنے میں جلدی کیا کرتا جیسا لوگ بھلائی مانگنے میں جلدی کرتے ہیں) اصل اس طرح ہے اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو شر بھی اسی طرح جلدی پہنچا دیتے جیسا وہ بھلائی میں جلدی

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ

اور جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ آپ اس قرآن کے علاوہ

غَیْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ ۚ اِنْ

دوسرا قرآن لے آئیے یا اس کو بدل دیجئے۔ آپ فرما دیجئے کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اسے اپنے پاس سے بدل دوں۔ میں تو

اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ۚ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۵﴾

بس اس کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ بے شک میں اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَیْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ

آپ فرما دیجئے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں تم پر اس کی تلاوت نہ کرتا اور نہ وہ تمہیں اس سے باخبر کرتا، سو میں اس سے پہلے تم میں ایک بڑی عمر تک

قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ

رہ چکا ہوں، کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔ سو اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیات

بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾

کو جھٹلائے۔ بے شک بات یہ ہے کہ مجرم کامیاب نہیں ہوتے۔

اور قرآن کا مطالبہ اور اس کا جواب:

۱۵: وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ (اور جب ان کو ہماری واضح آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں) بینات، حال ہے۔ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا (وہ لوگ کہتے ہیں جن کو ہماری ملاقات کی امید نہیں) جب کہ ان کو قرآن میں بتوں کی عبادت کی مذمت اور سرکش لوگوں کے متعلق وعید پڑھ کر سناتے۔ ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَآ (تو اس قرآن کے سوا اور قرآن لے آ) کہ اس میں وہ چیزیں نہ ہوں جو ہمیں ناپسند لگیں۔ تو ہم آپ کی اتباع کر لیں گے۔ اَوْ بَدِّلْهُ (یا اسی کو بدل دے) اس طرح کہ آیت عذاب کی جگہ رحمت کی آیات اور ہمارے معبودوں کا تذکرہ اور ان کی عبادت کی مذمت نکال دو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا کہ آیت عذاب کی جگہ آیت رحمت رکھ دینا اور معبودوں کی مذمت نکال دینا چونکہ اللہ کی قدرت کے تحت ہے۔ اس کے جواب میں اس طرح فرما دیں۔

قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْٓ (آپ کہہ دیں مجھے حق نہیں) یعنی میرے لئے حلال نہیں۔ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ (کہ میں اس قرآن میں اپنی طرف سے کوئی ردوبدل کر سکوں) تلقاء نفسی کا معنی من قبل نفسی اپنے نفس و ذات کی جانب سے بدل

اِتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ (میں تو صرف اسی حکم کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے) یعنی میں بلا کم و کاست وحی ہی کی اتباع کرتا ہوں اس میں کوئی تبدیلی اپنی طرف سے نہیں لاتا کیونکہ میں یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے لاتا ہوں۔ اپنی طرف سے نہیں کہ تبدیلی کا مجاز ہوں۔ (جب وحی میرے اختیار میں نہیں تو تبدیلی کیسے میرے اختیار میں ہو سکتی ہے) اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ (اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے اپنے رب کے عذاب کا خطرہ ہے) اپنی طرف سے اس میں تبدیلی کرنے پر يَوْمٍ عَظِيْمٍ (بڑے دن میں) یوم عظیم سے قیامت کا دن مراد ہے۔

عظیم فائدہ:

اور قرآن لانے پر کسی انسان کو قدرت و طاقت نہیں۔ ان کا عجز تو ظاہر ہو چکا تھا مگر ضد کی بناء پر اپنا عجز تسلیم نہ کرتے تھے بلکہ اس طرح کی ڈینگیں مارتے۔ لو نشاء لقلنا مثل هذا [الانفال ۳۱] (مگر چیلنج کے باوجود نہ کرنا اس بات کو واضح کر رہا تھا کہ وہ کر ہی نہیں سکتے) ائت بقرآن غير هذا او بدله کہ اس کے علاوہ اور قرآن لے آ یا اس کو بدل دے، کا مقصد ان کے نزدیک یہ ہرگز نہیں تھا کہ وحی کے ذریعہ اس کو بدل دے کیونکہ اس کے متعلق تو آپ فرما چکے انی اخاف ان عصیت (الآیۃ) مجھے تو خود نافرمانی کی صورت میں بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہے۔ اب ان کی غرض ائت بقرآن سے اس کے سوا اور کوئی نہیں تھی کہ وہ آپ سے فریب کرنا چاہتے تھے اور تبدیلی قرآن والی بات میں یہ غرض بھی پنہاں تھی کہ یہ قرآن تم خود بنا کر لائے ہو اور اس جیسا اور لا سکتے ہو۔ یعنی اس میں تبدیلی کر کے اور لے آؤ۔ یہ تبدیلی والی بات بھی آپ کی آزمائش کیلئے ایجاد کی گئی تھی کہ اگر وہ تبدیلی کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کر دے گا۔ پس ہمیں ان سے نجات مل جائے گی۔ اور اگر ہلاک نہ بھی ہوئے تو مفتری کا موقع مل جائے گا۔ کہ یہ تبدیلی آپ کے خلاف مستقل دلیل بن جائے گی اور مفتری ہونا (نعوذ باللہ) صحیح قرار پائے گا۔

۱۶: قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ (کہہ دیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو میں تم کو یہ پڑھ کر نہ سناتا) یعنی قرآن مجید کی تلاوت فقط اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہے اور اس کا اظہار ایک خارق عادت معاملہ ہے جو عادت کے اعتبار سے عجیب ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک ایسا آدمی جس نے کسی سے پڑھا نہ ہو۔ اور نہ علماء کی مجلس میں بیٹھا ہو مگر وہ تمہارے سامنے ایک فصیح و بلیغ کتاب پیش کرے جو ہر فصیح کلام پر غالب ہو اور ہر نثری اور شعری کلام پر فوقیت رکھے اور اصول و فروع کے علوم سے پُر ہو۔ اخبار بالغیب بھی اس میں اس طرح دیئے گئے ہوں کہ جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔

وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ (اور نہ اللہ تعالیٰ تمہیں قرآن مجید کی خبر دیتا) اللہ تعالیٰ میری زبان سے قرآن کا علم جاری نہ کرتا۔ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ (بیشک اس قرآن سے پہلے بھی میں تم میں زندگی کا ایک بڑا حصہ گزار چکا ہوں) عمر سے نزول قرآن سے قبل کا زمانہ مراد ہے۔ یعنی میں تمہارے مابین چالیس برس رہا۔ اور اس عرصہ میں اس قسم کی کسی چیز کو تم میرے بارے میں نہیں جانتے اور نہ ہی یہ میری قدرت میں ہے نہ میں علم و بیان سے موصوف رہا ہوں۔ کہ تم مجھ پر اختراع کی تہمت لگاؤ۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے ہو) پس تم جان لو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ مجھ جیسے انسانوں کی طرف سے نہیں۔ یہ اس الزام تراشی کا جواب ہے جو ائت بقرآن [یونس ۱۵] کہہ کر انہوں نے کی تھی کہ تو افترا کرنے والا ہے (نعوذ باللہ)

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ

اور وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو نقصان دے سکیں اور نہ نفع پہنچا سکیں، اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ

شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي

اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔ آپ فرما دیجئے کیا تم اللہ کو وہ بات بتاتے ہو جسے وہ نہیں جانتا آسمانوں میں اور

الْأَرْضِ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ⑱ وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً

زمین میں، وہ ان لوگوں کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔ اور لوگ پہلے ایک ہی امت

وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا

تھے پھر انہوں نے آپس میں اختلاف کر لیا، اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے سے بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ ہو چکا

فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ⑲ وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ فَقُلْ

ہوتا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی نشانی ان کے رب کی طرف سے کیوں نہیں نازل کی گئی، سو آپ فرما دیجئے

إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ ⑳

کہ غیب کا علم صرف اللہ ہی کو ہے، سو تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔

۱۷: فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا (اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھے) نمبر۱۔ افتراء سے یہاں اللہ تعالیٰ کا شریکوں والا اور اولاد والا ہونا مراد ہو۔ نمبر۲۔ آپ کی طرف افتراء کی جو نسبت انہوں نے کی اس سے بچنا مقصود ہو۔ أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ (یا اس کی آیات کی تکذیب کرے) آیات سے قرآن مراد ہے۔

مسئلہ: اس میں وضاحت کر دی کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والا اور اس کی آیات کو جھٹلانے والا دونوں کفر میں برابر ہیں۔ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُونَ (بلا شبہ ایسے مجرموں کو کبھی فلاح میسر نہیں آتی)

۱۸: وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ (اور وہ مشرک اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو کچھ نقصان دے سکتے ہیں) اگر وہ ان کی عبادت کو ترک کر دیں۔ وَلَا يَنفَعُهُمْ (اور نہ ان کو نفع دے سکتے ہیں) اگر وہ ان کی عبادت کریں۔ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ (اور وہ کافر اس طرح کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں) ھٰؤلاء سے اصنام کی طرف اشارہ ہے عند اللہ سے دنیا اور اس کے معاملات زندگی مراد ہے کیونکہ وہ بعث بعد الموت کے قائل نہ تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی پختہ قسمیں اٹھاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرنے والوں کو ہرگز نہ اٹھائے گا۔ [النحل: ۳۸] نمبر۲۔ قیامت کے دن سفارشی

ہوگے اگر بعث ونشور ہو۔

اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک موجود ہی نہیں:

قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ ؕ (کہہ دیں کیا تم اللہ تعالیٰ کو ایسی چیز سے مطلع کرنا چاہتے ہو جس کے آسمان وزمین میں موجود ہونے کا علم اللہ تعالیٰ کو نہیں) کیونکہ وہ شئی موجود ہی نہیں کیا تم اللہ تعالیٰ کو ان کے سفارشی ہونے کی اطلاع دیتے ہو حالانکہ وہ ایسی خبر ہے جو معلومات الٰہی میں نہیں۔ جب وہ معلومات الٰہی میں نہیں حالانکہ وہ تو تمام معلومات کا عالم وجاننے والا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ وہ موجود ہی نہیں۔ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ یہ اس نفی کی تاکید ہے۔ کیونکہ جو چیز آسمانوں اور زمین پر نہیں پائی جاتی وہ معدوم ہے۔ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک اور بلند وبالا ہے) اس میں اس نے اپنی ذات کو شرک سے پاک قرار دیا ہے۔

قراءت: حمزہ وعلی نے تشرکون تا سے پڑھا ہے۔ اور ما موصولہ ہے یا مصدریہ ہے یعنی ان شرکاء سے جن کو وہ شریک قرار دیتے ہیں یا ان کے شریک کرنے سے پاک ہے۔

سب کا ایک دین:

۱۹: وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً (پہلے انسان ایک ہی جماعت تھے) سب کے سب کراہت اللہ تعالیٰ کے متعلق ہو کر ایک ملت پر قائم تھے۔ ان میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ یہ آدم علیہ السلام کے زمانہ کی بات ہے جب تک کہ ہابیل کا قتل پیش نہ آیا۔ نمبر۲۔ طوفان نوح علیہ السلام کے بعد جبکہ تمام مومن باقی رہ گئے کوئی کافر نہ رہا۔ اس وقت لوگ ایک دین پر تھے۔

دنیا امتحان گاہ ہے نہ کہ فیصلہ گاہ:

فَاخْتَلَفُوْا ؕ (پھر وہ الگ الگ ہوگئے) اور دو مذاہب میں بٹ گئے۔ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ (اگر آپ کے رب کی طے شدہ بات پہلے سے نہ ہوتی) وہ بات جو کو قیامت تک کیلئے مؤخر کرتا ہے۔ لَقُضِىَ بَيْنَهُمْ (تو ان کے بیچ کبھی کا فیصلہ ہو چکا ہوتا) یعنی جلدی سے فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (جس چیز میں وہ اختلاف کرتے تھے) اس بات میں جس میں انہوں نے اختلاف کیا۔ تاکہ حق پرست اور باطل پرست میں امتیاز ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی بات اس حکمت کی بناء پر پہلے سے طے ہو چکی کہ یہ دنیا دار التکلیف ہے اور اگلا جہاں ثواب و عقاب کا مقام ہے۔

منہ مانگی نشانی کا مطالبہ:

۲۰: وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ (اور یہ اس طرح کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں اترا) آیت سے وہ نشانی مراد ہے جس کا وہ مطالبہ کرتے تھے۔ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ (کہہ دیں کہ بیشک غیب کی خبر تو اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے) یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی ذات علم غیب کے ساتھ خاص ہے وہی جانتا ہے کہ مطلوبہ آیات سے کونسی چیز رکاوٹ ہے اور کوئی نہیں جانتا۔ فَانْتَظِرُوْا ۚ (تم بھی انتظار کرو) اس تجویز شدہ نشانی کے اترنے کا۔ اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ (میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں) جو اللہ تعالیٰ تمہارے انکار آیات اور دشمنی پر کرنے والے ہیں۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ۭ قُلِ اللّٰهُ

اور لوگوں کو تکلیف پہنچنے کے بعد جب ہم انہیں اپنی رحمت چکھاتے ہیں تو وہ فوراً ہماری آیتوں کے بارے میں مکر کرنے لگتے ہیں آپ فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ

اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾ هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ

مکر کی سزا جلد ہی دینے والا ہے۔ بے شک ہمارے فرشتے تمہارے مکر کے کاموں کو لکھ رہے ہیں۔ اللہ وہ ہے جو تمہیں خشکی اور تری میں چلاتا ہے

حَتّٰٓي اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَاۗءَتْهَا رِيْحٌ

یہاں تک کہ جب تم کشتی میں موجود ہوتے ہو اور وہ کشتی اچھی ہوا کے ساتھ چلنے لگتی ہے اور وہ لوگ اس سے خوش ہو جاتے ہیں تو اس کشتی پر ایک تیز و تند ہوا

عَاصِفٌ وَّجَاۗءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ

آ جاتی ہے اور ہر جگہ سے ان پر موجیں آنے لگتی ہیں اور وہ یقین کر لیتے ہیں کہ انہیں گھیر لیا گیا ہے تو وہ اللہ کو پکارنے لگتے ہیں

مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّآ

اس کے لیے خالص اعتقاد کر کے کہ اگر تو نے ہمیں اس سے نجات دے دی تو ہم ضرور ضرور شکر گزاروں میں سے ہوں گے۔ پھر جب

اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ يٰٓاَيُّھَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ ۙ

اللہ انہیں نجات دے دیتا ہے تو اچانک وہ زمین میں ناحق بغاوت کرنے لگتے ہیں۔ اے لوگو! تمہاری سرکشی تمہاری ہی جانوں پر ہے

مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

دنیاوی زندگی میں فائدہ اٹھا رہے ہو۔ پھر ہماری طرف تم کو لوٹ کر آنا ہے سو ہم تمہیں بتلا دیں گے جو تم کرتے تھے۔

مکہ والوں کے عداوتی منصوبے:

۲۱: وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ (جب ہم لوگوں کو چکھاتے ہیں) الناس سے اہل مکہ مراد ہیں۔ رَحْمَةً (مہربانی) خوشحالی و وسعت مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ (اس دکھ کے بعد جو ان کو پہنچا) ضراء یعنی قحط وغیرہ۔ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا (اسی وقت وہ ہماری آیات کے متعلق تدابیر کرنے لگتے ہیں) یعنی ان آیات کے انکار اور دفع کی تدبیر کرنے لگتے ہیں۔ روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ پر سات سال قحط کو مسلط کر دیا یہاں تک کہ ہلاکت کے قریب پہنچ گئے پھر بارش دے کر ان پر مہربانی فرمائی۔ جب مہربانی ہوئی تو اسی وقت اللہ تعالیٰ کی آیات پر طعنہ زنی شروع کر دی اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق دشمنی اور عداوت کے منصوبے بنانے لگے۔

اذا پہلا شرطیہ کا معنی دے رہا ہے اور دوسرا اسکے جواب میں ہے۔ اور وہ مفاجات کا معنی دے رہا ہے۔ جیسا کہ اس ارشاد میں ہے۔ وان تصبهم سيئة بما قدمت ايديهم اذا هم يقنطون [الروم: ۳۶] یعنی اگر ان لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو مایوس ہو جاتے ہیں اور جب ہم لوگوں کو مہربانی کا مزہ چکھاتے ہیں تو منصوبے باندھنا شروع کر دیتے ہیں۔ المکر تدبیر کو چھپا کر رکھنا

والجار ہے المکر رحمہ اخلاق لونڈی کو کہتے ہیں۔ مَسَّتْهُمْ کا معنی یہ ہے کہ وہ تکلیف ان میں اس قدر رچ جاتی ہے کہ اس کا برا اثر ان میں محسوس نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا (کہہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر تیز ہے) مگر ان کے متعلق نہیں فرمایا کیونکہ اِذَا اس بات پر دلالت کر رہا ہے گویا اس طرح فرمایا جب ہم تکلیف کے بعد ان پر مہربانی کرتے ہیں تو اچانک وہ فریب کاریوں میں جلد ہو جاتے ہیں اور جلدی سے انکار کا ارتکاب کرتے ہیں اس سے پہلے کہ تکلیف کے بقیہ اثرات سے اپنے کو محفوظ کریں۔ اِنَّ رُسُلَنَا (یقیناً ہمارے قاصد) حفاظتی فرشتے يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ (تمہاری وہ مکاریاں لکھتے رہتے ہیں) اس میں اس بات سے خبردار کیا گیا کہ جس کو تم مخفی سمجھتے ہو وہ اللہ تعالیٰ سے چھپایا نہیں جا سکتا۔ وہ خود انتقام تم سے چکائے گا۔

قراءت: یاء سے وارد ہے۔

وقتی وصیت پر توبہ پھر سرکشی:

۲۲: هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (وہ اللہ تعالیٰ جو تمہیں خشکی اور سمندر میں چلاتا ہے) اس نے تم کو پاؤں سے چلنے اور چوپاؤں اور کشتیوں کے ذریعہ مسافت طے کرنے کی ہمت بخشی ہے یا وہ چلنے کو تم میں پیدا کرتا ہے۔

قراءت: يَنْشُرُكُمْ شامی نے پڑھا ہے۔

حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ (یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو) الفلک کشتیاں، جمع ہے۔ وَجَرَيْنَ (وہ کشتیاں چلتی ہیں) بِهِمْ (ان کے ساتھ) یعنی ان کو لے کر جو ان میں ہیں مبالغہ کی خاطر خطاب سے غیب کی طرف رجوع کیا بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ (موافق ہوا میں) آہستہ مناسب چلنے والی جو آندھی نہ ہو اور نہ بہت ہلکی ہو وَّفَرِحُوْا بِهَا (اور اس ہوا سے وہ لوگ بہت خوش ہیں) نرمی کی وجہ سے اس ہوا سے وہ خوش ہیں اور مسلسل چلنے کی وجہ سے جَآءَتْهَا (اس کشتی پر آ جاتی ہے) اس کشتی پر یا موافق ہوا پر آ جاتا ہے۔

رِيْحٌ عَاصِفٌ (تیز جھونکا) تیز چلنے والی آندھی وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ (اور ان پر موجیں بلند ہوتی ہیں) الموج پانی پر جو بلند ہو اس کو موج کہتے ہیں۔ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ (ہر طرف سے) سمندر سے یا موج کے تمام امکانی مقامات سے وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ (وہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہر طرف سے ان کو گھیر لیا گیا) وہ ہلاک ہو گئے گھیر میں آ جانے سے ہلاکت کو بطور تمثیل گھیرے میں آ جانے سے تعبیر کیا۔

دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (اس وقت خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت اختیار کر کے اس کو پکارتے ہیں) بغیر شریک ٹھہرانے کے کیونکہ اس وقت وہ اس کے ساتھ کسی اور کو نہیں پکارتے بلکہ کہتے ہیں۔ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ (اے اللہ اگر تم ہمیں اس سے بچا لے گا) ہٰذہ کا اشارہ ایسے احوال ہیں یا ہوا ہے لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ (تو ہم ضرور تیرے شکر گزار رہیں گے) یعنی تیری نعمتوں پر شکر گزار اور تجھ پر یقین کرنے والے اور تیری طاعت کو مضبوطی سے تھامنے والے ہوں گے۔

نکتہ: آیت میں اگرچہ کشتی میں سوار ہونے کو سمندر میں سفر کی غایت قرار نہیں دیا گیا۔ لیکن جملہ شرطیہ کا مضمون حتیٰ کے بعد تمام چیزوں کو اپنے اندر سمیٹنے والا ہے گویا اس طرح فرمایا گیا ہے وہ تمہیں چلاتا ہے یہاں تک کہ یہ وقت وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اور

اس طرح تیز ہوائی آندھی اور تلاطم امواج، ہلاکت کا یقین نجات کی دعائیں جوش میں آئی ہیں۔ او آ کا جواب جاتا ہے اور دعوا یہ قتم کا بدل ہے کیونکہ ان کی دعائیں ہلاکت کے یقین کے لوازمات میں سے ہیں اور ان سے ملی ہوئی ہیں۔

۲۳: فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ (جب اللہ تعالیٰ ان کو اس طوفان سے نجات دے دیتا ہے تو وہ زمین میں بے جا سرکشی اختیار کرتے ہیں۔) فساد برپا کرتے ہیں بِغَيْرِ الْحَقِّ (ناحق) یعنی باطل پرستی اختیار کرنے والے ہیں۔ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ (اے لوگو! تمہاری سرکشی کا وبال تم پر پڑنے والا ہے) یعنی تمہارا ظلم تمہاری طرف لوٹ آئے گا جیسا کہ فصلت ۴۶ میں فرمایا۔ من عمل صالحا فلنفسه ومن اساء فعليها۔ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (تم دنیا کے ساز و سامان سے فائدہ اٹھالو) یہ حفص کی قراءت کے مطابق ہے یعنی وہ نفع اٹھاتے ہیں جو نفع دنیا کی زندگی تک ہے۔

نحو: متاع الحيوة الدنيا اور على انفسكم یہ بغیکم کی خبر ہے

دیگر قراء نے رفع کے ساتھ پڑھا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بغیکم کی خبر ہے اور علی انفسکم اس کا صلہ ہے جیسا کہ اس آیت میں فبغی علیھم [القصص ۷۶] مطلب اس طرح ہے تمہاری سرکشی ان لوگوں پر ہے جو تمہاری طرح ہیں۔ یہ خبر مانیں اور متاع کو دوسری خبر مانیں یا متاع مبتدء محذوف ہو کی خبر ہے۔ یعنی وہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے" حدیث نبوی علی صاحبہا السلام میں ہے سب سے زیادہ جلد جس نیکی کا ثواب ملتا ہے وہ صلہ رحمی ہے۔ اور سب سے جلد جس شر کا وبال پہنچتا ہے وہ سرکشی ہے اور دوسرے نمبر پر جھوٹی قسم ہے۔

دو چیزیں:

روایت میں ہے کہ دو چیزیں ہیں جن کا دنیا میں جلد بدلہ ملتا ہے نمبر ا۔ سرکشی نمبر ۲۔ والدین کی نافرمانی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اگر ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ پر سرکشی اختیار کرے تو باغی کو ریزہ ریزہ کر ڈالا جائے۔ محمد بن کعب سے مروی ہے کہ جس میں تین خصلتیں پائی جائیں ان میں بغاوت پائی جاتی ہے نمبر ا۔ سرکشی نمبر ۲۔ عہد شکنی وعدہ توڑنا نمبر ۳ فریب کاری۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انما بغيكم على انفسكم [یونس ۲۳] ولا يحيق المكر السيئ الا باهله [فاطر ۴۳] فمن نكث فانما ينكث على نفسه [الفتح ۱۰] ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (پھر تم نے ہماری ہی طرف واپس لوٹنا ہے ہم تمہیں ان کاموں کی حقیقت سے مطلع کریں گے جو تم کرتے تھے) یعنی ہم تمہیں ان کی اطلاع دیں گے اور اس پر بدلہ دیں گے۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ

دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی اتارا پھر اس پانی کی وجہ سے زمین سے نکلنے والی بڑی گھنی چیزیں جنہیں انسان اور مویشی

مِمَّا یَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّیَّنَتْ وَظَنَّ

کھاتے ہیں خوب گنجان ہو کر نکلیں۔ یہاں تک کہ جب زمین نے اپنی رونق کا پورا حصہ لے لیا اور خوب زینت ہو گئی اور زمین والوں نے

اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِیْدًا

خیال کر لیا کہ ہم اس پر صاحب قدرت ہو چکے ہیں تو رات کو یا دن کو ہمارا حکم آ گیا۔ سو ہم نے اسے ایسا صاف کر دیا جیسے کٹا ہوا ڈھیر ہو

كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

گویا کہ کل اس کا وجود ہی نہ تھا۔ ہم اسی طرح آیات کو کھول کر بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو سوچتے ہیں۔

دنیا کی مثال:

۲۴: اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ (دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی اتارا) بادلوں سے فَاخْتَلَطَ بِهٖ (اس پانی کے ساتھ مل گیا) نَبَاتُ الْاَرْضِ (زمین کا سبزہ) یعنی اسکی وجہ سے گنجان ہو کر نکلا جو ایک دوسرے میں گھسا ہوا ہے۔ مِمَّا یَاْكُلُ النَّاسُ (جس سے لوگ کھاتے ہیں) یعنی غلہ، پھل، سبزیات وَالْاَنْعَامُ (چوپائے) یعنی گھاس وغیرہ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا (یہاں تک کہ جب زمین نے اپنی زینت لے لی) یعنی نباتات سے اس کو زینت ملی جس نبات کی رنگتیں الگ الگ ہیں۔ وَازَّیَّنَتْ زمین اس سے مزین ہوئی۔ یہ اصل میں تزینت ہے تا کو زای میں ادغام کر دیا۔ اور یہ زیادہ فصیح ہے۔ زمین کے مزین ہونے کو تمثیل کے طور پر دلہن قرار دیا جب کہ وہ شاندار قسم کے رنگ برنگ کپڑے پہن لے اور مختلف رنگ کی زینتوں سے زینت حاصل کر لے۔ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ (اور زمین کے مالکوں نے یہ سمجھ لیا) اہل سے مراد اہل زمین ہیں۔ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْهَاۤ (کہ وہ اس کھیتی پر قابو پانے والے ہیں) اسکی منفعت پر پوری قدرت پانے والے اور اس کے ثمرات کو حاصل کرنے والے ہیں۔ اور اس کا غلہ اٹھانے والے ہیں۔

اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا (اچانک ہمارا امر عذاب پہنچ گیا) امر سے عذاب مراد ہے اور یہ عذاب کھیتی میں کوئی بیماری پیدا کرنے کی صورت میں ہوتا ہے جبکہ وہ اسکی سلامتی پر یقین کر چکے ہوں۔ لَیْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا (دن یا رات کو پھر ہم نے اس پیداوار کو کر دیا) اس کھیتی کو کر دیا۔ حَصِیْدًا (کٹا ہوا) اس کے کٹنے اور جڑ سے اکھڑنے کو کٹی ہوئی کھیتی سے تشبیہ دی۔ كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ (گویا وہاں کل کچھ اگا نہ تھا) گویا کھیتی اس کی شئی ہی نہ تھی قائم اور ٹھہری ہی نہ تھی اس قسم کے مواقع پر مضاف محذوف مانا جاتا ہے تاکہ معنی کلام درست ہو سکے۔ بِالْاَمْسِ (کل گزشتہ) یہ قریب وقت کو بطور تمثیل ذکر کیا۔ گویا اس طرح کہا کہ گویا کبھی اب تک قائم ہی نہیں ہوئی۔ كَذٰلِكَ

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دیتا ہے جن لوگوں نے اچھائی کے کام کیے

اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

ان کے لئے خوبی ہے اور مزید اضافہ بھی ہے۔ اور ان کے چہروں پر نہ کدورت چھائے گی اور نہ ذلت۔ یہ لوگ جنت

الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ ۢ بِمِثْلِهَا ۙ

والے ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جن لوگوں نے برے کام کیے ان کی برائی کی سزا برائی کے برابر ملے گی

وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا

اور ان پر ذلت چھا جائے گی۔ انہیں اللہ سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ گویا کہ ان کے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانک

مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾

دیے گئے ہیں۔ یہ لوگ دوزخ والے ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

دار السلام:

۲۵: وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ (اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے) وہ جنت ہے۔ السلام جنت کا نام ہے اور اس کی اضافت نام کی طرف کر کے اس کی عظمت کو بیان کیا۔ نمبر۲۔ السلام کا معنی سلامتی ہے کیونکہ اہل جنت ہر ناپسند چیز سے محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔ نمبر۳۔ ان کے مابین السلام علیکم بہت کہا جائے گا۔ اور فرشتے بھی ان کو سلام کریں گے۔ جیسا کہ الواقعہ ۲۶ میں اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ہے۔ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (اور جس کو چاہتا ہے توفیق دیتا ہے) اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (سیدھے راستے کی طرف)۔ نمبر۱۔ یعنی اسلام کی طرف یا نمبر۲۔ سنت کے راستے کی طرف۔

نکتہ: راہنمائی کے ذریعہ زبان نبوت سے دعوت کو عام کر دیا۔ مگر بھیجنے والے کی مہربانی سے عنایت و توفیق کے ذریعہ ہدایت کو خاص کر دیا۔ مطلب آیت کا یہ ہوا کہ دارالسلام کی طرف اللہ تعالیٰ تمام بندوں کو دعوت دے رہے ہیں مگر اس میں داخلہ ہدایت یافتہ لوگوں کو ملے گا۔

زیادۃ کی تفسیر دیدار الٰہی:

۲۶: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا احسان سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا مراد ہے۔ الْحُسْنٰى خوبی سے مراد ثواب اور وہ جنت ہے۔ وَزِيَادَةٌ (اور زائد) وہ دیدار الٰہی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق، ابن عباس، ابوموسیٰ اشعری، عبادہ بن الصامت رضی اللہ

مسلم سے اسی طرح مروی ہے۔

بعض تفاسیر میں اس بات پر مفسرین کا اتفاق نقل کیا ہے کہ زیادہ کی تفسیر اللہ تعالیٰ کا دیدار ہی ہے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ جب جنت والے جنت میں داخل ہو چکیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا تم ایسی چیز چاہتے ہو جو میں ان نعمتوں پر اضافہ کروں۔ وہ کہیں گے کیا آپ نے ہمیں جنت میں داخل نہیں فرمایا اور آگ سے نجات نہیں دی؟ آپ نے فرمایا پھر نقاب اٹھایا جائے گا۔ تمام اہل جنت اللہ تعالیٰ کا دیدار پائیں گے اس سے بڑھ کر آج تک ان کو کسی نعمت میں اتنا مزا نہ آیا ہوگا۔ جتنا دیدار الٰہی میں پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ للذین احسنوا الحسنی و زیادہ۔

(رواہ احمد و مسلم و الترمذی و ابن ماجہ)

صاحب کشاف: کی حالت تو نقل تعجب ہے کہ آپ نے اس روایت کو ذکر کیا مگر ان الفاظ سے نہیں جو اوپر ذکر ہوئے اور پھر تعقیب کرتے ہوئے کہہ گئے کہ یہ حدیث من گھڑت ہے۔ حالانکہ یہ مرفوع روایت ہے۔ اس کو صاحب مصابیح نے صحاح میں ذکر کیا۔

دوسری تفسیر الزیادۃ کی بندوں کے دلوں میں محبت سے کی گئی تیسری تفسیر اللہ تعالیٰ کی مغفرت و رضوان سے بھی کی گئی ہے۔

وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ (نہ ڈھانپے گی ان کو) قَتَرٌ (سیاہی) ایسا غبار جس میں سیاہی ہو وَّلَا ذِلَّةٌ (نہ ذلت) نہ ذلت کا اثر مطلب یہ ہے کہ ان کے چہروں پر وہ چیز نہ چھائے گی جو اہل نار کے چہروں پر چھا رہی ہوگی۔ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (وہ جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)

بُروں کا انجام:

۲۷: وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا اس کا عطف للذین احسنوا پر ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی وللذین کسبوا السَّيِّاٰتِ (برائیاں کے شرک) جَزَآءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا (برائی کا بدلہ اس کے مثل سے ہے) اس میں با اسی طرح زائد ہے جیسا اس ارشاد میں جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا [الشوریٰ: ۴۰] تقدیر عبارت اس طرح ہو جزاء سیئۃ مقدر بمثلھا۔ برائی کا بدلہ طے شدہ ہے اس کے مثل سے وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ذلت و رسوائی مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ (انہیں اللہ سے بچانے والا) انکی سزا سے مِنْ عَاصِمٍ (کوئی نہیں ہوگا) یعنی انکی ناراضی اور سزا سے ان کو کوئی نہ بچائے گا۔ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ان پر رات کی سیاہی کا پردہ ڈال دیا گیا ہے۔ یعنی ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ قطعا جمع قطعۃ یہ اغشیت کا مفعول ثانی ہے۔

قراءت: مکی علی نے قِطْعًا پڑھا ہے۔ یہ اس آیت کی طرح ہے۔ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ [ھود: ۸۱] اس قراءت کے مطابق مظلما یہ قطع کی صفت ہے۔ اور پہلی قراءت کے مطابق یہ اللیل سے حال ہے اور اسمیں عامل اغشیت ہے کیونکہ من اللیل قطعا کی صفت ہے۔ پس اس کا موصوف تک پہنچنا صفت تک پہنچنے کی طرح ہے۔ یہ من اللیل میں معنی فعل کا عامل ہے۔ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (وہ دوزخی ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے)۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ

اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر ہم ان لوگوں سے کہیں گے جنہوں نے شرک کیا کہ تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو،

فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُم مَّا كُنتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿٢٨﴾ فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا

پھر ہم ان کے آپس میں جدائی کر دیں گے اور ان کے شریک کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ سو اللہ ہمارے تمہارے درمیان گواہ کافی ہے

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِن كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ﴿٢٩﴾ هُنَالِكَ تَبْلُو كُلُّ نَفْسٍ مَّا

بے شک بات یہ ہے کہ ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے۔ اس موقع پر ہر شخص ان کاموں کو جانچ لے گا جو اس نے پہلے

أَسْلَفَتْ وَرُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٣٠﴾

کئے تھے اور وہ اپنے مالک حقیقی کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے اور جو کچھ جھوٹی تہمت رکھا کرتے تھے وہ سب غائب ہو جائے گا۔

منظر حشر:

۲۸: وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ ھُمْ سے کفار وغیرہ مراد ہیں۔ جَمِيعًا (تمام) یہ حال ہے۔ ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ ترجمہ: یعنی تم اپنی جگہ رک جاؤ۔ اس وقت تک یہاں سے نہ ہٹو جب تک اپنا انجام نہ دیکھ لو۔ أَنتُمْ (تم)۔ اس سے مکانکم کی ضمیر کی تاکید کی گئی ہے۔ کیونکہ وہ الزموا کے قائم مقام استعمال ہوا۔ وَشُرَكَاؤُكُمْ (اور تمہارے شرکاء) انتم پر معطوف ہے۔ فَزَيَّلْنَا (ہم تفریق کر دیں گے)۔ بَيْنَهُمْ (ان کے درمیان) ان کے ساتھیوں کو الگ کر دیں گے۔ اور وہ تعلق کاٹ دیں گے جو دنیا میں ان کے درمیان تھا۔ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُم (کہیں گے ان کے شریک) جن کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی ہوگی اور وہ عقلاء میں سے ہوں گے (جن وانس میں سے) یا بتوں کو اللہ تعالیٰ بولنے کی زبان دے گا۔

مَّا كُنتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ (تم ہماری پوجا نہ کرتے تھے) تم تو شیاطین کی عبادت کرتے تھے۔ جیسا کہ انہوں نے تمہیں حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کے شریک بناؤ۔ پس تم نے ان کی اطاعت کی جیسا سورۃ سبا ۴۰۔۴۱۔ ویوم یحشرھم جمیعا۔ الی بل کانوا یعبدون الجن میں مذکور ہے۔

۲۹: فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ پس اللہ تعالیٰ کافی ہے گواہی کے لحاظ سے شَهِيدًا یہ تمیز ہے۔ إِن كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ۔ ان یہ مخففہ من الثقیلہ ہے۔ لام اس کی دلیل ہے۔

سب کی جانچ:

۳۰: هُنَالِكَ (وہاں) اس جگہ میں یا اس وقت میں۔ اس صورت میں اسم مکان زمانہ کیلئے بطور استعارہ استعمال ہوا ہے۔ تَبْلُوا كُلُّ نَفْسٍ (آزمائے گا اور چکھے گا) ہر نفس مَّا أَسْلَفَتْ (جو اس نے پیچھے چھوڑا) یعنی عمل۔ وہ پہچان لے گا کہ اس عمل کی کیفیت کیا۔

كَذَٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٣﴾ قُلْ هَلْ

اسی طرح آپ کے رب کی یہ بات نافرمانوں کے بارے میں ثابت ہو چکی ہے کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ آپ فرما دیجئے کیا

مِن شُرَكَائِكُم مَّن يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ قُلِ اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۖ

تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرے پھر دوبارہ پیدا کرے؟ آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی مخلوق کو پہلی بار پیدا فرماتا ہے پھر وہی دوبارہ پیدا فرمائے گا

فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿٣٤﴾ قُلْ هَلْ مِن شُرَكَائِكُم مَّن يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ ۚ قُلِ اللَّهُ يَهْدِي

سو تم کہاں پھرے جا رہے ہو؟ آپ فرما دیجئے کہ تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے جو حق کی راہ بتاتا ہو؟ آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی حق کا راستہ

لِلْحَقِّ ۗ أَفَمَن يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَن يُتَّبَعَ أَمَّن لَّا يَهِدِّي إِلَّا أَن يُهْدَىٰ ۖ

بتاتا ہے۔ سو جو حق کی راہ بتاتا ہو وہ زیادہ اتباع کے لائق ہے یا وہ شخص جو ہدایت نہیں پاتا مگر جبکہ اسے راہ بتلائی جائے؟

فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿٣٥﴾ وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا ۚ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ

سو تمہیں کیا ہوا تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟ اور ان میں سے اکثر لوگ صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں، بلاشبہ گمان حق کے بارے میں ذرا بھی مفید

شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾

نہیں ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کاموں کو جاننے والا ہے جن کاموں کو وہ کرتے ہیں۔

پر قدرت والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ (پس کہہ دیں پھر تم کیوں ڈرتے نہیں ہو۔) عبادت میں شرک سے جبکہ تم ربوبیت کا اعتراف بھی کر چکے۔

۳۲: فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ (سو وہ اللہ تعالیٰ ہے) یعنی وہ ذات جس کی یہ قدرت ہے وہی تو اللہ تعالیٰ ہے۔ رَبُّكُمُ الْحَقُّ (تمہارا سچا رب) جس کی ربوبیت ایسی ثابت ہے جس میں کسی قسم کا شک نہیں ہو سکتا جو حقیقت کی نگاہ ڈالے۔ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ (سو پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے) یعنی حق اور باطل کے درمیان کوئی واسطہ نہیں جو حق کا راستہ چھوڑے وہ گمراہی میں جا پڑا۔ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ (تم کدھر پھرے جا رہے ہو) حق چھوڑ کر گمراہی کی طرف اور توحید کو ترک کر کے شرک کی طرف۔

کفار کی ضد:

۳۳: كَذٰلِكَ (اسی طرح) اس حق کی طرح حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ (تیرے رب کی بات ثابت ہو گئی۔) قراءت: شامی، مدنی نے كَلِمٰتُ پڑھا ہے۔ یعنی جیسا کہ حق ثابت ہوا کہ حق کے بعد گمراہی ہے۔ نمبر ۲۔ جیسا ثابت ہوا کہ وہ حق سے پھرے ہوئے ہیں بالکل اسی طرح تیرے رب کی بات پکی ہو گئی۔ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْا (ان لوگوں کے متعلق جو فاسق ہیں) یعنی جو اپنے کفر میں سرکشی

تک پہنچنے والے اور انکی انتہائی حد تک نکلنے والے ہیں۔ اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (کہ یہ ایمان نہ لائیں گے) یہ کلمۃ سے بدل ہے یعنی ایمان کی نفی ان پر ثابت ہوگئی یا نمبر۲۔ اللہ کی بات ان پر ثابت ہوگئی کہ ان کا ایمان ثابت نہ ہوگا۔ نمبر۳۔ کلمہ سے عذاب والے وعدہ مراد ہے اور انهم لا يؤمنون اسکی تعلیل ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی لانهم لا يؤمنون اسلئے کہ وہ ایمان نہ لائیں گے۔

معبودانِ باطلہ کی بے بسی:

۳۴: قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ (آپ فرمادیجئے کہ تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے کہ مخلوق کا راستہ بتلاتا ہو) ثم یعیدہ کو یہاں ذکر کیا حالانکہ وہ اعادہ کے قائل نہ تھے۔ کیونکہ اعادہ کے دلائل اس قدر ظاہر ہیں کہ گویا یہ مسلمہ معاملہ ہے کہ وہ اعادہ کے قائل ہیں۔ نمبر۲۔ انسانوں کے علاوہ اور چیزوں کا اعادہ مراد لیا جائے جیسے دن رات، پانی اترے اور نبات اگائے۔ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ (آپ فرمادیجئے کہ اللہ مخلوق کو ابتداءً پیدا فرماتا ہے پھر اس کو دوبارہ فرمائے گا) اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ جواب میں ان کی نیابت کریں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کو ان کا تکبر تک حق کہنے نہ دے گا۔ پس آپ ان کی طرف سے سچی بات کہہ دیں۔ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ (تم کس طرح سیدھے راستے سے پھرے جارہے ہو؟)

حق کی طرف راہنمائی کرنے والے اور کافر بے راہ کے پیروکار:

۳۵: قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْ اِلَى الْحَقِّ (آپ فرمادیجئے کہ تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے کہ امر حق کا راستہ بتلاتا ہو) اسکی طرف راہنمائی کرے قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ اَفَمَنْ يَّهْدِيْ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْ اِلَّا اَنْ يُّهْدٰى عربی میں هداه للحق، الى الحق دو آتے ہیں۔ یہاں دونوں لغات کو جمع کر دیا۔ اور اسی طرح هدی بنفسه بمعنی اهتدی کے آتا ہے جیسا کہ شری بمعنی اشتری اور اسی سے۔

قراءت: حمزہ وعلی امن لا یہدی بمعنی یھتدی ہے۔ اور لا یَهْدِّيْ کی شامی اور ورش کی قراءت میں ہے۔ جبکہ ابو عمرو نے ہا کے فتحہ کو اشمام سے پڑھا اور عاصم نے یحییٰ کے علاوہ ھا کے کسرہ اور یا کے فتحہ کے ساتھ پڑھا۔ اور اصل یہتدی ہے۔ اور عبداللہ کی قراءت یہی ہے۔ تا کو دال میں ادغام کیا اور ھا کا فتحہ دیکر تا کو دے دیا یا التقاء ساکنین کی وجہ سے کسرہ دیا۔ مگر یحییٰ نے یا اور ھا کے کسرہ اور دال کی تشدید سے پڑھا ہے۔ یا کو ہا کی اتباع کی وجہ سے اور ورش کے علاوہ مدنی قراء نے ھا کے سکون اور دال کی تشدید سے پڑھا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی صرف حق کی طرف راہنمائی کرنے والی ہے اس طرح کہ مکلفین میں عقلیں رکھ دیں اور ان کو دونوں پر غور کی قدرت عنایت فرمائی۔ اور دلائل خود اپنی طرف سے مہیا فرمائے اور توفیق بخش دی اور دلوں میں بھلائی ڈال دی اور رسولوں کو بھیج کر شرائع و احکام کی تعلیم دے دی۔ پس جس کو تم نے اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دے رکھا ہے ان میں کوئی ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اس راہنمائی کی طرح راہنمائی کرنے والا ہو۔

پھر فرمایا تم بتلاؤ کہ جو حق کی طرف راہنمائی کرے وہ پیروی کیے جانے کا زیادہ حقدار ہے یا وہ جو بذات خود راستہ کو نہ پاسکتا ہو۔ یا دوسرے کی راہنمائی تو کر سکتا ہو جب تک کہ اللہ تعالیٰ اسکو ہدایت نہ دے۔ دوسرا قول یہ ہے یا وہ جو کسی دوسری جگہ کی طرف راہ نہ پاسکتا ہو۔ یعنی منتقل نہ ہوسکتا ہو جب تک کہ اس کو منتقل نہ کیا جائے۔ یا وہ راہ نہ پائے اور نہ ہی اسکا راستہ پانا درست ہو مگر

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ

اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے جو افتراء کیا گیا ہو اللہ کی طرف سے نہ ہو۔ بلکہ وہ ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے

يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ

پہلے ہیں اور کتاب ضروری مضامین کی تفصیل بیان کرنے والا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔ کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ آپ نے اسے اپنے پاس سے بنا لیا ہے۔

قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

آپ فرما دیجئے کہ تم اس جیسی ایک سورت لے آؤ اور اللہ کے علاوہ جن لوگوں کو بلا سکتے ہو انہیں بلا لو اگر تم

صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ

سچے ہو۔ بلکہ بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے اسے جھٹلایا جسے اپنے احاطہ علمی میں نہیں لائے اور ابھی ان کو اس کا نتیجہ ان کے سامنے نہیں آیا، ایسے ہی

كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ

جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے۔ سو دیکھ لیجئے ظالموں کا کیا انجام ہوا۔ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو

يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۰﴾ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ

اس پر ایمان لائیں گے اور بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان نہیں لائیں گے اور آپ کا رب فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ فرما دیجئے

لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾

کہ میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل ہے تم اس سے بری ہو جو میں کام کرتا ہوں اور جن کاموں کو تم کرتے ہو میں ان سے بری ہوں۔

اس صورت میں کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس حالت سے منتقل کر کے حیوان ناطق بنا دے تو پھر وہ راہنمائی کر سکے۔ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ تمہارا کیا فیصلہ کہ ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک گمان کرتے ہو۔

۳۶: وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ بتوں کے متعلق اس بات میں کہ وہ معبود ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ سفارشی بن جائیں گے۔ اکثر سے مراد تمام ہیں۔ اِلَّا ظَنًّا (مگر محض گمان) بلا دلیل وہ اپنے آباء سلف کی اتباع و اقتداء ہے جو اسی گمان سے کرتے تھے کہ وہ درست راستے پر تھے۔ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ وہ علم ہے۔ شَيْئًا (ذرہ بھر) یہ مصدر کی جگہ پر ہے اصل اس طرح اغناءً۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ (اللہ تعالیٰ جاننے والے ہیں جو کچھ وہ کرتے ہیں) یعنی اتباع ظن اور ترک حق۔

قرآن من گھڑت نہیں بلکہ بلا ریب ہے:

۳۷: وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے جو افتراء کیا گیا ہو اللہ کی طرف سے نہ ہو)

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کی طرف سے گھڑنا مطلب یہ ہے کہ یہ صحیح اور درست نہیں کہ اس جیسا بلند کلام اور اعجاز تک پہنچا ہوا من گھڑت کلام ہو۔ وَلٰکِنْ (لیکن) یہ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ (تصدیق ہے انکی جو اس سے پہلے ہے) جو کتابیں اس سے قبل نازل ہو چکیں۔

وَتَفْصِیْلَ الْکِتٰبِ (اور کتاب کی تفصیل ہے) جو فرائض و احکام لازم و فرض کیے گئے ان کی تشریح ہے یہ معنی اس آیت النساء ۲۴ کتاب اللّٰہ علیکم۔ کی روشنی میں ہے۔ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ (اس کے رب العالمین کی طرف سے ہونے میں شک نہیں ہے) یا استدراک کے موقع میں داخل ہے گویا اس طرح کہا گیا لیکن یہ اسکی تصدیق اور تفصیل ہے جو ریب سے خالی ہے اور رب العالمین کی طرف سے آئی ہے۔

دوسری تفسیر یہ مراد لینا بھی درست ہے کہ رب العالمین کی طرف سے تصدیق شدہ ہے اور اسکی طرف سے اسکی تفصیل کی گئی ہے اس بات میں کوئی اشتباہ نہیں۔ اس صورت میں من رب العالمین تصدیق و تفصیل سے متعلق ہے اور لا ریب فیہ یہ جملہ معترضہ ہے جیسا تم کہو زید لاشک فیہ کریم۔

کفار کو چیلنج

۳۸: اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ (کیا وہ کہتے ہیں کہ اس کو گھڑ لیا ہے) ام یہاں بل کے معنی میں ہے کیا وہ کہتے ہیں اس کو گھڑ لیا ہے؟ قُلْ (کہہ دیں) اگر بات اسی طرح ہے جس طرح تم کہتے ہو فَاْتُوْا (تو تم لاؤ) تو تم بھی گھڑ لاؤ بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ (ایک سورت اس جیسی) یعنی جو بلاغت میں اس کے مشابہ ہو اور حسن نظم میں اس جیسی ہو تم بھی میری طرح عربیت جانتے ہو۔ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (اور ان کو بلا لو جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا بلانے کی تم میں طاقت ہے) یعنی عبارت اس طرح ادعوا من دون اللّٰہ من استطعتم۔ بلاؤ اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو بلانے کی مخلوق سے تم طاقت رکھتے ہو۔ تاکہ اسکی مثل لانے میں وہ تمہاری امداد کریں۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (اگر تم سچے ہو) کہ یہ قرآن من گھڑت ہے۔

جھٹلانا عناد کی بنیاد پر ہے:

۳۹: بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ یُحِیْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا یَاْتِهِمْ تَاْوِیْلُهٗ (بلکہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے جس کے علم کا احاطہ انہوں نے نہیں کیا اور ابھی ان کو اسکی حقیقت معلوم نہیں ہوئی) بلکہ انہوں نے قرآن کی تکذیب میں جلدی کی ہے کہ جونہی اسکی آواز کانوں تک پہنچی بلا سوچے سمجھے اس کو جھٹلا دیا۔ قرآن مجید کی حقیقت کو نہ پہچانا اور نہ اس میں تدبر کیا کہ اس کے معنی اور مقاصد سمجھتے اور اسکا بڑا سبب یہ ہے کہ جو چیز ان کے دین کے مخالف ہے اس سے وہ بدکتے ہیں ان کو اپنے آبائی دین کا ترک کرنا گراں گزرتا ہے۔

لما یاتھم تاویلہ میں توقع کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے سوچنے سے پہلے علی البدیہ اس کا انکار کر دیا۔ اس کا معنی نہیں سوچا اور یہ آباؤ اجداد کی تقلید میں کیا۔ اور غور و تدبر کے بعد تکذیب سرکشی اور عناد و ضد کی وجہ سے اختیار کی۔ پس ان آیات میں جاننے سے قبل جلد تکذیب کرنے کی مذمت فرمائی اور لما جو کہ توقع ہے اس کو ذکر کیا تاکہ اعلان کر دیا جائے کہ کفار نے قرآن کے علو شان اور اعجاز اچھی طرح جان لیا کیونکہ ان کو بار بار چیلنج کیا اور انہوں نے اپنی قوتوں کو خوب آزمایا اور اسکی مثل لانے سے

اپنا ظہور اظہر من الشمس ہو گیا تو حسد و حسد سے قرآن کو جھٹلا دیا۔

كَذٰلِكَ (اسی طرح) اس تکذیب کی طرح كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (ان لوگوں نے جھٹلایا جو ان سے پہلے ہوئے) یعنی امم ماضیہ کے کفار نے رسولوں کے معجزات میں غور و فکر کرنے کے بغیر عناد اور تقلید آباء کی وجہ سے ان کو جھٹلا دیا۔ دوسری تفسیر لما یاتھم تاویلہ کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ابھی تک ان کے سامنے اخبار بالغیب کی تفسیر ظاہر نہیں ہوئی۔ تفسیر سے انجام مراد ہے جس سے اس کا سچا یا جھوٹا ہونا ظاہر ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ کتاب دو لحاظ سے معجزہ ہے نمبر ا۔ نظم کا اعجاز نمبر ۲۔ اخبار غیوب کا اعجاز تم نے اس کے نظم پر غور سے قبل ہی تکذیب کر دی حالانکہ وہ حد اعجاز کو پہنچا ہوا ہے اور اس کی دی ہوئی علامات کا صدق و کذب ظاہر ہونے سے پہلے ہی تم نے انکار کر ڈالا۔ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ (پس غور کرو کس طرح ظالموں کا انجام ہوا)

۴۰: وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ (اور بعض ان میں سے آپ پر ایمان لاتے ہیں) ہٖ کی ضمیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن کی طرف راجع ہے۔ اپنے دل میں تصدیق کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ آپ نبی برحق ہیں لیکن عناد کی وجہ سے تکذیب کرتے ہیں۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ (اور ان میں بعض وہ ہیں جو آپ پر ایمان نہیں لاتے) آپ کی تصدیق نہیں کرتے اور آپ کے بارے میں شک کرتے ہیں۔ یا اس کا معنی استقبال والا ہو۔ کہ ان میں بعض ایسے ہوں گے جو عنقریب آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بعض ایسے ہوں گے جو کفر پر اصرار کریں گے۔ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ (اور آپ کا رب فساد کرنے والوں کو خوب جاننے والا ہے) مفسدین سے معاند یا اصرار کرنے والے مراد ہیں۔

۴۱: وَاِنْ كَذَّبُوْكَ (اور اگر وہ آپ کو جھٹلا دیں) اگر وہ آپ کی تکذیب پر اتر آئیں اور تم ان کی قبولیت سے مایوس ہو جاؤ۔ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ (پس کہہ دیں کہ میرے لئے میرا عمل) مراد جزاء عمل ہے۔ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ (اور تمہارے لئے تمہارا عمل) تمہارے اعمال کا بدلہ۔ اَنْتُمْ بَرِيْٓـــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (تم اس سے بری جو عمل کرتا ہوں اور میں اس سے بیزار جو کچھ تم کرتے ہو) پس ہر ایک سے اس کے عمل کا مواخذہ ہوگا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمِنْهُمْ

اور ان میں بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگائے ہیں، کیا آپ بہروں کو سناتے ہیں گو ان کو سمجھ بھی نہ ہو۔ اور ان میں سے

مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ

بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں، کیا آپ اندھوں کو رستہ دکھلانا چاہتے ہیں گو ان کو بصیرت بھی نہ ہو۔ یقیناً اللہ لوگوں پر

النَّاسَ شَيْـــًٔـا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُھُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا

ذرا سا بھی ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اور جس دن اللہ ان کو جمع فرمائے گا گویا کہ وہ دن کے ایک حصہ میں سے

اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَھُمْ ۭ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا

صرف ایک گھڑی ٹھہرے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے۔ بے شک وہ لوگ خسارہ میں ہیں جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور

كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُھُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُھُمْ

ہدایت پانے والے نہ تھے۔ اور جس عذاب کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں اس میں سے کچھ اگر ہم آپ کو دکھلا دیں یا آپ کو وفات دے دیں سو ہمارے پاس ان کو آنا ہے

ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰي مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ رَسُوْلُھُمْ قُضِيَ

پھر اللہ ان پر گواہ ہے جو کام وہ لوگ کرتے ہیں۔ اور ہر امت کے لئے ایک رسول ہے سو جب ان کے پاس ان کا رسول آ جاتا ہے ان کے درمیان

بَيْنَھُمْ بِالْقِسْطِ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ

انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم

صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ لِكُلِّ اُمَّةٍ

سچے ہو۔ آپ فرما دیجئے کہ میں اپنی جان کے لئے بھی کسی ضرر یا نفع کا مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے۔ ہر امت کے لئے ایک وقت

اَجَلٌ ۭ اِذَا جَاۗءَ اَجَلُھُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

مقرر ہے جب ان کا وہ وقت مقررہ آ جاتا ہے تو ایک گھڑی نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں

کفار اندھے بہرے ہیں:

۴۲: وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ (اور ان میں بعض ایسے ہیں جو آپ کی طرف کان لگا لگا کر بیٹھتے ہیں) بعض لوگ ان میں آپ کی قراءت پر کان دھرتے ہیں اور احکام شرائع کے وقت بھی متوجہ ہوتے ہیں۔ لیکن وہ ان باتوں کو یاد نہیں رکھتے اور نہ قبول

کرتے ہیں جیسا کہ وہ بہروں کی طرح ہیں اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ (کیا آپ بہروں کو سناتے ہیں گو ان کو سمجھ بھی نہ ہو) کیا تم یہ طمع رکھتے ہو کہ بہرے کو سنانے پر تمہیں قدرت ہے جبکہ بہرا بے عقل بھی ہو؟ کیونکہ عقلمند بہرا تو فراست سے یا کان میں کوئی آواز پہنچ جانے سے استدلال کر کے بات سمجھ سکتا ہے مگر کیا کیجئے جب سلب عقل اور قوت سمع دونوں جمع ہوں تو سارا کمانا ہی گل ہے۔

۴۳: وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ (ان میں بعض لوگ آپ کی طرف دیکھتے ہیں) اور سچائی کے دلائل کھلے بندوں معائنہ کرتے اور نبوت کے نشانات ظاہر پاتے ہیں لیکن وہ تصدیق نہیں کرتے۔ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ (پھر کیا آپ اندھوں کو رستہ دکھانا چاہتے ہیں گو ان کو بصیرت بھی نہ ہو) کیا تمہارا خیال ہے کہ آپ اندھوں کو راہ دکھا سکیں گے جب بصارت کے ساتھ وہ بصیرت سے بھی محروم ہوں۔ کیونکہ وہ اندھا جس کے دل میں بصیرت ہو وہ بھی عقل سے جانچ لیتا ہے۔ باقی احمق اندھا تو نری مصیبت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قبول کرنے اور تصدیق سے ناامیدی کے مقام تک پہنچے ہوئے ہیں جیسا کہ وہ بہرے اور اندھے جن میں عقل و بصیرت نہ ہو۔

۴۴: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا۔ لیکن لوگ خود ہی اپنے آپ کو تباہ کرتے ہیں)

قراءت: حمزہ و علی نے ولٰکنِ النّاسُ پڑھا ہے۔ یعنی استدلال کے آلات کو سلب کر کے اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے استدلال کو ترک کر کے اپنے اوپر خود ظلم کیا۔ خود زندہ ہو کر جمادات کو معبود بنایا۔

حشر میں کفار کا حال:

۴۵: وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ (اور اس دن کو یاد رکھو جب وہ ان کو جمع کرے گا)

قراءت: حفص نے یا سے پڑھا جبکہ ابن عامر و ابن کثیر نے نون سے پڑھا ہے۔ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ (گویا وہ نہیں ٹھہرے مگر ایک گھڑی دن کی) دنیا میں قرار کی مدت کو انہوں نے بہت تھوڑا قرار دیا یا قبور میں ٹھہرنے کی مدت کو احوال آخرت کی وجہ سے قلیل قرار دیں گے۔ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ (آپس میں پہچانیں گے) ایک دوسرے کو جانتے ہوں گے گویا کہ وہ بہت تھوڑا وقت آپس میں جدا رہے اور یہ قبور سے نکلنے کے وقت ہوگا۔ پھر قیامت کے احوال کی شدت سے تعارف منقطع ہو جائے گا۔

نحو: کان لم یلبثوا یحشرھم سے حال ہے یعنی ہم ان کو اس حالت میں اٹھائیں گے کہ ان کی حالت ان لوگوں کے مشابہ ہوگی جو ایک گھڑی ٹھہرے ہوں۔ کان یہ کانّ ہے اور اس کا اسم محذوف اور لم یلبثوا اس کی خبر ہے یتعارفون بینھم یہ دوسرا حال ہے۔ یا جملہ مستانفہ ہے اور ھم مبتدا محذوف کی خبر ہے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ (تحقیق خسارہ میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو جھٹلایا) یہ یتعارفون کی ضمیر فاعلی کا مقولہ قرار دیا جائے کہ اپنے باہمی تعارف میں یہ کہتے ہوئے کہا کریں گے قد خسر الذین (الآیۃ) یا یہ اللہ

تعالیٰ کا مقولہ ہے جو ان کے خسران پر شہادت ہے۔ مطلب یہ کہ انہوں نے اپنی تجارت و بیع میں ایمان کو کفر کے بدلے میں رکھ دیا۔ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ (وہ ہدایت یافتہ نہ تھے) جانتے ہوئے بھی وہ تجارت میں راہ پانے والے نہیں۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اس میں تعجب کا معنی ہے گویا اس طرح فرمایا وہ کس قدر خسارہ میں ہیں؟

آپ کی زندگی میں ان پر عذاب لازم نہیں:

۴۶: وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ (اور جس کا ان سے ہم وعدہ کر رہے ہیں اس میں سے کچھ تھوڑا سا اگر ہم آپ کو دکھا دیں) یعنی عذاب اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ (یا آپ کو وفات دے دیں) ان کے عذاب دینے سے پہلے فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ (پس انہوں نے ہمارے پاس لوٹنا ہے) یہ نتوفینک کا جواب ہے اور نرینک کا جواب محذوف ہے تقدیر و اما نرینک بعض الذی نعدهم فی الدنیا فذاک او نتوفینک قبل ان نریکہ فنحن نریکہ فی الآخرۃ اور اگر دکھا دیں بعض حصہ اس عذاب کا جس کا ہم ان سے دنیا میں وعدہ کرتے تو یہ مطلوب ہے یا اگر ہم آپ کو وفات دے دیں آپ کو ان کا عذاب دکھانے سے پہلے تو ہم آپ کو آخرت میں دکھائیں گے۔ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ (پھر اللہ تعالیٰ گواہ ہے ان کاموں پر جو وہ کرتے ہیں) یہاں ذکر تو شہادت کا ہے مگر مراد اس کا مقتضیٰ ہے اور وہ عذاب ہے گویا اس طرح فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کے کرتوتوں پر ان کو سزا دینے والے ہیں۔ بعض نے کہا ثم یہاں واؤ کے معنی میں ہے۔

میں رسول ہوں عذاب کا اختیار نہیں رکھتا:

۴۷: وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ (ہر امت کیلئے ایک رسول ہے) جس کو ان کی طرف اللہ تعالیٰ مبعوث فرماتے ہیں تاکہ وہ ان کو توحید کے بارے میں خبردار کرے اور دین حق کی طرف ان کو دعوت دے۔ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ (جب ان کا رسول آ چکا ہے) دلائل لیکر اور وہ اس کا انکار کر دیتے ہیں اور اس کی اتباع نہیں کرتے۔ قُضِيَ بَيْنَهُمْ (ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا ہے) نبی اور اس کے جھٹلانے والوں کے درمیان بِالْقِسْطِ (انصاف کے ساتھ) پس رسول کو نجات دی جاتی ہے اور مکذب کو عذاب دیا جاتا ہے۔

دوسری تفسیر۔ قیامت کے دن ہر امت کیلئے رسول ہوگا جس کی طرف اس امت کی نسبت کی جائے گی اور اسی کے نام سے ان کو پکارا جائے گا۔ جب رسول موقف پر ان کے متعلق کفر و ایمان کی گواہی دینے کیلئے حاضر ہو جائیں گے تو ان کے مابین انصاف سے فیصلہ کر دیا جائیگا۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (اور ان پر ظلم نہ ہوگا) بغیر گناہ کے کسی کو سزا نہ دی جائے گی۔

۴۸: تو فرمایا اگر ہم آپ کو بعض حصہ اس عذاب کا دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں جب کہ انہوں نے عذاب مانگنے میں جلدی کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ (وہ کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ) یعنی وعدہ عذاب اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (اگر تم سچے ہو) کہ عذاب آنے والا ہے۔ یہ تم کا خطاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین تمام سے ہے۔

۴۹: قُلْ (کہہ دیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا (میں مالک نہیں ہوں اپنے نفس کیلئے ذرہ بھر نقصان) جیسے مرض یا فقر وَّلَا نَفْعًا (اور نفع کا) یعنی صحت یا مالداری اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (مگر جو چاہے اللہ تعالیٰ) یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ یعنی مگر جس کے

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾

آپ فرما دیجئے تم بتلاؤ اگر اللہ کا عذاب رات کے وقت آجائے یا دن کے وقت آ جائے تو اس میں وہ کون سی چیز ہے جس کی مجرمین جلدی مچا رہے ہیں۔

اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾

کیا پھر جب وہ واقع ہو ہی جائے گا تو اس پر ایمان لاؤ گے۔ اب ایمان لاتے ہو حالانکہ تم اس کے جلدی آنے کا تقاضا کرتے تھے۔

ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾

پھر ان لوگوں سے کہا جائے گا جنہوں نے ظلم کیا کہ ہمیشگی کا عذاب چکھ لو تمہیں انہی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جن کی تم کمائی کرتے تھے۔

وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِىْ وَرَبِّىْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؕ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾

اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کیا یہ حق ہے؟ آپ فرما دیجئے ہاں میرے رب کی قسم بلاشبہ وہ حق ہے اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو۔

بارے میں اللہ تعالیٰ چاہے کر دے ہو۔ پس کس طرح میں تمہارے لئے نقصان اور عذاب کھینچ کر لا سکتا ہوں۔ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (ہر امت کا ایک وقت مقرر ہے جب ان کا وقت مقرر آ جاتا ہے تو ایک گھڑی کیلئے وہ پیچھے نہیں ہٹ سکتے اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں) ہر امت کیلئے عذاب کا ایک وقت معلوم مقرر ہے اور وہ لوح محفوظ میں لکھا جا چکا جب ان کے عذاب کا وقت آ جاتا ہے۔ تو ایک گھڑی کیلئے آگے نہیں بڑھ سکتے اور نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں پس تم جلدی نہ مانگو۔

عذاب تو ذرا سا بھی برا ہے:

۵۰: قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ (آپ فرما دیجئے کہ یہ بتلاؤ کہ اگر تم پر خدا کا عذاب آ پڑے) جس کو تم جلد مانگتے ہو۔ بَيَاتًا (رات کو) یہ ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے یعنی سونے کے وقت میں اور وہ رات ہے۔ اس حال میں کہ تم غافل بے پرواہ سوئے ہوئے ہو۔ اَوْ نَهَارًا (یا دن کو) اس حال میں کہ طلب معاش میں تم مشغول ہو۔ اور کام کر رہے ہو۔ مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ (کیا جلدی کر لیں گے اس سے مجرم) اس عذاب سے مطلب یہ ہے کہ عذاب تمام کا تمام برا ہے اور نفرت دہ ہے ہٹنے کے قابل ہے۔ پس تم اس میں سے کونسی چیز جلد مانگتے ہو۔ اس میں تو کوئی چیز بھی جلد مانگنی ضروری نہیں۔ ماذا کا تعلق اَرَءَيْتُمْ سے متعلق ہے۔ کیونکہ مطلب یہ ہے مجھے تم بتلاؤ اس سے مجرم کونسی چیز جلدی مانگتے ہیں۔ شرط کا جواب محذوف ہے اور وہ یہ ہے تندموا علی الاستعجال او تعرفوا الخطا فیہ۔ اس وقت تم جلد مانگنے پر شرمندہ ہو گے یا تمہیں اپنی غلطی محسوس ہو جائے (مگر بے وقت بے فائدہ)

نکتہ: ماذا یستعجلون منہ نہیں فرمایا کیونکہ ماذا یستعجل کہہ کر اس بات پر دلالت کی جا رہی ہے کہ ترک استعجال لازم

ہے اور وہ اجرام ہے۔ یا ماذا یستعجل کو جواب شرط قرار دیا جائے جیسے ان اتیتک ماذا تطعمنی؟ پھر یہ سارا جملہ اَرَءَیْتُمْ سے متعلق ہے یا الم اذا ما وقع جواب شرط ہے اور ماذا یستعجل جملہ معترضہ ہے۔

عذاب کے وقت ایمان:

۵۱: اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ (کیا پھر جب وہ واقع ہو جائیگا) یعنی عذاب اٰمَنْتُمْ بِهٖ (کیا تم اس وقت ایمان لاؤ گے) یہ جواب شرط ہے اور ماذا یستعجل منه المجرمون جملہ معترضہ ہے۔ مطلب یہ ہوگا اگر تمہارے پاس اس کا عذاب آ جائے تو تم اسپر ایمان لاؤ گے اس عذاب کے وقوع ہونے کے بعد جبکہ ایسے وقت کا ایمان مفید نہ ہوگا۔

نحو: حرف استفہام کو ثم پر لانا اسی طرح ہے جیسے کہ اس کو واو اور فا پر داخل کیا جائے۔ جیسا (اعراف: ۹۷) میں افامن اہل القری، ۹۸ میں اوامن اہل القری۔ آٰلْـٰٔنَ (کیا اب ایمان لاتے ہو) اس کو قول کا مفعول مان کر گویا ان کو کہا جائے گا جب وہ عذاب آ جانے کے بعد ایمان لائیں گے کیا اب تم ایمان لاتے ہو۔ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ (حالانکہ تم تو اس کو جلدی مانگا کرتے تھے) یعنی عذاب کو تکذیب اور استہزاء کے طور پر۔ آلان میں لام کے بعد والے ہمزہ کو حذف کر دیا اور اسکی حرکت لام کو دیدی۔ نافع کے نزدیک اسی طرح ہے۔

۵۲: ثُمَّ قِیْلَ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا (پھر ان کو کہا جائے گا جنہوں نے ظلم کیا) اس کا عطف اس قیل پر ہے جو آلان سے پہلے محذوف مانا گیا ہے۔ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ (تم ہمیشہ کا عذاب چکھو) هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ (تمہیں نہیں جزاء دی جائے گی مگر وہ جو تم کماتے تھے) یعنی شرک و تکذیب

اب تو استہزاء کرتے ہیں مگر وہاں ڈر سے منہ چھپائیں گے:

۵۳: وَیَسْتَنْۢبِئُوْنَكَ (اور وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں) آپ سے خبر پوچھتے ہوئے کہتے ہیں۔ اَحَقٌّ هُوَ (کیا وہ حق ہے) یہ استفہام انکاری ہے بطور استہزاء کے وہ کہتے تھے ھو ضمیر کا مرجع موعود عذاب ہے۔ قُلْ (کہہ دیں) اے محمد ﷺ اِیْ وَرَبِّیْٓ (ہاں اور مجھے اپنے رب کی قسم ہے) اِنَّهٗ لَحَقٌّ (بلاشبہ وہ حق ہے) یعنی عذاب ہر صورت ہونے والا ہے۔ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ (اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو) عذاب سے نکلنے والے نہیں ہو وہ ہر صورت میں تمہیں آ لے گا۔

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ

اور اگر ہر شخص نے جو ظلم کیا ہے... [illegible] ...جب عذاب دیکھیں گے تو پشیمانی کو چھپائیں گے

وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ خبردار بیشک اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے

اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ

خبردار بیشک اللہ کا وعدہ حق ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اور اسی کی طرف

تُرْجَعُوْنَ ۝

لوٹائے جاؤ گے۔

۵۴۔ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ (اور اگر ہر مشرک شخص کے پاس اتنا ہو کہ) اگر ظلم کا معنی کفر و شرک ہے تو یہ نفس کی صفت ہے یعنی اگر ہر ظالم نفس کو میسر آئے مَا فِي الْاَرْضِ (جو کچھ زمین میں ہے) دنیا میں جتنی چیزیں ہیں اس کے خزائن و اموال موجود ہیں۔ لَافْتَدَتْ بِهٖ (تو وہ ضرور فدیہ میں دے ڈالے) وہ اپنے نفس کا اس کو فدیہ بنائے۔ محاورہ عرب ہے فداہ وافتدیٰ اور کہا جاتا ہے افتدیٰ بہ یعنی فدا ہو جاتا ہے۔ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ (اور وہ شرمندگی کو چھپائیں گے جب وہ عذاب کو دیکھیں گے) اور وہ شرمندگی کو ظاہر کریں گے، عرب کہتے ہیں اسرالشیٔ اذا اظہرہ۔ جب وہ چیز کو ظاہر کرے۔ دوسری تفسیر: وہ چھپائیں گے شرمندگی کو کیونکہ وہ شدت جنون کی وجہ سے بولنے سے عاجز ہو گئے۔ اسر کا لفظ اضداد میں سے ہے۔ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ (ان کے مابین انصاف سے فیصلہ کر دیا جائے گا) ظالموں اور مظلوموں کے مابین۔ اس پر ظلم کے لفظ کا تذکرہ دلالت کرتا ہے۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (اور ان پر ظلم نہ ہوگا)

۵۵: پھر اس خبردار کرنے کے بعد اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی ملکیت تامہ کا ذکر کیا۔ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (خبردار بیشک اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے وہ سب کچھ جو آسمانوں اور زمین میں ہے) پس وہ کیوں کر فدیہ قبول کرے گا جبکہ وہ سب اسی کی ملکیت ہے اور اس نے جو عذاب و ثواب کا وعدہ فرمایا وہ حق ہے ان فرمان کی وجہ سے اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ (خبردار بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ) ثواب و عذاب کا حَقٌّ (برحق ہے) ثابت ہونے والا ہے۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (لیکن ان کی اکثریت نہیں جانتی)

۵۶: هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ (وہ زندہ کرتا اور موت دیتا ہے) زندگی بخشنے اور موت دینے پر اسے قدرت ہے اس کے علاوہ کسی کو اس پر قدرت نہیں۔ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے) اسی کے حساب و جزاء کی طرف لوٹنا ہے پس اس کا خوف اور امید دونوں با معنی ہیں۔

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَھُدًی

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ چکی ہے اور ایسی چیز آئی ہے جو سینوں میں ہے ان کے لئے شفاء اور ہدایت ہے

وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَبِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا ھُوَ خَیْرٌ

اور رحمت ہے مومنین کے لئے۔ آپ فرما دیجئے اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے تو انہیں خوش ہو جانا چاہئے وہ اس سے بہتر ہے جو

مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ۝

وہ جمع کرتے ہیں۔

قرآن نصیحت و شفاء و رحمت ہے:

۵۷: یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ (اے لوگو! تمہارے پاس ایک نصیحت تمہارے رب کی طرف سے آ چکی) یعنی تمہارے پاس ایک کتاب آ چکی جو نصائح کے فوائد سے مالامال ہے۔ اس میں توحید پر متنبہ کیا گیا۔

الموعظۃ اس چیز کو کہتے ہیں جس میں ہر مرغوب کی دعوت اور ہر مرہوب سے ڈرانا موجود ہو۔ اسلئے کہ امر بالمعروف کے حسن کا تقاضا کرتا ہے پس وہ مرغوب ہونا چاہئے اور جس کا [illegible] ہو وہ ممنوع ہونا چاہئے اور نہی بالمعروف کے قبح کو چاہتی ہے اور نہی میں بھی اسی طرح عکس ہے۔ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ (اور شفاء ہے اس چیز کیلئے جو سینوں میں ہے) یعنی جو تمہارے سینوں میں عقائد فاسدہ ہیں وَھُدًی (اور ہدایت ہے) گمراہی سے وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (اور مومنوں کیلئے رحمت ہے) جو تم میں سے اس پر یقین کرنے والے ہوں گے۔

۵۸: قُلْ (کہہ دیں) اے محمد ﷺ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَبِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا (اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کے ساتھ پس اس کے ساتھ ان کو خوش ہونا چاہیے) اصل کلام اس طرح ہے بفضل اللّٰہ و برحمتہ فلیفرحوا بذلک گویا اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت کے ساتھ چاہیے کہ وہ خوش ہوں اس پر تکرار کا مقصد تاکید اور پختگی ہے اور اس بات کو خاص کرتا ہے کہ فضل و رحمت ہی فرح کے لائق ہیں ان کے علاوہ فوائد دنیا لائق فرح نہیں۔ ایک فعل کو دلالت کی وجہ سے حذف کر دیا۔ دوسرا فاء کو اس لئے داخل کیا کیونکہ شرط کا مفہوم پایا جاتا ہے گویا اس طرح فرمایا۔ اگر وہ کسی چیز پر خوش ہوں تو ان کو اپنی فرح ان دو چیزوں سے مخصوص کر لینی چاہیے۔ یا ان کو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کی طرف توجہ دینی چاہیے اور چاہیے کہ وہ اس پر خوشی کا اظہار کریں اور یہ فضل و رحمت کتاب اللہ اور اسلام ہے۔ حدیث پاک میں ارشاد فرمایا جس کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی طرف ہدایت دے دی پھر قرآن کا علم دے دیا۔ پھر اس نے فاقہ کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ فقر کو اس کے ماتھے پر ملاقات کے دن تک لکھ دیتے ہیں (درمنثور) اور آپ نے پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ھُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ (وہ اس سے بہت بہتر ہے جس کو وہ جمع کرتے ہیں) شامی نے تاء سے پڑھا ہے یعقوب نے فلتفرحوا پڑھا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ

آپ فرما دیجئے کہ یہ تو بتاؤ جو کچھ اللہ نے تمہارے لئے رزق بھیجا تھا پھر تم نے اس میں سے کچھ حرام اور کچھ حلال قرار دے لیا۔ آپ فرما دیجئے کیا اللہ نے

لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

تمہیں اس کی اجازت دی ہے یا اللہ پر افتراء کرتے ہو۔ اور قیامت کے دن کے بارے میں ان لوگوں کا کیا گمان ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝

بلاشبہ اللہ لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے اور لیکن ان میں سے بہت لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

حلال و حرام تمہارا کام نہیں:

۵۹: قُلْ اَرَءَيْتُمْ (آپ کہیے تو بتاؤ) مجھے خبر دو مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ (کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جو کچھ رزق بھیجا تھا) یہ اَنْزَلَ کے ساتھ منصوب ہے یا اَرَءَيْتُمْ کے ساتھ یعنی تم مجھے اس کی خبر دو۔ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا (پس تم نے اس میں سے حرام و حلال بنالیا) پس تم نے اس کے حصے کر کے کہا کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے جیسا کہ سورۃ انعام: ۱۳۹ آیت میں ہے ما فی بطون هٰذه الانعام خالصة لذكورنا و محرم علٰى ازواجنا اور زمین سے تمام ارزاق نکلتے ہیں لیکن جب اس رزق کے اسباب کو آسمان سے جوڑ دیا جیسے کہ بارش جس سے نباتات اگتی ہے اور سورج جس سے فصل پکتی ہے اور پھل تیار ہوتے ہیں تو اس کے اتارنے کی نسبت اس نے آسمان کی طرف کر دی گئی۔ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ (کہہ دیں کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کی اجازت دی) یہ اَرَءَيْتُمْ سے متعلق ہے۔ قُلْ یہ تاکید کیلئے دہرایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم مجھے بتلاؤ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں اجازت دی کہ تحلیل و تحریم کرو۔ پس تم اس کی اجازت سے کر رہے ہو۔ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ (یا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہو) یا تم اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر کے جھوٹ بول رہے ہو۔ یا ہمزہ انکار کیلئے اور ام منقطعہ بمعنی بل ہے۔ ہو سکتا ہے ام علی اللہ یہ افتراء کی پختگی کو ظاہر کرنے کیلئے لایا گیا۔

فائدہ: اس آیت میں زجر ہے ان احکام کے متعلق جو کسی سے پوچھے جائیں۔ جب تک کسی چیز کے متعلق یقین نہ ہو جائے اس وقت تک اس کے جائز و ناجائز کا حکم نہ لگا دینا چاہیے۔ اور یہ آیت احتیاط کے وجوب کو ظاہر کر رہی ہے۔ اگر جاننے والا اس کا خیال نہ کرے گا تو وہ دین پر افتراء باندھنے والا شمار ہوگا۔

۶۰: وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ (اور جو لوگ اللہ پر جھوٹ افتراء باندھتے ہیں) کذب کی نسبت اس کی طرف کرتے ہیں يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (قیامت کے دن) یہ ظن کی وجہ سے منصوب ہے اور وہ گمان اس دن میں واقع ہونے والا ہوگا۔ یعنی مفتری لوگ اس دن کے متعلق کیا گمان کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ حالانکہ وہ تو احسان و برائی پر بدلے کا دن ہے۔ اس آیت میں معاملے کو مبہم رکھ کر سخت وعید کی گئی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ (بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝٦٢ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَكَانُوا۟ يَتَّقُونَ ۝٦٣ لَهُمُ ٱلْبُشْرَىٰ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَفِى ٱلْءَاخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَٰتِ ٱللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ۝٦٤

خبردار بلاشبہ جو دوست اللہ کے ہیں ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے تھے۔ ان کے لئے بشارت ہے دنیاوی زندگی میں اور آخرت میں۔ اللہ کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔

عطف کا حکم شبہ جیسا ہے۔

ولی اور اس کی پہچان اور نشانی:

۶۲: أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ (خبردار! بیشک اللہ تعالیٰ کے دوست) نمبر۱۔ وہ ولی لوگ ہیں جو طاعت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دوستی رکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کرم نوازی سے ان کے ساتھ مہربانی فرمانے والے ہیں۔ نمبر۲۔ وہ وہ لوگ ہیں کہ اپنی خاص دلیل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جن کی ہدایت کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے والے اور اس کی مخلوق پر رحمت کرنے والے ہیں۔ نمبر۳۔ وہ لوگ جن کو محض اللہ تعالیٰ کی خاطر آپس میں محبت ہے۔ حالانکہ ان کی آپس میں کوئی رشتہ داری نہیں۔ اور نہ ہی اموال کا لین دین ہے۔ نمبر۴۔ وہ متقی مومن ہیں جیسا کہ دوسری آیت میں الذین آمنوا و کانوا یتقون۔

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ (ان پر خوف نہ ہوگا) جبکہ لوگ خوف زدہ ہوں گے وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (اور نہ وہ غمگین ہوں گے) جبکہ لوگ محزون ہوں گے۔

۶۳: ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ (وہ لوگ جو ایمان لائے) یہ فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے وہ اعنی ہے۔ نمبر۲۔ اولیاء کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ وہ انّ کا اسم ہے۔ نمبر۳۔ ھُمْ مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے عبارت اس طرح ہوگی۔ ھم الذین امنوا۔ وَكَانُوا۟ يَتَّقُونَ (وہ تھے بچنے والے) شرک و معاصی سے۔

۶۴: لَهُمُ ٱلْبُشْرَىٰ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا (انہی کیلئے خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں) نمبر۱۔ ان چیزوں کی جنکی خوشخبری اللہ تعالیٰ نے مومن متقی لوگوں کو قرآن مجید میں کئی مقامات پر دی ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ وہ نیک خواب ہیں جو مسلمان دیکھتا ہے یا اسکو دکھائے جاتے ہیں۔ (الترمذی) نبوت ختم ہوگئی اور اچھے خواب اس میں سے باقی رہ گئے۔ [ابن ماجہ] نیک خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔ [الترمذی]

نکتہ: اس آخری روایت میں نکتہ یہ ہے کہ مدت وحی ۲۳ سال اور پہلے چھ ماہ میں نیند و خواب میں آپ کو امور کے متعلق ہدایات دی جاتی تھیں۔ اور چھ مہینے تئیس سال کا چھیالیسواں حصہ بنتا ہے (یہ توجیہ تو بہت خوب ہے) نمبر۲۔ بشریٰ سے مراد لوگوں میں

بالحق والحق ابلج اور یہ کہ خاموش ہو جائے ۔ اسی طرح یہاں کی۔

تسلی رسول ﷺ

۶۵: وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ (آپ کو ان کی بات غم میں نہ ڈالے) یعنی تکذیب اور تہدید اور آپ کو ہلاک کرنے کی تدابیر اختیار کرنا اور آپ کی نبوت والے معاملے کو باطل کرنے کی کوششیں۔ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (بیشک عزت تمام کی تمام اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہیں) یہ جملہ مستانفہ ہے جو تعلیل بیان کرنے کیلئے لایا گیا ہے گویا اس طرح کہا گیا ہے میں کیوں غم زدہ ہوں؟ تو جواب دیا اسلئے کہ عزت یعنی غلبہ اور اقتدار حقیقی تمام ملوکہ چیزوں میں اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے۔ کسی کو ان میں سے ذرہ بھر حاصل نہیں۔ نہ ان کفار کو اور نہ کسی دوسرے کو پس وہ اللہ تعالیٰ آپ کو غالب اور ان کو مغلوب کرے گا اور ان کے خلاف آپ کی مدد فرمائے گا۔ جیسا کہ سورۃ المجادلہ: ۲۱ میں ہے: کتب اللّٰہ لاغلبن انا ورسلی۔ سورۃ غافر: ۵۱ میں انا لننصر رسلنا فرمایا گیا ہے۔

نمبر۲۔ جو عزت والا ہے اسی سے عزت حاصل کرتا ہے وہ آپ کو اور آپ کے دین کو اور ماننے والوں کو غلبہ دے گا۔

قراءت و نحو: قولهم پر وقف لازم ہے تاکہ ان العزة کفار کا مقولہ نہ بن جائے۔ جَمِيْعًا یہ مآل سے حال ہے هُوَ السَّمِيْعُ (وہی سننے والا ہے) ان کے اقوال الْعَلِيْمُ (جاننے والا ہے) جو عزائم رکھتے اور تدابیر وہ اختیار کرتے ہیں وہ ان سے خود نپٹ لے گا۔

۶۶: اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ (خبردار بیشک اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے جو آسمان اور جو زمین میں ہے) من سے مراد عقلاء اور وہ فرشتے اور جن وانس ہیں۔

نکتہ: عقلاء کو خاص اس لئے کیا کہ جب یہ اسکی ملک ہیں اور اس کے مملوک ہیں اور ان میں سے کوئی ربوبیت کے لائق نہیں اور نہ ہی ان کا شریک بن سکتا ہے۔ تو اس کے بعد جو غیر عقلاء ہیں وہ اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شریک اور ساجھی نہ ہوں۔

کفار گمان کے پیروکار ہیں:

وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ (نہیں پیروی کرتے وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو پکارتے ہیں شرکاء کی) ما نافیہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ حقیقت میں شرکاء کی اتباع نہیں کرتے۔ اگرچہ ظاہراً ان کا نام شرکاء رکھتے ہیں۔ کیونکہ حقیقت میں تو ربوبیت باری تعالیٰ میں شرکت محال ہے۔ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ (وہ نہیں اتباع کرتے مگر صرف گمان کی) مگر صرف ان کا اپنا خیال ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں۔ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ (وہ نہیں ہیں مگر محض اٹکل کے تیر چلاتے) نمبر۱۔ وہ اندازہ کرتے اور ان کے شرکاء ہونے کا غلط اندازہ کرتے ہیں۔ نمبر۲۔ یا ما استفہامیہ ہے کہ وہ کس چیز کی اتباع کرتے ہیں شُرَكَآءَ اس صورت میں یدعون کی وجہ سے منصوب ہوگا۔ اور پہلی صورت میں یتبع کی وجہ سے۔ اور حقیقت میں یہ اس طرح ہے وما یتبع الذین یدعون من دون اللّٰہ شرکاء شرکاء اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو پکارتے

ہیں وہ شرکاء کی اتباع نہیں کرتے۔ ما یتبع کو حذف کر دیا کیونکہ اس پر دلالت موجود ہے اور محذوف یدعون کا مفعول ہے۔

نمبر۳۔ ما۔ موصول ہے اور اس کا عطف من پر ہے۔ گویا اس طرح فرمایا وللّٰہ مایتبعہ الذین یدعون من دون اللّٰہ شرکاء ای ولہ شرکاؤھم اور اللہ کی قسم کوئی وہ چیز ہے جس کی اتباع کرتے ہیں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے سوا اور شرکاء کو پکارتے ہیں یعنی اس کے لئے انہوں نے شرکاء بنا رکھے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور تمام بندوں پر انکی نعمت عامہ کو ذکر کر کے متنبہ کیا اس ارشاد سے وھو الذی جعل لکم الیل (الآیۃ)

قوت باری تعالیٰ:

۶۷: ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ لِتَسْکُنُوْا فِیْہِ (وہ ذات جس نے تمہارے لئے رات کو بنایا تاکہ تم اس میں سکون لے سکو) اس نے تمہارے لئے رات کو اندھیری بنایا تاکہ اس میں دن کے ادھر ادھر کے جانے اور کام کاج کی تھکاوٹ سے آرام پا سکو۔ وَالنَّھَارَ مُبْصِرًا (دن کو روشن بنایا) تاکہ اس میں رزق کے حصول کے مقامات کو دیکھ سکو۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ (بیشک اس میں سننے والے لوگوں کیلئے البتہ نشانیاں ہیں) سننے سے مراد ایسا سننا جو قبولیت و عبرت کا باعث ہو۔

اللہ مالک ہے اسے بیٹوں کی محتاجی نہیں:

۶۸: قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا سُبْحٰنَہٗ (انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنا لیا ہے وہ سبحان ہے) بیٹا بنانے سے اس کا پاک ہونا بیان کرنا مقصود ہے اور ان کے اس اعتقاد کفر پر تعجب کا اظہار کیا گیا۔ ھُوَ الْغَنِیُّ (وہ غنی ہے) یہ نفی ولد کی علت ہے کیونکہ لڑکے کا وہ طالب ہوتا ہے جو ضعیف ہوتا کہ لڑکے کے ذریعہ قوت حاصل کرے یا محتاج ہو کہ اس سے مدد حاصل کرے یا وہ ذلیل ہو کہ اس سے اعلیٰ مرتبہ حاصل کرے۔ اور یہ تمام حاجت کی علامات ہیں پس جو غنی ہو وہ محتاج نہیں ہوتا۔ نیز لڑکا اس کے لئے ثابت نہ ہوا اور اس لئے کہ لڑکا والد کا بعض حصہ ہوتا ہے۔ پس اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ مرکب ہو اور مرکب ممکن ہے اور ہر ممکن غیر کا محتاج ہوتا ہے۔ پس اس کا حدوث ظاہر ہوا۔ پس قدیم کیلئے لڑکے کا ہونا محال ہوا۔ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (اسی کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے) بطور ملک کے اور بنوت اور ملکیت دونوں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اِنْ عِنْدَکُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِھٰذَا (نہیں ہے تمہارے پاس اسکی کوئی دلیل) تمہارے پاس اس بات کی کوئی (معقول) دلیل نہیں ہے۔ بہذا کا حق یہ ہے کہ وہ ان عندکم سے متعلق ہو۔ وہ اس طرح کہ قول کو سلطان کا ظرف مکان مانا جائے جیسے کہتے ہیں۔ ما عندکم بھذا منکم موز (تمہارے ہاں کوئی کیلا نہیں) گویا یہاں اس طرح کہا گیا ہے جو کچھ تم کہتے ہو اسکی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ جب ان سے دلیل کی نفی کی تو ان کو بے علم قرار دیا اور یوں فرمایا۔ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (کیا تم اللہ تعالیٰ کے متعلق وہ بات کہتے ہو جو جانتے نہیں)

۶۹: قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ (کہہ دیں بیشک وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں) اسکی طرف بیٹے کی نسبت کر کے لَا یُفْلِحُوْنَ (وہ کامیاب نہ ہوں گے) وہ آگ سے کبھی نجات نہ پائیں گے اور نہ جنت کی کامیابی سے ہمکنار ہوں گے۔

تمہارے درمیان قیام کرنا ساڑھے نو سو سال یا نمبر۲۔ کھڑا ہونا وعظ و نصیحت کیلئے۔

وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللّٰهِ (اور میرا اللہ تعالیٰ کی آیات کے ذریعہ ڈرانا) کیونکہ وہ جب ایک جماعت کو وعظ کرتے تو وہ کھڑے ہو کر ان کو نصیحت کرتے تاکہ ان کے کھڑے ہونے کی جگہ ان کے سامنے آ جائے اور ان تک بات پہنچ جائے۔ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ (پس اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر میں نے بھروسہ کیا) یعنی میں نے اپنا معاملہ اس کے سپرد کر دیا۔ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ (تم اپنے معاملے کو جمع کرو) اجمع الامر کام کا عزم اور پختہ نیت کرنا۔ وَشُرَكَاءَكُمْ (اور اپنے شرکاء کو) اس میں واؤ مع کے معنی میں ہے۔ یعنی اپنے شرکاء کے ساتھ مل کر بات طے کر لو قرار داد پاس کر لو۔

ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً (پھر تمہارا وہ مقدمہ تم پر کچھ بھی نہ رہے) یعنی تم پر غم و رنج کا باعث نہ ہو۔ الغم اور الغمہ دونوں کا معنی کرب و کربہ کی طرح ایک ہی ہے۔ یہ خفاء میں التباس ہو سا غمہ ستر ہو کہتے ہیں یہ غمہ اذا سترہ سے ہے اور یہی معنی اس روایت میں ہیں۔ فرائض میں پوشیدگی نہیں (لا غمۃ فی فرائض اللّٰہ) کوئی اخفاء نہیں بلکہ انکو ظاہر کیا جائیگا۔ مطلب آیت کا یہ ہے۔ میرے ہلاک کرنے کا قصد و ارادہ تم پر مخفی نہ رہے لیکن اس کو کھلے طور پر تم مجھے بتلانے والے ہو۔ ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ (پھر تم میرے بارے میں فیصلہ کر دو۔) وہ بات جس کا تم ارادہ رکھتے ہو یعنی میری ہلاکت کے بارے میں جو تمہارے ہاں برحق ہے کر ڈالو۔ یا اسی طرح ہے جیسے آدمی اپنے غریم کو حق ادا کرے۔ نمبر۲۔ جو تم سے بن پڑے وہ میرے متعلق کر لو۔ وَلَا تُنْظِرُونِ (اور تم مجھے مہلت نہ دو)

۷۲: فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ (پس اگر تم منہ موڑو) اگر تم میری نصیحت سے اعراض کرو۔ اور میری خیر خواہی پر توجہ سے رخ موڑو۔ فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ (تو میں تم سے کوئی مزدوری نہیں مانگتا) نمبر۱۔ کہ جس سے لازماً منہ موڑا جائے۔ یا نمبر۲۔ میں تم سے کوئی مزدوری نہیں مانگتا کہ تمہارے منہ موڑنے سے وہ رہ جائے گی اور میں اس سے محروم رہ جاؤں گا۔ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ (میرا اجر اللہ تعالیٰ ہی کے ذمہ ہے) اور وہ میرا اجر و ثواب آخرت ہے جو مجھے آخرت میں مل جائے گا۔ یعنی میں نے تمہیں یہ نصیحت فقط اللہ تعالیٰ کی خاطر کی کسی دنیاوی غرض کی وجہ سے نہیں کی۔

نکتہ: اس میں دلالت ہے کہ تعلیم قرآن اور علم دین پر اجر لینا منع ہے۔ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ (اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں) یعنی جو اس کے حکموں کی پابندی کرتے ہیں خواہ وہ مشروعات سے ہو یا ممنوعات سے۔

قراءت: إِنْ أَجْرِيَ فتحہ کے ساتھ مدنی، ابو عمرو، مدنی شامی نے پڑھا ہے۔

نتیجۂ تکذیب:

۷۳: فَكَذَّبُوهُ (پس انہوں نے جھٹلا دیا) انہوں نے ان کی تکذیب پر مداومت اختیار کی فَنَجَّيْنَاهُ (پس ہم نے اس کو بچا لیا) ڈوبنے سے وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنَاهُمْ خَلَائِفَ (اور ان کو جو کشتی میں ان کے ساتھ تھے نائب بنایا) غرق سے ہلاک ہونے والوں کے یہ نائب بنے۔ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ (اور ہم نے ان لوگوں کو جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا غرق کر دیا پس دیکھو کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جن کو ڈرایا گیا) اس میں کفار پر ڈرانے والے معاملے کو بیان

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا

[illegible]

بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۷۴﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ

[illegible]

بَعْدِهِمْ مُّوْسٰی وَهٰرُوْنَ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰیٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا

[illegible]

مُّجْرِمِیْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْۤا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۷۶﴾ قَالَ

[illegible]

مُوْسٰۤی اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْۤا

[illegible]

اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِیَآءُ فِی الْاَرْضِ ؕ وَمَا

[illegible]

نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۸﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِیْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ

[illegible]

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤی اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰی مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ

[illegible]

السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَیُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۸۱﴾ وَیُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ

[illegible]

بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

[illegible] ۔

[illegible] ۔

۷۴: ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ (پھر ہم نے ان کے بعد بھیجا) یعنی نوح علیہ السلام کے بعد رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ (انبیاء علیہم السلام کو ان کی قوموں کی طرف) یعنی ہود صالح ابراہیم لوط شعیب علیہم الصلوٰت والسلام فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ (وہ ان کے پاس دلائل لائے) ایسی واضح دلیلیں جو ان کے دعویٰ کو ثابت کرتی تھیں۔ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا (مگر وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لے آتے اس پر) پس انہوں نے کفر پر اصرار کیا ان انبیاء علیہم السلام کی تشریف آوری کے باوجود بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ (جس کو انہوں نے پہلے جھٹلایا) ان کی آمد سے قبل مقصد یہ ہے کہ رسول کی آمد سے قبل اہل جاہلیت تھے حق کی تکذیب ان کا شیوہ تھا مگر بعثت کے بعد ان کی حالت میں تبدیلی نہ آئی اور وہ اسی تکذیب پر قائم رہے گویا ان کی طرف کوئی پیغمبر مبعوث ہی نہیں ہوا۔ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ (اسی طرح ہم مہر لگاتے) اس مہر کی طرح ہم مہر لگاتے ہیں عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ (حد سے تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر) یعنی تکذیب میں جو حدود کو پھاند جاتے ہیں۔

واقعہ موسیٰ علیہ السلام و فرعون:

۷۵: ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ (پھر ہم نے ان کے بعد بھیجا) ان رسولوں کے بعد مُّوْسٰى وَ هٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا (موسیٰ و ہارون کو فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف اپنی آیات دیکر) آیات سے دو نو آیت مراد ہیں۔ فَاسْتَكْبَرُوْا (پس انہوں نے تکبر کیا) ان آیات کو تسلیم کرنے سے اور سب سے بڑا تکبر یہ ہے کہ بندے اپنے رب کے قاصدوں کو ماننے میں سستی کریں جبکہ رسالت کو واضح بھی کر دیا گیا اور اس کو قبول کرنے سے بڑائی اختیار کریں۔ وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ (اور وہ مجرم لوگ تھے) بڑے جرائم پیشہ کار تھے اسی لئے انہوں نے اس کو قبول کرنے سے تکبر کیا اور اس کو مسترد کرنے کی جرأت کی۔

۷۶: فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا (پس جب ان کے پاس حق آ پہنچا ہماری طرف سے) جب انہوں نے پہچان لیا کہ وہ حق ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ قَالُوْٓا (تو انہوں نے کہا) شہوت پرستی کی وجہ سے اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ (یقیناً یہ کھلا ہوا جادو ہے) حالانکہ وہ جانتے تھے کہ جادو سے سب سے زیادہ دور چیز جو ہے وہ حق ہی ہے۔

۷۷: قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ (موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کیا تم حق کو کہتے ہو جبکہ وہ تمہارے پاس آ چکا ہے) یہ استفہام انکاری ہے اور ان کا مقولہ محذوف ہے یعنی ذا سحر کیا یہ جادو ہے پھر انکار کو دوسری مرتبہ لوٹایا اور کہا اَسِحْرٌ هٰذَا (کیا یہ جادو ہے) یہ خبر اور مبتدا ہے۔ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ (اور جادوگر کامیاب نہیں ہوتے) یعنی وہ کامیاب نہ ہوتے۔

۷۸: قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا (وہ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس آئے ہو کہ تم ہٹا دو) ہمیں پھیر دو۔ عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا (اس سے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا) یعنی بتوں کی عبادت یا فرعون کی عبادت وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ (اور ہو جائے تم دونوں کیلئے بڑائی) یعنی بادشاہت کیونکہ بادشاہوں ہی کی صفت بڑائی عظمت، بلندی ہوتی ہے فِى الْاَرْضِ (زمین میں) یعنی سرزمین مصر میں۔ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ (ہم تم دونوں پر ایمان لانے والے نہیں ہیں) کہ اس میں تصدیق کرنے والے جو کچھ تم لے کر آئے ہو۔

قراءت: حماد و یحییٰ نے یکون پڑھا ہے۔

۷۹: وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُونِي بِكُلِّ سَاحِرٍ عَلِيمٍ (اور فرعون نے کہا تم میرے پاس ہر ماہر جادوگر کو لاؤ)

قراءت: حمزہ، علی نے سحار پڑھا ہے۔

۸۰: فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُوسَى أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ (جب جادوگر آگئے تو انہیں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم ڈالو! جو تم نے ڈالنا ہے)

۸۱: فَلَمَّا أَلْقَوْا قَالَ مُوسَى مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ (جب انہوں نے ڈال دیا تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جو کچھ تم لائے ہو وہ جادو ہے)

نحو: ما موصول ہے اور مبتداء ہے جئتم بہ اس کا صلہ ہے اور السحر خبر ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے: الذی جئتم بہ هو السحر جو تم لائے ہو وہ جادو ہے۔ نہ کہ وہ جس کو فرعون اور اس کی قوم نے جادو قرار دیا حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں۔

قراءت: السحر پر وقف ہے ابو عمرو نے اسی طرح پڑھا ہے۔ استفہام کی صورت میں۔ اس قراءت کے مطابق ما استفہامیہ ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے۔ ای شیء جئتم بہ۔ تم کونسی چیز لائے ہو کیا وہ جادو ہے؟ إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ (بیشک اللہ تعالیٰ عنقریب اس کو باطل کر دیں گے) اس کا باطل ہونا کھول دیں گے۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ (بیشک اللہ تعالیٰ نہیں درست کرتے مفسدوں کے عمل کو) اس کو قائم نہیں رہنے دیتے بلکہ انہیں نہس کر دیتے ہیں۔

۸۲: وَيُحِقُّ اللَّهُ الْحَقَّ (اور اللہ تعالیٰ حق کو ثابت کر دیں گے) اور اس کو قائم و مضبوط کر دیں گے بِكَلِمَاتِهِ (اپنے کلمات کے ذریعہ) اپنے اوامر و قضایا کے ساتھ، یا اسلام کو اپنی نصرت سے غلبہ دیں گے۔ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ (اگرچہ مجرموں کو ناپسند ہو یہ بات)۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ

سو موسیٰ پر ان کی قوم میں سے تھوڑے سے لوگ ایمان لائے وہ بھی فرعون اور اس کے سرداروں سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں وہ انہیں فتنے میں نہ ڈال دے،

وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ

اور بلاشبہ فرعون اس زمین میں بلندی والا تھا اور اس میں شک نہیں کہ وہ حد سے آگے بڑھ جانے والوں میں سے تھا۔ اور موسیٰ نے کہا کہ اے میری قوم

اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ

اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہوئے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم فرمانبردار ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾

اے ہمارے رب تو ہمیں ظالم قوم کے لئے فتنہ نہ بنا، اور اپنی رحمت سے ہمیں کافر قوم سے نجات دے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا

اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر برقرار رکھو، اور اپنے گھروں کو

بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾

نماز پڑھنے کی جگہ بنالو، اور نماز قائم کرو، اور مومنین کو خوشخبری دو۔

قومہ کی ضمیر کا مرجع:

۸۳: فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى (پس ایمان نہ لائے موسیٰ پر) ان کے ابتداء بعثت میں اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ (مگر ان کی قوم میں سے بعض اولاد فرعون کے خطرے کے باوجود) مگر ایک جماعت جن کا تعلق اولاد بنی اسرائیل سے تھا۔ گویا تقدیر کلام یہ ہے الا اولاد من اولاد قومہ مگر کچھ اولاد ان کی قوم کی اولاد میں سے۔ اور اس کا واقعہ یہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کے بڑوں کو بلایا تو انہوں نے فرعون کے خوف کی وجہ سے کوئی جواب نہ دیا۔ مگر نوجوانوں کی ایک جماعت نے فرعونی خوف کے باوجود آپ کی دعوت پر لبیک کہی (اس قومہ کا مرجع موسیٰ علیہ السلام) نمبر ۲۔ قومہ کی ضمیر فرعون کی طرف لوٹائیں تو ذریۃ سے ذریت فرعون مراد ہوگی اس صورت میں مومن آل فرعون۔ آسیہ امرأۃ فرعون۔ خازن فرعون۔ خازن کی بیوی فرعون کے گھر کی مشاطہ (بال سنوارنے والی)۔

وَمَلَا۟ئِهِمْ (اور اس کے سرداروں کے) ھم۔ کی ضمیر فرعون کی طرف آل فرعون کے معنی کے لحاظ سے لوٹی ہے جیسا کہتے ہیں ربیعہ ومضر۔ نمبر ۲۔ اس طور پر کہ دو دوست والا صاحب والا تھا۔ جو اس کا حکم چلاتے تھے۔ اس لئے ان کا لحاظ کر کے ضمیر لوٹائی۔

نمبر۳۔ هِمْ کا مرجع ذریت ہو تو معنی یہ ہوگا۔ فرعون کے خوف کے باوجود اور بنی اسرائیل کے سرداروں کے خوف کے باوجود کیونکہ وہ سرداران بنی اسرائیل اپنے اس انجام سے ڈرتے تھے۔ جو فرعون کی طرف سے متوقع تھا اپنے متعلق اور ان نوجوانوں کے متعلق۔ اسکی دلیل اَنْ يَّفْتِنَهُمْ کا لفظ ہے جو آگے آتا ہے (کہ کہیں وہ ان کو فتنہ میں مبتلا نہ کردے) مراد اس سے فرعون کا سزا دینا ہے۔ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ (اور بیشک فرعون زمین میں غالب تھا) غالب اور زبردست تھا وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ (اور بیشک وہ البتہ حد سے نکلنے والوں میں سے تھا) ظلم و فساد اور تکبر و بڑائی سے کیونکہ وہ اپنے متعلق خدائی کا دعویدار تھا۔

بنی اسرائیل کا دلاسہ:

۸۴: وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ (اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے میری قوم اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہو) اگر تم نے سچے دل سے تصدیق کی اور اسکی آیات پر یقین کیا۔ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا (تو اسی پر ہی بھروسہ کرو) فرعون سے حفاظت کیلئے اپنے معاملے کو اسی کے سپرد کردو۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ (اگر تم فرمانبردار ہو) اسلام میں توکل کی شرط ہے اور اسلام اس بات کا نام ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں۔ یعنی اپنے نفوس کو سالم اور خالص اللہ تعالیٰ ہی کیلئے کردیں کہ اس میں نفس اور شیطان کا قطعاً حصہ نہ ہو۔ کیونکہ توکل ملاوٹ کے ہوتے ہوئے ممکن نہیں۔

۸۵: فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا (پس انہوں نے کہا ہم نے اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کیا) انہوں نے یہ کہا کیونکہ وہ لوگ اس میں مخلص تھے یقیناً باری تعالیٰ نے ان کے اس توکل کو منظور فرمایا اور ان کی دعا کو قبول کیا اور ان کو نجات عنایت فرمائی اور ان کو ہلاک کردیا جو فرعون سے ڈرتے تھے اور ان کامیاب لوگوں کو اپنی زمین میں نائب بنایا۔

نکتہ: جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل میں درست و خالص ہو اس کو چاہیے کہ وہ ملاوٹ چھوڑ دے اور ایک اللہ تعالیٰ ہی کا ہو جائے۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (اے ہمارے رب ہمیں ظالمین قوم کا تختۂ مشق نہ بنا) فتنہ سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ یعنی محل فتنہ یعنی عذاب کی جگہ نہ بنا کہ وہ ہمیں عذاب دیتے رہیں۔ یا ہمارے دین کے متعلق وہ ہمیں فتنے میں مبتلا کردیں یعنی گمراہی میں مبتلا کردیں۔ الفاتن: حق سے گمراہی میں مبتلا کرنے والا۔

۸۶: وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (اور تو اپنی رحمت کے ساتھ کافر قوم سے نجات دے) یعنی انکی غلامی اور ماتحتی سے۔

بنی اسرائیل کو ہدایات:

۸۷: وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا (اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی کی طرف وحی کی کہ تم دونوں اپنی قوم کیلئے مصر میں گھر بناؤ)۔ تبوّء المکان کا معنی مکان کو رہائش کیلئے مقرر کرنا جیسے کہتے ہیں۔ توطّن کا معنی وطن بنانا۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ مصر میں اپنے مکان بناؤ جو خصوصی تمہاری قوم کی رہائش کیلئے ہوں۔ اور ایسے مکان بناؤ جو

عبادت کیلئے ہوتے اور نماز ادا کرنے کیلئے ہوں۔

وَاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً (اور بناؤ اپنے گھروں کو قبلہ رخ) یعنی مساجد جن کا رخ قبلہ یعنی کعبہ کی طرف ہو۔ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھ والے کعبہ کی طرف نماز ادا کرتے تھے۔ پہلے وہ کل گھروں میں کفار سے خفیہ طور پر عبادت کا حکم تھا۔ تاکہ وہ ان پر تعرض کر کے ان کو تکلیف نہ پہنچائیں۔ اور دین کے متعلق فتنہ میں مبتلا نہ کریں۔ جیسا کہ ابتداء اسلام میں مسلمان مکہ میں نماز ادا کرتے تھے۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (اور نماز قائم کرو) اپنے گھروں میں نماز ادا کرو تاکہ کفار سے مامون رہو۔ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دیں) اے موسیٰ

نکتہ: اولاً خطاب تثنیہ پھر جمع اور آخر میں واحد کے صیغے سے فرمایا کیونکہ عبادت کے مقامات کا انتخاب موسیٰ و ہارون علیہم السلام کو تفویض کیا گیا تھا۔ پھر جمع لائے کیونکہ مساجد کی تعمیر اور ان کی آبادی جمہور امت کا فریضہ تھا۔ پھر آخر میں موسیٰ علیہ السلام کو خطاب فرمایا۔ یہ خوشخبری بشارت تھا کہ ان کی عظمت سب پر ظاہر ہو جائے۔ اور جنکے حق میں بشارت دی گئی ان کا مرتبہ معلوم ہو۔

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ

اور موسیٰ نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب! بے شک آپ نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو دنیا والی زندگی میں زینت اور اموال

الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى

دیئے ہیں۔ اے ہمارے رب ایسا اس لئے ہے کہ وہ آپ کے راستے سے بھٹکا دیں۔ اے ہمارے رب ان کے مالوں کو ملیامیٹ کر دیجئے اور ان کے دلوں کو

قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا

سخت کر دیجئے۔ سو وہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی

فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ

سو تم دونوں ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کے راستہ کا ہرگز اتباع نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے

الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰىٓ اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ

پار کر دیا پھر بغاوت اور زیادتی کرتے ہوئے فرعون اور اس کا لشکر ان کے پیچھے ہو لیا۔ یہاں تک کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو کہنے لگا

اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِىْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾

کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

اٰۗلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ

کیا اب ایمان لاتا ہے؟ حالانکہ تو اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا اور تو فساد کرنے والوں میں سے ہے۔ سو آج ہم تیرے بدن کو نجات دیں گے

لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾

تاکہ تو ان لوگوں کے لئے عبرت ہو جو تیرے بعد آنے والے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے آدمی ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔

۸۸: وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً (اور موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے ہمارے پروردگار بیشک آپ نے فرعون اور اس کے سرداروں کو زینت دی ہے) زینت ہر ایسی چیز کو کہتے ہیں جس سے انسان اپنے آپ کو مزین کرے جیسے لباس، زیورات، سواریاں، اثاث البیت وغیرہ وَّاَمْوَالًا (اور مال) یعنی نقدی، کھیتیں، زمینیں فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ (دنیا کی زندگی میں اے ہمارے پروردگار جس کا نتیجہ یہ کہ وہ لوگوں کو تیرے راستے سے ہٹا رہے ہیں) تاکہ وہ لوگوں کو آپ کی اطاعت سے برگشتہ کریں۔

قراءت: کوفی کے نزدیک الدنیا پر وقف نہیں کیونکہ لیضلوا زینت کے متعلق ہے۔ ربنا کو دوسری مرتبہ تضرع میں الحاح و اصرار کیلئے لائے۔

شیخ ابو منصور رحمہ اللہ:

فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے جانا کہ وہ لوگوں کو گمراہ کریں گے تو ان کو وہ سب کچھ دیا تاکہ وہ گمراہی میں زور لگائیں اور یہ اسی طرح ہے جیسے آل عمران ۱۷۸ میں فرمایا انما نملی لھم لیزدادوا اثما۔ پس یہ آیت معتزلہ کے خلاف قوی حجت ہے۔

دعائے موسیٰ علیہ السلام:

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِهِمْ (اے ہمارے پروردگار ان کے اموال کو مٹا دے) یعنی اموال کو ہلاک و تباہ کر دے اور اس کے آثار کو زائل کر دے۔ کیونکہ یہ تیری نعمتوں سے تیری معصیت پر معاونت حاصل کر رہے ہیں۔ الطمس کا معنی مٹانا اور ہلاک کرنا ہے۔ ایک قول یہ ہے نمبر۱۔ ان کے دراہم و دنانیر پر نقش تھا وہ روزی تھی تو وہ پتھروں میں بدل گئے۔ نمبر۲۔ دوسرا قول تمام اموال اسی طرح ہو گئے۔ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ (اور ان کے قلوب کو سخت کر دے) ان کے دلوں پر مہر لگا دے اور ان کو سخت کر دے۔ فَلَا يُؤْمِنُوْا (پس وہ ایمان نہ لائیں) یہ اشدد کا جواب ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا وہ ایمان نہ لائیں گے حَتّٰی يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں) یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں گے اور یہ اسی طرح ہوا چنانچہ فرعون ڈوبنے تک ایمان نہیں لائے۔ اور ایسے وقت اگر وہ ایمان لاتے بھی تو قابل قبول نہ تھا کیونکہ یہ ایمان یاس تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کے متعلق یہ بددعا اس وقت فرمائی جب ان کے ایمان سے مایوس ہو گئے اور وحی سے ان کو معلوم ہو گیا کہ یہ ایمان نہ لائیں گے وحی سے علم کے بغیر تو ان کو یہ دعا کرنے کا حق نہیں کہ وہ ایمان نہ لائیں گے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو ان کی طرف دعوت ایمان دے کر ہی تو مبعوث کیا گیا تھا۔

نکتہ: یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ کسی کیلئے کفر پر موت کی بددعا کفر نہیں ہے۔

۸۹: قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا (اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی) کہا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام دعا فرما رہے تھے اور ہارون علیہ السلام آمین کہنے والے تھے۔ نکتہ: اس سے یہ ثابت ہوا کہ آمین دعا ہے پس اس کو مخفی کہنا اولیٰ ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ تمہاری دعا مستجاب ہے۔ اور جو تم نے طلب کیا وہ ہو کر رہے گا۔ لیکن اس کا ایک وقت ہے۔ فَاسْتَقِيْمَا پس تم دونوں استقامت اختیار کرو یا تم دونوں دعوت و تبلیغ کے فریضہ پر مستقیم رہو۔ وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (اور تم دونوں بے علموں کے راستہ پر مت چلو) جاہلوں کے راستے کی اتباع نہ کرو جو قبولیت دعا کی حقیقت اور حکمت الٰہیہ سے واقف نہیں ہیں۔ دعا اور قبولیت میں چالیس سال کا فاصلہ تھا۔

نحو و قراءت: لا تتبعان۔ نون کی تخفیف اور کسرہ کے ساتھ کیونکہ نون تثنیہ کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے الف ساقط نہیں ہوا۔ یہ شامی کی قراءت ہے۔ دیگر قراء نے اس کو نہی پر قرار دیا کیونکہ نون خفیفہ کا سکون ضرور واجب ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ نفی ہے جملہ مضارع منفی ہے یہ حال ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ فاستقیما غیر متبعین۔

بنی اسرائیل کی آزادی اور فرعون کا غرق:

۹۰: وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ (ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار گزار دیا) نکتہ: یہ اہل سنت کی دلیل ہے کہ افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ (پس ان کا پیچھا فرعون اور اس کے لشکر نے کیا) پس ان کو جا لیا۔ کہا جاتا ہے تبعتہ حتی اتبعتہ۔ میں نے اس کا پیچھا کیا یہاں تک کہ میں اس کو جا ملا۔ بَغْیًا (سرکشی کے طور پر) وَّعَدْوًا (دشمنی کے طور پر) (ظلم کے طور پر)

نحو: یہ دونوں حال ہونے کی بناء پر منصوب ہیں۔ یا مفعول لہ ہیں۔ حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ (یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا) اس پر وقف نہیں کیونکہ قَالَ اٰمَنْتُ، اِذَا کا جواب ہے قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ (اس نے کہا میں ایمان لایا تحقیق شان یہ ہے)۔ یہ اذا کا جواب ہے۔

قراءت: حمزہ و علی نے اِنَّهٗ پڑھا اور اس کو جملہ مستانفہ قرار دیا۔ اور اٰمَنْتُ کا بدل بنایا ہے۔ دوسرے قراء نے اَنَّهٗ پڑھا ہے۔ اور اس کو صلہ کا حذف ہوا ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (اس کے سوا کوئی معبود نہیں مگر وہی کہ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں)

نکتہ: اس میں دلیل ہے کہ ایمان اور اسلام دونوں ایک چیز ہیں اسلئے کہ اس نے کہا اٰمنت پھر کہا وانا من المسلمین۔ فرعون نے ایک معنی کو تین مرتبہ تین عبارتوں میں دہرایا۔ تاکہ قبولیت ہو جائے۔ پھر بھی قبولیت نہیں ہوئی کیونکہ اس کا وقت گزر چکا تھا۔ ورنہ حالت اختیاری میں تو ایک مرتبہ بھی کافی تھا۔

۹۱: آٰلْئٰنَ (کیا اب) تو اضطراری گھڑی میں ایمان لاتا ہے جبکہ تو غرق ہو رہا ہے اور اپنے بچنے کی امید ٹوٹ چکی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جب پانی نے اس کو ڈبونے کی لگام چڑھائی تو یہ کہا تھا۔ نحو: الئن کا عامل تؤمن محذوف ہے۔ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ (حالانکہ تو نے اس سے قبل نافرمانی کی اور تو مفسدین میں سے تھا) ان گمراہوں میں سے تھا جو ایمان سے برگشتہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے اس سے ایک استفتاء طلب کیا۔

ما قول الامیر فی عبد لرجل نشأ فی ماله و نعمته فکفر نعمته و جحد حقه وادعی السیادة دونه۔ امیر کیا کہتے ہیں ایسے غلام کے متعلق جو ایسے آدمی کا ہو جس کے مال و نعمت میں اس نے پرورش پائی ہو مگر وہ غلام اپنے آقا کی نعمتوں کی ناشکری کرے اور اس کے حقوق کا منکر ہو جائے اور خود آقا کی جگہ سرداری کا دعویدار بن بیٹھے۔

پس اس نے اس سوال کا جواب یہ لکھا: یقول ابو العباس الولید بن مصعب۔ جزاء العبد الخارج علی سیده، الکافر نعماءه ان یغرق فی البحر۔ ابوالعباس الولید بن مصعب کہتا ہے کہ ایسے غلام کی سزا کہ جو اپنے آقا کے خلاف خروج کرنے والا اور اس کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والا ہو۔ اس کو سمندر میں ڈبو دیا جائے۔ چنانچہ جب وہ ڈوبنے لگا تو جبرئیل علیہ السلام نے اسکی اپنی تحریر اس کے ہاتھ میں تھما دی اس نے پہچان لی۔

جسم کی تو بالکل نجات:

۹۲: فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ (آج ہم تمہیں نجات دیتے ہیں) تمہیں اونچی زمین پر ڈالتے ہیں اس کو پانی نے اسطرح ساحل پر پھینکا جیسا کہ وہ تنکا ہے۔ بِبَدَنِكَ (تمہارے بدن کو) یہ حال ہے تقدیر عبارت اس طرح ہوگی فی الحال التی لا روح فیک والما انت بدن۔ ایسی حالت میں کہ تجھ میں روح نہ ہوگی۔ بیشک تو فقط ایک بدن ہوگا۔ یا نمبر۲۔ اپنے بدن کے ساتھ کامل درست ہوگا اس میں سے کچھ بھی کم نہ ہوگا۔ اور نہ متغیر ہوگا۔ نمبر۳۔ ننگا یا بلا لباس ایک بدن ہوگا۔ نمبر۴۔ اپنی درع سمیت ہوگا اس کی سونے کی بنی ہوئی ایک زرہ تھی۔ جس سے وہ پہچانا جاتا تھا۔

قراءت: ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بابدانک پڑھا ہے اور یہ اس طرح جیسا کہ عرب کہتے ہیں ہاجرامہ مطلب یہ ہوا اپنے تمام بدن کے ساتھ اس میں کسی جز کی کمی نہ ہوگی۔ یا اپنی زرہوں کے ساتھ کیونکہ وہ ان کے ذریعہ ظاہر ہونے والا تھا۔ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً (تا کہ تو بعد والوں کیلئے ایک نشانی بن جائے) پیچھے آنے والے لوگوں کیلئے علامت ہو۔ مَن سے مراد بنی اسرائیل تھے۔ ان کے دلوں میں یہ بات تھی کہ فرعون اس سے بڑھ کر حالت والا تھا کہ سمندر میں ڈوبے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کو موسیٰ علیہ السلام نے اس کی ہلاکت کی اطلاع دی مگر انہوں نے تصدیق نہ کی اللہ تعالیٰ نے اس کا بدن ساحل پر ڈال دیا۔ جس کو انہوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ ایک قول یہ بھی ہے مَن خلفک سے مراد جو تیرے بعد اہل زمانہ ہونگے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے اس کی غلامی ظاہر ہو جائے اور اس کا ناحق دعویٰ خدائی وہ کہ ذات سے ہے۔ عظیم سلطنت کے باوجود نافرمانی کی وجہ سے اس کا انجام کیا ہوگا۔ اور اس کا دعویٰ ربوبیت ناممکنات میں سے ہے۔ اور اس کی اتنی بڑی سلطنت کے باوجود نافرمانی کی وجہ سے اس کا انجام وہ ہوا جو تم نے دیکھا پس اور کسی کے متعلق کیا خیال ہے؟ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ (بیشک بہت لوگ ہماری آیات سے البتہ غفلت برتنے والے ہیں)

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَرَزَقْنَٰهُم مِّنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ فَمَا ٱخْتَلَفُوا۟

اور ہم نے بنی اسرائیل کو رہنے کا اچھا ٹھکانا دیا اور انہیں پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں، سو انہوں نے اختلاف نہیں کیا

حَتَّىٰ جَآءَهُمُ ٱلْعِلْمُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِى بَيْنَهُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ فِيمَا كَانُوا۟ فِيهِ

یہاں تک کہ ان کے پاس علم پہنچ گیا۔ بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن ان چیزوں میں ان کے درمیان فیصلے فرمائے گا جن میں وہ

يَخْتَلِفُونَ ﴿٩٣﴾ فَإِن كُنتَ فِى شَكٍّ مِّمَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ فَسْـَٔلِ ٱلَّذِينَ يَقْرَءُونَ

اختلاف کرتے تھے۔ سو اگر آپ کو اس میں شک ہے جو ہم نے آپ کی طرف اتارا تو آپ ان لوگوں سے دریافت کر لیجئے جو آپ سے

ٱلْكِتَٰبَ مِن قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ ٱلْمُمْتَرِينَ ﴿٩٤﴾

پہلے کتاب پڑھتے ہیں۔ بلاشبہ آپ کے رب کے پاس سے آپ کے پاس حق آ گیا ہے۔ سو آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ ٱلَّذِينَ كَذَّبُوا۟ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ فَتَكُونَ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٩٥﴾ إِنَّ

اور ان لوگوں میں سے ہرگز نہ ہو جائیے جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا ورنہ آپ تباہ کاروں میں سے ہو جائیں گے۔ بے شک

ٱلَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ ءَايَةٍ

جن لوگوں پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے۔ اگرچہ ان کے پاس تمام دلیلیں آ جائیں۔

حَتَّىٰ يَرَوُا۟ ٱلْعَذَابَ ٱلْأَلِيمَ ﴿٩٧﴾

جب تک کہ وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں۔

بنی اسرائیل کو عمدہ ٹھکانہ دیا:

۹۳: وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ (تحقیق ہم نے بنی اسرائیل کو بہت اچھا ٹھکانہ دیا) عمدہ پسندیدہ رہنے کی جگہ اور وہ مصر اور شام تھی۔ وَّرَزَقْنٰھُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ فَمَا اخْتَلَفُوْا (ہم نے ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا پس انہوں نے اختلاف نہ کیا) اپنے دین میں حَتّٰی جَآءَ ھُمُ الْعِلْمُ (یہاں تک کہ ان کے پاس علم آ چکا) یعنی تورات اور انہوں نے اس کی تعبیر میں اختلاف کیا۔ جس طرح امت محمد ﷺ نے قرآن مجید کی آیات کی تعبیر میں اختلاف کیا۔ نمبر۲۔ مراد حضرت محمد ﷺ کے متعلق علم ہے اور اختلاف بنی اسرائیل حالانکہ وہ اہل کتاب تھے۔ آپ کی صفات میں اختلاف کیا کہ آیا آپ وہی نبی آخر الزمان ہیں یا نہیں ہیں۔ اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آچکا کہ آپ وہی نبی آخر الزمان ہیں۔ اِنَّ رَبَّکَ یَقْضِیْ بَیْنَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فِیْمَا کَانُوْا

فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (بیشک آپ کا رب ان کے درمیان قیامت کے دن ان چیزوں میں فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے) اور سچے اور جھوٹے کو الگ کرے گا اور ہر ایک کو اس کا بدلہ دیگا۔

آیات میں شک کرنے والے:

۹۴: فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ (اگر تمہیں شک ہے اس چیز میں جو ہم نے آپ کی طرف اتاری تو ان لوگوں سے پوچھ لو جو کتاب آپ سے پہلے پڑھتے ہیں) جب بنی اسرائیل کا پہلے تذکرہ ہوا۔ اور وہ کتاب کو پڑھنے والے تھے۔ بنی اسرائیل کے متعلق بتلایا کہ علم ان کے پاس آچکا کیونکہ رسول ﷺ کا معاملہ تورات وانجیل میں لکھا ہوا ہے اور وہ آپ کو اس طرح پہچانتے ہیں۔ جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ تو ان کے علم کی تاکید صحت قرآن اور صحت نبوت ﷺ سے کر دی اور اس میں مبالغہ کیا اور فرمایا اگر بالفرض والتقدیر آپ کو شک واقع ہو۔ اور جس کو کوئی شبہ گزرے تو اس کے حل کا طریق کار یہی ہے۔ کہ اس کے حل کی طرف جلدی کی جائے اور اصول دین کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور اس کے دلائل سے راہنمائی لی جائے۔ یا علماء سے بات چیت کی جائے۔ پس آپ علماء اہل کتاب سے پوچھیں وہ قرآن مجید کی صحت کو پوری طرح جاننے والے ہیں۔ اس طور پر کہ اور تو اور ہے آپ جیسی شخصیت بھی ان کی طرف اس سلسلہ میں مراجعت کر سکتی ہے۔

پس اس سے مقصود قرآن مجید کی صحت کے متعلق احبار کے رسوخ علم کا بیان ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ (نعوذ باللہ) رسول اللہ ﷺ کو قرآن مجید کے متعلق کوئی شک ہے۔ پھر فرمایا لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ (تحقیق تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے حق آچکا) یعنی واضح آیات سے تیرے ہاں ثابت ہو چکا اور چمکدار براہین سے روشن ہو گیا۔ کہ آپ کو جو ملا ہے وہ برحق ہے جس میں شک کی کوئی مجال نہیں۔ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ (پس تم ہرگز نہ ہو شک کرنے والوں میں سے) الممترین کا معنی شک کرنے والے۔ اور اس پر وقف نہیں کیونکہ ولا تکونن کا اس پر عطف ہے۔

آیات کی تکذیب مت کرو:

۹۵: وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (اور ہرگز نہ ہو ان لوگوں میں سے جنہوں نے آیات اللہ کو جھٹلایا پس ہو جاؤ گے نقصان کرنے والوں میں سے) پس ثابت قدم رہو اور اپنے سے شک کی نفی میں مداومت کرو اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کی نفی میں ہمیشگی اختیار کرو۔ یا نمبر۲۔ اس انداز سے آپ کو جوش دلانا اور ابھارنا مقصود ہو جیسا کہ سورۃ القصص کی آیت ۸۶ فلا تکونن ظهيرا للكافرين اور القصص آیت ۸۷ ولا يصدنك عن آيات الله بعد اذ انزلت اليك۔ ورنہ بہت تندی اور عصمت میں اضافہ کیسے فرمایا گیا اسی لئے آپ علیہ السلام نے اس آیت کے نزول کے وقت فرمایا۔ لا اشك ولا اسأل بل اشهد انه الحق۔ (ابن جریر فی تفسیرہ) میں نہ شک کرتا ہوں اور نہ کسی سے پوچھتا ہوں۔ بلکہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ حق ہے۔ یا نمبر۳۔ خطاب آنحضرت ﷺ کو فرمایا مگر مراد آپ کی امت ہے تقدیر اس طرح ہوگی ان کنتم في شك مما انزلنا اليكم (اگر تمہیں شک ہے اس میں جو ہم نے تمہاری طرف اتارا ہے) یہ صورت انہی معانی کی طرح ہے وانزلنا اليكم نورا مبينا نمبر۴۔ خطاب ہر سامع کو ہے اور ان کے متعلق قطعی جو درست ہے جیسے عرب کہتے ہیں۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۚ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ

سو کوئی بستی ایمان نہ لائی جس کا ایمان لانا اسے نفع دیتا مگر یونس کی قوم کہ جب وہ لوگ ایمان لائے تو ہم نے رسوائی والا عذاب

عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾

دنیاوالی زندگی میں ان سے ہٹا دیا۔ اور انہیں ہم نے ایک وقت تک فائدہ پہنچایا۔

الذا انحوك فيهن۔

نمبر۵: ان نافیہ ہے یعنی آپ شک میں نہیں کہ سوال کریں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم آپ کو سوال کا اسلئے حکم نہیں دے رہے کہ آپ شک کرنے والے ہیں۔ لیکن سوال کا حکم اسلئے ہے تاکہ آپ کے یقین میں اضافہ ہو جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کو احیاء موتی کا معائنہ کرکے اطمینان ہوا۔

ف: ان نافیہ تو اس مقام پر آتا ہے جہاں اس کے بعد الّا ہو جیسا کہ سورت الملک آیت ۲۰ میں ان الکافرون الا فی غرور

ج: یہ لازم نہیں قرآن مجید سورۂ فاطر آیت ۴۱ میں ہے ان امسکھما من احد من بعدہ یہاں ان نافیہ ہے اور اس کے بعد الا نہیں ہے۔

۹۶: اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْھِمْ کَلِمَتُ رَبِّکَ (بیشک وہ لوگ جن پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی) ان پر وہ بات ثابت ہو چکی جو لوح محفوظ میں ہے اور اسکی خبر ملائکہ کو دے دی گئی کہ ان کی موت کفر پر ہوگی یا نمبر۲۔ کلمۃ ربک سے سورۂ اعراف ۱۸ لاملئن جھنم مراد ہے۔ لَا یُؤْمِنُوْنَ (وہ ایمان نہیں لائیں گے) اس پر وقف نہیں ہے کیونکہ ان کا اگلی سے تعلق ہے۔

۹۷: وَلَوْ جَآءَتْھُمْ کُلُّ اٰیَۃٍ حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ (اور اگر ہر نشانی ان کے پاس آ جائے یہاں تک کہ عذاب دردناک کو نہ دیکھ لیں) یعنی ناامیدی کے وقت بھی وہ ایمان لائیں تو ان کو وہ ایمان نفع نہ دے گا۔ نمبر۲۔ قیامت میں اس وقت کسی کا ایمان قابل قبول نہ ہوگا۔

قوم یونس علیہ السلام کا واقعہ اور ان کی قابل رشک حالت:

۹۸: فَلَوْلَا کَانَتْ قَرْیَۃٌ اٰمَنَتْ (کیوں نہ کوئی ایسی بستی ہوئی جو ایمان لاتی) کیونکہ ان بستیوں میں سے جو کفر پر قائم رہیں ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ کوئی بستی ایسی نہ ہوئی جو موت سے قبل خلوص سے ایمان لاتی اور اس کو اس طرح مؤخر نہ کیا جاتا جیسا کہ فرعون کو گلا گھونٹنے تک مؤخر کیا گیا۔

فَنَفَعَھَآ اِیْمَانُھَآ (پس ان کو ان کا ایمان فائدہ دیتا) اس طرح کہ وقت اختیار میں ایمان لانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کو قبول کر لیا۔ اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ (مگر قوم یونس علیہ السلام) نمبر۱۔ یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ یعنی لیکن قوم یونس (ایمان لائی اور اس کو اس کے ایمان نے فائدہ دیا) یا نمبر۲۔ مستثنیٰ متصل ہے۔ اور جملہ نفی کے معنی میں ہے گویا کلام اس طرح تھا ما امنت قریۃ

من القری الهالکة الاقوم یونس۔ ہلاک شدہ بستیوں میں سے کسی کی بستی والوں نے سوائے قوم یونس علیہ السلام کے ایمان کو قبول نہیں کیا۔ یہ مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ (جب وہ ایمان لائے تو ہم نے ان سے دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب کھول دیا اور ان کو ایک وقت تک فائدہ دیا) ان کی مقررہ مدت تک۔ روایت میں ہے کہ یونس علیہ السلام کو نینویٰ کی طرف مبعوث فرمایا گیا جو سرزمین موصل میں واقع ہے انہوں نے جھٹلا دیا پس آپ ناراض ہو کر آپ ان کے ہاں سے نکل دیے۔ جب آپ کو نہ پایا تو انہیں عذاب کے اترنے کا خطرہ ہوا۔ ان تمام نے ٹاٹ کا لباس پہنا اور چالیس راتیں اپنی آوازوں کو بلند کیں تمام ایک میدان میں جمع ہوئے بچے، عورتیں جانور بھی ساتھ تھے۔ اور ماؤں نے اپنے بچوں کو اپنے سے الگ کر دیا اور چوپایوں کی اولاد کو ان سے جدا کر دیا۔ وہ ایک دوسرے کی طرف شوق مند ہوئے اور مخلصانہ ایمان اور توبہ کا اظہار کیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کیا اور ان سے عذاب کو دور کر دیا۔ یہ جمعہ اور یوم عاشوراء محرم کا دن تھا۔ انہوں نے ایک دوسرے کے حقوق تک لوٹا دیے یہاں تک کہ اگر کسی کی ایک اینٹ اپنی بنیاد میں لگائی تھی تو وہ بھی اکھاڑ کر واپس کر دی۔ یہ کہا گیا کہ جب ان پر عذاب اترنے لگا تو وہ اپنے علماء میں سے ایک شیخ کے پاس گئے جو زندہ تھے۔ شیخ نے فرمایا تم اس طرح کہو: یا حی حین لا حی و یا حی محیی الموتی و یا حی لا الٰہ الا انت۔ جب انہوں نے کہا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو کھول دیا۔ حضرت فضیل رحمہ اللہ نے فرمایا انہوں نے اس طرح کہا اللّٰھم ان ذنوبنا قد عظمت و جلت، وانت اعظم منھا واجل، افعل بنا ما انت اھلہ ولا تفعل بنا ما نحن اھلہ۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو زمین میں جتنے بھی لوگ ہیں سارے کے سارے ایمان لے آتے۔ کیا آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے تا کہ

یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَیَجْعَلُ الرِّجْسَ

وہ مومن ہو جائیں۔ اور کسی شخص سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لے آئے، اور اللہ ان لوگوں پر گندگی ڈالتا

عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِی

ہے جو سمجھ نہیں رکھتے۔ آپ فرما دیجئے دیکھو! آسمانوں میں اور زمین میں کیا کیا چیزیں ہیں اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے انہیں

الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَهَلْ یَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَیَّامِ الَّذِیْنَ

دلائل اور ڈرانے والی چیزیں نفع نہیں دیتیں۔ سو کیا وہ یہ انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس انہیں لوگوں کے واقعات آ جائیں جو ان سے پہلے

خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّیْ رُسُلَنَا

گزر چکے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ تم انتظار کرو میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔ پھر ہم اپنے رسولوں کو نجات دیتے ہیں

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَیْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۳﴾

اور ان لوگوں کو بھی جو ایمان لائے۔ ہمارے ذمہ ہے کہ ہم ایمان والوں کو نجات دیں گے۔

کمالِ قدرت و نفوذِ مشیت:

۹۹: وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ (اور اگر آپ کا رب چاہتا تو ضرور ایمان لے آتے اہل زمین) جس میں سے کوئی شخص و فرد باہر نہ رہ جاتا۔ جَمِیْعًا (تمام) یہ حال ہے اس حال میں کہ وہ اجتماع کرنے والے ہوتے ایمان پر اور اس پر اکٹھے ہوتے اختلاف نہ کرتے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی کمالِ قدرت اور نفوذِ مشیت کی خبر دی۔ کہ اگر وہ چاہتا تو تمام اہل زمین ایمان لاتے۔ مگر اس نے چاہا کہ لوگ اختیاری ایمان لائیں اور اس کیلئے کفر کو چاہا جس کے متعلق اپنے علم سے جانا کہ وہ ایمان نہ لائیں گے بلکہ کفر کا چناؤ کریں گے۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ مشیت سے مراد قہر و الجاء کی مشیت ہے۔ یعنی اگر ان میں جبراً ایمان پیدا کرتا تو وہ ایمان لاتے۔ لیکن اسنے چاہا کہ وہ اختیاری ایمان لائیں۔ مگر وہ ایمان نہ لائے۔ انکی دلیل میں یہ آیت پیش کی جاتی ہے افانت تکرہ الناس حتٰی یکونوا مؤمنین۔ یعنی آپ کو ایمان میں جبر و اکراہ کی مشیت حاصل نہیں یہ تیرے پاس ہے۔

نکتہ: یہ خیال فاسد ہے کیونکہ ایمان بندے کا فعل ہے اور بندے کا فعل وہی ہو سکتا ہے جو اسکی ذاتی قدرت و طاقت سے حاصل

ہو۔ اور یہ بلا اختیار ثابت ہی نہیں ہو سکتا۔ باقی آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں ہیں۔ اگر اپنی مہربانی ان کو دے دیتا تو وہ اپنے اختیار سے ایمان لے آتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جانا کہ وہ ایمان نہ لائیں گے تو ان کو توفیق نہ دی۔ اَفَاَنْتَ میں استفہام نفی کے معنی میں ہے مطلب اس طرح ہے کہ اے محمد ﷺ آپ مالک نہیں کہ ان کو ایمان پر مجبور کریں کیونکہ ایمان تصدیق و اقرار سے ہوتا ہے اور تصدیق پر اکراہ ممکن نہیں۔ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (سو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں جس میں وہ ایمان ہی لے آویں)

۱۰۰: وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (کسی شخص کیلئے مناسب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر وہ ایمان لائے) اذن سے یہاں۔ نمبر ۱۔ مشیت مراد ہے یا نمبر ۲۔ قضاء و قدر مراد ہے۔ یا نمبر ۳۔ توفیق و تسہیل مراد ہے۔ یا نمبر ۴۔ علم مراد ہے۔ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ (اور عذاب کو مقرر کرے) یعنی عذاب یا ناراضی یا شیطان یعنی شیطان کو مسلط کر دے۔ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ (ان لوگوں پر جو بے عقل ہیں) اپنی عقلوں سے فائدہ حاصل نہیں کرتے۔

قراءت: حماد و یحییٰ نے نَجْعَلُ پڑھا ہے۔

۱۰۱: قُلِ انْظُرُوْا (کہہ دیں تم دیکھو) استدلال نگاہ سے اور عبرت کی نظر سے مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (کہ آسمان و زمین میں کیا ہے) آیات اور عبر جو دن رات کے اختلاف سے ظاہر ہوتی ہیں اور کھیتوں اور پھلوں کے ظہور سے سامنے آتی ہیں۔ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ (اور آیات فائدہ نہیں دیتیں) مَا نافیہ ہے۔ وَالنُّذُرُ (اور ڈرانے والے) انبیاء جو ڈراتے رہے۔ یا ڈرانا۔ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ (ایمان نہ لانے والی قوم کو) جنکے ایمان کی توقع نہیں۔ وہی تو بے عقل ہیں۔

۱۰۲: فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ (پس وہ انتظار نہیں کر رہے مگر ان لوگوں کے دنوں جیسے جو ان سے پہلے ہوئے) یعنی جن میں بڑے بڑے واقعات پیش آئے جیسا کہا جاتا ہے۔ ایام العرب لو قائعہا۔ قُلْ فَانْتَظِرُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ (کہہ دیں تم انتظار کرو بیشک میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں)

آخر میں نجات ایمان والوں کی:

۱۰۳: ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا (پھر ہم نجات دیتے ہیں اپنے رسولوں کو) اس کا عطف کلام محذوف پر ہے۔ جس پر الامثل ایام الذین خلوا من قبلھم دلالت کر رہا ہے۔ گویا اس طرح کہا گیا نھلک الامم، ثم ننجی رسلنا ہم امتوں کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ پھر اپنے رسولوں کو نجات دیتے ہیں۔ احوال ماضیہ کی حکایت کے طور پر یہ فرمایا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (ان لوگوں کو جو ایمان لائے) اور جو ان انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائے۔ كَذٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ (اسی طرح ہم پر ایمان والوں کی نجات لازم ہے) یعنی اس نجات دینے کی طرح ہم تم میں سے جو ایمان والے ہیں ان کو نجات دیں گے اور مشرکین کو ہلاک کریں گے۔

اور حقا علینا یہ جملہ معترضہ ہے یہ لازم ہے ہم پر لازم ہوا۔

قراءت: علی و حفص نے نُنْجِیْ تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ

آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آ گیا ہے سو جو شخص ہدایت پا لے وہ اپنی ہی جان کے لئے

لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى

ہدایت پاتا ہے اور جو شخص گمراہ رہے تو اس کی گمراہی اسی کے نفس پر پڑنے والی ہے۔ اور میں تم پر مسلط نہیں کیا گیا، اور آپ اس کا اتباع کیجئے

اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

جس کی آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے اور صبر کیجئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

تم مانو نہ مانو میں نے تو وحی کی اتباع کر دی:

۱۰۸: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ (کہہ دیں اے لوگو) اے اہل مکہ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ (تحقیق تمہارے پاس حق آ چکا) یعنی قرآن یا رسول یعنی مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدٰى (تمہارے رب کی طرف سے پس جس نے ہدایت کو اختیار کیا) ہدایت کو چنا اور حق کی اتباع کی فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ (بیشک اس نے ہدایت کو اپنے فائدے کیلئے اختیار کیا) اس چناؤ سے اس نے اپنے نفس کو نفع پہنچایا۔ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا (اور جو شخص گمراہ ہوا پس اسکی گمراہی کا وبال اس پر ہے) گمراہی کے آثار سے نقصان اسی کی ذات کو ہوگا۔ بس میں نبی بشیر اور اس انتخاب کا کوئی واسطہ نہیں۔ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ (اور میں تم پر کوئی داروغہ نہیں ہوں) کہ حفاظت کروں جس کے سپرد تمہارا معاملہ ہو بلکہ میں فقط بشیر و نذیر ہوں۔

۱۰۹: وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ (تم اتباع کرو اسکی جو تمہاری طرف وحی کی جاتی ہے اور صبر کرو) ان کی تکذیب اور ایذاء پر حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ (یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے) تمہارے حق میں ان کے خلاف مدد و غلبہ کا وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ (اور وہ سب سے بہتر حاکم ہے) کیونکہ وہ سرائر سے بھی خبردار ہے۔ اس کو کسی دلیل و گواہ کی حاجت نہیں۔

بحمد اللہ تمت ترجمۃ سورۃ یونس لیلۃ الجمعۃ ۱۵ رجب ۱۴۲۲ھ

مشتمل ہے۔

یا نمبر۲: ایک ایک سورت سے انکی تفصیل بنادیں اور ایک ایک آیت الگ کردی یا نمبر۳۔ انکو نہیں اتارا تھوڑا تھوڑا متفرق طور پر اتارا یا نمبر۴۔ جن چیزوں کی بندوں کو ضرورت پڑتی ہے وہ اس میں تفصیل سے بیان کردیا اور ان کا نچوڑ نکال دیا۔ ثم کا لفظ تراخی فی الوقت کیلئے نہیں ہے بلکہ تراخی فی الحال کیلئے ہے۔ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ (حکمت والی خبردار ذات کی طرف سے ہے) نمبر۱۔ یہ کتاب کی صفت دوم ہے یا نمبر۲۔ دوسری خبر ہے یا نمبر۳۔ احکمت اور فصلت کا صلہ ہے مطلب اسطرح ہے کہ اسی ذات کی طرف سے اس کے احکام اور تفصیل ہے۔

توحید و استغفار کا حکم:

۲: اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ (یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو) نمبر۱۔ یہ مفعول لہ ہے یعنی لئلا تعبدوا تاکہ تم عبادت نہ کرو۔ نمبر۲۔ ان مفسرہ ہے کیونکہ تفصیل آیات میں قول کا معنی پایا جاتا ہے گویا کلام اس طرح ہے قال لا تعبدوا الا اللہ اس نے فرمایا کہ نہ عبادت کرو مگر اللہ تعالیٰ ہی کی۔ نمبر۳۔ امرکم الا تعبدوا الا اللہ اس نے تمہیں حکم دیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اِنَّنِیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ (بیشک میں تمہارے لئے انکی طرف سے ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں) یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔

۳: وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ (اور یہ کہ تم اپنے رب سے استغفار کرو) یعنی اس نے تمہیں توحید و استغفار کا حکم دیا۔ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ (پھر اسی ہی کی طرف رجوع کرو) یعنی شرک سے استغفار کرو اور پھر طاعت سے اس کی طرف رجوع کرو۔ یُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا (وہ تمہیں اچھا نفع دے گا) دنیا میں مراد پسندیدہ منافع سے تمہارے نفع کو طویل کردے گا۔ اور مسلسل نعمتیں عنایت کرے گا اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّى (ایک مقررہ مدت تک) یہاں تک کہ تمہیں موت دے وَّیُؤْتِ كُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ (اور ہر فضل والے کو اس کا زائد عنایت فرمائے گا) آخرت میں ہر ایسے انسان کو جو عمل میں بڑھنے والا ہوگا اس کے اضافہ عمل کا ثواب عنایت فرمائے گا اور اس میں سے کچھ بھی کمی نہ کرے گا۔ وَاِنْ تَوَلَّوْا (اور اگر تم منہ موڑ لو) اور اگر تم بے رخی اختیار کرو۔ فَاِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ كَبِیْرٍ (بیشک تمہارے متعلق بڑے دن کے عذاب کا خدشہ ہے) بڑے دن سے قیامت کا دن مراد ہے۔

۴: اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ (اللہ تعالیٰ ہی کی طرف تم نے لوٹنا ہے) مرجع بمعنی لوٹنا (مصدر میمی) وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (وہ ہر چیز پر قدرت والے ہیں) اس کو تمہارے دوبارہ لوٹانے پر بھی قدرت ہے۔

نفاق و انحراف کو اللہ جانتے ہیں:

۵: اَلَآ اِنَّهُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ (خبردار وہ اپنے سینوں کو دوہرا کرتے ہیں) حق سے مڑتے اور منحرف ہوتے ہیں۔ کیونکہ جو آدمی کسی شئی کی طرف متوجہ ہوتا ہو تو وہ سینے سے اس چیز کا سامنا کرتا ہے اور جو کسی چیز سے مڑتا ہے تو اپنے سینے کو اس چیز کی طرف کرنے سے پھیر لیتا ہے اور اعراض کرتا ہے۔ لِیَسْتَخْفُوْا مِنْهُ (تاکہ وہ اس سے چھپ سکیں) تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے چھپ جائیں اللہ کے رسول اور مومنوں کو انکی اطلاع نہ ہو کہ وہ منحرف ہو گئے ہیں۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا

اور زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو اور وہ ہر ایک کے ٹھکانے کو جانتا ہے اور سپرد کیے جانے کی جگہ کو بھی

كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ

سب کچھ کتاب مبین میں ہے ۔ اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا

وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ

اور اس کا عرش پانی پر تھا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں اچھا عمل کرنے والا کون ہے اور اگر آپ ان سے کہیں کہ بلاشبہ تم موت کے بعد

مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧﴾ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا

اٹھائے جاؤ گے تو کافر لوگ ضرور یوں کہیں گے کہ یہ نہیں ہے مگر کھلا ہوا جادو ہے۔ اور اگر ہم تھوڑی سی مدت تک

عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ

ان سے عذاب کو مؤخر کر دیں تو ضرور یوں کہیں گے کہ عذاب کو کس چیز نے روک رکھا ہے۔ خبردار جس دن ان کے پاس

مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٨﴾

عذاب آ جائے گا تو وہ ان سے ہٹایا نہ جائے گا اور جس کا وہ مذاق بنایا کرتے تھے وہ ان کو گھیر لے گا۔

اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ (خبردار! جبکہ وہ اپنے کپڑوں کو اپنے اوپر لپیٹتے ہیں) ان کپڑوں سے اپنے آپ کو ڈھانپ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کلام سننے سے نفرت کرتے ہوئے اپنے اوپر کپڑے ڈال لیتے ہیں کہ کہیں وہ کلام ان کے کان میں پڑ نہ جائے جیسا کہ نوح علیہ السلام کا ارشاد سورۂ نوح: ۷ جعلوا اصابعهم في آذانهم واستغشوا ثيابهم۔ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ (وہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں) یعنی اس کے علم میں ان کے اسرار و اعلان کا کوئی فرق نہیں تو ان کو ان چیزوں کا سہارا لینے سے کیا فرق پڑتا ہے جن سے اپنے آپ کو وہ چھپانا چاہتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ ان کے سینوں کے دھڑکنے اور کپڑوں میں لپٹنے کو جانتا ہے ان کا نفاق اس کے ہاں کوئی فائدہ مند نہیں۔ نمبر۲۔ کہا گیا ہے کہ یہ منافقین کے متعلق اتری ہے۔ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (بیشک وہ سینے کی باتوں سے واقف ہے) جو کچھ ان کے سینوں میں ہے۔

۶: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (کوئی جاندار زمین میں ایسا نہیں مگر کہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ اس کا رزق ہے) محض فضل کے طور پر نہ کہ وجوب کے طور پر۔ وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا (وہ اس کا مستقر جانتے ہیں) زمین میں اس کے ٹھہرنے کا مقام اور مسکن وَمُسْتَوْدَعَهَا (اور اس کی امانت کی جگہ) جہاں وہ بطور امانت رکھا گیا تھا اس سے قبل کہ صلب میں قرار پکڑتا یا نمبر۲۔ رحم

اور نمبر ۳۔ جیسے مبدا۔ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (ہر چیز واضح کتاب میں ہے) ہر جاندار اور ان کا رزق، اس کا مستقر اور مستودع لوح محفوظ میں واضح طور پر مندرج ہے۔

۷: وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (وہی ذات جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا) اور جو کچھ ان کے مابین ہے فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ (چھ دنوں میں) اتوار سے جمعہ تک مخلوق کو معاملات میں ترتیب سکھانے کیلئے وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ (اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ یعنی پانی کے اوپر) آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے عرش کے نیچے کوئی مخلوق نہ تھی سوائے پانی کے۔

فائدہ: اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ عرش و پانی دونوں کی پیدائش آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے ایک سبز یاقوت بنایا پھر ہیبت کی تجلی اس پر ڈالی تو وہ پانی بن گیا۔ پھر ہوا کو پیدا کیا پانی کو اس کی پشت پر ٹھہرا دیا۔ پھر اپنے عرش کو پانی پر قائم فرمایا۔ عرش کے پانی پر ٹھہراؤ میں اہل فکر کے لئے عبرت کا بہت بڑا سامان ہے۔ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں کون اچھے عمل کرنے والا ہے) یعنی تاکہ وہ تمہارے ساتھ وہ سلوک کرے جو تمہیں تمہارے حالات میں جانچ کرتا ہے کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو۔ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (اور اگر تم کہو بیشک تمہیں اٹھایا جائیگا۔ موت کے بعد۔ کافر ضرور کہہ اٹھیں گے۔ یہ تو کھلا جادو ہے) اس میں انہوں نے قرآن کی طرف اشارہ کیا کیونکہ قرآن ہی بعث بعد الموت کی بات کہنے والا ہے۔ جب اس کو سحر کہا تو جس میں بعث کا ذکر ہوا اس کا انکار خود بخود ہو گیا۔

قراءت: حمزہ و علی نے ساحر پڑھا ہے۔ مراد اس سے ان کی رسول اللہ ﷺ ہیں اور الساحر، فعل پرست جھوٹے کو بھی کہتے ہیں۔

عذاب آ جائے گا تو نہ ٹلے گا:

۸: وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ (اور اگر ہم ان سے عذاب کو مؤخر کر لیں) عذاب سے آخرت کا عذاب مراد ہے یا یوم بدر کا عذاب اِلٰٓى اُمَّةٍ (ایک وقت) اوقات میں سے ایک مجموعہ وقت تک مَّعْدُوْدَةٍ (مقررہ تک) معلوم یا قلیل مطلب یہ ہے معلوم گھڑی تک لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ (ضرور وہ کہیں گے کونسی چیز اس کو روکے ہوئے ہے) اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ (خبردار جس دن وہ ان پر آن پہنچا) یعنی عذاب لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ (وہ ان سے پھیرا نہ جائے گا) عذاب ان سے موڑا نہ جائے گا۔

نحو: یوم، مصروفا کی وجہ سے منصوب ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے لیس العذاب مصروفا عنهم یوم یاتیهم جس دن ان پر عذاب اتر پڑے گا تو ٹالے سے بھی نہ ٹلے گا۔ وَحَاقَ بِهِمْ (اور ان کو گھیر لے گا) مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے) اور عذاب جس کی وہ جلدی مانگتے تھے۔

نکتہ: یہاں یستهزءون کو یستعجلون کی جگہ لایا گیا کیونکہ وہ جلدی آمد کا مطالبہ بطور استہزاء ہی کرتے تھے۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ﴿٩﴾ وَلَئِنْ

اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت چکھا دیں، پھر ہم اسے اس سے چھین لیں تو وہ ناامید ناشکرا ہو جاتا ہے اور اگر

اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ

کسی تکلیف کے بعد جو اسے پہنچی تھی ہم اسے نعمت چکھا دیں تو وہ کہتا ہے کہ میری ساری برائیاں دفع ہو گئیں بے شک وہ اترانے لگتا ہے

فَخُوْرٌ ﴿١٠﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿١١﴾

شیخی بگھارتا ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے صبر اختیار کیا اور نیک کام کرتے رہے یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے۔

عام انسانی مزاج ناشکرا اور فخریلا:

۹: وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ (اور اگر ہم انسان کو چکھا دیں) الانسان سے جنس انسان مراد ہے۔ مِنَّا رَحْمَةً (اپنی طرف سے رحمت) نعمت جو صحت وامن ودولت کی قسم سے ہو۔ لئن میں لام تمہید قسم کیلئے ہے۔ ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ (پھر وہ اس سے کھینچ لیں) یعنی وہ نعمت سلب کر لیں اور انہ لیئوس جواب قسم ہے۔ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ (بیشک وہ ناامید) وہ اس سے قطعاً مایوس ہو جاتا ہے کہ اس جیسی کوئی نعمت کی طرح نعمت اسکو ملے اللہ تعالیٰ کے فضل اور وسعت رحمت سے اپنی امیدیں توڑنے والا ہو کر بے صبر ہو جاتا ہے اور قضا کو تسلیم نہیں کرتا۔ كَفُوْرٌ (بہت ناشکرا ہے) گزشتہ وقت میں اللہ تعالیٰ کی جس نعمت سے نفع اٹھاتا رہا اسکی نعمت کا ناشکری کرنے والا اور اس کو بالکل بھلانے والا ہے۔

۱۰: وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ (اگر ہم اسے نعمتیں چکھائیں اس تکلیف کے بعد جس نے اس کو چھو لیا) فقر وجود کے بعد نعمت کی وسعت کر دیں۔ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ (تو ضرور کہے گا کہ مجھ سے برائیاں دور ہو گئیں) سیئات سے وہ مصائب مراد ہیں جنہوں نے میری حالت کو بگاڑ دیا تھا۔ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ (بیشک وہ اترانے لگتا ہے) تکبر والا فَخُوْرٌ (فخر کرنے والا) ان نعمتوں پر جو اللہ تعالیٰ نے اس کو دی ہیں مگر اس کو فرح اور فخر شکر کرنے سے روکتا ہے۔

۱۱: اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا (مگر وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا) مشقت ومصیبت میں۔ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (اور نیک عمل کرتے رہے) نعمتوں اور خوشحالی میں شکر ادا کیا۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ (ان لوگوں کے لئے مغفرت ہے) ان کے گناہوں سے وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ (اور بڑا اجر ہے) یعنی جنت

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ

سو شاید آپ چھوڑ دینے والے ہیں بعض ان احکام کو جو آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجے جاتے ہیں اور اس بات سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے کہ وہ

اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ

یوں کہتے ہیں کہ ان پر کوئی خزانہ کیوں نازل نہیں کیا گیا یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا۔ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں۔ اور اللہ ہر چیز کا اختیار

شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا

رکھنے والا ہے۔ کیا وہ یوں کہتے ہیں کہ اس نے خود سے بنا لیا ہے آپ فرما دیجئے کہ تم اس جیسی دس سورتیں لے آؤ جو بنائی ہوئی ہوں اور اللہ کے سوا

مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا

جس کو بھی بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے ہو۔ سو اگر وہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو یقین کر لو

اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

کہ یہ اللہ کے علم کے مطابق اتارا گیا ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تو کیا تم اسلام قبول کرنے والے ہو۔

۱۲: کفار آپ سے آیات کا سوال کرتے مگر ہدایت کیلئے نہیں بلکہ ضد کی وجہ سے کیونکہ اگر وہ رشد و ہدایت کے طالب ہوتے تو لائی جانے والی آیات میں سے ایک بھی راہنمائی کے لئے کافی تھی۔ ان کے بے جا مطالبات میں سے ایک یہ تھا کہ اس کے پاس خزانہ کیوں نہیں یا اس کے ساتھ فرشتہ کیوں نہیں وہ قرآن مجید کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ اس کے متعلق وہ کھلم کھلا سستی کا اظہار کرتے۔ رسول اللہ ﷺ کا سینہ مبارک اس بات سے تنگی محسوس کرتا آپ پر وہ چیز ڈالی جا رہی ہے جس کو وہ قبول نہیں کرتے بلکہ اس سے ہنستے ہیں اس آیت میں آپ کو فریضہ رسالت کی ادائیگی پر آمادہ کیا گیا اور ان کے قرآن مجید کو مسترد کرنے کی بالکل پرواہ نہ کرنے کا حکم فرمایا۔ آپ ان کے مطالبات بے ہودہ اور استہزاء کو خاطر میں نہ لائیے۔

ان کے تکبر و حماقت کو مد نظر نہ رکھیں، وحی پہنچائیں:

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ (شاید کہ آپ چھوڑ دینے والے ہیں ان بعض چیزوں کو جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہیں) یعنی شاید کہ آپ چھوڑ دیں ان کی طرف ڈالنا اور پہنچانا ان آیات کا جو آپ پر اتاری جاتی ہیں اس خطرے کے پیش نظر کہ وہ تردید کریں اور اس کے قبول کرنے میں سستی کر رہے ہیں۔ وَضَآئِقٌ بِهٖ صَدْرُكَ (اور آپ کے سینے میں اس سے تنگی ہوتی ہے) کہ وہ آیات ان کو پڑھ کر سنائیں۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے لعل فرمایا اور ضیق نہیں فرمایا بلکہ ضائق فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ تنگی ایک عارضہ ہے جو قائم رہنے والا نہیں ہے؟ آپ ﷺ سینہ کے اعتبار سے سب سے زیادہ وسیع تھے مگر یہ مجبور نے جیسا معاملہ تھا اس لئے مشاکلت کیلئے تارک کا لفظ

بول دیا گیا۔ اَنْ یَّقُوْلُوْا (کہ کہیں وہ یہ نہ کہیں) اس خطرے کے پیش نظر کہ وہ کہنے لگیں۔ لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَیْہِ کَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَہٗ مَلَکٌ (کہ وہ یوں کہہ رہے ہیں کہ ان پر کوئی خزانہ کیوں نازل نہیں کیا گیا) اس پر خزانہ کیوں نہ اترا جس کا ہم نے مطالبہ کیا تا کہ ہم خرچ کریں اور فرشتے ساتھ کیوں نہیں جو انکی تصدیق کریں اس پر وہ قرآن کیوں اتارا جا رہا ہے جس کو ہم چاہتے نہیں اور نہ ہی ہم مطالبہ کرتے ہیں۔

اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِیْرٌ (بیشک آپ تو نذیر ہیں) یعنی آپ کے ذمہ کوئی الزام نہیں اگر وہ قرآن مجید کو رد کردیں یا اس کے ماننے میں سستی دکھائیں۔ آپ کے ذمہ صرف ہماری وحی کو پہنچانا ہے۔ اور اس پیغام کو دینا ہے جس کے دینے کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ (اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے) وہ ان کے اقوال کو محفوظ کرنے والا ہے اور اس کے مناسب ان سے سلوک کرے گا۔ آپ اسی پر بھروسہ کریں اور اپنا معاملہ اس کے حوالہ کردیں۔ آپ کی ذمہ داری کھلے دل سے وسیع سینے کے ساتھ وحی کو پہنچانا ہے ان کے تکبر کی طرف قطعاً متوجہ نہ ہوں اور نہ حماقت واستہزاء کی پرواہ کریں۔

دس سورتوں سے چیلنج:

۱۳: اَمْ یَقُوْلُوْنَ (کیا وہ یہ کہتے ہیں) اَم منقطعہ ہے۔ افْتَرٰىہُ (اس کو بنا لیا ہے) ہٗ کی ضمیر وحی کی طرف جاری ہے۔ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ (ان کو کہہ دو تم دس سورتیں لے آؤ) پہلے دس سورتوں سے ان کو چیلنج دیا پھر ایک سورت سے جیسا کہ خط میں مقابلہ کرنے والا اپنے مقابل کو کہے دس سطر اس طرح کی لکھو جس میں نے لکھی ہیں۔ جب اس کا عجز معلوم ہو جاتا ہے تو پھر اسکو کہتا ہے میرے متعلق ایک سطر پر اکتفاء کرتا ہوں کہ وہ تو لکھ کر دکھا دے بدائیہ کی۔

مِّثْلِہٖ (جو اس کی مثل ہو) حسن و خوبی میں اور مثلہ کا معنی امثالہ ہے ان میں سے ہر ایک مماثلت کی طرف بہت زیادہ جانے والی ہو۔ یعنی بہت مماثل ہو مُفْتَرَیٰتٍ (بنائی ہوئی) یہ عشر سور کی صفت ہے جب کفار نے یہ الزام لگایا کہ تم نے قرآن خود بنایا ہے اور اپنے ہاں سے گھڑ لیا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی کلام کو تسلیم کرلی اور نرمی بالفرض کرلو کہ میں نے اس کو اپنی طرف سے گھڑا ہے تو تم بھی اس جیسا کلام اپنی طرف سے گھڑ کر لے آؤ۔ تم بھی تو میرے جیسے فصیح عرب ہو۔ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ (اور ان کو بلاؤ اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو بلانے کی طاقت رکھتے ہو) تا کہ وہ معارضہ میں تمہاری معاونت کر سکیں۔ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (اگر تم سچے ہو) کہ وہ من گھڑت ہے۔

۱۴: فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰہِ وَاَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ (اگر وہ آپ کا چیلنج قبول نہ کریں تو یقین کرلو بیشک آپ پر اللہ تعالیٰ کے علم سے اتارا جا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔) یعنی وہ ایسی چیزوں کے ساتھ اتارا گیا جن کا علم سوائے باری تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں جیسے مخلوق کو عاجز کرنے والے الفاظ عجیب کی افادات جنکی طرف معلومات کا بندوں کے پاس کوئی راستہ نہیں۔ اس وقت جان لو کہ اس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور اس کو وحدہ لاشریک ماننا ضروری ہے۔ اور اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرانا ظلم عظیم ہے۔

نکتہ: اولاً خطاب افرادی کیا اور پھر جمع لائے۔ وہ لکم۔ اعلموا اور شروع میں قل اور حقیقت جمع کے صیغہ تعظیم رسول اللہ ﷺ

طالب دنیا کو آخرت میں کچھ نہ ملے گا:

۱۵: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ (جس شخص نے دنیا کی زندگی اور اسکی زینت کا ارادہ رکھا ہو ہم ان کو ان کے اعمال اس دنیا میں پورے دے دیں گے اور ان کے حق میں کمی نہ کی جائے گی) ہم ان کو ان کے اعمال کا بدلہ کامل و مکمل بلا کم و کاست دنیا میں دے دیں گے۔ یہ بدلہ صحت رزق کی شکل میں ہے اور یہ کفار یا منافقین ہیں (جن کا بدلہ دنیا میں ہی چکا دیا جاتا ہے)

۱۶: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا (یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں آگ ہی ہے اور جو انہوں نے دنیا میں کیا وہ ضائع ہو گیا) جو انہوں نے کیا وہ آخرت میں ضائع ہو گیا۔ ان کا عمل ضائع ہو گیا۔ یعنی ان کے عمل کا ثواب نہ ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے آخرت کا ارادہ ہی نہیں کیا۔ بلاشبہ انہوں نے دنیا ہی کا ارادہ کیا اور وہ ان کو پورا پورا دے دیا گیا۔ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (اور باطل ہوا جو وہ کرتے رہے) یعنی ان کا عمل ذات کے لحاظ سے ہی باطل تھا کیونکہ اسکی غرض صحیح نہ تھی اور باطل عمل کا کوئی ثواب نہیں۔

۱۷: اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (کیا آیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہو) کیا وہ جو دنیا کا ارادہ رکھتا ہو پھر وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہو۔ یہ دونوں مرتبہ میں برابر تو کیا قریب بھی نہیں ہو سکتے۔ یعنی ان دونوں کے درمیان واضح فرق ہے۔ اَفَمَنْ سے وہ لوگ مراد ہیں جو یہود میں سے اسلام لائے۔ جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ وہ اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہے اس میں وضاحت ہے کہ دین اسلام برحق ہے اور رب کی طرف سے ہے اور یہ عقلی دلیل ہے۔ وَيَتْلُوْهُ (اور اس برہان کی اتباع کرتا اور پیچھے آتا ہے۔ شَاهِدٌ (ایک گواہ) جو اسکی صحت کا گواہ ہے اور یہ شاہد قرآن ہے۔ مِّنْهُ (اسکی طرف سے) اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا قرآن کی طرف سے (جس کو اوپر ذکر کیا) وَمِنْ قَبْلِهٖ (اور اس سے قبل) یعنی قرآن سے پہلے كِتٰبُ مُوْسٰٓى (موسیٰ علیہ السلام کی کتاب) ہے۔ وہ تورات ہے اور اس برہان کے پیچھے ہے قرآن مجید سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب اِمَامًا (مقتدا) جو دین میں قابل اقتداء اور نمونہ ہے۔ وَّرَحْمَةً (اور رحمت ہے) جنکی طرف اتارا گیا ان کے لئے عظیم نعمت ہے۔

نحو: یہ دونوں حال ہیں۔ اُولٰٓئِكَ (وہ) یعنی وہ جو بینہ و دلیل پر ہوں۔ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ (وہ اس پر ایمان لانے والے ہیں) یعنی قرآن مجید پر وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ (اور جو اس کا انکار کرے اس کا) یعنی قرآن کا۔ مِنَ الْاَحْزَابِ (ان گروہوں میں سے) یعنی اہل مکہ اور جو ان کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ کے خلاف گروہ بنانے والے ہیں۔ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ (پس آگ اس کے وعدہ کی جگہ ہے) انجام کار ہے۔ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ (پس تم مت پڑو شک میں) مریہ شک کو کہتے ہیں۔ مِّنْهُ (اس کے متعلق) اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ (بے شک وہ برحق ہے تیرے رب کی طرف سے لیکن اکثر لوگ یقین نہیں کرتے)

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ أُولٰٓئِكَ يُعْرَضُونَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُولُ

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔ یہ لوگ اپنے رب پر پیش کئے جائیں گے اور گواہی

الْأَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ أَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِينَ ﴿۱۸﴾

دینے والے کہیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی طرف نسبت کر کے جھوٹ بولا۔ خبردار! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے

الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ

جو اللہ کی راہ سے روکتے رہے اور اس میں کجی کی تلاش کرتے رہے اور یہ لوگ آخرت کے

كٰفِرُونَ ﴿۱۹﴾ أُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ

منکر ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو زمین میں عاجز کرنے والے نہ تھے اور اللہ کے سوا ان کا

دُونِ اللّٰهِ مِنْ أَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۚ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا

کوئی مددگار نہیں ہے۔ ان کو دوہرا عذاب کر دیا جائے گا۔ یہ لوگ سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور نہ

كَانُوا يُبْصِرُونَ ﴿۲۰﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوٓا أَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا

دیکھتے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں کو برباد کر بیٹھے اور جو کچھ انہوں نے جھوٹ بنا رکھا تھا وہ سب

يَفْتَرُونَ ﴿۲۱﴾ لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ﴿۲۲﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

غائب ہو گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ آخرت میں سب سے زیادہ خسارہ میں ہوں گے۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل

الصّٰلِحٰتِ وَأَخْبَتُوٓا إِلٰى رَبِّهِمْ أُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ

کئے اور اپنے رب کی طرف جھکے یہ لوگ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ دونوں فریق کی

الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمٰى وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ۚ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۲۴﴾

مثال ایسی ہے جیسا اندھا اور بہرا ہو اور دیکھنے والا اور سننے والا ہو۔ کیا دونوں حالت کے اعتبار سے برابر ہوں گے؟ کیا تم نہیں سمجھتے؟

مفتری آخرت میں دوگنا عذاب کا شکار ہوگا اور خسارہ پائے گا:

۱۸۔ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا أُولٰٓئِكَ يُعْرَضُونَ عَلٰى رَبِّهِمْ (اور کون بڑا ظالم ہے اس سے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ان لوگوں کو اپنے رب کے ہاں پیش کیا جائے گا) موقف میں ان کو روک لیا جائے گا اور ان کے اعمال

پیش کیے جائیں گے۔ وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلٰى رَبِّهِمْ (گواہ کہیں گے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا) ان پر گواہ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام گواہی دیں گے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والے ہیں کہ اس کے متعلق کہتے رہے کہ اس نے بیٹا اور شریک بنا رکھا ہے۔ أَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِينَ (خبردار اللہ تعالیٰ کی ظالموں پر لعنت ہو) یا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والے ہیں۔ الاشہاد جمع شاہد ہے جیسے اصحاب جمع صاحب یا شہید و اشہاد جیسے شریف و اشراف۔

١٩: الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ (وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے رہے) لوگوں کو اس کے دین سے پھیرتے رہے۔ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا (اور اس میں کجی تلاش کرتے رہے) اور اس کو ٹیڑھا قرار دیتے رہے حالانکہ وہ سیدھا راستہ ہے یا پھر اس راستے پر چلنے والوں کے متعلق ارتداد کی کوشش کرتے رہے۔ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُونَ (اور وہ آخرت کا انکار کرنے والے تھے) دوسرا ھم تاکید کیلئے لائے تاکہ ان کا آخرت کے متعلق انکار دوسروں کی طرح اس عقیدے کا انکار خوب ثابت ہو جائے۔

٢٠: أُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُونُوا (یہ لوگ نہیں ہیں ایسے نہیں تھے) مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ (زمین میں عاجز کرنے والے تھے) زمین میں اللہ کو عاجز کرنے والے نہ تھے کہ اگر وہ ان کو سزا دینا چاہے تو بچ جاویں (اور یہ اس سے بھاگ جائیں) وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مِنْ أَوْلِيَآءَ (اور نہیں تھا ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کارساز) جو ان کی دوستی اختیار کرکے اللہ تعالیٰ سے ان کا بدلہ لے اور ان کی پکڑ سے ان کو محفوظ کرے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو مہلت دینا چاہی اور اس دن تک عذاب کو مؤخر کر دیا۔ یہ گواہوں کا کلام ہے۔ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ (ان کو دگنا عذاب دیا جائے گا) کیونکہ انہوں نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین سے گمراہ کیا۔

قراءت: مکی اور شامی نے يُضَعَّفُ پڑھا ہے۔ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ (وہ سننے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔) یعنی حق بات سننے کی وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ (اور نہ وہ دیکھتے تھے) حق کو۔

٢١: أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوٓا أَنْفُسَهُمْ (ان لوگوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈالا) اس طرح کہ غیر اللہ کی عبادت کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے مقابلہ میں خرید لیا۔ وَضَلَّ عَنْهُمْ (اور ان سے گم ہو گئے) باطل ہو گئے اور ضائع ہو گیا وہ جس کو انہوں نے خرید لیا۔ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ (وہ چیز جس کو وہ بنایا کرتے تھے) یعنی معبود اور ان کی شفاعت

٢٢: لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ (یقیناً وہ آخرت میں بڑا نقصان اٹھانے والے ہیں) روکنے اور رکنے کی وجہ سے۔ لا جرم میں کئی اقوال ہیں نمبر ١۔ لا ماقبل کلام کی تردید کیلئے ہے۔ مطلب یہ ہے لیس الامر کما زعموا۔ معاملہ اس طرح نہیں جیسا انہوں نے گمان کیا اور جرم کا معنی کسب ہے (کمایا) اس کا فاعل ضمیر ہے اور انہم یہ محل نصب میں ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے ان کے قول نے کمائی آخرت کا خسارہ ہے۔ نمبر ٢۔ لا جرم یہ مرکب ہے۔ اس کا معنی حقاً ہے۔ انہم میں ان محل رفع میں ہے کان کا فاعل ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے حق خسرانہم۔ ان کا خسارہ ثابت ہے۔ نمبر ٣۔ لا جرم کا معنی بہر صورت اور بہر طور ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖٓ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۵﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ

اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا انہوں نے کہا کہ میں تمہیں صریح طور پر ڈرانے والا ہوں کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو

اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ

بلاشبہ میں تمہارے بارے میں ایک بڑے تکلیف دینے والے دن کے عذاب کا اندیشہ کرتا ہوں، اس پر سرداروں نے کہا جو کافر تھے

مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ

کہ ہم تمہیں اپنے ہی جیسا آدمی دیکھ رہے ہیں اور جو لوگ تمہارا اتباع کرنے والے ہیں ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہ ہم میں رذیل ترین لوگ ہیں جو سرسری رائے سے

الرَّاْیِ ۚ وَمَا نَرٰی لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ ﴿۲۷﴾

تمہارے ساتھ ہو گئے ہیں اور ہم اپنے اوپر تمہاری کوئی فضیلت نہیں دیکھتے بلکہ ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں

مؤمنوں کو جنت ملے گی:

۲۳: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰی رَبِّهِمْ (بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کیے اور رجوع کیا اپنے رب کی طرف) اخبتوا کا معنی انکی طرف مطمئن ہوا اور انکی عبادت خشوع و تواضع کے ساتھ مسلسل ہے کی۔ یہ الخبت سے لیا گیا اور وہ نرم پست زمین کو کہتے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (وہ جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں)

مؤمن و کافر کی مثال:

۲۴: مَثَلُ الْفَرِیْقَیْنِ كَالْاَعْمٰی وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِیْرِ وَالسَّمِیْعِ (دونوں گروہوں کی مثال اندھے اور بہرے اور دیکھنے اور سننے والے جیسی ہے) کافروں کو اعمٰی اور اصم سے تشبیہ دی۔ جبکہ ایمان والے فریق کو سمیع اور بصیر سے۔ هَلْ یَسْتَوِیٰنِ (کیا یہ دونوں برابر ہیں) یہ فریقین مَثَلًا (مثال و حالت میں) مشابہت میں۔

نحو: یہ تمیز کی وجہ سے منصوب ہے۔ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے) کہ شان بیان کرنے سے فائدہ اٹھاتے۔

دعوت نوح علیہ السلام:

۲۵: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖٓ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ (تحقیق ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف بھیجا (انہوں نے قوم کو خطاب کر کے فرمایا) بیشک میں تمہارے لئے کھلا ڈرانے والا ہوں) اِنِّیْ اصل میں بِاَنِّیْ ہے جا ملنے کا مطلب اس

طرح ہوا۔ ہم نے وہ ان کو چھپا کر دہ کر رہے تھے۔ انی لکم نذیر مبین۔ یعنی یہ کسرہ کے ساتھ ہے۔ جب حرف جار اس کے ساتھ مل گیا تو کاف کی طرح اس کو مفتوح پڑھیں گے آئی۔

قراءت: شامی، نافع اور عاصم، حمزہ و علی نے کسرہ کے ساتھ پڑھا قال کا قول قرار دے کر۔

۲۶: اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ (تم نہ عبادت کرو مگر اللہ تعالیٰ ہی کی) اَنْ مفسرہ ہے۔ اور نمبر۱: ارسلنا کے متعلق ہے۔ نمبر۲: نذیر کے متعلق ہے۔ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ (مجھے ڈر ہے تمہارے متعلق دردناک دن کے عذاب کا) یوم کی صفت الیم لائی گئی اس میں اسناد مجازی ہے۔ کیونکہ دکھ اس دن میں واقع ہوا۔

۲۷: فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ (پس ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا) ملاء سے مراد سرداران قوم ہیں کیونکہ ان کی ہیبت سے دل بھر جاتے اور مجالس پر ہو جاتیں۔ نمبر۲: ان کو ملاء اس لئے کہا کیونکہ وہ خیالات سے بھرے ہوتے تھے۔ درست آراء سے مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا (ہم تمہیں اپنے جیسا انسان خیال کرتے ہیں) انکا مقصد یہ تھا کہ پیغمبر کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ فرشتہ ہو یا بادشاہ ہو۔ وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا (اور ہم نہیں دیکھتے تجھے مگر کہ تیری اتباع ان لوگوں نے کی ہے جو ہم سے رذیل ہیں) کم درجہ حقیر جمع ارذل۔

دُنیا پرستوں کی رائے میں مسلمان تدبر سے خالی ہیں:

بَادِیَ الرَّاْیِ (ظاہر رائے والے) بادی کو ابو عمرو نے ہمزہ سے پڑھا اور الیاء کو بلا ہمزہ پڑھا۔ مطلب یہ ہے نمبر۱: تیری اتباع ظاہر رائے والوں نے کی۔ نمبر۲: ابتدائی رائے والوں نے کی یہ بادی بدا یبدو اذا ظہر سے لیا جائے۔ یا بدء سے ہو جب کہ کسی چیز کو ابتداء سے کیا ہو۔

نحو: یہ ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے۔ اسکی اصل یہ ہے وقت حدوث ظاہر رایھم۔ ان کی ظاہری رائے کے سامنے آنے کے وقت یا ان کی پہلی رائے۔ پس مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا۔ مقصد اس بات کا یہ تھا کہ تیری اتباع انہوں نے بلا سوچے سمجھے اور غور و تدبر کے سرسری طور پر کر لی ہے۔ اگر وہ سوچتے تو تیری اتباع نہ کرتے۔ درحقیقت انہوں نے ایمان والوں کو اسلئے رذیل قرار دیا کیونکہ وہ غریب اور اسباب دنیویہ میں ان سے کم تھے۔ کفار اپنی جہالت کی وجہ سے دنیا کو اپنا قبلہ مقصود سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک معزز وہ تھا جس کے پاس مال ہو۔ جیسا کہ اس دور میں اسلام میں اشتباہ رکھنے والے لوگ خیال کرتے ہیں حالانکہ ان کو غلطی لگی کیونکہ دنیا میں ترقی کسی کو اللہ تعالیٰ کے قریب نہیں کر سکتی۔ بلکہ دور کرتی ہے۔ بلند نہیں کرتی بلکہ گراتی ہے۔

وَمَا نَرٰی لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ (ہم نہیں دیکھتے تم میں اپنے اوپر کوئی بزرگی) مال میں اور رائے میں کُمْ سے نوح علیہ السلام اور ان کے متبعین مراد ہیں۔ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ (بلکہ ہم تمہیں جھوٹا گمان کرتے ہیں) یعنی نوح علیہ السلام کو دعوت میں اور ان کے متبعین کو تصدیق میں۔ یعنی تم نے دعوت و اجابت میں ایک دوسرے کی موافقت حکومت حاصل کرنے کیلئے کی ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ

انہوں نے جواب دیا کہ اے میری قوم بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت عطا فرمائی ہو پھر وہ تم کو سجھائی نہ دی

عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ

تو کیا ہم اس کو تمہارے سر چپکا دیں گے حالانکہ تم اس سے نفرت کرنے والے ہو۔ اور اے میری قوم میں تم سے اس پر کوئی مال طلب نہیں کرتا

اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْۤ

میرا اجر صرف اللہ ہی پر ہے اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں میں ان کو ہٹانے والا نہیں ہوں۔ بیشک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں لیکن میں

اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا

تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم جہالت کر رہے ہو۔ اور اے میری قوم اگر میں ان کو ہٹا دوں تو مجھے اللہ کے مؤاخذہ سے کون بچائے گا۔ کیا تم

تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ اِنِّيْ

نصیحت نہیں پکڑتے ہو۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور میں غیب نہیں جانتا اور یہ نہیں کہتا کہ میں

مَلَكٌ وَّلَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْۤ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ

فرشتہ ہوں اور جن لوگوں کو تمہاری آنکھیں حقارت کے ساتھ دیکھتی ہیں میں ان کے بارے میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ ہرگز انہیں خیر عطا نہ کرے گا جو کچھ ان کے دلوں میں

بِمَا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ ۚ اِنِّيْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

ہے اللہ خوب جانتا ہے اگر میں ایسا کروں تو بیشک ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔

۲۸: قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ (کہا اے میری قوم تم مجھے بتلاؤ) خبر دو اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ (اگر میں ہوں دلیل پر) مِّنْ رَّبِّيْ (اپنے رب کی طرف سے) اور اس کی طرف سے ایک گواہی اور اس کی شہادت دیتا ہے کہ میں اپنے دعویٰ میں سچا ہوں وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ (اور مجھ کو اس نے اپنی طرف سے رحمت دی ہے۔) اور رحمت سے مراد نبوت ہے۔ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ (پھر وہ تم پر مخفی کر دی گئی) یعنی مخفی رہ گئی ہے تم پر۔

قراءت: حمزہ و علی و حفص کی قراءت یہی ہے اور فَعَمِيَتْ نافع و ابن کثیر و ابن عامر کی قراءت میں ہے۔

مطلب یہ ہے تم پر دلیل مخفی ہوگئی اور اس دلیل نے تمہاری راہنمائی نہیں کی۔ جیسا کہ اگر قوم کا راہنما چھپ جائے تو وہ جنگل میں بغیر ہادی کے پڑے رہتے ہیں۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ دلیل جس طرح دکھانے والی اور سامنے کی چیز ہے۔ اسی طرح اندھی اور پوشیدہ بھی ہے۔ کیونکہ اندھا راہ نہیں دکھا سکتا اور نہ غیر کی راہنمائی کر سکتا ہے۔ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ (کیا وہ تمہارے

سرخوب دیں اس حال میں کہ تم اس کو ناپسند کرتے ہو) اسماء سے مراد رحمت ہے۔ کارھون کا معنی تم چاہتے نہیں ہو۔ اس میں واؤ میم کی تکمیل کیلئے لائی گئی ہے۔

قراءت: ابوعمرو نے سکون میم سے پڑھا ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ حرکت اختلاس وتخفیف کے طور پر ہوتی ہے۔ مگر راوی نے اس کو سکون خیال کیا۔ حالانکہ سکون کی صورت میں یہ لحن بن جاتی ہے۔ کیونکہ حرکت اعرابیہ ضرورت شعری سے زائل کی جاتی ہے۔

۲۹: وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ (اور اے میری قوم میں تم سے اس پر نہیں مانگتا) تبلیغ رسالت پر۔ کیونکہ انی لکم نذیر کا مدلول بھی ہے۔ مَالًا (مال) یعنی بدلہ جس کی ادائیگی تم پر گراں اور بھاری ہو اگر تم ادا کرو یا مجھ پر اگر تم انکار کرو۔ اِنْ اَجْرِيَ (نہیں ہے میری مزدوری)

قراءت: مدنی شامی ابوعمرو حفص نے نصب یاء سے پڑھا ہے۔

اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (مگر اللہ تعالیٰ پر اور میں ان لوگوں کو ہٹانے والا نہیں ہوں جو ایمان لائے ہیں) یہ کفار کے اس مطالبے کا جواب ہے کہ ان فقراء کے ساتھ ہم نہیں بیٹھ سکتے ان کو نکال دو تب تمہارے پاس بیٹھیں گے تو ان کے جواب میں فرمایا مَآ اَنَا (الآیۃ) وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ (لیکن میں تمہیں جاہل قوم خیال کرتا ہوں) تم مسلمانوں پر بیہودگی کا الزام دھرتے ہو اور ان کو رذیل کہہ کر پکارتے ہو یا تم اپنے رب کی ملاقات سے جاہل و بے خبر ہو۔ یا اس سے تم جاہل ہو کہ وہ تم سے بہت بہتر ہیں۔

۳۰: وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ (اے میری قوم کون میری مدد کرے گا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کیلئے) یعنی اس کے انتقام سے کون بچائے گا۔ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (اگر میں نے ان کو اپنے پاس سے نکال دیا کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے ہو) تذکر کا معنی وعظ و نصیحت حاصل کرنا۔

۳۱: وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ (اور نہ میں کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں) کہ مالداری کی وجہ سے تم پر مالداری کا دعویٰ کروں یہاں تک کہ تم یہ کہہ کر میری فضیلت کا انکار کرو۔ وما نری لکم علینا من فضل (ہود۔ ۲۷) (ہم تم میں اپنے سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں دیکھتے) وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ (اور نہ میں غیب جانتا ہوں) یہاں تک کہ مجھے اطلاع ہو جائے دلوں کے اندر اور نفوس میں جو میری اتباع ہے۔ (تمہارے ظاہر کرنے سے معلوم ہوگی) اس کا عطف عندی خزائن اللہ پر ہے۔ ای لا اقول عندی خزائن اللہ ولا اقول انا اعلم الغیب۔ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ (نہ میں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں) یہاں تک کہ تمہیں کہنا پڑے کہ تو تو ہمارے جیسا انسان ہے ما انت الا بشر مثلنا (الشعراء۔ ۱۵۴) وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ (اور نہ میں کہتا ہوں ان لوگوں کو جن کو تمہاری آنکھیں حقیر قرار دیتی ہیں) میں حکم نہیں لگاتا ان ایمان والوں پر جن کو تم فقر کی وجہ سے حقیر قرار دیتے ہو کہ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا (کہ ہرگز اللہ تعالیٰ ان کو کوئی بھلائی نہ دے گا) دنیا و آخرت میں اس کے ہاں ذلیل ہونے کی وجہ سے اور تمہاری معاونت اور تمہاری خواہشات کی مطابقت کرتے ہوئے۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ (اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو ان کے دلوں میں ہے) سچا اعتقاد۔ بیشک میرے ذمہ تو ظاہری اقرار کو قبول کرنا ہے کیونکہ میں

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۳۲

وہ کہنے لگے کہ اے نوح تم ہم سے جھگڑے اور تم نے ہم سے بہت زیادہ جھگڑا کر لیا۔ لہٰذا ہمارے پاس وہ لے آؤ جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو اگر تم سچے ہو۔

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝۳۳ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ

نوح نے جواب دیا کہ اس چیز کو تمہارے پاس اللہ ہی لائے گا اگر وہ چاہے اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ اور میری خیر خواہی تمہیں فائدہ نہیں دے گی

اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ۭ هُوَ رَبُّكُمْ ۣ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۳۴

اگر میں تمہاری خیر خواہی کا ارادہ کروں اگر خدا کا یہ ارادہ ہو کہ وہ تمہیں گمراہ کرے۔ وہ تمہارا رب ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

ان کے کل اسرار کی اطلاع نہیں پا سکتا۔ اِنِّیْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ (بیشک میں اس وقت ہو جاؤں گا ظالموں میں سے) اگر میں ان میں سے کوئی چیز اپنے متعلق کہوں۔ الازدراء یزدری علیہ سے باب افتعال ہے اس کے معنی عیب لگانا ہے اور اس کا اصل تزتری ہے تا کو دال سے بدل دیا گیا ہے۔

۳۲: قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا (انہوں نے کہا اے نوح تو نے ہم سے مجادلہ کیا) ہم سے مخاصمت کی فَاَکْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ (تو نے ہم سے بہت جھگڑا کیا پس تو لے آ جس کا تو ہم سے وعدہ کرتا ہے) یعنی عذاب اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ (اگر تو سچا ہے) اپنے دعوے میں۔

۳۳: قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْکُمْ بِہِ اللّٰہُ اِنْ شَآءَ (کہا بیشک وہ اللہ تعالیٰ تم پر لائیں گے اگر وہ چاہیں گے) عذاب لانا میرے اختیار میں نہیں۔ وہ اس کے اختیار میں ہے جس کا تم انکار کرتے ہو۔ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ (اور تم اس کو عاجز کرنے والے نہیں ہو) یعنی تم اس سے کہیں بھاگ نہیں سکتے۔

۳۴: وَلَا یَنْفَعُکُمْ نُصْحِیْٓ (اور تمہیں میری نصیحت فائدہ نہ دے گی) اس میں گمراہی کے مقام کی نشاندہی کی گئی تاکہ اس سے بچا جائے اور رشد کی رہنمائی کی گئی تاکہ اس کی پیروی کی جائے

قراءت: ابو عمرو اور مدنی نے ولکنیَ، اِنیَ، نُصْحِیَ پڑھا ہے۔

اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَکُمْ اِنْ کَانَ اللّٰہُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَکُمْ۔ (اگر چہ میں تمہاری خیر خواہی کا ارادہ کروں اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے گمراہ کرنے کا ہو) یغویکم کا معنی گمراہ کرنا ہے۔

یہ شرط پر داخل ہے۔ یعنی دوسری شرط حکم میں مقدم ہوگی جیسا کہ معروف و معلوم ہے تقدیری عبارت یہ ہے ان کان ہو یہ

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيَّ إِجْرَامِي وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تُجْرِمُونَ ﴿٣٥﴾

کیا یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے قرآن کو اپنے جی سے بنالیا ہے آپ فرما دیجئے کہ اگر میں نے اس کو اپنے جی سے بنایا ہوگا تو میرا یہ جرم مجھ پر ہوگا اور میں تمہارے جرم سے بری ہوں جو تم کیا کرتے ہو

ان یغویکم لا ینفعکم نصحی ان اردت ان انصح لکم ۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں گمراہ کرنا چاہیں تو میری نصیحت تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتی خواہ میں تمہاری خیر خواہی کا ارادہ کروں (کیونکہ واللہ غالب علی امرہ ولا معقب لحکمہ)

نکتہ: ارادہ معاصی کے متعلق یہ ہماری واضح دلیل ہے۔

ھُوَ رَبُّکُمْ (وہ تمہارا رب ہے) پس وہ تم میں اپنے ارادہ کے فیصلہ کے مطابق تصرف کرتے ہیں وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ (وہ اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا) پس وہ تمہارے اعمال پر تمہیں بدلہ دے گا۔

۳۵: اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ (کیا وہ کہتے ہیں اس کو گھڑ لیا ہے) اَمْ بَلْ کے معنی میں ہے اور ہمزہ استفہام کا محذوف ہے، بلکہ کیا وہ کہتے ہیں اس کو گھڑ لیا ہے۔ قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُهٗ فَعَلَیَّ اِجْرَامِیْ (کہہ دیں اگر میں نے اس کو گھڑا ہے تو مجھ پر میرا جرم) یعنی اگر صحیح ہے کہ میں نے افتراء کیا ہے تو مجھ پر میرے جرم کی سزا ہے یعنی افتراء کی۔ کہا جاتا ہے اجرم الرجل، اذا اذنب ۔ جب وہ گناہ کرے۔ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ (اور میں بری ہوں) یعنی یہ بات ثابت نہیں اور میں اس سے بری الذمہ ہوں مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ تمہارے اس جرم سے کہ میری طرف افتراء کی نسبت کرتے ہو۔ پس تمہاری دشمنی اور اعراض کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا

اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ جو شخص تمہاری قوم میں سے لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا اور کوئی شخص ہرگز ایمان نہ لائے گا سو جو لوگ کام کر رہے تھے آپ ان کی

كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ

وجہ سے رنجیدہ نہ ہوں۔ اور ہمارے حکم سے کشتی بنا لیجئے اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے خطاب

ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ وَیَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا

نہ کیجئے بلاشبہ یہ لوگ غرق کیے جانے والے ہیں۔ اور وہ کشتی بنا رہے تھے اور جب ان کی قوم کے سردار ان پر گزرتے تھے تو ان سے مسخری کرتے

مِنْهُ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۝ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ

تھے۔ وہ جواب دیتے تھے کہ اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو بلاشبہ ہم تم پر ہنسیں گے جیسا کہ تم ہنسی کر رہے ہو۔ سو عنقریب تم جان لو گے

مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَیَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ۝

کہ کس کے پاس عذاب آتا ہے جو اس کو رسوا کر دے گا اور اس پر دائمی عذاب نازل ہوگا۔

ان کے ایمان کی توقع نہ کریں:

۳۶: وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ (اور نوح علیہ السلام کی طرف وحی کی گئی کہ ہرگز تمہاری قوم میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا) ان کے ایمان سے ناامیدی کا اظہار کیا گیا اور اس بات کا بھی کہ ان کے ایمان کی توقع چھوڑ دیں۔

نکتہ: اس میں دلیل ہے کہ ایمان کیلئے تجدد کا حکم ہے۔ گویا اس طرح فرمایا۔ بیشک جو ایمان لایا ہے وہ ایمان لاتا ہے نئے وقت میں اور ایمان بالقرآن میں جس اضافہ کا ذکر ہے اس کا مطلب بھی تجدید ایمان اور پختگی ایمان لیا جائے گا۔ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ (پس تو رنجیدہ نہ ہو جو کچھ وہ کر رہے ہیں) کہ تو غمزدہ ہو مسکین کی طرح غمزدہ ہو۔ الابتیاس یہ البؤس سے افتعال ہے۔ اس کا معنی غم و فکر ہے۔ اب آیت کا یہ مطلب ہوا۔ انہوں نے تیری جو تکذیب کی ہے اس پر غمزدہ نہ ہو اور جو تمہیں تکلیف پہنچائی اس پر رنجیدہ نہ ہو تیرے دشمنوں سے انتقام لے گا۔

کشتی بناؤ:

۳۷: وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا (تو ہماری نگرانی میں کشتی بنا) یہ موضع حال میں ہے۔ یعنی اس کو بنا اس حال میں کہ وہ محفوظ ہو۔ اور حفاظت یہ مطلب باعیننا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے ساتھ نگران مقرر تھے جو اس بات کی نگرانی کرتے تھے کہ ان

کی بناوٹ میں کوئی خرابی پیدا نہ ہونے پائے۔ وَوَحْيِنَا (اور ہماری وحی سے) یعنی ہم تیری طرف وحی کو الہام کرتے ہیں کہ تم نے کس طرح اس کام کو انجام دینا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہیں کشتی کی صنعت معلوم نہ تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ پرندے کے سینے کی طرح۔

وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا (اور مت مجھے خطاب کرنا ان لوگوں کے متعلق جو ظالم ہیں) اپنی قوم کی مہلت کے متعلق تم مجھے نہ پکارنا اور نہ عذاب کے دور کرنے کی شفاعت کرنا۔ إِنَّهُمْ مُّغْرَقُونَ (بیشک ان کو ہم ڈبونے والے ہیں) ان پر غرق کا حکم لگ چکا اور فیصلہ ہو چکا۔ قلم خشک ہو چکا اب اس کے رکنے کا کوئی راستہ نہیں۔

۳۸: وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ (وہ کشتی بنا رہے تھے) ماضی کی حالت کو بیان کیا گیا ہے۔ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ (جب بھی ان کے پاس سے ان کی قوم کے سردار گزرتے تو ان سے وہ تمسخر کرتے) کشتی بنانے پر وہ پانی سے دور جنگل میں بنا رہے تھے۔ پس وہ ان پر ہنستے اور کہتے اے نوح! تو پیغمبر بننے کے بعد بڑھئی بن گیا ہے۔ قَالَ إِنْ تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ (نوح علیہ السلام کہتے ہیں اگر تم ہم سے مذاق کرتے ہو تو ہم بھی تم سے مذاق کریں گے) جب تمہاری ہلاکت کو دیکھیں گے كَمَا تَسْخَرُونَ (جیسا تم مذاق اڑاتے ہو) ہمارا کشتی بنانا دیکھ کر۔

کشتی نوح کا عرض و طول:

روایت میں ہے کہ نوح علیہ السلام نے ساج کی لکڑی سے دو سال میں کشتی تیار کی۔ اس کی لمبائی تین سو ہاتھ تھی یا ۱۲۰۰ ہاتھ اس کی چوڑائی ۵۰ ہاتھ یا ۶۰۰ ہاتھ۔ بلندی ۳۰ ہاتھ۔ اس کے تین طبقات بنائے۔ سب سے نچلے حصے میں وحشی جانور، درندے، حشرات الارض۔ درمیانے طبقے میں چوپائے اور جانور، تیسری بالائی منزل میں نوح علیہ السلام مع ایمان والوں کے اور زاد راہ سمیت سوار ہوئے اور آدم علیہ السلام کا جسد بھی ساتھ لیا اور اس کو مردوں اور عورتوں کے درمیان روک بنا دیا۔

۳۹: فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَنْ يَّأْتِيهِ (اور عنقریب تم جان لو گے کہ جس کے پاس عذاب آئیگا) تعلمون کی وجہ سے من یاتیہ محل نصب میں ہے۔ ای فسوف تعلمون الذی یاتیہ۔ عنقریب تم جان لو گے اس کو جس پر عذاب آئے گا۔ عَذَابٌ يُّخْزِيهِ عذاب اس کو رسوا کر دے گا۔ یعنی ان کو عذاب غرق سے دنیا میں رسوا کر دے گا۔ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ (اور اس پر اترنے والا) نازل ہوگا۔ عَذَابٌ مُّقِيمٌ (قائم رہنے والا عذاب) وہ عذاب آخرت ہے۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم پہنچا اور تنور سے پانی ابلنا شروع ہوا ہم نے کہا کہ اس میں ہر ایک قسم میں سے ایک ایک جوڑا یعنی دو عدد سوار کر دو اور اپنے گھر والوں کو بھی سوار کرو

اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾ وَقَالَ ارْكَبُوْا

سوائے اس کے جس کے بارے پہلے سے فیصلہ ہو چکا ہے اور ان لوگوں کو سوار کر لو جو ایمان لائے۔ اور تھوڑے سے آدمی ہی ایمان لائے تھے۔ اور نوح نے کہا کہ اس میں

فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖٮهَا وَمُرْسٰٮهَا ؕ اِنَّ رَبِّىْ لَـغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾ وَهِىَ تَجْرِىْ بِهِمْ

سوار ہو جاؤ۔ اللہ کے نام سے ہے اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا بلاشبہ میرا رب بخشنے والا ہے مہربان ہے۔ اور وہ کشتی ان کو لے کر پہاڑوں جیسی

فِىْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۗ وَنَادٰى نُوْحُ ۨابْنَهٗ وَكَانَ فِىْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَىَّ ارْكَبْ مَّعَنَا

موجوں میں چلے گی۔ اور نوح نے اپنے بیٹے کو آواز دی اور وہ علیحدہ جگہ تھا کہ اے میرے پیارے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا

وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ سَاٰوِىْۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِىْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا

اور کافروں کے ساتھ مت ہو۔ وہ کہنے لگا کہ میں عنقریب کسی پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا نوح نے جواب دیا کہ آج

عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾

اللہ کے حکم سے کوئی بچانے والا نہیں مگر وہی جس پر وہ رحم فرمائے اور ان دونوں کے درمیان موج حائل ہو گئی۔ سو وہ غرق کیے جانے والوں میں سے ہو گیا۔

۴۰: حَتّٰی (یہاں تک کہ) نحو: یہ ابتدائے کلام میں آتا ہے۔ یہ شرط و جزاء والے جملے پر داخل ہوتا ہے۔ یصنع الفلک کی غایت ہے یعنی وہ کشتی بناتے رہے یہاں تک کہ وہ وعدہ کا وقت آ گیا۔ درمیان والا کلام یصنع سے حال ہے یعنی یصنعها والحال انه كلما مر عليه ملاء من قومه سخروا منه آپ کشتی بنا رہے تھے حالت یہ تھی کہ جب بھی آپ کی قوم کے سردار آپ کے پاس سے گزرتے تو وہ آپ سے مذاق کرتے۔ اور قال کا جواب سخروا ہے اور آگلا یہ جملہ مستانفہ ہے اس کو سوال مقدر کے جواب میں لایا گیا ہے۔ یا قال سخروا کے جواب میں ہے اور سخروا یہ مرّ کا بدل ہے یا ملاء کی صفت ہے۔

عذاب آن پہنچا:

اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا (جب ہمارا حکم آ گیا) امر سے عذاب مراد ہے۔ وَفَارَ التَّنُّوْرُ (اور تنور نے جوش مارا) یہ معاملے کی سختی اور صعوبت سے کنایہ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ روٹی کے تنور سے پانی نے جوش مارا۔ یہ پتھروں کا تنور تھا جس کو حواء نے بنایا تھا۔ اس زمانہ سے نوح علیہ السلام تک پہنچا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تنور سے مراد زمین کو کہتے ہیں۔ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا (ہم نے کہا اس میں سوار کرو) یعنی کشتی میں۔ مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ (ہر جوڑے میں سے دو دو) اس کی تفسیر سورۃ المؤمنون میں ہے۔

وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ (اور اپنے اہل کو مگر وہ جن کے بارے میں بات پہلے کہی جا چکی) اس کا عطف اثنین پر ہے اور اسی طرح ومن امن کا بھی وَمَنْ اٰمَنَ (اور وہ جو ایمان لائے)۔ یعنی سوار کرو تم اپنے اہل کو اور غیر میں سے ایمان والوں کو۔ اہل سے من سبق علیہ القول کو مستثنیٰ کر دیا۔ اس لئے کہ وہ اہل نار میں سے ہے اور اس کے متعلق بات پہلے اس لئے کہی گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق جانتے ہیں کہ وہ کفر کو اپنے ارادہ و تقدیر سے اختیار کریں گے اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بلند و بالا ہے۔ کہ کائنات میں اس کے ارادہ کے خلاف کوئی چیز وقوع پذیر ہو۔

وَمَا اٰمَنَ مَعَهٗ اِلَّا قَلِيْلٌ (اور ان پر ایمان نہ لائے مگر بہت قلیل) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کی تعداد آٹھ تھی۔ نوح اور ان کے گھر والے اور ان کے تین بیٹے اور ان کی بیویاں (یہ روایت مرفوعا ثابت نہیں ہے۔ ابن حجر) ایک قول یہ ہے وہ دس تھے پانچ مرد اور پانچ عورتیں۔ نمبر ۳۔ ایک قول بہتر مرد اور عورتیں اور اولاد نوح علیہ السلام سام حام یافث اور ان کی بیویاں اس طرح کل تعداد ۷۸ ہوگئی آدھے مرد اور آدھی عورتیں۔

کشتی میں سواری کی دعا:

۴۱: وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا (کہا تم اس پر سوار ہو جاؤ اللہ تعالیٰ کے نام سے اس کا چلنا اور رکنا ہے) بسم اللہ ارکبوا سے متصل ہے۔ واؤ سے حال ہے۔ یعنی تم اس میں سوار ہو جاؤ اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ کا نام لینے والے ہو۔ یا اس حال میں کہ اس کے چلانے اور ٹھہرانے کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینے والے ہو۔ اس وجہ سے کہ المجری والمرسی اسماء ظروف ہیں اور وقت کا معنی رکھتے ہیں یا اس لئے کہ یہ دونوں مصدر میمی ہیں جیسا اجراء اور ارساء اور ان کا مضاف وقت کا لفظ حذف کر دیا جیسا کہتے ہیں: خفوق النجم ای وقت خفوق النجم۔

یہ بھی درست ہے کہ بسم اللہ مجرھا ومرسھا بذات خود جملہ ہو اور فعل سے متعلق نہ ہو بلکہ مبتدا و خبر ہو۔ مطلب یہ ہے کہ نوح علیہ السلام نے ان کو سوار ہونے کا حکم دیا پھر ان کو بتلایا کہ ان کا چلنا اور رکنا اللہ تعالیٰ کا نام لینے سے ہے۔ اسی بسم اللہ اجراھا وارساھا چنانچہ جب کشتی چلانے تو کہتے بسم اللہ کشتی چل پڑتی اور کھڑا کرنا چاہتے تو بسم اللہ کہتے کشتی لنگر انداز ہو جاتی۔

قراءت: مجرھا میم مفتوح اور راء مکسور ہے یہ جری سے ہے یا مصدر ہے یا وقت محذوف ہے یہ حمزہ علی حفص نے پڑھا ہے۔

اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (بیشک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے) ان کے لئے جو خلوص سے ایمان لانے والے ہیں۔

۴۲: وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ (وہ کشتی ان کو لیکر چل رہی تھی) یہ فعل محذوف سے متصل ہے۔ جس پر ارکبوا فیھا باسم اللہ دلالت کر رہا ہے۔ گویا عبارت اس طرح ہے۔ فرکبوا فیھا یقولون بسم اللہ وھی تجری بھم ای السفینۃ وھم فیھا۔ یعنی وہ اس میں بسم اللہ کہتے ہوئے سوار ہو گئے وہ کشتی ان کو لیکر چل پڑی اس حال میں کہ وہ کشتی میں تھے۔

فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ (ایسی موجوں میں جو پہاڑوں جیسی تھیں) اس سے مراد طوفان کی موجیں ہیں۔ موج جمع موجۃ ہے جیسا تمر جمع تمرۃ۔ موج اس پانی کو کہتے ہیں جو تیز ہواؤں کے پانی کے اندر داخل ہونے سے اضطراب کے وقت بلند ہو۔ بلندی اور

کرنے کا ارادہ ہو جیسے ہلاکت و موت اس لئے یہ لفظ بددعا کیلئے خاص ہے۔

نکتہ جلیلہ: اس آیت کو چار اطراف سے دیکھو کہ نظم بیان کا کتنا شاندار مرقع ہے اس میں مجاز، استعارہ اور کنایہ اور بہت سے متعلقات ہم عرض کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب چاہا کہ اس مطلب کو بیان کیا جائے۔ ہم نے زمین سے پھوٹے ہوئے پانی کو لوٹانے کا ارادہ کیا کہ جو نکلا ہے وہ واپس تہہ زمین میں چلا جائے۔ اور آسمان سے طوفان کو منقطع کرنا چاہا وہ منقطع ہو گیا۔ اترنے والے پانی کو ختم کرنا چاہا تو وہ جذب ہو کر خشک ہو گیا۔ اور نوح علیہ السلام کے معاملے کا فیصلہ کر دیا اور وہ قوم کے غرق والے فیصلے کو نافذ کرنا تھا۔ وہ بھی کر دیا گیا کشتی کو روکنا چاہا وہ جودی پر رک گئی ظالموں کو غرق کر دیا۔

تو کلام کی بنیاد اس پر رکھی کہ مراد کو ایسے امور سے تشبیہ دی جس سے نافرمانی اور بے بسی متحقق (کیونکہ اللہ تعالیٰ ہیبت و رعب میں کامل ہے) اور تکوین مراد ہے بمعنی قول سے تشبیہ دی جو مقصود کے بیٹھنے میں بطور تصویر کے زیادہ اکمل ہے کیونکہ وہ ذات عظیم الشان و الا ہے۔ اور آسمان و زمین میں جو چاہے کرے وہ اس کی تکوین کے مطیع ہیں۔ اس کے ارادے کو کسی تغیر و تبدیل سے روکنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ گویا کہ وہ عقلاء ہیں اور امتیاز کرنے والے ہیں ان کی پہچان کا جو حق ہے اسی طرح اس کو پہچانتے ہیں اور اس کے حکم کی اطاعت میں جو چیز ان پر لازم ہے اس کو قبول کرنے والے ہیں اور اس کے حکم پر یقین کرنے والے ہیں۔ اور اس کی مراد کے حصول میں اپنی پوری ہمت صرف کرنے والے ہیں۔ پھر نظم کلام کی بنیاد اسی تشبیہ پر رکھی چنانچہ فرمایا وقیل اور اس سے بطور مجاز استعمال کیا کیونکہ قائل کا قول اسی سے واقع ہوتا ہے۔ مجاز کیلئے قرینہ جمادات کو خطاب یا ارض اور یا سماء کو بنایا۔ پھر ان کو خطاب کر کے یا ارض اور یا سماء کہہ کر اس تشبیہ سے استعارہ کر دیا۔

پھر زمین میں پانی کی گہرائی کیلئے بطور استعارہ ابلعی کا استعمال فرمایا بلع کھائی ہوئی چیز سے نگل جانے کو کہتے ہیں۔ تو پانی بھی گویا ٹھکانے میں پہنچ گیا۔ تو اس مناسبت سے بلع کو ذکر کر دیا۔ پھر الماء کو استعارةً غذا کیلئے استعمال کیا کیونکہ دونوں کے مابین قوت کی مشابہت پائی جاتی ہے جیسا کہ زمین بھی پانی سے طاقت پاتی ہے۔ جیسا کھانے والا طعام سے قوت پاتا ہے۔ پھر فرمایا

ماءَكِ پانی کی نسبت زمین کی طرف فرمائی بطور مجاز کیونکہ پانی زمین سے متصل ہوتا ہے جیسے ملک مالک سے متصل ہوتی ہے۔ پھر اقلعی بارش کیلئے اقلاع کا لفظ اختیار کیا۔ اقلاع ترک فعل کو کہتے ہیں کیونکہ عدم تغیر کی مشابہت دونوں میں پائی جاتی ہے۔ پھر فرمایا وغیض الماء وقضی الامر واستوت علی الجودی وقیل بعدا اس میں تصریح نہیں فرمائی کہ کس نے پانی کو خشک کیا اور یہ دونوں کام جس نے حکم کو نافذ کیا اور کشتی کو ٹھہرایا آخر میں فرمایا بعدا دور کرنے والے کی تصریح نہیں کی جب کہ یا ارض یا سماء میں قائل کی تصریح نہیں کی۔ ان میں کنایہ کا راستہ اپنایا کہ یہ تمام امور عظیمہ کسی فاعل قادر مکون قاہر کی تکوین سے ہی ممکن ہیں اور ان کا کرنے والا اکیلا ہے اس کے حکم میں کسی دوسرے کی شرکت نہیں ہے۔

وہم و خیال کا کوئی گوشہ یہ نہیں کہتا کہ کوئی دوسرا یہ ارادہ رکھتا ہو یا ارض ابلعی ماءك و یاسماء اقلعی۔ اور نہ یہ خیال میں آ سکتا ہے کہ نافذ القاضی اور المسوی اس کے سوا کوئی اور ہو۔ پھر کلام کو تعریض سے ختم کیا تاکہ ان مکذبین کو خبردار کر دیا جائے جو انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرنے والے ہیں وہ اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں اور یہ سخت عذاب ان کے اپنے ظلم ہی کا نتیجہ تھا۔

سکی چنانچہ رب سے فرمایا وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ (اور آپ کا وعدہ بلاشبہ سچا ہے) آپ جو وعدہ فرماتے ہیں وہ برحق و ثابت ہے جس کے پورا ہونے میں کوئی شبہ نہیں، اور پورا کرنے میں اور آپ نے میرے اہل کو نجات دینے کا وعدہ فرمایا پس میرے بیٹے کا کیا معاملہ ہے؟ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ (حالانکہ آپ تو سب سے بڑے حاکم ہیں) آپ تو تمام حکام سے زیادہ علم والے اور زیادہ عدل والے ہیں۔ کیونکہ حاکم کو دوسرے حاکم پر علم و عدل ہی کی وجہ سے فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ آج کے زمانہ میں بہت سے حکام اعلیٰ حکام کہلانے والے جہل و ظلم کا مجسمہ ہیں اور احکم الحاکمین کا کیا حق ہے۔ پس تم کو اس حال سے عبرت حاصل کرنی چاہئے اور آنسو بہانے چاہئیں۔

۴۶: قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ (فرمایا اے نوح وہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے) پھر اہل میں نہ ہونے کی تعلیل یوں فرمائی۔ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ (اس کے عمل درست نہیں ہیں)

مَسْئَلَہ: اس میں اعلان کر دیا کہ قرابت دینی قرابت نسبی کو ختم کرنے والی ہے۔ تیرا اہم نسب وہ جو تیرے دین کا متبع ہے۔ اگرچہ وہ حبشی اور تو قریشی اور جو تیرے دین پر نہ ہو۔ اگرچہ وہ تیرا قریبی رحم کا رشتہ دار ہو۔ وہ تجھ سے بہت دور ہے۔ نمبر۲۔ اس آیت میں خود اس لڑکے کا عمل غیر صالح قرار دیا۔ تاکہ مذمت میں مبالغہ ہو جائے۔ جیسے شاعر کا قول ہے۔

شعر　فانما هي اقبال و ادبار

کہ زمانہ تو دوران کا نام ہے۔

نمبر۲: تقدیر عبارت یہ ہو۔ ذو عمل۔ اس میں اشارہ کر دیا کہ تیرے اہل میں سے جن کو نجات دی گئی وہ ان کی صلاح و بھلائی کی وجہ سے دی گئی اس بناء پر نہیں کہ وہ تیرے رشتہ دار ہیں۔ اور اسی وجہ سے جب اس میں صلاح نہیں پائی جاتی تو ابوت اس کے لئے چنداں نفع رساں نہیں۔

قراءت: عَمِلَ غَيْرَ صَالِحٍ علی نے پڑھا ہے

شیخ ابو منصور رحمہ اللہ نے فرمایا نوح علیہ السلام کے ذہن میں یہ بات تھی کہ وہ آپ کے دین پر ہے۔ کیونکہ وہ منافقت کرنے والا تھا۔ ورنہ نوح علیہ السلام سے سوال نجات کا احتمال بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ سوال کی ممانعت تو پہلے کی جا چکی تھی۔ منافقت کی وجہ سے اس کو اہل میں شمار کر کے نجات کا سوال کر دیا پس اس قسم کی ممانعت ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا انهم مغرقون (ہود: ۳۷) کے بعد آپ کا سوال آپ کے اس ظاہر کے لحاظ سے تھا۔ جو آپ کو اس کے متعلق معلوم تھا۔ جیسا کہ بہت سے منافقین نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ظاہری موافقت کا اظہار کرتے رہے اور باطنی طور پر مخالفت کرتے رہے۔ اور آپ کو ان کے متعلق معلوم نہ ہوا یہاں تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو مطلع کر دیا۔ اور ارشاد باری لیس من اہلک کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے نہیں ہے جن کے متعلق نجات کا وعدہ کیا تھا اور وہ وہی لوگ ہیں جو ظاہر و باطن میں مؤمن ہیں۔

فَلَا تَسْأَلْنِ (پس تو مجھ سے سوال نہ کر) قراءت: کوفی نے فلا تسئلنی یا کی بجائے کسرہ، بصری نے تسألنی پڑھا جبکہ مدنی نے تسألنّی پڑھا۔ اور شامی نے تَسْأَلَنِّ حذف یاء و نون تاکید کے ساتھ پڑھا۔ مکی نے تَسْأَلَنَّ پڑھا ہے۔ معنا

لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (اس بات کا جس کا تجھے علم نہیں) اس کے متعلق سوال کے جواز کا۔ اِنِّیْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (بیشک میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ نادانوں میں سے مت ہو جاؤ)۔ یہ اسی طرح ہے جیسا کہ ہمارے رسول ﷺ کو اس قول میں فرمایا فلا تکونن من الجاھلین (الانعام: ۳۵)

استغفار نوح علیہ السلام:

۴۷: قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَسْــَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ (کہا اے میرے رب بیشک میں وہ چیز جس کا مجھے علم نہ ہو اس کے متعلق سوال کرنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں) یعنی کہ مستقبل میں میں وہ چیز طلب کروں جس کے صحیح ہونے کا مجھے علم نہیں تیرے ادب کا پاس کرتے ہوئے اور تیری نصیحت کو قبول کرتے ہوئے وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ (اور اگر تو نے مجھے نہ بخشا) جو سبقت مجھ سے ہوگئی وَتَرْحَمْنِیْٓ (اور مجھ پر رحم نہ فرمایا) اس جیسی بات کی طرف لوٹنے سے بچا کر اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ (تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا)

۴۸: قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا (اے نوح کشتی سے اترو ہماری طرف سے سلامتی لیکر) ہمارے تحفوں اور سلامیوں کے ساتھ غرق سے سلامت رہنے کے سبب وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ (اور برکات لیکر جو تم پر اتریں گی) برکات ان بھلائیوں کو کہا جاتا ہے جو بڑھنے والی ہوں ان کے حق میں وہ کثرت اولاد اور کثرت تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اکثر انبیاء علیہم السلام کو ان کی نسل سے پیدا فرمایا اور دین کی تکمیل ان کی باقی نسل میں فرمائی۔ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ (اور ان امتوں پر جو تمہارے ساتھ ہیں) مِّن بیانیہ ہے امم سے وہ مراد ہیں جو ان کے ساتھ کشتی میں تھیں کیونکہ وہ جماعتیں تھیں۔ نمبر۲۔ ان کو امم اس لئے کہا گیا کیونکہ ساری امتیں ان سے پھوٹیں۔ نمبر۳۔ مِن ابتداء غایت کیلئے ہے یعنی ان امتوں پر جو ان لوگوں سے پیدا ہونگی جو تیرے ساتھ ہیں یہ آخری زمانہ تک امتیں ہیں اور یہ سب سے بہتر قول ہے۔ وَاُمَمٌ یہ مبتداء کی وجہ سے مرفوع ہے۔ سَنُمَتِّعُهُمْ (اور کچھ جماعتوں کو ہم دنیا میں فائدہ دیں گے یعنی دنیا میں وسعت رزق اور زندگی کی سہولیات۔

نحو: یہ صفت ہے خبر محذوف ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے و ممن معك امم سنمتعهم حذف اسلئے کیا کیونکہ ممن معك اس پر دلالت کرتا ہے۔ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ (پھر ان کو ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا) یعنی آخرت میں مطلب یہ ہے کہ سلام ہماری طرف اور برکات تجھ پر اور ان مومنوں پر جو ان کی نسل سے ہونگے جو تمہارے ساتھ ہیں ان کی نسل میں کچھ جماعتیں دنیا میں نفع اٹھائیں گی پھر آگ کی طرف منتقل کر دی جائیں گی۔

حضرت نوح علیہ السلام ابوالانبیاء ہیں اور طوفان کے بعد والی ساری مخلوق ان کی نسل سے ہے۔ اور ان کی نسل سے ہے جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے۔ محمد بن کعب کہتے ہیں اس سلام میں قیامت تک آنے والا ہر مومن و مومنہ داخل ہے اور جو اس کے بعد تمتع دنیا اور عذاب آخرت ہے اس میں قیامت تک آنے والے کافر شامل و داخل ہیں۔

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا

یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو آپ کی طرف وحی بھیجتے ہیں۔ اس سے پہلے آپ ان کو نہیں جانتے تھے اور نہ

قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِلٰى عَادٍ

آپ کی قوم جانتی تھی۔ سو آپ صبر کیجئے۔ بلاشبہ اچھا انجام متقیوں ہی کے لئے ہے۔ اور قوم عاد کی طرف

اَخَاهُمْ هُوْدًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۚ اِنْ اَنْتُمْ

ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ انہوں نے کہا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تم صرف

اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۚ

جھوٹ بولتے ہو۔ اے میری قوم میں تم سے اس پر کوئی مزدوری طلب نہیں کرتا۔ میرا اجر صرف اللہ پر ہے جس نے مجھے پیدا فرمایا

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ

کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔ اور اے میری قوم تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو اور اس کے حضور میں توبہ کرو وہ تم پر خوب بارشیں

مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا يٰهُوْدُ

بھیج دے گا اور تمہیں قوت دے کر تمہاری قوت میں اضافہ فرمائے گا اور تم مجرم بن کر روگردانی کرنے والے نہ بنو۔ وہ کہنے لگے اے ہود

مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ

تم ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں لائے اور ہم تمہارے کہنے کی وجہ سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور ہم تم پر ایمان

بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ۚ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ

لانے والے نہیں۔ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے تمہیں کوئی خرابی پہنچا دی ہے۔ ہود نے کہا کہ بیشک میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں

وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾

اور تم گواہ رہو کہ بیشک میں ان چیزوں سے بری ہوں جنہیں تم اللہ کے سوا شریک ٹھہراتے ہو۔ سو تم سب مل کر میرے بارے میں بری تدبیر کر لو پھر مجھے مہلت نہ دو

قصہ نوح علیہ السلام من جملہ اخبارِ غیب سے ہے:

۴۹: تِلْكَ (یہ) قصہ نوح علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔ یہ ابتدا کی وجہ سے مرفوع ہے اور اس کے بعد جملے اس کی خبریں ہیں۔ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ (غیب کی خبریں یہ ہیں جو ہم وحی کرتے ہیں آپ کی طرف۔

نہ آپ ان کو جانتے تھے اور نہ ہی آپ کی قوم) تمہیں نہ تھی یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے۔ تمہیں معلوم نہ تھا اور نہ ہی تیری قوم کو۔ مِنْ قَبْلِ هٰذَا (اس سے پہلے) اس وقت سے پہلے یا میرے وحی بھیجنے سے پہلے اور آگاہی اطلاع دینے سے پہلے فَاصْبِرْ (پس آپ صبر کریں) تبلیغ رسالت کے سلسلہ میں ان ایذاؤں پر جو آپ کو آپ کی قوم کی طرف سے آتی ہیں جیسا کہ نوح علیہ السلام نے صبر کیا۔ اور مکذبین کے متعلق اسی طرح کے انجام کی توقع رکھو جو قوم نوح کے ساتھ پیش آیا اور اپنے متعلق اسی طرح کے نتیجہ کی جو نوح علیہ السلام کے سامنے آیا۔ اِنَّ الْعَاقِبَةَ (بیشک انجام) کامیابی و نصرت والا انجام یہ ہے۔ لِلْمُتَّقِيْنَ (متقین کیلئے ہے) جو شرک سے بچنے والے ہیں۔

قوم عاد اور ہود علیہ السلام:

۵۰: وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا (اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود (علیہ السلام) کو بھیجا) اخاھم سے مراد ان کی قوم میں سے ایک۔

نحو: اخاھم کا نصب ارسلنا نوحًا پر عطف کی وجہ سے ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے: وارسلنا الی عاد اخاھم ھودًا یہ عطف بیان ہے اخاھم کا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ (کہا اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو) اسی کو اکیلا مانو۔ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں)

قراءت: باقی نے مرفوع پڑھا ہے اور مجرور کے محل پر عطف قرار دیکر۔ علی نے لفظ کے لحاظ سے مجرور غیرِہ پڑھا۔ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ (تم تو افترا کرنے والے ہو) تم اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے ہو اس طرح کہ تم نے اوثان کو اس کا شریک بنایا۔

۵۱: يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ (اے میری قوم میں اس پر تم سے اجر نہیں مانگتا میری مزدوری تو اس کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا) جتنے بھی انبیاء علیہم السلام گزرے تمام نے اپنی قوموں سے اسی قسم کی بات کہی۔ کیونکہ وہ نصیحت کرنے آئے تھے۔ نصیحت نقصان دہ ہی رہتی ہے جو مطامع کو ملا دیا جائے اور جب تک ان میں سے کسی چیز کی طمع رکھتے ہے کامیابی نہیں ملتی۔ اور نہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (کیا تم سمجھتے نہیں ہو) جبکہ تم اس شخص کی نصیحت مسترد کر رہے ہو جو اس پر تم سے کسی بدلے کا طالب نہیں وہ تو صرف خدائے ذوالجلال سے بدلہ چاہنے والا ہے اور وہ بدلہ ثواب آخرت ہی ہے۔ اور تہمت کو دور کرنے کیلئے اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔

برکاتِ استغفار:

۵۲: وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ (اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو) اس پر ایمان لا کر۔ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ (پھر اسی کی بارگاہ میں توبہ کرو) غیر اللہ کی عبادت سے توبہ یُرْسِلِ السَّمَآءَ (وہ آسمان کو مقرر کر دے گا) بارش کیلئے عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا (تم پر مسلسل) یہ مدرارًا حال ہے اس حال میں کہ وہ کثرت سے برسنے والی ہو۔ وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ (وہ تمہاری قوت میں مزید ترقی دے گا) انہوں نے کثرت امطار سے ان کو ایمان کی طرف مائل کرنا چاہا۔ اور اسی طرح اضافی قوت سے بھی کیونکہ ان لوگوں کو اپنے کھیتوں اور باغات کیلئے پانی کی سخت ضرورت تھی۔ ان کو اپنی قوت پر بڑا ناز تھا۔

نمبر ۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قوت سے مال مراد ہے۔ یا نکاح کی قوت نمبر ۳۔ ان سے بارش تین سال سے رکی ہوئی تھی اور عورتیں بانجھ پن کا شکار ہو چکی تھیں پس ہود علیہ السلام نے ان سے بارش اور اولاد کا وعدہ استغفار کی شرط پر فرمایا۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں گئے جب وہ وہاں سے نکلے تو ان کو بعض حاجبوں نے کہا کہ میں مالدار ہوں مگر اولاد نہیں۔ مجھے کوئی چیز بتلا دیں شاید اللہ تعالیٰ مجھے بیٹا دے دیں۔ اس پر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا استغفار کو لازم پکڑو۔ چنانچہ وہ کثرت سے استغفار کرنے لگا۔ یہاں تک کہ ایک دن میں سات سات سو مرتبہ وہ استغفار کر ڈالتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو دس بیٹے عنایت فرمائے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہنچی تو انہوں نے کہا تم نے ان سے دریافت کیوں نہ کرلیا۔ جنہوں نے یہ بتلایا؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ دوسری مرتبہ تشریف لائے تو اس آدمی نے سوال کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کیا تم نے ہود علیہ السلام کا قول نہیں سنا ویزدکم قوۃ الی قوتکم اور نوح علیہ السلام کا قول و یمددکم باموال و بنین [نوح: ۱۲] وَلَا تَتَوَلَّوْا (اور تم منہ نہ موڑو) اعراض نہ کرو اس سے جس کی طرف میں بلاتا ہوں مُجْرِمِيْنَ (مجرم بن کر) اپنے جرائم اور گناہوں پر اصرار کرنے والے نہ بنو۔

۵۳: قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ (انہوں نے کہا اے ہود تو ہمارے لئے کوئی دلیل لے کر نہیں آیا) یہ کذب و جحود کی وجہ سے انہوں نے کہا جیسا کہ قریش مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو کہا اور لولا انزل علیہ ایۃ من ربہ [الرعد: ۷] ان آیات کو فوت کرنے کی وجہ سے (جو ہم مطالبہ کرتے ہیں) وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ (ہم تیری بات سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں) یہ تارکی آلہتنا کی ضمیر سے حال ہے۔ گویا تقدیر عبارت یہ ہے وما نترک الھتنا صادرین عن قولک۔ ہم اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اس حال میں کہ تیری بات سے واپس لوٹنے والے ہیں۔ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ (اور نہ ہی ہم تجھ پر ایمان لانے والے ہیں) ہمارے لئے یہ درست نہیں کہ تیرے جیسے آدمی کی تصدیق کریں اس بات میں جس کی طرف وہ دعوت دیتا ہے۔ اس سے مقصود آپ کو ایمان سے ناامید کرنا ہے۔

۵۴: اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ (ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تمہیں ہمارے بعض معبودوں کی مار پڑی ہے) اِنْ حرف نفی ہے ایک بات کے سوا ہر بات کی نفی کی اور وہ اعتراك محکی بعض الھتنا بسوء سوء سے جنون و بدحواسی مراد ہے تقدیر عبارت یہ ہے ما نقول قولا الا ھذہ المقالۃ ہم تو صرف یہ بات کہتے ہیں کہ ہمارے معبودوں نے تمہیں برائی سے پکڑ لیا ہے۔ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ (کہا بیشک میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ ہو جاؤ کہ میں ان سے بیزار ہوں جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو)

۵۵: مِنْ دُوْنِهٖ (اس کے سوا) تمہارے اس کے ساتھ الہ کو شریک ٹھہرانے سے۔ مطلب یہ ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں تمہارے معبودوں سے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو بری ہوں اور تم گواہ ہو جاؤ کہ میں ان سے بری ہوں اور شہادت کو لفظ امر سے ذکر کیا جس طرح وہ آدمی کہتا ہے جسکے درمیان ناراضگی ہو جائے۔ مجھے تم سے محبت نہیں اپنی تذلیل اور شرمندہ کرنے کیلئے۔

إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ ۚ مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۚ إِنَّ رَبِّي

بیشک میں نے اللہ پر بھروسہ کیا جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں ہے جس کی پیشانی اس کی گرفت میں نہ ہو۔ بیشک میرا رب

عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٥٦﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ

صراط مستقیم پر ہے۔ سو اگر تم روگردانی کرو تو میں سب کچھ پہنچا چکا ہوں جو پیغام دے کر مجھے تمہاری طرف بھیجا گیا ہے اور میرا رب تمہارے سوا

رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿٥٧﴾ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا

کسی دوسری قوم کو تمہارے قائم مقام کر دے گا اور تم اسے کچھ بھی ضرر نہ پہنچا سکو گے۔ بیشک میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔ اور جب ہمارا حکم آ پہنچا

نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَنَجَّيْنَاهُمْ مِنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ

تو ہم نے اپنی رحمت سے ہود کو اور ان لوگوں کو نجات دے دی جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اور ہم نے انہیں سخت عذاب سے نجات دے دی۔ اور یہ تھے

عَادٌ ۖ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٥٩﴾ وَأُتْبِعُوا فِي

قوم عاد کے لوگ جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش ضدی کی بات کا اتباع کیا۔ اور اس دنیا میں ان کے

هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِعَادٍ قَوْمِ هُودٍ ﴿٦٠﴾

پیچھے لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی۔ خبردار! بلاشبہ قوم عاد نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا۔ خبردار عاد کے لئے دوری ہے جو ہود کی قوم ہے۔

قوم کو چیلنج:

فَكِيدُونِي جَمِيعًا (پس تم تمام میرے خلاف تدبیر کر لو) تم اور تمہارے معبود ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ (پھر تم مجھے مہلت بھی نہ دو) نہ مہلت دو۔ مجھے تمہاری اور تمہاری تدبیر کی کوئی پرواہ نہیں اور نہ ہی تمہارے نہ چھوڑنے کا خطرہ ہے خواہ تم میرے خلاف ایک دوسرے سے تعاون کرو۔ تمہارے معبود مجھے کیسے نقصان دے سکتے ہیں۔ جبکہ وہ جماد ہیں نہ نقصان دے سکتے ہیں نہ نفع اور کس طرح وہ مجھ سے انتقام لے سکتے ہیں جبکہ میں ان کے متعلق یہ باتیں مخالفت میں کہہ رہا ہوں اور ان کی عبادت سے ہٹا اور روکا ہوا ہوں کہ وہ مجھے اقتدار پاگل کر دیں۔ یا عقل دور کر دیں۔

۵۶: إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا (بیشک میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا جو میرا اور تمہارا رب ہے کوئی جاندار ایسا نہیں مگر وہ اس کی پیشانی کے بالوں سے پکڑنے والا ہے) اس کا مالک ہے جب ہود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ پر اپنے توکل اور اس کی حفاظت پر یقین اور ان کے مکر سے حفاظت کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات کا ذکر لائے جو اس کی

ذات پر توکل کو لازم کرتا ہے جیسے اسکی ربوبیت جو اس پر اور ان کو شامل ہے اور ہر جاندار پر اسکا قبضہ اور ملک اور اسکی قوت قاہرہ اور سلطانی کے سامنے ہر ایک کی مغلوبیت الاخذ بالناصیۃ در حقیقت ایک تمثیل ہے۔ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (بیشک میرا رب سیدھی راہ پر ہے) میرا رب حق پر ہے اس سے عدول نہیں کرتا۔ یا میرا رب صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

۵۷: فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ (اگر تم پھرو تو وہ پیغام پہنچا چکا جو میں تمہاری طرف دیکر بھیجا گیا ہوں) وہ اس حیثیت میں ہے کہ جس سے تم پر حجت قائم ہو گئی وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ (اور میرا رب تمہارے علاوہ دوسری قوم کو تمہارا نائب بنا دے گا) یہ جملہ مستانفہ ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہلاک کر دے گا اور دوسری قوم کو لے آئے گا جو تمہارے شہروں میں تمہاری جگہ ہونگے اور تمہارے اموال میں بھی۔ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ (تم اس کو نقصان نہ پہنچا سکو گے) تمہارے اعراض کر دینے کی وجہ سے شَيْئًا (ذرہ بھر) بالکل ذرا سا نقصان اس لئے کہ مضار اس کو پہنچایا جانا ممکن نہیں۔ بلکہ تم اپنے آپ کو نقصان پہنچاؤ گے۔

اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ (بیشک میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے) رقیب و نگہبان ہے۔ تمہارے اعمال اس سے مخفی نہیں رہ سکتے اور وہ تمہارے مواخذہ سے بے خبر نہیں۔ یا جو ذات تمام چیزوں پر نگران ہو وہ ان کا محافظ ہوتا ہے اور تمام چیزیں نقصان سے بچنے کیلئے اسکی حفاظت کی محتاج ہوتی ہیں تم جیسے اسکی ذات کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

عذاب کی آمد اور ایمان والوں کی نجات:

۵۸: وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ (جب ہمارا عذاب والا حکم آ گیا تو ہم نے ہود (علیہ السلام) اور وہ لوگ جو ان پر ایمان لائے تھے نجات دی) ان کی تعداد چار ہزار تھی۔ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا (اپنی مہربانی سے) نہ کہ ان کے عمل کے سبب یا نمبر۲: ایمان کے ذریعہ ہم نے ان پر انعام کیا وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ (ہم نے ان کو سخت عذاب سے نجات دی) کلمہ نجا کو دوبارہ تاکید کیلئے لائے۔ نمبر۲: آخرت کے عذاب سے اور آخرت کے عذاب سے زیادہ کوئی عذاب سخت نہیں۔

۵۹: وَتِلْكَ عَادٌ (یہ قوم عاد) ان کی قبور و آثار کی طرف اشارہ فرمایا گیا گویا کہ یوں فرمایا کہ زمین میں چلو اور ان کی طرف عبرت کی نگاہ سے دیکھو۔ پھر ان کے حالات کے بیان کو دہرایا اور فرمایا جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ (انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی) کیونکہ جب انہوں نے اپنی طرف مبعوث رسول کی نافرمانی کی تو گویا تمام رسل اللہ کی نافرمانی کر دی۔ ارشاد الٰہی ہے لا نفرق بین احد من رسلہ [البقرہ:۲۸۵] وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ (ہر ظالم سرکش کے حکم کی اتباع کی) مراد اس سے رؤساء اور تکذیب رسل کی طرف بلانے والے داعی ہیں کیونکہ یہی لوگ تو لوگوں کو ہلاکت کے کاموں پر ظلم سے مجبور کرنے اور اپنے رب سے عناد رکھنے والے ہیں۔ اتباع امر سے ان کی اطاعت مراد ہے۔

۶۰: وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ (اور ان کے پیچھے اس دنیا کی زندگی میں لعنت اور قیامت کے دن لعنت لگا دی گئی) جب وہ رسولوں کے علاوہ دوسروں کی اطاعت کرنے والے تھے تو لعنت کو دونوں جہانوں میں ان کا تابع بنا دیا۔ آگاہ

اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ (خبردار عاد نے اپنے رب کا انکار کیا خبردار دوری ہو قوم عاد کیلئے) اَلَا کو دو مرتبہ لائے تاکہ ان کے معاملے کی خوفناکی ظاہر ہو نیز ان کے کفر کا اعلان اور ان کے متعلق بددعا ان سے عبرت حاصل کرنے پر آمادہ کیا گیا اور ان کی حالت سے بچنے پر آمادہ کیا گیا۔ ہلاکت کے بعد ان کی دوری کی بددعا کی گئی حالانکہ یہ تو دعائے ہلاکت ہے۔ اس پر دلالت یہ ہے کہ وہ اس کے مستحق و اہل تھے۔

قَوْمِ هُوْدٍ (ہود کی قوم) یہ عاد کا عطف بیان ہے۔ اس میں ایک اور فائدہ پیش نظر ہے کیونکہ قوم عاد دو ہیں۔ عاد اولیٰ۔ قدیم عاد یہ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم ہے۔ اور یہ انہی کا واقعہ ہے۔ نمبر۲ عاد ارم اس کو عاد ثانیہ کہتے ہیں۔ آئندہ آیات انہی کے واقعہ سے متعلق ہیں)۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ هُوَ

اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اسی نے

أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي

تمہیں زمین سے پیدا فرمایا اور تمہیں اس میں آباد فرمایا سو تم اس سے مغفرت طلب کرو پھر اس کے حضور میں توبہ کرو۔ بیشک میرا رب

قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ﴿٦١﴾ قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا ۖ أَتَنْهَانَا أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ

قریب ہے قبول کرنے والا ہے۔ وہ کہنے لگے اے صالح! اس سے پہلے ہم تم سے بڑی امیدیں وابستہ کیے ہوئے تھے کیا تم ہمیں ان چیزوں کی عبادت کرنے سے روکتے ہو جن کی عبادت

آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ﴿٦٢﴾ قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ

ہمارے باپ دادا کرتے تھے اور بلاشبہ جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہم اس کی طرف سے بڑے شک میں ہیں جو تردد میں ڈالنے والا ہے۔ صالح نے کہا اے میری قوم بتاؤ اگر میں اپنے

بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَآتَانِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَن يَنصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُ ۖ فَمَا

رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی ہے سو اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو اللہ کے مقابلہ میں کون میری مدد کرے گا سو تم

تَزِيدُونَنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ ﴿٦٣﴾ وَيَا قَوْمِ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ

میرے لئے نقصان ہی کو بڑھا رہے ہو۔ اور اے میری قوم یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لئے نشانی ہے سو تم اسے چھوڑے رکھو اللہ کی زمین میں کھاتی

اللَّهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ ﴿٦٤﴾ فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي

پھرے اور اسے برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا ورنہ تمہیں جلد آنے والا عذاب پکڑ لے گا۔ سو انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر صالح نے کہا کہ تم اپنے

دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۖ ذَٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ ﴿٦٥﴾ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا وَالَّذِينَ

گھروں میں تین دن اور گزار لو یہ ایسا وعدہ ہے جو جھوٹا ہونے والا نہیں ہے۔ پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے صالح کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے

آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿٦٦﴾ وَأَخَذَ

اپنی رحمت سے نجات دے دی اور اس دن کی رسوائی سے نجات دی۔ بیشک تیرا رب قوت والا ہے اور زبردست ہے۔ اور جن لوگوں نے

الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٦٧﴾ كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَا إِنَّ

ظلم کیا تھا انہیں چیخ نے پکڑ لیا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے رہ گئے جیسا کہ ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے خبردار

ثَمُودَ كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ ﴿٦٨﴾

قوم ثمود نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا خبردار ثمود کے لئے دوری ہے۔

قومِ ثمود اور صالح علیہ السلام:

۶۱: وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ھُوَ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ (اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح علیہ السلام کو بھیجا انہوں نے کہا اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا) نہیں پیدا کیا اس زمین سے مگر اسی نے اَنْشَاَ سے مراد آدم علیہ السلام کی مٹی سے تخلیق کی طرف اشارہ ہے۔ پھر آدم علیہ السلام کی نسل سے ان کو پیدا کیا۔ وَاسْتَعْمَرَکُمْ فِیْھَا (اور تمہیں زمین میں آباد کیا) یعنی زمین کو آباد کرنے والا بنایا اور تمہارے ذریعہ اس کو آباد کروایا۔ یا نمبر ۲۔ استعمر یہ عمر سے لیا گیا تمہیں طویل عمریں عنایت کیں۔ ان کی عمریں تین سو سے ایک ہزار سال تک ہوتی تھیں وہ قوم کے بادشاہ تھے انہوں نے بہت نہریں نکالیں درخت بوئے اور طویل عمریں گزاریں مگر اس کے ساتھ ساتھ ان میں ظلم پایا جاتا تھا۔ ان کے زمانہ کے ایک پیغمبر (علیہ السلام) نے ان کی عمر کی وجہ دریافت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ انہوں نے میرے ملکوں کو آباد کیا پس میرے بندے انہیں زندگی گزار رہے ہیں۔ فَاسْتَغْفِرُوْہُ (پس اسی سے معافی طلب کرو) ایمان لا کر اس کی بخشش طلب کرو ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْہِ اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ (پھر اسی کی طرف رجوع کرو بیشک میرا رب قریب ہے) قریب رحمت والا ہے مُّجِیْبٌ (جواب دینے والا ہے) جو اس کو پکارے۔

۶۲: قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ کُنْتَ فِیْنَا (کہنے لگے اے صالح تو ہم میں ہونہار معلوم ہوتا تھا) ہمارے درمیان مَرْجُوًّا قَبْلَ ھٰذَآ (تم پر امیدیں تھیں) نمبر ۱۔ سرداری اور معاملات میں مشورہ کی یا نمبر ۲۔ ہم امید کرتے تھے کہ تو ہمارے دین میں داخل ہو جائے گا اور اس میں ہماری موافقت کرے گا۔

اَتَنْھٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا (کیا تم منع کرتے ہو ان معبودوں کی پوجا سے جن کی پوجا ہمارے آباؤ اجداد کرتے تھے) یہ ماضی کی حکایت حال ہے۔ وَاِنَّنَا لَفِیْ شَکٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْہِ (اور ہمیں قطعی طور پر شک ہے اس میں جس کی طرف تم ہمیں دعوت دیتے ہو) یعنی توحید باری تعالیٰ مُرِیْبٍ (تردد میں ڈالنے والا) شک میں ڈالنے والا یہ اَرَابَ سے لیا گیا جس کا معنی شک میں مبتلا کرتا ہے۔ ریب اضطراب نفس کو کہتے ہیں جس میں طمانیت اٹھ جائے۔

۶۳: قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰنِیْ مِنْہُ رَحْمَةً (آپ نے فرمایا اے میری قوم اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلائل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی خاص رحمت سے نوازا ہے) رحمت سے یہاں نبوت مراد ہے۔ اِنْ جو شک کا لفظ ہے اس سے ذکر کیا حالانکہ یقینی طور پر دلائل پر تھے۔

خلاصہ: آپ شدید منکرین کو خطاب فرماتے ہیں گویا اس طرح فرمایا فرض کرو کہ میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور واقعتاً میں نبی برحق ہوں تو غور کرو اگر اس صورت میں میں تمہاری اتباع کروں اور اپنے رب کے حکموں کی نافرمانی کروں تو فَمَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰہِ (تو کون میری مدد کرے گا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے) پھر مجھے کون بچائے گا اِنْ عَصَیْتُہٗ (اگر میں اس کی نافرمانی کروں) تبلیغ رسالت کے سلسلہ میں اور بتوں کی عبادت سے تمہیں منع کرنے میں) فَمَا تَزِیْدُوْنَنِیْ (پس تم مجھ کو نہ بڑھاؤ گے) اپنی اس بات سے کہ اتنھانا ان نعبد ما یعبد اٰباؤنا۔ غَیْرَ تَخْسِیْرٍ (سوائے نقصان کے اور کوئی چیز) کہ میری

نسبت خسارے کی طرف کرتے ہو یا میں تمہاری نسبت خسارے کی طرف کروں۔

اونٹنی کا معجزہ:

۶۴: وَيٰقَوۡمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمۡ اٰيَةً (اے میری قوم یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لئے ایک معجزہ ہے)

نحو: اٰيَةً یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اس میں معنی فعل عامل ہے اسم اشارہ اس پر دلالت کر رہا ہے۔ لکم یہ آیۃ حال مقدم کے متعلق ہے اگر اس کو مؤخر کر دیتے تو صفت بن جاتا جب مقدم کیا تو حال کی وجہ سے منصوب ہو گیا۔ فَذَرُوۡهَا تَاۡكُلۡ فِيۡۤ اَرۡضِ اللّٰهِ (اس کو چھوڑ دو (گھومتی پھرتی) اللہ تعالیٰ کی زمین میں چرتی پھرے) تمہارے ذمہ اس کے لئے چارہ نہیں باوجود کہ تمہارا اس میں فائدہ ہے۔ وَلَا تَمَسُّوۡهَا بِسُوۡٓءٍ (اس کو برائی سے ہاتھ مت لگاؤ) ذبح کرنا یا کونچیں کاٹنا۔ فَيَاۡخُذَكُمۡ عَذَابٌ قَرِيۡبٌ (تمہیں فوری عذاب آ پکڑے گا) قریب کا معنی جلد ملنے والا۔

۶۵: فَعَقَرُوۡهَا (پس انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں) بدھ کے دن فَقَالَ (پس صالح علیہ السلام نے کہا) تَمَتَّعُوۡا (زندگی سے نفع اٹھاؤ) فِيۡ دَارِكُمۡ (اپنے گھروں میں) شہروں میں بلد کو دار فرمایا کیونکہ اس میں گھوما آیا جایا جاتا ہے یعنی اپنی مرضی سے تصرف کیا جاتا ہے۔ یا دنیا کے گھروں میں ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ (تین دن) پھر تمہیں ہلاک کر دیا جائے گا پس وہ ہفتے والے دن ہلاک ہوئے۔ ذٰلِكَ وَعۡدٌ غَيۡرُ مَكۡذُوۡبٍ (یہ ایسا وعدہ ہے جس میں جھوٹ نہیں) اس میں جھوٹ تھا حرف حذف کر کے ظرف میں وسعت پیدا کر دی اور مفعول بہ کے قائم مقام۔ یا وعدہ جھوٹا ہونا نہیں اس طرح کہ مکذوب مصدر ہے جیسا معقول۔

۶۶: فَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا (جب ہمارا حکم آیا) عذاب والا یا ہمارا عذاب آیا نَجَّيۡنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا (ہم نے بچایا صالح (علیہ السلام) اور ان لوگوں کو جو ان پر ایمان لائے اپنی مہربانی سے) شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ جن کو نجات ملی وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ملی نہ کہ اپنے عمل سے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لا يدخل احد الجنة الا برحمة الله۔ کوئی آدمی جنت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر داخل نہ ہوگا۔ وَمِنۡ خِزۡىِ يَوۡمِئِذٍ (اور اس دن کی رسوائی سے) اس رسوائی کی نسبت یوم کی طرف کی اور یوم اضافت سے مجرور ہے)

قراءت: مدنی و علی نے یوم کو فتحہ سے پڑھا ہے۔ کیونکہ یہ اذ کی طرف مضاف ہے اور وہ مبنی ہے ظرف زمان کی اضافت جب اسمائے مبہمہ کی طرف اور افعال ماضیہ کی طرف کر دی جائے تو مبنی بن جاتے ہیں اور مضاف الیہ سے بنا حاصل کر لیتے ہیں۔ جیسا نابغہ کا شعر۔ على حين عاتبت المشيب على الصبا واذا ظرف ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے ونجيناهم من خزي يومئذ یعنی ذلت و رسوائی سے بچایا اور اس سے بڑی رسوائی اور کیا ہوگی کہ غضب الٰہی کا شکار بن جائے اور انتقام خداوندی کا نشانہ بنے۔ یومئذ سے قیامت کا دن بھی مراد ہو سکتا ہے جیسا کہ عذاب غلیظ کی تفسیر عذاب آخرت سے کی گئی۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الۡقَوِىُّ (بے شک آپ کا رب ہی طاقت ور ہے) اپنے اولیاء کو نجات دینے کی قدرت رکھتا ہے۔ الۡعَزِيۡزُ (زبردست ہے) اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنے میں غلبہ پانے والا ہے۔

قوم ثمود کی چیخ سے ہلاکت:

۶۷: وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ (اور ظالموں کو چیخ نے آلیا) جبرئیل علیہ السلام کی چیخ فَاَصْبَحُوْا فِىْ دِيَارِهِمْ (وہ صبح کے وقت اپنے گھروں میں) اپنے منازل میں ہی جٰثِمِيْنَ (اوندھے منہ) مردہ ہو گئے مر مرے رہ گئے۔

۶۸: كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا (گویا گھروں میں رہے ہی نہ تھے) ان میں اقامت ہی اختیار نہ کی۔ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ (خبردار! قوم ثمود نے اپنے رب کی نافرمانی اختیار کی)

قراءت: حمزہ حفص نے ثمود بغیر الف پڑھا ہے۔ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ (خوب سن لو قوم ثمود کیلئے دوری ہے)۔

قراءت: علی نے لثمودٍ پڑھا ہے۔ ثمود کو منصرف قبیلہ کی طرف نسبت کرنے یا جد کی طرف نسبت سے پڑھا گیا ہے اور غیر منصرف خاندان کی نسبت ماننے کی وجہ سے ہے۔

قَالَ سَلٰمٌ (آپ نے کہا تم پر سلام ہو) تمہارا کام بھی یہی ہے۔

قراءت: حمزہ وعلی نے سِلْمٌ پڑھا معنی اس کا بھی سلام ہے۔ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ (وہ زیادہ دیر نہ ٹھہرے کہ ان کے پاس بچھڑا لائے) لانے میں دیر نہ کی بلکہ جلدی کی یا ان کی آمد پر دیر نہ کی۔ العجل بچھڑا۔ ابراہیم علیہ السلام کا مال گائیں تھیں۔ حَنِیْذٍ (بھنا ہوا)۔ گرم پتھروں کے ذریعہ بھنا ہوا۔

۷۰: فَلَمَّا رَاٰۤ اَیْدِیَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْهِ نَكِرَهُمْ (جب دیکھا ان کے ہاتھوں کو کہ وہ نہیں پہنچ رہے کھانے تک تو اوپرا محسوس کیا ان کو)

نکروانکر کا معنی نا گوار ہونا۔ ان کی عادت یہ تھی کہ جب کوئی مہمان ان کا کھانا چکھ لیتا تو اس سے مطمئن ہو جاتے ورنہ خطرہ محسوس کرتے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے محسوس کیا کہ وہ ملائکہ ہیں اور اوپرا اس لئے محسوس کیا کیونکہ ان کو خطرہ ہوا کہ ان کا نزول کسی ایسے معاملے کی وجہ سے ہوا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ناپسند کیا ہے۔ یا میری قوم کو عذاب دینے کیلئے آئے ہیں۔ ان کا یہ قول ہے وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً ان کے متعلق خوف دل میں چھپایا۔ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ (انہوں نے کہا تو ڈرو نہیں بیشک ہم تو قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں) عذاب دینے کیلئے اور یہ ان کو کہا جاتا ہے جن کو پہچان تو لیا جائے مگر ان کے آنے کا مقصد معلوم نہ ہو۔ فرشتوں نے لاتخف کہا کیونکہ خوف کے آثار اور تغیر ان کے چہرے پر محسوس کیا۔

۷۱: وَامْرَاَتُهٗ قَآىِٕمَةٌ (ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کھڑی ہوئی تھی) پردے کے پیچھے جہاں تک گفتگو سن رہی تھی یا ان کے سروں پر کھڑی خدمت کر رہی تھی۔ فَضَحِكَتْ (پس وہ ہنس دی) زوال خوف پر خوش ہو کر یا اہل خباثت کی ہلاکت پر یا قرب عذاب کے باوجود قوم لوط کی غفلت پر یا اس کو اسی وقت حیض آ گیا (جیسا ضحکت الارنب۔ خرگوش کو حیض آ گیا)

بشارت اسحٰق و یعقوب:

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ (ہم نے ان کو اسحاق کی خوشخبری دی) سارہ کو بشارت کے ساتھ خاص اس لئے کیا کیونکہ عورتیں لڑکے کی بشارت پر بہت خوش ہوتی ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ ان کے ہاں لڑکا نہ تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کا دوسرا لڑکا اسماعیل دوسری بیوی سے تھا۔ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ (اور اسحاق کے بعد یعقوب کی)

قراءت: یعقوب منصوب شامی، حمزہ، حفص نے فعل مضمر کی وجہ سے پڑھا جس پر دلالت موجود ہے۔ فبشرنٰھا باسحاق ای فبشرناھا باسحاق ووھبنا لھا یعقوب من وراء اسحاق ہم نے اس کو اسحاق کی خوشخبری دی اور یعقوب عنایت کیا اسحاق کے بعد۔ دوسرے قراء نے ابتداء کی وجہ سے مرفوع پڑھا ہے۔ اور ظرف من وراء جو اس سے پہلے ہے اس کو خبر مانا ہے۔ جیسا کہتے ہیں فی الدار زید۔

۷۲: قَالَتْ یٰوَیْلَتٰۤى (اس نے کہا کیا خوب بھلا) الف یا اضافت سے تبدیل ہو کر بنی ہے۔

قراءت: حسن نے یٰوَیْلَتِیْ اصل پر یا کو پڑھا ہے۔ ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ (کیا میں جنوں گی بوڑھیا ہو کر) ان کی عمر نوے سال تھی۔ وَّهٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا (اور یہ میرے خاوند بوڑھے ہیں) ان کی عمر ۱۲۰ سال تھی۔

نحو: ھذا مبتدا اور بعلی اس کی خبر ہے۔ شیخا حال ہے۔ اس میں عامل معنی اشارہ ہے۔ جس پر ذا دلالت کر رہا ہے۔ یا التنبیہ کا معنی

حال ہے جس پر ھذا دلالت کرتا ہے۔ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ (بیشک یہ عجیب بات ہے) کہ دو بوڑھوں سے اولاد ہو۔ یہ
عادت کے لحاظ سے استبعاد کا اظہار ہے۔

تعجب کا جواب:

۷۳: قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ (انہوں نے کہا کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ تعالیٰ کے حکم سے) امر سے حکمت وقدرت مراد
ہے فرشتوں نے سارہ کے تعجب کو عجیب خیال کیا۔ کیونکہ وہ ایسے گھر میں تھیں جس میں آیات قدرت اور معجزات ظاہر ہوتے رہتے
تھے۔ خارق عادت امور کا وہ مہبط تھا۔ پس ان کو مناسب تھا کہ وہ توقیر کرتیں اور اس میں دیگر عورتوں کی طرح اظہار تعجب نہ کرتیں
جو کہ بیت نبوت میں نہیں رہتیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تمجید کرتیں بجائے اس کے تعجب کرنے لگیں۔ اسی طرف فرشتوں نے یہ کہہ کر
اشارہ کیا۔ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ (اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں تم پر اے گھر والو!) ان کا مقصد یہ تھا کہ یہ
اور اسکی نوازشات ایسی چیزیں ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ تمہیں معزز فرماتے رہتے ہیں۔ اور اس کا انعام کرنے میں اے اہل بیت
نبوت تمہیں خاص کرتے ہیں پس یہ تعجب کا مقام نہیں۔ یہ جملہ مستانفہ جو انکار تعجب کا سبب بیان کر رہا ہے۔ گویا اس طرح کہا گیا
ایاك والتعجب فان امثال هذه الرحمة والبركة متكاثرة من الله عليكم تو اپنے آپ کو تعجب سے محفوظ کرو۔ اس
رحمت و برکت کی مثالیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت زیادہ ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ رحمت سے نبوت اور البرکات سے اسباط بنی
اسرائیل مراد ہیں۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام ان میں سے ہوئے اور تمام اولاد ابراہیم علیہ السلام سے تھے اور اهل البیت نداء کی وجہ
سے منصوب ہے یا اَعنی تخصیص مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ (بیشک وہ تعریفوں والا ہے) تعریف کیا ہوا شان والا
جلد انعامات کی وجہ سے مَّجِيْدٌ (مستحق ستائش ہے) ظاہری کرم والا ہے جلد انعام کے سبب۔

۷۴: فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ (جب ابراہیم علیہ السلام کے دل سے خوف جاتا رہا اور گھبراہٹ دور ہوگئی) الروع وہ
گھبراہٹ جو اس خوف کی وجہ سے پیدا ہوئی جب مہمانوں کو اوپرا خیال کیا۔ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى (اور خوشخبری ان کے پاس
آگئی) لڑکے کی يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ (وہ قوم لوط کے متعلق ہم سے جھگڑنے لگے) جب انکا دل مطمئن ہوگیا اور خوف رفع
ہوگیا اور بشارت کی وجہ سے دل خوشی سے لبریز ہوگیا تو مجادلہ کیلئے فارغ ہوگئے۔

نحو: لَمَّا کا جواب محذوف ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے اقبل يجادلنا۔ لگے ہم سے جھگڑنے یا خود يجادلنا، لما کا جواب ہے۔
حکایت حال کیلئے مضارع لایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہوگا وہ ہمارے قاصدوں سے جھگڑنے لگے۔ ان کا مجادلہ ان سے اس بات میں
تھا کہ انہوں نے کہا انا مهلكوا اهل هذه القرية ہم ان بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا
کیا خیال ہے تمہارا اگر اس میں پچاس ایمان والے ہوں تو تب بھی ہلاک کرو گے انہوں نے جواب میں کہا نہیں ابراہیم نے کہا
چالیس۔ انہوں نے کہا نہیں ابراہیم نے کہا تیس۔ انہوں نے نفی میں جواب دیا۔ یہاں تک کہ دس تک پہنچے تو انہوں نے نفی میں
جواب دیا۔ اس وقت ابراہیم کہنے لگے۔ قال ان فيها لوطا قالوا نحن اعلم بمن فيها لننجينه واهله [العنکبوت: ۳۲]

۷۵: اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ (بیشک ابراہیم بڑے حلیم الطبع) جو سوءِ ادب سے پیش آتا اس کے ساتھ جلد بازی کرنے والے نہ تھے

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ ﴿۷۷﴾

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان کی وجہ سے رنجیدہ ہوئے اور ان کی وجہ سے تنگدل ہوئے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بڑا مصیبت کا دن ہے

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ یُهْرَعُوْنَ اِلَیْهِ ۭ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ۭ قَالَ یٰقَوْمِ

اور ان کی قوم کے لوگ ان کے پاس جلدی جلدی دوڑتے ہوئے آ گئے اور وہ پہلے سے برے کام کیا کرتے تھے لوط نے کہا اے میری قوم

هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ ۭ اَلَیْسَ مِنْكُمْ

یہ میری بیٹیاں ہیں وہ تمہارے لئے پاکیزہ ہیں سو تم اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں میں رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی

رَجُلٌ رَّشِیْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ

بھلا مانس نہیں ہے۔ کہنے لگے کہ تمہیں تو معلوم ہے کہ ہمیں تمہاری بیٹیوں سے کوئی سروکار نہیں ہے اور تم تو جانتے ہو

مَا نُرِیْدُ ﴿۷۹﴾ قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ ﴿۸۰﴾

ہمارا کیا مطلب ہے۔ لوط نے کہا کاش میرا تم پر زور چلتا ہوتا یا میں کسی مضبوط پائے کی پناہ لے لیتا۔

با ایذا کو بہت برداشت کرنے والے تھے۔ نافرمانوں کو بہت معاف کرنے والے تھے۔ اَوَّاهٌ (رحیم الفواد) اللہ تعالیٰ کے خوف سے بہت آہ بھرنے والے تھے۔ مُّنِیْبٌ (رجوع کرنے والے) توبہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے یہ تمام صفات رقت قلبی پر دلالت کرتی ہیں۔ اور رافت و رحمت کا منبع ہیں۔

حاصل: اس سے یہ واضح ہوا کہ یہ وہ صفات تھیں جنہوں نے ان کو مجادلہ پر آمادہ کیا اس امید سے کہ ان سے عذاب کو اٹھا لیا جائے۔ اور ان کو مہلت مل جائے کہ شاید وہ تائب ہو جائیں۔ جیسا کہ اسی چیز نے ان کو باپ کیلئے استغفار پر آمادہ کیا۔ فرشتوں نے یہ کہا:

۷۶: یٰٓاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا (اے ابراہیم اس بات کو چھوڑیے) یعنی یہ جھگڑا اگرچہ مہربانی آپ کی عادت و طبیعت ہے۔ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ (بیشک تیرے رب کا فیصلہ آ چکا) اس کا فیصلہ اور حکم وَاِنَّهُمْ اٰتِیْهِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ (بیشک ان پر ایک عذاب آنے والا ہے جو لوٹایا نہیں جا سکتا) جھگڑے سے لوٹایا نہ جا سکے گا۔ عذابٌ یہ اسم فاعل کی وجہ سے مرفوع ہے۔ اور وہ اٰتِیْهِمْ ہے تقدیر عبارت یہ ہے وانهم یاتیهم بیشک وہ عذاب ان پر آئے گا۔

لوط علیہ السلام اور فرشتے:

۷۷: پھر وہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے نکل کر قوم لوط کی طرف متوجہ ہوئے ابراہیم علیہ السلام اور قوم لوط کے درمیان چار فرسخ

قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ

فرشتوں نے کہا اے لوط ہم تمہارے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ ہرگز تم تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ سو تم رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جاؤ

وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ۭ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ۭ اِنَّ

اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے پھر کر نہ دیکھے مگر ہاں تمہاری بیوی کہ اس کو بھی وہی عذاب پہنچنے والا ہے جو اور لوگوں کو پہنچے گا۔ بیشک

مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۭ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿٨١﴾ فَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا

ان کے وعدہ کا وقت ان کے عذاب کے لئے مقرر ہے کیا صبح کا وقت قریب نہیں ہے۔ سو جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے اس زمین کے اوپر کے تختے کو

سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿٨٢﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ

نیچے کر دیا اور ہم نے اس زمین پر کنکر کے پتھر برسانے شروع کئے جو لگاتار گر رہے تھے جن پر آپ کے رب کے پاس سے نشان بھی لگے

رَبِّكَ ۭ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿٨٣﴾

ہوئے تھے ۔۔۔ اور یہ بستیاں ان ظالموں سے دور نہیں۔

تَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ (اور تم ہماری مراد جانتے ہو) مراد انہوں نے مذکروں سے بدفعلی لی۔ عورتوں میں ان کیلئے کوئی شہوت نہ تھی۔

۸۰: قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ (کہا اگر میرے اندر تمہیں دفع کرنے کی قوت ہوتی (تو تمہیں دفع کر دیتا) یا میں مضبوط رکن کی طرف سہارا لیتا) لو کا جواب محذوف ہے۔ یعنی تو میں ایسا کر گزرتا اور ضرور کرتا۔ مطلب یہ ہے اگر میں ذاتی طور پر تمہارے خلاف طاقت پاتا یا ایسے مضبوط کی پناہ لیتا جس سے میں اپنی پشت کو سہارا دیتا اور اس کے ذریعے تمہیں روکتا۔ وہ اپنے دست و بازو کے ساتھ تم سے حفاظت کرتا۔ قوت و زبردست کو پہاڑ کے ستون سے مضبوطی میں تشبیہ دی اور حفاظت میں مشابہت دی۔

۸۱: روایت میں ہے کہ جب وہ مہمان آئے تو آپ نے دروازہ بند کر لیا اور ان کو ہٹانے کی کوشش کرنے لگے۔ جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ان سے جھگڑ رہے تھے کہ وہ دیوار پھاند کر اندر آ گئے۔ جب ملائکہ نے لوط علیہ السلام کی تکلیف دیکھی تو انہوں نے کہا یٰلُوْطُ (کہا اے لوط) بلاشبہ تمہارا ستون تو بڑا مضبوط ہے۔ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ (بیشک ہم تیرے رب کے قاصد ہیں) لہٰذا دروازہ کھول دیں اور ان سے ہم نپٹ لیں گے۔ آپ نے دروازہ کھولا جب وہ داخل ہوئے۔ جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ان کی سزا کی اجازت چاہی اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی۔ آپ نے اپنا پر ان کے چہروں پر مارا جس سے ان کی آنکھوں کا نشان مٹ گیا۔ اور وہ اندھے ہو گئے جیسا فرمایا فطمسنا اعینہم [القمر: ۳۷] اب ان کو بھاگنے کا راستہ نظر نہ آتا تھا۔ یہ کہتے ہوئے نکلے کہ بچاؤ بچاؤ لوط کے گھر میں جادوگر ہیں۔ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ (وہ ہرگز آپ تک نہیں پہنچ سکتے)۔

نحو: یہ جملہ موضحہ ہے جو اوّل کی وضاحت کر رہا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے قاصد ہیں اس لئے یہ ہرگز آپ تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور نہ آپ کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

ہدایات برائے عذاب:

فَاَسْرِ (پس تم رات کو لے چلو)

قراءت: حجازی نے وصل کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ سری سے ہے۔ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ (اپنے اہل کے ساتھ رات کے حصہ میں) کچھ رات گزرتے یا نصف رات ہونے پر۔ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ (اور تم میں سے کوئی مڑ کر نہ دیکھے) پیچھے کی طرف پلٹ کر۔ یا نمبر۲۔ وہ اس چیز کی طرف نہ دیکھے جو اس کے پیچھے ہے۔ نمبر۳۔ تم میں سے کوئی پیچھے نہ رہے۔ اِلَّا امْرَاَتَكَ (مگر تمہاری بیوی) یہ فاسر باھلک سے مستثنیٰ ہے۔

قراءت: مکی و ابو عمرو نے احد کا بدل قرار دے کر مرفوع پڑھا ہے۔

بیوی کے آپ کے اہل کے ساتھ نکالنے کی دو روایتیں ہیں۔ نمبر۱۔ اپنے ساتھ اس کو نکالا اور حکم دیا کہ کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے مگر وہ۔ جب اس نے اس عذاب کا سنا (تو) مڑ کر پیچھے دیکھا اور کہا ہائے ہائے۔ میری قوم! ایک پتھر اس کے آ لگا جس سے وہ ہلاک ہوگئی۔ نمبر۲۔ اس کو حکم دیا کہ وہ اپنی قوم کے ساتھ پیچھے رہے۔ ان کی محبت اس کے دل میں تھی اس کو رات ساتھ لیکر نہ چلے۔

قراءتوں کا اختلاف دونوں روایتوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے۔ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ (اس عورت پر وہ عذاب آنے کا جو ان پر آئے گا) یعنی یقینی معاملہ یہ ہے۔ روایت میں ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو کہا متی موعد هلاكهم۔ ان کی ہلاکت کا وعدہ کب ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ (بیشک ان کے وعدہ کا وقت صبح ہے) حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا میں اس سے جلد چاہتا ہوں۔ تو فرشتوں نے کہا اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ (کیا صبح قریب نہیں)

انجامِ قوم:

۸۲: فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا (جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے ان کے اوپر کو نیچے کر دیا) جبرئیل علیہ السلام نے اپنے پر کو اس کے نیچے رکھا پھر آسمان کی طرف اٹھا کر بلند کیا یہاں تک کہ آسمان والوں نے کتوں کے بھونکنے اور مرغوں کی بانگ کو سنا۔ پھر اس کو الٹ دیا اور اوپر سے پتھروں کی بارش کی اور اسی کا تذکرہ اس ارشاد میں ہے۔ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ (ہم نے ان پر کھنگر کے پتھر برسائے) سجیل کا لفظ معرب ہے (سنگ گل) سے دوسرے مقام میں اس طرح فرمایا حجارة من طين [الذاریات:۳۳] مَّنْضُوْدٍ (مسلسل) یہ سجیل کی صفت ہے نمبر۱۔ پے در پے نمبر۲۔ جمع شدہ جو عذاب کیلئے تیار کئے گئے تھے۔

۸۳: مُّسَوَّمَةً (نشان زدہ) یہ حجارۃ کی صفت ہے یعنی عذاب کیلئے ان پر نشان کیا گیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ ہر ایک پر اس ظالم کا نام لکھا تھا۔ عِنْدَ رَبِّكَ (تمہارے رب کی طرف سے) نمبر۱۔ اس کے خزانوں سے نمبر۲۔ اس کے حکم سے وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ (اور وہ بستیاں ان ظالموں سے کچھ دور نہیں) نمبر۱۔ کوئی بعید چیز نہیں۔ اہل مکہ کو وعید ہے۔ جبرئیل علیہ

عبادت کرو تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور ناپ تول میں کمی نہ کرو) مطلب چیز کیال کے ساتھ معدودی چیز میزان کے ساتھ اِنِّیْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ (میں تمہیں مالدار پاتا ہوں) بدولت وسعت والا جو ناپ تول میں کمی سے تمہیں بے نیاز کرنے والی ہے یا میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں نعمتوں سے نوازا ہے۔ ان کا حق یہ ہے کہ تم وہ کام نہ کرو۔ جو تم کر رہے ہو۔ وَّاِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ (مجھے تمہارے متعلق گھیراؤ کرنے والے عذاب کا خطرہ ہے) محیط کا معنی مہلک جیسا دوسری آیات میں ہے واحیط بثمرہ (الکہف: ۴۲) اور اصل میں یہ احاطۃ العدو سے بنا ہے مراد اس سے ایسا عذاب ہے جو دنیا میں تمہیں نہس کر دے یا آخرت کا عذاب۔

ایک معاشرتی مرض:

۸۵: وَیٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ (اے میری قوم تم ناپ تول اور وزن کو پورا کرو) پورا کر کے دو بِالْقِسْطِ (انصاف سے) عدل کے ساتھ

نکتہ: پہلے انہیں اس قباحت سے بچنے کا حکم دیا جس میں وہ مبتلا تھے۔ ناپ تول میں ڈنڈی مارنا پھر اس کو جو شکل میں بھی خوب بے پورا کرنے کا حکم دیا۔ تاکہ اسکی طرف ان کی رغبت بڑھے اسی نے بالقسط کے لفظ کا اضافہ کیا کہ تمہیں انصاف کے ساتھ برابر تول ناپ کر دو چاہیے کہ زیادتی رہے بنسبت زیادتی ہو۔

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ (لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دو) البخس۔ کمی کو کہتے ہیں۔ وہ جو چیزیں خریدتے ان کی چیزوں میں کمی کرتے۔ پس اس سے ان کو روک دیا گیا۔ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ (اور زمین میں فساد مچاتے مت پھرو) العثی اور العیث تمام قسم کے فساد کو کہتے ہیں جیسے سرقہ، لوٹ مار، ڈاکہ زنی وغیرہ اور یہ بھی درست ہے کہ البخس و تطفیف کو العثی (شدید فساد) ان کے حق میں قرار دیا ہو۔

۸۶: بَقِیَّتُ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا جو بچ جائے) جو حلال مال حرام سے پرہیز کے بعد بچ جائے۔ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (وہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم مومن ہو) اس شرط پر کہ تم ایمان لاؤ۔ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا بہت بہتر ہے کفار کیلئے بھی کیونکہ وہ اگر اسلام لا کر نجس و تطفیف کی مصیبت سے چھوٹ جائیں گے۔ البتہ ایمان کے ساتھ تو اس کا فائدہ حصول ثواب، عقاب سے نجات کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ ایمان کے بغیر یہ فائدہ ظاہر نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ مالدار اس صورت میں کفر کے گہرے پانی میں ڈبکیاں کھا رہا ہے۔ اس میں ایمان کی عظمت ذکر کر دی اور اللہ تعالیٰ کی جلالت شان کے متعلق خبردار کر دیا۔ نمبر۲۔ مطلب یہ ہے اگر تم میری باتوں میں میری تصدیق کرو اس حال میں کہ میں ناصحانہ نصیحتیں تمہیں کر رہا ہوں۔ وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ (میں تم پر پہرہ دار نہیں ہوں) اگر ان نعمتوں کے سلسلہ میں جو اس نے تم پر کر رکھی ہیں پس تم خود ان کی حفاظت ناپ تول کی کمی کو ترک کر کے کرو۔

۸۷: قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ (کہنے لگے اے شعیب کیا تمہاری نماز) تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا (تمہیں حکم دیتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں ان معبودوں کو جن کی پوجا ہمارے آباؤ اجداد کرتے تھے۔ یا ہم اپنے اموال میں

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا

شعیب نے کہا کہ اے میری قوم بھلا بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے ایک عمدہ دولت عطا فرمائی ہو

حَسَنًا ۭ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ

کیسے چھوڑ دوں اور میں یہ نہیں چاہتا کہ میں اس طرح تمہارے خلاف کروں کہ جن کاموں سے روکتا ہوں انہیں خود کرنے لگوں میں تو صرف اصلاح ہی چاہتا ہوں

مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾

جہاں تک ہو سکے اور جو کچھ مجھے توفیق ہے وہ سب اللہ کی طرف سے ہے میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور میں اسی کی طرف رجوع ہوتا ہوں

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ

اور اے میری قوم تمہیں میری مخالفت اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تمہیں اسی طرح کا عذاب پہنچ جائے جو قوم نوح یا قوم

هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا

ہود یا قوم صالح کو پہنچا اور قوم لوط تو تم سے دور بھی نہیں ہے اور تم اپنے رب سے استغفار کرو پھر اسکے حضور میں

اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾

توبہ کرو بیشک میرا رب رحم فرمانے والا ہے بڑی محبت فرمانے والا ہے

جو ہم کرتے ہیں وہ چھوڑ دیں) حضرت شعیب علیہ السلام بہت زیادہ نفل نماز پڑھتے تھے۔ ان کی قوم ان کو کہتی اس نماز کا کیا فائدہ آپ جواب میں فرماتے نماز بری باتوں اور فحش باتوں سے روکتی ہے اور قبائح سے باز رکھتی ہے۔ اس پر بطور تمسخر کہنے لگے۔ اصلوتک تامرک کیا تمہاری نماز تمہیں حکم دیتی ہے کہ ہمیں ان کی عبادت کے ترک کا حکم دیتا ہے۔ ما یعبد آباؤنا او ان نفعل (جن کی پوجا ہمارے آباؤ اجداد کرتے تھے یا ہم کرنا چھوڑ دیں) ہم وسعت دیکھا دکھائی کریں۔ فی اموالنا ما نشؤا (اپنے اموال میں اپنی مرضی کا استعمال کرنا) پورا دینا اور کم کرنا یا یہ بھی درست ہے کہ نمازوں کو مجازاً امر بنا دیا جائے جیسا اللہ تعالیٰ نے عبادات کو ناہی قرار دیا ہے۔ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ (بیشک تو حوصلے والا سمجھدار ہمارا ہے) یعنی تو بیوقوف و گمراہ ہے۔ یہ استہزاءات نام انہوں نے استعمال کیا۔ نمبر ۲: تو ہمارے نزدیک حوصلہ مند سمجھدار ہے۔ مگر تو ہمارے ساتھ وہ سلوک نہیں کر رہا جو تیرے حال کے مناسب ہے۔

جواب شعیب علیہ السلام:

۸۸: قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ (کہا اے میری قوم بتلاؤ تو اگر میں اپنے رب کی

طرف سے دلیل پر قائم ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے اچھا رزق عنایت فرمایا ہے۔ رِزْقًا حَسَنًا (اچھا رزق) یعنی نبوت و رسالت یا حلال مال بغیر کسی تطفیف کے۔ اَرَءَيْتُمْ کا جواب محذوف ہے۔ یعنی تم مجھے بتلاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں۔ اور حقیقت میں اسکا سچا پیغمبر ہوں۔ کیا میرے لئے یہ صحیح نہیں کہ بتوں کی عبادت کے چھوڑنے اور گناہوں سے رکنے کا تمہیں حکم دوں۔ جبکہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہی اسی مقصد کیلئے ہوتی ہے۔ محاورہ میں کہا جاتا ہے خالفنی فلان الی کذا جب وہ قصد کرے اور تم اس سے منہ موڑنے والے ہو۔ اور خالفنی عنہ کہتے ہیں وہ منہ موڑنے والا اور تم اس چیز کا قصد کرنے والے ہو۔

مثلاً تمہیں کوئی آدمی پانی کے گھاٹ سے لوٹتے ہوئے ملے اور تم اس سے اس کے دوست کے متعلق دریافت کرو کہ وہ کہاں ہے وہ جواب میں کہے خالفنی الی الماء تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پانی کی طرف جاتے ہوئے تو میرے ساتھ تھا۔ اور اب میں گھاٹ سے لوٹ کر جا رہا ہوں (اسکو وہیں چھوڑ کر) حضرت شعیب علیہ السلام کا قول اسی قسم میں سے ہے۔ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ (یعنی میرا یہ ہرگز مقصود نہیں کہ تمہاری خواہشات و شہوات کی طرف تم سے سبقت کروں جن شہوات سے میں تمہیں منع کرتا ہوں۔) تاکہ تمہاری بجائے میں خود ان پر قبضہ جمالوں۔ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ (بلکہ میرا مقصود فقط اصلاح ہے) میں اپنے وعظ و نصیحت سے تمہاری اصلاح کرنا چاہتا ہوں۔ میرے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا یہی مقصود ہے۔ مَا اسْتَطَعْتُ (جتنی میں طاقت رکھتا ہوں) یہ ظرف ہے اصلاح کیلئے میری طاقت و امکان کی مدت تک۔ یعنی جب تک میری استطاعت ہے اصلاح کو چھوڑ نہیں سکتا۔ اور اس کے لئے کوشش میں کوئی کمی نہ کروں گا۔

وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ (اور عمل صالح کی توفیق مجھے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ملی ہے۔ جو کچھ میں کرتا اور چھوڑتا ہوں وہ اسکی اعانت و تائید سے ہے۔ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ (اسی ہی پر میں نے توکل کیا) اعتماد کیا۔ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ (اسی ہی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں) میں خوشحالی اور تنگدستی میں اسی ہی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

۸۹: وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ (اے میری قوم میری مخالفت تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ کہیں تمہیں پہنچ جائے) میری مخالفت اس نتیجہ پر نہ پہنچا دے کہ تم عذاب تک پہنچ جاؤ۔ جرم کا لفظ کسب کی طرح ایک اور دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ (جو عذاب پہنچا قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح کو) غرق، آندھی اور زلزلے کے عذاب بالترتیب ان اقوام پر آئے۔ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ (اور قوم لوط تم سے دور نہیں)

ان کا زمانہ قریب ہے۔ نمبر۱۔ وہ ہلاک شدہ لوگوں میں زمانے کے لحاظ سے قریب تر ہیں۔ نمبر۲۔ وہ جگہ کے لحاظ سے نزدیک ہیں ان کے تباہ شدہ مکانات تمہارے قریب ہیں۔ نمبر۳۔ بری اعمال سے وہ ہلاکت کے مستحق ہوئے۔ کفر و فساد۔ ان میں تمہارے اور ان کے درمیان کوئی خاص فرق نہیں۔

نحو: قریب اور بعید اسی طرح قلیل و کثیر میں مذکر و مؤنث کا فرق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایسے مصادر کے اوزان پر ہیں جن میں تذکیر و تانیث میں برابری ہے مثلاً الصہیل النہیق وغیرہ۔

۹۰: وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ (تم اپنے رب سے شرک و معاصی کی معافی مانگو پھر اسکی طرف رجوع

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا

وہ لوگ کہنے لگے کہ اے شعیب تم جو کچھ کہتے ہو اس میں سے بہت سی باتیں ہم نہیں سمجھتے اور بلاشبہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم ہمارے درمیان کمزور ہو اور اگر

رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۖ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ

تمہارا خاندان نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے اور ہمارے نزدیک تم کچھ عزت والے نہیں ہو۔ شعیب نے کہا اے میری قوم کیا میرا خاندان تمہارے نزدیک عزت میں

مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾ وَيٰقَوْمِ

بڑھ کر اللہ سے زیادہ ہے اور تم نے اسے پیٹھ پیچھے ڈال دیا، بلاشبہ میرا رب ان کاموں کا احاطہ کئے ہوئے ہے جنہیں تم کرتے ہو۔ اور اے میری قوم

اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ

تم اپنی جگہ پر کام کرتے رہو میں بھی عمل کر رہا ہوں۔ تم عنقریب جان لو گے کہ کس کے پاس عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا

وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا

اور یہ بھی جان لو گے کہ کون شخص ہے جو جھوٹا ہے اور انتظار کرو بیشک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں۔ اور جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے اپنی رحمت سے شعیب کو

وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ

اور ان لوگوں کو نجات دیدی جو ان کے ساتھ ایمان لائے۔ اور جن لوگوں نے ظلم کیا انہیں سخت آواز نے پکڑ لیا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے

دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾

گرے ہوئے رہ گئے۔ گویا کہ وہ ان میں رہے ہی نہ تھے۔ خبردار مدین کے لئے دوری ہے جیسا کہ ثمود دور ہوئے

کہ بیشک میرا رب مہربان ہے رحیم ہے کہ اہل جفا کو ایمان والوں میں سے بخش دیتا ہے وَدُوْدٌ (محبت کرنے والا ہے) اہل وفا صالحین سے محبت کرتا ہے۔

قوم کا آخری جواب:

۹۱: قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ (کہنے لگے اے شعیب ہماری سمجھ میں تیری بہت باتیں نہیں آتیں) ہم تیرے اقوال کی صحت کو نہیں سمجھتے ذرا غور تو کرو کس طرح وہ ان کے کلام کو نہ سمجھتے ہوں گے حالانکہ وہ تو خطیب الانبیاء تھے۔ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا (اور بیشک ہم تمہیں اپنے میں کمزور پاتے ہیں) ہمارے درمیان نہ تمہاری عزت ہے اور نہ قوت اور اگر ہم تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو اس کو روکنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ (اگر تیرا گروہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے)

اگر تیرا خاندان نہ ہوتو ہم سنگساری سے تمہیں ہلاک کر دیتے اور یہ بدترین قسم کا قتل ہے۔ آپ کے خاندان والے ان کے ہم مذہب تھے اسی لئے انہوں نے ان کی طرف میلان ظاہر کیا اور ان کا اکرام کیا۔ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ (تو ہمارے ہاں معزز نہیں ہے) تو ہم پر زبردست نہیں اور نہ ہی قابل اکرام ہے کہ قتل سے تمہیں بچا سکے اور نہ ہی بلند ہو کہ ہم سنگباری سے بالاتر خیال کریں البتہ تیرا خاندان ہماری نگاہ میں معزز ہے۔ کیونکہ وہ ہمارے دین والے ہیں۔ حرف نفی کو ضمیر پر داخل کر کے بتلایا کہ کلام فاعل میں واقع ہو رہا ہے فعل میں نہیں گویا اس طرح کہا گیا وما انت علینا بعزیز بل رھطك هم الاعزة علینا اسی لئے ان کے جواب میں آپ نے فرمایا۔

۹۲: قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ (اے میری قوم کیا میرا خاندان وہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تمہارے ہاں زیادہ عزت والا ہے) اگر ما عززت علینا کہا جاتا تو یہ جواب صحیح نہ بنتا۔ بلکہ اس طرح فرمایا ارھطی اعز علیکم من اللہ اور کلام ان کے اور خاندان کے متعلق کیا جا رہا ہے۔ کہ وہ خاندان ان کے ہاں معزز ہے نہ کہ شعیب ان کا شعیب علیہ السلام کی توہین کرنا حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی تھے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی توہین تھی اور جب ان کے ہاں ان کا خاندان زیادہ عزت والا تھا کہ شعیب تو گویا خاندان کے نزدیک اللہ تعالیٰ سے زیادہ عزت والا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر نظر ڈالیں تو یہ بات بخوبی ذہن نشین ہو جائے گی من یطع الرسول فقد اطاع اللہ [النساء: ۸۰] وَّاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا (تم نے اس کو پس پشت ڈال دیا) اور اس کو بھلا دیا اور تم نے اس کو پشت پیچھے ڈالی ہوئی چیز کی طرح نسیاً منسیاً کر دیا کیا تم ذرہ بھر پرواہ نہیں کرتے۔

نحو : الظھری یہ الظہر سے اسم منسوب ہے اور کسرہ اسم منسوب کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ امس سے امسی اسم منسوب میں تغیرات بہت ہیں۔ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ (بے شک میرا رب تمہارے اعمال کا احاطہ کرنے والا ہے) وہ علم کے اعتبار سے تمہارے اعمال کا احاطہ کرنے والا ہے اس پر کائنات کی کوئی چیز مخفی نہیں۔

۹۳: وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ (اے میری قوم تم اپنی جگہ کام کرو)

نحو : یہ مکانۃ بمعنی مکان ہے۔ کہا جاتا ہے مکان و مکانة و مقام و مقامة۔ نمبر۲۔ مکن کا مصدر ہے مکن مکین جب کسی چیز پر قابو پالے۔ مطلب یہ ہوگا تم کام کرو۔ اس حال میں کہ تم اپنی جانب سے ٹھہرنے اور جمنے والے ہو اس جانب جو کہ شرک اور میری دشمنی والی ہے۔ نمبر۳۔ اپنی طاقت بھر میری عداوت و دشمنی کر لو۔

اِنِّيْ عَامِلٌ (بیشک میں کام کرنے والا ہوں) اس کے مطابق جو اللہ تعالیٰ مجھے نصرت و تائید عنایت فرماتے ہیں اور مجھے ٹھکانہ دینے والے ہیں۔ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ (جلدی تمہیں معلوم ہو جائے گا کون ہے جس پر ایسا عذاب آتا ہے جو اس کو رسوا کر دے گا اور وہ کون شخص ہے جو جھوٹا ہے)۔

نحو : من استفہامیہ ہے اور فعل علم سے معلق ہے۔

گویا اس طرح کہا گیا سوف تعلمون اینا یأتیہ عذاب یخزیہ (رسوا کرتا ہے) و اینا ھو کاذب۔ تم عنقریب جان لوگے کہ ہم میں سے کون ہے جس پر عذاب اترکر اس کو رسوا کرتا ہے اور ہم میں سے کون جھوٹا ہے میں یا تم۔ یا من موصولہ ہے گویا

اصل کلام ہے۔ سوف تعلمون الشقی الذی یاتیہ عذاب یخزیہ والذی ھو کاذب فی زعمکم و دعواکم۔ تم عنقریب اس بدبخت کو جان لو گے جس پر وہ عذاب آتا ہے جو اس کو رسوا کر دے گا۔ اور وہ جو تمہارے خیال اور دعوے میں جھوٹا ہے۔ فا کو سوف پر داخل کیا جاتا کہ ایسے حرف سے وصل ظاہر ہو جو وصل کیلئے بنایا گیا ہے اور فا کو حذف کی صورت میں وصل تقدیری ہے اور جملہ مستانفہ ہے اور سوال مقدر کا جواب ہے گویا اس طرح کہا گیا پھر کیا ہوگا اگر ہم اسی کیفیت سے کام کرتے رہیں اور تم اپنا کام کرتے رہے؟ تو جواب دیا۔ سوف تعلمون، تغنی فی البلاغۃ کیسے تو دونوں صورتیں درست ہیں مگر حذف مستانفہ زیادہ بلیغ ہے۔ وَارْتَقِبُوْٓا (تم انتظار کرو) تم انجام کا انتظار کرو۔ اور میں نہیں کہتا اِنِّیْ مَعَکُمْ رَقِیْبٌ (بیشک میں تمہارے ساتھ منتظر ہوں) الرقیب الرقب کے معنی میں ہے (نگران) یہ رقب سے نکلا ہے جیسے ضریب بمعنی الضارب۔ نمبر۲۔ رقیب بمعنی مراقب (ایک دوسرے کا نگران) جیسا عشیر بمعنی معاشر نمبر۳۔ رقیب بمعنی مرتقب جیسے رفیع بمعنی مرتفع (منتظر)

نفاذِ عذاب:

۹۴: وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا شُعَیْبًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ (جب ہمارا عذاب الاٹھم آیا تو ہم نے بچا لیا شعیب کو اور ان کے ساتھ والے مومنوں کو اپنی رحمت سے اور ظالموں کو پکڑ لیا ایک چیخ نے۔ کہ جبرئیل علیہ السلام نے چیخ ماری تو وہ تمام ہلاک ہو گئے۔ یہ عاد اور مدین کے واقعہ کے آخر میں مذکور ہوا ہے۔

نکتہ: ثمود و لوط کے واقعہ کے آخر میں لما جاء فرمایا جبکہ آیت ۶۶ میں فلما جاء فرمایا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں واقعات اس وعدے کے بعد ذکر ہوئے جو ان موعدھم الصبح [ہود: ۸۱] ذلک وعد غیر مکذوب [ہود: ۶۵] میں فا لانے جو سببیت کو ظاہر کرتی ہے جیسے تم کہو وعدتہ فلما جاء المیعاد کان کیت و کیت اور دوسرے دونوں واقعات ابتدائی طور پر لائے گئے۔ اس لئے ان کا حق یہ تھا کہ واؤ جمع لا کر ما قبل پر عطف کیا جائے جیسا ایک قصہ دوسرے پر عطف کیا جاتا ہے۔ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ (وہ اپنے گھروں میں مرے کے مرے رہ گئے) الجاثم اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی جگہ کو لازم پکڑے اور ادھر ادھر نہ سرکے۔ جبرئیل علیہ السلام نے زور سے چیخ ماری۔ اس اچانک چیخ سے تمام کی روحیں قبض ہو گئیں اور وہ اپنی جگہوں پر مر گئے

(نعوذ باللہ من عذابہم)

۹۵۔ کَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا (گویا وہ گھروں میں بسے ہی نہ تھے) گویا زندگی میں انہوں نے ان گھروں میں رہائش اختیار ہی نہ کی تھی یا پورے اقامت رہے اور نہ آتے جاتے رہے۔ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ (خبردار مدین والوں کیلئے دوری ہو) البعد بمعنی البعد کے معنی میں ہے۔ اور اس کا معنی ہلاکت ہے۔ جیسے الرشد بمعنی الرشد ہے کیا قرآن مجید کی اس آیت کی طرف نہیں دیکھتے۔ کَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ (جیسے قوم ثمود دور ہوئی)۔

نحو و قراءت: بَعِدَتْ کو بَعُدَتْ پڑھا گیا ہے جبکہ ہر دو صورت میں ایک ہے۔ یہ قرب کی ضد ہے۔ مگر انہوں نے بعد (بمعنی ہلاکت) کے درمیان اور دوسرے کے درمیان فرق کیا ہے اور یہ بدل دیا جیسے کہ خیر و شر کے دونوں میں تفریق کرتے ہوئے کہتے ہیں وعد و اوعد جیسا وعدہ دینا اور دھمکی دینا۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿٩٦﴾ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبَعُوا أَمْرَ

اور واقعی ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات اور روشن دلیل کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا سو ان لوگوں نے فرعون کی رائے کا

فِرْعَوْنَ ۖ وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ ﴿٩٧﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۖ

اتباع کیا اور فرعون کی بات کچھ ٹھیک نہ تھی۔ قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا پھر وہ ان کو دوزخ میں اتار دے گا

وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُودُ ﴿٩٨﴾ وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُودُ ﴿٩٩﴾

اور وہ بری جگہ ہے جس میں یہ لوگ اتارے جائیں گے۔ اور اس جہان میں بھی لعنت ان کے ساتھ ساتھ رہی اور قیامت کے دن بھی ان کے ساتھ لعنت ہوگی، برا انعام ہے جو ان کو دیا گیا۔

ذَٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْقُرَىٰ نَقُصُّهُ عَلَيْكَ ۖ مِنْهَا قَائِمٌ وَحَصِيدٌ ﴿١٠٠﴾ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن

یہ بستیوں کی خبریں تھیں جن کو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں ان میں سے بعض بستیاں تو اب بھی قائم ہیں اور بعض کا بالکل خاتمہ ہوگیا۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن

ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ۖ فَمَا أَغْنَتْ عَنْهُمْ آلِهَتُهُمُ الَّتِي يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مِن

ان لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ ان کے معبودوں نے جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے کچھ بھی فائدہ

شَيْءٍ لَّمَّا جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ ۖ وَمَا زَادُوهُمْ غَيْرَ تَتْبِيبٍ ﴿١٠١﴾

نہ دیا جب آپ کے رب کا حکم آگیا۔ اور انہوں نے ہلاکت کے علاوہ کسی چیز میں اضافہ نہیں کیا

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ:

۹۶: وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ (تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آیات دے کر اور واضح دلائل کے ساتھ بھیجا) مراد سلطان مبین سے عصا ہے کیونکہ یہ تمام سے زیادہ واضح ترین نشانی تھی۔

۹۷: إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبَعُوا (فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف پس انہوں نے اتباع کی) سرداروں نے اتباع کی أَمْرَ فِرْعَوْنَ ۖ وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ (فرعون کے حکم کی اور فرعون کا حکم صحیح نہ تھا) اس میں متبعین فرعون کی جہالت ظاہر کی گئی ہے کہ انہوں نے فرعون کا کھلا گمراہ کن عمل قبول کرلیا اور وہ یہ تھا کہ اس نے الوہیت کا دعویٰ کیا تھا حالانکہ وہ ان جیسا انسان تھا۔ اور سرعام ظلم و شرارت پھیلانے والا تھا جو کہ شیطان ہی کا کارنامہ ہوسکتا ہے۔ چہ جائیکہ اس کو الوہیت کے منصب پر بٹھا دیا جائے۔ (نعوذ باللہ من الحمق، والحماقۃ) اور اس میں یہ بتلایا کہ انہوں نے ان آیات کا معائنہ کیا اور سلطان مبین کی دیکھی اور ان کو یقین ہوگیا کہ موسیٰ علیہ السلام ہدایت و حق پر ہیں۔ پھر بھی ان کی اتباع سے اعراض کر کے اس کی اتباع کی جس کی اتباع میں رشد و ہدایت کا نشان تک نہ تھا۔ تمیز کیا مراد یہ ہے کہ اس کا کام نیک نہ تھا اچھے انجام والا نہ تھا۔

(تیرے رب کا پکڑنا ہے جبکہ اس نے بستیوں والوں کو پکڑا) القریٰ سے اہل القریٰ مراد ہیں۔ وَهِيَ ظَالِمَةٌ (جبکہ وہ ظالم تھے) یہ القریٰ سے حال ہے۔ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ (بیشک اس کی پکڑ بڑی سخت دردناک ہوتی ہے) الیم مؤلم کے معنی میں ہے دردناک اور شدید۔ پکڑے ہوئے پر سخت ہوتی ہے۔ یہ ہر ظالم کیلئے ڈراوا ہے خواہ وہ مکہ والے ہوں یا کوئی اور۔ ظالم کو چاہیے کہ وہ جلد توبہ کرے اور مہلت کے دھوکے میں مبتلا نہ ہو۔

تذکرۂ آخرت اور استدراجِ مجرم:

۱۰۳: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ (بیشک اس میں) جو کچھ کہ ہلاک ہونے والی امتوں کے متعلق بیان کیا لَاٰيَةً (البتہ عبرت ہے) لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ (اس کے لئے جو ڈرا آخرت کے عذاب سے) یعنی اس عذاب کے وجود و برحق ہونے کا اعتقاد رکھے۔ ذٰلِكَ (یہ) کا مشار الیہ یوم القیامت ہے کیونکہ عذاب آخرت اس پر دلالت کر رہا ہے۔ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ (جس دن سب لوگ جمع کئے جائیں گے) الناس یہ مرفوع ہے مجموع کی وجہ سے جیسا کہ اس کا فعل رفع دیتا ہے یہاں فعل کے بجائے اسم مفعول کو اس لئے ترجیح دی گئی ہے کہ جمع کا معنی اس دن کیلئے اچھی طرح ثابت ہو جائے اور جمع کی نسبت لوگوں کی طرف کر کے اس بات کو مزید پختہ کر دیا کہ لوگ اس سے جدا نہ ہونگے بلکہ حساب و کتاب کیلئے اکٹھے ہونگے اور ثواب و عقاب کو پائیں گے۔

وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ (اور یہ ایسا دن ہے کہ جس دن شہادت دینے والے شہادت دیں گے) یعنی اس دن میں حاضر ہونگے۔ مفعول بہ کی جگہ ظرف لائے تاکہ وسعت پیدا ہو۔ مطلب اس طرح ہوا کہ تمام مخلوق موقف حساب میں حاضر ہوں ان میں سے کوئی غائب نہ ہوگا۔

۱۰۴: وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ (اور ہم نہیں اس کو مؤخر کر رہے) یعنی مذکورہ دن کو۔ الاجل تمام مہلت کی مدت پر بولا جاتا ہے اور اس کی انتہاء کو بھی کہتے ہیں اور گننا اور شمار کرنا تو اس کی مدت کو بیان کرنے کیلئے ہے غایت و منتہا کیلئے نہیں۔ پس اس ارشاد کا معنی اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ (مگر ایک مقررہ مدت کیلئے) نمبر۱۔ مگر اس لئے کہ گنتی ہوئی مدت پوری ہو جائے۔ مضاف کو حذف کر دیا۔ نمبر۲۔ ہم اس دن کو مؤخر نہیں کر رہے مگر اس لئے تاکہ وہ مدت ختم ہو جائے جو ہم نے بتا دینے کیلئے مقرر کی ہے۔

۱۰۵: يَوْمَ يَاْتِ (جس دن آئے گا) قراءت: مکی نے یا سے پڑھا اور ابو عمرو، نافع، علی نے وصل میں مکی کی موافقت کی ہے اور اصل یا کا اثبات ہے کیونکہ حذف کی کوئی وجہ نہیں یا کا حذف اور کسرہ پر اکتفا لغت ہذیل میں کثرت سے ملتا ہے اور اس کی مثال ما کنا نبغ [الکہف:۶۴] اور یات کا فاعل ضمیر ہے جو اس قول کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یوم مجموع له الناس [ھود:۱۰۳] اس یوم کی طرف جو یات سے پہلے آرہا ہے یوم یاذکر کی وجہ سے منصوب ہے۔ یا لَا تَكَلَّمُ کی وجہ سے۔ یہ تتکلم ہے (نہ کلام کرے گا)۔ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (کوئی نفس مگر اس کے حکم سے) یعنی کسی کی کوئی سفارش نہ کر سکے گا مگر اللہ تعالیٰ کی اجازت سے جیسا فرمایا من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ [البقرۃ:۲۵۵]

دو قسمیں شقی و خوش نصیب اور انجام:

فَمِنْهُمْ (پس ان میں سے) ہم کی ضمیر اہل موقف کی طرف راجع ہے کیونکہ لا تکلم نفس اس پر دلالت کر رہا ہے ورنہ لوگوں کا

معتزلہ کی عبرتناک حرکت:

جب انہوں نے دیکھا کہ اس آیت سے گناہ گاروں کے خلود فی النار والا مسئلہ باطل ہوتا ہے تو ان تمام احادیث کا انکار کر دیا جو اس سلسلہ میں وارد ہیں ۔ اور یہ بدترین گناہ ہے۔

عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ (ایسا عطیہ جو منقطع نہ ہوگا) غیر منقطع مگر ایسے زمانہ تک جا پہنچا جس کی انتہا نہیں جیسا کہ فرمایا فلہم اجر غیر ممنون [فصلت:۸] یہ عَطَآءً یہ اعطوا محذوف کا مفعول ہونے کی بناء پر منصوب ہے ای اعطوا عطاءً۔

نکتہ: قرآن مجید نے چار آیات کا اتفاق کیا۔ نمبر ۱۔ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ ۔ نمبر ۲۔ اکلها دائم [الرعد:۳۵] نمبر ۳۔ وما عند اللہ باق [النحل:۹۶] نمبر ۴۔ لا مقطوعة ولا ممنوعة [الواقعہ ۳۳]

مشرکوں کو ضرور سزا ملے گی:

۱۰۹: جب اللہ تعالیٰ نے بتوں کے پجاریوں کے واقعات بیان کیے اور ان پر اترنے والے عذاب کو ذکر فرمایا تو جو عذاب تیار شدہ ہے اس کا ذکر فرمایا۔ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ۚ (پس تم اے مخاطب! جس چیز کی یہ عبادت کرتے ہیں اس کے متعلق شک میں نہ پڑو) یعنی تم ہرگز شک نہ کرو اس کے بعد کہ تمہاری طرف یہ واقعات اتار دیئے کہ غیر اللہ کی عبادت کا برا انجام ہوگا جیسا کہ ان کے ہم مشربوں کو ان سے پہلے پہنچا۔

اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی اور کفار سے انتقام کا وعدہ فرمایا۔ اور کفار کو خبردار کیا۔ پھر فرمایا مَا يَعْبُدُونَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ (یہ عبادت نہیں کرتے مگر جس طرح ان کے آباؤ اجداد اس سے پہلے ان بتوں کی عبادت کرتے تھے) مقصد یہ ہے کہ شرک میں ان کی حالت اپنے آباؤ اجداد سے مختلف نہیں ہے۔ اور آپ کو بتایا کہ ان کے باپ دادا کا حشر کیا ہوا یہی ان پر بھی اسی طرح کا عذاب اترے گا۔

نحو: یہ جملہ مستانفہ ہے اس کا مقصد شک کے متعلق نہی کی علت بیان کرتا ہے۔ ان کی عبادت وہی شرک ہے جیسی ان کی تھی۔ یعبد میں ما اور کما میں ، مصدریہ ہے۔ یہ ان کی پوجا کرتے ہیں جن کے ان کے اسلاف کرتے تھے۔ نمبر ۲۔ موصولہ ہے۔ اس صورت میں من عبادتهم کعبادتهم جن کی عبادت ان کی عبادت کی طرح معنی ہوگا۔ نمبر ۳۔ جن بتوں کی وہ عبادت کرتے اور اسی کی مثل جن کی وہ عبادت ان میں سے کرتے تھے۔ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ (ہم ان کو ان کا حصہ پورا پورا دیں گے) عذاب کا حصہ جیسا کہ ان کے آباء کو ہم نے پورا پورا دیا۔ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ (بغیر کمی کے) یہ نصیبهم سے حال ہے یعنی پورا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۗ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی سو اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر اللہ کی طرف سے ایک بات طے شدہ نہ ہوتی

لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ

تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا گیا ہوتا اور بلاشبہ وہ لوگ شک میں پڑے ہوئے ہیں جو تردد میں ڈالنے والا ہے۔ اور بیشک جتنے لوگ ہیں آپ کا رب انہیں

رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۗ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ

ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا بلاشبہ وہ ان کے اعمال سے باخبر ہے۔ سو آپ استقامت پر رہیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور جو لوگ توبہ کر کے آپ

مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۗ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

کے ساتھی ہیں وہ بھی استقامت پر رہیں اور حد سے آگے نہ بڑھو بیشک وہ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔ اور ان لوگوں کی طرف مت جھکو جنہوں نے ظلم کیا

فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

ایسا کرو گے تو تمہیں آگ پکڑ لے گی اور تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں۔ پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۗ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۗ

اور دن کے دونوں طرفوں میں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کیجئے بیشک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔

ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے اور آپ صبر کیجئے کیونکہ اس میں شک نہیں کہ اللہ اچھے کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

۱۱۰: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ (اور تحقیق ہم نے دی موسیٰ علیہ السلام کو کتاب) یعنی تورات فَاخْتُلِفَ فِيْهِ (پھر اس میں اختلاف ڈالا گیا) بعض لوگ ایمان لائے اور ایک قوم نے انکار کر دیا۔ جیسا کہ قرآن میں اختلاف کر رہے ہیں اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی۔ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ (اگر ایک بات آپ کے رب کی طرف سے طے شدہ نہ ہوتی) کہ وہ ان کو جلدی سزا نہ دے گا۔ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ (تو ان کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہوتا) نمبر۱۔ قوم موسیٰ علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان نمبر۲۔ آپ کا اور آپ کی قوم کا جسے عذاب سے جو ان کے جرم سے انکار تھا۔ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ (اور بلاشبہ وہ اس کے متعلق شک میں پڑے ہیں) نمبر۱۔ قرآن کے متعلق۔ نمبر۲۔ عذاب کے متعلق مُرِيْبٍ (جو ان کو تردد میں ڈالنے والا ہے) یہ اراب الرجل سے ہے جبکہ وہ شک والا ہو۔ یا تہمت والا ہو گیا ہے۔

۱۱۱: وَاِنَّ كُلًّا (اور بلاشبہ تمام کے تمام) كُلًّا کی تنوین مضاف الیہ کے عوض ہے۔ یعنی اِنَّ كُلَّهُمْ یعنی بیشک تمام اختلاف

کرنے والے ہیں ان میں۔

لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ۔ (آپ کا رب انہیں ان کے اعمال کا بدلہ پورا پورا دے گا)

قراءت: اِنَّ مشدد اور لَمَا تخفیف کے ساتھ بصری، علی نے پڑھا ہے اور ما زائدہ ہے اِنَّ اور لَيُوَفِّيَنَّهُمْ کی لام میں فصل کیلئے لایا گیا ہے۔ لَيُوَفِّيَنَّهُمْ یہ قسم محذوف کا جواب ہے۔ لَمَا میں لام قسم کی تمہید کیلئے لائی گئی ہے۔ مطلب اس طرح ہے۔ وان جميعهم والله ليوفينهم ربك اعمالهم بیشک تمام کو اللہ تعالیٰ کی قسم ضرور تیرا رب ان کے اعمال کا بدلہ دے گا یعنی ان کے اعمال خواہ ایمان ہو یا انکار و کفر حسن ہو یا قبیح۔

قراءت: ابوبکر نے پہلے کے برعکس اِنْ کو مخفف پڑھا ہے اور مکی و نافع نے مخفف ماننے کے باوجود ثقیلہ والا عمل کا لحاظ کر کے دیا کیونکہ اصل ثقیلہ ہے۔ کیونکہ اِنَّ ثقیلہ فعل کے مشابہ ہے۔ اور فعل حذف سے پہلے اور بعد یکساں عمل کرتا ہے۔ جیسے لم یکن اور لم یک بالفعل اسی طرح مشابہ ہے گی۔ باقی قراء نے دونوں کو مشدد پڑھا ہے مگر یہ مشکل ہے ان میں سب سے بہتر قول یہ ہے کہ لممت الشئ سے لیا جائے ای جمعتہ لمًا پھر وقف کیا تو لمّا بن گیا۔ پھر وقف کی بجائے اسے وصل کو لائے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ الدعوٰی اور التقوی کی طرح ہو اور ان مصادر میں الف تانیث ہو۔

قول زہری رحمہ اللہ:

وَاِنْ كُلًّا لَمًّا تنوین کے ساتھ پڑھا ہے جیسا کہ اس آیت میں اَكْلًا لَمًّا [الفجر: ۱۹] اور یہ اسی کی تائید کرتا ہے جو ہم نے کہا ہے مطلب یہ ہوگا۔ ان كلا ملمومين ای مجموعين گویا اس طرح فرمایا ان كلا جميعا۔ (بیشک تمام نے جمع ہونا ہے) جیسا کہ اس ارشاد میں فسجد الملائكة كلهم اجمعون [الحجر: ۳۰]

صاحب ایجاز کا قول:

لَمَّا میں ظرفیت کا معنی ہے اور کلام میں اختصار ہے۔ گویا اس طرح فرمایا وان كلا لما بعثوا ليوفينهم رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ۔ جب ہر شخص کو قیامت کے دن اٹھایا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے اعمال کا ضرور بدلہ دے گا۔

کسائی کا قول:

لَمَّا کی تشدید میرے علم میں نہیں ہے۔

إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (بیشک وہ جو عمل کرتے ہیں ان سے خبردار ہے)

استقامت کا حکم:

۱۱۲: فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ (پس جو حکم آپ کو دیا گیا ہے اس پر قائم رہو) تم اس طرح قائم رہو۔ جس طرح استقامت کا آپ کو حکم ہوا۔ اس سے عدول کرنے والے نہ ہو۔ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ (اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ایمان لانے والے ہیں) اس کا عطف مستتر پر ہے۔ جو استقم میں ہے اور فصل کیلئے ایسا جائز ہے۔ تقدیر اس طرح ہے۔ فاستقم انت وليستقم من تاب

عن الکفر ورجع الی اللّٰہ مخلصًا یعنی تم استقامت اختیار کرو اور وہ بھی استقامت اختیار کریں جو آپ کے ساتھ ایمان لائے اور اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔ وَلَا تَطْغَوْا (اور تجاوز نہ کرو (حدود شرع سے) یعنی اللہ تعالیٰ کی حدود سے نہ نکلو اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ (وہ تمہارے تمام کاموں کو دیکھنے والے ہیں) وہ تمہیں بدلہ دے گا پس اس سے ڈرو۔ کہا گیا کہ رسول اللہ ﷺ پر اس سے زیادہ شاق آیت کوئی نازل نہیں ہوئی اسی لئے آپ نے فرمایا۔ شَیَّبَتْنِیْ هُوْدٌ (ترمذی) مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا۔

ظالموں کی طرف جھکنے کی سزا آگ:

۱۱۳: وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا (اور ظالموں کی طرف مت جھکو) نہ مائل ہو۔ بقول شیخ رحمہ اللہ یہ فرمودہ لوگوں کے متعلق خطاب ہے کہ کفار قائدین اور سرداروں کی طرف ان کے ظلم میں ذرا بھر بھی جھکاؤ مت اختیار کریں۔ اور ان باتوں میں جن میں وہ تمہیں اپنی طرف بلاتے ہیں۔ فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (پس تمہیں عذاب چھوئے گا) ایک قول یہ ہے کہ لا ترکنوا الیہم سے مراد ان کے کفر پر رضا ہے۔ قتادہ نے کہا مشرکین سے مت ملو۔

نکتہ: موفق کہتے ہیں کہ میں نے امام کے پیچھے نماز پڑھی۔ جب اس نے یہ آیت پڑھی تو اس پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا تو ان سے پوچھا گیا تو اس نے کہا یہ تو ان لوگوں کے بارے میں ہے جو ظالموں کی طرف جھکنے والے ہیں۔ ظالم کا کیا حال ہوگا؟

اقوالِ علماء رحمہم اللہ:

حضرت حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دین کو دو۔ لا میں جمع کر دیا۔ نمبر۱۔ لا تطغوا۔ نمبر۲۔ لا ترکنوا (خوب نکتہ بینی ہے) حضرت سفیان رحمہ اللہ نے کہا جہنم میں ایک وادی ہے جس میں وہ قراء جو بادشاہوں کی زیارت کیلئے جانے والے ہیں وہ رکھے جائیں گے۔ قول حضرت اوزاعی رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ کو سب سے ناپسند یہ بات ہے کہ کوئی عالم کسی عامل (وزیر امیر) کے پاس جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ظالم کے متعلق دعا کی کہ وہ باقی رہے تو اس نے گویا پسند کیا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اس کی زمین میں ہوتی رہے۔ (بیہقی فی شعب الایمان) سفیان رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ اگر ظالم جنگل میں قریب المرگ ہو۔ کیا اسکو پانی کا گھونٹ دیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا نہیں آپ سے سوال کیا گیا وہ مر جائیگا۔ تو فرمایا اس کو موت کے حوالے کر دو۔

وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِیَآءَ (اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی دوست نہ ہوگا) یہ فتمسکم النار سے حال ہے تقدیری عبارت یہ ہے فتمسکم النار وانتم علی هذه الحالة پس تمہیں آگ چھوئے گی اس حال میں کہ تم اس حالت میں ہو گے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تمہارا کوئی کارساز نہ ہوگا جو اس کے عذاب سے بچا سکے اور نہ ہی اس کے سوا کوئی تم سے اس کے عذاب کو روک سکے گا۔ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ (پھر تمہاری امداد نہ کی جائیگی) پھر وہ اللہ تعالیٰ تو تمہاری مدد نہ کرے گا کیونکہ تمہیں سزا کا فیصلہ اس نے کر دیا۔ ثم استبعاد کیلئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے آدمی کی مدد بہت ہی بعید ہے۔

(یعنی بالکل نہ ہوگی)

نماز کے قیام اور پابندی کرتے رہنے کا حکم:

۱۱۴: وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ (آپ نماز کو قائم کریں دن کے دو اطراف میں) صبح و شام وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ (اور رات کے کچھ حصوں میں) رات کے اوقات میں۔ زلفا یہ جمع زلفۃ ہے یہ دن کے آخر میں رات کی قریبی گھڑیاں ہیں۔ زلفہ اذا قربہ سے بنا ہے۔ قریب کرنا۔ صلاۃ الغدوۃ وہ تو فجر ہے اور صلاۃ العشی۔ ظہر و عصر ہے کیونکہ زوال کے بعد والا وقت العشی ہے۔ اور صلاۃ الزلف یہ مغرب و عشاء ہے۔

نحو: طرفی النھار کا نصب ظرفیت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ دونوں کی اضافت وقت کی طرف ہے۔ جیسے کہتے ہیں اقمت عندہ جمیع النھار واتیتہ نصف النھار واولہ وآخرہ یہ تمام منصوب ہیں کیونکہ مضاف کو مضاف الیہ کا حکم دیا ہے۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (بیشک نیکیاں دور کرنے والی ہیں برائیوں کو) پانچوں نمازیں گناہوں کو مٹاتی ہیں۔ حدیث میں فرمایا۔ ان الصلوۃ الخمس تکفر ما بینھا من الذنوب بیشک پانچوں نمازیں اپنے درمیان کے گناہوں کو مٹاتی ہیں۔ نمبر۲۔ طاعات مٹاتی ہیں سیئات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ غلطی کے بعد نیکی کر لو وہ نیکی اس برائی کو مٹا دے گی۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر یہ برائیوں کو مٹاتے ہیں۔ ذٰلِكَ (یہ) نمبر۱۔ اس کا اشارہ اقیم کا حکم اور اس کا مابعد کلام ہے۔ نمبر۲۔ قرآن مشارالیہ ہے۔

ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ (یہ نصیحت ہے۔ نصیحت حاصل کرنے والوں کیلئے) یہ آیت عمرو بن غزیہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق نازل ہوئی۔ جو کھجور فروش تھے۔ ایک عورت ان کے ہاں سودا لینے آئی تو انہوں نے عورت کو کہا گھر میں اس سے بہتر کھجور ہے۔ وہ عورت داخل ہوئی تو انہوں نے اس کا بوسہ لے لیا۔ پھر شرمندہ ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روتے ہوئے اپنا حال بیان کرتے ہوئے حاضر ہوئے۔ یہ آیت اتری آپ ﷺ نے فرمایا ھل شھدت معنا العصر کیا تم عصر میں ہمارے ساتھ تھے۔ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا تیرے لئے وہ اس گناہ کا کفارہ ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کیا یہ ان کے ساتھ مخصوص حکم ہے تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تمام لوگوں کیلئے عام ہے (ترمذی)

۱۱۵: وَاصْبِرْ (اور جمے رہو) اسکو پورا کرنے میں جس کا آپ کو حکم دیا گیا اور اس سے رکے رہو جس کی ممانعت کی گئی ہے۔ جو چیز ان میں سے اسی وقت کامل ہوگی جب صبر ہوگا۔ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (پس اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے) جس نے ان تمام اوامر و نواہی کو جو فاستقم سے واصبر تک بیان فرمائے گئے جمع کر دیا وہ محسن ہے۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِن قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ

سو جو امتیں تم سے پہلے گزر چکی ہیں ان میں ایسے سمجھدار لوگ کیوں نہ ہوئے جو زمین میں فساد کرنے سے روکتے

إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّنْ أَنجَيْنَا مِنْهُمْ ۗ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا

مگر چند آدمی کہ جن کو ہم نے عذاب سے بچا لیا۔ اور جو لوگ ظالم تھے وہ ان چیزوں کے پیچھے لگے رہے جن میں مزے تھے اور وہ

مُجْرِمِينَ ﴿١١٦﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ﴿١١٧﴾

مجرم تھے۔ اور آپ کا رب ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو ظلم سے ہلاک کر دے حالانکہ ان کے رہنے والے اصلاح کرنے والے ہوں۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ﴿١١٨﴾ إِلَّا مَن

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی جماعت بنا دیتا اور وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جس پر

رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذَٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۗ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ

آپ کا رب رحم فرمائے۔ اور اسی لئے ان کو پیدا فرمایا۔ اور آپ کے رب کی بات پوری ہو گئی کہ میں جہنم کو جنات سے اور انسانوں سے

وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١١٩﴾

دونوں جماعتوں سے بھر دوں گا۔

اصلاح والے لوگ ضروری ہیں تاکہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا ہو

۱۱۶: فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِن قَبْلِكُمْ (کیوں نہ ہوئے ان امتوں میں جو تم سے پہلے گزر چکیں) لولا، ھلّا کے معنی میں ہے۔ یہ تحضیض کیلئے ہے اور فعل کو خاص کرتا ہے۔ اُولُوا بَقِيَّةٍ (سمجھدار) فضیلت والے اور بھلائی والے۔ آیت میں فضل و جودت کو بقیہ کے لفظ سے ذکر کیا۔ جیسے کہا جاتا ہے۔ فلان من بقیة القوم کہ فلاں قوم کے فضل لوگوں میں سے ہے۔ اور عرب کا قول ہی کے متعلق ہے۔ فی الزوایا خبایا۔ وفی الرجال بقایا۔ کونوں میں چھپی چیزیں اور آدمیوں میں اعلیٰ آدمی ہوتے ہیں۔

يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ (جو زمین میں فساد سے لوگوں کو روکتے) اس میں محمد ﷺ اور آپ کی امت کے سامنے اس بات کو تعجب کے طور پر ذکر کیا کہ اس سورت میں جن امتوں کی ہلاکت کا ذکر کیا ان میں ایک جماعت بھی ایسی عقلمند اور دیندار موجود نہ تھی جو دوسروں کو کفر و معاصی سے روکتی۔ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّنْ أَنجَيْنَا مِنْهُمْ (مگر تھوڑے سے جن کو ہم نے ان میں سے بچا لیا) یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ مطلب یہ ہے لیکن تھوڑے ایسے تھے جن کو ہم نے ان اہل زمانہ میں سے بچا لیا جنہوں نے فساد سے منع کیا باقی تمام نہی عن المنکر کو ترک کرنے والے تھے۔ ممن انجینا میں من بیانیہ ہے تبعیض کیلئے نہیں ہے کیونکہ نجات صرف برائی

سے روکنے والوں کو ہی بچایا اور دوسری آیت میں ہے انجینا الذین ینھون عن السوء واخذنا الذین ظلموا [الاعراف: ۱۶۵]
وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (اور ظالموں نے اتباع کی اور پیچھے پڑے رہے) یعنی وہ نہی عن المنکر کو چھوڑنے والے تھے۔
اس کا عطف مضمر پر ہے۔ ای الا قلیلاً ممن انجینا منھم نھوا عن الفساد واتبع الذین ظلموا شھواتھم۔ مگر تھوڑے لوگ جن کو ان میں سے بچایا انہوں نے فساد سے دوسروں کو منع کیا۔ اور ظالموں نے اپنی شہوات کی اتباع کی۔ اس کا عطف نھوا پر ہے۔ مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ (جس ناز و نعمت میں وہ پڑے تھے) انہوں نے ان چیزوں کی اتباع کی جس میں عیش پسندی اور خوشحالی دیکھی۔ الترفۃ سرداری اور دولت کو پسند کرنا اور خوشحالی کے اسباب کو تلاش کرنا۔ انہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دیا۔ اور اس کو پس پشت ڈال دیا۔ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ (اور وہ مجرمین تھے) یہ جملہ معترضہ ہے۔ ان کے بارے میں فیصلہ کر دیا کہ وہ مجرم لوگ ہیں۔

۱۱۷: وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى (اور آپ کا رب ہلاک کرنے والا نہیں اہل بستی کو)۔ نحو: لیھلک کی لام تاکید نفی کیلئے لائی گئی ہے۔ بِظُلْمٍ (ظلم کے سبب) یہ فاعل سے حال ہے یعنی یہ درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی بستی کو ظلم کے طور پر ہلاک کر دے۔ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ (جبکہ بستی والے اصلاح کرنے والے ہوں) اس میں اللہ تعالیٰ کا ظلم سے منزہ اور پاک ہونا ذکر کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ ظلم سے شرک مراد ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی بستی کو شرک کی وجہ سے ہلاک کرنے والے نہیں۔ جبکہ وہ لوگ آپس میں باہمی معاملات میں درستگی کرنے والے ہوں۔ وہ اپنے شرک کے ساتھ کوئی دوسرا فساد نہ ملائیں۔

۱۱۸: وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً (اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک گروہ بنا دیتا) سب کو ایمان و طاعت پر اپنے اختیار سے متفق کر دیتا۔ لیکن اس نے ایسا نہ چاہا۔

قول معتزلہ: اس مشیت سے مجبوری کی چاہت مراد ہے۔ اور اس سے ابتلاء کا کوئی معنی نہیں رہتا۔ پس یہ جائز نہیں۔ مگر آیت تو بتلا رہی ہے کہ مشیت الگ چیز ہے اور حکم جدا چیز ہے۔ پس معتزلہ کی غلطی دونوں میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔ وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ (وہ لوگ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے) کفر و ایمان میں اختلاف کرتے رہیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ مختلف ہوں جب ان سے اختیار کو جانا۔

۱۱۹: اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ (سوائے ان کے جن پر آپ کا رب رحم کرے) مگر وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے اختلاف سے بچایا۔ پس وہ دین حق پر متفق ہو گئے۔ اس میں اختلاف کرنے والے نہ تھے۔ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ (اور اسی کیلئے ان کو پیدا کیا) جس اختلاف پر وہ ہیں۔ پس ہمارے نزدیک تقدیر یہ ہے خلقھم للذی علم انھم سیصیرون الیہ من اختلاف ان کو پیدا کیا اس اختلاف کیلئے جس کے متعلق اس نے جانا کہ وہ عنقریب پہنچ جائیں گے۔ (یہ حسن و عطاء کا قول ہے) نمبر۲۔ اتفاق کیلئے پیدا کیا اور ان کو اس کے علاوہ کسی چیز کیلئے پیدا نہیں کیا کہ جس کے بارے میں اس نے چاہا کہ وہ اس تک پہنچیں گے۔

(کذا فی شرح تاویلات)

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ (اور تیرے رب کی بات پوری ہوئی) کلمہ سے مراد وہ بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمائی

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ

اور رسولوں کے قصوں میں سے یہ تمام قصے ہم آپ سے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں اور ان قصوں میں آپ کے پاس حق آیا ہے

وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۞ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ

اور اہل ایمان کے لئے نصیحت ہے اور یاد دہانی ہے۔ اور آپ ان لوگوں سے فرما دیجئے جو ایمان نہیں لاتے کہ تم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو

اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۞ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۞ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ

ہم بھی عمل کر رہے ہیں۔ اور تم انتظار کرو ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں۔ اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں کی اور زمین کی غیب کی چیزوں کا علم اور اسی کی طرف

يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۞

تمام امور رجوع ہوں گے سو آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر توکل کریں اور آپ کا رب ان کاموں سے غافل نہیں جو تم کرتے ہو۔

لاملئن جهنم من الجنة والناس اجمعين۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات ہے کہ اکثریت باطل کو اختیار کرے گی۔
لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ (کہ میں جہنم کو جنات سے اور انسانوں سے دونوں جماعتوں سے بھر دوں گا)

۱۲۰: وَكُلًّا (ہر ایک) نحو: اس میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ گویا عبارت اس طرح ہے کل نبا۔ کُلًّا پر نصب نَقُصُّ عَلَيْكَ سے ہے اور مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ یہ کل کا بیان ہے۔ اور مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ یہ كُلًّا سے بدل ہے۔
نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ (ہر ایک واقعہ جو ہم نے پیغمبروں کے واقعات میں سے بیان کیا وہ ایسا ہے کہ جس سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں۔) وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ (اور آپ کے پاس اس سلسلہ میں حق آ گیا) اس سورت میں یا ان بیان کردہ واقعات میں وہ آ گیا جو سچا ہے۔ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ (وہ چیز آ گئی جو نصیحت اور یاد داشت ہے ایمان والوں کیلئے) تثبیت فؤاد کا معنی اضافہ یقین ہے کیونکہ دل کی کثرت دل کو مضبوط کر دیتی ہے۔

تم ساتھ تمہیں اب عذاب کا انتظار کرو:

۱۲۱: وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (اور کہہ دیں ان لوگوں کو جو ایمان نہیں لاتے) یعنی اہل مکہ وغیرہ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ (تم اپنی جگہ کام کرو)۔ اپنی حالت اور جانب جس پر تم قائم ہو۔ اِنَّا عٰمِلُوْنَ (بیشک ہم کام کرنے والے ہیں) اپنی جگہ
۱۲۲: وَانْتَظِرُوْا (اور تم انتظار کرو) ہمارے متعلق حوادث کا۔ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ (ہم تمہارے بارے میں انتظار کرنے والے ہیں)۔ کہ تم پر بھی اسی طرح کا عذاب اترے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں بیان فرمایا جو تم جیسے تھے۔
۱۲۳: وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اور اللہ تعالیٰ ہی کیلئے تمام پوشیدہ باتیں ہیں آسمانوں اور زمین کی) ان میں کوئی چیز

اسکی نہیں جو اس پر چھپی ہو۔ یعنی تمہارے اعمال اس سے چھپے ہوئے نہیں۔ وَاِلَیْهِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ (اور اسی کی طرف تمام کاموں کا لوٹنا ہے) پس ضروری ہے کہ ان کا معاملہ بھی اسی ہی کی طرف لوٹے اور آپ کا معاملہ بھی پس وہ خود آپ کی طرف سے ان سے انتقام لے گا۔

قراءت: نافع و حفص نے یُرْجَعُ پڑھا ہے۔ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ (پس اسی ہی کی عبادت کرو اور اسی پر ہی بھروسہ کرو) وہ آپ کے لئے کافی ہے اور آپ کا کفیل ہے وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (اور آپ کا رب بے خبر نہیں ان کاموں سے جن کو وہ کرتے ہیں)۔

قراءت: مدنی، شامی، حفص نے تا کے ساتھ پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہوگا آپ اور وہ۔ تو تعملون میں مخاطب کو غلبہ دے کر ذکر کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ تورات کا اختتام اسی آیت سے فرمایا گیا۔ حدیث میں فرمایا گیا من احب ان یکون اقوی الناس فلیتوکل علی اللہ تعالیٰ۔ جو آدمی یہ پسند کرے کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ قوی بن جائے وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے۔ (حاکم)

تمت ترجمة سورة هود يوم الاربعاء ۲۲ لرجب المرجب ۱۴۲۳ من الهجرة والحمد لله

عظمت قرآن:

١: الٓرٰ۔ اللہ اعلم بمرادہ۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ (یہ واضح کتاب کی آیات ہیں) تلک سے اس سورت کی آیات کی طرف اشارہ ہے۔ الکتٰب المبین سے سورت مراد ہے۔ یعنی یہ آیات وہ ہیں جو آپ کی طرف اس سورت میں اتاری گئیں۔ سورت کی آیات کا معاملہ اعجاز کے لحاظ سے غالب ہے۔ نمبر٢۔ یہ آیات اس بات کو ظاہر کرتی ہیں جو ان میں غور و تدبر کرے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں انسانوں کی طرف سے نہیں نمبر٣۔ یہ ایسی واضح آیات ہیں کہ جن کے معانی اہل عرب پر مشتبہ نہیں کیونکہ یہ انہی کی زبان میں ہے۔ نمبر٣۔ ان آیات میں یہود کے اس سوال کو کھولا گیا جو انہوں نے یوسف علیہ السلام کے سلسلہ میں کیا۔ روایت میں ہے کہ علماء یہود نے مشرکین سے کہا کہ محمد سے سوال کرو۔ آل یعقوب شام سے مصر میں کیوں منتقل ہوئی۔ اور یوسف علیہ السلام کا کیا واقعہ ہے۔

٢: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا (ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا) یعنی اس کتاب کو جس میں یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہے اس حال میں اتارا ہے کہ یہ قرآن عربی ہے۔ قرآن کے بعض حصہ کو قرآن کہا گیا کیونکہ قرآن اسم جنس ہے۔ یہ سارے قرآن پر بھی بولا

(اپنے بھائیوں کے سامنے بھی) وہ تدبیر کریں گے تمہارے متعلق خفیہ تدبیر) یہ نہی کا جواب ہے تقدیر اس طرح ہے ان فقصصتہا علیھم کادوک۔ اگر تم نے بیان کر دیا تو وہ تیرے خلاف تدبیر کریں گے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے پہچان لیا کہ اللہ تعالیٰ اس کو شرف نبوت سے نوازنے والے ہیں۔ اور دارین میں ان پر احسان فرمائیں گے۔ اسی لئے بھائیوں کے حسد کا خطرہ محسوس کیا۔ البتہ فیکیدوک نہیں کہا جیسا کہ فکیدونی۔ ھود: ۵۵ میں باب لام سے متعدی کر کے فعل کے معنی کو ضمن میں ذکر کر دیا تا کہ تخویف بلیغ انداز میں ہو جائے اور یہ مثال فحتالوا اللہ ہے۔ اسی لئے تو مزید تاکید کیلئے کَیْدًا لائے ہیں۔ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ (بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے) ظاہر دشمنی کرنے والا یعنی وہ ان کو حسد پر آمادہ کرے گا۔ اور خفیہ تدابیر سکھائے گا۔

۶: وَکَذٰلِکَ (اور اسی طرح) اسی چناؤ کی طرح جس پر تیرا خواب دلالت کر رہا ہے۔ یَجْتَبِیْکَ رَبُّکَ (تیرا رب تجھے چنے گا) تیرا انتخاب کرے گا۔ اجتباء، چناؤ کے معنی میں آتا ہے۔ اس کا اصل جبیت الشیء ہے جبکہ اس چیز کو اپنے لئے حاصل کرے۔ اور جبیت الماء فی الحوض کا معنی میں نے پانی حوض میں جمع کیا۔ وَیُعَلِّمُکَ (اور وہ تمہیں سکھائے گا) یہ ابتدائی جملہ ہے تشبیہ میں داخل نہیں۔ گویا اس طرح کہا گیا وھو یعلمک مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ (خواب کی تعبیر) تعبیر خواب کی تفسیر اور وضاحت۔ حضرت یوسف علیہ السلام خواب کی سب سے زیادہ تعبیر کرنے والے تھے۔ یا تعبیر انبیاء علیہم السلام کی باتوں اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں کی تعبیر کرنے والے۔ احادیث جمع ہے حدیث کی یا احدوثہ کی جمع نہیں ہے۔ وَیُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْکَ وَعَلٰۤی اٰلِ یَعْقُوْبَ (وہ اپنی نعمت کو تم پر اور آل یعقوب پر پورا کرے گا) اس طرح کہ ان کو دنیا کی نعمت آخرت کی نعمت کے ساتھ ملا دے گا۔ یعنی ان کو دنیا میں نبوت، وجاہت اور دنیا سے آخرت کے بلند درجات میں منتقل کرے گا۔ آل یعقوب سے اس کی اولاد مراد ہے۔ آل کا اصل اَھْلٌ ہے۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ اس کی تصغیر اُھَیْل آتی ہے۔ یہ ان کے بارے میں بولا جاتا ہے جن میں عظمت پائی جاتی ہو۔ مثلاً آل النبی، آل الملک۔ یہ نہیں کہا جاتا آل حجام۔ البتہ اہل حجام کہا جاتا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جان لیا کہ یوسف علیہ السلام نبی ہوں گے اور ان کے بھائی انبیاء ہوں گے ستاروں کی روشنی سے استدلال کرتے ہوئے (مگر یعقوب علیہ السلام کا یہ کہنا کسی بھی صحیح روایت سے ثابت نہیں کہ ان کو انبیاء سمجھ کر بھی ان کی کوتاہیوں کی تاویلات کی جائیں۔ معلوم نہیں کہ شیخ نے یہ کہاں سے تحریر فرمایا ہے۔ ثبوت نبوت کیلئے قطعی روایت کی ضرورت ہے جیسا کہ نبوت یوسف کیلئے نص موجود ہے فافہم) وَعَلٰۤی اٰلِ یَعْقُوْبَ اسی لئے فرمایا کَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤی اَبَوَیْکَ مِنْ قَبْلُ (جیسا اس نے انعام کو تیرے آباء پر پورا کیا اس سے پہلے) مراد جد اور جد کا باپ ہے۔ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ۔ ابویک کا عطف بیان ہے۔ اِنَّ رَبَّکَ عَلِیْمٌ (بیشک آپ کا رب جاننے والا) وہ جانتا ہے کہ کون اجتباء کا حقدار ہے۔ حَکِیْمٌ (حکمت والا ہے) اشیاء کو ان کے موقع پر رکھتا ہے۔

دیر لگی تھی وہ دی۔ روایت میں ہے کہ انہوں نے جنگل میں جا کر عداوت و دشمنی کا اظہار کیا ان کو مارا اور ہلاکت کے قریب کر دیا۔ یہوداہ نے ان کو اس بات سے روکا جب انہوں نے ڈالنے کا ارادہ کیا تو یوسف ان کے کپڑوں سے چمٹ گئے انہوں نے ہاتھوں سے کپڑا چھڑوا لیا۔ پھر وہ کنوئیں کی دیوار سے چمٹ گئے۔ انہوں نے اس کے ہاتھ باندھ دیئے اور قمیص اتار دی تاکہ خون سے اس کو رنگین کر سکیں اور والد کے سامنے حیلہ بازی کر سکیں۔ انہوں نے ان کو کنوئیں میں لٹکایا۔ اس میں پانی تھا جس میں آپ جا گرے۔ پھر ایک چٹان پر چڑھ گئے۔ اور کھڑے ہو کر رونے لگے۔ یہوداہ ان کے لئے کھانا لاتا رہا۔ تفسیر کی روایت میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا گیا تو ان کے کپڑے اتار لئے گئے۔ جبرئیل علیہ السلام ان کے لئے حریر جنت کا ایک قمیص لائے اور ان کو پہنایا۔ یہ قمیص ابراہیم علیہ السلام نے اسحاق علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام کو دیا تھا۔ یعقوب علیہ السلام نے اس کو ایک تعویذ میں جو یوسف علیہ السلام کی گردن میں لٹکایا ہوا تھی اس کو بند کر دیا تھا۔ جبرئیل علیہ السلام نے اس کو نکال کر یوسف کو وہ قمیص پہنا دی۔ (یہ روایت اسرائیلیات کے کسی تعویذ گنڈے والے گروہ کی ایجاد کردہ معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم واتمہ

تسلی یوسف:

وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ (اور ہم نے ان کی طرف وحی کی) ایک قول یہ ہے کہ بچپن میں ان پر وحی کی اور نبوت دی جیسا کہ یحییٰ علیہ السلام کو دی گئی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ قریب البلوغ تھے جب یہ وحی ہوئی۔ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا (تم ان کو اس حرکت پر آگاہ کرو گے) تم ضرور اپنے بھائیوں کو بیان کرو گے جو کچھ انہوں نے تمہارے ساتھ کیا۔ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (اور وہ جانتے بھی نہ ہوں گے) کہ تو یوسف ہے کیونکہ تیری شان بلند ہو گی سلطنت عظیم ہو گی۔ اور یہ اس وقت پیش آیا جب وہ غلہ کی خاطر ان کے پاس داخل ہوئے تو یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا اور وہ ان کو نہ جانتے تھے آپ نے ایک برتن منگوایا اور اس کو اپنے ہاتھ پر رکھا پھر اس کو ٹھوکر لگائی تو اس سے آواز نکلی تو آپ نے کہا یہ برتن مجھے بتلا رہا ہے کہ تمہارا ایک باپ سے بھائی تھا جس کو یوسف کہتے تھے۔ تم نے اس کو گہرے کنوئیں میں ڈال کر باپ کو کہا کہ اس کو بھیڑیئے نے کھا لیا ہے۔ تم نے اس کو چند ٹکوں میں فروخت کر دیا۔ (مگر یہ اسرائیلی قصہ انك لانت یوسف کے خلاف نظر آتا ہے (تقریر) نمبر۲۔ هم لا يشعرون کا تعلق اوحینا سے ہے کہ ہم نے وحی کے ذریعہ ان کو مانوس کیا اور ان کے دل سے وحشت کو زائل کیا اور ان کو ہمارے اس وحی کرنے کی خبر بھی نہ تھی۔

جھوٹا رونا:

۱۶ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً (وہ شام کے اندھیرے میں اپنے باپ کے پاس آئے) تاکہ جھوٹ بولنے کے عذر پر جرات کر سکیں اور حالت چھپ رہے۔ يَبْكُوْنَ (روتے ہوئے) یہ حال ہے۔

نکتہ: حضرت اعمش کہتے تھے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے اس رونے کے بعد ہر رونے والے کو سچا نہیں کیا جا سکتا ہے۔

۱۷: جب یعقوب علیہ السلام نے ان کی آواز سنی تو گھبرائے اور فرمایا میرے بیٹو! کیا ہوا۔ کیا تمہاری بکریوں پر کوئی آفت آگئی۔ انہوں نے کہا نہیں۔ پھر کہا کیا ہوا۔ اور یوسف کہاں ہے؟

قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ (کہنے لگے اے ہمارے والد! ہم آپس میں دوڑ لگاتے آگے نکل گئے) استباق کا معنی

عمر تھی۔ آپ ان کے گھر میں تیرہ سال رہے۔ ریان بن ولید نے ۳۰ سال کی عمر میں وزیر بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے حکمت و علم دیا۔ جبکہ آپ کی عمر ۳۳ سال ہوئی اور آپ کی عمر ۱۲۰ سال ہوئی جب وفات پائی۔

لِامْرَاَتِهٖٓ (اپنی بیوی کو) لام فعل یا زائدہ لام یہ قال سے متعلق ہے اشتراہ سے متعلق نہیں۔ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ (اس کو خاطر سے رکھنا) اس کے مرتبہ اور مقام کو ہمارے ہاں معزز بناؤ یعنی اچھا پسندیدہ اس کی دلیل دوسری آیت میں ہے اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ [یوسف ۲۳] ضحاک کہتے ہیں مثوٰی کا معنی اچھا معاش عمدہ کپڑے، شاندار بستر۔ عَسٰٓی اَنْ یَّنْفَعَنَآ (امید ہے کہ یہ ہمیں فائدہ پہنچائے) شاید کہ یہ جب سیکھ جائے اور معاملات کو سمجھ جائے اور کاموں کے مقامات کو جان لے گا تو ہم اس سے اپنے کاموں میں معاونت لیں گے۔ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا (یا اس کو بیٹا بنا لیں گے) یا اس کو متبنیٰ کر کے لڑکے کا مقام دیں گے۔ قطفیر کے ہاں بچہ بیٹی کچھ بھی نہ تھا۔ اسلئے نجابت کے آثار دیکھ کر یہ بات کہی۔ وَكَذٰلِكَ (اور اسی طرح) کاف سے اشارہ قتل سے نجات پانے اور عزیز کو مہربان بنانے کی طرف ہے اور کاف منصوب ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے۔ مثل ذلک الانجاء والعطف مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ (ہم نے یوسف کو جمادیا) یعنی جس طرح اس کو نجات دی اور عزیز کا دل مہربان کر دیا اسی طرح ہم نے اس کو ٹھکانہ دیا۔ فِی الْاَرْضِ (زمین میں) یعنی ارض مصر میں اس کو بادشاہ بنایا جس پر وہ اپنا حکم چلاتا ہے۔ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ (اور تاکہ ہم اس کو باتوں کی تعبیر کرنا سکھائیں) وہ نجات قتل اور اقتدار اس مقصد کی خاطر تھا۔ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِهٖ (اللہ تعالیٰ غالب ہیں اپنے حکم پر) نمبر ۱: ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہو تو مطلب جو وہ چاہتا ہے اس سے کوئی اس کو روک نہیں سکتا۔ نمبر ۲: یوسف مرجع ہو تو یوسف کے معاملے میں ان کے بھائی مکر اور چالیں چلتے تھے اور اللہ تعالیٰ اور چاہتے تھے ہوا وہی جو اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے) اس بات کو کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

۲۲: وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ (جب وہ اپنی بھرپور جوانی کو پہنچے) اپنی استعدادی قوت کی انتہاء کو اور وہ اٹھارہ سال ہے یا ۲۱ سال ہے۔ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (ہم نے ان کو حکم و علم عنایت فرمایا) نمبر ۱: علم سے حکمت مراد ہے اور علم مع عمل اور جہالت والی باتوں سے اجتناب۔ نمبر ۲: لوگوں کے درمیان فیصلہ اور سمجھ بوجھ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ (اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو) اس میں متنبہ کیا کہ وہ اپنے اعمال میں مخلص تھے اور عنفوان حکومت میں تقویٰ و پرہیزگار تھے۔

مرجیہ کا غلط طرز عمل:

۲۳: وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ (اور یوسف جس عورت کے گھر میں تھے اس عورت نے اپنا مطلب حاصل کرنے کیلئے ان کو پھسلانا) یعنی یوسف سے مطالبہ کیا کہ وہ اس سے قربت کرے۔ المراودۃ یہ باب مفاعلہ ہے۔ راد یرود جبکہ وہ آئے اور جائے گویا مطلب اس طرح ہے۔ کہ یوسف کو دھوکہ دینے والا ان کے نفس کے سلسلہ میں یعنی اس نے ایسی حرکت کی جو دھوکا باز اپنے ساتھی سے کوئی چیز حاصل کرنے کیلئے کرتا ہے۔ وہ وہ ساتھی اس چیز کو اپنے ہاتھ سے دینا نہیں چاہتا کہ یہ اس سے لینے کیلئے حیلہ بازی کرتا ہے۔ یہ اس عمل اور آشتی کی تعبیر ہے جو اس نے یوسف سے اپنا مطلب پورا کرنے کیلئے اختیار کی۔ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ (اور اس نے دروازے بند کر دیے) اور وہ دروازے سات تھے۔ وَقَالَتْ هَیْتَ لَكَ (اور کہا جاؤ تمہیں سے کہتی ہوں) ہیت یہ اسم ہے جو تعال اور اقبل کے معنی میں آتا ہے۔ یہ مبنی علی الفتح ہے۔

۲۴. وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ (تحقیق اس عورت نے ان کا ارادہ کر لیا تھا) ھم پختہ ارادہ۔ وَهَمَّ بِهَا اور ان کو طبعی میلان ہوا مگر عزم سے اس کو دور کیا۔ یہ حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے۔ شیخ ابو منصور رحمہ اللہ نے کہا ھمّ خیال کے معنی میں ہے اور دل میں آنے والے خیالات پر بندے کو اختیار نہیں اور نہ ہی ان پر مؤاخذہ ہے جب تک کہ اس کو پختہ نہ کرے۔ اگر یوسف علیہ السلام کا ھمّ بھی عورت کے ھمّ کی طرح ہوتا تو اللہ تعالیٰ عبادنا المخلصین کہہ کر ان کی تعریف نہ فرماتے۔

ایک قول یہ ہے کہ ارادہ کی طرف جھکاؤ اختیار کرنے والے تھے۔ عرب کہتے ہیں ھم بالامر۔ جب قصد کرے اور اس کا پختہ ارادہ کرے۔ اور لولا ان رّا برھان ربہ کا جواب محذوف ہے۔ ای لکان ما کان تو ہوتا جو ہوتا۔ ایک قول یہ کہ وھمّ بھا اس کا جواب ہے مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ لولا کا جواب اس سے مقدم نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ حکم شرط میں ہے اور یہ شروع کلام میں آتا ہے۔ البرھان کا معنی حجت ہے اور جائز ہے کہ وھم بھا کو ولقد ھمت بہ کی قسم میں داخل ہو اور یہ بھی درست ہے کہ خارج ہو۔ قاری کا حق یہ ہے جب حکم قسم سے اس کو خارج قرار دے اور اس کو مستقل کلام بنائے تو بہ پر وقف کرے اور ھم بھا سے نیا کلام شروع کرے۔ اس صورت میں دونوں ھم کے درمیان فرق بھی ظاہر ہوتا ہے۔

باطل تفسیر:

اور یوسف کی یہ تفسیر کہ انہوں نے ازار بند کو کھول لیا اور بیٹھ گئے جیسے مرد بوقت حاجت بیٹھتا اور البرھان کی یہ تفسیر کہ انہوں نے ایک آواز سنی ایاک و ایاھا دو مرتبہ۔ پھر تیسری مرتبہ اعرض عنھا۔ مگر انہوں نے توجہ نہ دی یہاں تک کہ یعقوب اپنے پورے کاٹتے ہوئے سامنے آ گئے۔

تردید:

یہ تفسیر محض باطل ہے۔ سیاق کلام وہی مرتبہ نبوت اور واضح آیات کے خلاف (فلیحذر منہ اعاذنا اللہ من ھذہ الخرافۃ) حلیمی رحمہ اللہ نے تردید کیلئے یہ نقل کی ہے۔ نقل کفر کفر نباشد) جن آیات کے یہ خلاف ہے وہ یہ ہیں نمبر۱۔ ھی راودتنی عن نفسی۔ اگر ان کی طرف سے یہ اقدام ہوا ہوتا تو اپنے نفس کو بیا تمے وہ اس طرح بری قرار نہ دے سکتے تھے (وہ عورت تردید کر دیتی) مگر وہ عورت کہہ اٹھی۔ (ولقد راودتہ عن نفسہ فاستعصم) نمبر۲۔ کذلک لنصرف عنہ السوء والفحشاء۔ اگر ایسا معاملہ ہوتا تو پھر برائی کو ان سے پھیرنے کا معنی ہی نہیں رہ جاتا۔ نمبر۳۔ ذلک لیعلم انی لم اخنہ بالغیب۔ اگر یہ معاملہ ہوا ہوتا تو یہ پوشیدہ خیانت تو ہو گئی تردید کا کیا معنی تھا۔ نمبر۴۔ ما علمنا علیہ من سوء۔ اور الآن حصحص الحق انا راودتہ عن نفسہ وانہ لمن الصادقین۔

آخری بات:

اگر یہ بات پیش آئی ہوتی تو ان کی توبہ و استغفار کا ذکر ہوتا۔ یہ تو بہت بڑی بات ہے۔ اس کے مقابلے میں معمولی ترین مرتبہ کے نامناسب باتوں پر دوسرے انبیاء علیہم السلام کا استغفار موجود ہے۔ جیسے سورۂ ہود میں نوح علیہ السلام اور یونس و داؤد علیہم

السلام اللہ تعالیٰ نے ان کو مخلص خالص چنے ہوئے بندہ فرما رہے ہیں جس قطعی طور پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ وہ اس مقام پر ثابت قدم رہے اور وہ محرم ولا موجود کیا ان سے سے سے تو یہ غفلت فی ہمیان سے محرم کے دل کی روشنی تھے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شاہد کے متقاضی ہے۔ لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ (اگر وہ اپنے رب کی دلیل نہ دیکھے ہوتے (تو ہم بہا کو لولا کو قائم مقام جواب بنایا جائے اور جواب شرط کو محذوف مانا جائے تو کلام بغیر اشکال بہت خوب بن جاتا ہے اور کلام عرب کے بھی مطابق ہے۔ تقدیر) کَذٰلِكَ نجو مجرور کاف منصوب ہے ای مثل ذلک التثبیت ثبتناہ اسکی ثابت قدمی سے ہم نے ان کو ثابت قدم رکھا نمبر ۲۔ مرفوع ہے ای الامر مثل ذلک۔ مضمر یہ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ (تاکہ ہم ان سے بری بات یعنی آقا کی خیانت) وَالْفَحْشَآءَ (اور بے حیائی کو دور رکھیں) اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ (بیشک وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے)

قراءت: مدنی کوفی نے بر لام کے فتحہ سے پڑھا ہے۔ یعنی وہ ان میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خدمت کیلئے خالص کر لیا ہے۔ دیگر قراء نے مخلصین پڑھا۔ لام کا کسرہ ہے یعنی جنہوں نے اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کیلئے خالص کر لیا۔ من عبادنا کا معنی میں تحقیق وہ ہمارے ان بندوں میں سے ہیں جو مخلص ہیں۔

برائی سے فرار اور اس میں کامیابی:

۲۵: وَاسْتَبَقَا الْبَابَ (اور دونوں دروازے کی طرف سبقت کی) ان دونوں نے دروازے کی طرف دوڑ لگائی۔ عورت صاحب مقصد بننے کیلئے اور یوسف علیہ السلام نکلنے کیلئے۔ جانے کے محذوف اور یعنی فعل کے ساتھ ہے۔ جیسا دوسری آیات میں واقع ہوا ہے۔ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ اس میں حرف جر محذوف ہے۔ نمبر ۲۔ سبقتا میں تضمین ہے یعنی ابتدر متعدی ہے۔ یوسف نے جلدی کی اور اس سے بھاگے اور دروازے کی طرف نکلنے کیلئے جلدی کی اور عورت نے جلدی کی تاکہ نکلنے سے ان کو روکے۔ الباب کو یہاں واحد لایا گیا ہے۔ دوسرے مقام پر غلقت الابواب فرمایا۔ کیونکہ اس الباب سے مراد ہی آخری دروازہ ہے۔ جو عورت نکلنے کا راستہ تھا۔ جب آپ بھاگے تو تالے پڑے کھلنے اور ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے۔ یہاں تک کہ آپ تمام دروازوں سے نکل گئے۔

وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ (اور پیچھے سے عورت نے یوسف علیہ السلام کا قمیص پیچھے سے) اس نے پیچھے سے کھینچی۔ پس وہ پھٹ گئی جبکہ وہ دروازے کی طرف بھاگے۔ وہ عورت روکنے کیلئے ان کے پیچھے بھاگی۔ وَاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ (دونوں نے پایا عورت کے خاوند کو دروازے کے پاس) اس نے اپنے خاوند قطفیر کو سامنے سے آتا ہوا پایا جو کہ گھر میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ جب اس عورت نے خاوند کو دیکھا تو اپنے دامن کو شک سے صاف کرنے کیلئے اس نے کہا اور یوسف کو دھمکانے کیلئے تاکہ وہ الزام سے بچنے کیلئے اس کی مقصد براری کر دے اور فریب کاری کے طور پر یہ کہا قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّاۤ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (اس نے کہا نہیں ہے سزا اسکی جو تیرے اہل سے برائی کا ارادہ کرے مگر یہ کہ اسکو قید کیا جائے۔ اور دردناک سزا دی جائے) کہا کیا ہے اسکی سزا صرف قید ہے۔ یا عذاب الیم درد ناک سزا کوڑے۔

نکتہ: اس نے یوسف علیہ السلام کا صراحۃً ذکر نہیں کیا کہ اس نے اس کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا ہے۔ کیونکہ اس عورت کا مقصد عموم تھا۔ کہ ہر وہ آدمی جو تیرے اہل سے برائی کا ارادہ کرے۔ وہ قید یا عذاب کا مستحق ہے۔ یوسف علیہ السلام کو ڈرانے کیلئے یہ

انداز زیادہ بلیغ ہے۔

۲۶: جب عورت نے قید اور سزا کی تعریض کی تو یوسف علیہ السلام نے اپنی طرف سے دفاع ضروری سمجھا۔ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ (یوسف علیہ السلام نے کہا اس نے مجھے پھسلانا چاہا تھا) اگر چالبازی نہ ہوتی تو اس کے معاملے کو چھپاتے اور اس کو اس کے خاوند کے سامنے رسوا نہ کرتے۔

گھر کا گواہ اور اس کی درست بیانی:

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا (اور عورت کے گھر والوں میں سے ایک نے گواہی دی) وہ عورت کا چچا زاد بھائی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی زبان پر گواہی کو جاری کیا۔ جبکہ اس عورت کے خاندان کا آدمی تھا۔ تاکہ اس عورت پر پختہ دلیل بنے اور براءت یوسف کیلئے مضبوط دلیل ثابت ہو۔ نمبر۲۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ چھوٹا بچہ اور اس عورت کا ابن عم تھا۔

نکتہ: اس کی بات کو شہادت کا نام اس لئے دیا گیا کیونکہ اس نے اپنی بات یوسف علیہ السلام کی تائید اور آپ کی بات کے ثبوت میں گواہی کے مقام پر پیش کی تھی۔ اور اس کو عورت کی بات کا بطلان مقصود تھا۔ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ (اگر اس کا کرتا آگے سے پھٹا ہے تو زلیخا سچی ہے اور یوسف جھوٹا ہے)

۲۷: وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (اگر کرتا اس کا پھٹا ہے پیچھے سے تو اس عورت نے جھوٹ کہا اور یوسف سچوں میں سے ہے) تقدیر عبارت اس طرح ہے وشہد شاہد فقال ان کان قمیصہ الآیۃ آگے سے قمیص کا پھٹنا دلالت کرتا ہے کہ وہ سچی ہے کیونکہ وہ جلدی سے اس عورت کو پانے کیلئے پیچھا کرے گا۔ پس وہ قمیص کے دامن میں الجھ کر گرے اور گریبان پھٹ جائے گا۔ اور اس لئے بھی کہ وہ اس کی طرف متوجہ ہوگا اور وہ مقابلہ میں اس کا گریبان تھامے گی۔ پس قمیص سامنے سے پھٹے گی۔ قُبُل اور دُبُر میں تنوین و تنکیر کا معنی یہ ہے کہ ایک جہت سے جس کو قُبُل کہا جاتا ہے اور ایک جہت جس کو دُبُر کہا جاتا ہے۔ آیت میں اِنْ جو کہ مستقبل کیلئے آتا ہے۔ اس کو اور کان جو ماضی کیلئے آتا ہے جمع کر دیا تاکہ یہ معنی ہو کہ اگر اس طرح جان لو کہ قمیص یوسف کی پھٹی تھی۔

۲۸: فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ (جب اس نے یوسف کا کرتا پیچھے سے پھٹا دیکھا) یہ دیکھنے والا قطفیر تھا۔ اس کو براءت یوسف کا علم ہو گیا۔ اور ان کی سچائی واضح ہو گئی۔ اور عورت کا کذب سامنے آ گیا۔ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ (اس نے کہا بیشک وہ (قول) تمہاری مکاری کی وجہ سے ہے) نمبر۱۔ اِنَّہٗ کی ضمیر کا مرجع اس کا قول ما جزاء من اراد باھلک سوءا ہے۔ نمبر۲۔ اس معاملہ کہ مردوں کو قابو کرنے کا حیلہ۔ کیدکن سے اسی کو خطاب ہے اور اس کی لونڈیوں کو۔ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ (یقیناً تم عورتوں کا مکر بڑا ہے) یعنی ان کا مکر لطیف اور بڑے حیلہ پر مشتمل ہوتا ہے اسی لئے وہ مردوں پر غالب آ جاتی ہیں ان میں سے جو محلات میں رہنے والی عورتیں ہیں ان کے پاس ایسے ہلاک کن حیلے ہوتے ہیں جو دوسری عورتوں کے پاس نہیں ہوتے۔

نکتہ: بعض علماء کا مقولہ ہے کہ مجھے عورتوں سے شیطان کی نسبت زیادہ خطرہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ان کیدکن عظیم جبکہ شیطان کے متعلق فرمایا ان کید الشیطان کان ضعیفا [النساء: ۷۶]

میں امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ (عزیز کی بیوی) عزیز سے قطفیر مراد ہے۔ عرب کے لوگ العزیز بادشاہ کیلئے بولتے ہیں۔ تُرَاوِدُ فَتٰهَا (اپنے غلام کو پھسلاتی ہے) کہا جاتا ہے فتای وفتاتی یعنی میرا غلام اور میری لونڈی عَنْ نَّفْسِهٖ (اس کے نفس کی طرف سے) تا کہ اس سے اپنی خواہش کو پورا کرے قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا (اس کی محبت اس کے دل میں گھر کر چکی ہے)۔ کہا جاتا ہے یعنی اس کی محبت نے اس کے دل کے شغاف تک رسائی پائی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کی محبت نے اس کے دل کے پردے کو چیر کر دل میں رسائی حاصل کر لی ہے۔ الشغاف دل کا پردہ یا باریک کھال جس کو لسان القلب کہا جاتا ہے۔ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (ہم اس کو کھلی گمراہی میں دیکھتی ہیں) صحیح راستے سے دور خطاء میں بھٹک پاتے ہیں۔

پروپیگنڈے کا جواب:

۳۱: فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ (جب زلیخا نے ان کے فریب کو سنا) مکر سے ان کا غیر موجودگی میں یہ کہنا: امراۃ العزیز عشقت عبدھا الکنعانی اور اس کو غصہ آیا اور غیبت کو مکر خفیہ ہونے کی بناء پر کہا جیسا کہ مکار اپنا مکر خفیہ کرتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے اپنا راز اس کو چھپانے کیلئے دیا مگر انہوں نے ظاہر کر دیا۔ اَرْسَلَتْ اِلَیْهِنَّ (اس نے ان کی طرف پیغام بھیجا) ان کو دعوت دی۔ ایک قول کے مطابق دعوت تو چالیس عورتوں کو دی جن میں پانچوں مذکورہ بھی تھیں۔ وَاَعْتَدَتْ (اور اس نے تیار کیا) مہیا کرنا یہ عتاد سے باب افتعال ہے۔ لَهُنَّ مُتَّكَاً (اور ان کیلئے تکیے لگا دیے) جن پر وہ تکیہ لگا سکیں۔ جیسے گاؤ تکیہ اس دعوت کا مقصد کہ وہ تکیہ لگا کر بیٹھیں اس حال میں کہ چاقو ان کے ہاتھ میں ہوں۔ تا کہ وہ دیدار یوسفی سے مدہوش ہوں اور اپنے آپ کو بھول کر یوسف کی حسن سے ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں پر پڑیں گے تو ہاتھ کٹ جائیں گے۔ کیونکہ ٹیک لگانے والا جب کسی چیز کی وجہ سے مدہوش ہوتا ہے تو اس کا ہاتھ دوسرے ہاتھ پر بلا قصد آ گرتا ہے۔ وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّیْنًا (اور ان میں سے ہر عورت کو ایک چھری کاٹنے کو دے دی) اس زمانہ میں مصری لوگ چاقو سے کھاتے تھے جیسے عجمی کرتے ہیں۔ وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَیْهِنَّ (اور کہا تم ان عورتوں کے سامنے سے نکلو)

قراءت: بصری، عاصم اور حمزہ نے قالت میں کسرہ پڑھا اور باقیوں نے ضمہ پڑھا۔

فَلَمَّا رَاَیْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ (جب انہوں نے (یوسف) کو دیکھا تو مبہوت ہو گئیں) ان کو بہت بڑا خیال کیا اور اس خوشنما حسن و رعنائی سے اور بدیع الجمال چہرے سے ڈر گئیں۔ حسن میں یوسف علیہ السلام کو اسی طرح لوگوں پر فوقیت حاصل تھی۔ جیسے چاند کو چودھویں رات بقیہ ستاروں پر حاصل ہوتی ہے جب وہ مصر کی گلی کوچوں میں چلتے تو ان کے چہرے کی چمک دیواروں پر نظر آتی۔ وہ آدم علیہ السلام کے ساتھ مشابہت رکھتے تھے جس دن کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا فرمایا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حسن انہیں دادی سارہ سے وراثت میں ملا تھا۔

اَكْبَرْنَ کا ایک معنی یہ بھی کیا گیا کہ ان کو حیض آ گیا۔ اور ھا سکتہ کی ہے۔ اس لئے کہ اس طرح ہو لا محالہ کہنا لازم، فقد حصنہ کیونکہ یہ مفعول کی طرف متعدی نہیں ہوتا۔ عرب کہتے ہیں۔ اکبرت المراۃ اذا حاضت۔ جب اسے حیض آئے اور اکبرن کی حقیقت یہ ہے۔ کبر میں داخل ہونا۔ کیونکہ جب اسے حیض آتا ہے۔ تو وہ صغر سے نکل جاتی ہے۔ گویا حیض نے اسی تعبیر

فان لمحت حاجبت في الخدور العواتق ☆ خف الله واستر ذا الجمال ببرقع　سے یہ شعر بنایا ہے۔

"اللہ تعالیٰ سے ڈر اور خوبصورت کو برقع سے ڈھانپ اگر تو نے ظاہر کیا تو پردوں میں پاکباز عورتوں کا تخیل چھوٹ جائے گا۔"

وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ (اور انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے) ہاتھوں کو زخمی کر دیا۔ جیسے کہتے ہیں کنت اقطع اللحم فقطعت یدی۔ میں گوشت کاٹ رہا تھا میرا ہاتھ زخمی ہو گیا۔ اب مطلب یہ ہوا انہوں نے اس کھانے کی چیز کو کاٹنے کا ارادہ کیا جو ان کے ہاتھوں میں تھی۔ وہ یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر ایسی مدہوش ہو گئیں کہ اپنے ہاتھوں کو زخمی کر لیا۔ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ (اور انہوں نے کہا پناہ بخدا) حاشا۔ یہ استثناء کے باب میں تنزیہ کا فائدہ دینے والا کلمہ ہے۔ تم کہو گے اساء القوم حاشا زید۔ قوم نے زیادتی کی سوائے زید کے۔ یہ حروف جارہ میں سے بھی ہے۔ یہاں تنزیہ و براءت کیلئے ہے۔ اب معنی اس طرح ہوگا۔ اللہ تعالیٰ پاک و بری ہے۔ (صفت عجز و کمزوری سے) اور ابو عمرو کی قراءت حاشا للہ ہے۔ جیسے کہیں سقیا لک کو پہلے کہا براءۃ پھر کہا۔ اللہ تا کہ واضح ہو کہ وہ بری اور منزہ ہے۔ اور قراءت حفص میں حاش شد و دوسرے الف کے حذف کے ساتھ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پاکیزگی حاصل ہے۔ عاجزی والی صفات سے اور اس کی قدرت پر تعجب ہے کہ اس نے اس جیسا حسین پیدا کیا۔ مَا هٰذَا بَشَرًا ۗ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ (یہ بشر نہیں یہ تو بس معزز فرشتہ ہے) ان عورتوں نے یوسف علیہ السلام سے بشریت کی نفی ان کے عجیب و غریب حسن کی وجہ سے کی اور طبائع میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ فرشتے سے بڑھ کر کوئی حسین نہیں ہے۔ اور اتنی پاکدامنی فرشتوں میں ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ طبائع میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ شیطان سے زیادہ کوئی بدصورت نہیں۔

فریب کاری کا نیا جال:

۳۲: قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ (اس نے کہا یہی وہ شخص ہے کہ جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں) اس نے کہا یہ وہی کنعانی غلام ہے۔ جس کی ایک صورت تم نے اپنے ذہنوں میں بنا رکھی تھی۔ اور پھر تم مجھے اس پر ملامت کرتی تھیں۔ تمہارے ذہن میں اس کا حقیقی تصور آیا ہی نہ تھا۔ ورنہ اس کی وجہ سے میرے فتنہ میں مبتلا ہونے پر تم مجھے معذور قرار دیتیں۔ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ (واقعی میں نے ہی اس کو اپنی طرف میلان کیلئے پھسلایا تھا مگر وہ بچا رہا) استعصام مبالغہ کا وزن ہے۔ اور اجتنابی بلیغ انداز میں بڑے پر دلالت کرتا ہے اور اجتنابی تحفظ کو ظاہر کرتا ہے گویا کہ وہ عصمت میں پہلے ہی ہے اور اب اس میں مزید اضافے کیلئے کوشاں ہے۔ یہ کھلی ہوئی وضاحت ہے کہ یوسف علیہ السلام اس سے بالکل بری ہیں جو کہ بعض مفسرین نے (عیسائیت کے عقائد سے متاثر ہو کر تفسیر کر دی کیونکہ ان کے نزدیک عصمت خاصہ نبوت نہیں) الاہم اور الہم حق کی تفسیر کر ڈالی۔

ان عورتوں نے اس موقعہ پر سفارش کی کہ تم اپنی مالکہ کی اطاعت کرو اس پر زلیخا نے یہ دھمکی دی۔ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ (اور اگر اس نے نہ کیا وہ جو میں اس کو کہتی ہوں) ضمیر ہٗ ضمیر ما کی ما موصولہ کی طرف راجع ہے مطلب یہ ہے ما امر بہ جار کو حذف کر دیا جیسا اس مقولہ میں امرتک الخیر ای بالخیر نمبر۲۔ ما مصدریہ ہے اور مرجع یوسف علیہ السلام ہیں اب تقدیر اس طرح ہے ولئن لم یفعل امری ایاہ ای موجب امری ومقتضاہ اگر اس نے میرے حکم کا مقصود پورا نہ کیا۔ لَيُسْجَنَنَّ (تو ضرور قید کیا جائے گا)

سے وہ شراب بنتے تھے۔ نمبر۲۔ اہل عمان انگور کو خمر کہتے ہیں۔ وَقَالَ الْاٰخَرُ (دوسرے نے کہا) خباز نے اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْهُ نَبِّئْنَا بِتَاْوِیْلِهٖ (بیشک میں نے اپنے بارے میں دیکھا کہ اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں جس سے پرندے کھا رہے ہیں تو ہمیں اس کی تعبیر بتلا) یعنی خواب کی تعبیر اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ (بیشک ہم تمہیں نیکی کرنے والا پاتے ہیں) ان لوگوں میں سے جو خواب کی اچھی تعبیر کر سکتے ہیں نمبر۲۔ قید خانہ والوں کے ساتھ احسان سے پیش آنے والوں میں سے ہیں۔ آپ مریض کا علاج، تنگدستی کی غمخواری، تنگی والے پر وسعت کرتے ہیں، پس ہمارے خواب کی تعبیر کر کے ہم پر احسان کرو۔

ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے یہ امتحان کیلئے مختلف خواب بنایا تھا۔ نمبر۱۔ ساقی نے کہا میں نے دیکھا گویا میں باغ میں ہوں میں نے اچانک دیکھا کہ انگور کی جڑ پر تین گچھے انگور کے ظاہر ہوئے پس میں نے ان کو توڑ کر بادشاہ کے پیالے میں نچوڑ دیا۔ اور اس کو پلا دیا۔ نمبر۲۔ خباز نے کہا۔ میں نے دیکھا گویا میرے سر پر تین ٹوکرے ہیں جن پر قسما قسم کے کھانے بچے ہیں اچانک میں نے دیکھا کہ درندے اور پرندے ان میں سے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهٖٓ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهٖ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ۚ ذٰلِكُمَا

یوسف نے کہا جو کھانا تمہیں دیا جاتا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تمہیں خواب کی تعبیر بتا دوں گا یہ

مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۚ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ

اس علم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے۔ واقعی میں نے ان لوگوں کے دین کو چھوڑ رکھا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کے

كٰفِرُونَ ﴿۳۷﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَآءِيٓ إِبْرٰهِيمَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ ۚ مَا كَانَ لَنَآ

منکر ہیں۔ اور میں نے اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے دین کا اتباع کیا ہے۔ ہمارے لئے کسی طرح بھی زیبا نہیں

أَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ

کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں۔ یہ ہم پر اور دوسرے لوگوں پر اللہ کا فضل ہے اور لیکن

أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۳۸﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللّٰهُ

بہت سے لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ اے میرے قید خانہ کے ساتھیو! کیا بہت سے متفرق معبود اچھے ہیں یا اللہ تعالیٰ جو

الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهٖٓ إِلَّآ أَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوهَآ أَنْتُمْ وَ

اکیلا ہے زبردست ہے۔ تم لوگ اللہ کے سوا جن چیزوں کی عبادت کرتے ہو وہ صرف چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ٹھہرا لئے ہیں

آبَآؤُكُمْ مَّآ أَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۚ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوٓا

کہ خدا تعالیٰ نے ان کی کوئی سند نازل نہیں فرمائی۔ حکم اللہ ہی کا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت

إِلَّآ إِيَّاهُ ۚ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۰﴾

نہ کرو یہ سیدھا راستہ ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

۳۷: قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهٖٓ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهٖ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا (کہا جو کھانا تمہارے کھانے کے لئے آتا ہے اس کے آنے سے پہلے اس کی حقیقت بتلا دیتا ہوں) اس کی ماہیت و کیفیت کیونکہ اس مشکل کی تفسیر کے مشابہ قبل ازیں بانکھا ہے۔ جب انہوں نے آپ سے تعبیر پوچھی اور آپ کی تعریف احسان سے کی تو آپ کی بصیرت نے اس کو بھانپ لیا۔ اور اس سے اپنے ایسے وصف تک پہنچ گئے جو علماء کے علم سے بہت بلند ہے اور وہ غیب کی اطلاع ہے اور آپ نے ان کو متنبہ کیا کہ ان کی طرف لایا جانے والا کھانا جو روزانہ ان کو دیا جاتا ہے کہ آنا چاہیے کھانا اس طرح سے آئے گا اور وہ اسی طرح نکلا ہے اور اس بات کو آپ نے

جب یوسف علیہ السلام کے نکلنے اور رہائی پانے کا زمانہ قریب آیا تو مصر کے بادشاہ ریان بن ولید نے ایک خوفناک عجیب خواب دیکھا۔ اس نے سات موٹی گائیں خشک دریا سے نکلتے ہوئے دیکھیں اور سات دبلی گائیں بھی۔ یہ دبلی گائیں ان موٹی کو نگل گئیں اور بادشاہ نے سات سبز بالیں دیکھیں جن پر دانے لگ چکے ہیں۔ اور سات دوسری خشک بالیں جو کٹنے کے قریب ہیں۔ وہ خشک بالیں سبز پر لپٹ گئیں۔ اور ان پر غالب آ کر ان کو خشک کر ڈالا۔ بادشاہ نے انکی تعبیر چاہی مگر انکی قوم میں کوئی ایسا شخص نہ ملا جو انکی صحیح تعبیر کر سکے۔

بعض علماء کا قول یہ ہے کہ دبلا ہونے کی ابتداء بھی خواب اور دبلا ہونے کی انتہاء بھی خواب۔ سمان جمع سمین و سمینۃ موٹی۔ العجاف۔ دبلی۔ عجف ایسے دبلے پن کو کہتے ہیں کہ جس کے بعد موٹاپا کا وجود نہ ہو۔ عجاف عجفاء کی جمع ہے۔ اور فعل اور فعلاء کی جمع فعال کے وزن پر نہیں آتی۔ اب اسکی نقیض سمان پر اس کو محمول کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اہل عرب کی عادت یہ ہے کہ نظیر کو نظیر پر محمول کرتے رہتے ہیں۔ اور اسی طرح نقیض کو نقیض پر۔ آیت میں اس بات پر دلالت ہے کہ خشک بالیں بھی سات ہیں جیسا کہ سبز کی تعداد سات تھی۔ کیونکہ یہاں کلام بقرات سمان اور عجاف کے سمیت میں اور سنابل خضر و یابس کے متعلق ایک جیسا ہے۔ پس لازم ہے کہ آخر کا معنی سبعا لیا ہوئے۔ اور اخر یابسات کا معنی سبعا آخر لیا جائے۔

یایھا الملا (اے سردارو!) گویا اس نے ریان سلطنت مراد لیے جو علماء و حکماء میں سے تھے۔ افتونی فی رؤیای ان کنتم للرؤیا تعبرون (تم مجھے میرے خواب کے سلسلہ میں بتلاؤ اگر تم خواب کی تعبیر کرنا جانتے ہو) نمبر ۱۔ للرؤیا میں لام بیانیہ ہے۔ جیسا کہتے ہیں اس قول باری تعالیٰ میں وکانوا فیہ من الزاھدین میں بیانیہ ہے۔ نمبر ۲۔ مفعول پر جب فعل سے مقدم کر دیں تو فعل اس پر عمل کرنے میں اتنی قوت میں نہیں رہتا جتنا کہ بعد میں لانے سے۔ پس مفعول کو لام کے ذریعہ تقویت دی جیسا تم کہو عبرت الرؤیا۔ وللرؤیا۔ عبرت نمبر ۳۔ للرؤیا کان کی خبر ہے۔ جیسا کہتے ہیں۔ کان فلان لھذا الامر۔ جبکہ وہ اس کام پر پورا قابو رکھتا ہو اور اس میں مستقل ہو اور تعبرون خبر دوم یا حال ہے۔ اور عبرت الرؤیا کی حقیقت خواب کے انجام کا ذکر کرنا اور اس کے آخر کا تذکرہ جیسا کہتے ہیں عبرت النھر جب تم اس کو طے کر دو۔ یہاں تک کہ دوسرے کنارے پر پہنچ جائے۔ معبر عبروا اس نے اسکی تعبیر کی اور اسی طرح اولت الرؤیا جب کہ تم اس کا انجام ذکر کرو۔ وہ اس کا انجام ذکر کرنے والا ہے۔ میرے نزدیک عبرت الرؤیا تخفیف کے ساتھ زیادہ قابل اعتماد ہے۔ میں نے بعض لوگوں کو عبرت الرؤیا۔ تشدید کے ساتھ انکار کرتے پایا حالانکہ التعبیر والمعبر دونوں ہی استعمال ہوتے ہیں۔

۴۴: قالوا اضغاث احلام (انہوں نے کہا یہ پریشان خیالات ہیں) یعنی نمبر ۱: وہ خواب ملے جلے جھوٹے خواب اور جن میں نفس کی بات ملی ہو نمبر ۲۔ وسوسہ شیطانی۔ اضغاث کا اصل گھاس کا ملا جلا قسم قسم کی گھاس کا گٹھا۔ اس کا واحد ضغث ہے یہاں جھوٹے خوابوں کیلئے بطور استعارہ لایا گیا ہے اور اضافت یہاں من کے معنی میں ہے یعنی اضغاث من احلام۔ اس کو جمع لایا گیا حالانکہ وہ ایک ہی خواب ہے بطلان کی صورت میں حلم میں اضافہ کیلئے۔ اور ممکن ہے کہ اس نے اس خواب کے ساتھ اور خواب بھی ذکر کیے ہوں۔

وما نحن بتاویل الاحلام بعلمین (اور ہم خواب کی تعبیر سے واقف نہیں ہیں) احلام سے مراد باطل خوابیں تھیں۔ اسلئے

اسم مصدر ہے سے حال ہے ای دائبین ۔ ہمیشگی کرنے والے فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ (جو تم کاٹو اس کو اس کے بالوں میں چھوڑ دو) تاکہ اس کو گھن نہ لگے ۔ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ (مگر تھوڑا جو تم کھاؤ) یعنی جو تم نے ان سالوں میں استعمال کرنا ہو۔

۴۸: ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْكُلْنَ (پھر اس کے بعد سات بہت سخت سال آئیں گے جو کھا جائیں گے) یہاں یاکلن میں کھانے کی نسبت مجازاً سالوں کی طرف کر دی۔ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ (جو تم نے ان کے لئے پہلے سے جمع کر رکھا ہوگا) یعنی سرسبزی والے سالوں میں اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ (مگر تھوڑا جو تم بچا کر رکھو گے) مگر تھوڑا جو تم جمع کرو گے اور چھپا کر رکھو گے۔

۴۹: ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ (پھر اس کے بعد ایک سال ہوگا) یعنی چودہ سال بعد فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ (اس میں لوگوں پر بارش برسائی جائے گی) یا الغوث سے ہے۔ نمبر۱۔ ان کے فریادیوں کی ضرورت پوری ہوگی نمبر۲۔ الغیث سے ہے یعنی بارش کی جائے گی جیسے کہتے ہیں غیث البلاد جبکہ بارش ہو وَفِیْهِ یَعْصِرُوْنَ (اور اس میں لوگ نچوڑیں گے) یعنی انگور، زیتون کو اور ان سے مشروبات بنائیں گے اور تل کیلئے بطور تیل استعمال کریں گے۔

قراءت: حمزہ و علی نے تعصرون پڑھا ہے۔ آپ نے بقرات سمان اور السنبلات الخضر کی تعبیر خوشحالی کے سال اور العجاف اور الیابسات کی تعبیر قحط والے سالوں سے کی اور پھر ان کو بشارت دی کہ خواب کی تعبیر تو اتنی ہے مگر مزید بات یہ ہے کہ آٹھواں سال برکت والا آئے گا۔ اس میں کثرت سے غلہ اور بے تحاشا نعمتیں میسر ہوں گی۔ اور یہ تمام باتیں وحی سے بتلائیں اور اسی ہی سے حکم آیا۔

کی یہ شرط لگا دیتا کہ وہ مجھے جیل سے رہا کریں۔ اور ان کی یہ حالت بھی بڑی عجیب ہے کہ جب ان کے پاس قاصد آیا تو اسے کہا: ارْجِعْ اِلٰی رَبِّکَ۔ اگر میں انکی جگہ ہوتا اور قید میں اتنا عرصہ گزار چکا ہوتا جتنا انہوں نے گزارا تو میں ضرور داعی کی بات پر لبیک کہتا اور نکلنے کی طرف جلدی کرتا۔ عذر تلاش نہ کرتا وہ بڑے ہی حوصلہ مند اور بردبار تھے۔ (در المنثور)

سخاوت و حسن ادب یوسفی کا ایک ورق ملاحظہ ہو کہ آپ نے عزیز کی بیوی کا ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ اس نے آپ کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا اور قید و بند کا سبب بنی اور فقط ان عورتوں کا تذکرہ فرمایا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے۔ اِنَّ رَبِّیْ بِکَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ (بیشک میرا رب ان کے فریب کو جانتا ہے) ان کا فریب بلاشبہ بڑا ہے اس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور وہ اس پر بدلہ لینے والے ہیں۔

شاہی تفتیش:

۵۱: جب بادشاہ کا قاصد واپس لوٹ کر آیا تو بادشاہ نے ان ہاتھ کاٹنے والی عورتوں کو بلایا۔ اور عزیز کی عورت کو بھی بلایا اور کہا قَالَ مَا خَطْبُکُنَّ (تمہارا کیا معاملہ ہے) اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ (جب کہ تم نے یوسف کو پھسلایا) کیا تم نے اسکی طرف سے اپنے لئے ذرہ بھر میلان پایا۔ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ (تو انہوں نے کہا حاشا بخدا) اسکی قدرت جس نے اسے پاک باز بنایا ہے۔ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ (ہم نے ان کے متعلق ذرہ بھی برائی نہیں پائی) سوء سے گناہ مراد ہے۔ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ (عزیز کی بیوی کہنے لگی اب حق واضح ہو گیا) ظاہر اور پختہ ہو گیا۔ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ (میں نے اس کو اپنے مطلب کیلئے پھسلایا تھا اور بیشک وہ سچوں میں سے ہے) اس نے یہ بالکل سچ کہا ہی راودتنی عن نفسی ان دو گواہیوں پر کسی اضافہ کی ضرورت نہیں۔ یہ گواہیاں آپ کی براءت و نزاہت کو خوب ثابت کر رہی ہیں۔ عورتوں نے برملا اعتراف کیا کہ یوسف علیہ السلام پر جو الزام لگایا گیا اس سے ان کا کوئی سروکار نہیں ہے۔

براءت یوسف علیہ السلام:

۵۲: پھر قاصد یوسف علیہ السلام کے پاس لوٹ کر آیا اور عورتوں کی گفتگو کے متعلق اطلاع دی اور عزیز مصر کی بیوی کے اعتراف و اقرار کا بھی ذکر کیا۔ اس پر یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔ ذٰلِکَ (یہ) نکلنے سے انکار اور اظہار براءت پر اصرار میں نے اسلئے کیا لِیَعْلَمَ (تاکہ عزیز مصر کو معلوم ہو) اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ (کہ میں نے اسکی غیر موجودگی میں اسکی خیانت نہیں کی) اسکی عزت کے سلسلہ میں اس کی عدم حاضری میں۔

نحو: بالغیب یہ فاعل سے حال ہے یا مفعول سے حال ہے۔ یعنی اس طرح ہوگا تقدیرا۔ میں اس سے غائب ہوں۔ تقدیرا۔ وہ

میرے پاس موجود نہ ہو۔ نمبر۲۔ لیعلم کی ضمیر بادشاہ کی طرف لوٹ رہی ہے تا کہ بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ میں نے عزیز مصر کی خیانت نہیں کی۔ وَاَنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ کَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ (اور بیشک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے فریب کو چلنے نہیں دیتے) ان کو سیدھا راستہ نہیں دکھاتے۔ گویا اس میں امراۃ عزیز کے متعلق تعریض ہے کہ اس نے اپنے خاوند کی امانت میں خیانت کی۔ اور اپنی امانت کو پوری شوکت وقوت سے ظاہر فرمایا۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ ۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ۭ اِنَّ رَبِّیْ

اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کہتا۔ بلاشبہ نفس برائی کرنے کا خوب زیادہ حکم دیتا ہے۔ مگر جس کے نفس پر میرا رب رحم فرمائے بیشک میرا رب

غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۳﴾

غفور ہے رحیم ہے۔

۵۳: وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ (اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کہتا) پھر آپ نے بارگاہ الٰہی میں تواضع کرتے ہوئے اور اپنے نفس کو متہم کرتے ہوئے تاکہ اپنے منہ مٹھو بننے کا وہم نہ ہو۔ اور یہ بھی واضح ہو جائے کہ مجھ میں جو امانت و دیانت پائی جاتی ہے۔ یہ محض توفیق الٰہی اور اسکی عصمت سے ہے۔ چنانچہ فرمایا میں بذات خود اپنے نفس کو پاک قرار نہیں دیتا کہ وہ لغزشوں سے بچ جائے اور نہ میں بالکلیہ اسکی براءت کی گواہی دیتا ہوں۔ اور نہ عمومی احوال میں اس کو (لغزش سے) پاک قرار دیتا ہوں۔ نمبر۲۔ اس حادثہ میں جیسا کہ ھَمّ کو فطرہ بشریہ کے معنی میں جب لیا جائے اور قصد وارادہ کا اس میں مطلقاً دخل نہ ہو۔

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ (بیشک نفس تو ضرور برائی کی طرف جھک جانے والا ہے) النفس سے جنس نفس مراد ہے۔ جنس نفس تو برائی کی طرف لے جانے والی ہے اور اس پر آمادہ کرتی ہے کیونکہ اس میں شہوات پائی جاتی ہیں۔ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ (مگر جس پر میرا رب رحم کرے) نمبر۱۔ مگر وہ چیدہ لوگ جن پر میرے رب کی رحمت ہو اور عصمت سے ان کو نوازا گیا ہو۔ نمبر۲۔ یہ بھی جائز ہے کہ مَا رَحِمَ کو زمانہ کے معنی میں لیا جائے مگر میرے رب کی رحمت کے وقت۔ مطلب اس طرح ہوگا۔ نفس تو ہر وقت برائی کی طرف حکم کرنے والا ہے مگر وقت عصمت میں وہ حکم نہیں کر سکتا۔

نمبر۳۔ یہ استثناء منقطع ہے۔ یعنی میرے رب کی رحمت اس نفس کو بدی کے راستے سے پھیر دیتی ہے۔ اس صورت میں اِلَّا کو لٰکِنَّ کے معنی میں لیا گیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ یہ عزیز مصر کی بیوی کا مقولہ ہے۔ یہ بات جو میں نے کہی ہے یہ اس لئے ہے تاکہ یوسف کو علم ہو جائے کہ میں نے اس کے ساتھ خیانت نہیں کی اور اس کے متعلق اسکی غیر موجودگی میں جھوٹ نہیں بولا بلکہ جو سوال کیا گیا اس کے متعلق میں نے سچی بات کی ہے مگر اس کے باوجود بھی میں اپنے آپ کو خیانت سے بری الذمہ قرار نہیں دیتی۔ میں نے اسکی خیانت کی ہے جبکہ میں نے اس پر یہ تہمت و بہتان تراشا مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَھْلِکَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ یُّسْجَنَ اور قید کی دھمکی دی۔ وہ اپنے قصور کا اعتراف کر رہی ہے کہ ہر نفس برائی کی طرف بکثرت اختیار کرنے والا ہے۔ ماسوا اس کے جو یوسف (علیہ السلام) جیسے معصوم انسان پر رحمت کی برکت سے بچ نکلا ہے۔ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (بیشک میرا رب بخشنے والا رحم کرنے والا ہے) اس نے اپنے رب سے معافی طلب کی اور اسکی رحمت مانگی ان غلطیوں سے جنکا وہ ارتکاب کر چکی تھی۔ اس کو کلام یوسف علیہ السلام قرار دیا۔ مگر ظاہر میں اسکی کوئی دلیل نہیں۔ کیونکہ معنی تو اسکی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ قرآن مجید کی تقدیم و تاخیر والی قسم میں سے ہے کہ ذٰلِکَ لِیَعْلَمَ کا اتصال و تعلق سلسلہ ما قبل

نے فرمایا تم نے گائیں دیکھیں۔ پھر ان کے رنگ، دودھ، علامات اور ان کے نکلنے کی جگہ بتلائی اور بالوں کی جو کیفیت بادشاہ نے دیکھی وہ بیان کی۔ بادشاہ کو کہا کہ تم سردیوں میں غلہ جمع کرو، مخلوق اطراف سے میرے پاس آئے گی۔ اور غلہ حاصل کرے گی اور تیرے پاس اتنے خزانے جمع ہو سکیں گے جو آج تک کسی کے پاس جمع نہیں ہوئے۔ بادشاہ نے کہا کون ان باتوں میں میرا مددگار ہے؟ اور کون ان کو جمع کرے گا؟ اور کون سرانجام دے گا۔

مطالبہ یوسف علیہ السلام:

۵۵: قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ (یوسف علیہ السلام نے فرمایا تم مجھے زمین کے خزائن پر مقرر کرو) تم سرزمین کے خزائن کا مجھے ذمہ دار بنا دو۔ اِنِّیْ حَفِیْظٌ (میں امانتدار محافظ ہوں) اور اس چیز کی حفاظت کروں گا۔ جس کی حفاظت مجھ سے چاہو گے۔ عَلِیْمٌ (جاننے والا) تصرف و خرچ کے مقامات کو جاننے والا ہوں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی امانت و کارگزاری کو خود بیان فرمایا بادشاہوں کے ہاں جن کو عہدہ دیا جاتا ہے۔ ان میں یہی چیزیں دیکھی جاتی ہیں۔ آپ نے خود عہدہ اس لئے طلب کیا تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہو کیونکہ دنیا ہرگز مقصود نہ تھی آپ چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام نافذ ہوں۔ حق قائم ہو عدل پھیلے اور بندوں کو راحت میسر ہو۔ انبیاء علیہم السلام کی بعثت اسی لیے ہوتی ہے۔ آپ جانتے تھے کہ کوئی اور یہ کام سرانجام نہیں دے سکتا۔ اس لئے خود طلب کیا۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے بھائی یوسف پر رحم کرے اگر وہ اجعلنی علی خزائن الارض نہ کہتے تو بادشاہ ان کو فوراً حاکم بنا دیتا۔ (مگر اس کہنے کی وجہ سے) اس نے ایک سال تک مؤخر کیا۔ بقول حافظ ابن حجر یہ روایت سنداً ساقط الاعتبار ہے)

مسئلہ: اس میں علماء نے یہ مسئلہ نکالا کہ کافر و ظالم کی طرف سے کسی عہدے کو سنبھالنا جائز ہے۔ جب کہ نبی یا پیغمبر کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو نافذ اسی طریق کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں اور مظلوم کی دادرسی بھی کافر و فاسق کی طرف سے عہدہ حاصل کرنے پر ہو سکتی ہو۔ تو ایسے عہدے کا ضرور سہارا لینا چاہئے۔ بہت سے اسلاف نے ظالم بادشاہوں کی طرف سے اسی غرض کی خاطر عہدے قبول کئے۔ بادشاہ آپ کی رائے سے ہٹ کر کوئی رائے نہ دیتا اور آپ کی رائے میں دخل اندازی نہ کرتا گویا احکام کے نفاذ میں بادشاہ آپ کا تابع فرمان تھا۔

انتقال اقتدار اور عدل و مساوات یوسف علیہ السلام:

۵۶: وَکَذٰلِکَ (اور اسی طرح) اس ظاہر اقتدار و غلبہ کی طرح مَکَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ (ہم نے یوسف علیہ السلام کو زمین میں اقتدار بخشا) ارض سے ارض مصر مراد ہے۔ یہ ۴۰×۴۰ فرسخ تھی (یہ اندازہ درست معلوم نہیں ہوتا) التمکین قدرت اور اختیار دینا۔ یَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَیْثُ یَشَآءُ (آپ جس جگہ چاہیں رہیں) جس مقام کو منزل بنائیں غلبہ کی وجہ سے ان کے لئے کوئی رکاوٹ نہ تھی اور وہ سارا علاقہ آپ کی حکومت میں داخل تھا۔

قراءت: مکی نے نشاء نون سے پڑھا ہے۔ نُصِیْبُ بِرَحْمَتِنَا (ہم اپنی رحمت پہنچاتے ہیں) دنیا میں بادشاہی وغیرہ اپنی طرف سے دیتے اور غلبہ میسر کر دیتے ہیں اور دیگر نعمتیں بھی۔ مَنْ نَّشَآءُ (جس کو ہم چاہتے ہیں) جیسے ہماری حکمت تقاضا

کرتے ہیں وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ (ہم مخلصوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے) دنیا میں

۵۷: وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا (اور آخرت کا ثواب بہت بہتر ہے ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائے) اس سے مراد یوسف علیہ السلام اور قیامت تک آنے والے اہل ایمان ہیں۔ وَكَانُوا يَتَّقُونَ (اور نافرمانی سے بچتے رہے) شرک و فواحش سے بچتے رہے۔ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ مؤمن کو اس کی حسنات پر دنیا و آخرت میں ثواب ملتا ہے۔ اور فاجر کو دنیا میں بھلائی دے دی جاتی ہے اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں پھر یہ آیت تلاوت کی۔ روایت تفسیر میں ہے کہ بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کو تاج پہنایا اور اپنی مہر ان کے حوالے کر دی اور تلوار ان کو حمائل کی اور ان کے لئے سونے کا تخت بچھایا جس پر موتی اور یاقوت کا تاج لگا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا تخت سے تیرا ملک زیادہ مضبوط ہے۔ اور انگوٹھی سے تو اپنے ملک کی تدبیر و تنظیم کرو۔ اور تاج یہ میرا اور میرے آباء کا لباس نہیں۔ پھر آپ تخت پر تشریف فرما ہوئے سرداروں نے آپ کی اطاعت قبول کی۔ بادشاہ نے اقتدار آپ کے حوالے کیا۔ اور قطفیر کو معزول کر دیا۔ اس کے بعد وہ مر گیا۔ تو بادشاہ نے اس کی بیوی سے ان کا نکاح کر دیا جب یوسف ان کے پاس گئے تو کہا کیا یہ اس سے بہتر نہیں جو تم نے طلب کیا تھا اس کو کنواری پایا۔ ان سے دو لڑکے افرائیم اور میشا (یہ اسرائیلی قصہ گوئی کا حصہ ہے جس کو بلا امتحان ذہن سے نقل کر دیا گیا۔ مترجم)

آپ نے عدل کو قائم کیا اور مصر کے مرد و عورتوں نے آپ سے محبت کی آپ کے ہاتھ پر بہت سے مصری مسلمان ہوئے۔ آپ نے اہل مصر سے قحط کے سالوں میں غلہ دراہم و دنانیر سے خرید لیا۔ یہاں تک کہ ان کے پاس کچھ نہ رہا۔ پھر دوسرے سال زیورات و جواہرات کے بدلے خرید فرمایا۔ تیسرے سال چوپاؤں کے بدلے چوتھے سال غلاموں اور لونڈیوں کے بدلے۔ پانچویں سال زمین اور مکانات کے بدلے، چھٹے سال اولادوں کے بدلے ساتویں سال ان کی گردنوں کے بدلے جب سب غلام بن گئے تو ان کو آزاد کر دیا اور ان کے تمام اموال واپس کر کے ان کو راضی کر دیا۔ غلہ لینے کیلئے جو لوگ آتے تھے ان کو آپ ایک اونٹ کا بوجھ دیتے تھے۔

وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ ﴿٥٨﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُم

اور یوسف کے بھائی آئے سو وہ ان کے پاس اندر پہنچے سو یوسف نے ان کو پہچان لیا اور انہوں نے یوسف کو نہیں پہچانا اور جب یوسف نے ان کا سامان

بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ أَبِيكُمْ ۚ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا

تیار کر دیا تو فرمایا کہ تمہارا جو ایک باپ شریک بھائی ہے اسے میرے پاس لے آؤ۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ میں پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں سب سے

خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ﴿٥٩﴾ فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِندِي وَلَا تَقْرَبُونِ ﴿٦٠﴾ قَالُوا

زیادہ مہمان نوازی کرنے والا ہوں۔ سو اگر تم اس کو میرے پاس نہ لائے تو تمہارے لئے میرے پاس ناپ نہیں ہے اور تم میرے پاس مت آنا۔ وہ کہنے لگے

سَنُرَاوِدُ عَنْهُ أَبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ ﴿٦١﴾ وَقَالَ لِفِتْيَانِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ

کہ ہم اس کے بارے میں اس کے باپ سے خواہش کریں گے اور ہم ضرور یہ کام کرنے والے ہیں۔ اور یوسف نے اپنے خدمت گاروں سے کہا کہ ان کی پونجی ان کے کجاووں میں رکھ دو

لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٦٢﴾ فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ

تاکہ جب وہ اپنے گھر والوں کے پاس پہنچ جائیں تو اسے پہچان لیں شاید وہ پھر واپس آجائیں۔ پھر جب وہ اپنے باپ کے پاس

أَبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا أَخَانَا نَكْتَلْ وَإِنَّا لَهُ

آئے تو کہنے لگے کہ اے ابا جان ہمیں غلہ دینے کی ممانعت کر دی گئی ہے سو آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ ہم غلہ لائیں اور بے شک ہم اس کی

لَحَافِظُونَ ﴿٦٣﴾ قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمِنتُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِن قَبْلُ ۖ فَاللَّهُ

حفاظت کرنے والے ہیں۔ باپ نے کہا کہ کیا میں اس کے بارے میں تمہارا ویسا ہی اعتبار کروں جیسا اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں تمہارا اعتبار کر چکا ہوں۔ سو اللہ

خَيْرٌ حَافِظًا ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿٦٤﴾

سب سے بہتر نگہبان ہے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے

پہلی بار بھائیوں کی مصر آمد:

۵۸: مصر کی طرح سرزمین کنعان میں قحط پہنچا۔ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو غلہ لینے کیلئے بھیجا جس کا تذکرہ اس ارشاد میں ہے۔

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ (اور یوسف علیہ السلام کے بھائی آئے۔ وہ ان کے ہاں

داخل ہوئے تو یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا۔ اور وہ ان کو نہ پہچان سکے) بغیر پہچان کروانے کے ان کو آپ نے پہچان لیا اور وہ یوسف علیہ السلام کو شاہی لباس کی وجہ سے نہ پہچان سکے اور اسلئے بھی کہ وہ پردوں کے پیچھے تھے۔ اور اسلئے کہ چالیس سال کا طویل عرصہ گزر چکا تھا۔

۵۹: وَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ قَالَ (اور جب ان کا سامان درست کرا دیا تو ان سے کہا) روایت میں ہے کہ جب بھائیوں کو دیکھا تو ان سے عبرانی زبان میں بات کی اور فرمایا تم بتلاؤ کون ہو؟ اور کیا کام کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم شامی ہیں۔ بکریاں چرانا ہمارا پیشہ ہے۔ ہم قحط کی وجہ سے تکلیف میں مبتلا ہوئے۔ آپ کے پاس غلہ لینے آئے ہیں آپ نے فرمایا شاید یہاں کے حالات کی جاسوسی کیلئے آئے ہو۔ انہوں نے کہا خدا کی پناہ ہم ایک بیٹے کی گمشدگی سے غمزدہ پیغمبر کی اولاد ہیں۔ اس کا وہ بیٹا سب سے زیادہ محبوب تھا۔ اور ہمارے ایک ماں جائے بھائی کو اس نے انس کیلئے پاس رکھ لیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو اس کو بھی ساتھ لاؤ۔ جب ان کا غلہ تیار کرا دیا اور ہر ایک کو ایک ایک اونٹ غلہ سے دیا۔

قراءت: جِهَاز کو کسرہ جیم کے ساتھ پڑھنا شاذ ہے۔

ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ أَبِيكُمْ ۚ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ (تم میرے پاس اپنے باپ سے حقیقی بھائی کو لاؤ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں پورا ماپ دیتا ہوں) اوفی پورا کیل۔ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ (اور میں بہترین میزبان ہوں) آپ نے ان کی خوب میزبانی کی اور یہ بات کہہ کر واپسی کی ترغیب دی۔

۶۰: فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِندِي (پس اگر تم اس کو میرے پاس نہ لائے تو تمہارے لئے میرے پاس کوئی غلہ نہیں) یعنی غلہ تمہارے ہاتھ فروخت نہ کروں گا۔ وَلَا تَقْرَبُونِ (اور تم میرے پاس بھی نہ آنا) اگر تم اس کو نہ لائے تو اپنے حصہ سے محروم اور تم قریب مت آنا۔

نحو: یہ حکم جزاء میں مجزوم کے تحت داخل ہے اور فلا کیل لکم کے محل پر عطف ہے نمبر۲۔ یا یہ نہی کے معنی میں ہے۔

۶۱: قَالُوا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ أَبَاهُ (انہوں نے کہا ہم اس کے لئے باپ کو پھسلانے کی تدبیر کریں گے) اس کے متعلق ضرور چال چلیں گے اور کوئی حیلہ کریں گے تاکہ ان کے ہاتھوں سے ہم لا سکیں۔ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ (اور ہم نے ضرور یہ کرنا ہے) یہ بہر صورت ہوگا۔ اس میں کوئی کمی اور سستی نہ کریں گے یوسف علیہ السلام نے کہا ایک کو بطور رہن چھوڑ دو انہوں نے شمعون کو ان کے پاس چھوڑ دیا۔ جو یوسف علیہ السلام کے متعلق سب سے بہتر رائے والا تھا۔

۶۲: وَقَالَ لِفِتْيَانِهِ (آپ نے اپنے خدام سے کہا)

قراءت: کوفی نے سوائے ابو بکر کے لفتیانہ پڑھا اور دوسروں نے لفتیتہ پڑھا ہے۔ اور یہ دونوں جمع ہیں۔ جیسے اخوۃ۔ اخوان۔ اخ کی جمع ہے۔ فعلۃ کا وزن قلت اور فعلان کثرت کیلئے استعمال ہوتا ہے یعنی اپنے غلہ ناپنے والے خدام اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ (ان کا سامان ان کے کجاووں میں رکھ دو) نمبر۱۔ ان کے برتنوں میں اور وہ چمڑے کے تھے یا نمبر۲۔ کھوٹے یا چاندی اور یہ کجاووں میں چھپانے کیلئے زیادہ مناسب ہے۔ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا (شاید وہ اس کو پہچانیں) کہ اس کی واپسی کا حق پہچانیں اور وہ دونوں

بدلوں کے ذریعہ اکرام کا حق بجا لائیں۔ اِذَا انْقَلَبُوْا اِلٰى اَهْلِهِمْ (جب وہ اپنے گھر لوٹیں) اور اپنے برتنوں کو خالی کریں۔ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (شاید کہ وہ لوٹ آئیں) نمبر۱۔ اس حق کا پہچاننا ان کو ہماری طرف لوٹائے گا۔ نمبر۲۔ شاید کہ وہ سامان پائیں اور اس کو واپسی کیلئے لوٹیں۔ نمبر۳۔ ان کی دیانت ان کو امانت واپس کرنے کیلئے لوٹا لے گی۔ نمبر۴۔ انہوں نے مہربانی کی وجہ سے خیال کیا کہ اپنے بھائیوں سے قیمت لینا مناسب نہیں۔

۶۳: فَلَمَّا رَجَعُوْا اِلٰى اَبِيْهِمْ (جب وہ اپنے والد کی طرف لوٹ کر گئے) غلہ لیکر اور ان کو بادشاہ کے حسن سلوک کی اطلاع دی۔ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ (کہنے لگے اے ابا جان! ہم سے غلہ روک لیا گیا) اس کی مراد منع سے یوسف علیہ السلام کا یہ ارشاد فان لم تاتونی به فلا کیل لکم عندی۔ کیونکہ جب ان کو غلہ روکنے کی دھمکی دی گئی تو گویا غلہ روک لیا گیا۔ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ (آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیں تاکہ ہمیں غلہ مل جائے) اور غلہ ملنے میں رکاوٹ کا ازالہ کریں اور ہم جتنا غلہ ضروری ہے لے آئیں۔

قراءت: حمزہ اور علی نے یکتل پڑھا ہے یعنی اس کو ہمارے غلہ کے ساتھ مل جائیگا۔ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (اور بیشک ہم اس کے محافظ ہیں) اس بات سے کہ اس کو کوئی تکلیف پہنچے۔

۶۴: قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰۤى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ (کیا میں اس کے بارے میں اسی طرح تم پر اعتبار کروں جیسا اس کے بھائی کے بارے میں نے اس سے پہلے کیا تھا) تم نے یوسف کے متعلق یہ کہا تھا۔ ارسله معنا غدا یرتع و یلعب وانا له لحافظون ۔ وہ آج اس کے متعلق بھی کہہ رہے ہو۔ پھر تم نے اپنی ضمانت میں خیانت برتی۔ پس اس قسم کی بات مجھے اعتبار نہیں دلا سکتی۔ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا (اللہ تعالیٰ کی حفاظت سب سے بڑھ کر ہے)

قراءت: ابوبکر کے علاوہ کوفی قراء کی یہ قراءت ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے ان کے سپرد کر دیا۔

نحو: حافظا یہ حال یا تمیز ہے۔ جنہوں نے حفظا پڑھا ہے۔ وہ فقط تمیز ہے حال نہیں بن سکتا۔ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے) پس میں امیدوار ہوں کہ وہ مجھ پر احسان فرما کر اس کی حفاظت فرمائے گا۔ اور مجھ پر دو مصیبتیں جمع نہ کرے گا۔ کعب کہتے ہیں کہ جب فاللہ خیر حافظا کہا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا۔ وعزتی و جلالی لاردن علیک کلیھما مجھے میری عزت و جلال کی قسم میں دونوں کو تجھ پر لوٹا دوں گا۔

سے مت داخل ہونا بلکہ متفرق دروازوں سے داخل ہونا) کہ وہ اس بات پر ہیں کہ یعقوب علیہ السلام کو ان کے متعلق نظر لگ جانے کا خطرہ ہوا کیونکہ وہ حسین و جمیل تھے۔ پہلی مرتبہ ان کو الگ داخلے کا حکم نہیں دیا کیونکہ ان کو کوئی جانتا ہی نہ تھا۔

نظر کا اثر ہمارے نزدیک برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز کی طرف دیکھنے اور اس میں تعجب کرنے سے نقصان پیدا کر دیتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو ان کلمات سے تعوذ فرمایا کرتے تھے۔ اُعیذ کما بکلمات اللّٰہ التامۃ من کل ھامۃ ومن کل عین لامۃ (بخاری، ترمذی) جبائی معتزلی نے انکار کیا ہے۔ مگر اس کے انکار کی کوئی حیثیت نہیں کیونکہ احادیث صحیحہ صریحہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے یہ خطرہ کیا کہ ان کے دشمن ان کو دیکھ نہ سکیں اور پہچان کر ہلاکت کی تدابیر اختیار کرنے لگیں۔

وَمَآ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ (اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی کسی بات کو بھی اس کے مقابلہ میں کچھ بھی دفع نہیں کر سکتا) یعنی اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے متعلق تکلیف دینے کا ہو تو میں تمہارے کسی کام نہیں آ سکتا اور تم سے اس اثر کو دور نہیں کر سکتا وہ بہر صورت تمہیں پہنچ کر رہے گا۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَیْهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ (بس حکم تو اللہ تعالیٰ ہی کا چلتا ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی پر بھروسہ کرنے والے بھروسہ کرتے ہیں) التوکل معاملے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا اور اس پر اعتماد کرنا۔

۶۸: وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَیْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ (جب وہ داخل ہوئے جس طرح ان کو ان کے والد نے داخلے کا حکم دیا تھا) الگ الگ ہو کر۔ مَا كَانَ یُغْنِیْ عَنْهُمْ (تو ان کو اس (داخلے) نے فائدہ نہ دیا) یعنی متفرق دروازوں سے مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش آنے والی چیز کے مقابلہ میں کچھ بھی) بالکل نہ وہ بھرا اسطرح کیا الگ داخلے کے باوجود چوری کی نسبت ان کی طرف ہوگئی۔ اور ان سے انتہائی شرمندہ ہوئے اور بھائی کو پیالے کے کجاوہ میں مل جانے کی وجہ سے پکڑ لیا گیا۔ اور باپ پر مصیبت دوگنا ہو گئی۔ اِلَّا حَاجَةً (مگر ایک خواہش تھی) یہ استثناء منقطع ہے لیکن کے معنی میں ہے۔ فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ قَضٰىهَا (یعقوب علیہ السلام کے دل میں جس کو انہوں نے پورا کیا) اور شفقت تھی جو ان کے دل میں تھی۔ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ (اور بیشک وہ علم والے تھے) اس نے کہا وما اغنی عنکم من اللہ من شیء کہ تقدیر کے آگے تدبیر نہیں چلتی۔ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ (ہمارے تعلیم دینے کی وجہ سے) ہم نے اس کو وحی سے سکھایا۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے) اس بات کو۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا

سو جب وہ یوسف کے پاس داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے بھائی کو اپنے پاس ٹھکانہ دیا اس سے کہا کہ میں بے شک تیرا بھائی ہوں سو تو اس کا رنج مت کر جو کچھ

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ

یہ لوگ کرتے رہے ہیں پھر جب انہیں سامان دے کر تیار کر دیا تو ایک پانی پینے کا برتن اپنے بھائی کے کجاوہ میں رکھ دیا

ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا

پھر ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا کہ اے قافلہ والو بے شک تم چور ہو۔ وہ لوگ کہنے لگے اور ان کی طرف آگے بڑھے کہ تمہاری کیا چیز گم

تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا

ہو رہی ہے انہوں نے کہا کہ ہمیں بادشاہ کا پیمانہ نہیں مل رہا ہے۔ اور جو شخص اسے لے کر آئے اس کے لئے ایک اونٹ کا بوجھ ہے اور میں

بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا

اس کا ذمہ دار ہوں۔ وہ کہنے لگے کہ اللہ کی قسم آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ ہم لوگ اس لئے نہیں آئے کہ زمین میں فساد کریں اور نہ ہم

سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ

چور ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ پھر اس کی کیا سزا ہے اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے۔ کہنے لگے کہ اس کی سزا یہی ہے کہ جس کے کجاوہ میں یہ پیمانہ

رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾

پایا جائے سو وہی اس کی ذات ہی اس کا بدلہ ہے ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔

بنیامین کی امید بر آئی:

۶۹: وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ (جب وہ یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو اپنے بھائی کو اپنے ساتھ ٹھہرایا) ملایا اپنے ساتھ بنیامین کو۔ روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا یہ ہمارا بھائی ہے اس کو ہم لے آئے ہیں۔ تو یوسف علیہ السلام نے کہا تم نے خوب کیا۔ پس ان کو مہمان ٹھہرایا اور اکرام کیا۔ پھر ان کو ملایا اور ہر دو دو کو ایک دسترخوان پر بٹھایا۔ بنیامین اکیلے رہ گئے پس وہ رونے لگے۔ اور کہا اگر میرا بھائی یوسف زندہ ہوتا تو میں اس کے ساتھ بیٹھ جاتا۔ یوسف علیہ السلام نے کہا تمہارا بھائی اکیلا رہ گیا ہے۔ تو اس کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھایا اور اس کو کھلاتے رہے اور اس کو کہا کیا تمہیں پسند ہے کہ میں تیرا بھائی بن جاؤں تیرے ہلاک ہونے والے بھائی کی جگہ۔ بنیامین نے کہا تجھ جیسا بھائی کس کو ملے گا؟ لیکن تو یعقوب کا بیٹا نہیں اور نہ راحیل کی کوکھ

قَالُوٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ

کہنے لگے اگر اس نے چوری کی ہے تو اس کا بھائی بھی اس سے پہلے چوری کر چکا ہے سو یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں چھپا رکھا اور

يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ

ان پر ظاہر نہیں کیا، کہا کہ تم زیادہ برے ہو درجہ میں اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم بیان کرتے ہو۔ وہ کہنے لگے کہ اے عزیز

اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾

اس کے والد بہت بوڑھے ہیں سو آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی ایک کو رکھ لیجئے بلاشبہ ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں سے دیکھتے ہیں

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾

یوسف نے کہا کہ اللہ کی پناہ اس سے کہ جس کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا کسی اور کو پکڑ لیں، اگر ہم ایسا کریں تو ہم ظلم کرنے والے ہو جائیں گے۔

درجات (ہم درجات بلند کرتے ہیں) قراءت: کوفی نے تنوین سے پڑھا ہے۔ مَنْ نَّشَآءُ (جس کو ہم چاہتے ہیں) یعنی اپنے علم کے مطابق جیسا کہ ہم نے یوسف علیہ السلام کا درجہ اس میں بلند کیا۔ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ (اور ہر علم والے سے بڑھ کر علم والا ہے) نمبر ۱۔ جو علم میں اس سے اعلیٰ مرتبہ والا ہو۔ نمبر ۲۔ تمام مخلوق سے زیادہ علم والا ہو اور ان کا علم اس سے کم ہو۔ اور سب سے زیادہ جاننے والی ذات باری تعالیٰ کی ہے۔

بھائیوں کی غصہ میں بیجا بات:

۷۷: قَالُوٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ (انہوں نے کہا اگر اس نے چوری کی تو اس کے بھائی نے اس سے پہلے چوری کی) مراد اس سے یوسف علیہ السلام ہیں۔ نمبر ۱۔ وہ ایک گرجے میں داخل ہوئے اور سونے کی ایک مورتی اٹھائی جس کی وہ گرجے والے عبادت کرتے تھے پھر اس کو دفن کر دیا۔ نمبر ۲۔ گھر میں ایک مرغی تھی جو آپ نے سائل کو دے دی۔ نمبر ۳۔ ایک پٹکا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چلا آرہا تھا۔ جو حضرت اسحاق سے ان کی بیٹی کو ملا۔ وہ اسحاق کی اولاد میں سے سب سے بڑی تھی۔ اس نے یوسف علیہ السلام کو گود میں لیا اور والدہ کی وفات کے بعد انہی کے ہاں رہنے لگے۔ وہ آپ سے بہت محبت کرتی تھیں۔ جب ذرا بڑے ہوئے تو یعقوب علیہ السلام نے ان سے واپسی کا مطالبہ کیا تو اس نے وہ پٹکا کپڑوں کے نیچے کمر بند سے باندھ کر لپیٹ دیا۔ پھر آ کر کہنے لگی۔ اسحاق والا پٹکا گم ہوا ہے ذرا تلاش کرو کہ کس نے چرایا ہے۔ گھر والوں کی تلاشی کے لیے انہوں نے تلاشی لی تو یوسف کے بندھا پایا۔ اس پر وہ کہنے لگیں یہ تو میرے سپرد ہے میں جو چاہوں کروں۔ یعقوب علیہ السلام نے موت تک یوسف کو ان کے ہاں چھوڑ دیا۔

روایت تفسیر میں ہے کہ جب صاع بنیامین کے کجاوہ سے نکالا گیا تو تمام بھائیوں نے شرمندگی سے سر جھکا لیے پھر متوجہ ہو کر

کہنے لگے تو نے ہمیں رسوا کر دیا اور ہمارے چہروں کو سیاہ کر دیا۔ اور راحیل کی اولاد! تمہاری طرف سے ہم پر یہ مصیبت آتی رہے گی تم نے کب یہ پیالہ لیا۔ اس نے کہا بنو راحیل وہ ہیں جن پر تمہاری اب تک مصیبت اتری؟ تم میرے بھائی کو لے گئے اور اس کو مار ڈالا اور یہ پیالہ میرے کجاوے میں اس نے رکھا جس نے تمہارے تھیلوں میں سامان رکھا تھا۔ فَاَسَرَّهَا (پس یوسف نے اس بات کو چھپایا) یعنی ان کی یہ بات کہ اس نے چوری کی گویا کہ آپ نے یہ بات کی ہی نہیں۔ یُوْسُفُ فِیْ نَفْسِهٖ وَلَمْ یُبْدِهَا لَهُمْ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا (اپنے دل میں اور ان کو ظاہر نہ کیا ان کے سامنے۔ کہا تم مقام کے اعتبار سے اور زیادہ برے ہو) مکانا یہ تمیز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم بڑے چور ہو کیونکہ تم نے اپنے باپ سے یوسف کو چرایا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ (اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جو کچھ تم بیان کرتے ہو) یعنی جھوٹ بولتے یا سچے ہو۔

منت وسماجت پر اتر آئے:

۷۸: قَالُوْا یٰٓاَیُّهَا الْعَزِیْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَیْخًا كَبِیْرًا (انہوں نے کہا اے عزیز! بے شک اس کا باپ بہت بوڑھا ہے) عمر میں اور مرتبہ میں فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ (تم ہم میں سے ایک کو اس کی جگہ لے لو) نمبر۱۔ بطور رہن کے اس کے بدلے میں یا نمبر۲۔ غلام بنانے کے لیے کیونکہ اس کا باپ اس کے مفقود بھائی کی وجہ سے اس سے تسلی پاتا ہے اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ (بے شک ہم تمہیں نیکی کرنے والوں میں سے پاتے ہیں) اپنے ساتھ پس تم یہ احسان پورا کرو۔ نمبر۲۔ تمہاری عادت احسان کرنا ہے پس اپنی عادت پر قائم رہو اس میں تبدیلی نہ لاؤ۔

۷۹: قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ (اس نے کہا پناہ بخدا (اس بات سے) کہ ہم نے جس کے پاس اپنا سامان پایا اس کے سوا کسی اور کو پکڑیں) ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں پناہ مانگنا کہ ہم پکڑیں کسی اور کو۔ مصدر کی اضافت مفعول کی طرف کی۔ اور من کو حذف کر دیا۔ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ (ہم اس وقت ظلم کرنے والے ہوں گے) اذًا یہ ان کا جواب جزا ہے کیونکہ مطلب اس طرح ہے کہ اگر ہم اس کا بدلہ لیں تو ہم ظالم ہوں گے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے فیصلہ پر ہم نے پکڑنا ہے کہ جس کے پاس سامان ہے اس کو غلام بنا لیا جائے۔ اگر ہم دوسرے کو پکڑیں تو یہ تمہارے مذہب کے لحاظ سے ظلم ہوگا۔ پس جس چیز کا ظلم ہونا تمہیں مسلّم ہے۔ اس کا مطالبہ کیوں کرتے ہو۔

دے دے) نمبر۱۔ مصر سے نکلنے کا نمبر۲۔ موت دے دے نمبر۳۔ ان سے لڑنے کی اجازت دے دے۔ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ (وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں) کیونکہ اس کا ہر فیصلہ عدل ہی ہوتا ہے۔

واپسی کا مشورہ:

۸۱: ارْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ (تم اپنے والد کی طرف لوٹ جاؤ اور اس کو کہو اے ہمارے ابا بیشک تیرے بیٹے نے چوری کی ہے)

قراءت: سُرِّقَ پڑھا گیا جس کا معنی چوری کی طرف نسبت کرنا ہے۔ وَمَا شَهِدْنَآ (اور ہم نے گواہی نہیں دی) اس کے متعلق چوری کی اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا (مگر وہی جو ہم نے جانا) یعنی اس کا سرقہ اور یہ یقین کہ صاع اس کے تھیلے سے نکالا گیا۔ وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ (اور ہم غیب کی باتوں کے حافظ نہ تھے) اور ہمیں تو معلوم نہ تھا کہ وہ عنقریب چوری کرے گا جب ہم نے آپ سے قسم اور پختہ وعدہ کیا۔

۸۲: وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا (اور اس بستی سے جہاں ہم تھے آپ دریافت کرلیں) یعنی مصر میں آدمی بھیج کر واقعہ کی اصلیت معلوم کرلیں۔ وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا (اور اس قافلے سے جس میں ہم آئے ہیں) قافلہ والوں سے۔ یہ لوگ یعقوب علیہ السلام کے پڑوسی کنعانی لوگ تھے۔ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ (اور بیشک ہم سچے ہیں) اپنی اس بات میں۔

والد کو اطلاع پر غم کی تازگی:

۸۴: وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ (وہ ان کی طرف سے منہ پھیرا) اس خبر لانے پر جو وہ لائے تھے اس کو ناپسند کرتے ہوئے ان سے اعراض کیا۔ وَقَالَ يٰاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ (اور کہا اے میرے افسوس یوسف پر) الاسف کو مضاف کیا اپنی ذات کی طرف۔ اسف شدید غم و حزن و حسرت کو کہتے ہیں۔ اس میں الف یاء اضافت سے بدل ہے۔ اور اسف اور یوسف کے الفاظ میں بلاتکلف صنعت تجانس پیدا ہو گئی ہے جیسا کہ اثاقلتم الی الارض ارضیتم [التوبہ: ۳۸] اور وھم ینھون عنه وینئون عنه [الانعام: ۲۶] اسی طرح وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا [الکہف: ۱۰۴] اسی طرح من سبا بنبا [النمل: ۲۲] ان تمام مقامات پر یہ صنعت تجانس پائی جاتی ہے۔

فائدہ: یوسف پر افسوس کیا مگر بنیامین اور بڑے بیٹے پر نہیں کیونکہ ان کے معاملے کو عرصہ گزر چکا تھا۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ طویل عرصہ گزرنے پر بھی دکھ ان کے ہاں تازہ تھا۔ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ (اور ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں) اسی لئے کہ ان سے بہت آنسو بہے اور آنسوؤں نے آنکھوں کی سیاہی مٹا دی اور مکدر سفیدی رہ گئی۔ نمبر۲۔ ان کی نگاہ بالکل جاتی رہی۔ نمبر۳۔ ان کو معمولی بات پہچان تھی۔

مِنَ الْحُزْنِ (غم کے باعث) کیونکہ غم رونے کا ذریعہ ہے جس رونے سے سفیدی آتی تھی گویا دوسرے لفظوں میں غم سے ہی سفیدی آتی۔ نمبر۲۔ فراق یوسف سے لے کر ملاقات کے وقت تک آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے کبھی خشک نہ ہوئی تھیں یہ اسی سال کا طویل عرصہ تھا۔ اور یعقوب علیہ السلام سے بڑھ کر اس وقت کوئی اللہ تعالیٰ کا مقبول بندہ نہ تھا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ہو سکتا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کو یہ گھبراہٹ اس حد تک پہنچا دے۔ کیونکہ انسان جبلی طور پر غم میں بے اختیار ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے صبر کی تعریف کی۔ رسول اللہ ﷺ اپنے بیٹے ابراہیم پر روئے اور فرمایا۔ دل غم کرتا آنکھ آنسو بہاتی ہے۔ مگر ہم وہ بات نہیں کہتے جو ہمارے رب کو ناراض کرے۔ اور ہمیں اے ابراہیم تیری جدائی کا صدمہ پہنچا ہے [بخاری، مسلم] قابل مذمت چیخنا چلانا نوحہ کرنا، چہرے پر تھپڑ مارنا، سینہ کوبی کرنا، کپڑے پھاڑنا ہے۔ (اور اس سے انبیاء علیہم السلام کا دامن پاک ہے) فَهُوَ كَظِيْمٌ (اور وہ جی ہی جی میں گھٹا کرتے) اور دل غصے سے بھرے تھے وہ چھپاتے اس ناگواری کو ظاہر نہ کرتے۔ کظیم فعیل بمعنی مفعول ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا اذ نادی وھو مکظوم [القلم: ۴۸] یہ کظم السقاء سے بنا ہے۔ جب اس کو بھر کر باندھ دیں۔

بیٹوں کی ملامت:

۸۵- قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا (بیٹے کہنے لگے آپ تو ہمیشہ ہی) یہ لا تفتا تھا حرف نفی کو حذف کر دیا کیونکہ وہ ملتبس نہیں ہوتا اگر یہ مثبت ہوتا تو لام و نون کے بغیر چارہ کار نہ تھا۔ لا تفتا کا معنی لا تزال والا ہے۔ تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا (یاد کرتے رہیں گے یوسف کو یہاں تک کہ تو گھل گھل کر جان بلب ہو جائے) مرض کی وجہ سے ہلاکت کے کنارے پہ ہو۔ اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ (یا تو ہو جائے ہلاک ہونے والا)

۸۶: قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ (کہا بیشک میں شکوہ کرتا ہوں اپنے رنج اور غم کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں) البث

شدید غم جس پر صبر نہ ہو سکے پھر وہ اس کا اظہار دوسرے کے پاس کرے۔ مطلب یہ ہوا میں کسی کے ہاں شکوہ نہیں کرتا نہ تمہارے ہاں اور نہ غیر کے ہاں میں تو بارگاہ الٰہی میں شکوہ کرتا ہوں۔ اور اسی سے دعا و التجا کرنے والا ہوں۔ تم میری شکایت کے درمیان حائل نہ ہو۔

تیسری روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں تم پر اس لئے ناراض ہوا کیونکہ تم نے ایک بکری ذبح کی۔ تمہارے دروازے پر ایک مسکین آیا تم نے اس کو کھانا نہ دیا۔ مجھے اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب انبیاء علیہم السلام ہیں۔ پھر مساکین۔ پس تم کھانا تیار کراؤ اور اس پر مساکین کو بلاؤ۔ نمبر۲۔ انہوں نے ایک لونڈی کو جس کے ساتھ اس کا بچہ تھا خریدا۔ لڑکے کو بیچ دیا۔ وہ لونڈی بچے پر رو رو کر اندھی ہو گئی۔ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) اور میں اس کی رحمت کے بارے میں جانتا ہوں کہ وہ صبر کرنے سے ملے گی۔ روایت میں ہے کہ انہوں نے موت کے فرشتہ کو خواب میں دیکھا اس سے پوچھا کیا تم نے یوسف کی روح قبض کی؟ اس نے کہا نہیں۔ اللہ کی قسم! وہ زندہ ہے اس کو تلاش کرو۔ اور پھر فرشتے نے ان کو یہ دعا سکھائی یاذا المعروف الدائم الذی لا ینقطع ابداً ولا یحصیہ غیرک فرج عنی۔

تیسری بار مصر کی روانگی کی ہدایات:

۸۷: يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ (اے میرے بیٹو! جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو) ان دونوں کے متعلق معلومات حاصل کرو اور ان کی خبر تلاش کرو۔ فتحسسوا یہ الاحساس سے تفعل ہے اور اس کا معنی معرفت و پہچان حاصل کرنا ہے۔ وَلَا تَايْــَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ (اور تم ناامید نہ ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے) رحمت الٰہی اور وسعت باری تعالیٰ سے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ اِنَّهٗ (بیشک شان و معاملہ یہ ہے) لَا يَايْــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے مگر کافر لوگ) کیونکہ جو ایمان لاتا ہے وہ جانتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور رحمتوں میں رہ رہا ہے اور کافر رحمت الٰہی کو جانتا ہی نہیں اور نہ اس کا آنا جانا اس کی نعمتوں میں ہے۔ اس لئے وہ اس کی رحمت سے مایوس رہتا ہے۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ

سو جب یہ لوگ یوسف کے پاس داخل ہوئے تو کہنے لگے کہ اے عزیز ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف پہنچی ہے اور ہم یہ ادنیٰ پونجی لائے ہیں

مُّزْجٰةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝

اور ناقص ہونے کی وجہ سے ردی ہے سو آپ ہمیں پورا غلہ دے دیجئے اور ہم پر صدقہ کر دیجئے بے شک اللہ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ

یوسف نے کہا کیا تم جانتے ہو کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا جبکہ تم جاہل تھے۔ کہنے لگے کیا واقعی آپ

لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۭ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ

یوسف ہیں؟ یوسف نے کہا ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے اللہ نے ہم پر احسان فرمایا، بلاشبہ بات یہ ہے کہ جو شخص تقویٰ اختیار کرے

فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا

اور صبر کرے تو اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ کہنے لگے اللہ کی قسم اللہ نے تجھے ہم پر فضیلت دے دی اور بے شک ہم خطا

لَخٰطِـِٕيْنَ ۝ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝

کرنے والوں میں سے تھے۔ یوسف نے کہا آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔

۸۸: پھر وہ اپنے والد کے ہاں سے نکل کر مصر کی طرف روانہ ہوئے فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ (جب وہ اس کے پاس داخل ہوئے) یعنی یوسف علیہ السلام قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ (اے عزیز مصر ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو قحط سے سخت تکلیف پہنچی ہے) شدت تکلیف اور بھوک سے کمزوری پہنچ گئی۔ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰةٍ (اور ہم کھوٹے دراہم لائے ہیں) ردی دراہم جن کو ہر تاجر اپنے ہاتھ سے پیچھے ہٹاتا ہے اور ان سے نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ یہ مُزْجٰةٍ اَزْجَيْتُهُ سے ہے جس کا معنی دفع کرنا اور پیچھے ہٹانا ہے۔ نمبر۲۔ دوسرا قول یہ ہے ان کے دراہم زیوف کم قیمت تھے جن کو صرف حاجت کے لئے لیا جاتا نمبر۳۔ اون اور گھی تھا۔ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ (تم پورا غلہ دو) جو ہمارا حق بنتا ہے۔ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا (اور ہم پر صدقہ کر دیجئے) اور درگزر کر کے ہمیں زائد دیں اور سامان کے ردی ہونے سے چشم پوشی فرمائیں۔ نمبر۲۔ ہمارے حق سے اضافہ فرمائیں۔ نمبر۳۔ ہمارا بھائی مہربانی سے ہمیں دے دیں۔ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ (بیشک اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو جزا دینے والا ہے)

۸۹: جب انہوں نے کہا مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ اور گڑگڑائے اور اس سے صدقہ طلب کیا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو کی جھڑی لگ گئی اور بے تاب ہو کر ان سے اپنا تعارف کرایا۔ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ (کہ کیا تم جانتے ہو جو کچھ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا) کیا اس حرکت کی قباحت و برائی سے واقف ہو جو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ

میرا یہ کرتہ لے جاؤ اور اسے میرے والد کے چہرے پر ڈال دو وہ بینا ہو جائیں گے اور میرے پاس اپنے سارے گھر والوں کو

اَجْمَعِيْنَ ۝ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ

لے آؤ۔ اور جب قافلہ روانہ ہوا تو ان کے والد نے کہا اگر تم یہ نہ کہو کہ میں بہکی ہوئی باتیں کرنے والا ہوں تو میں یوسف کی

اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ۝ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ

خوشبو پا رہا ہوں۔ وہ لوگ کہنے لگے اللہ کی قسم آپ اپنی پرانی غلطی میں ہیں۔ پھر جب خوشخبری لانے والا

الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ

آ پہنچا تو اس نے وہ کرتہ ان کے منہ پر ڈال دیا اور وہ پھر سے آنکھوں والے ہو گئے اور کہنے لگے کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ اللہ کی طرف سے جو باتیں

مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ۝

میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ ان کے بیٹے کہنے لگے اے ابا جی ہمارے گناہوں کی مغفرت کے لئے دعا کیجئے بیشک ہم قصور کرنے والے ہیں۔

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

انہوں نے جواب دیا کہ میں عنقریب اپنے رب سے تمہارے لئے مغفرت کی دعا کروں گا بیشک وہ غفور رحیم ہے۔

طرف بڑی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں وہ عظیم ذات ہے جس نے ایک غلام کو اس بلندی پر پہنچا دیا۔ اب تمہاری وجہ سے مجھے یہ شرف ملا اور لوگوں کو علم ہوا کہ میں ابراہیم علیہ السلام کا پوتا ہوں یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ (اللہ تمہاری مغفرت فرمائے) وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے) جب میں فقیر اور محتاج کی رحمت کا یہ حال ہے تو غنی غفور کی رحمت بے پایاں کتنی بڑی ہوگی۔

اظہار معجزہ:

۹۳: پھر ان سے والد کے حالات دریافت کئے تو انہوں نے بتایا روروکر ان کی آنکھیں جاتی رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا: اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا (تم میری یہ قمیص لے جاؤ) ایک قول یہ ہے کہ وہ متوارث قمیص تھی جو تعویذ کی صورت میں یوسف علیہ السلام کے پاس تھی یہ جنت سے آئی تھی۔ جبرئیل علیہ السلام نے اسی کے بھیجنے کا حکم دیا تھا کیونکہ اس میں جنت کی خوشبو تھی وہ جب کسی بیمار یا مصیبت زدہ پر ڈالی جاتی تو وہ تندرست ہو جاتا۔ فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا (تم اس کو میرے والد کے چہرہ پر ڈال دو ان کی بصارت واپس آ جائے گی) یصیر بصیرا تم ہو کے جا ملتا تھا۔ یہ بنیادی مقصود تھا۔ تمہیں۔ وہ میری طرف آ جائیں گے اس حال میں کہ وہ آنکھوں والے ہو گئے۔ یہودا نے کہا کہ قمیص میں لے جاؤں گا کیونکہ خون آلود قمیص بھی میں لے کر گیا تھا۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ

پھر جب یہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے والدین کو اپنے پاس ٹھکانہ دیا اور کہا کہ مصر میں ان شاء اللہ امن کے ساتھ

اٰمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا

داخل ہو جائیے۔ اور یوسف نے اپنے ماں باپ کو تخت پر اونچا بٹھایا اور وہ لوگ ان کے سامنے سجدہ میں گر گئے اور یوسف نے کہا کہ اے ابا جان یہ

تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۡ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ

میرے خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے دیکھا تھا میرے رب نے اسے سچا کر دیا اور میرے ساتھ احسان فرمایا جبکہ مجھے جیل سے

مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ

نکالا اور آپ لوگوں کو دیہاتی علاقہ سے لے آیا اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال

اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿١٠٠﴾ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ

دیا تھا۔ بے شک میرا رب جو چاہتا ہے اس کی لطیف تدبیر فرماتا ہے بے شک وہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے۔ اے میرے رب آپ نے مجھے سلطنت

مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ

حصہ عطا فرمایا اور مجھے خوابوں کی تعبیر سکھائی اے آسمانوں اور زمین کے پیدا فرمانے والے آپ ہی

وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿١٠١﴾

دنیا اور آخرت میں میرے کارساز ہیں مجھے اس حالت میں موت دیجئے کہ میں فرمانبردار ہوں اور مجھے نیک بندوں میں شامل فرما دیجئے۔

تمہارے حق میں کی ہیں اور آپ کے بیٹے کے متعلق ہم جو کرتے ہیں ہمیں اپنی غلطیوں کا اعتراف ہے۔

۹۸: قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (انہوں نے کہا میں عنقریب تمہارے لئے اپنے رب سے استغفار کروں گا بیشک وہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے) انہوں نے استغفار کو سحر تک مؤخر کیا نمبر ۱۔ لیلۃ جمعہ تک نمبر ۲۔ تو بہ کی سچائی کی ان کی علامت معلوم ہونے تک۔ نمبر ۳۔ یوسف علیہ السلام سے دریافت تک کہ آیا انہوں نے معاف کر دیا۔

۹۹: پھر یوسف علیہ السلام نے اپنے والد کی طرف سامان اور دو سواریاں بھیجیں تا کہ ان پر سوار ہو کر ان کے ہاں آ جائیں۔ جب مصر کے قریب پہنچے تو یوسف علیہ السلام اور بادشاہ چار ہزار فوج اور سرداران ملک اور بہت سے اہل مصر کے ساتھ یعقوب علیہ السلام کے استقبال کرنے کیلئے نکلے۔ یعقوب علیہ السلام سے اس حال میں ملاقات ہوئی کہ یہودا پر ٹیک لگا کر آپ چل رہے تھے۔

(اور تمہیں دیہات سے لایا) دیہات سے کیونکہ ان کے ہاں مویشی تھے ایک پانی سے دوسرے پانی پر منتقل ہوتے اور چراگاہوں کو بدلتے۔ مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ (اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان چوک لگائی) ہمارے درمیان فساد ڈالا اور برانگیختہ کیا۔ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ (بیشک میرا رب عمدہ تدبیر کرتا ہے جو چاہتا ہے) لطیف تدبیر والا اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (بیشک وہی علم والے حکمت والے ہیں) نمبرا۔ کہ امیدوں کو مقررہ اوقات تک موخر کرتا ہے۔ نمبر۲۔ اختلاف کے بعد الفت پیدا فرمادی۔

دعائے مستجاب:

۱۰۱: رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ (اے میرے رب آپ نے مجھے سلطنت کا ایک حصہ عنایت فرمایا) ملک سے ملک مصر مراد ہے۔ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ (اور آپ نے مجھے خوابوں کی تعبیر سکھائی) نمبرا۔ اللہ تعالیٰ کی کتابوں کی تفسیر نمبر۲۔ خوابوں کی تعبیر۔

نحو: مِنْ تبعیضیہ ہے اس لئے کہ ان کو مصر کی بادشاہت ملی نہ کہ پوری دنیا کی اور تاویل بھی بعض باتوں کی نہ کہ تمام کی فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے)

نحو: منادیٰ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (آپ دنیا و آخرت میں میرے کارساز ہیں) آپ ہی دارین میں نعمتوں سے نوازنے والے ہیں۔ اور ملک فانی کے ساتھ ملک باقی کو ملا کر عنایت کرنے والے ہیں۔ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا (پوری فرمانبرداری میں مجھے وفات دے) اسلام کی حالت والی موت طلب کی جیسا کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے موت سے قبل عہد لیا تھا ولا تموتن الا وانتم مسلمون [آل عمران ۱۰۲] بقول ضحاک مسلم کا معنی مخلصا ہے۔ اور تستری کہتے ہیں میں اپنا معاملہ آپ کے سپرد کرنے والا ہوں۔

مسئلہ: باوجود معصوم ہونے کے یوسف علیہ السلام نے یہ دعا کی تاکہ وہ لوگ ان کی اقتداء کریں۔ جو امن اور محفوظ نہیں بلکہ گناہگار ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے اعمال کو امتوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ تاکہ امتیں ان کو دیکھ لیں۔ وَاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (اور تو مجھے ملادے نیکوں کے ساتھ) نمبرا۔ میرے آباؤ اجداد کے ساتھ نمبر۲۔ عام جو نیک صالح لوگ ہیں۔

روایت تفسیر میں ہے کہ یوسف علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام کے ہاتھ کو پکڑا اور اپنے خزانوں کا چکر لگوایا۔ جو کہ سونے، چاندی، کپڑے، اسلحہ وغیرہ کا غذ منشور پر مشتمل تھے۔ یعقوب علیہ السلام نے کاغذوں کو دیکھ کر فرمایا میرے بیٹے تیرے پاس اتنے کاغذ تھے مگر آٹھ مرحلہ فاصلہ پر تو نے ایک کاغذ بھی نہ لکھا۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا مجھے جبرئیل علیہ السلام نے حکم دیا تھا۔ یعقوب نے فرمایا کیا آپ اس سے پوچھ سکتے ہیں؟ یوسف علیہ السلام نے کہا کہ آپ کو ان سے زیادہ بے تکلفی ہے ان سے پوچھ لو تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کا حکم دیا تھا۔ آپ کے اس قول کی وجہ سے لا خاف ان یاکلہ الذئب مجھے ڈر ہے کہ اس کو بھیڑیا کھا جائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو مجھ سے کیوں نہ ڈرا۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ

یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی کے ذریعے بھیجتے ہیں اور آپ ان کے پاس موجود نہ تھے جب انہوں نے اپنا کام پختہ ارادہ کر لیا تھا

وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ۝ وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ

اور وہ تدبیر کر رہے تھے۔ اور اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں اگرچہ آپ حرص کریں۔ اور آپ ان سے اس پر کوئی

عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

معاوضہ طلب نہیں کرتے یہ تو جہان والوں کے لئے نصیحت ہے

ایک روایت میں ہے کہ یعقوب علیہ السلام ۲۴ سال زندہ رہے پھر وفات پا گئے اور اسحاق علیہ السلام کے پہلو میں سرزمین شام لیجا کر دفن کا حکم دیا۔ پھر جان جہاں آفریں کے حوالہ کر دی۔ ان کو وہی جگہ دفن کر دیا گیا پھر آپ مصر واپس لوٹے اور اپنے والد کے بعد تیئیس ۲۳ سال زندہ رہے جب ان کی موت کا وقت آیا تو اپنے لئے ہمیشگی کی بادشاہت چاہی اور نیکوں جیسی موت کی تمنا کی۔ نمبر ۱۔ ایک قول یہ ہے ان سے پہلے یہ تمنا کسی نے نہیں کی اور نہ ان کے بعد۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو پاکیزگی کے ساتھ وفات دی۔ اہل مصر نے آپس میں ان کے دفن پر شدید اختلاف کیا یہاں تک کہ لڑائی تک نوبت آ گئی ہر ایک اپنے محلے میں دفن کرنا چاہتا تھا۔ پھر مرمر کا صندوق بنا کر اس میں ان کے جسد خاکی کو رکھا اور نیل میں ایسے مقام پر دفن کیا جو نیل کا راستہ اور گزرگاہ تھی۔ تاکہ سارے اہل مصر فیضیاب ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے چار سو سال بعد ان کے تابوت کو بیت المقدس منتقل کیا۔ ان کے ہاں دو اولادیں افراثیم اور میشا تھے۔ افراثیم کا ایک بیٹا نون تھا نون کے بیٹے یوشع ہیں جن کو فتی موسیٰ کہہ کر قرآن مجید نے ذکر کیا۔ عمالیق کے فراعنہ آپ کے بعد وارث حکمران رہے اور بنو اسرائیل ان کے ماتحت دین یوسفی (ابراہیمی) پر قائم رہے۔

۱۰۲: ذٰلِكَ (یہ) یوسف علیہ السلام کے سابقہ واقعہ کی طرف اس سے اشارہ فرمایا یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو فرمایا یہ مبتداء ہے۔ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ (غیب کی بعض خبریں ہیں) نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ (جو وحی کر رہے ہیں ہم آپ کی طرف)

نحو: یہ دونوں ذٰلک کی خبریں ہیں۔ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ (اور آپ ان کے پاس نہ تھے) اولاد یعقوب کے پاس اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ (جبکہ انہوں نے اپنے معاملہ میں اتفاق کیا) یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ڈالنے کا پختہ ارادہ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ (اس حال میں کہ وہ تدبیر کر رہے تھے) یوسف علیہ السلام کے متعلق اور ان کو دھوکہ سے قتل کرنا چاہتے تھے۔ یہ غیب کی خبریں آپ کو بذریعہ وحی حاصل ہوتی ہیں۔ کیونکہ آپ اولاد یعقوب کے پاس موجود نہ تھے جبکہ وہ اپنے بھائی کو کنوئیں میں ڈال رہے تھے۔

۱۰۳: وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ (اور لوگوں کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں خواہ آپ کتنی خواہش ہو) عام لوگ مراد ہیں۔ نمبر ۲۔ اہل مکہ یعنی اہل مکہ ایمان لانے والے نہیں خواہ ان کے ایمان کیلئے آپ پوری کوشش صرف کر دیں۔

وَكَأَيِّن مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ﴿١٠٥﴾

اور بہت سی نشانیاں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں جن پر یہ لوگ گزرتے ہیں اور وہ ان سے اعراض کیے ہوئے ہیں۔

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ ﴿١٠٦﴾ أَفَأَمِنُوا أَن تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ

اور نہیں ایمان لاتے اکثر لوگ اللہ پر مگر اس حال میں کہ شرک کرنے والے ہیں۔ کیا یہ لوگ اس بات سے مطمئن ہیں کہ ان کے پاس اللہ کی طرف سے عذاب کی کوئی

عَذَابِ اللَّهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١٠٧﴾

ایسی آفت آ پڑے جو ان کو گھیر لے یا ان پر اچانک قیامت آ جائے اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔

۱۰۴: وَمَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِ (اور تم ان سے اس پر نہیں مانگتے) ہٗ سے مراد تبلیغ ہے۔ یا قرآن ہے مِنْ أَجْرٍ (کوئی مزدوری) بدلہ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ (یہ نہیں مگر ذکر ہے) یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت ہے۔ لِّلْعَالَمِينَ (جہان والوں کیلئے) اس میں اپنے ایک رسول کی زبان پر سے نجات کو طلب کرنے پر آمادہ کیا۔

نشانہائے عبرت تو بہت ہیں مگر عبرت حاصل کرنے والے کم ہیں:

۱۰۵: وَكَأَيِّن مِّنْ آيَةٍ (کتنی ہی نشانیاں ہیں) علامتیں ہیں جو خالق کی خالقیت اور صفات و توحید پر دلالت کرنے والی ہیں۔ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا (آسمانوں اور زمین میں جن پر ان کا گزر ہوتا ہے) ان نشانات پر تم گزرتے ہو۔ زمین پر جن کے پاس ان کا گزر ہوتا ہے۔ وہ ان کو آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں۔ وَهُمْ عَنْهَا (اور وہ ان آیات سے) مُعْرِضُونَ (اعراض کرنے والے ہیں) ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔ اس سے مراد ہلاک ہونے والی امتوں کے آثار اور عبرتناک مقامات جن کو وہ آتے جاتے دیکھتے تھے۔

۱۰۶: وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ (اور ان کی اکثریت اللہ پر ایمان نہیں لاتی مگر کہ وہ شرک بھی کرتے ہیں) یعنی ان کی اکثریت اللہ تعالیٰ کے متعلق اقرار اور ایمان تو رکھتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اور آسمان و زمین کو پیدا کیا۔ مگر بتوں کی عبادت کر کے شرک کرنے والے ہیں جمہور کہتے ہیں یہ مشرکین کے متعلق اتری کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رازق و خالق مانتے تھے اور جب ان کو کوئی سخت معاملہ پیش آتا تو اللہ تعالیٰ کو مخلصانہ پکارتے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کو شریک کرتے۔ شرک کی باتوں میں سے قدریہ کی یہ بات بھی ہے کہ بندے کیلئے قدرت تخلیق مانتے ہیں۔ اور خالص توحید وہی ہے جو اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں۔

۱۰۷: أَفَأَمِنُوا أَن تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ (کیا وہ اس سے بے خوف ہو گئے کہ ان پر آن پہنچے کوئی ڈھانپنے والی) ایسی سزا جو ان کو ڈھانپ لے اور گھیر لے مِّنْ عَذَابِ اللَّهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ (اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سے یا قیامت آ جائے ان کے پاس) الساعۃ سے قیامت مراد ہے۔ بَغْتَةً (اچانک) یہ حال ہے۔ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (اس حال میں کہ ان کو شعور بھی نہ ہو) اس کی آمد کا۔

ہم تو ایمان والے وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا (اور ہماری پکڑ ہٹائی نہیں جا سکتی) باس سے عذاب مراد ہے عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ (مجرم قوم سے) کا فر مراد ہیں۔

۱۱۱: لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ نمبر ۱ (ان کے واقعات میں) ان انبیاء علیہم السلام اور قوموں کے واقعات میں نمبر ۲۔ یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے واقعہ میں عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ (عقل والوں کیلئے عبرت ہے) نمبر ۱۔ اس طرح کہ گہری محبت سے گہرے کنوئیں میں ڈال دیئے گئے۔ نمبر ۲۔ چنانچہ جیل سے تخت پر منتقل ہوئے نمبر ۳۔ صبر کے نتیجہ میں سلامتی، کرامت و عزت ملی نمبر ۴۔ فریب کاری میں ندامت و شرمندگی سامنے آئی۔ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ (یہ کوئی من گھڑت بات نہ تھی) یہ قرآن کفار کے خیال کے مطابق مفتری نہیں ہے۔ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ (لیکن یہ تصدیق ہے اس وحی کی جو اس کے سامنے ہے) پہلی کتابوں کی یہ تصدیق ہے۔ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ (اور یہ ہر چیز کی تفصیل ہے) جس کی دین میں ضرورت ہے کیونکہ یہ وہ قانون ہے سنت کو جس کا سہارا ہے اور جماع و قیاس کو بھی وَهُدًى (اور راہنمائی ہے) گمراہی سے وَرَحْمَةً (اور رحمت ہے) عذاب سے لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (ان لوگوں کیلئے جو ایمان لانے والے ہیں) اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر پر۔

نحو: لکن کے بعد والا جملہ کان کی خبر پر عطف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

فضائل:

رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ اپنے غلاموں کو سورۂ یوسف سکھاؤ۔ جو بندہ اس کو پڑھے اور اپنے اہل کو سکھائے اور غلام لونڈی کو سکھائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر سکرات کی موت کو آسان کر دیں گے۔ اور اس کو طاقت دیں گے کہ کوئی مسلمان اس سے حسد نہ کرے گا۔ (کشاف زمخشری)

شیخ ابو منصور رحمہ اللہ نے کہا کہ یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے واقعہ میں رسول اللہ ﷺ کو ایذاء قریش پر صبر کی تلقین کی گئی گویا اس طرح فرمایا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے موافقت فی الدین کے باوجود اور حقیقی بھائی ہو کر یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا کچھ مکر و فریب نہیں کیے۔ اور یوسف علیہ السلام نے صبر کیا۔ آپ تو دین میں بھی ان کے مخالف ہیں پھر یہ اگر مخالفت کر رہے ہیں تو ان کی ایذاء پر صبر کریں۔ قول وہب رحمہ اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے جو بھی کتاب پہلے اتاری اس میں کا ان سورۂ یوسف اتاری جیسا کہ قرآن عظیم میں ہے۔ (واللہ اعلم)

تمت ترجمة تفسير سورة يوسف يوم الاربعاء التاسعة من شهر اكتوبر ۲۰۰۲ والحمد لله على ذلك

سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ رعد مدینہ میں نازل ہوئی اس میں تینتالیس آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ۭ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

الٓمّٓرٰ یہ کتاب کی آیتیں ہیں، اور آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ آپ کی طرف اتارا گیا حق ہے، لیکن بہت سے

النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ① اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى

لوگ ایمان نہیں لاتے۔ اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند فرما دیا تم ان آسمانوں کو دیکھ رہے ہو پھر وہ عرش پر

عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ

مستوی ہوا، اور اس نے چاند اور سورج کو مسخر فرمایا، ہر ایک مدت مقررہ کے مطابق چلتا ہے، وہ کاموں کی تدبیر فرماتا ہے،

يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ② وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ

نشانیوں کو واضح طور پر بیان فرماتا ہے، تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کر لو۔ اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں

فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ۭ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي

پہاڑ اور نہریں پیدا فرما دیں، اور اس میں ہر قسم کے پھلوں سے دو دو قسمیں پیدا فرما دیں، وہ رات کو دن پر

الَّيْلَ النَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ③ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ

اوڑھا دیتا ہے، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر کرتے ہیں۔ اور زمین میں ٹکڑے ہیں

مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى

جو ایک دوسرے کے پاس پاس ہیں اور انگوروں کے باغ ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں ہیں جن میں بعض ایسی ہیں کہ ایک تنے سے اوپر جا کر دو تنے ہو جاتے ہیں اور بعض ایسی ہیں جن میں ایسا نہیں ہوتا، سب کو

بِمَاۗءٍ وَّاحِدٍ ۣ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰي بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے، اور ہم بعض کو بعض پر پھلوں میں فضیلت دیتے ہیں، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل سے

يَّعْقِلُوْنَ ④

کام لیتے ہیں۔

۱: الٓمّرٰ: اللہ تعالیٰ ہی اس کی مراد کو بہتر جانتا ہے اور کہتے ہیں تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ۔ ترجمہ یہ معنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا ہے تلک سے آیات سورت کی طرف اشارہ ہے الکتاب سے سورۃ مراد ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے تلک الآیات آیات السورۃ الکاملۃ العجیبۃ فی بابھا ۔ یہ آیات اس سورت کی آیات ہیں جو کہ اپنے باب میں کامل و عجیب ہے۔ وَالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ (اور وہ جو تیری طرف تیرے رب کی جانب سے اتارا گیا) یعنی تمام قرآن الْحَقُّ (سچا ہے) یہ خبر ہے اور الذی الیہ یہ مبتداء ہے وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ (لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے) وہ یہ کہتے ہیں کہ محمد اس کو بنالائے ہیں۔ پھر ان چیزوں کا ذکر کیا جن پر ایمان واجب ہے یوں فرمایا۔

قدرت الٰہی کے نمونے:

۲: اَللّٰہُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ (اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے آسمانوں کو بلند کیا) اللہ مبتداء ہے اور الذی رفع السمٰوت اس کی خبر ہے۔ بِغَیْرِ عَمَدٍ (بغیر ستونوں کے) یہ عماد کی جمع ہے یہ حال ہے تَرَوْنَھَا (جیسا کہ تم ان کو دیکھ رہے ہو) ھا ضمیر آسمانوں کی طرف لوٹتی ہے یعنی تم انکو اسی طرح دیکھتے ہو بیان کی ضرورت نہیں نمبر۲۔ ضمیر عمد کی طرف ہے اس صورت میں یہ موضع جر میں ہے اس لئے کہ عمد کی صفت ہے یعنی بغیر عمد مرئیہ نظر آنے والے ستونوں کے بغیر ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ (پھر عرش پر مستوی ہوا) اقتدار و نفوذ سلطنت سے استیلاء کیا وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ (اور سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا) بندوں کے فوائد اور علاقوں کی مصلحت میں کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی (ہر ایک ان میں سے ایک وقت مقررہ کیلئے چل رہا ہے) اور جس وقت دنیا کا ختم ہوتا ہے۔ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ (وہ معاملات کی تدبیر کرتا ہے) اپنی ملکوت اور ربوبیت کے معاملے کی۔ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ (وہ آیات کو کھول کر (اپنی نازل شدہ کتابوں میں) بیان کرتا ہے) لَعَلَّکُمْ بِلِقَآءِ رَبِّکُمْ تُوْقِنُوْنَ (تاکہ تمہیں اپنے رب کی ملاقات پر یقین ہو) تاکہ تمہیں یقین آجائے کہ ایسے مدبر اور مفصل کی طرف لوٹنا ضروری ہے۔

۳: وَھُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ (وہی ذات ہے جس نے زمین کو بچھایا) وَجَعَلَ فِیْھَا رَوَاسِیَ (اور زمین میں پہاڑ بنائے) زمین پر جم جانے والے پہاڑ وَاَنْھٰرًا (اور نہریں) جاری کیں وَمِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْھَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ (اور زمین میں ہر طرح کے پھلوں کی دو قسمیں پیدا کیں) یعنی سیاہ و سفید، میٹھے و کھٹے، چھوٹے بڑے اور جو اسکے مشابہ ہیں۔ یُغْشِی الَّیْلَ النَّھَارَ (ڈھانپ دیتا ہے دن کو رات سے) روشنی سفیدی کو رات چھپا دیتی ہے جس سے دنیا اندھیری بن جاتی ہے

قراءت: حمزہ، علی، ابوبکر نے یُغَشِّی پڑھا ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ (بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں سوچ و بچار کرنے والے لوگوں کیلئے) پس وہ جانتے ہیں کہ ان کا ایک بنانے والا ہے جو قادر اور مطلق علم و حکمت والا ہے۔

۴: وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ (اور زمین میں پاس پاس ملے ہوئے زمین کے ٹکڑے ہیں) زمین کے قطعات مختلف ہیں حالانکہ وہ بالکل قریب قریب ملے ہوئے ہیں۔ کوئی عمدہ پیداوار والے اور شور ہیں کوئی عمدہ اور کوئی کم پانی والے کوئی سخت اور کوئی نرم۔ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ انکی تدبیر کرنے والا قدرت و ارادہ والا ہے۔ وہ افعال کو اپنی مرضی سے ایک سے دوسرے انداز

ان کا یہ قول تعجب کے قابل ہے) یہ خبر اور مبتداء ہے یعنی ان کا قول اس قابل ہے کہ اس پر تعجب کیا جائے کیونکہ جو تمام چیزیں پیدا کر سکتا ہے تو اسکو ان کا دوبارہ لوٹانا تو آسان تر ہے۔ اور سہل ترین ہے پس ان منکرین کا انکار تعجب کا مقام ہے۔ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ۔ (جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا نئے سرے سے پیدا ہوں گے) قراءت: عاصم، حمزہ نے ہر ایک کو دو ہمزہ سے پڑھا ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ (یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا) وہ کافر اپنے کفر میں حد اختیار کرنے والے ہیں۔ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ (یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے) اس میں وعید ہے۔ نمبر ۲۔ انکے اصرار کو اس طرح ذکر کیا (گویا گمراہی کے طوق انکے گلے میں پڑے ہیں) وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (وہ جہنمی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) اولئک کو دو مرتبہ ذکر کر کے معاملے کی ہولناکی کو بتلانا مقصود ہے۔

مطالبہ عذاب کا جواب:

۶: وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ (یہ لوگ آپ سے مصیبت جلد مانگتے ہیں بھلائی سے پہلے) عافیت کا وقت ختم ہونے سے پہلے عذاب کو مانگتے ہیں اور انکا معاملہ اس طرح پیش آیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ہم پر عذاب لے آؤ۔ اور یہ بات آپکے انذار کا مذاق اڑاتے ہوئے کہی۔ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ (حالانکہ ان سے پہلے واقعات عقوبت گزر چکے) سزائیں جو ان جیسے مکذبین کو پیش آ گئیں۔ انکو کیا ہوا کہ یہ عبرت نہیں پکڑتے اور یہ استہزاء کرتے ہیں۔ المثلۃ۔ سزا۔ اسکو المثلہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جرم اور مجرم میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ جیسا اس آیت میں جزاء سیئة سیئة مثلھا [الشوریٰ: ۴۰] وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ (اور بیشک آپکا رب بخشنے والا ہے لوگوں کی خطائیں باوجود انکی بے جا حرکتوں کے معاف کر دیتا ہے) علٰی ظلمہم محل میں ہے یعنی گناہ کے ذریعہ اپنے نفسوں پر ظلم کے باوجود۔ یہ انکا حال ہے۔ ای ظالمین لانفسہم اس حالت میں کہ وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں سبکی کہتے ہیں مومنین پر۔ یہ کتاب اللہ کی سب سے زیادہ امید بخش آیت ہے۔ اس حیثیت سے کہ ظلم کے باوجود مغفرت کو ذکر فرمایا۔ جبکہ وہ بغیر توبہ ہو تو یہ گناہ کو [illegible] کر دیتی ہے۔ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِیْدُ الْعِقَابِ (بیشک آپکا رب انتہائی سخت بدلہ لینے والا ہے) نمبر ۱۔ کافروں سے نمبر ۲۔ یہ دونوں مومنین سے متعلق ہوں تو مشیت سے متعلق ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے یغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء۔

من پسند نشانی کیوں نہیں لاتے؟

۷: وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ (اور کافر کہتے ہیں کیوں اس پر اتاری نہیں جاتی کوئی نشانی اسکے رب کی طرف سے) رسول اللہ ﷺ پر اتاری جانے والی آیات کو وہ نشانیاں ہی نہ سمجھتے۔ عناد سے انکار کرتے خود پسند معجزات موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام جیسے عصا کا سانپ بن جانا مردوں کا زندہ ہونا۔ وغیرہ کے طلب گار تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو کہا گیا۔ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ (بیشک آپ ڈرانے والے ہیں) یعنی آپکو منذر بنا کر بھیجا گیا۔ برے انجام سے آپ انکو ڈرانے والے اور دوسرے رسولوں کی طرح خیر خواہی کرنے والے ہیں اور آپکے ذمہ صرف وہ بات ہے کہ جس سے آپکا رسول منذر ہونا ثابت ہو اور یہ کسی ایک نشانی سے بھی ہو سکتا ہے۔ دعوائے رسالت کے سچ ثبوت میں تمام نشانات برابر ہیں۔ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (اور ہر قوم

ما مصدریہ ہو تو معنی یہ ہے ہر مؤنث کے حاملہ ہونے کی اور رحموں کے گھٹنے اور آگے بڑھنے کو جانتا ہے۔ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ (اور ہر چیز اسکے ہاں مقدار کے ساتھ ہے) ایک اندازے اور حد تک ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتی اور نہ کم ہوتی ہے جیسا اس ارشاد میں انا کل شیء خلقنہ بقدر [القمر: ۴۹]

۹: عٰلِمُ الْغَيْبِ (وہ غیب کا جاننے والا ہے) غیب سے مراد جو مخلوق سے پوشیدہ ہے وَالشَّهَادَةِ (اور سامنے والی چیز کو) جسکا وہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ الْكَبِيْرُ (عظمت والی) بڑی شان والی جس سے ہر چیز کم ہے۔ الْمُتَعَالِ (عالی شان ذات ہے) ہر شئی سے اپنی قدرت کے ساتھ بلند و بالا۔ نمبر۲۔ مخلوقات کی تعریف سے بلند و بالا و عالی شان ہے۔ دونوں حالتوں میں کی یا سے پڑھتے ہیں یعنی وصل و وقف کی حالت۔

۱۰: سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ (جو شخص تم میں سے کوئی بات چپکے سے کہے اور جو پکار کر کہے یہ سب برابر ہیں) اللہ تعالیٰ کے علم میں وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ (اور جو شخص رات کو چھپنے والا ہو) مستخف کا معنی چھپنے والا وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ (اور جو دن میں چلے) اپنے راستے پر چلنے والا ہو اور سامنے جانے والا ہو۔ کہا جاتا ہے سرب فی الارض سروبا اور سارب کا عطف من ھو مستخف پر ہے صرف مستخف پر نہیں ہے نمبر۲۔ مستخف پر ہو تو من دو کے معنی میں ہے۔

۱۱: لَهٗ (اسکے لئے ہے) ہ کی ضمیر من کی طرف لوٹتی ہے گویا اس طرح فرمایا لمن اسرو من جھر و من استخفی و من سرب مُعَقِّبٰتٌ (حفاظتی فرشتے) فرشتوں کی وہ جماعتیں جو حفاظت میں باری باری آتی ہیں۔ اصل معتقبات تھا تا کو قاف میں ادغام کر دیا۔ نمبر۲۔ یہ عقب سے مفعلات کا وزن ہے جبکہ وہ اسکے پیچھے آنے لگیں کیونکہ وہ ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں۔ نمبر۳۔ کیونکہ وہ کلام کرنے کے بعد آکر اس بات کو لکھ لیتے ہیں۔ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ (سامنے اور پیچھے سے) یعنی اسکے آگے اور پیچھے يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ (وہ اسکی حفاظت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے) یہ دونوں معقبٰت کی صفت ہیں۔ من امر اللہ یہ یحفظون کا صلہ نہیں۔ گویا تقدیر عبارت اس طرح ہے لہ معقبت من امر اللہ۔ نمبر۲۔ یحفظونہ من اجل امر اللہ ای من اجل ان اللہ تعالیٰ امر ھم بحفظہ۔ اس خاطر کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسکی حفاظت کا حکم فرمایا ہے۔ نمبر۳۔ یحفظون من باس اللہ و نقمتہ اذا اذنب بدعائھم لہ۔ وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ اور عذاب سے اسکی حفاظت کرتے ہیں اسکو پکارنے کے سبب سے جبکہ وہ گناہ کر لیتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ (بیشک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی (اچھی) حالت کو (بری) حالت سے نہیں بدلتا) عافیت و نعمت سے مراد عافیت و نعمت ہے حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ یہاں تک وہ اپنی (اچھی) حالت کو نہیں بدلتے) بری حالت میں کثرت معاصی سے۔ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا (جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے) سوء سے عذاب مراد ہے۔ فَلَا مَرَدَّ لَهٗ (تو اسکے ہٹنے کی کوئی صورت نہیں) اسکو کوئی چیز روک نہیں سکتی وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ (ور اللہ تعالیٰ کے سوا انکا کوئی مددگار نہیں رہتا) اللہ تعالیٰ کے سوا جو انکے معاملے کا ذمہ دار بنے اور ان سے عذاب کو ہٹائے۔

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾ وَ یُسَبِّحُ

اللہ وہی ہے جو تمہیں بجلی دکھاتا ہے جس سے تمہیں ڈر لگتا ہے اور امید بھی لگتی ہے اور وہ بھاری بادلوں کو پیدا فرماتا ہے۔ اور رعد اس کی

الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ ۚ وَ یُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیْبُ بِهَا مَنْ

تسبیح کے ساتھ اس کی تعریف بیان کرتا ہے اور فرشتے بھی اس کے خوف سے۔ اور وہ بجلیاں بھیجتا ہے پھر جسے چاہے

یَّشَآءُ وَ هُمْ یُجَادِلُوْنَ فِی اللّٰهِ ۚ وَ هُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾ؕ

پہنچا دیتا ہے اور حالت یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اور وہ سخت قوت والا ہے۔

قدرتِ باری تعالیٰ کا نمونہ:

۱۲: هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا (وہی ذات ہے جو تم کو ڈرانے اور امید دلانے کیلئے بجلی دکھاتا ہے) خوفًا و طمعًا یہ دونوں البرق سے حال ہیں۔ گویا کہ وہ ذاتی اعتبار سے نرا خوف اور طمع ہے۔ نمبر۲۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی: ذا خوف حذف مضاف کے ساتھ۔ خوف والے اور طمع والے ہوتے ہو۔ یعنی مخاطبین خوف والے اور طمع والے ہوتے ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ بجلی کے چمکنے سے بجلی کے گرنے کا خطرہ اور بارش کی طمع رکھتے ہیں۔ ابوالطیب نے کہا وہ ایسا نوجوان ہے جو سیاہ بادل کی طرح ہے کہ جس کی طوفان کا خطرہ اور بارش کی امید ہے۔ اسکے عطیہ کی امید اور گرجن کا ڈر ہے۔ اور بارش سے وہ ڈرتا ہے جس کا کسی نقصان ہو جیسے مسافر اور جسکا گھر ٹپکتا ہو۔ اور وہ شہری لوگ کہ بارش سے نفع نہیں اٹھاتے اور بارش کی طمع وہ رکھتے ہیں جنکو اس سے فائدہ ہوتا ہے۔ وَّ یُنْشِئُ السَّحَابَ (وہ بادلوں کو اٹھاتا ہے) السحاب یہ اسم جنس ہے اور اسکا واحد سحابۃ ہے۔ الثِّقَالَ (جو بھاری ہوتے ہیں) پانی کے ساتھ۔ الثقال جمع ثقیلۃ ہے جیسا کرم کہو سحابۃ ثقیلۃ و سحاب ثقال۔

۱۳: وَ یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ (اور رعد فرشتہ اسکی پاکیزگی اسکی تعریف کے ساتھ بیان کرتا ہے) گرج کو سننے والے بارش کے امیدوار بندے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں۔ یعنی سبحان اللہ اور الحمدللہ کے کلمات بولتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ بادل پر مقرر فرشتہ رعد ہے۔ اور اسکے پاس آگ کے کوڑے ہیں جن سے وہ بادلوں کو ہنکاتا ہے اور یہ سنائی دینے والی آواز بادلوں کو دی جانے والی جھڑکی ہے جو اس وقت دی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ منزل مامور پر پہنچ جائیں۔ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ (اور فرشتے اسکے خوف سے) تقدیر عبارت اس طرح ہے ویسبح الملائكة من هيبته واجلاله فرشتے اسکے خوف و اجلال کی وجہ سے تسبیح کرتے ہیں۔ وَ یُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیْبُ بِهَا مَنْ یَّشَآءُ (اور وہ بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے انکو گراتا ہے) الصاعقۃ وہ آگ جو آسمان سے گرے۔ جب علم الٰہی کا تذکرہ ہوا جو کہ ہر چیز میں نافذ ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں ظاہر و مخفی برابر ہیں۔ اور اس بات کا تذکرہ فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی ظاہر قدرت اور وحدانیت پر دلالت کرنے والی ہے تو فرمایا وَ هُمْ یُجَادِلُوْنَ فِی اللّٰهِ (وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑنے والے ہیں) یعنی رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرنے والے اللہ تعالیٰ کے متعلق

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا

سچا پکارنا اسی کے لئے خاص ہے۔ اور جو لوگ اس کے علاوہ دوسروں کو پکارتے ہیں وہ ذرا بھی ان کی درخواست منظور نہیں کرتے مگر

كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا

جیسے کوئی شخص پانی کی طرف اپنی ہتھیلیاں پھیلائے ہوئے ہو تاکہ پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے حالانکہ وہ اس تک پہنچنے والا نہیں اور کافروں کی پکار

فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ

بالکل ضائع ہے۔ اور اللہ ہی کے لئے سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں خوشی سے اور مجبوری سے اور ان کے سائے بھی صبح اور شام کے

وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ السجدة قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ

اوقات میں۔ آپ سوال کیجئے کہ آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ آپ جواب دیجئے کہ اللہ ہے۔ آپ سوال کیجئے کیا تم لوگوں نے اللہ کے سوا ایسے

دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى

مددگار تجویز کر رکھے ہیں جو اپنی جانوں کے لئے نفع اور ضرر کے مالک نہیں ہیں؟ آپ سوال کیجئے کیا نابینا اور بینا برابر

وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا

ہو سکتے ہیں؟ کیا اندھیریاں اور روشنی برابر ہو سکتی ہیں؟ کیا یہ بات ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کے لئے شریک تجویز کر رکھے ہیں جنہوں نے کوئی چیز پیدا کی ہو

كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

جیسے کہ اللہ نے پیدا کیا ہے؟ جس کی وجہ سے ان پر تخلیق کا معاملہ مشتبہ ہو گیا ہو؟ آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ تنہا ہے غالب ہے۔

جھگڑتے ہیں کہ اللہ کا رسول تو بعث و اعادۂ خلق کو بیان کرتا ہے اور یہ اس کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں من يحيي العظام وهي رميم [یٰس: ۷۸] اور بہت سے معبود مان کر وحدانیت کا انکار کرتے ہیں۔ اور الملائکہ بنات اللہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کو منجملہ اجسام میں سے قرار دیتے ہیں۔ نمبر۲۔ واؤ حالیہ ہے۔ وہ بجلی اللہ تعالیٰ جس پر چاہتے ہیں حالت جدال میں گراتے ہیں۔ اس کا واقعہ اس طرح ہے۔ لبید بن ربیعہ عامری کا بھائی اربد، عامر بن طفیل کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ارادہ قتل لیکر آئے۔ عامر کو اونٹ جیسی گلٹی نکلی اور وہ ایک سلولی عورت کے گھر میں مر گیا۔ اور اربد پر بجلی گری جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ اربد نے یہ گستاخانہ کلمہ کہا تھا اخبرني عن ربنا امن نحاس هو ام من حديد (ہمیں اپنے رب کے متعلق بتاؤ کیا وہ تانبے سے ہے یا لوہے سے؟) وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ (حالانکہ وہ بڑی سخت قوت والا ہے) المحال بمعنی المماحلہ ہے اور وہ سخت تدبیر و مقابلہ کو کہتے ہیں اسی سے تمحل لکذا جبکہ وہ حیلے کے استعمال میں تکلف کرے اور خوب محنت کرے۔ محل بفلان کہتے ہیں اذا کادہٗ جب خفیہ تدبیر کرے اور بادشاہ کے پاس اس کی چغلی کرے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ

اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنے کی خفیہ مضبوط تدابیر کرنے والا ہے۔ جہاں سے انکو گمان بھی نہیں ہوتا۔

سچی پکار اللہ تعالیٰ کی:

۱۴: لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ (سچا پکارنا اسی کیلئے خاص ہے) دعوت کی اضافت حق کی طرف کی گئی جو کہ باطل کی ضد ہے تاکہ دعوت کا حق کے ساتھ ملا ہوا ہونا اور باطل سے الگ ہونا معلوم ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پکارا جاتا ہے تو وہ پکارنے والے کی پکار کو قبول کرتا اور اسکا مطلوب اسے عنایت فرماتا ہے یہ پکار حق کے ساتھ اس لئے ملی ہوئی تھی کیونکہ اسکی ذات اسکے لائق ہے کہ دعا کی اسکی طرف متوجہ کیا جائے کیونکہ اسکی پکار میں فائدہ اور نفع ہے بخلاف غیر کی پکار کے جنکی پکار سے کوئی فائدہ نہیں۔

شدید المحال اور له دعوة الحق کا قبل سے تعلق و تعامد کے سلسلہ میں تو ظاہر ہے۔ کیونکہ اس ہلاکت کا پتہ اللہ تعالیٰ کی قوت اور خفیہ تدبیر پر دلالت کر رہا ہے کہ اسکو خبر بھی نہ ملی اور وہ ہلاک ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسکے اور اسکے ساتھی کے متعلق یہ بددعا فرمائی۔ اللھم احبسھما بما شئت یہ بددعا ان دونوں کے حق میں منظور ہوئی۔ اس میں کفار مکہ کے لئے شدید وعید ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے انکے حق میں بددعا کر دی تو وہ قبول ہو جائے گی۔ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ (اور جن کو یہ کفار) اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہیں) لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ (وہ انکے لئے انکی درخواست کو ذرہ بھر قبول نہیں کر سکتے) انکی مطلوبہ اشیاء میں سے اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ (مگر اس شخص کی طرح جو اپنی ہتھیلیوں کو پانی کی طرف پھیلانے والا ہوتا ہے کہ وہ اسکے منہ تک پہنچ جائے) یہ لا یستجیبون کے مصدر استجابت سے استثناء ہے۔ کیونکہ فعل اپنے حروف سے مصدر اور اپنے صیغہ سے زمانہ اور اپنی ضرورت سے مکان اور حال پر دلالت کرتا ہے اسی لئے تو تمام کا فعل سے استثناء جائز ہے۔ پس تقدیر عبارت یہ ہے۔ لا یستجیبون استجابة الا استجابة کاستجابة باسط کفیه الی الماء ای کاستجابة الماء لمن بسط کفیه الیه یطلب منه ان یبلغ فاه والماء جماد لا یشعر ببسط کفیه ولا بعطشه وحاجته الیه ولا یقدر ان یجیب دعاءه و یبلغ فاه وکذلک ما یدعونه جماد لا یحس بدعائهم ولا یستطیع اجابتهم ولا یقدر علی نفعهم وہ کوئی استجابت نہیں کر سکتے مگر ایسی استجابت جو اس شخص جیسی ہو جو پانی کی طرف دونوں ہتھیلیاں پھیلانے والا ہو۔ یعنی انکی استجابت پانی کی استجابت کے مشابہ ہے اس شخص کیلئے جو اپنی ہتھیلیاں پانی کی طرف پھیلا کر مطالبہ کر رہا ہو کہ وہ پانی اسکے منہ تک پہنچ جائے جبکہ پانی تو جماد ہے۔ اسکے ہاتھ پھیلانے اور اسکی پیاس اور ضرورت کو نہیں جانتا اور نہ اسکی پکار کا جواب دینے کی طاقت رکھتا ہے اور نہ ہی اسکے منہ تک خود پہنچنے کی اسمیں طاقت ہے۔ اسی طرح جن کو وہ پکارتے ہیں وہ جماد ہے انکی پکار کو محسوس نہیں کرتا اور نہ ہی اس میں قبولیت کی استطاعت اور نفع کی قدرت ہے لیبلغ کی لام باسط کفیه کے متعلق ہے۔ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ (اور وہ اسکو پہنچنے والا نہیں) پانی اسکے منہ کو پہنچنے والا نہیں۔ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ (اور کافروں کا پکارنا محض بے کار ہے) ضائع ہے اس میں کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کو پکاریں تو وہ (انکے کفر کی وجہ سے) قبول نہیں کرتا اور اگر وہ بتوں کو پکاریں تو وہ قبولیت کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

سب اللہ کے مطیع:

۱۵: وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اور اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرنے والے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں) عبادت واطاعت کا سجدہ طَوْعًا (خوشی سے) یہ حال ہے جن سے ملائکہ اور مومنین مراد ہیں۔ وَّکَرْھًا (مجبوری سے) منافق و کفار تنگی وسختی کی حالت میں وَّظِلٰلُھُمْ (اور ان کے سائے) اس کا عطف مَنْ پر ہے۔ ظلال جمع ظل ہے (سایہ) بِالْغُدُوِّ (صبح کے وقت) یہ غداۃ کی جمع جیسے قُنِیٌّ وقناۃ وَالْاٰصَالِ (اور شام کے وقت) یہ جمع اصل جمع اصیل ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ہر چیز کا سایہ اللہ تعالیٰ کو صبح وشام سجدہ کرتا ہے اور کافر کا سایہ مجبوراً سجدہ کرتا ہے کیونکہ کافر کو یہ ناپسند ہے۔ اور مومن کا سایہ خوشی سے سجدہ کرتا ہے کیونکہ مومن اطاعت کرنے والا ہے۔

۱۶: قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰہُ (اس میں ان کے اعتراف کو بیان کیا کیونکہ جب انہیں من رب السمٰوٰت والارض کہہ کر سوال کریں تو مجبوراً ان کو جواب میں اللہ کہنا پڑتا ہے۔ اُبی وعلی ابن مسعود اور اُبی کی قراءت قالوا اللہ ہے۔ نمبر ۲۔ یہ تلقین ہے یعنی اگر وہ جواب نہ دیں تو تلقین کرو اللہ رب السمٰوٰت والارض۔ اس لئے کہ اس کا جواب اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ (کہہ دیں کیا تم نے پھر بھی اس کے سوا اور کو کارساز بنا رکھے) کیا اس بات کو جاننے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا رب ہے تم نے اس کے سوا کارساز بنا لیے ہیں۔ لَا یَمْلِکُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا (جن کا اپنا نفع ونقصان بھی اپنے اختیار میں نہیں) وہ طاقت نہیں رکھتے اپنے نفسوں کے متعلق کہ ان کو نفع پہنچائیں یا اپنے نفوس سے ضرر دور کر سکیں پھر دوسروں کو نفع ونقصان کی طاقت کس طرح ان میں ہو سکتی ہے۔ حالانکہ تم نے تو ان کو خالق، رازق، المثیب، المعاقب ذات پر ترجیح دے رکھی ہے۔ تم کس قدر کھلی گمراہی میں مبتلا ہو۔

مشرک ومومن برابر نہیں:

قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ (کہہ دیں کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہیں) یعنی کافر ومومن نمبر ۲۔ جو کچھ نہ دیکھتا ہو اور جس ذات پر کوئی چیز مخفی نہ ہو۔ اَمْ هَلْ تَسْتَوِی الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ (یا تاریکیاں اور روشنی برابر ہے) یعنی کفر اور ایمان۔ قراءت: حفص کے علاوہ کوفی قراء نے یستوی پڑھا ہے۔ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَکَآءَ (یا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک بنالئے) اَمْ، بَلْ کے معنی میں ہے بلکہ کیا انہوں نے بنالئے شریک؟ ہمزہ انکار کیلئے ہے۔ خَلَقُوْا کَخَلْقِهٖ (انہوں نے کسی چیز کو پیدا کیا ہو جیسے خدا نے پیدا کیا) ان کے پیدا کرنے کی طرح پیدا کیا ہو یہ شرکاء کی صفت ہے یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں بنایا ایسے شرکاء کو جو پیدا کرنے والے ہوں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کی طرح پیدا کیا ہو۔ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَیْهِمْ (کہ دونوں کی مخلوق ان کو مشتبہ معلوم ہوئی ہو) کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی مخلوق شرکاء کی مخلوق سے رل مل گئی کہ جس سے انہوں نے کہنا پڑا۔ ہمارے شرکاء پیدا کرنے پر اسی طرح قدرت رکھتے ہیں جیسا اللہ تعالیٰ اس لئے یہ عبادت کے حقدار بن گئے اور ہم نے ان کو اس کا شریک قرار دے کر ان کی اسی طرح عبادت شروع کر دی جیسا اس کی عبادت کی جاتی ہے لیکن انہوں نے تو عاجزوں کو شریک بنایا جو اس کی قدرت بھی نہیں رکھتے جو مخلوق کو قدرت حاصل ہے۔ چہ جائیکہ ان کو وہ قدرت حاصل ہو جو خالق کو ہے۔ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ (کہہ دیں کہ

أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا

اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر نالے اپنی مقدار کے موافق بہنے لگے پھر بہتے ہوئے پانی نے اپنے اوپر جھاگ کو اٹھا لیا جو پانی پر

رَّابِيًا ۚ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ۚ

چڑھے ہے۔ اور جن چیزوں کو آگ میں ڈال کر تپاتے ہیں زیور یا کوئی دوسرا سامان حاصل کرنے کے لئے ان میں بھی اسی طرح کی جھاگ ہے۔

كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا

اسی طرح اللہ حق اور باطل کی مثال بیان فرماتا ہے۔ سو جو جھاگ ہے وہ تو بے فائدہ ہو کر چلا جاتا ہے۔ اور جو

يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ﴿١٧﴾ لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا

لوگوں کو نفع دیتا ہے وہ زمین میں ٹھہرا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اسی طرح مثالیں بیان فرماتا ہے۔ جن لوگوں نے

لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ

اپنے رب کی اطاعت کی ان کے لئے جنت ہے۔ اور جن لوگوں نے اس کی فرمانبرداری نہ کی اگر ان کے لئے وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ

مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٨﴾

اتنا ہی اور بھی ہو تو وہ سب کو اپنی جان کے بدلہ میں دے دیں گے یہ لوگ ہیں جن کے لئے برا حساب ہے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ برا بچھونا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے) یعنی اجسام و اعراض کا خالق ہے۔ غیر اللہ خالق نہیں ہیں۔ تخلیق میں اس کا شریک بنانا درست بھی نہیں۔ پس عبادت میں اس کا کوئی شریک کیسے ہو سکتا ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندے کے افعال کا خالق نہیں۔ بلکہ بندے خود ان افعال کے خالق ہیں تو ان کے اس قول کے مطابق مخلوق کے مشابہ مخلوق ہوگی۔ وَهُوَ الْوَاحِدُ (اور وہی یکتا ہے) ربوبیت میں یگانہ ہے۔ الْقَهَّارُ وہ مغلوب نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ تمام مربوب اور مقہور ہیں۔

حق و باطل کی مثال:

۱۷: اَنْزَلَ (اس نے اتارا)۔ واحد قہار اور وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے مِنَ السَّمَآءِ (آسمان سے) یعنی بادلوں سے مَآءً (پانی) پس فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا (پس بہہ پڑیں وادیاں اپنی مقدار کے مطابق) اس مقدار کے مطابق جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ کس قدر نفع بخش ہے نقصان دہ ہونے والی نہیں۔ فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ (سیلاب نے اٹھایا) یعنی بلند کیا۔ زَبَدًا (جھاگ) مطلب یہ ہے اس پر جھاگ بلند ہوگئی۔ رَّابِيًا (پانی کے اوپر بلند ہونے والا) ابھرنے والا۔ سیلاب کی سطح پر بلند ہونے والا۔ وَمِمَّا

یُوْقِدُوْنَ عَلَیْهِ (جن چیزوں کو آگ میں تپاتے ہیں)

قراءت: ابوبکر کے علاوہ کوفی قراء نے یوقدون پڑھا اور ابن کثیر، ابن عامر، عاصم وغیرہ نے توقدون پڑھا۔ مِنْ تبعیضیہ ابتدائیہ ہے۔ مطلب یہ ہے اس سے بھی جھاگ پیدا ہوتی ہے جو پانی کی جھاگ جیسی ہوتی ہے۔ نمبر۲۔ تبعیضیہ ہے اور اسکا بعض حصہ جھاگ ہے۔ فِی النَّارِ یہ علیہ کی ضمیر ہ سے حال ہے۔ تقدیر اسطرح ہے ومما یوقدون علیه ثابتًا فی النار۔ جس پر آگ جلاتے ہیں اس حال میں کہ وہ آگ میں قائم رہنے والی ہے۔ ابْتِغَآءَ حِلْیَةٍ (زیور بنانے کیلئے) زیور بنانے کی خاطر۔ نحو: یہ مصدر ہے جو کہ توقدون کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے۔ اَوْ مَتَاعٍ (یا سامان) مراد ہے تانبے پیتل وغیرہ جن سے برتن بنتے ہیں یا وہ چیز جن سے سفر و حضر میں فائدہ اٹھایا جاتا ہے وہ مراد ہیں۔ اسکا عطف حلیۃ پر ہے۔ زینت کی چیزیں سونے اور چاندی سے ہیں۔ زَبَدٌ (جھاگ) مِّثْلُهٗ (اسکی مثل)

نحو: زبد مبتدا موصوف مثلہ اسکی صفت، مما یوقدون اسکی خبر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان دھاتوں پر بھی پگھلاتے وقت پانی جیسی جھاگ آتی ہے۔ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ (اسی طرح اللہ تعالیٰ حق و باطل کی مثال بیان کرتے ہیں) یعنی حق و باطل کی مثال فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً (پھر جھاگ خشک ہو کر ختم ہو جاتا ہے) جفاء یہ حال ہے۔ اس حال میں کہ وہ بکھرنے والی ہے۔ یہ وہ جھاگ ہے جسکو جوش کے وقت ہنڈیا پھینکتی ہے۔ اور سمندر طغیانی کے وقت ابھارتا ہے۔ الجفاء کا معنی خشک ہونا، پھینکنا جیسا کہتے ہیں۔ جفات الرجل ای صرعته وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ (اور پھر وہ لوگوں کے لئے فائدہ مند ہے) یعنی پانی، زیور، برتن فَيَمْكُثُ فِى الْاَرْضِ (پس وہ زمین میں ٹھہر جاتا ہے) پانی چشموں، کنوؤں، ذخیرہ جات، فروٹ میں جاری برقرار رہتا ہے۔ اسی طرح جواہر زمین میں طویل مدت تک پڑے رہتے ہیں۔ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ (اسی طرح اللہ تعالیٰ مثالیں بیان کرتے ہیں) اسی طرح اللہ تعالیٰ حق و باطل کی مثالیں بیان کرتے ہیں تاکہ حق باطل سے ظاہر و جدا ہو جائے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مثال اللہ تعالیٰ نے حق اور اہل حق اور باطل اور باطل پرستوں کی بیان فرمائی ہے۔

حق کی مثال: حق اور اہل حق کی مثال اس پانی سے دی جو آسمان سے اترتا ہے۔ پھر وہ لوگوں کی وادیوں میں بہتا ہے اس سے لوگ زمین کو زندہ کرتے اور قسما قسم کے منافع حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح دھات سے تشبیہ دی۔ جس سے لوگ زیور، برتن، مختلف آلات، شمشیریں بناتے ہیں۔ یہ دھاتیں زمین میں ظاہرا مختلف صورت میں باقی رہنے والی ہیں پانی تو منافع کی صورت میں اور جواہر طویل دور دراز زمانوں تک باقی رہتے ہیں باطل کو جلدی مضمحل ہونے اور جلد زائل ہونے میں جھاگ سے تشبیہ دی جس کو پھینک دیا جاتا ہے اور دھاتوں کی جھاگ سے جو پگھلاتے وقت ابھر کر بیکار ہو جاتا ہے۔

بقول جمہور: یہ مثال اللہ تعالیٰ نے قرآن اور قلوب کی اور حق و باطل کی بیان فرمائی۔ الماء قرآن مجید ہے جو باطنات کیلئے زندگی ہے جیسا کہ پانی ابدان کیلئے اور قلوب، اَوْدِيَةٌ سے اب بقدرھا کا مطلب دل کی وسعت اور تنگی کے مطابق۔ اور زبد دل میں آنے والے خیالات اور شیطان کے وساوس۔ حق کی مثال صاف شفاف پانی کی طرح ہے۔ جس طرح میل دور ہو جاتی ہے باطل اسی طرح ہے اور صاف پانی باقی رہتا ہے اسی طرح نفسانی خیالات اور وساوس شیطانی ختم ہو جاتے ہیں اور اصل حق باقی رہتا ہے۔ باقی سونے، چاندی کے زیور یہ عمدہ احوال۔ پاکیزہ اخلاق باقی لوہا، تانبا، پیتل یہ ان دلوں کی مثال ہے جو اخلاص کے ساتھ

وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً

اور جنہوں نے اپنے رب کی رضا حاصل کرنے کے لئے صبر کیا اور نماز کو قائم کیا اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہری طور پر خرچ کیا

وَّیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا

اور حسن سلوک کے ذریعہ بدسلوکی کو دفع کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت کا اچھا انجام ہے　ہمیشہ رہنے والے باغ ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے

وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ

اور ان کے باپ دادوں اور بیویوں اور اولاد میں جو لائق ہوں گے وہ بھی ان میں داخل ہوں گے،　اور ان پر ہر دروازہ سے فرشتے

مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾ وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ

داخل ہوں گے　یہ کہتے ہوئے کہ تم پر سلام ہو اس وجہ سے کہ تم نے صبر کیا سو اس جہان میں تمہارا انجام اچھا ہے۔　اور جو لوگ مضبوط کرنے کے بعد اللہ کے

عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی

عہد کو توڑتے ہیں　اور اللہ نے جس چیز کو جوڑنے کا حکم دیا اسے کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے

الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ

ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے لعنت ہے اور ان کے لئے برا گھر ہے۔　اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ فرماتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے

وَفَرِحُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾

اور وہ لوگ دنیا والی زندگی پر اترا رہے ہیں　حالانکہ دنیا والی زندگی آخرت کے مقابلہ میں بس ایک تھوڑا سا کام آنے والی چیز ہے۔

۲۲: وَالَّذِیْنَ صَبَرُوْا (اور وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا) یہ ان تمام مصائب پر حاوی ہے جو نفوس اور اموال پر ان کو برداشت کرنے کی صورت میں آتے ہیں۔ ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ (اپنے رب کی رضامندی چاہنے کیلئے) نہ اس لئے کہ کہا جائے کہ یہ کتنا بڑا صابر ہے۔ اور کتنا مصائب کو اٹھانے والا اور مقابلہ میں اقدام کرنے والا اور ثابت قدم رہنے والا ہے۔ اور نہ ہی اس لئے کہ گھبراہٹ سے عیب نہ لگایا جائے۔ (بلکہ اس لئے تاکہ اللہ راضی ہو جائے) وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ (اور نماز کو قائم کیا) انکی اقامت پر مداومت اختیار کی۔ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ (اور اس میں سے خرچ کیا جو ہم نے ان کو رزق دیا) یعنی حلال اگرچہ حرام بھی ہمارے نزدیک رزق ہے سِرًّا وَّعَلَانِیَةً (پوشیدہ اور ظاہر) اس میں نوافل بھی شامل ہیں کیونکہ وہ پوشیدہ افضل ہیں۔ اور فرائض سرعام افضل ہیں تاکہ اس پر تہمت نہ ہو کہ یہ فرائض کا تارک ہے۔ وَیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ (اور وہ دور کرتے ہیں نیکی سے بدی کو) جو تکلیف دہ بات اگر کی جاتی ہے اسکا جواب اچھائی سے دیتے ہیں۔ نمبر۲۔ جب انکو محروم کیا جائے تو دیتے ہیں اور جب ان پر ظلم ہو تو وہ معاف کرتے

ہیں۔ جب ان سے قطع رحمی کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ اور جب گناہ کرتے ہیں تو توبہ کر لیتے ہیں اور وہ اطاعت سے بھاگ پڑیں تو واپس لوٹ آتے ہیں۔ جب کوئی برائی دیکھتے ہیں تو اس کی تبدیلی کا حکم دیتے ہیں۔ یہ وہ آٹھ اعمال ہیں جو جنت کے آٹھ دروازوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ (ان لوگوں کیلئے نیک انجام ہے) دنیا کا انجام اور وہ جنت ہے کیونکہ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ دنیا کا انجام بنے اور دنیا والوں کے لوٹنے کا ٹھکانہ ہو۔

۲۳: جَنّٰتُ عَدْنٍ (ہمیشہ کے باغات) یہ عقبی الدار سے بدل ہے۔ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ (وہ اس میں داخل ہونگے اور وہ جو لائق ہونگے) یعنی ایمان لائیں گے مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ (انکے آباؤ اجداد اور انکی بیویوں اور انکی اولاد میں سے) قراءت: صَلُحَ بھی پڑھا گیا مگر فتحہ لام زیادہ فصیح ہے۔ اور من یدخلونھا کی ضمیر پر عطف ہونے کی وجہ سے محل رفع میں ہے کیونکہ ضمیر مفعول فاصل بن گیا ہے۔ زجاج نے اسکے مفعول معہ ہونے کو جائز قرار دیا۔ اور صلاح کی صفت کے ساتھ اسکو ذکر کیا۔ تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ نسب فقط فائدہ مند نہیں اور مراد ہر ایک کے ماں باپ ہیں۔ اگرچہ ذکر تغلیباً آباء کا ہی کیا گیا۔ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ (اور فرشتے ہر دروازے سے ان پر داخل ہونگے) ہر دن رات کی مقدار میں تین مرتبہ ہدایا پیش کریں گے اور رضائے الٰہی کی بشارتیں لائیں گے۔

۲۴: سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ (تم پر سلام ہو) یہ موضع حال میں ہے اس لئے کہ معنی یہ ہے قائلین سلام علیکم یا مسلّمین۔ اس حال میں کہ کہہ رہے ہونگے تم پر سلام ہو یا اس حال میں کہ سلام کرنے والے ہونگے۔ بِمَا صَبَرْتُمْ (تمہارے صبر کرنے کی وجہ سے) یہ ثواب تمہیں اس لئے ملا کہ تم نے خواہشات سے صبر کیا تھا۔ یا اللہ تعالیٰ کے حکم پر جمے رہنے کی وجہ سے یا صبرتم۔ تم پر ہم سلام کرتے اور تمہارا اکرام تمہارے صبر کی وجہ سے کر رہے ہیں۔ راجح ان میں سب سے بہتر پہلا قول ہے۔ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (پس اس جہان میں تمہارا یہ انجام بہت اچھا ہے) یعنی جنات کے باغات۔

وعدہ توڑنے والوں کا انجام:

۲۵: وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ (اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو مضبوط کرنے کے بعد توڑتے ہیں) اس کے بعد کہ انہوں نے اس وعدہ کا اعتراف اور قبولیت سے مضبوط کیا ہے۔ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ (اور وہ قطع کرتے ہیں اس کو کہ جسکے ملانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور وہ زمین میں فساد کرتے ہیں) کفر اور ظلم کر کے اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ (ان لوگوں پر لعنت ہے) رحمت سے دوری وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ (اور انکے لئے برا گھر ہے) یہ بھی احتمال ہے کہ اس میں دنیا کے برے انجام کا ذکر ہو۔ کیونکہ یہ عقبی الدار کے مقابلہ میں ہے اور دار سے جہنم بھی مراد ہو سکتی ہے اور سوء سے اس کا عذاب مراد ہوگا۔

تسلی رسول ﷺ:

۳۲: وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا (تحقیق آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ استہزاء کیا گیا پھر میں نے کافروں کو ڈھیل دی) الاملاء مہلت دینا ایک مدت کیلئے امن و امان میں چھوڑ دینا۔ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ (پھر میں نے انکو پکڑا پس میری سزا کیسی رہی) یہ کفار مکہ کو وعید ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے بطور استہزاء آنے والے روز جو نشانات مانگتے تھے انکا جواب اور آپ ﷺ کو تسلی دی۔

اللہ کی مثال کوئی نہیں:

۳۳: أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ (کیا پس وہ ذات جو ہر شخص کے تمام اعمال کا نگران ہے) اسکے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانے کے خلاف حجت پیش کی گئی ہے۔ کیا پس وہ اللہ تعالیٰ کی ذات جو نگران ہے عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ (ہر ہر نفس پر) خواہ وہ صالح ہو یا بدکار بِمَا كَسَبَتْ (جو کچھ وہ کر رہا ہے) وہ اسکے شر و خیر کو جانتا ہے اور ہر ایک کا بدلہ دیتا ہے کیا وہ اس کی طرح ہو سکتا ہے جو اس طرح کا نہ ہو۔ پھر جملہ مستانفہ لائے اور فرمایا۔ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ (اور بنا رکھے ہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک) یعنی اصنام قُلْ سَمُّوْهُمْ (آپ ان سے کہیں انکے اوصاف تو بتلاؤ) تم انکے سامنے انکے نام ہو کر دو وہ کون ہیں اور ان معبودوں کی تفصیل انکے سامنے ذکر کرو۔ پھر فرمایا۔ أَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ (یا تم اللہ تعالیٰ کو ایسی بات بتلا رہے ہو جس سے وہ ساری زمین میں واقف نہیں) ام منقطعہ بمعنی بل ہے۔ بلکہ تم اسکو بتلا رہے ہو اسکے شرکاء جن کو وہ زمین میں نہیں جانتا حالانکہ وہ تو آسمان و زمین کے ہر ذرے سے واقف ہے۔ جب اللہ تعالیٰ انکو نہیں جانتا تو اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ کوئی چیز نہیں جن کی کچھ اصلیت نہیں۔ مقصد اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہے ہی نہیں۔ أَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ (یا تم انکو اللہ تعالیٰ کا شریک ظاہری اور سرسری طور پر کہتے ہو) بلکہ کیا تم نے انکا نام سرسری طور پر رکھا ہوا ہے۔ بغیر اس بات کے کہ اسکے پیچھے کوئی حقیقت ہو۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ [التوبہ: ۳۰] مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَا [یوسف: ۴۰] بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ (بلکہ کافروں کیلئے انکی تدبیر کو مزین کر دیا گیا) مکر سے انکا اسلام کیلئے فریب کاری کرنا مراد ہے یا جو شرک کی وجہ سے کرتے رہتے تھے۔ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ (اور انکو سیدھی راہ سے روک دیا گیا) اللہ تعالیٰ کی راہ سے۔ قراءت: صاد کو صاد کے ضمہ سے کوفی نے پڑھا اور دیگر قراء نے فتحہ کے ساتھ اور اسکا معنی پھر یہ ہوگا۔ صدوا المسلمین عن سبیل اللہ انہوں نے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ (جسکو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اسکو کوئی راہ پر لانے والا نہیں) کوئی نہیں جسکو اسکی ہدایت پر قدرت ہو۔

۳۴: لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (دنیوی زندگی میں ان پر عذاب مسلط ہے) وہ قتل، قید اور مختلف مشقتوں کی صورت میں ہوگا۔ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ (اور آخرت کا عذاب تو بہت سخت ہے) اس سے سخت ہے کیونکہ وہ دائمی ہے۔ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ (اور انکو اللہ تعالیٰ کے غضب سے کوئی بچانے والا نہیں) جو انکے عذاب سے کچھ حفاظت کرے۔

وَمِنَ الْاَحْزَابِ (وہ اہل قرآن سے خوش ہوتے ہیں جو آپ پر اتارا گیا اور ان گروہوں میں سے) وہ ان کے گروہوں میں سے اور اس سے مراد وہ کفار ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف عداوت میں جتھہ بندی کی جیسے کعب بن اشرف یہودی اور اس کی پارٹی اور اسید، عاقب اور ان کے ساتھ والے لوگ جو عیسائی تھے۔ مَنْ یُّنْكِرُ بَعْضَهٗ (وہ لوگ ہیں جو قرآن کے کچھ حصہ کا انکار کرتے ہیں) کیونکہ یہ لوگ قصص و واقعات اور بعض احکام دین اور معانی و مفاہیم کا انکار نہ کرتے تھے جو ان کی کتابوں میں بھی پائے جاتے تھے۔ بلکہ نعت نبوت محمد ﷺ اور اپنی کتاب میں تحریف کردہ باتوں میں قرآن کی مخالفت کرتے تھے (توحید باری تعالیٰ، بعض صفات باری تعالیٰ کا انکار کرتے)۔

نبوت محمدی کا انکار اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ (مجھے تو حکم ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤں) پس تمہارا نبوت محمد ﷺ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے انکار یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور توحید کا انکار ہے۔ پس دیکھو تم کس بات کا انکار کر رہے ہو۔ حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لازم ہونے کے دعوے دار ہو اور اس کے بھی دعوے دار ہو کہ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اِلَیْهِ اَدْعُوْا (میں اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں) خاص طور پر میں اس کے علاوہ اور کسی کی طرف دعوت نہیں دیتا۔ وَاِلَیْهِ مَاٰبِ (اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے) والیہ کا لفظ لا کر بتلا دیا کہ اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں نہ کہ غیر کی طرف۔ مآب لوٹنے کی جگہ۔ اے یہود و نصاریٰ تم بھی اسی طرح کہتے ہو۔ پھر میری نبوت کا انکار چہ معنی دارد۔

۳۷: وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ (اور اسی طرح ہم نے اس کو اتارا) جس طرح ہم نے گزشتہ کتابیں اتاریں جن میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا گیا۔ اور اس کی وحدانیت کا سبق پڑھایا گیا اور اس کی طرف بلانے کا امر ہوا اور اس کے دین کی طرف اور دار الجزاء سے ڈرانے کا کہا گیا۔ حُكْمًا عَرَبِیًّا (عربی زبان میں فیصلہ دیا) یہ حکمت ہے جس کی ترجمانی عربی زبان سے کی گئی۔

نحو: یہ منصوب ہے حال کی وجہ سے۔ رسول اللہ ﷺ کو ان امور کی طرف دعوت دیتے جو دین اسلام اور ان کے بیچ میں تھے تو اس سلسلہ میں کچھ ہدایت فرمائی۔ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ (اگر آپ نے ان کی خواہشات کی اتباع کی اس کے بعد کہ آپ کے پاس (وحی سے) علم آ چکا) قطعی دلائل کے ذریعہ علم کے ثبوت اور روشن براہین کے بعد۔ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا وَاقٍ (آپ کے لئے اللہ تعالیٰ سے بچانے والا کوئی دوست نہ ہوگا) یعنی کوئی مددگار آپ کی مدد کر سکے گا اور کوئی بچانے والا ہو سکے گا۔ یہ طرز عمل درحقیقت سامعین و مخاطبین کو دین پر ثابت قدم رکھنے کیلئے ہے تاکہ کسی شبہ میں پڑ کر کوئی آدمی پھسل نہ جائے۔ ورنہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی تو مضبوطی سے اپنے موقف پر جمنے والی تھی۔ ان میں ڈگمگانے کا سوال ہی نہ تھا۔

پیش کرے) اتنی حدود وسعت میں نہیں کہ قوم کی منہ مانگی نشانیاں لے آئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ و اختیار میں ہے۔ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ (ہر کتاب کیلئے ایک وقت مقرر ہوا ہے) ہر کتاب کا ایک حکم ہے جو بندوں پر ایک وقت پر فرض کیا جاتا ہے جو اس وقت حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔

۳۹: يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ (اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے) جس چیز کا منسوخ کرنا منظور ہوتا ہے اسکو منسوخ کرتا ہے۔ وَيُثْبِتُ (اور قائم رکھتا ہے) اسکے بدلے میں جو چاہتا ہے۔ نمبر۲۔ غیر منسوخ چھوڑ دیتا ہے اور وہ غیر معمول رہتا ہے۔ نمبر۳۔ حفاظتی فرشتوں کے دفتروں سے جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور دوسرے کو قائم رکھتا ہے۔ نمبر۴۔ تائبین کے کفر کو مٹاتا ہے اور ان کے ایمان کو اس جگہ لکھ دیتا قائم کر دیتا ہے۔ نمبر۵۔ وفات دیتا ہے جسکا وقت مقرر آ جاتا ہے اور قائم و زندہ چھوڑتا ہے جسکا وقت باقی ہوتا ہے۔ قراءت وَيُثْبِتُ مدنی، شامی، حمزہ اور علی نے پڑھا ہے۔ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ (اور اصل کتاب اسی کے پاس ہے) یعنی ہر کتاب کی اصل اسی کے پاس ہے اور وہ لوح محفوظ ہے کیونکہ کائنات میں ہر وقوع پذیر ہونے والی چیز اس میں درج ہے۔

۴۰: وَإِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ (اگر آپ کو وفات سے پہلے) اس بات کا کچھ حصہ دکھا دیں جسکا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں یا آپکو وفات دے دیں (اور آپکی زندگی میں انکو شکست نہ ہو) جس طرح حالات کا تقاضا ہو۔ ہم انکا کچھ بدلہ دکھا دیں اور ان سے جو عذاب اتارنے کا وعدہ کیا ہے وہ عذاب ان پر اتار دیں۔ یا اس سے قبل آپکو وفات دے دیں۔ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ (پس یقیناً آپکے ذمہ پہنچا دینا ہے) پس آپکے ذمہ اتنا ضروری ہے کہ پیغام رسالت پہنچا دیں۔ یہ کافی ہے۔ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (اور ہمارے ذمہ حساب لینا ہے) ہمارے ذمہ ان سے حساب لینا اور بدلہ دینا ہے۔ جو انکے اعمال کے مناسب ہوگا۔ آپکے ذمہ نہیں۔ آپ انکے اعراض کو کچھ اہمیت نہ دیں اور نہ انکے لئے جلد عذاب مانگیں۔

۴۱: أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ (کیا انہوں نے (مکہ کے کافروں نے) نہیں دیکھا کہ ہم زمین کو ہر چہار جہت سے کم کرتے چلے آ رہے ہیں) مراد ارض کفر ہے۔ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا (اسکو ہم اطراف سے کم کرتے جا رہے ہیں) کہ ان علاقوں کو مسلمان فتح پر فتح کرتے جا رہے ہیں۔ دار الحرب کو گھٹا رہے ہیں۔ اور دار الاسلام کو پھیلا رہے ہیں یہ غلبہ اور نصرت کی علامت ہے۔ مطلب یہ ہے آپ کے ذمہ اس چیز کا پہنچانا ہے جو ذمہ داری آپ پر ڈالی گئی ہے۔ اسکے نتیجہ کا آپ اہتمام نہ فرمائیں ہم جانیں ہمارا کام۔ ہم نے جو نصرت و کامیابی کا وعدہ کیا وہ پورا کر کے رہیں گے۔

وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ (اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمانے والے ہیں ان کے فیصلوں کو کوئی موڑ نہیں سکتا) ان کے فیصلوں کو کوئی واپس نہیں کر سکتا۔ المعقب جو کسی چیز پر بار بار حملہ آور ہو کر اسکو باطل و ہلاک کر دے۔ اور اسکی حقیقت وہ شخص جو کسی چیز کو لوٹانے اور اسکو باطل کرنے کیلئے اس کے پیچھے پڑ جاتا ہے اسی لئے حق دار کو معقب کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے مقروض کا پیچھا پورے تقاضے اور طلب سے کرتا ہے اب مطلب یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے غلبہ کا فیصلہ کیا ہوا ہے۔ اور اسکا اقبال مقدر ہو چکا ہے۔ اور کفر کو زوال مقرر ہو چکا اور اس کا پیچھا چھٹنا ہے۔

نحو: لا معقب لحكمه حال کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ گویا اس طرح فرمایا۔ والله يحكم نافذا حكمه اللہ فیصلہ

سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَانِ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ ابراہیم مکہ میں نازل ہوئی جو باون آیات اور سات رکوع پر مشتمل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ

الرٰ۔ یہ کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی تاکہ آپ لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے اندھیروں سے نور کی طرف نکالیں

رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ

زبردست اور خوبیوں والے اللہ ہے جس کے لئے وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے

وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۙ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ

اور کافروں کے لئے ہلاکت یعنی سخت عذاب ہے جو دنیاوی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں پسند کرتے ہیں

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۗ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ ۢ بَعِيْدٍ ۝

اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں یہ لوگ دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں

۱: الٓرٰ کِتٰبٌ (یہ کتاب ہے)۔

نحو: یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور مبتدا "ھذا" ہے اور کتاب سے مراد سورت ہے اور اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ (جس کو ہم نے اتارا) یہ جملہ موضع رفع میں ہے اور کِتٰبٌ نکرہ کی صفت ہے۔ لِتُخْرِجَ النَّاسَ (تاکہ تم لوگوں کو نکالو) ان کو دعوت دے کر مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (اندھیروں سے روشنی کی طرف) گمراہی سے ہدایت کی طرف۔ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ (ان کے رب کے حکم سے) یعنی اس کے آسانی اور سہولت کر دینے کے سبب۔ یہ ایسے اذن کیلئے بطور مستعار استعمال ہوا جس کا مقصد حجاب کا آسان کر دینا ہے اور یہی توفیق دینا ہے۔ اِلٰى صِرَاطِ (راستہ کی طرف) عامل کو دوبارہ لایا گیا ہے یہ نور سے بدل ہے الْعَزِيْزِ (زبردست) انتقام کی قدرت رکھتا ہے۔ الْحَمِيْدِ (مستحق ستائش) انعام پر قابل تعریف۔

۲: اللّٰهِ قراءت: مدنی، شامی، علی نے رفع سے پڑھا۔ تقدیر یہ ہے ھو اللہ۔ دیگر قراء نے جر سے پڑھا ہے اس طرح کہ العزیز الحمید سے عطف بیان ہے۔ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (وہ ذات جس کیلئے ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے) مخلوق و مملوک ہونے کی وجہ سے۔ جب ظلمات کفر سے نور ایمان کی طرف نکلنے والوں کا ذکر کیا تو کافروں کو ویل و ہلاکت

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۭ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ

اور ہم نے جتنے بھی پیغمبر بھیجے وہ اپنی ہی قوم کی زبان بولنے والے تھے تاکہ وہ اپنی قوم کے لیے بیان کریں۔ پھر اللہ جسے چاہے گمراہ کرے

وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ④

اور جسے چاہے ہدایت دے اور وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

سے فرمایا۔ یہ ویل لفظ الویل کی تخفیف ہے۔ اور وہ ہلاکت کو کہا جاتا ہے۔ اور یہ معنوی اعتبار سے امر ہے جیسے اصل سلام۔ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ (اور ہلاکت ہے سخت عذاب سے کافروں کیلئے) نحو: یہ مبتدا اور خبر اور صفت ہے۔

٣: الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ (وہ لوگ جو پسند کرتے ہیں) ترجیح دیتے اور چناؤ کرتے ہیں الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَي الْاٰخِرَةِ (دنیا کی زندگی کو آخرت پر) وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (اور وہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے ہیں) اللہ تعالیٰ کے دین سے وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا (اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کجی ڈھونڈتے ہیں) اللہ تعالیٰ کے راستہ کیلئے ٹیڑھا اور کجی تلاش کرتے ہیں۔ و یبغونھا اصل یبغون لھا ہے۔ جار کو حذف کر دیا اور ضمیر کو فعل کے ساتھ ملا دیا۔ نحو: یہ مبتدا ہے الذین یہ ہے اور خبر اولئک فی ضلال بعید ہے۔ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ (وہ لوگ دور کی گمراہی میں ہیں) حق سے۔ آیت میں ضلال کی صفت بعید کے ساتھ بطور اسناد مجازی کے لائے ہیں۔ اصل تو بعد گمراہ ہونے والے کی صفت ہے۔ کیونکہ وہ حق کے راستہ سے دور جا پڑتا ہے۔ پس فعل کی صفت اس سے کردی جیسا کہتے ہیں۔ جدّ جدہ۔ الذین۔ کافرین کی صفت بن کر مجرور ہے۔ نمبر ۲۔ منصوب علی الذم ہے۔ نمبر ۳۔ اعنی کی وجہ سے منصوب ہے ای اعنی الذین۔ نمبر ۴۔ ذم کی وجہ سے مرفوع ہے ای ھم الذین۔

ہر رسول اپنی قومی زبان میں اللہ کا پیغام لایا:

٤: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ (ہم نے ہر پیغمبر کو انکی قوم کی زبان میں پیغمبر بنایا) وہ انہی کی لغت میں گفتگو کرنے والا ہوتا ہے۔ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (تاکہ وہ ان کے سامنے کھول کر بیان کرے) اس کو جس کو دے کر بھیجا گیا ہو اور جن کے لئے بھیجا گیا ہو۔ تاکہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے متعلق کوئی حجت نہ رہے اور نہ پیغمبر کو یہ کہہ سکیں کہ جس وحی سے ہمیں مخاطب کیا گیا وہ تو ہمیں سمجھ نہیں آتی۔

سوال: ہمارے رسول ﷺ تو تمام انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ جیسا کہ اس ارشاد میں ہے قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا [الاعراف ۱۵۸] بلکہ جن وانس کی طرف حالانکہ ان کی زبانیں تو مختلف ہیں۔ پس اگر عرب کیلئے حجت ہیں تو غیر کے لئے حجت کس طرح؟

جواب: قرآن تمام زبانوں میں نازل ہوگا یا ایک زبان میں۔ تمام زبانوں میں نازل ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ کی اپنی قوم کی زبان میں اترنا چاہیے کیونکہ وہ آپ کے پہلے مخاطب ہیں۔ اور ایک زبان میں اترنا تبدیلی و تحریف سے بھی محفوظ کرنے کیلئے زیادہ

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَذَكِّرْهُم

اور تحقیق ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاؤ اور انہیں ایام اللہ

بِأَيَّامِ اللَّهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿٥﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ

یاد دلاؤ بے شک اس میں ہر ایسے شخص کے لیے نشانیاں ہیں جو خوب صبر کرنے والا ہے خوب شکر کرنے والا ہے ۔ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا

اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنجَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ

کہ تم پر جو اللہ کی نعمتیں ہیں ان کو یاد کرو جبکہ اس نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی وہ تمہیں بری طرح تکلیف پہنچاتے

الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ مِّن

تھے اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب

رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿٦﴾

بڑا امتحان تھا۔

مناسب ہے۔ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ (پس اللہ تعالیٰ گمراہ کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے) جو اسباب ضلالت کو ترجیح دے۔ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے) جو ہدایت کے اسباب کو ترجیح دیتا ہے وَهُوَ الْعَزِيْزُ (وہی زبردست ہے) اس کی مشیت پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ الْحَكِيْمُ (حکمت والا ہے) وہ رسوا نہیں کرتا مگر ذلیل لوگوں کو ہی۔

موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ:

۵: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ (اور تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آیات کے ساتھ بھیجا) آیات سے وہ نو نشانیاں مراد ہیں۔ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ (کہ اپنی قوم کو نکالو) اَنْ اَخْرِجْ میں اَنْ اصل میں بمعنی اَیْ ہے یعنی تم نکالو کیونکہ ارسال میں قول کا معنی موجود ہے گویا اس طرح فرمایا ارسلناہ وقلنا له اخرج قومك (ہم نے ان کو بھیجا اور ان کو کہا کہ اپنی قوم کو نکالو) مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ (اندھیروں سے روشنی کی طرف اور ان کو ایام اللہ کے ذریعہ نصیحت کرو) ان کو پہلی اقوام کے واقعات سے ڈراؤ جیسے قوم نوح، عاد، ثمود وغیرہ اور اسی سے ایام العرب کا لفظ لڑائی کے دنوں کیلئے بھی بولا جاتا ہے۔ نمبر۲۔ انعامات کے دن جیسے بادلوں کا سایہ، من وسلویٰ کا نزول۔ فلق البحر وغیرہ۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ (بیشک اس میں البتہ ہر صبر کرنے والے کیلئے نشانیاں ہیں) جو مصیبتوں پر صبر کرنے والے ہیں۔ شَكُوْرٍ (شکر ادا کرنے والے ہیں) انعامات پر۔ گویا اس طرح فرمایا لکل مؤمن کیونکہ ایمان کے دو حصے ہیں۔ نمبر۱۔ نصف صبر ہے۔ نمبر۲۔ نصف شکر ہے۔

۶: وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ (اور

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۞

اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے رب نے تم کو مطلع فرمادیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو تم کو اور زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب سخت ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰۤى اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ حَمِيْدٌ ۞

اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اگر تم اور وہ سب لوگ جو زمین میں ہیں سب مل کر ناشکری کرو تو بلاشبہ اللہ بے نیاز ہے تعریف والا ہے

جب کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو تم اللہ تعالیٰ کے انعامات کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیے جب اس نے تم کو آل فرعون سے نجات دی۔ وہ تمہیں سخت عذاب دیتے تھے) اذ ظرف ہے نعمت کیلئے جو کہ بمعنی انعام ہے۔ یعنی اس کا انعام تم پر اس وقت میں ہوا۔ نمبر ۲۔ نعمۃ اللہ سے بدل الاشتمال ہے ای اذکروا وقت انجائکم (اپنے نجات دیئے جانے کے وقت کو یاد کرو) وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ (اور وہ ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو)

نکتہ: البقرۃ الآیۃ ۴۹ میں یذبحون اور الاعراف الآیۃ ۱۴۱ میں یقتلون بغیر واؤ کے جبکہ یہاں واؤ کے ساتھ ہے۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ ذبح ابناء کو جب عذاب کی تفسیر اور بیان بنایا تو واؤ کو ذکر نہیں کیا۔ اور جہاں واؤ کو ذکر کیا تو وہاں جنس عذاب میں ایک اضافہ ذبح ابناء کا کیا گویا یہ عذاب کی الگ قسم ہے۔ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ (اور زندہ چھوڑتے تمہاری عورتوں کو اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی) اس میں عذاب کی طرف اشارہ ہے۔ اور ابتلاء سے مشقت مراد ہے۔ نمبر ۲۔ نجات کی طرف اشارہ ہو تو بلاء سے نعمت مراد ہے۔ جیسا اس آیت میں ونبلوکم بالشر والخیر فتنۃ۔

[الانبیاء: ۳۵]

:وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ (جب تمہارے رب نے اطلاع دے دی) اعلان کر دیا تاذن اور اذن توعد اور اوعد کی طرح ہے۔ تفعل میں جو معنی میں اضافہ ہے وہ افعل میں نہیں ہے۔ گویا اس طرح کہا گیا واذ اذن ربکم ایذاناً بلیغاً تنتفی عندہ الشکوک والشبہ جب تمہارے رب نے کامل اعلان کیا جس سے شکوک و شبہات رفع ہو گئے اور وہ انہی میں سے ہے جو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارشادات فرمائے۔

نحو: نعمۃ اللہ علیکم پر عطف کی وجہ سے یہ منصوب ہے گویا اس طرح فرمایا واذ قال موسیٰ لقومہ اذکروا نعمۃ اللہ علیکم واذکروا حین تاذن ربکم مطلب یہ ہے جب تمہارے رب نے اطلاع دیتے ہوئے فرمایا لَئِنْ شَكَرْتُمْ (اگر تم شکر کرو گے) اے بنی اسرائیل جو ہم نے تمہیں نجات کی نعمت دی ہے۔ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (نعمت میں تمہارے لئے ضرور اضافہ کریں گے) نعمت پر نعمت دیں گے۔ شکر موجود کو تابو رکھنا اور مفقود کی تلاش میں رہنا کہلاتا ہے جب تم نعمت میں شکر کا لفظ سنو تو اور نعمت کی تیاری کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا لئن شکرتم بالجد فی الطاعۃ لازیدنکم بالجد فی المثوبۃ۔ اگر تم اطاعت کی صورت میں شکر ادا کرو گے تو میں ثواب کی صورت میں مزید اضافہ کروں گا۔ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ (اور اگر تم

نے ناشکری کی) اس نعمت کی جو میں نے تم پر کی اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ (بیشک میرا عذاب بڑا سخت ہے) اس کیلئے جو میری نعمت کی ناشکری کرے۔ دنیا میں تو سلب نعمت کا عذاب اور آخرت میں مسلسل و تنگی اور سزا۔

ارشادِ موسیٰ علیہ السلام:

۸: وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ (اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر تم ناشکری کرو گے) اے بنی اسرائیل وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (اور وہ جو تمام زمین میں ہیں) تو صرف فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ (پس بیشک اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں) تمہارے شکر سے حَمِيْدٌ (تعریفوں والے ہیں) خواہ تعریف کرنے والے انکی تعریف نہ کریں تم نے اپنے نفوس کو خیر سے محروم کر کے نقصان پہنچایا ہے۔ جبکہ انکی طرف سے بہر صورت تحقیق ہے۔

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۛ وَالَّذِينَ مِن

کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جو تم سے پہلے تھے یعنی نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور جو قومیں ان کے بعد

بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ ۚ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا

[illegible]

أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا

[illegible]

تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ (۹) قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ

[illegible]

وَالْأَرْضِ ۖ يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ

[illegible]

مُّسَمًّى ۚ قَالُوا إِنْ أَنتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيدُونَ أَن تَصُدُّونَا عَمَّا كَانَ

[illegible]

يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَأْتُونَا بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ (۱۰) قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِن نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ

[illegible]

مِّثْلُكُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَمَا كَانَ لَنَا أَن نَّأْتِيَكُم بِسُلْطَانٍ إِلَّا

[illegible]

بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (۱۱) وَمَا لَنَا أَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ وَقَدْ

[illegible]

هَدَانَا سُبُلَنَا ۚ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَىٰ مَا آذَيْتُمُونَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ (۱۲)

[illegible]

٩: اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّ ثَمُوْدَ (کیا تمہارے پاس خبر نہیں آئی ان کی جو تم سے پہلے قومیں ہو گئیں جیسے قوم نوح، عاد و ثمود) نمبر۱۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے۔ جو اپنی قوم سے کہا۔ نمبر۲۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ والے لوگوں کو خطاب کیا گیا ہے۔ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ (اور وہ لوگ جو ان کے بعد ہوئے جن کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں) یہ جملہ ابتدائیہ ہے اور خبر جملہ معترضہ ہے یا الذین من بعدھم کا عطف قوم نوح پر ہے اور لا یعلمھم الا اللّٰہ جملہ معترضہ ہے۔ مطلب اس طرح ہے وہ کثرت تعداد میں اتنے ہیں کہ ان کی حقیقی گنتی اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عدنان اور اسماعیل کے درمیان تیس باپ ہیں جو معلوم ہی نہیں۔ آنحضرت ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے اس آیت کے نزول کے بعد فرمایا کذب النسابون [ابن سعد فی طبقات] جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ (ان کے رسول ان کے پاس دلائل لائے) بینات سے معجزات مراد ہیں۔ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ (انہوں نے ان کے ہاتھ ان کے منہ کی طرف لوٹا دیے) نمبر۱۔ دونوں ضمیریں کفار کی طرف راجع ہیں یعنی کفار نے اپنے ہاتھوں کے پورے منہ میں تعجب کے طور پر رکھ لیے۔ نمبر۲۔ غصہ سے اپنے پورے کاٹتے تھے۔ نمبر۳۔ دوسری ضمیر انبیاء علیہم السلام کی طرف کہ قوم نے اپنے ہاتھ انبیاء علیہم السلام کے منہ میں رکھ دیے تا کہ وہ بات نہ کر سکیں۔ پیغام رسالت نہ دے سکیں۔ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ (اور کہنے لگے ہم تمہارے دعوی رسالت کے منکر ہیں اور جس بات کی طرف تم ہمیں دعوت دیتے ہو ہم اس میں شک کرنے والے ہیں) یعنی ایمان باللہ اور توحید مُرِيْبٍ (جو ہمیں تردد میں ڈالنے والا ہے) شک میں مبتلا کرنے والا ہے۔

١٠: قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ (ان کے پیغمبروں نے کہا کیا تم کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک ہے) ہمزہ انکاری کو ظرف پر داخل کیا۔ کیونکہ کلام شک میں نہیں بلکہ مشکوک فیہ میں ہے اللہ تعالیٰ کے متعلق اشتباہ ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ جبکہ اس کے وجود و ظہور کے دلائل واضح ہیں۔ یہ ان کے قول انا لفی شک کا جواب ہے۔ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَدْعُوْكُمْ (وہ آسمان و زمین کو پیدا کرنے والا ہے۔ وہ تمہیں دعوت دیتا ہے) ایمان کی طرف لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ (تا کہ تمہارے گناہوں کو بخش دے) جبکہ تم ایمان لاؤ۔

نکتہ: کفار کے خطابات میں من ذنوبکم لایا گیا جیسا اس ارشاد میں ان اعبدوا اللّٰہ واتقوہ واطیعون یغفر لکم من ذنوبکم [نوح:٣،٤] یقومنا اجیبوا داعی اللّٰہ وامنوا بہ یغفر لکم من ذنوبکم [الاحقاف:٣١] ایمان والوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ھل ادلکم علی تجارۃ الی ان قال یغفر لکم ذنوبکم [الصف:١٢] قرآن مجید کی آیات میں تتبع اور تلاش سے یہ بات سامنے آ سکتی ہے۔ یہ دونوں خطابات میں فرق کیلئے فرمایا تا کہ فریقین کے وعدہ میں برابری نہ سمجھی جائے۔ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى (اور تمہیں مہلت دے ایک وقت مقررہ تک) ایک وقت تک جس کو مقرر کر دیا اور اس کی مقدار کو واضح کر دیا۔ قَالُوْٓا (انہوں نے کہا) قوم کفار نے کہا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (تم تو ہم ہی جیسے انسان ہو) ہم میں اور تم میں فضیلت کا کوئی فرق نہیں اور تمہیں نبوت والی فضیلت حاصل نہیں تو پھر تم اپنے کو نبوت سے کیسے خاص کرتے ہو؟ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ

اٰبَآؤُنَا (تم چاہتے ہو کہ ہمیں ان معبودوں سے روک دو جنکی پوجا ہمارے آباء کرتے تھے) فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ (تو تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل لاؤ) واضح حجت۔ حالانکہ رسول علیہم السلام تو واضح دلائل لائے تھے۔ مگر کفار کی سلطان مبین سے مراد ضد و اصرار کی وجہ سے منہ مانگی نشانی تھی۔

انبیاء علیہم کا ارشاد:

۱۱: قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (ان لوگوں کے رسولوں نے کہا ہم تو تم جیسے انسان ہیں) ان کی اس بات کو تسلیم کیا کہ ہم تم جیسے انسان ہیں اور کوئی جنس و قسم نہیں۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَمُنُّ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے ان پر (نبوت والا) احسان کرتا ہے) ایمان اور نبوت والا احسان جیسا کہ اس نے ہم پر کیا۔ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِیَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (اور ہمارے لئے ممکن نہیں کہ تمہارے پاس کوئی نشان اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر لے آئیں) یہ کفار کے قول فاتونا بسلطان مبین کا جواب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہاری منہ سے مانگی ہوئی نشانی لانا ہمارے بس و قدرت میں نہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے متعلق ہے۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہیے) اس میں تمام ایمان والوں کو توکل کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اپنی ذات کو اولین حیثیت سے مخاطب کیا گیا گویا انہوں نے اس طرح فرمایا ہے وہی حقنا ان نتوکل علی اللہ فی الصبر علی معاندتکم و معاداتکم وایذائکم ہمارا حق یہ بنتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کریں تمہاری ضد، دشمنی، ایذاء پر صبر کرنے میں۔ اگلی آیت اس مفہوم کی تائید کر رہی ہے۔

۱۲: وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ (اور ہم اللہ تعالیٰ پر آخر بھروسہ کیوں نہ کریں) اللہ تعالیٰ پر توکل نہ کرنے میں ہمارے پاس کیا عذر ہے حالانکہ اس نے تو ہمارے ساتھ وہ سلوک کر رکھا ہے جو ہم پر توکل کو لازم کرتا ہے۔ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا (جبکہ اس نے ہمیں ہمارے راستوں کی رہنمائی دی ہے) اس نے اپنے راستہ کی طرف راہنمائی کی توفیق عنایت فرمائی وہ راستہ جس پر اس کے دین میں چلنا لازم ہے۔ ابوتراب نے کہا توکل کی حقیقت بدن کو عبودیت میں ڈالنا اور دل کا تعلق ربوبیت سے قائم کرنا اور عطاء کے وقت شکر اور بلاء کے وقت صبر کرنا ہے۔ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَیْتُمُوْنَا (اور ہم ضرور ان ایذاؤں پر صبر کریں گے جو تم ہمیں دے رہے ہو) وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کرنے والوں کو توکل کرنا چاہیے) توکل کرنے والوں کو اپنے توکل پر قائم رہنا چاہیے۔ یہ مفہوم اس لئے ذکر کیا تا کہ تکرار نہ ہو۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِرُسُلِھِمْ لَنُخْرِجَنَّکُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا فَاَوْحٰٓی

اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ضرور ضرور ہم تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے یا یہ بات ہو کہ تم ہمارے دین میں واپس ہو جاؤ سو ان کے رب نے

اِلَیْھِمْ رَبُّھُمْ لَنُھْلِکَنَّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَنُسْکِنَنَّکُمُ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِھِمْ ؕ ذٰلِکَ لِمَنْ

ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ضرور بالضرور ظالموں کو ہلاک کر دیں گے ۔ اور ان کے بعد تمہیں اس زمین میں آباد رکھیں گے یہ اس شخص کے لیے ہے جو

خَافَ مَقَامِیْ وَخَافَ وَعِیْدِ ﴿۱۴﴾ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ کُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ﴿۱۵﴾ مِّنْ وَّرَآئِہٖ جَھَنَّمُ

میرے حضور کھڑا ہونے سے خائف ہوا اور میری وعید سے ڈرا ۔ اور کافروں نے فیصلہ چاہا اور ہر سرکش ضدی نامراد ہوا ۔ اس کے آگے دوزخ ہے

وَیُسْقٰی مِنْ مَّآءٍ صَدِیْدٍ ﴿۱۶﴾ یَّتَجَرَّعُہٗ وَلَا یَکَادُ یُسِیْغُہٗ وَیَاْتِیْہِ الْمَوْتُ مِنْ کُلِّ

اور اسے ایسا پانی پلایا جائے گا جو پیپ ہو گا ۔ وہ اسے گھونٹ گھونٹ پیئے گا اور گلے سے آسانی سے نہ اتار سکے گا اور ہر جگہ سے اسے موت آئے

مَکَانٍ وَّمَا ھُوَ بِمَیِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِہٖ عَذَابٌ غَلِیْظٌ ﴿۱۷﴾

گی اور وہ نہیں مرے گا ۔ اور اس کے سامنے سخت عذاب ہو گا۔

کفار کی دھمکی:

۱۳: وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِرُسُلِھِمْ (کافروں نے اپنے رسولوں کو کہا)

قراءت: ابو عمرو نے اوپر والی آیت میں سُبْلَنَا و سُبُلَنَا اور رُسْلِھِمْ پڑھا ہے۔ لَنُخْرِجَنَّکُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ (ضرور ہم تمہیں نکال دیں گے اپنی سرزمین سے) اپنے علاقے سے اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا (یا تم ضرور لوٹ جاؤ گے ہمارے مذہب میں) یعنی دو میں سے ایک بات ضرور کرنا پڑے گی۔ نمبر۱۔ تمہارا نکالنا نمبر۲۔ تمہارا مذہب میں واپس لوٹنا۔ کفار نے اس پر حلف اٹھایا۔ العود کا معنی ہوتا ہے اور یہ کلام عرب میں بہت ہے۔ نمبر۲۔ انہوں نے ہر رسول کو خطاب کیا اور ان کے اوپر ایمان لانے والوں کو بھی خطاب میں شامل کر کے خطاب میں جماعت کو ایک غلبہ دے کر ذکر کیا (کیونکہ ایمان لانے والے تو پہلے کافر ہوتے ہیں پھر کافروں سے نکل کر ایمان لاتے ہیں)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب:

فَاَوْحٰٓی اِلَیْھِمْ رَبُّھُمْ لَنُھْلِکَنَّ الظّٰلِمِیْنَ (پس ان کی طرف ان کے رب نے وحی کی کہ ہم ضرور ظالموں کو ہلاک کر دیں گے) نمبر۱۔ یہاں قول مضمر ہے۔ نمبر۲۔ اَوْحٰی کو قول کے قائم مقام لائے۔ کیونکہ وحی بھی اس کی ایک قسم ہے۔

۱۴: وَلَنُسْکِنَنَّکُمُ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِھِمْ (اور ضرور ہم تمہیں آباد کریں گے اس زمین میں ان کے بعد) ظالموں کی سرزمین اور

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ اِشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا

جن لوگوں نے اپنے رب کیساتھ کفر کیا انکے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے راکھ ہو جسے تیز آندھی کے دن میں تیز ہوا اڑا لے جائے جو

يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝۱۸ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ

کچھ انہوں نے کمایا کسی چیز پر بھی قدرت نہ ہوگی۔ یہی دور کی گمراہی ہے۔ اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بلاشبہ اللہ نے آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝۱۹ وَّمَا ذٰلِكَ

اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا، اگر وہ چاہے تو تمہیں ختم کر دے اور نئی مخلوق پیدا فرما دے اور یہ اللہ کے لئے

عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝۲۰ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا

کچھ بھی مشکل نہیں۔ اور وہ سب اللہ کے حضور میں پیش ہوں گے سو ضعیف لوگ ان لوگوں سے کہیں گے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہ

اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا

بلاشبہ ہم تمہارے تابع تھے سو کیا تم ہم سے اللہ کے عذاب کا کچھ بھی حصہ ہٹا سکتے ہو؟ وہ کہیں گے

لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۝۲۱

کہ اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم تمہیں بھی ہدایت دیتے، ہم سب کے لئے برابر ہے کہ ہم بے قراری کا اظہار کریں یا صبر کریں ہمارے لئے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔

اس کے پیچھے) اور اس کے سامنے عَذَابٌ غَلِيْظٌ (سخت عذاب ہوگا) یعنی ہر وقت پہلے سے شدید تر عذاب کا سامنا ہوگا اور غلیظ تر ین عذاب سہنا پڑے گا۔ فضیل رحمہ اللہ کہتے ہیں وہ شدید عذاب سانس کا رکنا اور اس کو اجساد میں بند کرنا ہے۔

کفار کے اعمال کی مثال:

۱۸: مَثَلُ الَّذِيْنَ (حالت ان لوگوں کی) یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے یعنی اس وحی میں جو تم پر پڑھی جارہی ہے۔ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ (جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کیساتھ) مثل کا لفظ استعارۃً اس حالت کیلئے استعمال ہوا جس میں غرابت ہو۔ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ (ان کے اعمال راکھ کی طرح ہو گئے)۔

نحو: یہ جملہ مستانفہ ہے گویا سوال مقدر کا جواب ہے کہ ان کی حالت کیسی ہوگی؟ تو جواب دیا۔ ان کے اعمال راکھ کے ڈھیر کی طرح ہو گئے اِشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ (جس پر تیز ہوا چلی ہو) قراءت: مدنی نے الریاح پڑھا ہے فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ (آندھی کے دن میں) عاصف کو دن کے ساتھ خاص کیا۔ کیونکہ وہ دن میں ہوتی ہے اور وہ ہوا ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں یوم ماطر بارش کا دن۔ اعمال کفار سے مراد وہ مکارم اخلاق ہیں جو بطور صلہ رحمی انجام دیے اسی طرح گردنوں کی آزادی قیدیوں کا فدیہ مہمانوں

کیلئے اونٹ ذبح کرنا وغیرہ ان کے ضائع ہونے میں راکھ سے تشبیہ دی جس کو آندھی نے اڑا دیا ہو۔ کیونکہ ان کی بنیاد ایمان باللہ سے خالی ہے۔ لَا يَقْدِرُوْنَ (وہ اس کے کسی حصہ پر قادر نہ ہونگے) قیامت کے دن مِمَّا كَسَبُوْا (جو کچھ کہ انہوں نے کمایا) یعنی اعمال عَلٰى شَيْءٍ (کسی چیز پر) ثواب کا کوئی نشان بھی نہ پائیں گے جس طرح تیز آندھی میں اڑائے ہوئے راکھ کا کوئی حصہ قابو میں نہیں آتا۔ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ (یہی تو دور کی گمراہی ہے) اس میں حق کی راہ سے ان کے بہت زیادہ دور گمراہی میں پڑنے کا ذکر فرمایا۔ نمبر۲: ثواب سے دور ہونا مراد ہے۔

قدرتِ الٰہی:

۱۹: اَلَمْ تَرَ (کیا تم نہیں جانتے) اس میں ہر ایک کو خطاب ہے۔ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ قراءت: خالق کو صفت پڑھا حمزہ و علی رحمہما اللہ نے بِالْحَقِّ (حق کیساتھ) حکمت کے ساتھ اور بڑے مقصد کیلئے اور اس کو بیکار نہیں بنایا اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ (اگر وہ چاہتا تو تم کو معدوم کر دے اور نئی مخلوق پیدا کر دے) یعنی اس کو لوگوں کے معدوم کرنے کی قدرت ہے اور ان کی جگہ نئی جیسی نئی مخلوق پیدا کرنے کی طاقت ہے یا ان کی شکل کے خلاف دوسری شکل میں تاکہ یہ چیز موجود کو معدوم اور معدوم کو ایجاد کی قدرت پر دلیل بین ہو جائے۔

۲۰: وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ (اور یہ اللہ تعالیٰ پر مشکل نہیں ہے) ناممکن نہیں۔

۲۱: وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا (وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تمام باہر نکل آئیں گے) قیامت کے دن ظاہر ہونگے۔ ماضی کے لفظ سے اس لئے لائے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ جو اس نے خبر دی ہے وہ اسی طرح ہے جیسا کہ وہ ہو چکی اور اس کی مثالیں ونادی اصحاب الجنۃ [الاعراف: ۴۴] ونادی اصحاب النار [الاعراف: ۵۰] وغیرہ ذلک۔

بروز کا مطلب:

اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز چھپی نہیں کہ اس کے سامنے ظاہر ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ ارتکاب فواحش کے وقت آنکھوں سے یہ گمان کر کے چھپتے تھے کہ یہ حالت اللہ تعالیٰ سے چھپنے والی ہے۔ (حالانکہ واقعہ میں ایسا نہیں تھا) جب قیامت کا دن ہوگا تو وہ اپنے نفوس کے نزدیک بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے ہونگے۔ اور ان کو اس وقت یقین آ جائے گا کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ یا جب قبروں سے نکلیں گے تو اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب کیلئے سب ظاہر ہونگے اور اس کے حکم پر ظاہر ہونگے۔

ضعفاء اور متکبرین کی گفتگو:

فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا (پس کمزور لوگ کہیں گے) اس سے مراد کمزور اور وہ کم عقل لوگ مراد ہیں اور اسی طرح پیروکار۔ الضعفاء کے لفظ کو واؤ قبل الہمزہ کے ساتھ وہ لکھتے ہیں جو ہمزہ سے پہلے الف کو تفخیم دیتے ہیں اور واؤ کی طرف امالہ کرتے ہیں۔ لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا (ان لوگوں سے جو بڑے بن بیٹھے تھے) اس سے وہ سادات و رؤساء مراد ہیں جنہوں نے ان کو آمادہ کیا اور انبیاء اور مومنین سے فائدہ حاصل کرنے سے انہوں نے لوگوں کو روکا اور محروم کیا۔ اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا (بیشک ہم تو تمہارے پیرو تھے) تابع

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾

شیطان کا خطاب:

۲۲: وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ (جب سب معاملے کا فیصلہ ہو چکے گا تو شیطان کہے گا) جب جنت کا اہل جنت کیلئے اور دوزخ کا اہل دوزخ کیلئے فیصلہ ہو چکے گا اور وہ حساب و کتاب سے فارغ ہو جائیں گے اور جنت والے جنت اور دوزخ والے دوزخ میں داخل ہو جائیں گے۔ روایت تفسیر میں ہے کہ شیطان اس وقت آگ کے منبر پر خطبہ دے گا۔ اہل نار کو خطاب کرتے ہوئے کہے گا۔ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ (بےشک اللہ تعالیٰ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے تم سے وعدہ کیا تھا سو میں نے اس کے خلاف کیا) وعد الحق سے بعث و جزاء علی الاعمال کا وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وعدے کے مطابق پورا کر دیا۔ وعدتکم سے مراد کہ نہ بعث ہے نہ جزاء اور نہ ہی حساب۔ اخلفتکم کا معنی جھوٹ بولنا ہے۔ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ (مجھ کو تم پر کوئی غلبہ حاصل نہ تھا) اقتدار و تسلط اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ (مگر یہ کہ میں نے تمہیں دعوت دی) لیکن میں نے تمہیں اپنے وسوسہ سے گمراہی کی طرف بلایا اور تزئین سے گمراہی پر لگایا۔ یہ استثناء منقطع ہے۔ کیونکہ دعوت سلطان کی جنس سے نہیں۔ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ (پس تم نے میری دعوت کو قبول کیا) جلدی سے مان لیا۔ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ (پس تم مجھے ملامت نہ کرو) کیونکہ جو

عداوت کی تعا ئے دلا اور وہ قابل ملامت نہیں جبکہ وہ امر کسی امر قبیح کی طرف بلائے۔ اس کے باوجود کہ رحمان نے کہہ رکھا ہے لا یفتنکم الشیطان کما اخرج ابویکم من الجنۃ [الاعراف ۲۷] وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (تم اپنے آپ کو ملامت کرو) اس لئے کہ تم نے بلادلیل میری اتباع شروع کر دی۔

قولِ معتزلہ:

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان خود شقاوت یا سعادت کو اختیار کرتا ہے اور اس کو اپنے نفس کیلئے حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف اس پر پختہ کرنا اور شیطان کی طرف سے فقط تزئین ہوتی ہے۔

جواب: یہ باطل استدلال ہے۔ کیونکہ آیت سے یہ مضمون ثابت ہی نہیں ہوسکتا صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ بندوں کی قدرت کو عمل میں کچھ دخل ہے۔ اسی کو اشاعرہ کسب کہتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لو ھدانا اللہ ای الی الایمان لھدینا کم جیسے کہ گزر چکا۔ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ (میں تمہاری فریادرسی نہیں کرسکتا اور نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو) ہم ایک دوسرے کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا نہیں سکتے اور نہ اس کو مدد کیلئے پکار سکتے ہیں۔ الاصراخ فریادرسی کرنا

قراءت: لمصرخیّ۔ حمزہ نے فتح کی اتباع میں یاء کو کسرہ پڑھا ہے پہلی یاء تو یاء جمع ہے اور دوسری یائے متکلم ہے۔ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ (میں خود بیزار ہوں اس شخص سے جو ادعوں کہ تم اس سے پہلے مجھے خدا کا شریک بناتے تھے) قراءت بصری قراء نے یاء سے پڑھا ہے اور ما مصدریہ ہے۔ مِنْ قَبْلُ (اس سے پہلے) یہ اشرکتمونی سے متعلق ہے یعنی میں انکار کرتا ہوں اس بات کا کہ تم نے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا آج سے قبل دنیا کی زندگی میں جیسا دوسری آیت میں ہے۔ ویوم القیامۃ یکفرون بشرککم [فاطر: ۱۴] شیطان کے کفر واشراک کا مطلب اس کا اس نسبت سے انکار اور بیزاری ہے جیسا اس آیت میں اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ [الممتحنۃ: ۴] نمبر۲۔ من قبل یہ کفرت سے متعلق ہے۔ اور ما موصولہ ہے یعنی کفرت من قبل حین ابیت السجود لآدم بالذی اشرکتمونیہ وھو اللہ عزوجل جیسا کہتے ہیں اشرکنی فلان ای جعلنی لہ شریکا مجھے اس کا شریک بنایا اور اشرکھم الشیطان باللہ کا معنی ان کا شیطان کی اطاعت ان باتوں میں اختیار کرنا جن کو شیطان بتوں کی عبادت کروانے کے لئے مزین کرتا تھا۔ یہ شیطان کا آخری قول ہے۔

اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (بیشک شیطان کیلئے دردناک عذاب ہے) نمبر۱۔ شیطان کے کلام کا تتمہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے ذکر کیا تاکہ سننے والوں کیلئے لطف کا باعث ہو کہ ہر حال کا انجام پہلے ہی سوچا جائے گا۔ نمبر۲۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے (کہ شیطان جو اس کے حواری ظالم ہیں ان کا انجام عذاب ہے)

مؤمنین کا انجام:

۲۳: وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا (اور ایمان لانے والوں اور اعمال صالحہ کرنے والوں کو ایسے باغات میں داخل کیا جائے گا جنکے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے) یہ برز وا پر عطف ہے۔ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ (اپنے رب کے اذن سے) یہ ادخل سے متعلق ہے یعنی ان کو فرشتے جنت میں لے جائیں گے اللہ

ہیں۔ جس کی خوراک بھی تو درخت سے میسر ہے جب کہ منفعت پھلوں کے زمانہ میں کی جاتی ہے۔

الشجرۃ سے ہر پھلدار عمدہ پھل والا درخت مراد ہے مثلاً کھجور، انجیر وغیرہ۔ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اس سے کھجور مراد ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مومن کی مثال ایک درخت سے دی ہے تم بتلاؤ وہ کونسا درخت ہے؟ لوگ جنگل کے مختلف درخت بتلانے لگے میں (ابن عمر) کہتا ہوں میرے دل میں آیا کہ وہ درخت کھجور ہے مگر رسول ﷺ کے رعب کی وجہ سے میں خاموش رہا۔ میں موجود لوگوں میں سب سے صغیر السن تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سنو وہ کھجور کا درخت ہے۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے بیٹے اگر تم نے بتا دیا ہوتا تو یہ مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب تھا۔

[بخاری، مسلم]

۲۵: تُؤْتِیْٓ اُکُلَهَا کُلَّ حِیْنٍ (وہ اپنا پھل ہر اس گھڑی دیتا ہے) وہ اپنا پھل ہر اس وقت میں لاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مقرر فرمایا۔ بِاِذْنِ رَبِّهَا (اپنے رب کے حکم سے) اپنے خالق کے میسر فرمانے اور اس کی تکوین سے وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ (اللہ تعالیٰ لوگوں کیلئے مثالیں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں) کیونکہ مثالیں بیان کرنے سے بات ذہنوں میں اچھی طرح بیٹھ جاتی ہے اور خوب نصیحت اثر پذیر ہوتی ہے اور معانی کھلی صورت میں سامنے آ جاتے ہیں۔

خبیث کلمے کی مثال:

۲۶: وَمَثَلُ کَلِمَةٍ خَبِیْثَةٍ (اور خبیث کلمہ کی مثال) وہ کلمہ کفر ہے کَشَجَرَةٍ خَبِیْثَةٍ (خبیث درخت جیسی ہے) اس سے ہر وہ درخت مراد ہے جس کا پھل اچھا نہ ہو۔ حدیث میں فرمایا وہ اندرائن (کوڑ تمے) کا پودا ہے۔ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ (جس کو اکھاڑ لیا جائے زمین کے اوپر ہی سے) اس کے وجود کا استیصال کر دیا جائے۔ الاجتثاث کی حقیقت تمام جثہ کو لے لینا۔ یہ لفظ اصلہا ثابت کے بالمقابل ہے۔ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ (اس کے لئے ٹھہراؤ نہیں) یعنی استقرار و ثبات نہیں جیسے کہا جاتا ہے قر الشئ قرارا جیسے ثبت ثبوتا خوب مضبوطی سے جمنا۔ اس سے ایسی بات کو مشابہت دی جس کی کوئی دلیل نہ ہو، مٹنے والی اور قائم نہ رہنے والی ہو۔

۲۷: یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اللہ تعالیٰ مضبوط کرتے ہیں ایمان والوں کو) یعنی اس پر ان کو پختگی دیتے ہیں بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ (قائم رہنے والی بات سے) وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار بالقلب والقلب ہے فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (دنیا کی زندگی میں) جب ان کو دین کے سلسلہ میں آزمایا جاتا ہے تو پھر بھی وہ زائل نہیں ہوتے جیسا کہ اصحاب اخدود ثابت قدم رہے وغیرہ۔ وَفِی الْاٰخِرَةِ (اور آخرت میں) جمہور کہتے ہیں کہ اس سے مراد قبر میں تلقین جواب منکر نکیر ہے اور درست بات پر ثابت قدمی ہے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مومن کی روح کے قبض ہونے کا ذکر فرمایا۔ پھر فرمایا اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹایا جاتا ہے پس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو قبر میں بٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں من ربک؟ و ما دینک و من نبیک؟ وہ اس طرح جواب دیتا ہے ربی اللہ و دینی الاسلام و نبیی محمد ﷺ۔ اس وقت آسمانوں سے ایک فرشتہ ندا دیتا ہے میرے بندے نے سچ کہا یہی بات اس قول میں فرمائی یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت پھر وہ فرشتے کہتے ہیں تو سعید زندہ رہا اور قابل مدح ہو کر تیری موت آئی تم دلہن کی طرح سو جاؤ (احمد، ابوداؤد) وَیُضِلُّ اللّٰهُ

انعامات باری تعالیٰ بے شمار ہیں:

۳۲: اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور آسمان سے پانی اتارا) اللّٰہ مبتدا ہے اور الذی خلق خبر ہے۔ انزل من السماء سے بادلوں سے بارش اتارنا مراد ہے۔ فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ (پھر اس نے اس پانی کے ذریعہ پھلوں میں سے تمہارے لئے رزق نکالا) من الثمرات یہ رزق کا بیان ہے۔ ای اخرج بہ رزقاً ھو الثمرات۔ گویا من بیانیہ ہے نمبر۲۔ من الثمرات۔ اخرج کا مفعول ہے اور رزقًا اس مفعول کا حال ہے۔ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ (اور اس نے تابع کیے تمہارے لئے کشتیوں کو تاکہ وہ کشتی اس کے حکم سے چلے اور اس نے تمہارے تابع کیا دریاؤں کو)۔

۳۳: وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآىِٕبَیْنِ (اور اس نے سورج اور چاند کو تمہارے کام کیلئے سرگرم عمل کر دیا) دائبین یہ الشمس والقمر سے حال ہے۔ ای یدابان فی سیرھما وانارتھما روشنی اور اندھیرے کو اجالا کرنے اور زمین کی جس درستی کا تعلق ان سے ہے اس کو انجام دینے اور ابدان و نباتات کی اصلاح کرنے میں سرگرم عمل ہیں۔ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ (اور اس نے دن اور رات کو تمہارے کام میں لگا دیا) تمہارے گزر اوقات اور نوم و یقظہ کیلئے پے در پے آ جا رہے ہیں۔

۳۴: وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ (اور تمہیں وہ دیا جو تم نے اس سے مانگا) من تبعیض کیلئے ہے یعنی اس میں سے بعض عنایت کیا جو تم نے مانگا۔ نمبر۲۔ اور اس نے وہ سب کچھ تمہیں دیا جو تم نے مانگا اور جو نہ مانگا۔ اس میں ما موصولہ ہے اور جملہ اس کی صفت ہے یا اور دوسرا جملہ محذوف ہے کیونکہ بقیہ حصہ محذوف پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ فرمایا سرابیل تقیکم الحر (النحل: ۸۱) میں گرمی سے بچاؤ ذکر کر دیا دوسرا خود سمجھا گیا۔

قراءت: ابوعمرو نے مِنْ كُلٍّ پڑھا اور ماسألتموہ کو نفی قرار دیا۔ یہ حال ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے اتاکم من جمیع ذالک غیر سائلیہ۔ تمہیں وہ تمام دیا جس کے متعلق تم نے سوال بھی نہیں کیا۔ نمبر۲۔ ما موصولہ ہے واتاکم من کل ذلک ما احتجتم الیہ فکانکم سألتموہ اور تمہیں ہر ضرورت کی چیز دی گویا کہ تم نے مانگ کر لی۔ نمبر۳۔ تم نے زبان حال سے گویا مانگی ہے۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرو تو تم شمار نہیں کر سکتے) تم ان کو گننے کی طاقت نہیں رکھتے اور ان کی انتہائے شمار تک نہیں پہنچ سکتے۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ اجمالی طور پر ان کو شمار کریں۔ باقی تفصیل کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ (بیشک انسان البتہ ظالم ہے) شکر ہے سے غفلت کرکے نعمت پر ظلم کرتا ہے۔ كَفَّارٌ (کافر ہے) بہت شدت سے ان کا انکار کرنے والا ہے۔ نمبر۲۔ شدت و تنگی میں ظالم ہے شکوہ اور جزع فزع کرتا ہے۔ (کفار) اور نعمت میں ناشکری کرتا ہے۔ وہ جمع کرتا اور صدقہ سے باز رہتا ہے۔ الانسان یہاں اسم جنس ہے اور اس میں ایسے انسان کے متعلق اطلاع دی گئی ہے جس میں یہ ظلم و کفران دونوں پائے جائیں۔

گیا ہے جو مبالغہ کیلئے آتے اور فعل جیسا عمل کرتے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے ہٰذا رحیم اباہ۔ اس کا باپ بہت مہربان ہے۔

۴۰: رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ (اے میرے رب مجھے نماز کا قائم کرنے والا بنا دے اور میری اولاد میں سے بھی) مِنْ تبعیضیہ ہے۔ بعض اولاد مراد ہے۔ اجعلنی کے منصوب پر عطف ہے اور بعض اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے انہیں معلوم ہو گیا کہ ان کی اولاد میں کفار ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں قیامت تک لوگ فطرت پر قائم رہیں گے رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ (اے ہمارے رب تو دعا کو قبول فرما)

قراءت: مکی نے وصل و وقف میں یاء کے ساتھ پڑھا ابو عمرو نے انکی موافقت کی۔ اور حمزہ نے وصل میں اسی طرح کہا ہے۔ باقی قراء نے بغیر یاء کے پڑھا ہے ای استجب دعائی او عبادتی۔ واعتزلکم وما تدعون من دون اللّٰہ [مریم: ۴۸]

۴۱: رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ (اے میرے رب! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے) ان دونوں سے مراد ہیں۔ نمبر۱: ماں باپ یہ والد کے ایمان سے مایوسی اور دعا کی ممانعت سے قبل یہ دعا کی جیسا دوسری آیت میں ہے۔ ما کان استغفار ابراہیم لابیہ الا عن موعدۃ وعدھا ایاہ (الآیۃ) وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ (اور ایمان والوں کو بخش دے قیامت کے دن) یعنی جس دن حساب ثابت ہوگا۔ نمبر۲: حساب کی طرف قیام کی نسبت اسناد مجازی ہے جیسے وسئل القریۃ [یوسف: ۸۲] میں ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ

اللہ کو ان کاموں سے بے خبر مت سمجھ جو ظالم لوگ کرتے ہیں بات یہی ہے کہ وہ انہیں ایسے دن کے لیے مہلت دے رہا ہے

تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۝۴۲ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ

جس میں آنکھیں اوپر کو اٹھی رہ جائیں گی۔ یہ لوگ دوڑتے ہوں گے سروں کو اوپر کو اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ ان کی نظر ان کی طرف

طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ۝۴۳ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ

واپس نہ لوٹے گی اور ان کے دل اڑ رہے ہوں گے۔ اور آپ لوگوں کو اس دن سے ڈرائیے جس دن ان کے پاس عذاب آ جائے گا سو جن لوگوں نے

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ

ظلم کیا وہ یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب تھوڑی سی مدت کے لیے ہمیں مہلت دیجئے ہم آپ کا بلاوا قبول کر لیں گے اور رسولوں کا اتباع کریں گے کیا

تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۝۴۴ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ

تم نے اس سے پہلے قسم نہ کھائی تھی کہ تمہیں کہیں جانا نہیں ہے۔ حالانکہ تم ان لوگوں کے رہنے کی جگہوں میں رہتے تھے

ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ۝۴۵ وَقَدْ مَكَرُوْا

جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اور یہ بات تم پر ظاہر ہو گئی کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا معاملہ کیا اور ہم نے تمہارے لیے مثالیں بیان کیں۔ اور ان لوگوں نے

مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝۴۶ فَلَا تَحْسَبَنَّ

اپنا مکر کیا اور خدا کے سامنے ان کا مکر ہے اور واقعی ان کا مکر ایسا تھا کہ اس سے پہاڑ ٹل جائیں۔ سو اللہ کو اپنے رسولوں سے وعدہ کے بارے میں

اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝۴۷

خیال نہ کرنا کہ وہ وعدہ خلافی کرنے والا ہے۔ بے شک اللہ غالب ہے بدلہ لینے والا ہے

آپ انہیں ڈرائیں اللہ تعالیٰ ان کی حالت سے واقف ہے وہ انہیں پکڑ لے گا:

۴۲: وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ (تو ہرگز اللہ تعالیٰ کو بے خبر مت سمجھ ان کاموں سے جو ظالم کرتے ہیں) اس میں مظلوم کو تسلی دی اور ظالم کو ڈرایا۔ اس میں خطاب دوسروں کو کیا گیا۔ اگر رسول مراد ہوں تو مراد اس سے آپ کو ثابت قدم کرنا ہے۔ اس بات پر کہ جس پر آپ قائم تھے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے۔ جیسا کہ اس ارشاد میں ہے ولا تکونن من المشرکین [الانعام: ۱۴] فلا تدع مع اللّٰه الٰها اٰخر [الشعراء: ۲۱۳] جیسا کہ امر کی صورت میں اس آیت میں فرمایا۔ یایھا

الذین امنوا امنوا باللّٰہ و رسولہ [النساء: ۱۳۶] اس سے مراد یہ اعلان کرنا تھا کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کی کرتوتوں سے واقف ہے۔ اور ان کی کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔ وہ ان کے قلیل و کثیر پر سزا دیگا۔ یہ گویا بطور وعید و تہدید فرمایا جیسا کہ اس آیت میں ہے و اللّٰہ بما تعملون علیم [البقرۃ: ۲۸۳] اِنَّمَا یُؤَخِّرُھُمْ (بیشک وہ ان کو موخر کر رہا ہے) ان کی سزا کو موخر کر رہا ہے۔ لِیَوْمٍ تَشْخَصُ فِیْهِ الْاَبْصَارُ (ایسے دن میں جس میں آنکھیں پتھرا جائیں گی) یعنی آنکھیں ہولناک منظر کی وجہ سے ایک جگہ قرار نہ پکڑ سکیں گی۔

۴۳: مُھْطِعِیْنَ (وہ جلدی کرنیوالے ہونگے) داعی کی آواز کی طرف تیزی سے جانے والے ہونگے۔ مُقْنِعِیْ رُءُوْسِھِمْ (اپنے سروں کو اوپر اٹھانے والے ہونگے) اوپر اٹھانے والے ہونگے لَا یَرْتَدُّ اِلَیْهِمْ طَرْفُھُمْ (ان کی نگاہ ان کی طرف واپس نہ لوٹے گی) ان کی نگاہ ان کی طرف نہ لوٹے گی کہ وہ اپنے آپ کو دیکھ سکیں۔ وَاَفْئِدَتُھُمْ ھَوَآءٌ (ان کے دل بالکل بدحواس ہونگے) خیر سے خالی ہونگے کوئی چیز خوف کی وجہ سے یاد نہ ہوگی۔ الھواء وہ خلا، جس کو اجرام مشغول نہ کر سکیں پس دلوں کی صفت اس کے ساتھ کی جیسا کہا جاتا ہے قلب فلان ھواء جبکہ وہ بزدل ہو۔ اور اس کے دل میں قوت و جرأت نہ ہو۔ نمبر ۲۔ ان کے دل کھوکھلے ہونگے ان میں عقلیں نہ ہونگی۔

۴۴: وَاَنْذِرِ النَّاسَ یَوْمَ یَاْتِیْهِمُ الْعَذَابُ (اور تم لوگوں کو اس دن سے ڈراؤ جس دن ان پر عذاب آئے گا) قیامت کا دن مراد ہے فَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا (پس ظالم کہیں گے) ظالم سے کفار مراد ہیں۔ رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ (اے ہمارے رب تو ہمیں قریب مدت تک موخر کر دے ہم تیری دعوت کو قبول کریں گے۔ اور تیرے رسولوں کی اتباع کریں گے) یعنی ہمیں دنیا کی طرف واپس کر دے۔ ہمیں ایک مدت کی مہلت دے اور ایک زمانہ کی ایک قریبی حد تک کہ جو زیادتیاں ہم کر چکے ہیں کا تدارک کر لیں۔ اور تیری دعوت کو قبول کر کے رسولوں کی اتباع کر لیں اس پر جواب دیا جائے گا۔ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ (کیا تم قسمیں نہیں اٹھاتے تھے کہ تم نے زائل نہیں ہونا) تم دنیا میں قسم اٹھاتے تھے کہ جب تم مر جاؤ گے تو اس حالت سے تم زائل نہ ہو گے اور دوسرے گھر کی طرف منتقل نہ ہو گے یعنی تم نے بعث کا انکار کیا جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ و اقسموا باللّٰہ جھد ایمانھم لا یبعث اللّٰہ من یموت [النحل: ۳۸] اور مالکم یہ جواب قسم ہے یہاں خطاب کا لفظ اقسمتم لایا گیا اگر دونوں مقسم کا لفظ حکایۃ لایا جاتا تو اس طرح کہتے ما لنا من زوال نمبر ۲۔ یوم سے ان کا دنیا میں ہلاکت والا دن مراد ہے۔ نمبر ۳۔ شدت سکرات کے ساتھ غضب کی حالت میں ان کی موت کا دن مراد ہے۔ اور ملائکہ کی ملاقات بغیر خوشخبری کے مراد ہے۔ کیونکہ اس دن وہ سوال کریں گے کہ ان کو اللہ تعالیٰ قریب وقت تک مہلت دے دے۔

۴۵: وَّسَكَنْتُمْ فِیْ مَسٰكِنِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ (اور تم نے رہائش اختیار کی ان لوگوں کے مساکن میں جنہوں نے (کفر کر کے اپنے اوپر ظلم کیا) کہا جاتا ہے سکن الدار و سکن فیھا اور یہی معنی یہاں ہیں۔ ظلموا انفسھم سے کفر کرنا مراد ہے کیونکہ السکنی سکون سے ہے اور وہ ٹھہرنے کو کہتے ہیں۔ اور اصل اس کو فی کے ساتھ متعدی بنایا گیا جیسا قر فی الدار و اقام فیھا لیکن جب اس سے خاص سکون مراد لیا تو اس میں تصرف کر دیا پس کہتے ہیں سکن الدار جیسا کہا جاتا ہے تبوّأھا۔ نمکانہ بنایا سکونت اختیار کی۔

نمبر۲. یہ بھی درست ہے کہ سکنوا سکون سے ہو انہوں نے قرار لیا اور ان میں مطمئن ہو گئے خوش دلی کے ساتھ حالانکہ وہ ان لوگوں کے راستے پر چل دیے تھے جو ان سے قبل ظلم و فساد کرنے والے تھے۔ وہ ان دنوں کو زبان سے بھی تذکرہ کرتے تھے جو گزشتہ اقوام پر عذاب کے دنوں میں پیش آیا۔ تاکہ وہ عبرت حاصل کرتے اور ڈر جاتے کہ ان کے ظلم کا انجام بھی خطرناک نکلا۔

وَتَبَيَّنَ لَكُمْ (اور ہم نے تمہارے سامنے واضح بیان کر دیا) اطلاعات سے نمبر۲۔ مشاہدات سے۔ تبین کا فاعل مضمر ہے۔ اس پر کلام خود دلالت کر رہا ہے یعنی ان کا حال تمہارے سامنے خوب واضح ہوا۔ كَيْفَ (کس طرح) یہ فاعل نہیں ہے۔ کیونکہ استفہام میں اس کا ماقبل عمل نہیں کرتا۔ البتہ کیف محلاً منصوب ہے فَعَلْنَا بِهِمْ (ہم نے ان سے کیا کیا) کی وجہ سے ای اھلکناھم وانتقمنا منھم۔ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْأَمْثَالَ (اور ہم نے تمہارے سامنے مثالیں بیان کیں) یعنی وہ حالات جو ان پر پیش آئے اور جس وجہ سے پیش آئے اور یہ حالات عجیب ہونے میں ہر ظالم کیلئے بیان کی جانے والی امثال کی طرح ہے۔

کفار کے بڑے منصوبے:

۴۶: وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ (اور انہوں نے اپنی سازشیں کیں) یعنی اپنی بڑی سازشیں جس میں انہوں نے اپنی امکانی قوت صرف کر دی۔ اور اس سے مراد کفر کی بقاء کے تمام منصوبہ جات ہیں۔ اور اسلام کو باطل کرنے کے ذرائع ہیں۔ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ (اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا فریب درج ہے) یہ فاعل اول کی طرف مضاف ہے مطلب یہ ہے ان کا مکر اللہ تعالیٰ کے ہاں لکھا ہوا ہے۔ وہ ان کو اس کا بدلہ دیں گے جو اس سے بہت بڑا ہوگا۔ نمبر۲۔ یا مفعول کی طرف ای عند اللہ مکرھم الذی یمکرھم بہ اور اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے وہ تدبیر جو ان کے متعلق اختیار کرے گا۔ اور اس تدبیر سے وہ عذاب مراد ہے جو ان کی لاعلمی میں آن پہنچے گا۔ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ (اور واقعی ان کی تدبیر اتنی بڑی تھی کہ اس سے پہاڑ بھی ٹل جاتے) اول لام مکسور اور دوسری لام منصوب تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ وان وقع مکرھم لزوال امر النبی ﷺ اگرچہ ان کا مکر اسلام کو زائل کرنے کیلئے تھا۔ نبی اکرم ﷺ کو عظمت شان کی وجہ سے جبال سے تعبیر کیا۔ کان تامہ ہے اور ان نافیہ ہے اور لام تاکید کیلئے لائے۔ جیسے اس ارشاد میں وما کان اللہ لیعذبہم [الانفال: ۳۳] مطلب یہ ہے یہ بات ناممکن ہے کہ ان کے مکر سے پہاڑ زائل ہو جائیں۔ جبال مثال ہے اللہ تعالیٰ کی آیات اور شرائع سے کیونکہ شرائع بمنزلہ مضبوط پہاڑوں کے ہیں۔ جو جمی ہوئی اور ثابت ہیں۔ قراءت: علیؒ کی دلیل ابن مسعود کی قراءت ہے۔ وما کان مکرھم۔ لام اول مفتوح اور دوسرا لام مرفوع ہے علی رحمہ اللہ نے یہی پڑھا ہے۔ ای وان کان مکرھم۔ اگرچہ ان کا مکر مضبوطی میں اس درجہ تھا کہ اس کے سامنے پہاڑ زائل ہو جائیں۔ اور اپنی جگہ سے اکھڑ جائیں۔ ان مخففہ من المثقلہ ہے اور لام اس کی تاکید کر رہی ہے۔

اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہوگا:

۴۷: فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ (تم ہرگز نہ گمان کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں سے کیا جانے والا وعدہ خلاف کریں گے) اس سے مراد یہ قول ہے انا لننصر رسلنا [غافر: ۵۱] کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی [المجادلہ: ۲۱] مُخْلِفَ یہ تحسبن کا دوسرا مفعول ہے مخلف کی اضافت وعدہ کی طرف کی اور یہ اس کا دوسرا مفعول ہے اور پہلا مفعول رسلہ ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے

تبدیل کر دیا جائے گا۔ اس کے ستارے بکھر جائیں گے اور اس کا سورج روشنی کھو بیٹھے گا اور چاند بے نور ہو جائیگا۔ اور آسمان پھٹ جائیگا اور اسمیں دروازے ہو جائیں گے۔

نمبر۲۔ اس کے بدلے دوسرا آسمان اور زمین پیدا کی جائینگی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں کا حشر ایسی زمین پر ہوگا جس پر کبھی گناہ نہ ہوا ہوگا اور وہ زمین رنگت میں سفید ہوگی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے زمین چاندی کی بنائی جائیگی اور آسمان سونے کے۔ وَبَرَزُوْا (اور وہ سامنے آئیں گے) اور اپنی قبروں سے نکلیں گے لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (ایک اللہ تعالیٰ کیلئے جو کہ اکیلے زبردست ہیں) وہ اسی طرح ہے جیسا فرمایا لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار [غافر:۱۶] کیونکہ جب حکومت یکتا ذات کی ہوگی جو کہ زبردست غلبہ والا ہے جس کو مغلوب نہیں کیا جا سکتا۔ پس اس کے سوا اور کوئی مستغاث نہ ہوگا۔ اور معاملہ بہت سخت ہوگا۔

۴۹: وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ (تم اے مخاطب مجرموں کو دیکھو گے) مجرمین سے کفار مراد ہیں۔ يَوْمَئِذٍ (اس دن) قیامت کے دن مُّقَرَّنِيْنَ (اس حال میں کہ وہ جکڑے ہوئے ہونگے) ایک دوسرے کے ساتھ باندھ کر ملائے جائیں گے نمبر۲۔ شیاطین کے ساتھ باندھے جائیں گے۔ نمبر۳۔ ان کے ہاتھوں کو پاؤں کے ساتھ زنجیروں سے باندھ دیا جائے گا۔ فِي الْاَصْفَادِ (زنجیروں میں) یہ مقرنین کے متعلق ہے ان کو زنجیروں میں باندھا جائے گا۔ نمبر۲۔ اس سے متعلق نہیں۔ مطلب اس طرح ہوگا ان کو زنجیروں میں باندھ کر ملایا جائے گا الاصفاد نمبر۱۔ بیڑیاں نمبر۲ طوق۔

۵۰: سَرَابِيْلُهُمْ (ان کے کرتے) ان کے قمیص مِّنْ قَطِرَانٍ (گندھک سے) ابہل کے درخت کا نچوڑا ہوا وہ جس کو پکا کر خارشی اونٹوں کے جسم پر مالش کی جاتی ہے۔ یہ اتنا تیز ہوتا ہے کہ خارش پر لگائیں تو اس کو اپنی تیزی اور حرارت کی وجہ سے جلا دیتا ہے اسمیں آگ جلد اثر کرتی ہے۔ اس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے۔ بدبو تیز۔ اس سے جہنم والوں کی کھالوں پر مالش کی جائے گی۔ یہاں تک یہ مالش قمیص کی طرح ہو جائے گی۔ تاکہ ان کے جسم پر گندھک کو چپکنا اور جلنا جمع ہو جائے اور ان کے چمڑوں پر جلد آگ لگے اور ان کا رنگ وحشت ناک اور جسم بدبودار ہو جائے۔ دونوں گندھکوں میں آسمان و زمین کا فرق ہے اور ہر وہ جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر رکھا ہے یا آخرت میں جس سے ڈرایا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس جنس کی چیز سے وضاحت فرمائی جو ہمارے مشاہدہ میں ہے۔ اور ایسی چیز واضح کی جس کی حیثیت کو اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ گویا ہمارے ہاں تو فقط نام ہیں۔ مسمیات تو اس جگہ ہیں نعوذ باللہ من سخطه و عذابه۔

قراءت: مِنْ قَطِرٍ آنٍ زید نے یعقوب سے اسی طرح روایت کیا اور کہا کہ وہ پگھلا تانبا جس کی حرارت انتہا تک پہنچنے والی ہوگی۔ مِنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ (اور ان کے چہروں کو آگ ڈھانپ رہی ہوگی) اپنے شعلوں کے ساتھ بلند ہوگی چہرہ کو خاص کیا کیونکہ ظاہری بدن میں یہ معزز ترین حصہ ہے جیسا کہ دل باطن میں اس لئے فرمایا تطلع علی الافئدة [الہمزہ:۷]

قیامت جزائے اعمال کیلئے ہے:

۵۱: لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ (تاکہ اللہ تعالیٰ ہر نفس کو وہ بدلہ دے جو اس نے کمایا) تاکہ مجرمین سے وہ سلوک کیا

ہوئے جو انہوں نے کیا اور ہر نفس کو وہ عزت ملے جو اس نے کمائی۔ نمبر۲۔ ہر نفس کو اللہ تعالیٰ بدلہ دے خواہ وہ نفس مجرم ہو یا مطیع کیونکہ جب وہ مجرمین کو ان کے جرائم کی سزا دے گا۔ تو اس سے خود معلوم ہو گیا کہ وہ مومنین کو ان کی طاعات پر ضرور صلہ دیگا۔ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والے ہیں) تمام بندوں کا حساب پلک جھپک سے پہلے لے لے گا۔

۵۲: هٰذَا (یہ) جس کا بیان ولا تحسبن سے سریع الحساب تک ہوا۔ بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ (پوری بات ہے لوگوں کیلئے) وعظ ونصیحت کیلئے کافی ہے۔ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ (اور تاکہ اس کے ذریعہ ڈرایا جائے) اس پوری بات کے ذریعہ۔

نحو: اس کا عطف محذوف پر ہے ای لینصحوا ولینذروا۔ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (تاکہ وہ جان لیں کہ بیشک وہی ایک معبود ہے) کیونکہ جب وہ ڈریں گے اس چیز سے جس سے ان کو انذار کیا گیا ہے تو خوف ان کو غور وفکر کی طرف لے جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ توحید تک پہنچ جائیں گے کیونکہ خشیت تمام بھلائیوں کی جڑ اور بنیاد ہے۔ وَلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (اور تاکہ عقل والے نصیحت حاصل کریں) عقلوں والے۔

سورۃ ابراہیم کا تفسیری ترجمہ بروز بدھ ۱۴۲۳ھ شعبان مکمل ہوا الحمد للہ اولاً وآخراً

سُورَۃُ الحِجر مکیۃ وھی تسع وتسعون آیۃ وستۃ رکوعات

سورۂ حجر مکہ میں نازل ہوئی، ننانوے آیات اور چھ رکوع پر مشتمل ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ① رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

الٓرٰ یہ آیات ہیں کتاب کی اور قرآن مبین کی۔ جن لوگوں نے کفر کیا وہ بہت سی مرتبہ یہ آرزو کریں گے کہ کاش وہ

لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ② ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ

مسلمان ہوتے۔ آپ انہیں چھوڑ دیجئے وہ کھا لیں اور نفع اٹھا لیں اور امید انہیں غفلت میں ڈالے رکھے، سو وہ عنقریب

يَعْلَمُوْنَ ③ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ④ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ

جان لیں گے۔ اور ہم نے کسی بھی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ ان کے لئے ایک وقت معین لکھا ہوا تھا۔ کوئی امت اپنی مقررہ اجل سے نہ آگے

اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ⑤

بڑھ سکتی ہے اور نہ وہ لوگ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔

عظمتِ قرآن:

۱: الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ (الٓرٰ یہ آیات ہیں کامل کتاب اور واضح قرآن کی)۔ تِلْكَ سے ان آیات کی طرف اشارہ ہے جو اس سورت میں ہیں۔ الکتاب اور قرآن مبین سے سورت مراد ہے۔ قرآن کو نکرہ بطور تفخیم شان کے ذکر کیا ہے۔ معنی یہ ہے یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو کتاب ہونے میں کامل ہے اور قرآن مبین کی آیات ہیں۔ گویا اس طرح فرمایا۔ الکتاب الجامع للکمال و للغرابۃ فی البیان۔ ایسی کتاب جو کمال اور غرابت فی البیان کو جمع کرنے والی ہے۔

قیامت کے دن کفار کی حسرت:

۲: رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (کافر لوگ بار بار تمنا کریں گے)۔ قراءت: مدنی و عاصم نے تخفیف سے پڑھا۔ باقی نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ ما یہ کافہ ہے کیونکہ رب حرف جر ہے اور مابعد کو مجرور کرتا ہے یہ اسم نکرہ کے ساتھ خاص ہے۔ جب عمل سے روک دیا گیا تو اس کے بعد فعل ماضی اور اسم آ سکتا ہے اور جائز ہے۔ یود الذین کفروا کیونکہ انکار کرنے والے اللہ تعالیٰ کے

اطلاع اچھے سے ماضی کی طرح قطعیت اور تحقیق رکھتے ہیں۔ گویا اس طرح کہہ دیا گیا۔ ربما ود اور ان کا یہ چاہنا موت کے وقت ہوگا۔ نمبر۲۔ قیامت کے دن ہوگا جب کہ اپنی ذلت اور مسلمانوں کی حالت کا مشاہدہ کریں گے۔ نمبر۳۔ جب وہ مسلمانوں کو آگ سے نکلتا دیکھیں گے تو وہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ بھی مسلمان ہوتے (تو آج آگ سے نکل جاتے) اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ (کاش کہ وہ (دنیا) میں مسلمان ہوتے) یہاں کے چاہنے کی حکایت ہے کہ کس طرح چاہت کریں گے غائب کے صیغہ سے ذکر کیا گیا کیونکہ ان کے متعلق اطلاع دہی کی وجہ سے کہتے ہیں حلف بالله لیفعلن اس نے اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھائی کہ وہ ضرور ایسا کرے گا۔ اگر اس طرح کہتے ہیں حلف بالله لافعلن۔ ولو کنا مسلمین تو اچھا ہوتا۔ رُبَّ کے لفظ سے تقلیل پیدا کی کیونکہ قیامت کے خوف ناک مناظر تو بہت ہیں۔ اور وہ ان کو تمنا سے مشغول و بے پرواہ کر دیں گے۔ جب وہ سکرات عذاب سے افاقہ پائیں گے تو اس وقت مسلمان ہونے کی تمنا کریں گے۔

ایک وضاحت:

جنہوں نے یہ کہا کہ رب کثرت کیلئے آتا ہے۔ ان سے بھول ہوگئی ہے کیونکہ کثرت والی بات اس بات کے الٹ ہے۔ جو اہل لغت کے ہاں پائی جاتی ہے کیونکہ رب کی وضع ہی تقلیل کیلئے ہے۔

معاندین سے ایمان کی طمع مت کریں:

۳: ذَرْهُمْ (آپ ان کو چھوڑ دیں) یہ امر توہین کیلئے ہے کہ آپ ان کے ایمان لانے کی طمع چھوڑ دیں۔ اور جس کام میں وہ مبتلا ہیں ان سے روکنا چھوڑ دیں اور نصیحت و تذکیر ان کے لئے فائدہ مند نہ ہوگی ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا (کہ وہ کھائیں پئیں اور مزے اڑائیں) اپنی دنیا میں وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ (اور ان کی تمنائیں اور امیدیں ان کو ایمان سے غافل کئے رکھیں) فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ (عنقریب ان کو علم ہو جائے گا) اپنی بدکرداری کا۔

نکتہ: اس میں خبردار کیا گیا ہے کہ لذات و تنعم اور جو چیزیں لمبی امیدیں پیدا کرنے والی ہوں ان کو ترجیح دینا ایمان والے بندوں کی عادات و اخلاق سے نہیں ہے۔

ہر ایک کی ہلاکت کا وقت ہے:

۴: وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ (اور ہم نے جتنی بستیاں ہلاک کی ہیں ان سب کے لئے ایک معین وقت لکھا تھا)

سوال: وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ یہ جملہ قریہ کی صفت ہے اور قیاس کا تقاضا ہے کہ اس کے درمیان واؤ نہ آئی ہوتی۔ جیسے کہ اس آیت میں وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ [الشعراء: ۲۰۸]

جواب: یہ واؤ درمیان میں داخل کی جاتی ہے تاکہ موصوف صفت کا الحاق پختہ ہو جائے۔ کیونکہ صفت و موصوف کے ساتھ تعلق واؤ کے بغیر بھی ہوتی ہے واؤ لا کر اس الحاق کی تاکید کر دی گئی۔

نمبر۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ جملہ قریۃ سے حال ہے کیونکہ وہ موصوف کے قائم مقام ہے۔ گویا تقدیر عبارت اس طرح ہے وما

وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ

اور ان لوگوں نے کہا کہ اے وہ شخص جس پر قرآن نازل کیا گیا ہے بے شک تو دیوانہ ہے تو فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتا

اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝

اگر تو سچوں میں سے ہے۔ فرشتوں کو ہم فیصلہ کے ساتھ ہی نازل کیا کرتے ہیں اور اس وقت لوگوں کو مہلت بھی نہیں دی جاتی۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝

بلاشبہ ہم نے ذکر کو نازل کیا ہے اور بلاشبہ ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں

معلمکا قریۃ من القریٰ یہ صفت نہیں ہے۔ کتاب معلوم یعنی اور معلوم شدہ لکھت ذکر ہے۔ اور اس سے مراد وہ وقت مقررہ ہے جو لوح محفوظ میں لکھا گیا ہے اور اس کو واضح کر دیا جیسا کہ اگلی آیت میں۔

وقت سے آگے پیچھے نہ ہوگا:

۵: مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا (کوئی قوم اپنے وقت مقررہ سے سبقت نہیں کرتی) اپنی کتاب کی جگہ میں وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ (اور نہ وہاں سے پیچھے ہٹتے ہیں) اس سے عنہ کو حذف کر دیا گیا کیونکہ وہ معلوم ہے۔

نکتہ: پہلی مرتبہ امت کو مؤنث لائے پھر دوسری مرتبہ مذکر ذکر کیا تاکہ لفظ و معنی دونوں کا لحاظ ہو جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعنہ جنون:

۶: وَقَالُوْا (اور انہوں نے کہا) یعنی کفار نے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ (اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا) ذکر سے قرآن مراد ہے اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ (بے شک تو مجنون ہے) مراد اس سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات لیتے تھے۔ اور یہ کہنا ان کی طرف سے بطور استہزاء تھا۔ جیسا کہ فرعون نے کہا اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ [الشعراء: ٢٧] وہ نزول قرآن کے کیسے قائل ہو سکتے ہیں جبکہ وہ آپ کو مجنون کہہ رہے ہیں۔ ان کے کلام میں یہ عکس استہزاء کو ظاہر کرتا ہے۔ اور یہ تہکم استہزاء ہے۔ یہ اس طرح جیسا فرمایا فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ [آل عمران: ٢١] اور دوسری آیت میں اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ [ھود: ٨٧] مطلب یہ ہے کہ تو مجنونوں والی باتیں کہتا ہے جبکہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ تم پر قرآن اترتا ہے۔

گواہی والے فرشتے ساتھ ساتھ:

۷: لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (تو کیوں نہیں لاتا ہمارے پاس فرشتوں کو اگر تو سچا ہے) جب لو یا اور ما کے ساتھ لا ملتی ہے تو تیسرا۔ دوسرے کے وجود سے پہلی کی نفی کیلئے آتا ہے (مثلاً لولا زید لھلك عمرو تو یہ کہتے ہیں کہ زید کی وجہ سے عمرو کی ہلاکت نفی ہو گئی) تیسرا۔ تحضیض کیلئے آتا ہے۔ اور جب فعل لولا کے ساتھ ملا دیا جائے تو تحضیض کا فائدہ دیتا ہے اب معنی یہ

ہوگا۔ هلا تاتینا بالملائكة يشهدون بصدقك۔ تو کیوں نہیں ہمارے پاس فرشتوں کو لے آتا تاکہ وہ تمہاری صداقت کی گواہی دیں یا نمبر۲۔ تو عذاب ہماری تکذیب کرنے پر کیوں نہیں لاتا اگر تم سچے ہو۔

نزولِ ملائکہ پر مہلت ختم ہو جاتی ہے:

۸: مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ (ہم فرشتوں کو نہیں اتارتے)

قراءت: ابوبکر کے علاوہ قراء نے ما ننزل پڑھا ابوبکر تنزل تُنزل کا معنی تتنزل غیر ھم ان کے غیر پڑھتے ہیں۔ اِلَّا بِالْحَقِّ (مگر حق کے ساتھ) مگر وہ اتارنا جو حق و حکمت کے ساتھ ملا ہوا ہو وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ (اور اس وقت ان کو مہلت نہیں دی جاتی) اِذًا یہ ان کا جواب ہے اور شرط کی جزاء مقدر ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے لو نزلنا الملائکۃ اگر ہم فرشتوں کو اتار دیں ما كانوا منظرين تو ان کو پھر مہلت نہ دی جاتی اس وقت اور نہ ان سے عذاب مؤخر کیا جاتا۔

قرآن کے ہم محافظ:

۹: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ (بیشک ہم نے ہی ذکر کو اتارا) ذکر سے مراد قرآن مجید ہے۔ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں) اس میں ان کے انکار اور استہزاء کا رد ہے۔ جیسا کہ اس ارشاد میں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ [الحجر:۶] اسی لئے تو فرمایا انا نحن یہ تاکیدات سے پختہ کر دیا کہ وہی قطعی طور پر اتارنے والے ہیں اور وہی نے ہی اس کو شیاطین سے محفوظ کیا ہے اور ہر وقت وہی اس کی کسی قسم کے اضافے و نقصان سے حفاظت کرنے والے ہیں۔ اور تحریف و تبدیل سے بچانے والے ہیں۔ بخلاف پہلی کتابوں کے کہ ان کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لی گئی۔ ان کی حفاظت کی ذمہ داری احبار و ربانیین پر ڈالی گئی۔ انہوں نے ضد کی وجہ سے باہمی اختلاف ڈالا۔ پس تحریف کا دروازہ کھل گیا۔ مگر قرآن مجید کی حفاظت کی ذمہ داری کسی اور پر نہیں ڈالی گئی۔ اور اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کو اس بات پر بطور دلیل لائے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور آیت و نشانی کے اتارا گیا ہے۔ اگر یہ کسی انسان کا قول ہوتا یا آیت نہ ہوتا تو اس پر اضافہ و نقصان آتا جیسا کہ ہر کلام جو اس کے علاوہ ہے اس پر وارد ہوتا ہے نمبر۲۔ یا ضمیر لهٗ میں اشارہ رسول ﷺ کی طرف ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ [المائدہ: ۶۷] میں ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ⑩ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ

اور بلاشبہ ہم نے آپ سے پہلے گزشتہ لوگوں کے گروہوں میں پیغمبر بھیجے — اور ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا

اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑪ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ⑫ لَا يُؤْمِنُوْنَ

جس کے ساتھ انہوں نے استہزاء نہ کیا ہو — ہم اس طرح اس استہزاء کو مجرمین کے دلوں میں چلاتے ہیں — یہ لوگ اس پر ایمان نہیں

بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ⑬ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ

لاتے اور پہلے لوگوں کا طریقہ گزر چکا ہے — اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں پھر یہ لوگ دن کے وقت اس میں

يَعْرُجُوْنَ ⑭ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ⑮

چڑھ جائیں — تب بھی یوں کہیں گے کہ بس بات یہ ہے کہ ہماری آنکھوں کی نظر بندی کر دی گئی ہے، بلکہ ہم ایسے لوگ ہیں جن پر جادو کر دیا گیا ہے۔

نبوت کا سلسلہ پہلے سے چلا آتا ہے:

۱۰: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ (ہم نے آپ سے پہلے بھی پچھلی امتوں میں پیغمبر بھیجے) یعنی ہم نے آپ سے پہلے بھی مختلف گروہوں میں انبیاء علیہم السلام بھیجے۔ شیعۃ وہ گروہ جو کسی مذہب و طریقہ پر متفق ہوں۔

۱۱: وَمَا يَاْتِيْهِمْ (اور نہیں آتا رہا ان کے پاس) یہ ماضی کی حکایت ہے کیونکہ ما مضارع پر نہیں آسکتا مگر وہ معنی حال میں ہے لا ماضی پر داخل ہوتو وہ بھی معناً حال کے قریب ہوجاتا ہے۔ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (کوئی رسول مگر کہ وہ اس کا مذاق اڑاتے رہتے ہیں) اس سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیام تسلی ہے۔

مجرموں میں تکذیب چلی آرہی ہے:

۱۲: كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ (اسی طرح (استہزاء) ڈال دیتے ہیں مجرمین کے دلوں میں) جیسا کفر کو چلایا ان کے دلوں میں نمبر۲۔ استہزاء کو پہلے گروہوں میں سلکہ ہم اس کفر یا استہزاء کو ڈال دیں گے مجرموں کے دلوں میں جو اس کو پسند کریں گے آپ کی امت میں سے۔ کہا جاتا ہے سلکت الخیط فی الابرۃ واسلکتہ میں نے دھاگہ سوئی میں ڈال دیا۔ یہ آیت معتزلہ کے عقیدہ اصلح اور خلق افعال کے خلاف اہل سنت کی واضح حجت ہے۔

مکہ والوں کی تکذیب پر وعید:

۱۳: لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ (یہ لوگ قرآن پر ایمان نہیں لاتے) نمبر۲۔ یا اللہ تعالیٰ پر یہ حال ہے وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ (گزشتہ لوگوں کا طریقہ بھی گزرا) یہ ان کے اس راستہ پر چلے جو ہلاکت کے لئے مقرر کیا گیا تو جب کہ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔ یہ دراصل

اہل مکہ کیلئے ان کی تکذیب پر وعید ہے۔

واضح ترین نشانی دیکھ کر بھی ایمان نہ لائیں گے:

۱۴: وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ (اور اگر ہم کھول دیں ان پر آسمان سے کوئی دروازہ) اگرچہ ہم ان کے سامنے واضح ترین نشانی پیش کر دیں جو کہ آسمان سے دروازہ کھلنے کی صورت میں ہو۔ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ (وہ اس میں چڑھنے لگیں) چڑھنے لگیں۔

۱۵: لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا (تو ضرور کہیں گے بیشک ہماری آنکھوں کو جادو کر دیا گیا) حیرت میں ڈال دیا گیا یا روک دیا گیا جیسا یہ السکر سے ہو یا نمبر۲۔ السَّکر ہے بند کرنا۔

قراءت: مکی نے سُكِرَتْ پڑھا۔ ان کو روک دیا گیا جیسا کہ نہر کو چلنے سے روکتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین عناد میں اس قدر غلو کرنے والے ہیں کہ اگر ان کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیے جائیں اور ان کو سیڑھی میسر آ جائے جس کے ذریعہ آسمان کی طرف چڑھ سکیں اور آنکھوں سے وہ سب کچھ دیکھیں تو تب بھی یہ کہہ دیں گے یہ خیالی چیز ہے جس میں ہم بند کر دیے گئے اس میں کوئی حقیقت نہیں اور یہ ضرور کہہ اٹھیں۔ بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ (بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا) نمبر۱۔ محمد ﷺ نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔ نمبر۲۔ ضمیر ملائکہ کی طرف جاتی ہے یعنی اگر ہم ان کو فرشتے آسمان میں چڑھتے ہوئے آنکھوں سے دکھا دیں تو پھر بھی کہیں گے مرحلہ کی ایک ناکہ۔ ظَلُّوا کا لفظ لا کر بتلایا کہ ان کا آسمان میں چڑھنا سفید دن اور چمکدار صبح میں ہو تا کہ خوب واضح دیکھ پائیں۔ انما کا کلمہ لایا تا کہ اس سے یہ دلالت کر دی جائے کہ وہ اس بات کو یوں بولتے ہیں یہ صرف نظری بات آنکھوں پر جادو کے اثر کی وجہ سے ہے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ ﴿١٦﴾ وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ

اور بے شک ہم نے آسمان میں ستارے پیدا کئے اور اسے دیکھنے والوں کے لئے زینت والا بنایا اور ہر شیطان مردود سے ہم نے اسے

شَيْطَانٍ رَجِيمٍ ﴿١٧﴾ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُبِينٌ ﴿١٨﴾ وَالْأَرْضَ

محفوظ کر دیا سوائے اس کے جو چوری سے سن لے تو اس کے پیچھے ایک روشن شعلہ ہو لیتا ہے اور ہم نے زمین کو

مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْزُونٍ ﴿١٩﴾

پھیلا دیا اور ہم نے اس میں بھاری بھاری پہاڑ ڈال دیئے اور ہم نے اس میں ایک معین مقدار سے ہر قسم کی چیز اگائی

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ ﴿٢٠﴾ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا

اور ہم نے تمہارے لئے اس میں زندگی کے سامان پیدا کر دیئے اور جنہیں تم روزی دینے والے نہیں ہو انہیں بھی ہم نے روزی دیا اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے

خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ ﴿٢١﴾ وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ فَأَنْزَلْنَا مِنَ

ہمارے پاس نہ ہوں اور ہم اس کو صرف مقدار معلوم ہی کے ساتھ نازل کرتے ہیں اور ہم نے ہواؤں کو بھیجا جو بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں پھر ہم نے

السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا أَنْتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ ﴿٢٢﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ

آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے تمہیں وہ پانی پلایا اور تم اس پانی کو جمع کرنے والے نہیں ہو اور بلاشبہ ہم زندہ کرتے ہیں اور موت دیتے ہیں

وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ ﴿٢٣﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ ﴿٢٤﴾

اور ہم ہی وارث ہیں گے اور بلاشبہ ہمیں معلوم ہیں جو تم میں سے پہلے تھے اور بلاشبہ ہمیں وہ لوگ معلوم ہیں جو تمہارے بعد آنے والے ہیں

وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٢٥﴾

اور بلاشبہ آپ کا رب ان سب کو جمع فرمائے گا بلاشبہ وہ حکمت والا ہے علم والا ہے۔

آسمانی برج بنا کر شیاطین سے حفاظت کر دی:

۱۶: وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ (اور البتہ ہم نے آسمان میں بنا ئے) اس میں پیدا کئے بُرُوجًا (برج) ستارے نمبر ۱۔ جیسے کہ قوت دینی میں سیارہ ہیں نمبر ۲۔ ستاروں کی منازل۔ وَزَيَّنَّاهَا (اور اس کو زینت دی) آسمان کو لِلنَّاظِرِينَ (دیکھنے والوں کیلئے)

۱۷: وَحَفِظْنَاهَا (اور ہم نے اس کی حفاظت کی) آسمان کی مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ (ہر شیطان مردود سے) ملعون نمبر ۲۔ ستاروں سے جس کو سنگسار کیا جاتا ہے۔

۱۸: إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ (مگر جس نے چرالیا بات کو) جو سنی ہوئی چیز ہے۔ من یہ استثناء کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ پس اس کا پیچھا کرتا ہے شہاب۔ وہ ستارہ جو روشن ہو کر ٹوٹ جاتا ہے۔ مُّبِينٌ (ظاہر) دیکھنے والوں کیلئے۔ ایک قول یہ ہے کہ شیاطین کو آسمان کی طرف سے نہ روکا جاتا تھا۔ جب عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو تین آسمانوں سے روک دیئے گئے۔ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو تمام آسمانوں سے روک دیئے گئے۔

زمین بچھا کر اس میں پہاڑ گاڑ دیئے:

۱۹: وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا (اور ہم نے زمین کو بچھایا) کعبہ کے نیچے سے اس کو پھیلایا۔ جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ پانی پر اس کو پھیلا کر دراز کر دیا۔ وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ (اور ہم نے اس میں پہاڑ ڈال دیے) یعنی زمین میں۔ قائم رہنے والے پہاڑ۔ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ (اور اس میں پیدا کی ہر چیز مناسب) میزانِ حکمت سے وزن کر کے اور اس کی مقدار سے اندازہ کیا جو اس کا تقاضا تھا جس میں زیادتی و کمی نہ پائی جاتی تھی۔ نمبر ۲۔ موزون کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز کا وزن اور مقدار مقرر ہے جو منفعت و نعمت کے سلسلہ میں طے شدہ ہے۔ نمبر ۳۔ جس کا وزن کیا جاتا ہے مثلاً زعفران، سونا، چاندی، تانبا، لوہا وغیرہ۔

سوال: وزن کو کیوں خاص کیا؟

جواب: وزن کو اس لئے خاص کیا کیونکہ کیل کی انتہاء وزن پر ہوتی ہے۔

انسانی رزق زمین میں رکھے:

۲۰: وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا (اور بنا دیے اس میں) یعنی زمین میں مَعَايِشَ (اسبابِ زندگی) جمع معیشۃ کھانے پینے کی چیزیں۔ یہ یاء صریحہ کے ساتھ ہے بخلاف خبائث وغیرہ کے۔ اس میں صراحۃً یاء پڑھنا غلطی ہے۔ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ (اور ان کو بھی پیدا کیا جن کو تم رزق دینے والے نہیں ہو) یعنی یہ معایش پر عطف ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے یا لکم کے محل کی وجہ سے گویا عبارت اس طرح تھی وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ مَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ اور زمین میں ہم نے پیدا کیا تمہارے لئے اسبابِ معیشت اور پیدا کیا ان جانوروں کو جن کو تم رزق دینے والے نہیں۔

نمبر ۲۔ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ اور ہم نے پیدا کئے زمین میں اسبابِ معیشت اور ان کے لئے بھی جن کو تم رزق دینے والے نہیں۔ یعنی اہل و عیال، غلام و خدام جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو رزق دے رہے ہیں وہ غلطی میں مبتلا ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ ہی رازق ہیں وہی ان کو اور ان کو رزق دیتے ہیں۔ اسی میں چوپائے بھی شامل ہیں وغیرہ ذلک۔ مگر یہ درست نہیں کہ من کو محل جر میں مان لیں۔ اس طرح کہ لکم کی کم ضمیر پر عطف ہو کیونکہ ضمیر مجرور پر عطف جائز نہیں مگر صرف ایک صورت ہے کہ جار کو دوبارہ لایا جائے۔

ہمارے پاس ہر چیز کا خزانہ ہے:

۲۱: وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ (کوئی چیز ایسی نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں

اور ہم اس کو ایک معلوم مقدار کے مطابق اتارتے ہیں) خزائن کا ذکر بطور تمثیل ہے۔ مطلب یہ ہے جو چیز بندوں کے فائدہ کی ہے اس کو ہم تکوین و ایجاد کی قدرت رکھتے ہیں۔ اور اس کا انعام کر سکتے۔ ہم ایک معلوم مقدار کے مطابق اس کو عطا کرتے ہیں خزائن کو بطور مثال کے بیان کرنے کا مقصد ہر مقدور پر اقتدار الٰہی کا اثبات کرنا ہے۔

رس بھری ہواؤں سے بارش اُتاری:

۲۲: وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ (اور ہم ہواؤں کو بھیجتے ہیں جو پانی سے بھری ہوتی ہیں) لواقح جمع لاقحۃ یعنی ہم نے ہوائیں بھیجیں جو بادل اٹھانے والی ہیں کیونکہ وہ ہوائیں بادلوں کو اپنے پیٹ و جوف میں رکھتی ہیں گویا کہ وہ بادلوں کو حاملہ کرنے والیاں ہیں۔ یہ لقحت الناقۃ' یعنی حاملہ ہوئی۔ لاقحہ کی ضد عقیم ہے۔

قراءت: حمزہ نے الرِّیْحَ پڑھا ہے۔

فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَیْنٰکُمُوْہُ (پھر ہم نے بادل سے پانی اتارا اور اس سے تم کو سیراب کیا) یعنی اس کو تمہارے لئے سیرابی بنایا۔ وَمَآ اَنْتُمْ لَہٗ بِخٰزِنِیْنَ (تم اس کو جمع کرنے والے نہیں ہو) ان لوگوں سے اس چیز کی نفی کی جس کو اپنی ذات کیلئے اس آیت میں ثابت کیا۔ وان من شیء الا عندنا خزائنہ گویا اس طرح فرمایا۔ نحن الخازنون للماء۔ علٰی معنٰی ہم اس کو آسمان میں پیدا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اور ہم آسمان سے اس کو اتارنے کی قدرت رکھتے ہیں تم اس بات پر قدرت نہیں رکھتے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور انسانوں کی عاجزی پر دلیل ہے۔

ہم اگلے پچھلے سب کو جانتے ہیں:

۲۳: وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ (اور بلاشبہ ہم ہی زندہ کرتے اور موت دیتے ہیں) نمبر۱۔ جو مردے کو زندہ کرتے اور وقت کے گزرنے پر اس کو موت دیتے ہیں۔ نمبر۲۔ وقت مقررہ کے پورے ہونے پر موت دیتے ہیں۔ اور جزاء اعمال کے لئے زندہ کریں گے۔ اس صورت میں تقدیم و تاخیر مانی جائے گی اس لئے کہ واؤ مطلق جمع کیلئے ہے۔ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ (اور ہم ہی باقی رہنے والے ہیں) تمام مخلوق کی ہلاکت کے بعد باقی رہنے والے ہیں۔ اور باقی کو وارث کہا جاتا ہے وارث یہ وارث المیت سے بطور استعارہ استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اس کے بعد باقی رہنے والا ہوتا ہے۔

۲۴: وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْکُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِیْنَ (ہم تمہارے پہلوں کو بھی جانتے ہیں اور پچھلوں کو بھی ہم ہی جانتے ہیں) جو موت اور ولادت کے لحاظ سے متقدم و متاخر ہیں۔ نمبر۲۔ جو اپنے آباء کی اصلاب سے پیدا ہو چکے اور جو ابھی تک نہیں نکلے نمبر۳۔ اسلام میں متقدم یا طاعت میں آگے بڑھنے والے۔ نمبر۵۔ صف جماعت میں آگے بڑھنے والے۔ نمبر۶۔ صف کارزار میں آگے بڑھنے والے اور پیچھے ہٹنے والے۔

تمام کو میدانِ حشر میں جمع کریں گے:

۲۵: وَاِنَّ رَبَّکَ ہُوَ یَحْشُرُہُمْ (اور بیشک آپ کا رب وہی ان کو جمع کرے گا) وہ ان کے ... پر قدرت رکھتا ہے اور ان کے

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ وَالْجَآنَّ

اور بلاشبہ ہم نے انسان کو بجنے والی مٹی سے پیدا کیا جو سیاہ رنگ کے سڑے ہوئے گارے سے بنی تھی۔ اور جن کو ہم نے

خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۝ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ

اس سے پہلے آگ سے پیدا کیا جو ایک گرم ہوا سے تھی۔ اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ بلاشبہ میں بشر کو

بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ

بجنے والی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں جو سیاہ رنگ کے سڑے ہوئے گارے سے بنی ہوگی۔ سو جب میں اسے پورا بنا دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں

فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰٓی اَنْ

تو اس کے لئے سجدہ میں گر پڑنا۔ سو تمام فرشتوں نے اکٹھے ہو کر سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے نہیں کیا۔ اس نے اس بات سے انکار کیا کہ

یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ۝ قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ۝ قَالَ لَمْ

وہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس تجھے کیا بات پیش آئی کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا۔ ابلیس نے کہا کہ میں

اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ

ایسا نہیں کہ ایسے بشر کو سجدہ کروں جسے آپ نے بجنے والی مٹی سے پیدا کیا جو سیاہ رنگ کے سڑے ہوئے گارے سے بنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو یہاں سے

مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ۝ وَّاِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ۝

نکل جا کیونکہ تو مردود ہے۔ اور قیامت کے دن تک تجھ پر لعنت رہے گی۔

ہمارا کا احاطہ کرنے والا ہے۔ اِنَّهٗ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ (بیشک وہ حکمت والا علم والا ہے) غالب حکمت وسیع علم والا ہے۔

تخلیقِ آدم علیہ السلام

۲۶: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ (تحقیق ہم نے انسان کو پیدا کیا) یعنی آدم علیہ السلام مِنْ صَلْصَالٍ (بجنے والی مٹی سے) خشک مٹی جس کو آگ نہ پہنچی ہو مِّنْ حَمَاٍ (سیاہ گارے سے) یہ صلصال کی صفت ہے ای خلقہ من صلصال کائن من حماٍ ای طین اسود متغیر اس کو پیدا کیا گارے سے جو بجنے والی تھی سیاہ رنگ متغیر مٹی سے مَّسْنُوْنٍ (جس میں نقوش بنا دیے جائیں) جسمیں تصویر دی جائے۔ شروع میں تراب تھی جب اس کو پانی سے گوندھ دیا گیا تو طین بن گئی تو پھر پڑی رہی تو سیاہ کیچڑ بن کر حماء کہلائی جب اس کا نچوڑ نکالا تو سلالہ ہوگئی اس میں صورت بنائی تو مسنون کہلائی جب سخت ہوئی تو صلصال کہلائی جب

مختلف مقامات پر ایجاز و تفصیل میں ان میں سے جو تعبیر لائی جائے ان میں تناقض نہیں۔

جنات کے باپ کی پیدائش:

۲۷: وَالْجَآنَّ (اور ابوالجن کو) جنات کے باپ کو جیسا کہ انسانوں کیلئے ان کے باپ آدم کو۔ بعض نے ابلیس مراد لیا ہے۔ یہ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ کے فعل سے منصوب ہے۔ من قبل سے من قبل آدم آدم علیہ السلام سے پہلے مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (گرم ہوا سے) مسام میں گھس جانے والی سخت گرم ہوا۔ کہا گیا ہے کہ یہ گرم لو نار کی حرارت کے ستر اجزاء میں سے ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے جنات کے باپ کو پیدا کیا۔

فرشتوں کو حکم سجدہ:

۲۸: وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ (اور جب کہا تیرے رب نے) اس وقت کو یاد کرو جب یہ بات کہی گئی لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (فرشتوں کو بیشک میں ایک بشر بنانے والا ہوں بجتی ہوئی مٹی کے سیاہ گارے سے۔

۲۹: فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ (پس جب میں اس کو پورا بنا دوں) اس کی خلقت کو پورا کردوں اور ہیئت کو صحیح کردوں تاکہ اس میں روح پھونکی جائے۔ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ (اور اس میں اپنی طرف سے روح ڈال دوں) اس میں روح ڈال کر زندہ کردوں۔ اس جگہ نفخ نہیں بلکہ تمثیل ہے اور اضافت اضافت تخصیص ہے۔ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ (تم اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا) یہ وقع یقع سے امر ہے ای اسقطوا علی الارض یعنی اسجدوا لہ اس کو سجدہ کرو اور فاء کو جواب اذا ہونے کی وجہ سے داخل کیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امر کا فعل کے وقت سے پہلے ہونا جائز ہے۔

ملائکہ کا سجود:

۳۰: فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ (پس تمام کے تمام فرشتوں نے سجدہ کیا) ملائکہ جمع عام ہے اس میں تخصیص کا احتمال ہے تخصیص کو کلہم سے ختم کر دیا اور کل کا لفظ تفرق کی تاویل کا احتمال رکھتا ہے۔ اس کو اجمعون سے ختم کر دیا۔

انکارِ ابلیس:

۳۱: اِلَّآ اِبْلِيْسَ (مگر ابلیس) استثناء کا ظاہر تو دلالت کرتا ہے کہ وہ ملائکہ میں سے تھا۔ کیونکہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہوتا ہے۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ استثناء منقطع ہے۔ وہ ملائکہ میں سے نہ تھا۔

جواب غیر مامور ترک امر سے ملعون نہیں ہو سکتا۔ صاحب کشاف نے کہا وہ فرشتوں کے مابین مامور بالسجود تھا۔ ملائکہ کا لفظ اس پر تغلیباً بول دیا۔ پھر تغلیب کے بعد استثناء کر دیا۔ جس طرح کہتے ہیں: رأيتهم الا هندا۔

اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ (اس نے سجدہ کرنے والوں میں شامل ہونے سے انکار کر دیا) حرف جر ان کے ساتھ محذوف ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے مالك فی الا تكون مع الساجدين یعنی کیا مقصد ہے تیرا سجدے کے انکار سے؟

ابلیس سے سوال:

۳۲: قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ۔

ابلیس کا انکار پر اصرار:

۳۳: قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ (اس نے کہا میں سجدہ نہیں کر سکتا) لام تاکید نفی کیلئے ہے یعنی میرا سجدہ کرنا درست نہیں لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (ایک ایسے انسان کو جس کو تو نے کھنکھناتی ہوئی سڑی کیچڑ سے بنایا ہے)

۳۴: قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا (اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو نکل جا اس سے) نمبر۱ آسمان سے نمبر۲۔ جنت سے نمبر۳۔ ملائکہ کے گروہ سے۔ فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ (تو مردود ہے) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دھتکارا ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے تو ملعون ہے کیونکہ لعنت کا معنی رحمت سے دور ہٹانا ہے اور دور کرنا ہے۔

سزائے انکار:

۳۵: وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ (اور روز جزا تک تم پر لعنت لگی ہے) یوم الدین کو لعنت کی حد کے طور پر بیان کیا کیونکہ کلام میں سب سے بعید ترین غایت لوگ یہی بیان کرتے ہیں مراد اس سے یہ ہے کہ تو قابل مذمت ہے۔ آسمانوں اور زمین میں قیامت تک ملعون پکارا جائے گا بغیر اس کے کہ تمہیں سزا دی جائے۔ جب وہ دن آ جائے گا تو تمہیں ایسی سزا دی جائے گی جس سے لعنت کو بھول جائے گا۔

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰی یَوْمِ

ابلیس نے کہا کہ اے میرے رب مجھ کو مہلت دے اس دن تک جب لوگ اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھ کو مہلت دی گئی معین وقت کی تاریخ تک

الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ

مہلت دی گئی۔ شیطان نے کہا کہ اے رب اس سبب سے کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا ہے میں زمین میں ان کی نظر میں ضرور مزین کر دکھاؤں گا

وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ

اور ضرور ان سب کو گمراہ کروں گا مگر آپ کے ان بندوں کو جو منتخب کر لئے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ ایک سیدھا راستہ ہے

عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ ﴿۴۱﴾ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ

جو مجھ تک پہنچتا ہے۔ بلاشبہ میرے بندوں پر تیرا ذرا بھی بس نہ چلے گا ہاں مگر جو گمراہ لوگوں میں سے

مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ

جو تیری راہ پر چلنے لگے اور ان سب سے جہنم کا وعدہ ہے۔ اس کے سات دروازے ہیں

لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾

ہر دروازے کے لئے ان میں سے ایک ایک حصہ تقسیم کر دیا گیا ہے۔

طالب مہلت کو مہلت تا قیامت:

۳۶۔ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ (اس نے کہا اے میرے رب تو مجھے مہلت دے) مجھے مؤخر کر دے اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ (دوبارہ اٹھائے جانے کے دن تک)۔

۳۷۔ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ (اس نے کہا تو مہلت یافتہ لوگوں میں سے ہے)

۳۸۔ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ (ایک معلوم وقت کے دن تک) مراد یوم الدین ہے اصل یوم الدین اور یوم یبعثون اور یوم الوقت المعلوم ایک ہی معنی میں ہیں لیکن بلاغت کے طرز پر مختلف عبارات لائی گئیں۔ ایک قول یہ ہے اس نے اس دن تک مہلت مانگی جس میں مخلوق کو فنا ہونا ہے تاکہ وہ اس پر موت نہ آئے کیونکہ بعث کے دن کسی پر موت نہ آئے گی مگر اس کی یہ بات قبول نہ کی گئی اور ایام تکلیف کے آخری دن تک اس کو مہلت دی گئی۔

إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۝ وَنَزَعْنَا

بلاشبہ تقویٰ اختیار کرنے والے باغوں میں اور چشموں میں ہوں گے۔ تم ان میں داخل ہو جاؤ سلامتی کے ساتھ اس حالت میں کہ امن سے رہنے والے ہو۔ اور ہم دور

مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا

کر دیں گے جو ان کے سینوں میں تھا بھائی بھائی بن کر رہیں گے تختوں پر آمنے سامنے ہوں گے۔ انہیں وہاں کوئی تکلیف

نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ۝ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

نہ پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔ آپ میرے بندوں کو خبر دے دیجئے کہ بلاشبہ میں غفور ہوں رحیم ہوں

وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۝

اور بلاشبہ میرا عذاب وہی دردناک عذاب ہے

ذرا تفصیل جہنم:

۴۴: لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ (اس کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازے کیلئے ان میں سے) یعنی ابلیس کے پیروکار مراد ہیں۔ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ (ایک جزو تقسیم کیا ہوا ہے) حصہ مقرر و بانٹا ہوا۔ دوسرا قول آگ کے دروازے اس کے طبقات اور درکات ہیں۔ اس کا بالائی حصہ تو ان موحدین کیلئے ہے جو گناہوں کی وجہ سے بقدر گناہ عذاب دیئے جائیں گے پھر ان کو نکال لیا جائے گا۔ اور دوسرا یہود کیلئے ہے تیسرا نصاریٰ کیلئے۔ چوتھا صابئین اور پانچواں مجوس اور چھٹا مشرکین اور ساتواں منافقین کیلئے ہوگا۔

جنت اور اس کے انعامات کا تذکرہ:

۴۵: اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ (بیشک متقی لوگ باغات اور چشموں میں ہونگے) قراءت مدنی، حفص و بصری نے عیون میں عین کا ضمہ پڑھا ہے ابن کثیر، حمزہ و کسائی نے عیون عین کے کسرہ سے پڑھا ہے۔

المتقی سے یہاں مطلق متقی مراد ہے۔ یعنی جو منہیات سے بچتا ہے۔ کتاب الشرح میں ہے اگر اس کا ذکر [انہا سبعۃ ابواب لکل باب منہم جزء مقسوم] میں شامل ہو تو پھر متقین سے مراد وہ لوگ ہونگے جو کبائر سے بچتے ہیں۔ ورنہ متقین سے مراد شرک سے بچنے والے ہونگے۔

۴۶: اُدْخُلُوْهَا (تم اس میں داخل ہو جاؤ) یعنی ان کو کہا جائے گا کہ تم داخل ہو جاؤ بِسَلٰمٍ (سلامتی کیساتھ) یہ حال ہے یعنی اس حال میں کہ وہ سالم ہونگے نمبر۲۔ اس حال میں کہ تم کو سلام کیا جائے گا فرشتے تمہیں سلام کریں گے۔ اٰمِنِيْنَ (تم محفوظ ہوگے) ان دونوں سے نکلنے سے محفوظ ہوگے اور اس میں آفات سے بچے رہو گے یہ دوسرا حال ہے۔

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرٰهِيمَ ﴿۵۱﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلٰمًا ۖ قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ

اور ان کو ابراہیم کے مہمانوں کی بھی اطلاع دے دیجئے ۔ جب وہ ان کے پاس داخل ہوئے تو انہوں نے سلام کیا ابراہیم نے کہا کہ ہم تم سے ڈرتے ہیں

وَجِلُونَ ﴿۵۲﴾ قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ أَبَشَّرْتُمُونِي عَلٰى

انہوں نے کہا کہ آپ ڈریں نہیں ہم آپ کو ایک بیٹے کی بشارت دیتے ہیں جو بڑا صاحب علم ہوگا ۔ ابراہیم نے کہا کیا تم مجھے اس حالت میں بشارت دیتے ہو

أَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُونَ ﴿۵۴﴾ قَالُوا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ

کہ مجھ پر بڑھاپا آ گیا سو کس چیز کی بشارت دیتے ہو ۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے تمہیں واقعی کی بشارت دی ہے سو تم نا امیدوں میں سے

الْقٰنِطِينَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ إِلَّا الضَّآلُّونَ ﴿۵۶﴾

مت ہو جاؤ ۔ ابراہیم نے کہا اپنے رب کی رحمت سے ان لوگوں کے سوا کون نا امید ہوگا جو گمراہ ہیں

ابراہیم علیہ السلام اور ان کے مہمانانِ گرامی:

۵۱: وَنَبِّئْهُمْ (اور ان کو اطلاع دو) اپنی امت کو خبر دو۔ اس کا عطف نَبِّئْ عِبَادِیْ پر ہے تاکہ قوم پر جو عذاب آیا اس سے عبرت حاصل کریں مجرمین اللہ تعالیٰ کے انتقام اور نافرمانی سے عبرت پکڑیں۔ وہ ان کو یقین ہو جائے اس کا عذاب انتہائی دردناک ہے۔ عَنْ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ (ابراہیم کے مہمانوں کے متعلق) مہمان فرشتے جبرئیل علیہ السلام اور گیارہ فرشتے ان کے ساتھ تھے۔ ضیف کا لفظ واحد و جمع آتا ہے۔ کیونکہ یہ ضافہ کا مصدر ہے۔

۵۲: اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا (جب کہ وہ ان کے پاس داخل ہوئے تو انہوں نے سلام کہا) یعنی ہم آپ کو سلام کہتے ہیں۔ نمبر ۲۔ ہم سلام کرتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ (یقیناً ہم تم سے ڈرتے ہیں) خوف زدہ ہیں کھانا نہ کھانے کی وجہ سے نمبر ۲۔ کیونکہ وہ بلا اذن اور بے وقت داخل ہوئے۔

۵۳: قَالُوْا لَا تَوْجَلْ (انہوں نے کہا تم مت ڈرو) خوف نہ کرو۔ اِنَّا نُبَشِّرُكَ (یقیناً ہم تمہیں بشارت دیتے ہیں) یہاں یہ جملہ مستانفہ ہے۔ خوف کی نہی کی علت بیان کی گئی ہے۔ یعنی تو امن والا اور بشارت والا ہے۔ پس ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

قراءت: حمزہ نے نون کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ (ایک علم والا لڑکا) اس سے مراد اسحاق علیہ السلام ہیں کیونکہ سورہ ہود میں فرمایا فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ [سورۃ ہود: ۷۱]

بڑھاپے میں بیٹے کی بشارت:

۵۴: قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰٓی اَنْ مَّسَّنِیَ الْكِبَرُ (کیا تم مجھے بشارت دیتے ہو باوجودیکہ مجھے بڑھاپا آ گیا) یعنی بڑھاپے کے باوجود مجھے خوشخبری دیتے ہو کہ میرے ہاں بچہ ہوگا؟ مطلب یہ ہے کہ بڑھاپے میں اولاد ہونا ایک عجیب بات ہے قبـ

تُبَشِّرُوْنَ (تم کس چیز سے بشارت دے رہے ہو) یہ استفہام ہے جس میں تعجب کا معنی پیدا ہو گیا۔ گویا اس طرح کہا گیا۔ فبای اعجوبۃ تبشرون۔ یعنی کونسی عجیب بات کی تم بشارت دیتے ہو؟

قراءت: نون کے کسرہ اور تشدید کے ساتھ مکی نے پڑھا ہے اور اصل تبشروننی تو نون جمع کو نون وقایہ میں ادغام کر دیا پھر یا کو حذف کر کے کسرہ کو بطور دلیل باقی رہنے دیا گیا۔ نافع نے تبشرون کو تخفیف کے ساتھ پڑھا اور اصل تبشروننی ہے یاء کو کسرہ کے بدلے حذف کر دیا اور دونوں جمع کو اجتماع نونین کی وجہ سے حذف کر دیا۔ باقی تمام قراء نے فتحہ نون اور حذف یائے مفعول کے ساتھ اور نون تو نون جمع ہے۔

۵۵: قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ (انہوں نے کہا ہم تمہیں سچی بات کی خوشخبری دیتے ہیں) ایسے یقین کی جس میں التباس نہیں۔ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ (پس تم امید توڑنے والوں میں سے نہ ہو) اس سے مایوس ہونے والے مراد ہیں۔

رحمت رب سے کافر مایوس ہیں:

۵۶: قَالَ (کہا) ابراہیم علیہ السلام نے۔ وَمَنْ يَّقْنَطُ (اور کون ناامید ہوتا) قراءت: بصری اور علی نے نون کے کسرہ سے پڑھا۔ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ (اپنے رب کی رحمت سے مگر سیدھے راستے سے بھٹکے ہوئے لوگ یعنی) کافر۔ جیسا کہ اس ارشاد میں فرمایا۔ انه لا ییأس من روح اللّٰہ الا القوم الکافرون [یوسف: ۸۷] یعنی میں اس کو رحمت الٰہی سے مایوسی کی بناء پر اولاد نہیں سمجھ رہا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ کے اعتبار سے بعید سمجھتا ہوں۔

عبارت اس طرح ہے۔ انا اهلكنا قوماً مجرمین ولكن آل لوط انجیناهم۔ بیشک ہم نے مجرم قوم کو ہلاک کر دیا۔ لیکن آلِ لوط کو ہم نے بچا لیا۔

استثنائے متصل وہ ارسال کے حکم میں داخل ہو گئے۔ یعنی ملائکہ کو ان تمام کی طرف بھیجا گیا تا کہ وہ ان کو ہلاک کریں اور دوسرے نجات پائیں۔ جب استثناء منقطع ہو گا تو انا لمنجوهم اجمعین خبر کے قائم مقام ہو گا۔ اور استثناء متصل میں آل لوط سے متعلق ہو گا۔ کیونکہ مطلب یہ ہے لیکن آل لوط نجات پانے والی ہے۔ استثناء متصل کی صورت میں جملہ مستانفہ ہے گویا ابراہیم علیہ السلام نے جب کہا آل لوط کا کیا معاملہ ہے؟ تو انہوں نے کہا اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔

۶۰: اِلَّا امْرَاَتَهٗ (مگر ان کی بیوی) لَمُنَجُّوْهُمْ کی ضمیر مجرور سے یہ مستثنیٰ ہے یہ استثناء سے استثناء نہیں اور یہ کبھی ہوتا ہے جب اس کا حکم اختیار کرنے جیسے کہتے ہیں اهلکنا هم الا آل لوط الا امراته۔ مگر یہاں دونوں حکم مختلف ہیں کیونکہ اِلَّا اٰلَ لُوْطٍ یہ اَرْسَلْنَا کے متعلق ہے یا مجرمین سے متعلق ہے اور الا امراته یہ منجوهم کے متعلق ہے۔ پھر استثناء سے استثناء کس طرح ہو گا۔

قراءت: لمنجوهم حمزہ و علی نے تخفیف سے پڑھا ہے۔ قَدَّرْنَآ (ہم نے طے کر دیا)۔ قراءت: ابوبکر نے تخفیف سے پڑھا ہے۔ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ (بیشک وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہو گی) عذاب میں باقی رہنے والوں میں سے۔ ایک قول یہ ہے اگر اس کی خبر میں لام نہ ہوتا پھر ان کا فتحہ واجب ہے۔ کیونکہ پھر یہ اپنے اسم و خبر سمیت قدرنا کا مفعول ہے لیکن یہ اس ارشاد کی طرح ہے۔

ولقد علمت الجنة انهم لمحضرون [الصافات: ۱۵۸]

نکتہ: ملائکہ نے فعل تقدیر کی نسبت اپنی طرف کی۔ اور اس طرح نہیں کہا قدر اللّٰہ کیونکہ ان کو قرب کی وجہ سے۔ جیسے خاصانِ ملک کہتے ہیں امرنا بکذا حالانکہ امر تو بادشاہ ہوتا ہے۔

لوط علیہ السلام کے پاس فرشتوں کی آمد:

۶۱، ۶۲: فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ۨ الْمُرْسَلُوْنَ۔ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ (جب آلِ لوط کے پاس قاصد آئے تو (لوط علیہ السلام نے) کہا بیشک تم اجنبی آدمی معلوم ہوتے ہو) یعنی میں تمہیں نہیں پہچانتا۔ اس لئے کہ نہ تم مقیمی ہو اور نہ آپ سفر میں ہو کہ مسافر سمجھوں۔ مجھے خطرہ ہے کہ تمہاری وجہ سے مجھے کوئی تکلیف پہنچ جائے۔

۶۳: قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ (انہوں نے کہا بلکہ ہم تمہارے پاس وہ چیز لائے ہیں جس میں وہ شک کرتے تھے) ہم وہ چیز نہیں لائے جس کے سبب سے تمہیں وہ خیال کرتے ہو بلکہ وہ چیز لائے ہیں جس میں تمہاری خوشی ہے اور اس سے تمہیں تمہارے دشمنوں کی طرف سے شفا نصیب ہو گی اور وہ عذاب ہے جس کے اترنے سے تم ان کو ڈراتے تھے اور وہ اس کے نزول میں شک کرنے والے تھے۔ اور تمہاری تکذیب کرتے تھے۔

۶۴: وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ (ہم آپ کے پاس یقینی بات لائے ہیں) ان کے عذاب کی یقینی اطلاع۔ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ (اور بیشک ہم سچے ہیں) ان پر اس عذاب کے اترنے کی اطلاع دینے میں۔

رات کو یہاں سے نکل چلو:

۶۵: فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ (آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے اہل کے ساتھ یہاں سے چلے جاؤ) رات کے آخری حصہ میں۔ نمبر۲۔ رات کا جب کافی حصہ گزر جائے۔ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ (اور تم ان کے پیچھے پیچھے چلو) ان کے پیچھے چلو۔ تاکہ تمہیں ان کی اوران کے احوال کی اطلاع ہو۔ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ (اور تم میں سے کوئی مڑ کر نہ دیکھے) تاکہ ان کی قوم پر جو عذاب اترے اس کو وہ نہ دیکھیں۔ وہاں سے متعلق ان کے دلوں میں نرمی پیدا ہو۔ نمبر۲۔ کہ یہ التفات مسلسل چلنے سے کنایہ ہے اور سستی کی ممانعت ہے اور ٹھہرنے کی اجازت نہیں۔ کیونکہ جو متوجہ ہوتا ہے وہ تھوڑا تھوڑا ٹھہر جاتا ہے۔ وَامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ (اور وہاں چلے جاؤ جہاں تمہیں جانے کا حکم ہے) جہاں اللہ تعالیٰ نے تمہیں جانے کا حکم دیا ہے۔ اور وہ مرزبین شام تھی یا مصر۔

۶۶: وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ (اور ہم نے یہ حکم ان کے پاس بھیجا) قَضَيْنَآ کو اِلٰی سے متعدی کیا گیا کیونکہ وہ اَوْحَيْنَا کے معنی کو متضمن ہے گویا اس طرح فرمایا۔ واوحینا الیہ مقضیا مبتوتا اور ہم نے وحی کی ان کی طرف رات کے فیصلہ شدہ حکم کی۔ الامر کی تفسیر اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ سے کی۔ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ (بیشک ان کی جڑ کٹ جائے گی)۔ اس کے ابہام و تفخیم میں امر کی عظیم شان ہے۔ اور دابر قوم کا معنی ان کا آخری یعنی ان کا استیصال کر دیا جائے گا اور یہاں تک کہ ان میں سے کوئی ایک بھی باقی نہ رہے گا۔ مُّصْبِحِيْنَ (صبح سویرے) صبح کے وقت میں داخل ہوتے ہی۔

نحو: یہ ھؤلاء سے حال ہے۔

قومِ لوط کا طرزِ عمل:

۶۷: وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ (اور آگئے شہر والے) شہر سے سدوم مراد ہے جس کے قاضی کی ظلم میں مثالیں دی جاتی ہیں۔ يَسْتَبْشِرُوْنَ (خوشخبریاں سناتے ہوئے) امرد لڑکوں کے بارے میں اس طمع میں کہ ان کا مقصد فاحشہ پورا ہو جائے گا۔

لوط علیہ السلام کی امکانی حفاظت:

۶۸: قَالَ (کہا) لوط علیہ السلام نے اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ (بیشک یہ میرے مہمان ہیں تم ان کے متعلق مجھے رسوا نہ کرو) میرے مہمانوں کی بے عزتی کر کے کیونکہ جو میرے مہمانوں کے ساتھ زیادتی کرے گا اس نے میرے ساتھ زیادتی کی۔

۶۹: وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ (اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو) یعنی میرے مہمانوں کو ذلیل کر کے مجھے ذلیل نہ کرو۔ الخزی ذلت کو کہتے ہیں۔ قراءت: یعقوب نے دونوں میں یاء پڑھی ہے۔

۷۰: قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ (انہوں نے کہا کیا ہم نے تمہیں جہان والوں سے نہیں روکا) اس بات سے کہ تم ان میں سے کسی کو پناہ دو۔ نمبر۲۔ ان کی طرف سے دفاع کرو۔ وہ ہر ایک کا راستہ روکتے اور حضرت لوط علیہ السلام نہی عن المنکر کرتے اور ان کے درمیان حائل ہوتے وہ ان کو دھمکاتے اور کہتے لئن لم تنته یلوط لتکونن من المخرجین اگر تم باز نہ آئے اے لوط! تو ضرور تمہیں نکال باہر کیا جائے گا [الشعراء: ۱۶۷] نمبر۳۔ غرباء و مسافرین کی مہمانی سے۔

۷۱: قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِیْٓ (انہوں نے کہا یہ میری بیٹیاں ہیں) ان سے نکاح کرلو۔ اس وقت مومنات کا نکاح کفار سے جائز تھا۔ اور میرے ان مہمانوں کی طرف ہاتھ مت بڑھاؤ۔ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ (اگر تم کرنے والے ہو) اگر تم قضائے شہوت حلال مقام پر چاہتے ہو نہ کہ حرام۔ اس پر فرشتوں نے لوط علیہ السلام کو کہا۔

گمراہی کے نشہ میں صحیح غلط کا امتیاز ہی نہیں رہتا:

۷۲: لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ (تیری عمر کی قسم! بیشک وہ اپنے نشے میں مست تھے) یعنی اس گمراہی میں جس نے ان کی عقل و تمیز میں خطا و صواب کا فرق ختم کر دیا تھا۔ اس میں لڑکیوں کو چھوڑ کر لڑکوں کو اختیار کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ يَعْمَهُوْنَ (وہ سرمست ہیں) وہ حیران ہیں کہ کس طرح تیری بات کو قبول کریں۔ اور میری نصیحت کی طرف کان لگائیں۔ نمبر۲۔ انہیں خطاب رسول اللہ ﷺ کو فرمایا اس میں آپ کی زندگی کی قسم اٹھائی اللہ تعالیٰ نے اور کسی پیغمبر کی زندگی کی قسم نہیں اٹھائی۔ اس سے آپ کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ العُمر اور العَمر دونوں ہم معنی ہیں۔ یعنی بقاء کو کہتے ہیں۔ البتہ قسم کیلئے عَ کے فتحہ کو خفیف ہونے کی وجہ سے ترجیح دی ہے کیونکہ زبان پر قسم بہت لائی جاتی ہے اسی وجہ سے تو انہوں نے خبر کو حذف کر دیا۔ تقدیر عبارت یہ ہے لعمرك قسمی۔

نفاذ عذاب:

۷۳: فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ (ان کو چیخ نے آلیا) جبرئیل علیہ السلام کی چیخ مراد ہے۔ مُشْرِقِيْنَ (سورج طلوع ہوتے ہی) کہ وہ طلوع میں داخل ہو رہے تھے اور وہ سورج چمکنے کو کہتے ہیں۔

۷۴: فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا (پس ہم نے اس کے اوپر کو نیچے کر دیا) جبرئیل علیہ السلام نے ان کو اٹھایا اور آسمان کی طرف بلند کیا۔ پھر پلٹ دیا۔

نحو: ضمیر کا مرجع قوم لوط کی بستیاں ہیں۔ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ (اور ہم نے ان پر کنکر کے پتھر برسائے)

آثار دیدہ عبرت ہیں:

۷۵: اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ (اس واقعہ میں کئی نشانیاں ہیں دیکھنے والوں کیلئے) ظاہری علامات سے اندرونی حالات کو معلوم کرنے غور کرنے والوں کیلئے۔ گویا کہ وہ ظاہری علامت سے ان چیزوں کے باطن کو پہچان لیتے ہیں۔

۷۶: وَاِنَّهَا (اور بیشک وہ) وہ بستیاں یعنی ان کے آثار لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ (آباد راستہ پر ہیں) قائم ہے جس پر لوگ چلتے ہیں اور ابھی تک مٹا نہیں اور وہ ان آثار کو دیکھتے ہیں۔ اس میں قریش کو متنبہ کیا۔ جیسا کہ اس ارشاد میں وانکم لتمرون علیہم مصبحین وباللیل افلا تعقلون [الصافات: ۱۳۷، ۱۳۸]

۷۷: اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (بیشک اس میں البتہ نشانی ہے ایمان والوں کیلئے) کیونکہ وہی اس سے فائدہ (عبرت) حاصل کرتے ہیں۔

کے درمیان ہے۔ الْمُرْسَلِيْنَ (رسولوں کو) صالح علیہ السلام کی تکذیب کرنے کی وجہ سے کیونکہ ہر رسول تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان کی دعوت دیتا ہے پس جس نے ان میں سے کسی ایک کو جھٹلایا تو گویا اس نے تمام کو جھٹلایا۔ نمبر۲۔ صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھ والے مؤمنین مراد ہیں۔ جیسا کہا جاتا ہے۔ الخبیبون سے مراد ابن الزبیر اور ان کے ساتھی۔

۸۱۔ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ (اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں پس وہ ان سے اعراض کرنے والے تھے) انہوں نے ان نشانات سے اعراض کیا اور ان پر ایمان نہ لائے۔

دنیاوی حالت:

۸۲۔ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا (وہ لوگ پہاڑ تراش کر مکان بناتے تھے) وہ پہاڑوں کو کھود کر گھر بناتے یا پتھروں سے بناتے۔ اٰمِنِيْنَ (تاکہ امن میں رہیں) کیونکہ پتھروں کے گھر مضبوط اور گرنے کے اندیشے سے خالی اور دشمنوں کے نقب اور چوروں کی نقب لگانے سے محفوظ ہوتے ہیں۔ نمبر۲۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مامون و محفوظ۔ ان کا خیال یہ تھا کہ پہاڑ عذاب الٰہی سے ان کی حفاظت کریں گے۔

عذاب سے ہلاکت:

۸۳۔ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ (ان کو چیخ نے پکڑ لیا) یعنی عذاب نے مُصْبِحِيْنَ (صبح ہوتے) چوتھے دن کی صبح کے وقت۔

۸۴۔ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (تو ان کو کام نہ آیا ان کے کچھ بھی جو کرتے تھے) مضبوط مکانوں کی تعمیر اور کثیر اموال کو جمع کرنے نے۔

تخلیق کائنات فضول نہیں:

۸۵۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ (اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ) مگر ہم نے ان کو حق سے ملا کر پیدا کیا۔ بے کار اور فضول نہیں بنایا۔ نمبر۲۔ بدلے کے دن انسان پر عدل و انصاف کے ساتھ جزا دینے کیلئے۔ وَاِنَّ السَّاعَةَ (اور بیشک قیامت) یعنی قیامت جس کی آمد کی توقع ہر گھڑی ہے لَاٰتِيَةٌ (ضرور آنے والی ہے) اور بیشک اللہ تعالیٰ آپ کے دشمنوں سے اس دن انتقام لے گا۔ اور آپ کو آپ کی نیکیوں پر بدلہ اور ان کو ان کی سیئات پر سزا دے گا۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو اسی بدلے کیلئے پیدا فرمایا۔

فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ (تم اچھا درگزر کرو) ان سے اچھی طرح اعراض کرو اور چشم پوشی اختیار کرو۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت جہاد سے منسوخ ہے اور اگر اس سے مراد خوش اخلاقی ہو تو پھر منسوخ نہیں۔

۸۶۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ (بیشک آپ کا رب بہت بڑا خالق ہے) جس نے آپ کو اور ان کو پیدا کیا۔ الْعَلِيْمُ (وہ ہر بات کو جاننے والا ہے) آپ اور ان کی حالت سے باخبر ہے۔ اس پر تمہارے مابین ہونے والے احوال مخفی نہیں۔ وہی تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔

آنے والے کو آیا سمجھو:

۱: اَتٰٓی اَمْرُ اللّٰہِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ (آ پہنچا اللہ کا حکم سو تم اس میں جلدی نہ کرو وہ پاک ہے اور اس سے برتر ہے جو وہ شریک تجویز کرتے ہیں اور اپنے بندوں میں سے) قیامت کے قائم ہونے کا جو وعدہ کفار سے کیا گیا وہ اس کو جلد مانگتے تھے۔ اسی طرح نزول عذاب کے سلسلہ میں استہزاء و تکذیب کے طور پر جلدی کے طالب تھے۔ جیسا کہ ان پر عذاب اترا۔ اس بات کو کہہ دیا۔ اَتٰٓی اَمْرُ اللّٰہِ (اللہ تعالیٰ کا حکم آ پہنچا) یعنی وہ اسی طرح ہے گویا کہ واقع ہونے والا ہے (اگرچہ اس کا انتظار ہے) کیونکہ اس کا وقوع قریب ہے۔ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ (پس اس کے جلد آنے کی تمنا نہ کرو وہ پاک اور بلند و بالا ہے ان شریکوں سے جن کو وہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں) اللہ جل مجدہ شریکوں سے پاک ہے اور ان کے شریک بنانے سے مبرا ہے۔ نمبر۱۔ ما موصولہ ہے۔ نمبر۲۔ ما مصدریہ ہے۔ اتقال کے ساتھ اس کا اتصال اس طرح ہے کہ وہ استہزاء و تکذیب سے عذاب کو جلد طلب کرتے تھے یہ شرک ہے۔

وحی و نبوت اللہ کا عطیہ ہے:

۲: یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَۃَ (وہ فرشتوں کو اتارتا ہے) قراءت: مکی اور ابو عمرو نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ بِالرُّوْحِ (روح کے ساتھ) یعنی وحی کے ساتھ نمبر۲۔ قرآن کے ساتھ۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک دین میں اس طرح ہے جیسے جسم میں روح۔ نمبر۳۔ وہ جہالت سے مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے۔ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا (اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے کہ تم خبردار کر دو) اَنْ مفسرہ ہے کیونکہ فرشتوں کا وحی کے ساتھ اترنا اس میں قول کا معنی پایا جاتا ہے اور انذروا انہ لا الٰہ الا انا کا معنی یہ ہے اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا (کہ میرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں)۔ انذروا۔ یہ نذرت بکذا سے لیا گیا جبکہ تم اس کو جان لو۔ پس مطلب اس طرح ہوا اعلموا الناس قولی لا الٰہ الا انا تم لوگوں کو میری بات لا الٰہ الا انا بتلا دو۔ فَاتَّقُوْنِ (پس وہ مجھی سے ڈریں) قراءت: یعقوب نے یاء سے پڑھا ہے۔

۳: پھر وحدانیت اور معبود حقیقی ہونے پر ان چیزوں سے استدلال کیا جن پر اور کسی کو کوئی قدرت نہیں یعنی آسمان و زمین کی تخلیق و پیدائش چنانچہ فرمایا۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ (اس نے آسمانوں اور زمین کو حکمت سے پیدا کیا وہ بلند و برتر ہے ان کے شرک سے)

قراءت: حمزہ اور علی نے دونوں مقام پر تاء سے پڑھا ہے۔ اور انسان کی خلقت اور جو احوال اس سے پیش آتے ہیں ان کا ذکر اس ارشاد میں فرمایا۔

انسانی ناشکری:

۴: خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَۃٍ فَاِذَا ہُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ (اس نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا پھر وہ یکدم کھلم کھلا جھگڑنے لگا) یعنی اچانک وہ تیز زبان اور اپنے نفس کی طرف سے جھگڑنے والا اور اپنے جھگڑے میں مصروف کرنے والا اور اپنی دلیل کو خوب ظاہر کرنے والا ہو گیا۔ بعد اس کے کہ یہ ایک پانی کا قطرہ تھا جس میں حس تک نہ تھی۔ اور نہ ہی کوئی حرکت تھی۔ نمبر۲۔ اچانک یہ اپنے رب سے جھگڑنے والا نکلا۔ اپنے خالق کا منکر ہے اور یہ کہتا ہے مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَہِیَ رَمِیْمٌ [یٰسٓ:۷۸] اس میں انسان کی بے حیائی اور ناشکری نعمت میں اصرار کا ذکر ہے۔ اور مزید انعامات ذکر فرمائے کہ خالق نے انسان کیلئے چوپائے پیدا کئے جن میں سے بعض اس کی خوراک اور کچھ سواری، بار برداری اور دیگر بیسیوں قسم کی ضروریات میں کام آتے ہیں چنانچہ فرمایا

چرانے لے جاتے ہیں تو گھر کی فضا ان کے آنے جانے سے پر رونق ہو جاتی ہیں جس سے مویشیوں والے خوش ہوتے ہیں اور لوگوں کے ہاں ان کو ٹھاٹھ اور شان مرتبہ میسر آتا ہے۔

نکتہ: لوٹانے کو لے جانے پر مقدم اس لئے کیا کہ اس میں خوبصورتی ظاہر و نمایاں ہے جبکہ وہ پیٹ بھرے تھنوں میں جمع کئے پر سکون انداز میں ترتیب کے ساتھ لوٹ رہے ہوتے ہیں۔

۷: وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ (وہ تمہارے بوجھ اٹھاتے ہیں) اثقال کا معنی بوجھ ہے۔ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ (ایسے شہر کی طرف کہ جس میں تم بغیر تکلیف اٹھائے نہ پہنچ سکتے تھے)۔ قراءت: بِشِقِّ کی شین پر ابوجعفر نے فتحہ پڑھا ہے یہ دونوں لغات ہیں مراد کا معنی مشقت ہے بعض کہتے ہیں کہ شق مصدر ہے۔ شق الامر علیه شقا اور اس کی حقیقت بھی الشق کی طرف لوٹنے والی ہے جس کا معنی پھٹنا اور الگ ہونا ہے۔ باقی الشق کا معنی نصف آتا ہے۔ گویا مشقت کی وجہ سے اس کی نصف طاقت ختم ہوگئی۔ اب آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر اونٹوں کو پیدا نہ کیا جاتا تو تم اپنے آپ انتہائی تکلیف و مشقت کے ساتھ دوسری جگہ منتقل نہ ہو سکتے۔ بوجھ اٹھانا تو دور کی بات ہے کہ اس کو اپنی پشتوں پر لادتے۔ تقدیر کلام لم تکونوا بالغیه بها الا بشق الانفس تم جانی مشقت سے ان بوجھوں کو وہاں پہنچا سکتے۔

ایک قول یہ ہے کہ اثقال سے ابدان مراد ہیں۔ اسی سے جن و انس کو الثقلان کہا جاتا ہے۔ اور اس آیت میں بھی یہی معنی ہے۔ واخرجت الارض اثقالها [الزلزال:۲] یعنی اولاد آدم کو۔ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (بیشک تمہارا رب بڑا مہربان رحم کرنے والا ہے) کہ اس نے ان بوجھ اٹھانے والے جانوروں کو پیدا کر کے تم پر رحم فرمایا اور یہ معاملہ آسان کر دیے۔

گھوڑے خچر کا تذکرہ:

۸: وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً (اور گھوڑوں و خچروں اور گدھوں کو تمہاری سواری اور زینت کیلئے پیدا کیا)

نحو: الانعام پر عطف ہے۔ ای خلق هذه للركوب والزينة اور اس نے ان سواریوں کو اور زینت کو پیدا کیا۔

استدلال امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ:

امام صاحب نے اس آیت سے گھوڑے کے گوشت کی حرمت پر استدلال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی خلقت کی علت رکوب و زینت قرار دی اور کھانے کا ذکر نہیں کیا جیسا کہ انعام میں فرمایا گیا ہے۔ حالانکہ گوشت کا فائدہ تو سواری اس سے بڑھ کر ہے اور آیت کا سیاق ہی بیان نعمت کے لئے ہے اور حکیم کی حکمت اس بات کو گوارا نہیں کرتی کہ احسان کے موقع پر ادنیٰ نعمت کو ذکر کیا جائے اور بڑی نعمت کو چھوڑ دیا جائے۔

نحو: وزينة کا نصب مفعول ہونے کی وجہ سے ہے۔ یہ لترکبوها کے محل پر معطوف ہے۔ اب مخلوقات کی وہ اصناف جو ابھی علم میں نہیں آئیں ان کا ذکر فرمایا۔ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (اور وہ ایسی چیزیں پیدا فرماتے ہیں جنہیں تم نہیں جانتے ہو) اور جس ذات کی یہ صفات ہوں وہ اس سے بلند و بالا ہے کہ اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کیا جائے۔

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ۭ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۹

[illegible]

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ

[illegible]

تُسِيْمُوْنَ ۝۱۰ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَ

[illegible]

مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۱ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ

[illegible]

وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

[illegible]

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۱۲ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ۭ

[illegible]

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝۱۳ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ

[illegible]

لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى

[illegible]

الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۴

[illegible]

وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۱۵

[illegible]

وَعَلٰمٰتٍ ۭ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝۱۶

[illegible]

سیدھا راستہ اللہ تک پہنچتا ہے:

۹: وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ (اور سیدھا راستہ اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے) السبیل سے جنس مراد ہے اسی لئے فرمایا وَمِنْهَا جَآئِرٌ (اور ان میں بعض راستے ٹیڑھے ہیں) القصد یہ مصدر ہے جو فاعل کے معنی میں ہے۔ اسی القاصد جیسے کہتے ہیں سبیل قصد و قاصد یعنی سیدھا۔ گویا کہ وہ اسی جانب کا قصد کرتا ہے جس کا چلنے والا ارادہ کرتا ہے اور اس سے ہٹتا نہیں۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے اپنے اوپر اس راستہ کی راہنمائی لازم کر لی جو حق تک پہنچانے والا ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى (اللیل۔۱۲) یہ وجوب کیلئے نہیں ہے۔ اس سے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز لازم نہیں لیکن اللہ تعالیٰ محض اپنی مہربانی سے یہ کرتے ہیں۔ نمبر۲۔ اس کا معنی یہ بھی بیان کیا گیا کہ علی الی کے معنی میں ہے۔ زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کا معنی علی الله تبين الطريق الواضح المستقيم والدعاء اليه بالحجج ہے یعنی اللہ کے ذمہ واضح سیدھے راستے کو کھول کر بیان کرنا اور دلائل سے اس کی طرف بلانا ہے۔ و منها جائر کا مطلب کہ بعض راستے استقامت سے ہٹے ہوئے ہیں۔ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تمام کو ہدایت دے دیتے) اگر وہ ارادہ کرتے مہربانی والا۔ ہدایت تو توفیق سے دستیاب ہوتی ہے اور انعام ہدایت عام کے بعد میسر آتا ہے۔

پانی اور اس کے فوائد کی طرف اشارہ:

۱۰: هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ (وہ ایسی ذات ہے جس نے آسمان سے تمہارے لئے پانی اتارا جسے تم پیتے ہو)۔

نحو: لکم یہ انزل کے متعلق ہے۔ نمبر۲۔ شراب کی خبر ہے شراب بمعنی مشروب ہے۔

وَّمِنْهُ شَجَرٌ (اور اسی سے درخت ہیں) اسی پانی سے وہ درخت پیدا ہوتے ہیں جن کو مویشی چرتے ہیں۔ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ (جن میں تم اپنے مویشی چراتے ہو) یہ سَامَتِ الْمَاشِيَةُ سے بنا ہے جب مویشی چریں۔ جانور کو سائمہ و اسامها صاحبها اور اس کے مالک نے چرایا۔ یہ السومة مصدر ہے جو معنی علامت ہے زمین میں چرنے سے نشانات پڑ جاتے ہیں۔

۱۱: يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ (اللہ تعالیٰ تمہارے اس پانی سے کھیتی، زیتون اور کھجور و انگور اور ہر طرح کے پھل اگاتا ہے)

نکتہ: آیت میں من لانے سے مراد کل الثمرات نہیں کہا کیونکہ تمام پھل تو جنت میں میسر ہوں گے۔ دنیا میں یادداشت کیلئے بعض پھل اگا دیے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (بیشک اس میں البتہ نشانی ہے سوچ بچار کرنے والی قوم کیلئے) یعنی وہ اس نشانی کے ذریعہ اس پر اور اس کی قدرت و حکمت پر استدلال کرنے والے ہیں۔ الآیۃ سے دلالت واضحہ مراد ہے۔

أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ۗ أَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿١٧﴾ وَإِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۗ

سو کیا جو پیدا کرتا ہے وہ اس کی طرح ہو گا جو پیدا نہیں کرتا، پھر تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو شمار نہیں کر سکتے،

إِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٨﴾ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿١٩﴾ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ

بلاشبہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو۔ اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿٢٠﴾ أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ۚ وَمَا

غیروں کو پکارتے ہیں وہ کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کرتے اور وہ پیدا کیے ہوئے ہیں۔ بے جان ہیں، زندہ نہیں ہیں، اور انہیں

يَشْعُرُوْنَ ۙ أَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٢١﴾

خبر نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔

تمہیں لے کر جھک نہ جائے) اس ڈر سے کہ وہ تمہیں لیکر مائل ہو اور حرکت کرے۔ نمبر ۲۔ تاکہ وہ تمہیں لیکر جھک نہ جائے۔ لیکن حذف مضاف زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا وہ حرکت کرنے لگی ملائکہ نے کہا اس کی پشت پر تو کوئی ٹھہر نہ سکے گا۔ پس صبح ہوئی اس حال میں کہ پہاڑ گاڑ دیئے گئے۔ فرشتوں کو معلوم بھی نہ ہو سکا کہ پہاڑ کس چیز سے بنائے گئے۔ وَاَنْهٰرًا (اور نہریں) یہ جعل کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ القٰی میں جعل کا معنی پایا جاتا ہے۔ وَسُبُلًا (راستے) لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (تاکہ تم راہ پاؤ) اپنے مقاصد کی طرف۔ نمبر ۲۔ اپنے رب کی توحید کی طرف۔

ستاروں کی خاص راہنمائی:

۱۶: وَعَلٰمٰتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ (اور نشانیاں بنائیں اور ستاروں سے وہ راہنمائی حاصل کرتے ہیں) اور وہ راستوں کی نشانیاں ہیں۔ ہر وہ چیز جس سے راستہ پر چلنے والا راستہ پائے جیسا پہاڑ وغیرہ۔ النجم سے مراد جنس ہے۔ نمبر ۲۔ ثریا اور فرقد بنات نعش اور جدی وغیرہ مراد ہیں۔ بالنجم میں نجم کو مقدم کیا اور خطاب کی بجائے غائب کا صیغہ لائے اور ھم ضمیر درمیان میں داخل کر دی۔ گویا تقدیر عبارت یہ ہے بالنجم خصوصاً ھؤلاء خصوصاً یہتدون ستاروں سے خصوصاً اور خاص یہ لوگ راہ معلوم کرتے ہیں۔

سوال: ھم سے مراد کون ہیں؟

جواب: اس سے قریش مراد ہیں وہ اپنے راستوں کو معلوم کرنے کیلئے ستاروں کو استعمال کرتے اور ان سے متعلق ان کو معلومات ایسی تھیں جو دوسروں کو میسر نہ تھیں۔ گویا ان عظیم نعمت پر شکر لازم کیا گیا۔ اور عبرت کرنے کے لئے ضروری قرار دیا گیا کہ وہ اس کے ساتھ خاص کر دیئے گئے۔

خالق کے نمونہ ہائے قدرت اوروں کو تم دکھاؤ:

۱۷: اَفَمَنْ يَّخْلُقُ (کیا وہ جو پیدا کرتا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ۔ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ (اس کی طرح ہو جائے گا جو پیدا نہیں کرتا) یعنی اصنام، یہاں مَن لائے جو ذوی العقول کیلئے ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے خیالات کے مطابق ان کو عبادت روا بنا کر عبادت شروع کر رکھی تھی (معبود کی تمام صفات ان میں مانتے تھے) گویا اولو العلم کے قائم مقام قرار دیا۔

نمبر۲: مطلب یہ ہے کہ جو پیدا کرتا ہے ان کی طرح نہیں ہو سکتا۔ جو اولو العلم ہیں پیدا نہیں کر سکتے پھر جس کے پاس بالکل علم ہی نہ ہو وہ کیسے برابر ہو سکتا ہے؟ اس طرح نہیں فرمایا افمن لا یخلق کمن یخلق حالانکہ مقام کا تقاضا یہی ہے کیونکہ اس میں ان لوگوں کو الزام دیا گیا ہے جو بت پرست ہیں۔ انہوں نے ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشابہت دے کر عبادت روا قرار دے رکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انہوں نے غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ نام اور عبادت میں مثل قرار دیا تو گویا اللہ تعالیٰ کو مخلوقات کی جنس اور اس کے مشابہ مان لیا۔ اس ارشاد میں اسی بات کی تردید کی افمن یخلق کمن لا یخلق (کہ تمہارا مثل قرار دینا درست نہیں) یہ آیت خلق افعال میں معتزلہ کے خلاف دلیل ہے۔ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے) جبکہ اس بات کا غلط ہونا تم پر واضح کر دیا گیا۔

ان گنت انعامات:

۱۸: وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننے لگو تو گن نہ سکو) ان کی گنتی کا بھی ضبط نہیں کر سکتے۔ اور شمار تک تمہاری طاقت نہیں پہنچ سکتی ہے۔ چہ جائیکہ ان نعمتوں کے شکریہ کا پورا حق ادا کرو۔ اس کے بعد نعمتوں کا تذکرہ کرنے کے بعد یہ آیت لائے تاکہ متنبہ کر دیا جائے کہ اس کے پیچھے غیر محصور نعمتیں بھی ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں) وہ نعمت کے شکریہ کی ادائیگی میں تمہاری کوتاہی سے تجاوز فرماتے ہیں گے تمہاری کمی کی وجہ سے نعمت کو منقطع نہ کریں گے۔

۱۹: وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو تم چھپاتے اور جو تم ظاہر کرتے ہو) یعنی تمہارے اقوال و افعال کو سب دیکھتا ہے۔

جن کو لوگوں نے معبود بنا رکھا ہے وہ مخلوق ہیں اپنی زندگی کے بھی مالک نہیں:

۲۰: وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (اور وہ جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا وہ پکارتے ہیں) اور معبود جن کو وہ پکارتے ہیں۔

قراءت: عاصم کے علاوہ دوسروں نے تا سے پڑھا ہے۔ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ (وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں)

۲۱: اَمْوَاتٌ (وہ بے جان ہیں) مبتدا محذوف کی خبر ہے ھم اموات غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ (وہ زندہ نہیں اور ان کو شعور نہیں کہ کب ان کو اٹھایا جائے گا) اس میں ان سے الوہیت کے خصائص کی نفی ہے اس طرح کہ وہ خالق نہیں ہیں اور وہ ایسی زندگی نہیں

إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ

تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، سو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل منکر ہو رہے ہیں اور وہ

مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ إِنَّهٗ لَا يُحِبُّ

تکبر کرنے والے ہیں۔ یہ بات یقینی ہے کہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ بلاشبہ وہ تکبر کرنے والوں کو

الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا أَسَاطِيْرُ الْأَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾

پسند نہیں فرماتا۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا تو وہ کہتے ہیں کہ پہلے لوگوں کی لکھی ہوئی باتیں ہیں

لِيَحْمِلُوْٓا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ

تا کہ وہ قیامت کے دن اپنے بوجھ پورے پورے اٹھائیں اور ان لوگوں کے بوجھ بھی اٹھائیں جنہیں بغیر علم کے گمراہ

بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ أَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾

کرتے ہیں۔ خبردار! برا ہے وہ بوجھ جسے وہ اپنے اوپر لاد رہے ہیں۔

رکھے کہ جس پر موت وارد نہ ہو۔ اسی طرح وقت بعث کا ان کو علم نہیں۔ اور ان کے لئے مخلوق کی صفات ثابت کیں کہ نمبر ا۔ وہ مرنے والی مخلوق ہیں۔ نمبر ۲۔ بعث سے ناواقف ہیں۔ اور اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ فی الحقیقت معبود ہوتے تو وہ ہمیشہ زندہ رہتے موت کا شکار نہ ہوتے۔ یعنی موت کی آمد ان پر ہو ہی نہ سکتی۔ حالانکہ ان کا معاملہ اس کے الٹ ہے۔

یبعثون کی ضمیر داعین کی طرف لوٹتی ہے یعنی ان کو شعور نہیں کہ ان کے پجاری کب اٹھائے جائیں گے۔ اس میں مشرکین کو شرمندہ کیا گیا۔ کہ تمہارے معبودوں کو وقت بعث کا بھی علم نہیں پھر وہ اپنی عبادات پر عابدین کو کیا بدلہ دے سکیں گے۔ اس میں یہ بھی ثابت کر دیا کہ بعث بعد الموت بہر صورت ہے۔

معبودِ حقیقی ان کی مخفی حالت سے واقف ہے وہ کفار و متکبرین کو پسند نہیں کرتا:

۲۲: اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (تمہارا معبود ایک ہی ہے) گذشتہ آیات سے یہ بات ثابت ہوئی کہ توحید غیر اللہ کے لائق و مناسب ہی نہیں اور تمہارا معبود حقیقی ایک ہی ہے۔ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ (پس وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل انکاری ہیں) اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے۔ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ (وہ تکبر کرتے ہیں) عبادت سے اور اس کی وحدانیت کے اقرار سے۔

۲۳: لَا جَرَمَ (ضروری بات ہے) یقینا۔ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ (بیشک اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو وہ چھپاتے اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں) ان کی پوشیدہ اور ظاہری حالت کو۔ پس اسی کے مطابق ان کو بدلہ دیگا۔ یہ دھمکی ہے۔ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ

الْمُسْتَكْبِرِيْنَ (اس کو تکبر کرنے والے پسند نہیں) توحید سے تکبر کرنے والے یعنی مشرکین۔

۲۴: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ (جب ان سے کہا گیا) ان کفار کو۔ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (تمہارے رب نے کیا اتارا وہ کہتے ہیں پہلے لوگوں کی کہانیاں)۔

نحو: نمبر۱: ماذا یہ انزل کی وجہ سے منصوب ہے یعنی ای شئی انزل ربکم تمہارے رب نے کونسی چیز اتاری؟ نمبر۲: ابتداء کی وجہ سے مرفوع ہے۔ ای شئی انزله ربکم وہ کونسی چیز ہے جس کو تمہارے رب نے اتارا ہے؟ اساطیر یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ مفسرین کہتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کا مقولہ ہے جو مکہ کے راستوں پر بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے متعلق نفرت پھیلاتے جب حاجیوں کا کوئی وفد ان سے پوچھتا کہ رسول ﷺ پر کیا چیز اتاری گئی تو وہ کہتے ہیں اساطیر الاولین یعنی پہلے لوگوں کی کہانیاں اور ان کے باطل اقوال۔ اس کا واحد اسطورہ ہے۔ جب حجاج کی ملاقات مسلمانوں سے ہوتی تو وہ ان کو رسول ﷺ کی صداقت کی اطلاع دیتے اور بتلاتے کہ وہ نبی مبعوث ہیں یہی وہ لوگ تھے جو بھلی بات کہنے والے تھے۔

قرآن کو کہانیاں کہنے والے کل اپنے گناہ کا بوجھ اٹھائیں گے:

۲۵: لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ (نتیجہ اس کہنے کا یہ ہوگا کہ قیامت کے دن وہ اپنے گناہوں کا بھی پورا بوجھ اٹھائیں گے۔ اور ان لوگوں کا بار بھی جن کو گمراہ کرتے تھے) یہ بات انہوں نے لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے کہی۔ پس اپنی گمراہی کا پورا بوجھ انہوں نے اٹھایا۔ اور کچھ ان کا بوجھ بھی جو ان کے گمراہ کرنے سے گمراہ ہوئے۔ اور یہ بوجھ اضلال کا ہے کیونکہ ضال و مضل دونوں گناہ میں شریک ہیں۔

نحو: لیحملوا کا لام تعلیلیہ ہے۔

بِغَيْرِ عِلْمٍ (بغیر علم کے) نحو: یہ مفعول سے حال ہے یعنی یضلون من لا یعلم انهم ضلال وہ ایسے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں جن کو یہ معلوم نہیں کہ یہ گمراہ ہیں۔ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ (خبردار وہ بہت برا بوجھ اٹھانے والے ہیں)۔ نحو: ما محل رفع میں واقع ہے۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَأَتَى اللَّهُ بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ

واقعہ جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے مکر کیا سو خدا نے ان کی عمارت کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ پھر اوپر سے

السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ يَوْمَ

ان پر چھت آ پڑی۔ اور ان پر اس طرح عذاب آ گیا کہ انہیں خیال بھی نہ تھا۔ پھر وہ انہیں

الْقِيَامَةِ يُخْزِيهِمْ وَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تُشَاقُّونَ فِيهِمْ قَالَ الَّذِينَ

قیامت کے دن رسوا کرے گا اور فرمائے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک جن کے بارے میں تم جھگڑا کرتے تھے۔ جن کو علم دیا گیا

أُوتُوا الْعِلْمَ إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوءَ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٢٧﴾ الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ

وہ کہیں گے کہ بلاشبہ آج رسوائی اور برائی ہے کافروں پر۔ جن کی جانیں فرشتوں نے اس حال میں قبض کی تھیں

ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ فَأَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوءٍ بَلَى إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا

کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے۔ سو وہ لوگ صلح کا پیغام ڈالیں گے کہ ہم کوئی برا کام نہ کرتے تھے۔ ہاں بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے

كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٨﴾ فَادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٢٩﴾

جو کچھ تم کرتے تھے۔ سو جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ رہو گے۔ سو تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانہ ہے۔

پہلوں کی تدابیر ان پر الٹ دی گئیں:

۲۶: قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَأَتَى اللَّهُ بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ (ان سے پہلے لوگوں نے تدابیر کیں پس اللہ تعالیٰ نے ان کی بنیادوں کو جڑ سے گرا دیا) یعنی جڑوں کی جانب سے اور وہ ستون ہیں۔ درحقیقت یہ تمثیل ہے کہ انہوں نے منصوبہ بندی کی تاکہ رسولوں کے خلاف مکر و فریب کریں اللہ تعالیٰ نے انہی کے اپنے منصوبوں سے ان کو ہلاک کر دیا۔ جیسا کہ وہ لوگ جو عمارت بنائیں اور ستون بنا کر مضبوط کریں۔ مگر پھر ستونوں سے عمارت اکھڑ جائے اور چھت ان کے اوپر آ رہے۔ وہ اس کے نیچے دب کر ہلاک ہو جائیں۔

قول جمہور:

یہ ہے کہ اس سے مراد نمرود بن کنعان تھا جبکہ اس نے بابل میں ایک محل تعمیر کروایا۔ جس کی لمبائی پانچ ہزار گز تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ فرسخ تھی پھر اللہ تعالیٰ نے ہوا چلا کر اس عمارت کو اس پر اور اس کی قوم پر گرا دیا جس سے وہ ہلاک ہو گئے۔ فَأَتَى اللَّهُ کا مطلب

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوا خَيْرًا ۗ لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ

[illegible]

الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ ۚ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٠﴾ جَنَّاتُ عَدْنٍ

[illegible]

يَدْخُلُونَهَا تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ ۚ كَذَٰلِكَ يَجْزِي اللَّهُ

[illegible]

الْمُتَّقِينَ ﴿٣١﴾ الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ ۙ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا

[illegible]

الْجَنَّةَ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٣٢﴾

جنت میں داخل ہو جاؤ۔

متقین کا درست اقرار اور آخرت میں اچھا گھر:

۳۰: وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا (اور کہا جاتا ہے ان لوگوں کو جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا) اتقوا سے یہاں شرک سے بچنا مراد ہے۔ مَاذَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا خَيْرًا (تمہارے رب نے کیا اتارا وہ کہتے ہیں بڑی بہتر چیز نازل فرمائی) خیرا کو منصوب لائے۔ نمبر۱: جیسے أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ میں اس کو مرفوع قرار دیا گیا۔ کیونکہ تقدیر عبارت یہ ہے أنزل خيرا ہے۔ یعنی وہ جواب کو سوال کے مطابق لائے۔ اور وہاں تقدیر عبارت یہ ہے هو أساطير الأولين یہ جواب نہ تھا کیونکہ سوال سے اعراض کیا۔ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا (ان لوگوں کیلئے جنہوں نے نیکی کی اس دنیا میں) یعنی ایمان لائے اور اعمال صالحہ کرتے رہے۔ نمبر۲: انہوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا۔ حَسَنَةٌ (بھلائی ہے) مرفوع ہونے کی صورت میں یہ خیرا سے بدل ہے۔ یعنی ثواب اور امن اور غنیمت۔ یہ متقین کے قول کی حکایت ہے یعنی وہ کہتے ہیں خیرا۔ پہلے اس کا نام ذکر کر کے پھر جملہ سے اس کی حکایت کی۔ نمبر۲: یا یہ جملہ مستانفہ ہے جو کہنے والوں کیلئے بطور وعدہ ذکر کیا۔ اور ان کے قول کو بھی جملہ احسانات میں سے ذکر کیا۔ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ (اور البتہ آخرت والا گھر بہت بہتر ہے) ان کو آخرت میں جو ملے گا وہ اس سے بہت بہتر ہوگا جیسا دوسرے مقام پر فرمایا فاتاهم الله ثواب الدنيا وحسن ثواب الآخرة [آل عمران: ۱۴۸] وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ (البتہ متقین کا گھر بہت خوب ہے) دار متقین سے دار آخرت مراد ہے۔ مخصوص بالمدح کو اس لئے حذف کیا کیونکہ پہلے اس کا تذکرہ ہو چکا۔

۳۱: جَنَّاتُ عَدْنٍ (وہ ہمیشہ کے باغات ہیں) یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ نمبر۲: یہ مخصوص بالمدح ہے۔ يَدْخُلُونَهَا (وہ اس میں

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا

اور ان لوگوں نے خوب زور لگا کر اللہ کی قسم کھائی کہ جو شخص مر جاتا ہے اللہ اسے نہ اٹھائے گا، ہاں ضرور اٹھائے گا، یہ وعدہ ہے جسے اللہ نے اپنے ذمہ لازم کر لیا ہے

وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ

لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے تاکہ اللہ ان لوگوں کے لئے ان چیزوں کو بیان فرمائے جن کے بارے میں یہ لوگ اختلاف کرتے ہیں

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَا اَرَدْنٰهُ اَنْ

اور تاکہ کافر لوگ جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے ہم جس کسی چیز کو پیدا کرنا چاہیں اس کے بارے میں

نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾

ہمارا یہی کہنا ہوتا ہے کہ ہو جا سو وہ وجود میں آ جاتی ہے۔

ع ۱۱

ہر امت کو طاغوت کی عبادت سے روکا گیا:

۳۶: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ (اور تحقیق ہم نے ہر امت میں رسول کو بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو) کہ اس کو وحدہٗ لاشریک جانو۔ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (اور شیطان سے بچتے رہو) شیطان کی اطاعت سے پرہیز کرو۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ (ان میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی) اس لئے کہ انہوں نے ہدایت کو اختیار کیا۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ (اور ان میں سے بعض کیلئے گمراہی ثابت ہو گئی) گمراہی ان کے لئے لازم ہو گئی کیونکہ انہوں نے گمراہی کو اختیار کیا۔ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ (پس تم چل پھر کر زمین میں دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا) کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کیا اور ان کے علاقوں کو ان سے خالی کرا لیا۔ اس کے بعد قریش کے عناد کو تذکرہ فرمایا اور حضور ﷺ کی ان کے ایمان کے سلسلہ میں حرص کو ذکر کر کے بتلایا کہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن پر گمراہی ثابت ہو چکی پس فرمایا۔

اللہ کا گمراہ کردہ ہدایت نہیں پا سکتا:

۳۷: اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ (اگر ان کے راہ راست پر آنے کی آپ کو حرص ہو اور تمنا کرو تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت یاب نہیں کرتا جن کو گمراہ کرنا مقصود ہوتا ہے) قراءت: یا مفتوح اور دال مکسور یَہْدِیْ کوفی نے پڑھا ہے۔ باقی قراء یا کو مضموم اور دال مفتوح پڑھتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مَنْ یُّضِلُّ مبتدا اور لا یُہْدٰی اس کی خبر ہے۔ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ (اور ان کے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا) جو اللہ تعالیٰ کا حکم ان پر لاگو ہے اس سے ان کو بچائے اور اس کے اس عذاب کو ان سے دور کر سکے جو ان کے لئے تیار کیا گیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً

اور جن لوگوں نے مظلوم ہونے کے بعد اللہ کے واسطے ہجرت کی ہم انہیں دنیا میں ضرور بالضرور اچھا ٹھکانہ دیں گے

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور یہ بات یقینی ہے کہ آخرت کا ثواب بہت بڑا ہے کاش یہ لوگ جان لیتے۔ وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

کفار مانتے نہیں بلکہ باطل پر قسمیں کھاتے ہیں:

۳۸: وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ (انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نام کی پختہ قسمیں کھا کر کہا) اس کا عطف وقال الذین اشرکوا پر ہے۔ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ بَلٰى (اللہ تعالیٰ اس کو نہیں اٹھائے گا جو مر جائے۔ کیوں نہیں) یہ بلٰی کے بعد اثبات ہے یعنی کیوں نہیں وہ ان کو اٹھائے گا وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا (اس نے پختہ وعدہ کر لیا ہے) یہ مصدر مؤکد ہے جس پر بلٰی دلالت کر رہا ہے کیونکہ بعث بعد الموت اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے اور اس وعدے کا ایفاء برحق ہے۔ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے) کہ اس کا وعدہ سچا ہے یا کہ ان کو اٹھایا جائیگا۔

۳۹: لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (تا کہ ان کے سامنے واضح کر دے) یہ بھی اس کے متعلق ہے جس پر بلٰی دلالت کر رہا ہے ای یبعثھم لیبین لھم۔

نحو: ہم کی ضمیر من یموت کی طرف لوٹ رہی ہے جس میں مؤمن و کافر دونوں شامل ہیں۔ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ (اس بات کو جس کے متعلق وہ اختلاف کرتے تھے) کہ وہ برحق ہے وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ (اور تا کہ کافر جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے) اپنے اس قول لا یبعث اللہ من یموت میں کہ بعث بعد الموت نہیں ہے۔

قدرتِ عامہ:

۴۰: اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (ہم جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ہمارا اتنا کہنا کافی ہوتا ہے کہ ہو جا پس وہ فوراً ہو جاتی ہے) یعنی وہ ہو جاتی ہے ای فھو یکون۔ قراءت: شامی اور علی نے نصب سے پڑھا۔ اس طور پر کہ یہ کن کا جواب ہے قولنا مبتدا اور ان نقول اس کی خبر ہے۔ اور کن فیکون میں کان تامہ ہے جو کہ وجود اور حدوث کے معنی میں ہے۔ یعنی جب ہم کسی چیز کو وجود دینا چاہتے ہیں تو ہم اس کو اتنا کہتے ہیں کہ وجود میں آ۔ تو وہ بلا توقف وجود میں آ جاتی ہے۔ یہ درحقیقت سرعت ایجاد کی تعبیر ہے اور وضاحت ہے کہ کوئی مراد اس پر ممتنع نہیں اور نہ کسی مراد کا وجود بلا توقف ہوتا ہے جبکہ وہ اس کا ارادہ فرمالے۔ جس طرح آمر جب فرمانبردار مطیع کو کسی بات کا حکم دے تو وہ فوراً حکم بجا لاتا ہے (وہ یہ بات سمجھانے کیلئے ہے) اور یہاں حقیقتاً کوئی قول نہیں (پس جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتے ہیں تو وہ اسی وقت وجود میں آ جاتی ہے) اب مطلب یہ ہے کہ ہر مقدور کی ایجاد اللہ تعالیٰ کیلئے جب اتنی آسان ہے تو وہ بعث اس کیلئے کس طرح مشکل ہے جو کہ جملہ مقدورات میں سے ہے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ

کیا ان لوگوں نے ان چیزوں کو نہیں دیکھا جو اللہ نے پیدا فرمائی ہیں ان کے سائے داہنی طرف اور بائیں طرف کو اس طرح جھکتے

سُجَّدًا لِّلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ ﴿٤٨﴾ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِن

ہیں کہ وہ اللہ کے فرمانبردار ہیں اور وہ عاجز ہیں۔ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے چوپائے اور فرشتے یہ سب اللہ کے حکم کے

دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٤٩﴾ يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا

فرمانبردار ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ وہ اپنے رب کی شان کا ہیبت سے ڈرتے ہیں اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں

يُؤْمَرُونَ ﴿٥٠﴾ ۩

حکم دیا جاتا ہے

سجدہ

الظَّالِمِينَ سے مراد اہل مکہ ہیں۔ جو تدابیر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سلسلہ میں اختیار کیں۔ أَن يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ (کہ اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں دھنسا دے) جیسا کہ پہلے لوگوں کے ساتھ کیا۔ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ (یا ان پر عذاب ایسی طرف سے آجائے کہ ان کو گمان بھی نہ ہو) یعنی اچانک۔

۴۶: أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ (یا ان کو آتے جاتے پکڑ لے) سفر میں آتے جاتے۔ تجارت کے مقامات تک آتے جاتے۔ فَمَا هُم بِمُعْجِزِينَ (پس وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو ہرگز ہرا نہیں سکتے)

۴۷: أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ (یا ان کو گھٹاتے گھٹاتے پکڑ لے) ڈرانے کی حالت میں اور وہ اس طرح ہے کہ ان سے پہلے ایک جماعت کو ہلاک کر دیا جائے پس وہ خوف زدہ ہو جائیں پھر اچانک ان کو عذاب آ پکڑے اس حالت میں کہ ڈرائے ہوئے اور امید لگائے بیٹھے ہوں۔ یہ من حيث لا يشعرون کے برخلاف دوسری حالت ہے۔ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ (بیشک تمہارا رب نرمی والا مہربان ہے) اس طرح کہ وہ تم سے متعلق بردباری اختیار فرماتے ہیں۔ اور تمہارے اوپر عذاب آمیز ہونے کے باوجود وہ جلدی سزا نہیں دیتے۔ مطلب یہ ہے کہ جب وہ تمہاری استحقاق عذاب والی حرکات کے باوجود نہیں پکڑتا تو اس کی نرمی ہی تمہیں بچاتی ہے اور اس کی رحمت ہی تمہاری حفاظت کرتی ہے۔

ہر چیز خالق کائنات کے سامنے عاجز ہے:

۴۸: أَوَلَمْ يَرَوْا (کیا انہوں نے نہیں دیکھا) قراءت: حمزہ، علی نے تاء سے پڑھا ہے۔ إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ (ان چیزوں کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیں) ما موصولہ ہے اور یہ مبہم ہے اس کی وضاحت من شیء سے فرمائی۔ مِن شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ (جن کے سائے جھکتے ہیں) یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے ہیں۔

قراءت بصری نے یتفیّؤا کو تاء سے پڑھا ہے۔ عَنِ الْيَمِيْنِ (دائیں سے) دائیں طرف سے۔ وَالشَّمَآئِلِ (بائیں سے)
شمائل جمع شمال کی ہے سُجَّدًا لِّلّٰهِ (اس حال میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہے)۔ یہ ظلال سے حال ہے حضرت مجاہد رحمہ اللہ
کہتے ہیں جب سورج زوال پذیر ہوتا ہے تو ہر چیز اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے۔ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ (اس حال میں کہ وہ عاجزی کرنے
والے ہیں) یعنی عاجز و بے بس یہ ظلال کی ضمیر سے حال ہے کیونکہ وہ جمع کے معنی میں ہے۔ وہ اس سے ہر وہ چیز جس کو پیدا کیا اور
اس کا سایہ ہے وہ مراد ہے جمع واؤ نون سے آرہی ہے کیونکہ دخور یہ عقلاء کی صفات میں سے ہے۔ نمبر۲۔ ان میں شامل تو تمام ہیں
مگر عقلاء کو غلبہ دیا۔ معنی اس طرح ہوگا کیا وہ اللہ تعالیٰ کی اس مخلوق کو نہیں دیکھتے جن کے ایسے اجسام ہیں جو سایہ رکھتے ہیں اور وہ
سایہ دائیں سے بائیں ڈھلتا رہتا ہے۔ یعنی سایہ دائیں سے بائیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی حالت میں لوٹتا ہے۔ جس خاطر اس کو
بنایا اس سے رکتا اور باز نہیں رہتا یعنی سایہ دینا اور اجسام بھی ذاتی طور پر اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنیوالے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے
افعال جو ان میں پیدا کئے ان میں اطاعت کرنے والے ہیں۔

آسمان و زمین کی مخلوقات اطاعت سے سر نہیں اٹھاتیں:

۴۹: وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ (اور اللہ تعالیٰ ہی کی مطیع ہیں۔ جتنی چیزیں آسمانوں میں ہیں
اور جو چیزیں چلنے والی ہیں زمین میں) من دابة یہ ما فی السموات وما فی الارض تمام کا بیان ہے۔ کہ آسمانوں میں بھی
ایسی مخلوق ہے جو اس میں چلتی ہے۔ جیسا کہ زمین میں انسان چلتے ہیں۔ نمبر۲۔ یہ ما فی الارض کا صرف بیان ہے۔ اور ما
فی السموات سے آسمانوں کے ملائکہ مراد ہیں اور وَالْمَلٰٓئِكَةُ (اور فرشتے) ملائکہ سے حفظہ مراد ہیں۔ نمبر۲۔ سجود مکلفین
سے مراد ان کی اطاعت و عبادت مراد ہے اور دوسروں کے سجدہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے ارادہ کی اطاعت ہے۔ اور الانقیاد کا لفظ
دونوں کو شامل ہے۔ اسی لئے دونوں کیلئے ایک ہی تعبیر لائی گئی۔ ما لایا گیا جو کہ عقلاء وغیرہ سب کو شامل ہے اگر مَن لاتے تو صرف
عقلاء ہی شمار ہوتے۔ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (اور وہ تکبر نہیں کرتے)۔
۵۰. يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ (وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں)۔ یہ لا یستکبرون کی ضمیر سے حال ہے یعنی وہ تکبر نہیں کرتے اس حال
میں کہ وہ ڈرتے ہوتے ہیں۔ مِّنْ فَوْقِهِمْ (اپنے اوپر سے) نمبر۱۔ اگر اس کو یخافون کے متعلق کرو تو اس کا معنی یہ ہوگا۔ وہ
ڈرتے ہیں کہ کہیں وہ ان پر اوپر سے عذاب نہ اتارے۔ نمبر۲۔ اور اگر ربھم سے حال ہو تو اس کا معنی وہ اپنے رب سے ڈرتے
ہیں اس حال میں کہ وہ ان پر غالب و زبردست ہے۔ جیسا کہ اس ارشاد وهو القاهر فوق عباده [الانعام: ۱۸] میں ہے
وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (اور وہ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ملتا ہے)
نکتہ: اس میں واضح دلیل ہے کہ ملائکہ مکلف ہیں اور امر و نہی کے مصداق اور خوف و رجاء کے درمیان ہیں۔

سب نعمتیں اسی سے جس کو دن میں پکارتے ہیں تو عبادت کا بھی وہی حقدار ہے:

۵۲: وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا (اور اسی کی ملکیت ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور اسی کی اطاعت ہمیشہ اور لازمی ہے) الدین یہاں طاعت کے معنی میں ہے۔ واصبا ثابت و واجب کے معنی میں ہے کیونکہ ہر نعمت اسی ہی کی طرف سے ہے۔ اس کی اطاعت ہر قوم یا فرد پر لازم ہے۔

نحو: واصبًا۔ حال ہے اس میں ظرف نے عمل کیا ہے۔ تقدیر۔ وله الجزاء دائمًا۔ الجزاء سے ثواب و عقاب مراد ہیں۔
اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ (کیا پھر بھی اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں سے تم ڈرتے ہو)

۵۳: وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ (اور تم کو جو نعمت بھی حاصل ہے) یعنی جو چیز بھی تمہارے ساتھ لگی ہے خواہ عافیت کی صورت میں متصل ہے۔ اسی طرح غناء و خوشحالی ہے۔ فَمِنَ اللّٰهِ (پس وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے) ای فهو من الله وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ (پھر جب تمہیں کوئی تکلیف آلگتی ہے) الضر سے مرض و فقر وغیرہ مراد ہے۔ فَاِلَيْهِ تَجْئَرُوْنَ (پس اسی ہی کی طرف تم رجوع کرتے ہو) تو اسی کی طرف گڑگڑاتے ہو۔ الجؤار کے معنی دعا و استغاثہ میں آواز بلند کرنا ہیں۔

۵۴: ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ (پھر جب وہ مصیبت کو تم سے دور کرتا ہے تو ایک فریق تم میں سے اپنے رب کے ساتھ شریک ٹھہرانے لگتا ہے) منکم میں خطاب اگر عام ہو تو اس سے کافر فریق مراد ہے۔ اگر خطاب مشرکین کو ہو تو منکم میں من بیانیہ ہوگا تبعیضیہ نہ ہوگا۔ گویا اس طرح فرمایا: فاذا فریق کافر وهم انتم کہ اس وقت ایک کافر گروہ اور وہ تم ہو۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ ان میں عبرت حاصل کرنے والے لوگ بھی ہوں۔ جیسا کہ اس آیت میں فرمایا فلما نجاهم الی البر فمنهم مقتصد [لقمان:۳۲]

۵۵: لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ (جس کا حاصل یہ ہے کہ جو نعمتیں ہم نے ان کو دی ہیں ان کی ناشکری کرتے ہیں) ان سے عذاب ہٹا لینے والی نعمت کی۔ گویا کہ انہوں نے شرک کا مقصد کفرانِ نعمت بنا رکھا ہے۔ پھر ان کو ڈرایا اور فرمایا فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (پس تم فائدہ اٹھالو۔ عنقریب تم جان لو گے) یہاں بھی غیبت سے خطاب کی طرف رجوع کیا تا کہ ان کو دھمکایا جائے۔

ہے کہ "ما" واؤ تنزیہ کی وجہ سے مرفوع مانا جائے۔ اور لھم کو خبر قرار دیں۔ اور اگر منصوب مانیں تو البنات پر عطف ہوگا اور سبحانہ جملہ معترضہ ہوگا۔ جو معطوف اور معطوف علیہ کے مابین واقع ہے ای وجعلوا لانفسھم ما یشتھون من الذکور اور انہوں نے اپنے نفوس کیلئے وہ چیز تجویز کی جو ان کو پسند ہے۔ یعنی بیٹے۔

۵۸: وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا (اور جب ان میں کسی کو لڑکی ہونے کی خبر دی جاتی ہے تو سارا دن اس کا چہرہ بے رونق رہتا ہے) صار، ظل، امسٰی، اصبح، بات یہ صیرورت کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں کیونکہ اکثر وضع حمل کا اتفاق رات کو ہوتا ہے۔ پس وہ دن غم کے مارے گزارتا ہے۔ کہ اس کے چہرے پر اکتاہٹ کی سیاہی چھائی ہوتی ہے اور لوگوں سے حیا کرتے دن گزارتا ہے۔ وَّهُوَ كَظِيْمٌ (وہ دل ہی دل میں گھٹا رہتا ہے) عورت پر غیظ و غضب سے بھرا ہوتا ہے۔

۵۹: يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ (وہ چھپا پھرتا ہے۔ اس چیز سے جس کی اس کو اطلاع دی جاتی ہے) بری بشارت سے وہ لوگوں میں چھپا پھرتا ہے۔ ان کے عار دلانے کی وجہ سے۔ وہ اپنے نفس میں کہتا اور دیکھتا ہے۔ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ (اس ذلت کی حالت میں روکے رکھے) ذلت و رسوائی کے ساتھ اس کو روکے جس کی اسے بشارت دی گئی ہے۔ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ (یا اس کو زندہ مٹی میں) یا اس کو زندہ درگور کر دے۔ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (خبردار وہ بہت بری تجویز کرتے ہیں) جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کیلئے ایسی اولاد تجویز کرتے ہیں جس کا مرتبہ ان کے ہاں یہ ہے اور اپنے لئے وہ اولاد تجویز کرتے ہیں جو اس کے برعکس ہے۔

کافروں کا برا حال، اللہ اعلیٰ شان والے زبردست ہیں:

۶۰: لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ (جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کی بری حالت ہے) مذکر اولاد کی ضرورت، بنات سے نفرت اور بھوک کے ڈر سے زندہ درگور کرنا۔ یہ سب مثل السوء کی صفت ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى (اور اللہ تعالیٰ کی شان سب سے بلند ہے) اور وہ والد و اولاد سے بے نیاز ہے۔ اور مخلوق والی تمام صفات سے پاک ہے۔ وَهُوَ الْعَزِيْزُ (اور وہ زبردست ہے) اپنے ارادوں کو نافذ کرنے میں غالب ہے۔ الْحَكِيْمُ (وہ حکمت والا ہے) بندوں کو مہلت دیتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دابہ سے مراد مشرک ہے جو چلتا ہے زمین پر۔ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى (لیکن ان کو ایک وقت مقررہ تک مہلت دے رہا ہے) یعنی ہر ایک کا وقت مقرر ہے۔ نمبر۲۔ ایک ایسے وقت تک جس کا حکمت تقاضا کرتی ہے۔ نمبر۳۔ قیامت تک۔ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (جب ان کا وقت معین پہنچے گا اس وقت وہ ساعت بھر نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے)

۶۲: وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ (اور وہ اللہ تعالیٰ کیلئے تجویز کرتے ہیں وہ باتیں جو اپنے لئے وہ ناپسند کرتے ہیں) وہ بیٹیاں جن کو وہ اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں اور اپنی ریاست میں شراکت کو ناپسند کرتے ہیں اور رسولوں کی توہین اور وہ اللہ تعالیٰ کیلئے حقیر اموال اور اپنے اصنام کیلئے اعلیٰ قسم کے اموال کو پسند کرتے ہیں۔ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ (اور ان کی زبانیں جھوٹے دعوے کرتی ہیں) اس کے ساتھ یعنی وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى (کہ ان کے لئے ہر قسم کی بھلائی ہے) اللہ تعالیٰ کے ہاں۔ اور وہ جنت ہے اگر بعث بعد الموت برحق ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے۔ ولئن رجعت الی ربی ان لی عندہ للحسنی [فصلت:۵۰]

نحو: ان لہم الحسنی یہ الکذب سے بدل ہے۔ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ (یقیناً ان کے لئے آگ ہے اور بیشک وہ اس میں سب سے پہلے داخل ہونے والے ہیں)

قراءت: نافع نے مفرِطون اور ابوجعفر مفرّطون پڑھا۔ اگر فتحہ راء سے ہو تو معنی یہ ہے کہ ان کو آگ کی طرف آگے بڑھایا جائے گا اور جلد بھیجا جائے گا۔ یہ افرطت فلانا و فرطتہ فی طلب الماء سے لیا گیا ہے جبکہ اس کو آگے بھیجا جائے۔ نمبر۲۔ ان کو چھوڑ دیا اور بھلا دیا جائے گا۔ یہ افرطت فلانا خلفی سے لیا گیا ہے۔ جب پیچھے چھوڑ دے اور بھلا دیا جائے۔ نمبر۳۔ اور جب کسرہ ہو تو مخفف ہے۔ الافراط فی المعاصی سے لیا جائیگا۔ اور مشدد ہونے کی صورت میں التفریط فی الطاعات سے لیا ہوئے کا یعنی کمی کرنا۔

امتوں کی طرف رسول آئے مگر لوگ شیطان کے پیچھے چلے:

۶۳: تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ (اللہ کی قسم ہم نے آپ سے پہلی امتوں کی طرف رسول بھیجے) یعنی ہم نے آپ سے پہلی امتوں کی طرف رسول بھیجے۔ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ (شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال کو مزین کیا) اعمال سے مراد کفر اور تکذیب رسل ہے۔ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ (وہی آج ان کا دوست ہے) نمبر۱: ناصحی اور دھوکے کے ساتھ ان کے گمراہ کرنے کا ذمہ دار ہے۔ نمبر۲۔ ضمیر کا مرجع مشرکین قریش ہیں یعنی ان کفار کیلئے جو ان سے پہلے ہوئے شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال کو مزین کیا وہی شیطان آج ان کا دوست بنا ہوا ہے۔ نمبر۳۔ مضاف محذوف ہے۔ ای فہو ولی امثالہم الیوم یعنی وہی ان جیسوں کا آج دوست ہے۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے) قیامت کے دن۔

قرآن کو رحمت بنا کر ہم نے اتارا:

۶۴: وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ (اور ہم نے یہ کتاب آپ پر اسی لئے اتاری ہے) الکتاب سے قرآن مجید مراد ہے۔ اِلَّا لِتُبَيِّنَ

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا

اور بلاشبہ تمہارے لئے چوپایوں میں بھی عبرت ہے ہم تم کو پلاتے ہیں اس چیز میں سے جو ان کے پیٹوں میں ہے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ جو

سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ

پینے والوں کے حلق میں آسانی سے اترنے والا ہے۔ اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے جس سے تم نشہ والی چیز اور عمدہ کھانے کی

رِزْقًا حَسَنًا ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ

چیزیں بناتے ہو بے شک اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں۔ اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈالی کہ تو پہاڑوں میں

مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِىْ

گھر بنا لے اور درختوں میں اور ان عمارتوں میں جو لوگ بناتے ہیں۔ پھر ہر قسم کے پھلوں میں سے کھا پھر اپنے رب کے راستوں میں

سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ۭ

چل جو آسان کر دیئے گئے ہیں۔ اس کے پیٹ سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے رنگ مختلف ہیں اس میں لوگوں کے لئے شفا ہے

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ڐ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ

بلاشبہ اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور کرتے ہیں۔ اور اللہ نے تمہیں پیدا فرمایا پھر تمہیں موت دیتا ہے اور تم میں سے بعض وہ ہیں جو

اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَىْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۷۰﴾

عمر کے نکمے حصہ تک پہنچا دیئے جاتے ہیں تاکہ علم کے بعد کچھ بھی نہ جانیں۔ بلاشبہ اللہ جاننے والا ہے قدرت والا ہے۔

لَهُمْ (تاکہ آپ ان کے سامنے ظاہر کر دیں) لھم سے لوگ مراد ہیں۔ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ (جن امور میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں) وہ اختلاف دوبارہ اٹھنے پر ہے کیونکہ ان میں کچھ لوگ وہ تھے جو اس پر بھی دوبارہ اٹھنے پر ایمان لاتے تھے۔ وَهُدًى وَّرَحْمَةً (اور ہدایت و رحمت ہے)۔

نحو: یہ دونوں لِتُبَیِّنَ کے محل پر معطوف ہیں اور ان دونوں کا نصب مفعولیت کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ دونوں اس ذات کے فعل ہیں جس نے کتاب کو نازل کیا اور تبیین کو لام کے ساتھ لایا گیا کیونکہ یہ مخاطب کا فعل ہے منزل کا فعل نہیں۔ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (ایمان والوں کیلئے)۔

۶۵: وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس کے ذریعہ زمین کو اس کے بنجر ہونے کے بعد زندہ کیا۔ بیشک اس میں سننے والے لوگوں کیلئے نشانی ہے) سننے سے مراد انصاف سے سننا ہے۔ اور غور و تدبر والا سننا ہے۔ کیونکہ جو دل کی توجہ سے نہیں سنتا گویا وہ سنتا ہی نہیں۔

قریشیوں میں نمونہ عبرت:

٦٦: وَاِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ (اور تمہارے لیے مویشیوں میں عبرت ہے۔ ہم تمہیں پلاتے ہیں اس چیز سے جو ان کے پیٹ میں ہے) قراءت: نافع، شامی اور ابوبکر نے نون کے فتحہ کے ساتھ نَسْقِیْكُمْ پڑھا ہے۔ زجاج نے کہا سقیتہ واسقیتہ کا معنی ایک ہے۔ سیبویہ نے کہا انعام اسمائے مفردہ میں سے ہے۔ جو وزن افعال پر وارد ہوتے ہیں۔ اسی لئے ضمیر ان کی طرف مفرد لائی گئی۔ گویا یہ جمع تکسیر ہے۔ اور فی بطونها جو سورۃ المؤمنون ۲۱ میں ہے ضمیر کی تانیث اس لئے ہے کہ اس میں معنی جمع کا ہے اور یہ جملہ مستانفہ ہے گویا اس طرح کہا عبرت کس طرح حاصل ہوئی تو جواب دیا۔

دودھ کی خصوصی نعمت:

مِنْ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا (گوبر اور خون کے درمیان میں سے صاف دودھ) یعنی اللہ تعالیٰ دودھ کو گوبر اور خون کے درمیان سے پیدا کرتا ہے۔ ان کے درمیان ایک ایسا پردہ ڈال رکھا ہے کہ رنگت، ذائقہ، بو ایک دوسرے کے ساتھ نہیں ملتی۔ بلکہ وہ ان تمام سے بچا ہوا ہوتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جب جانور کھاتا ہے تو وہ اس کی اوجھڑی میں داخل ہوتا ہے وہ اس کو پکاتی ہے تو نچلا حصہ گوبر، درمیان والا دودھ اور بالائی حصہ خون اور جگر کا کام ان تینوں اقسام کو الگ الگ کرنا ہے۔ خون رگوں میں بہایا جاتا ہے اور دودھ تھنوں کی طرف بہایا جاتا ہے۔ اور گوبر اوجھڑی میں برقرار رہتا ہے۔ پس اس میں عبرت دیکھنے والوں کیلئے نشانہائے عبرت ہیں۔
شقیق بلخی رحمہ اللہ سے کسی نے اخلاص کا معنی دریافت کیا تو فرمایا عمل کو عیوب سے الگ رکھنا اسی طرح ہے جیسا دودھ گوبر و خون سے ممتاز رہتا ہے۔ سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ (خوشگوار ہے پینے والوں کیلئے) حلق سے جلد گزر جاتا ہے کہا جاتا ہے کہ دودھ سے کسی کو اچھو نہیں آیا۔

نحو: پہلا مِن تبعیضیہ ہے کیونکہ دودھ جانوروں کے پیٹ میں ہے۔ دودھ اس کا بعض حصہ ہے اور دوسرا مِن ابتدائے غایت کیلئے ہے۔

احسان و عتاب کو جمع کیا:

٦٧: وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَالْاَعْنَابِ (اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے) یہ محذوف کے متعلق ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے ونسقیکم من ثمرات النخیل والاعناب یعنی من عصیرها کو نسقیکم جو اس سے قبل موجود ہے اس کی دلالت کی وجہ سے حذف کر دیا۔ مطلب یہ ہے (کھجور اور انگور کے عصیر سے ہم تمہیں پلاتے ہیں) تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا (تم اس سے نشہ کی چیز بناتے ہو) اس میں پلانے کی حقیقت بیان کی۔ نمبر۲۔ تتخذون اور منہ میں تکرار ظرف تاکید کیلئے کیا گیا اور منہ کی ضمیر مضاف محذوف کی طرف راجع ہے اور وہ مضاف عصیر ہے۔ السکر شرب کے معنی میں ہے۔ یہاں مصدر بول کر نام مراد لیا ہے۔ کہتے ہیں سکر و سکرا جیسے رشد و رشدا پھر اس کی دو صورتیں ہیں۔ نمبر۱۔ کہ یہ آیت تحریم خمر سے پہلے کی ہے۔ اس صورت میں یہ منسوخ ہے۔
نمبر۲۔ اس آیت میں احسان و عتاب دونوں کو جمع کیا گیا اور یہ کہا گیا ہے کہ السکر نبیذ ہے۔ نبیذ کی تعریف یہ ہے کہ انگور کشمش، کھجور کو پکایا جائے تیسرا حصہ باقی رہ جائے پھر گاڑھا ہونے تک چھوڑ دیا جائے۔ یہ امام ابوحنیفہ و ابو یوسف رحمہما اللہ کے

فرمایا اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے۔ اس کو اور پلاؤ۔ پھر اس نے دوبارہ پلایا تو وہ ٹھیک ہو گیا۔ [بخاری] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شہد ہر بیماری کی شفاء اور قرآن سینوں کی تمام بیماریوں کیلئے شفاء ہے۔ پس تم دونوں شفاؤں کو لازم پکڑو۔ نمبر۱۔ قرآن کو نمبر۲۔ شہد کو۔ بدعت ولطفی عنہم ما علیہم نحل سے علی اور ان کی قوم مراد ہے۔

نکتہ: اور بعض نے کہا ایک شخص نے مہدی عباسی کے سامنے کہا انما النحل بنو ھاشم یخرج من بطونھم العلم تو دوسرے آدمی نے اس کو جواب کہا پھر تو اللہ تعالیٰ نے تمہارا طعام وشراب اس میں مقرر کر دیا جو ان کے پیٹوں سے برآمد ہوتا ہے۔ اس پر مہدی ہنس پڑا۔ اور منصور کو یہ بات بیان کی تو انہوں نے اس کو ایک دلچسپ چیز ان کے طور پر بیان کرنا شروع کر دیا۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ (بیشک اس میں البتہ نشانی ہے سوچ و بچار کرنے والے لوگوں کیلئے) جو اس کے عجیب پہلو میں غور کرتے ہیں۔ پس ان کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے مکھی کو علم وفطانت سے نوازا ہے جیسا کہ اس کو عقل دی ہے۔

عمر کا رذیل حصہ:

۷۰: وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰکُمْ (اور اللہ تعالیٰ ہی نے تمہیں پیدا کیا پھر وہ تمہیں وفات دیں گے) تمہاری ارواح کو ابدان سے قبض کرنے کے بعد وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰٓی اَرْذَلِ الْعُمُرِ (اور بعض تم میں سے لوٹائے جاتے ہیں رذیل ترین عمر کی طرف) خسیس اور حقیر ترین عمر کی طرف اور وہ پچھتر سال کی ہے۔ نمبر۲۔ اسی سال کی ہے۔ نمبر۳۔ نوے سال کی ہے۔ لِکَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْئًا (جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک چیز سے باخبر ہونے کے بعد بے خبر ہو جاتا ہے) جس کا نتیجہ علم کا بھول جانا ہے۔ نمبر۲۔ تاکہ اپنے علم سے زیادہ علم کو نہ جانے۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ (بیشک اللہ علم والے ہیں) وہ اعمال کو رذیل میں تبدیلی کا فیصلہ فرماتے ہیں۔ نمبر۲۔ احیاء سے افناء کی طرف فیصلہ کرتے ہیں۔ قَدِیْرٌ (وہ قدرت والے ہیں) وہ اشیاء کو جس طرح جن اشیاء سے بدلنا چاہتے ہیں بدل ڈالتے ہیں۔

نحو : یہ جملہ اسمیہ ہے۔ جو جملہ فعلیہ کی جگہ موضع نصب میں آیا ہے۔ کیونکہ یہ فاء کے ساتھ نفی کا جواب ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے لما الذین فضلوا برآدی رزقهم علی ملکت ایمانهم فیستووا مع عبیدهم فی الرزق ۔ درحقیقت یہ ایک مثال ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کیلئے بیان کیا جنہوں نے شریک بنائے۔ پس فرمایا تم اپنے اور اپنے غلاموں کے درمیان ان چیزوں میں برابری کرنے کیلئے تیار نہیں جو میں نے تمہیں عنایت کی ہیں۔ تم غلاموں کو ان میں حصہ دار بناتے ہو۔ اور نہ یہ بات اپنے نفوس کیلئے گوارا کرتے ہو۔ پھر تم نے میرے لئے میرے بندوں کو کیسے شریک بنا کر کھڑا کر دیا؟ (جبکہ وہ نعمتیں میری ہی ہیں جو میں نے تم پر کی ہیں) أَفَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ (کیا وہ انعام الٰہیہ کا انکار کرتے ہیں)

قراءت : ابوبکر نے تجحدون پڑھا۔ اس کو انہوں نے فعل خطاب سے قرار دیا ہے۔

ازواج اور عظیم نعمت :

۷۲ : وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا (اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہارے نفوں میں سے تمہاری بیویاں بنائیں) انفسکم سے مراد جنس ہے۔ وَّجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَةً (اور اس نے بنایا تمہارے لئے تمہاری بیویوں میں سے بیٹے اور پوتے) حفدہ جمع حافد کی ہے۔ اس کو کہا جاتا ہے جو اطاعت میں جلدی کرے اور خدمت میں چابکدستی اختیار کرے۔ اسی سے یہ قول قنوت والا ہے۔ والیك نسعی و نحفد یعنی ہم دوڑتے اور اطاعت میں جلدی کرتے ہیں۔ پھر اس میں اختلاف ہے بعض نے کہا یہ بیٹوں کی اولاد کو کہتے ہیں دوسرا قول یہ ہے کہ اولاد ہی اولاد ہے مطلب آیت کا یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے خدمت گار بنائے یعنی خادم بنائے جو تمہاری ضرورتوں میں تمہارے معاون اور مددگار ہیں۔ وَّرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ (اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا) یعنی ان میں سے بعض سے۔ کیونکہ تمام طیبات تو جنت میں ہونگے۔ اور دنیا کے طیبات تو اس کا نمونہ ہیں۔ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ (کیا وہ بے بنیاد بات کو مانتے رہیں گے) اس باطل بات سے مراد بتوں کا نافع اور شفیع قرار دینا ہے۔ وَبِنِعْمَتِ اللَّهِ (اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا) نعمت سے یہاں اسلام مراد ہے۔ هُمْ يَكْفُرُونَ (وہ انکار و ناشکری کرتے ہیں) نمبر ۱۔ الباطل سے شیطان مراد ہے۔ اور نعمت سے مراد محمد ﷺ ہیں۔ نمبر ۲۔ الباطل سے مراد شیطان کی تعلیم کردہ بحیرہ، سائبہ وغیرہ والی تحریمات اور نعمت اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ اشیاء ہیں۔

۷۳ : وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِنَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ شَيْئًا (اور وہ عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی جو ان کو نہ آسمانوں سے اور نہ زمین میں سے ذرہ بھر رزق پہنچانے کی طاقت و اختیار رکھتے ہیں) یعنی بت وہ جماد ہیں۔ وہ ذرہ بھر رزق کے مالک نہیں۔ الرزق مصدری معنی اور ما یرزق (جو چیز دی جائے) میں استعمال ہوتا ہے۔

نحو : اگر مصدری معنی ہو تو شیئًا منصوب ہے۔ ای لا یملك ان یرزق شیئًا وہ مالک نہیں کہ وہ رزق دیں ذرہ بھر۔ نمبر ۲۔ اور اگر مرزوق مراد ہو تو شیئًا بدل ہے۔ ای ورزقا قلیلا کہ وہ معمولی سا رزق بھی دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ نمبر ۳۔ من السمٰوٰت والارض یہ رزق کا صلہ ہے جبکہ وہ مصدر ہو۔ تقدیر عبارت یہ ہے لا یرزق مِنَ السَّمٰوٰتِ مَطَرًا وَّلَا مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا۔ وہ آسمان سے نہ بارش دے سکتے ہیں اور نہ زمین سے نبات اگا سکتے ہیں۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا

اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی، ایک غلام ہے مملوک ہے جو کسی چیز پر قادر نہیں اور ایک وہ شخص ہے جسے ہم نے اپنے پاس سے اچھا رزق

حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ

عطا کیا سو وہ اس میں سے پوشیدہ طور پر اور ظاہری طور پر خرچ کرتا ہے کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں سب تعریف اللہ کے لئے ہے بلکہ ان میں سے اکثر لوگ

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ

نہیں جانتے۔ اور اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی دو آدمیوں کے بارے میں جن میں سے ایک گونگا ہے وہ کسی چیز پر قادر نہیں

وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ

اور اپنے والی پر بوجھ ہے وہ اسے جہاں بھی بھیجے کوئی خیر لے کر نہیں آتا، کیا یہ شخص اور ایسا شخص برابر ہو سکتے ہیں جو

يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾

انصاف کا حکم دیتا ہے اور وہ سیدھے راستہ پر ہے

نمبر۲۔ اور اگر مرزوق کا معنی ہو تو پھر یہ صفت ہے۔

وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ (اور نہ اس کی طاقت رکھتے ہیں) اس کی ضمیر آلہۃ کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ وہ آلہہ کے معنی میں ہے جمع لایا گیا کیونکہ اس سے پہلے لا یملک فرمایا۔ اور مطلب یہ ہے کہ وہ رزق کے مالک نہیں اور نہ ان کے لئے مالک بننے کا امکان ہے اور نہ یہ بات ان سے ہو سکتی ہے۔

اللہ بے مثل ہے:

۷۴: فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ (پس تم نہ بیان کرو اللہ تعالیٰ کیلئے مثالیں) تم اللہ تعالیٰ کیلئے مثال اس لئے نہ دو کہ اس کا کوئی مثل نہیں۔ یعنی اس کا کسی کو شریک نہ بناؤ۔ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ (بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے) مخلوق میں اس کا کوئی مثل نہیں۔ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (اور تم نہیں جانتے) اس بات کو۔ نمبر۲۔ اللہ تعالیٰ مثل بیان کرنا جانتے ہیں اور تم اس کو نہیں جانتے۔ پھر تعلیم اولیٰ کیلئے مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

مخلوق کو اللہ کا شریک بنانے کی پہلی مثال:

۷۵: ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا (اللہ تعالیٰ نے مثال بیان کی کہ ایک شخص کا ایک غلام ہے)۔

نحو: عبداً یہ مثلاً سے بدل ہے۔ مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ (ایک

مملوک جو کسی چیز پر قدرت نہ رکھتا ہو، اور وہ جس کو ہم نے اچھا رزق دے رکھا ہو۔ وہ وہ اس میں سے اعلانیہ و پوشیدہ خرچ کرتا ہو)
سِرًّا وَّجَهْرًا یہ دونوں مصدر ہیں جو موضع حال میں واقع ہیں۔ یعنی تمہارے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو شریک کرنے کی مثال
ایسی ہے جیسا کہ کوئی عبد مملوک جو تصرف سے بھی عاجز ہو اور شریف سردار با اختیار مالدار مالک جو اپنے مال میں اپنی مرضی سے
تصرف کرتا ہو اور اس میں سے جتنا چاہے خرچ کرتا ہو ان کو برابر قرار دینے کی طرح ہے۔

نکتہ: عبداً کو مملوک سے مقید کر دیا تا کہ حُر سے ممتاز ہو جائے کیونکہ عبد کا لفظ تمام پر بولا جاتا ہے۔ اس لئے کہ دونوں ہی اللہ تعالیٰ
کے بندے ہیں۔ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ کی قید بھی لگائی تاکہ مکاتب و ماذون سے الگ کر دیا جائے یہ دونوں قسم کے غلام تصرف کی
قدرت رکھتے ہیں۔ مَنْ موصوفہ ہے یعنی اور آزاد جس کو ہم نے رزق دیا تاکہ عبد کے مطابق تقابل ہو جائے۔ نمبر ۲۔ موصولہ ہے۔
هَلْ يَسْتَوٗنَ (کیا یہ برابر ہیں) ضمیر جمع اراد جمع کی وجہ سے لائے۔ یعنی یہ دونوں قسمیں برابر نہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں بلکہ اکثر ان میں جانتے ہی نہیں) کہ حمد وعبادت اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے۔ پھر مزید
وضاحت فرمائی۔

دوسری مثال اللہ نعمتوں کے فیضان والا اور دوسروں کے پاس کچھ بھی نہیں:

۷۶: وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ (اور اللہ تعالیٰ نے ایک اور مثال بیان کی۔ دو آدمی ہیں
ایک ان میں سے گونگا کوئی کام نہیں کر سکتا) الابکم وہ شخص جو پیدائشی گونگا ہو اور سمجھ نہ رکھتا ہو۔ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ (وہ اپنے
آقا پر بوجھ ہو) وہ بوجھ ہے اور اپنے آقا کی عیال داری میں رہتا ہے۔ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ (اس کو وہ جہاں بھی بھیجتا
ہے کوئی کام ٹھیک کر کے نہیں لاتا) جس جگہ اس کو بھیجتا ہے اور کسی ضرورت کی خاطر روانہ کرتا ہے یا کسی اہم کام کو پورا کرنے کی غرض
سے بھیجتا ہے تو نہ فائدہ دیتا ہے اور نہ کامیابی پا کر لوٹتا ہے۔

هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ (کیا یہ شخص اور ایسا شخص باہم برابر ہو سکتے ہیں جو اچھی باتوں کا حکم دے) یعنی جو
سلیم الحواس، نفع مند، کفایت والا اور رشد و دیانت سے مزین ہو پھر لوگوں کو عدل وغیرہ کی تعلیم بھی دیتا ہو۔ وَهُوَ (اور وہ) ذاتی طور پر
عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (سیدھی راہ پر ہو) نیک سیرت ہو۔ مذہب و دین پر قائم ہو۔ یہ دوسری مثال ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی
ذات کیلئے بیان فرمایا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحمت کے آثار اور نعمتوں کے فیضان کرتا ہے۔ اور اصنام محض مردہ
بے جان نہ نفع کے مالک ہوتے ہیں اور نہ نقصان کی طاقت رکھتے ہیں۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ

اور اللہ نے تمہیں ماؤں کے پیٹوں سے نکالا تم کچھ بھی نہ جانتے تھے، اور اس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل

وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ

بنائے تاکہ تم شکر کرو کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کی فضا میں مسخر

السَّمَآءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَاللّٰهُ

ہیں، اللہ کے سوا انہیں کوئی نہیں روکتا۔ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں اور اللہ نے

جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا

تمہارے لئے تمہارے گھروں میں رہنے کی جگہ بنائی اور تمہارے لئے چوپایوں کی کھالوں کے گھر بنائے جن کو تم سفر کرنے کے دن اور قیام کرنے کے

يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا

دن ہلکا پاتے ہو، اور ان کی اون اور ان کے روؤں اور ان کے بالوں سے گھر کا سامان اور فائدہ کی چیزیں بنائیں

وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ

جو ایک مدت تک کام آتی ہیں۔ اور اللہ نے جو کچھ پیدا فرمایا ہے ان میں بعض چیزیں ایسی ہیں جو سایہ والی ہیں اور اس نے تمہارے لئے پہاڑوں میں چھپنے

الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۭ

کی جگہیں بنائیں اور تمہارے لئے کرتے بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور ایسے کرتے بنائے جو لڑائی سے تمہاری حفاظت کرتے ہیں

كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا

اللہ تم پر ایسے ہی اپنی نعمت پوری فرماتا ہے تاکہ تم فرمانبردار رہو۔ سو اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو آپ کے ذمہ صاف

عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ

واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔ یہ لوگ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر اس کے منکر ہوتے ہیں اور ان میں سے اکثر

الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾

ناشکرے ہیں۔

نمونہ ہائے قدرت آیت نمبر ۱۸ تک:

۷۸: وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ (اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے نکالا)

نحو: قراءت: علی نے اِمِّهَاتِكُمْ پڑھا۔ الف کا کسرہ نون کی اتباع میں اور میم کا فتحہ۔ اور حمزہ نے دونوں میں کسرہ پڑھا۔ امہات میں ھاء کو تاکید کیلئے بڑھایا گیا۔ جیسا کہ اراق میں ھراق کہتے ہیں اہبت واحد میں ھاء کا اضافہ خلاف قاعدہ ہے۔

لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا (تم کچھ نہ جانتے تھے)

نحو: یہ حال ہے یعنی تم اس شخص کا حکم رکھتے جو کچھ بھی جاننے والے نہ تھے جس نے تمہیں ماؤں کے پیٹ میں پیدا کیا۔ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (اور تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر گزار بنو۔) یعنی ان چیزوں کو تمہارے جسم میں اس لئے جوڑا ہے تاکہ جہالت کے ازالہ کا ذریعہ بن جائے۔ جس جہالت کے ساتھ تم پیدا ہوئے۔ اور ان آلات سے علم اور عمل جو منعم کا شکر یا اس کی عبادت اور اس کے حقوق کی ادائیگی کر سکو۔

الافئدة الفواد کی جمع ہے جیسے اغربہ غراب کی جمع ہے یہ جمع قلت ہے جو کہ جمع کثرت کے قائم مقام استعمال ہوئی ہے۔ کیونکہ اس کے علاوہ میں یا اہل لغت سے سننے میں نہیں آئی۔

۷۹: اَلَمْ يَرَوْا (کیا انہوں نے نہیں دیکھا) قراءت: شامی اور حمزہ نے تاء سے پڑھا ہے۔ اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ (پرندوں کو جو فضاء میں مسخر ہو رہے ہیں) اڑنے کیلئے زیر فرمان ان پروں کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پیدا فرما دیئے یا دوران موافق اسباب سے جو اس کے لئے ان کو میسر فرما دیئے ہیں۔ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ (آسمان کی فضاء میں) فضاء اس ہوا کو کہتے ہیں جو بلندی آسمان کی سمت میں زمین سے دور ہے۔ مَا يُمْسِكُهُنَّ (نہیں ان کو تھامتا) پروں کو سمیٹنے اور پھیلانے اور فضاء میں ٹھہرانے میں۔ اِلَّا اللّٰهُ (مگر اللہ تعالیٰ) اپنی قدرت کے ساتھ۔ ازالہ: اس میں اس وہم کا ازالہ ہے جو قوائے طبیعی کی خاصیت اس کو قرار دیتے تھے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو یقین رکھتے ہیں) کہ مخلوق کو خالق سے کبھی بھی استغناء نہیں ہو سکتا۔

۸۰: وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا (اور اللہ تعالیٰ نے ہی تمہارے لئے گھروں میں رہائش کی جگہ بنائی) سَكَنًا مصدر ہے یہ مسکن بمعنی سکون جہاں رہائش اختیار کی جائے۔ اور اس کی طرف علیحدگی اختیار کی جائے جیسے گھر یا اس کی مجلس۔ وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا (اور تمہارے لئے چوپایوں کی کھال کے گھر بنائے) اس سے چمڑے کے خیمے مراد ہیں۔ تَسْتَخِفُّوْنَهَا (جن کو ہلکا پھلکا پاتے ہو) لادنے کیلئے اٹھانے میں ان کو ہلکا پھلکا پاتے ہو اور اسی طرح اتارنے اور منتقل کرنے کیلئے ہلکا پاتے ہو۔ يَوْمَ ظَعْنِكُمْ (تمہارے کوچ کے دن)

قراءت: کوفی شامی نے عین کے سکون سے پڑھا۔ دوسروں نے عین کا فتحہ پڑھا ہے۔ الظعن عین مفتوح اور ساکن کی صورت میں اس کا معنی ارتحال کوچ ہے۔ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ (اور تمہارے اقامت کے دن) جب تم اپنے گھروں میں ٹھہرتے ہو مطلب یہ ہے دو اوقات حضر و سفر میں تمہارے لئے ہلکے پھلکے ہیں۔ اس طرح کہ یوم کا معنی وقت کا لیا جائے۔ وَمِنْ اَصْوَافِهَا (اور ان کی

اون سے) یعنی بھیڑوں کی بات ۔ اور اَوْبَارِھَا (اور اونٹوں کی اون سے) اونٹ کی اون کو وبر کہتے ہیں وَاَشْعَارِھَآ (اور بکریوں کے بالوں سے) بکری کے بال مراد ہیں ۔ اَثَاثًا (گھر کا سامان) وَّمَتَاعًا (اور فائدہ کی اشیاء) وہ چیز جس سے فائدہ اٹھایا اس کو متاع کہتے ہیں ۔ اِلٰی حِیْنٍ (ایک وقت تک) زندگی ایک مدت ۔

۸۱: وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا (اللہ تعالیٰ نے بنا دیے تمہارے لئے اس میں سے بعض چیزوں کے سائے) مثلاً درخت ، چھتیں وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا (اور اس نے بنائے پہاڑوں میں تمہارے لیے پناہ گاہیں) اکنان کنّ کی جمع ہے جو چیز تمہیں چھپائے جیسے غار وغیرہ وَّ جَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ (اور وہ تمہارے لئے کرتے) سرابیل کرتوں کو کہتے ہیں اور اون کے کپڑوں پر بولا جاتا ہے اسی طرح کتان اور کپاس کے بنے ہوئے کپڑوں کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ (جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں) اور سردی سے بھی بچاتے ہیں ۔ مگر دونوں ضدوں میں سے ایک کے تذکرے پر اکتفاء کیا ۔ کیونکہ گرمی سے بچاؤ ان کے ہاں زیادہ اہم تھا ۔ اور سردی معمولی اور قابل برداشت تھی ۔

وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ (اور ایسے کرتے جو لڑائی سے تمہیں بچاتے ہیں) لوہے کی زرہیں جو لڑائی میں دشمنوں کے ہتھیاروں کی ضرب اور بچاتی ہیں ۔ باس لڑائی کی سختی کو کہتے ہیں ۔ اسربال کا لفظ عام ہے لوہے یا غیر لوہے ہر قسم کے کرتے پر بولا جاتا ہے ۔ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ (اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی نعمت کو تم پر مکمل کرتے ہیں تاکہ تم فرمانبرداری اختیار کرو) یعنی اس کی ان نعمتوں پر نگاہ ڈالو ۔ جن کا احسان تم پر جاری رکھا ہے ۔ پس اس کی ذات پر ایمان لا کر اس کی اطاعت اختیار کرو ۔

ان انعامات کو دیکھ کر تو منعم حقیقی کو پہچاننا چاہئے :

۸۲: فَاِنْ تَوَلَّوْا (پس اگر وہ منہ پھیر لیں) یعنی اسلام لانے سے اعراض کریں ۔ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (تو بیشک تم پر تو صاف صاف پہنچا دینا ہے) اس کا تم پر مؤاخذہ و وبال نہ ہوگا ۔ کیونکہ تمہارے ذمہ صرف تبلیغ ہے اور وہ آپ نے کر دی ۔ (ماننا نہ ماننا ان کا کام ہے)

۸۳: يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ (وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں) وہ نعمتیں جن کو ہم نے پچھلے قول سے گن کر بیان کر دیا ۔ پھر یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا (پھر ان کا انکار کرتے ہیں) یعنی اپنے افعال و کردار سے کہ غیر منعم کی عبادت کرتے ہیں نمبر۲ ۔ نعمتوں میں اقرار پھر خوشحالی میں انکار کرتے ہیں ۔ وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ (اور ان کی اکثریت انکاری ہے) شدت سے انکاری ہیں کہ اعتراف بھی نہیں کرتے ۔ نمبر۲ ۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت یعنی نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہچانتے ہیں ۔ پھر عناد سے انکار کرتے ہیں ۔ اور ان کی اکثریت سخت انکاری اور دلوں سے انکاری ہیں ثُمَّ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ پہچان حاصل ہونے کے بعد انکار بہت ہی بعید ہے کیونکہ جو نعمت کو پہچان لے اس پر اعتراف و شکر لازم ہے نہ کہ انکار و عناد ۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ

[illegible]

يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٨٤﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ

[illegible]

يُنْظَرُونَ ﴿٨٥﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا

[illegible]

الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُو مِنْ دُونِكَ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ

[illegible]

لَكَاذِبُونَ ﴿٨٦﴾ وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا

[illegible]

يَفْتَرُونَ ﴿٨٧﴾ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ

[illegible]

الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿٨٨﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ

[illegible]

مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَى هَؤُلَاءِ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ

[illegible]

تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ ﴿٨٩﴾

[illegible]

قیامت کے مناظر:

۸۴: وَيَوْمَ (اور جس دن) یہ اذکر محذوف کی وجہ سے منصوب ہے۔ نَبْعَثُ (ہم اٹھائیں گے) ہم جمع کریں گے مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا (ہر امت میں سے ایک گواہ) وہ پیغمبر ہوں گے جو ان کے حق اور ان کے خلاف میں تصدیق کی گواہی دیں گے۔ اور تکذیب کی اور

ایمان و کفر کی۔ ثُمَّ لَا یُؤْذَنُ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا (پھر کافروں کیلئے اجازت نہ دی جائے گی) کہ وہ معذرت کرلیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی اذن کے ترک سے یہ ثابت ہو گیا کہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور نہ ہی عذر۔ وَلَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ (اور نہ ان سے راضی کرنے کی فرمائش کی جائے گی) نہ ان سے رضا طلب کی جائے گی ان سے یہ نہ کہا جائے گا کہ تم اپنے رب کو راضی کرلو کیونکہ آخرت دار العمل نہیں۔ ثُمَّ کو یہاں لانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو انبیاء علیہم السلام کی شہادت کے بعد آزمایا جائے گا۔ جو اس سے زیادہ بدرست اور غالب ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کو کلام سے روک دیا جائے گا۔ اور معذرت کرنے اور حجت پیش کرنے کا موقعہ نہ دیا جائے گا۔

۸۵: وَاِذَا رَاَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا (اور ظالم لوگ دیکھیں گے) ظَلَمُوْا سے مراد کافر ہیں۔ الْعَذَابَ فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ (وہ عذاب ان سے ہلکا نہ کیا جائے گا) وہ عذاب جو داخل ہونے کے بعد ہوگا وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ (اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی) نہ اس سے پہلے مہلت دی جائے گی)

۸۶: وَاِذَا رَاَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا شُرَکَآءَهُمْ (اور جب مشرک اپنے شرکاء کو دیکھیں گے) ان اوثان کو جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَکَآؤُنَا (وہ کہیں گے اے ہمارے رب یہ ہمارے شرکاء ہیں) یعنی وہ معبود جن کو ہم نے تیرا شریک بنایا۔ الَّذِیْنَ کُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِکَ (وہ جن کو ہم تیرے سوا پکارتے تھے) نَدْعُوْا کا معنی عبادت کرنا۔ فَاَلْقَوْا اِلَیْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّکُمْ لَکٰذِبُوْنَ (وہ ان کی طرف بات ڈالیں گے۔ یقیناً تم جھوٹ بولتے ہو) وہ تکذیب کرتے ہوئے جواب دیں گے کیونکہ وہ جماد تھے وہ عابدین کو جانتے ہی نہ تھے کہ کون ان کی پوجا کر رہا ہے۔ نمبر۲۔ احتمال یہ ہے کہ وہ ان کی اس بات میں تکذیب کریں گے کہ تم نے ہمیں شرکاء اور الٰہ کا نام دیا حالانکہ یہ جھوٹ ہے۔ یہ اس لئے کہیں گے تاکہ اللہ تعالیٰ کا شرک سے منزہ اور پاک ہونا ثابت و ظاہر ہو جائے۔

۸۷: وَاَلْقَوْا یعنی وہ ظالم و کافر اِلَی اللّٰهِ یَوْمَئِذِ نِالسَّلَمَ (وہ مشرک لوگ اس روز اللہ کے سامنے اطاعت کی باتیں کرنے لگیں گے) القاء السلم سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو سامنے مکمل فرمانبرداری اس کے بعد کہ دنیا میں انکار اور استکبار سے کام لیا۔ وَضَلَّ عَنْهُمْ (اور ان سے گم ہو جائیں گے) اور باطل ہو جائیں گے مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ (جو وہ افتراء کیا کرتے تھے) کہ اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں اور وہ ان کی مدد کرتے ہیں اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کریں گے جبکہ وہ ان کی تکذیب کریں گے ایک اور ان سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔

دو عذابوں کا حقدار:

۸۸: اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا (وہ لوگ جو کافر ہوئے) ذاتی طور پر وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (اور انہوں نے دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا) اور دوسروں کو کفر پر آمادہ کیا۔ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ (ہم ان کے عذاب پر عذاب میں اضافہ کریں گے) ایک ان کے خود کفر کا عذاب اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنے کا عذاب۔ بِمَا کَانُوْا یُفْسِدُوْنَ (اس سبب سے کہ وہ فساد انگیزی کرتے تھے) اس وجہ سے کہ وہ روکنے کی وجہ سے لوگوں کو فساد میں مبتلا کرنے والے تھے۔

چوتھا منظر:

۸۹: وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (اور جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گواہ ان کے مقابلہ میں قائم کریں گے) یعنی ان کا پیغمبر کیونکہ انبیاء علیہم السلام انہی میں سے انہی کی طرف مبعوث ہوتے ہیں۔ وَجِئْنَا بِكَ (اور ہم آپ کو لائیں گے) اے محمد ﷺ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ (ان پر گواہ کر) ھٰؤلاء سے آپ کی امت مراد ہے۔

قرآن تبیان ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا (اور ہم نے تم پر کتاب کو اتارا جو تمام ضروریات دین کو بیان کرنے والی ہے) یعنی فصیح و بلیغ بیان ہے لِّكُلِّ شَىْءٍ امور دین احکام منصوصہ میں تو قرآن ظاہر ہے اسی طرح جو سنت سے ثابت ہیں۔ نمبر ۲۔ یا اجماع سے ثابت ہوں قول صحابی سے ثابت ہوں یا قیاس سے کیونکہ تمام کا مرجع کتاب اللہ ہے جبکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتباع رسول اللہ ﷺ کا حکم دیا ہے۔ فرمایا: وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ [التغابن: ۱۲] اور اجماع پر اس آیت میں آمادہ فرمایا: وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ [النساء: ۱۱۵] اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کیلئے اتباع صحابہ کو اپنے اس ارشاد سے پسند کیا۔ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ [بحوالہ ۵۹۶۱، مسلم ۲۲۱۴]

اور صحابہ کرامؓ نے اجتہاد کیا اور قیاس کیا اور اجتہاد و قیاس کے راستوں کو ہموار کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں بھی اس کا حکم دیا گیا: فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِى الْاَبْصَارِ [الحشر: ۲] پس سنت، اجماع اور قول صحابی اور قیاس ان تمام کا سہارا تبیان پر ہے۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ قرآن تبیانا لکل شیء ہے۔ وَهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ (اور ہدایت اور رحمت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کیلئے) حق کی راہنمائی اور ان کے لئے رحمت اور جنت کی بشارت ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ

[illegible]

وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾ وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللّٰهِ

[illegible]

إِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ

[illegible]

جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۚ إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿٩١﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي

[illegible]

نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ

[illegible]

تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبٰى مِنْ أُمَّةٍ ۚ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللّٰهُ بِهِ ۚ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ

[illegible]

الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٩٢﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً

[illegible]

وَلٰكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَآءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَآءُ ۚ وَلَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾

[illegible]

جامع ترین آیت:

۹۰: إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ (بے شک اللہ تعالیٰ عدل کا حکم دیتے ہیں) کہ مابین تمام حقوق میں برابری اور ترکِ ظلم ہر صاحب حق کو اس کا حق دینا۔ اس کا نام عدل ہے۔ وَالْإِحْسَانِ (اور احسان و خوبی کا) اس کے ساتھ جو تمہارے ساتھ زیادتی کرتے۔ نمبر۲۔ فرض و نفل۔ کیونکہ فرض میں تقریباً لازماً ہو جاتی ان کے نقصان کو رفع کرنے کیلئے مندوب و نفل ہے۔ وَإِيتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى (قرابتداروں کو دینے کا) قرابت والوں کو دینا کہ صلہ رحمی ہے۔ وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ (اور منع کرتا ہے بے حیائی سے)

الفحش : یعنی وہ افعال قبیح گناہ وَالْمُنْكَرِ (اور منکر سے) منکر سے مراد وہ کام جن کو عقلیں اوپرا قرار دیتی ہیں۔ وَالْبَغْيِ (اور سرکشی) ظلم و تکبر کے ذریعہ دوسرے پر زیادتی کرنا۔ يَعِظُكُمْ (وہ تم کو نصیحت کرتا ہے)۔

نحو : یہ حال ہے یا جملہ مستانفہ ہے لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (تاکہ تم نصیحت حاصل کرو) اللہ تعالیٰ کے مواعظ سے نصیحت حاصل کرو۔ یہ آیت حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے اسلام کا سبب بنی۔ وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حیا کی وجہ سے اسلام لیا۔ کیونکہ آپ میرے سامنے کثرت سے اسلام پیش فرماتے رہے۔ مگر ایمان میرے دل میں پختہ نہ ہوا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ میں آپ کی خدمت میں موجود تھا۔ پس میرے دل میں ایمان مضبوط ہو گیا۔ آپ نے یہ آیت ولید بن المغیرہ کے سامنے پڑھی تو وہ کہنے لگا کہ اس میں حلاوت و شیرینی ہے۔ نور ہی کے اوپر حسن و رونق ہے اور اس کا بالائی حصہ ثمر آور ہے۔ اور اس کا نچلا حصہ جڑ پانی والا ہے۔ اور وہ انسان کا کلام نہیں۔ ابو جہل نے کہا اس کا معبود اسے مکارم اخلاق کا حکم دیتا ہے۔ یہ قرآن مجید میں جامع ترین آیت ہے۔ اس میں خیر و شر کھلا ہے۔ اسی لئے اس کو عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ سے خطبات میں پڑھا جا رہا ہے۔ کہ ہر پاسدار شخص کی سماعت آ جائے۔

عہد پورا کرو:

۹۱: وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ (اور تم اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو پورا کرو جب تم عہد کرو) اس سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت مراد ہے جیسا کہ دوسرا مقام پر فرمایا ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ [الفتح: ۱۰] بیشک وہ لوگ جو آپ سے بیعت کرتے ہیں۔ بیشک وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرنے والے ہیں۔ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ (اور تم قسموں کو مت توڑو) بیعت والی قسم مراد ہے۔ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا (ان کے پختہ کرنے کے بعد) اس کے بعد کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے نام سے مضبوط کیا۔ اور اکّد اور وکّد یہ دو فصیح لغات ہیں۔ نحو : اور یہ اصل واؤ ہے۔ اور ہمزہ اس کے بدلے میں آتی ہے۔ وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا (حالانکہ تم نے اللہ تعالیٰ کو اپنا کفیل مقرر کر لیا ہے) کفیل۔ شاہد اور نگہبان کو کہتے ہیں۔ کیونکہ کفیل مکفول بہ کے حال کی خبر گیری کرنے والا ہوتا ہے۔ اور اس پر نگہبان ہوتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ (بیشک اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے) قسم کو پورا کرنا اور اس کو توڑنا پس وہ اس کے مطابق بدلہ دیں گے۔

عہد کو کچے دھاگے کی طرح مت خیال کرو:

۹۲: وَلَا تَكُوْنُوْا (اور مت ہو) قسم توڑنے میں كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا اس عورت کی طرح جس نے اپنے دھاگے کو مضبوط کرنے کے بعد توڑ دیا) اس عورت کی طرح جس نے کاٹ دیا اپنے دھاگے کو مضبوط اور پختہ کرنے کے بعد اور اسکو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ انکاثا جمع نکث۔ جس کے بٹ کو اتار دیا جائے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام ریطہ تھا اور یہ احمق عورت تھی وہ اور اس کی لونڈیاں صبح سے ظہر تک سوت کاتتیں پھر وہ ان کو جتنا کاتا ہوتا ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا حکم دیتی۔ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا (تم بھی اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ نہ بناؤ) یہ انکاثا کی طرح حال ہے۔ دخلًا یہ تتخذون کا دو میں سے ایک مفعول ہے۔ یعنی ولا تنقضوا ایمانکم متخذیھا دخلًا تم اپنی قسموں کو نہ توڑو اس حال میں کہ ان

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا

اور اپنی قسموں کو اپنے درمیان فساد ڈالنے کا ذریعہ مت بناؤ کہ جمنے کے بعد قدم پھسل جائے اور تم اللہ کی

السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ وَلَا تَشْتَرُوْا

راہ سے روکنے کا عذاب چکھو اور تمہارے لئے بڑا عذاب ہے اور اللہ کے عہد کے عوض تھوڑی

بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

قیمت مت حاصل کرو بلاشبہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

کہ تم فساد کا ذریعہ بنانے والے ہو۔ بَيْنَكُمْ (اپنے درمیان) یعنی فساد اور خیانت کا ذریعہ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ (کہ ایک گروہ) ایک جماعت ہو جائے (جماعت سے مراد گروہ قریش ہے) هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ (زیادہ بڑھا ہوا دوسرے گروہ سے) وہ تعداد میں زیادہ ہو اور مال میں بڑھ کر ہو مسلمانوں کی جماعت سے۔ هِيَ اَرْبٰى میں یہ جملہ اُمَّةٌ کی صفت ہے اور اُمَّةٌ تکون کا فاعل ہے اور یہ تکون تامہ ہے۔ اور ھی فاصل نہیں بن سکتی کیونکہ یہ دو نکروں کے درمیان واقع ہے۔ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے ذریعے آزماتے ہیں۔ اس میں ضمیر مصدر کیلئے ہے۔ تقدیر اس طرح ہے انما یختبرکم بکونہم اربی لینظر اتتمسکون بحبل الوفاء بعهد الله وما وکدتم من ایمان البیعة لرسول الله ﷺ ام تغترون بکثرة قریش و ثروتهم وقلة المؤمنين وفقرهم۔ اللہ تعالیٰ اس طور پر تمہارا امتحان لے رہے ہیں کہ وہ زیادہ بڑھے ہوئے ہیں تا کہ وہ دیکھے کہ کیا تم وفاداری کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے والے ہو اور اس پر پختہ ہو جو تم نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کرتے قسم دے رکھی ہے یا پھر تم قریش کی کثرت اور ثروت اور مومنوں کی قلت اور فقر کو دیکھ کر دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہو۔ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ (اور البتہ کر دے تمہارے سامنے قیامت کے دن خوب ظاہر کر دے وہ، جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے) جب کہ وہ تمہیں تمہارے اعمال پر ثواب و عقاب سے بدلہ دیگا۔ اس میں نقض اسلام کی مخالفت کرنے سے کفار کو ڈرایا گیا ہے۔

۹۳: وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً (اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تمہیں ایک جماعت بنا دیتے) یعنی حنیفہ مسلمہ۔ وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ (لیکن وہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے) اسکے بارے میں ضلالت کو اختیار و پسند کرنے کا اسے علم ہے۔ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (اور جس کو چاہتا ہے وہ ہدایت دیتا ہے) جس کے متعلق ہدایت کا اختیار و پسند کرنا جانتا ہے۔ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (اور تم سے ضرور سوال کیا جائے گا۔ ان باتوں کے متعلق جو تم کرتے تھے) قیامت کے دن۔ پھر تمہیں بدلہ دیا جائیگا۔

قسم کو فساد کا ذریعہ مت بناؤ:

۹۴: وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ (اور مت بناؤ اپنی قسموں کو فساد کو ذریعہ اپنے درمیان) دوبارہ قسم کو باہمی فساد کا ذریعہ

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ

تمہارے پاس جو کچھ ہے ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔ اور جن لوگوں نے صبر کیا ہم انہیں ضرور ضرور ان کے اچھے

بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹۶ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ

کاموں کا عوض دیں گے۔ جس کسی مرد یا عورت نے نیک عمل کیا اس حال میں کہ وہ مؤمن ہے

فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹۷

تو ہم اسے ضرور اچھی زندگی دیں گے، اور ان کے اچھے کاموں کے عوض ہم انہیں ان کا اجر ضرور دیں گے۔

جانے کی ممانعت بطور تاکید لائی گئی۔ اور قسم کی عظمت بھی اس سے ظاہر کر دی۔ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا (پس پھسل جائے قدم جمنے کے بعد) پس اس سے تمہارے اقدام اسلام کے راستے سے مضبوط ہونے کے بعد پھسل جائیں گے۔ قدم کو واحد لائے اور نکرہ لائے۔ تاکہ ظاہر کر دیا جائے کہ ایک قدم کا جمنے کے بعد طریق حق سے پھسلنا بھی بہت بڑی بات ہے۔ اس کو معمولی مت سمجھو۔ اس بات کا خود اندازہ کر لو جبکہ بہت سے اقدام پھسلنے والے ہوں تو کیا حال ہوگا؟ وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ (اور پھر تم کو اس کی سزا چکھنی پڑے) دنیا میں۔ بِمَا صَدَدْتُّمْ (اس وجہ سے کہ تم نے روکا ہے) تمہارے رک جانے کے سبب۔ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کی راہ سے) اور تم دین سے نکل گئے ہو۔ نمبر۲۔ تم اس وجہ سے کہ تم نے دوسروں کو دین سے روکا ہے۔ کیونکہ اگر وہ بیعت توڑ کر ارتداد اختیار کر لیتے تو پھر دوسروں کیلئے بھی بیعت توڑنے کی راہ کھل آتی جس پر وہ چل کر مرتد ہو جاتے۔ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (اور تمہارے لئے بہت بڑا عذاب ہے) آخرت کے دن میں۔

دنیا کے بدلے قسم فروخت نہ کرو:

۹۵: وَلَا تَشْتَرُوْا (اور نہ خریدو) نہ بدلے میں لو۔ بِعَهْدِ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کے عہد کے بدلے) اور رسول اللہ ﷺ کی بیعت کے بدلے ثَمَنًا قَلِيْلًا (تھوڑی قیمت) معمولی سامان دنیا۔ بعض لوگ مکہ میں اسلام لائے شیطان نے ان کو مشکل نے کیلئے یہ چال چلی کہ ان کے دلوں میں گھبراہٹ ڈال دی کہ قریش کو غلبہ حاصل ہے اور مسلمان کمزور ہیں۔ (حق والے ہوں تو مغلوب کیوں ہوں؟) قریش نے ان کو ترغیب دلائی کہ اگر وہ دین جدید سے واپس لوٹ جائیں اور رسول اللہ ﷺ کی بیعت توڑ دیں تو ان کے ساتھ ہر قسم کا تعاون ہوگا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو ثابت قدمی نصیب فرمائی۔ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (بیشک جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وہ بہت ہی بہتر ہے اگر تم جان لو) عند اللہ سے ثواب آخرت مراد ہے۔

۹۶: مَا عِنْدَكُمْ (جو تمہارے پاس ہے) دنیا کا سامان يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ (وہ ختم ہونے والا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے) اس کی رحمت کے خزائن۔ بَاقٍ (وہ باقی رہنے والا ہے۔) اس کا ختم نہ ہوگا۔ وَلَنَجْزِيَنَّ (اور ضرور ہم بدلہ دیں گے)۔

قراءت: نون سے مکی و عاصم کی قراءت ہے۔ نافع، ابن عامر، حمزہ وغیرہ کی قراءت میں یاء ہے۔ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا (ان

لوگ جنہوں نے صبر کیا) مشرکین کی ایذاؤں پر اور اسلام پر ثابت قدمی میں مشقتیں اٹھائیں۔ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (ان کا بدلہ بہتر اس سے جو وہ کرتے تھے)۔

۹۷: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى (جس نے کوئی نیک عمل کیا خواہ وہ مرد ہے یا عورت) مَن مبہم ہے دونوں نوع مذکر و مونث کو شامل ہے۔ البتہ ظاہر مذکر کیلئے ہے۔ اس ابہام کو مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى سے رفع کیا تاکہ وعدہ دونوں کیلئے عام ہو جائے۔
وَهُوَ مُؤْمِنٌ (اس حال میں کہ وہ مومن ہو) ایمان کی شرط لگائی کیونکہ کفار کے اعمال کسی شمار و قطار میں نہیں۔

حیاتِ طیبہ کیا ہے؟

نکتہ: یہ آیت قوی دلیل ہے کہ عمل ایمان کا حصہ نہیں۔ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (ہم ضرور اس کو پاکیزہ زندگی دیں گے) یعنی دنیا میں اور اس نے فرمایا: وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (اور ضرور ہم ان کو ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دیں گے) اللہ تعالیٰ نے اس سے دنیا و آخرت کے ثواب کا وعدہ فرمایا۔ جیسا کہ اس ارشاد میں فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ [آل عمران: ۱۴۸] اور یہ اس طرح ہے کہ مومن کی اعمال صالحہ کے ساتھ زندگی خواہ خوشحالی سے ہو یا تنگدستی سے یقیناً عمدہ زندگی ہوتی ہے اگر خوشحال ہو تب تو ظاہر ہے۔ اور اگر تنگدست ہو تو اس کی زندگی کو عمدہ بنانے کیلئے اس کو قناعت اور تقسیم الٰہی پر رضا جیسی چیزیں میسر ہوتی ہیں۔ رہا فاجر آدمی تو اس کا معاملہ برعکس ہے۔ اگر تنگدست ہو تو ظاہر ہے۔ اور اگر خوشحال ہو تو حرص کی طوالت اس کو زندگی کا سکون کب لینے دیتی۔ ایک قول یہ ہے کہ حیات طیبہ قناعت ہے۔ ایک قول ہے کہ حیات طیبہ عبادت و طاعت کی مٹھاس کو کہتے ہیں۔ ایک اور قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملے کی سچائی اور امور غیبیہ پر سچائی سے قائم رہنا اور ماسوی اللہ سے اعراض کرنا۔

کی پناہ طلب کرو) ارادہ فعل کو فعل سے تعبیر کیا۔ کیونکہ وہ اس کا سبب ہے۔ فا تعقیب کیلئے ہے۔ اس لئے کہ وہ قراءت جو استعاذہ کے ساتھ ہوگی وہ مذکورہ عمل صالح میں سے ہے گی مِنَ الشَّيْطٰنِ (شیطان سے) یعنی ابلیس الرَّجِيْمِ (مردود، دھتکارا ہوا یا ملعون)۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم پڑھا تو فرمایا۔ اس طرح کہو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم مجھے جبرئیل نے اسی طرح پڑھایا ہے۔

۹۹: اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ (بیشک اس کو قابو نہیں) ابلیس کو تسلط و ولایت نہیں عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور وہ اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں) مؤمن متوکل اس کے وساوس کو قبول نہیں کرتے۔

۱۰۰: اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ (بیشک اس کا غلبہ ان لوگوں پر ہے جو اس سے دوستی اختیار کرنے والے ہیں) اس کو دوست بناتے ہیں اور اس کے وساوس کی اتباع کرتے ہیں۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ (اور ان لوگوں پر جو اللہ تعالیٰ کا اس کو شریک کرنے والے ہیں)۔ رب کی طرف ضمیر لوٹتی ہے۔ نمبر۲: شیطان کی طرف لوٹتی ہے اور باء سببیہ ہے وہ اس کے سبب سے شرک کرنے والے ہیں۔

نسخ ہماری حکمت سے ہے:

۱۰۱: وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ (جب ہم ایک آیت دوسری آیت کی جگہ رکھ دیتے ہیں) تبدیل آیت کو دوسری آیت سے بدلنے کو نسخ کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شرائع و احکام کو حکمت کی وجہ سے منسوخ فرماتے ہیں اور اس آیت کا یہی معنی ہے۔ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ (اللہ تعالیٰ جو حکم بھیجتا ہے اس کو جانتا ہے)

قراءت: مکی اور ابو عمرو نے تخفیف سے ینزل پڑھا ہے۔ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ (وہ کہتے ہیں تم خود تراشتے اور گھڑتے ہو) یہ اذا کا جواب ہے۔ اور واللہ اعلم بما ینزل جملہ معترضہ ہے کفار کہا کرتے تھے کہ محمد ﷺ اپنے صحابہ سے تمسخر کرتے ہیں آج ان کو کسی بات کا حکم دیتے ہیں اور کل اس سے روک دیتے ہیں اور ایسے حکم ان کو لاتے ہیں جو اس سے آسان ہوتا ہے۔ انہوں نے آپ پر یہ افتراء و بہتان لگایا ہے۔ اللہ تعالیٰ مشکل کو آسان سے اور آسان کو مشکل سے منسوخ فرماتے تھے۔ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (بلکہ ان کی اکثریت نہیں جانتی) کہ اس کی حکمت کیا ہے؟

قرآن لانے والے جبرئیل علیہ السلام ہیں:

۱۰۲: قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ (آپ کہہ دیں اس کو روح القدس نے اتارا ہے) یعنی جبرئیل علیہ السلام نے۔ جبرئیل کی نسبت القدس کی طرف کی گئی ہے۔ القدس پاکیزگی جیسا کہ کہتے ہیں۔ حاتم الجود۔ یعنی حاتم۔ مراد مقدس روح۔ القدس کا معنی گناہوں سے پاک۔ مِنْ رَّبِّكَ (تیرے رب کی طرف سے) اس کے ہاں سے اور اس کے حکم سے بِالْحَقِّ (حق کے ساتھ) یہ حال ہے۔ یعنی اس کو حکمت کے ساتھ ملتبس اتارا ہے۔ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (تاکہ وہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے) تاکہ منسوخ کرکے ان کی آزمائش کرے تاکہ وہ اس کے متعلق کہیں کہ وہ ہمارے رب کی طرف سے برحق اور حکمت پر مبنی ہے۔ کیونکہ وہ حکیم کا کام کرتا اور حکم دیتا ہے جس میں ثواب و حکمت ہوتا ہے اور ایمان والوں کیلئے ثابت قدمی، محبت، یقین اور طمانیت قلب کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ وَهُدًى وَّ

بُشْرٰی (اور ہدایت اور بشارت ہے)۔ یہ مفعول لہ ہیں اور دونوں کا عطف بہت سے کے محل پر ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے تثبیتاً لھم وارشاداً وبشارۃً ان کو ثابت قدم رکھنے اور راہنمائی کرنے اور خوشخبری سنانے کیلئے لِلْمُسْلِمِیْنَ (مسلمانوں کیلئے) اس میں اس بات پر تعریض کی جا رہی ہے کہ اس کے مخالف صفات تو غیر مسلموں میں ہوتی ہیں۔

کفار کا الزام اور اس کا جواب:

۱۰۳: وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ (اور ہم کو معلوم ہے کہ وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کو یہ کلام آدمی سکھا جاتا ہے) اس سے ان کی مراد حویطب کا ایک غلام تھا جو مسلمان ہوا اور بہت قدم رہا اس کا نام "عائش" تھا یا "یعیش" اور وہ کتابیں رکھتا تھا۔ نمبر ۱۔ اس سے عامر بن حضرمی کا غلام جبر رومی مراد ہے۔ نمبر ۲۔ جبر اور یسار مراد ہیں یہ دونوں غلام تورات وانجیل پڑھتے تھے۔ اور جو پڑھتے کبھی کبھی ان کو سنتے۔ نمبر ۳۔ سلمان فارسی مراد ہے۔ لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ (وہ زبان جس کی طرف نسبت کرتے ہیں عجمی ہے)۔

قراءت: یَلْحَدُون یہ یا اور حاء کے فتح کے ساتھ حمزہ وعلی نے پڑھا ہے۔ یعنی وہ حق کے راستے سے اعراض کر کے جس آدمی کی طرف اپنے قول کی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان غیر فصیح ہے۔ اور غیر واضح ہے۔ وَهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ (اور یہ واضح عربی زبان ہے) ھٰذا کا مشار الیہ قرآن ہے۔ مُبِیْن کا معنی بیان وفصاحت والی ہے۔ اس میں ان کے قول کی تردید اور ان کے طعنوں کو باطل قرار دیا گیا۔ یہ جملہ لِسَانُ الَّذِیْ الآیۃ اس کا محل اعراب نہیں کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ یہ ان کے قول کا جواب ہے۔ لحد کا معنی لفت ہے۔ کہا جاتا ہے لحد القبر ولحدہ وھو ملحد وملحود جب کہ گڑھے کو ٹیڑھا بنایا جائے اور اس کے ایک جانب کھدائی کی جائے۔ پھر اس کو عام کر کے ہر میلان عن الاستقامت کیلئے بطور استعارہ استعمال کرنے لگے۔ اور کہتے ہیں الحد فلان فی قولہ والحد فی دینہ وہ اپنے دین میں استقامت سے ہٹ گیا۔ وہ ملحد ہے کیونکہ اس نے اپنے مذہب کو تمام ادیان سے پھیر لیا۔

۱۰۴: اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ (یقینا وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی آیت پر ایمان نہیں لاتے) آیات اللہ سے قرآن مراد ہے۔ لَا یَهْدِیْهِمُ اللّٰهُ (اللہ تعالیٰ ان کی راہنمائی نہیں کرتے) جب تک کہ وہ کفر کو پسند کرتے رہتے ہیں۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے) جو آخرت میں ان کے کفر پر ان کو دیا جائے گا۔

دوسرا جواب:

۱۰۵: اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ (یقینا اللہ تعالیٰ پر افترا باندھنے والے وہ لوگ ہیں) الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ (جو اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے) یعنی افترا تو ان لوگوں کا عمدہ وطریقہ ہے۔ جن میں ایمان نہیں۔ کیونکہ وہ اس پر سزا کے قائل نہیں۔ اس میں اِنَّمَا اَنْتَ مُفْتَرٍ کی تردید ہے۔ وَاُولٰٓئِكَ (وہ) سے لَا یُؤْمِنُوْنَ کی طرف اشارہ ہے۔ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ (وہی جھوٹے ہیں) فی الحقیقت اور کذب میں کمال ان کو حاصل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب عظیم ترین جھوٹ ہے۔ نمبر ۲۔ وہ اپنی بات مفتر کہنے میں جھوٹے ہیں۔

والا ہے۔ وہی مجرم ہے۔

واقعہ عمار و یاسر رضی اللہ عنہم:

نمبر۳۔ الکاذبون خبر سے بدل ہے۔ ای واولئک ھم من کفر باللّٰہ من بعد ایمانہ وہ وہی ہیں جنہوں نے ایمان کے بعد اللہ تعالیٰ کا انکار کیا۔ نمبر۴۔ اس کو ذم کی صورت میں منصوب پڑھا جائے۔

روایت میں ہے کہ بعض اہل مکہ آزمائش میں پڑے تو ارتداد اختیار کیا۔ ان میں بعض وہ تھے جن کو مجبور کر کے کلمہ کفر کہلوایا گیا حالانکہ دل میں ایمان پختہ تھا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ انہی میں سے تھے۔ باقی ان کے والد اور والدہ دونوں کو اقرار نہ کرنے کی پاداش میں قتل کر دیا گیا۔ یہ اسلام میں پہلے مقتول تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ عمار نے کفر اختیار کر لیا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ عمار سر کے بالوں سے پاؤں کے ناخن تک ایمان سے پر ہے۔ اور ایمان تو اس کے خون اور گوشت میں رچا بسا ہوا ہے۔ [ابونعیم] پھر عمار رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روتے ہوئے حاضر ہوئے رسول اللہ ﷺ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کو اپنے دست قدس سے پونچھ رہے تھے آپ نے فرمایا تمہیں کیا ہوا (انہوں نے واقعہ ذکر کیا) تو فرمایا کہ وہ دوبارہ یہ اقرار کروائیں تو تم دوبارہ کہہ لینا [ابن عساکر] حضرت یاسر نے جو کیا وہ افضل ہے۔ کیونکہ قتل پر صبر کرنے میں اسلام کی عظمت زیادہ ہے۔

۱۰۷: ذٰلِکَ (یہ) یعنی وعید کی طرف اشارہ ہے اور غضب الٰہی کے اترنے اور عذاب عظیم کے مرتب ہونے کی اس میں وعید سنائی گئی ہے۔ بِاَنَّھُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَۃِ (اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو پسند کیا آخرت پر) یعنی انہوں نے آخرت پر دنیا کو ترجیح دی۔ یا سبب یہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے کے سبب۔ وَاَنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ (اور بیشک اللہ تعالیٰ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتے) جب تک کہ وہ کفر کو پسند کرتے رہیں گے۔

۱۰۸: اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَسَمْعِھِمْ وَاَبْصَارِھِمْ (یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر اللہ تعالیٰ نے مہر کر دی) پس وہ نہ تو غور و فکر کرتے ہیں۔ اور نہ ہی مواعظ کی طرف کان دھرتے ہیں اور نہ ہدایت کے راستہ کو دیکھتے ہیں۔ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْغٰفِلُوْنَ (اور وہی غافل ہیں) غفلت میں کمال کو پہنچے ہوئے ہیں کیونکہ جب انجام پر غور کرنے سے غفلت برتی جائے تو یہ غفلت کا آخری درجہ ہے اور اس کی انتہا ہے۔

کافر یقیناً نقصان میں ہیں:

۱۰۹: لَا جَرَمَ اَنَّھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ (لازمی بات ہے کہ آخرت میں یہی لوگ گھاٹے میں رہیں گے)

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا

اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان فرمائی۔ وہ بستی امن والی تھی اطمینان والی تھی اس کا رزق اس کے پاس بڑی

رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ

فراغت کے ساتھ ہر جگہ سے آتا تھا سو اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان کو بھوک

وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ

اور خوف کے لباس کا مزہ چکھا دیا۔ اور ان کے پاس انہی میں سے ایک رسول آیا سو انہوں نے اسے جھٹلایا۔

فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

سو انہیں عذاب نے پکڑ لیا اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والے تھے۔

ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا [الاعراف:۲۳] دوسری آیت میں رَبَّنَا اِنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا [الاحزاب:۶۷] ایک اور مقام پر فرمایا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ [الانعام:۲۳] وغیرہ آیات۔

وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (اور ہر نفس کو پورا پورا دیا جائے گا جو اس نے عمل کیا اور ان پر ظلم نہ ہوگا) توفی کا معنی ہے کہ اس کے عمل کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔ اور اس معاملہ میں ان کے حق میں کمی نہ کی جائے گی۔

نعمتیں اور اہل مکہ کی ناشکری:

۱۱۲: وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً (اللہ تعالیٰ نے ایک بستی کی مثال بیان کی) اللہ تعالیٰ نے اس بستی والوں کو تمام لوگوں کیلئے مثال بنا دیا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہو۔ اور نعمتوں نے ان کو مغرور کر دیا جس سے وہ کفر میں مبتلا ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ سے منہ پھیر لیا۔ جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب نازل کر دیا۔ نمبر۲۔ یہ بھی درست ہے کہ اس صفت و حالت والی کوئی بستی یا شہر مراد لیا جائے۔ نمبر۳۔ پہلے زمانے کی کوئی بستی ہو جس کا یہ حال ہو۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کیلئے بطور مثال بیان کر دیا ہو تاکہ یہ اس سے عبرت حاصل کریں۔ كَانَتْ اٰمِنَةً (وہ امن والی تھی) قتل اور قیدی بننے سے مُّطْمَئِنَّةً (اطمینان والی) کوئی خوف اس کو پریشان کرنے والا نہ تھا۔ کیونکہ اطمینان امن سے ہوتا ہے اور خوف سے بے چینی اور بے اطمینانی ہوتی ہے۔ يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا (اس کا رزق بافراغت ان کے پاس پہنچتا ہو) رغدًا بمعنی وسعت کے ساتھ مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ (ہر طرف سے) ہر شہر سے فَكَفَرَتْ (پس اس نے کفر کیا) وہاں کے رہنے والوں نے بِاَنْعُمِ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کے انعامات کے ساتھ) انعم جمع ہے نعمۃ کی۔ جبکہ تاء کو جمع میں چھوڑ دیا جائے۔ جیسا درع و ادرع نمبر۲۔ نُعم کی جمع ہے جیسے بؤس و ابؤس۔

فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ (پس اللہ تعالیٰ نے اس کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

سو اس میں سے کھاؤ جو اللہ نے تمہیں رزق حلال پاک عطا فرمایا اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی

اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿١١٤﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ

عبادت کرتے ہو۔ تم پر صرف مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور حرام کیا گیا جس پر ذبح کے وقت

لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٥﴾

غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔ سو جو شخص مجبوری میں ڈال دیا جائے اس حال میں کہ باغی نہ ہو اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو تو بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

ان کی حرکات کے سبب) الاذاقة واللباس یہ دونوں مستعار ہے ہیں اذاقہ مستعار کو باس مستعار کیلئے استعمال کیا۔ اور اس کے صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے اذاقہ ان کے ہاں حقیقت کے قائم مقام ہے کیونکہ بلاء اور مصائب میں یہ شائع و ذائع ہے۔ اور لوگوں کو پیش آتی رہتی ہے۔ جس پر لوگ کہتے ہیں ذاق فلان البؤس والضر واذاقہ العذاب۔ اس میں ضرر والم جس کا ادراک ہو سکتا ہے کڑوے کیلئے ہے جس کا ادراک ہو سکتا ہے تشبیہ دی ہے۔

لباس سے تشبیہ اس لئے دی ہے کہ لباس پہننے والے کو ڈھانپ لیتا ہے۔ جس طرح کہ انسان پر سختی آئے تو وہ اس کے حواس کو ڈھانپ لیتی ہے اور بعض حوادث اس پر اس طرح سوار ہو جاتے ہیں جیسے لباس جسم پر۔ باقی رہی یہ بات کہ جوع یا خوف کے لباس پر اذاقہ کو واقع کرنا اس لئے ہے جب وہ خوف و جوع میں سے جو چیز ڈھانپ لے جب اس کا اطلاق اس پر آتا ہے تو چکھنے کا اطلاق بھی اس پر درست ہے۔

گویا اس طرح کہا گیا: فَاَذَاقَهُمْ مَا غَشِيَهُمْ مِّنَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ (پس ان کو چکھائی وہ بھوک اور خوف جس نے ان کو آکر ڈھانپ لیا تھا) دنیا میں جس طرح موجود نعمتیں جنت کے مقابلہ میں چکھنے کی چیزیں ہیں۔ بالکل اسی طرح جہنم کے مقابلہ میں دنیا کی سزائیں بھی چکھنے کے مترادف ہیں اصل سزا تو بہت بڑی ہے۔ (مترجم)

۱۱۳: وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ (تحقیق ان کے پاس انہی میں سے ایک عظیم الشان رسول آئے) اس رسول سے یہاں حضرت محمد ﷺ مراد ہیں۔ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ (پس انہوں نے ان کو جھٹلایا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب میں پکڑ لیا اس حال میں کہ وہ ظالم تھے) اس حالت میں کہ وہ اپنے کو ظلم سے موصوف کرنے والے تھے۔ مفسرین رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ بدر کے دن قتل بالسیف سے جو عذاب دیا گیا وہ مراد ہے۔

حلال وطیب کھاؤ:

۱۱۴: روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اہل مکہ کی طرف قحط کے سالوں میں غلہ بھیجا جو ان میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ (پس تم کھاؤ اس کو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق دیا ہے) حضرت محمد ﷺ کے دست اقدس سے

خود تحریمات مت ایجاد کرو:

۱۱۶: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ (اور جن چیزوں کے متعلق تمہارا جھوٹا زبانی دعویٰ ہے) الکذب یہ لَا تَقُوْلُوْا کی وجہ سے منصوب ہے یعنی ولا تقولوا الکذب لما تصفہ السنتکم من البھائم بالحل والحرمۃ فی قولکم مت وہ جھوٹ بولو جو تمہاری زبانوں سے چوپایوں کی حلت وحرمت کے متعلق نکلتا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا۔ مافی بطون ھذہ الانعام خالصۃ لذکورنا و محرم علی ازواجنا [الانعام:۱۳۹] یہ بات بغیر وحی کے حوالے کے وہ کرتے تھے۔ یا بغیر کسی صحیح قیاس کے حوالے کے جس کی بنیاد قرآن وسنت سے استنباط پر ہو۔

اور لما میں لام اسی طرح ہے جیسا اس قول میں "لاتقولوا لما احل اللّٰہ ھو حرام" ھٰذَا حَلٰلٌ وَّھٰذَا حَرَامٌ (کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے) یہ الکذب سے بدل ہے۔

نَحْوٌ: الکذب پر نصب تَصِفُ کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔ اور نمبر۲۔ ما مصدریہ ہو کر ھذا حلال و ھذا حرام کو لا تقولوا سے متعلق کرو۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی ولا تقولوا ھذا حلال وھذا حرام۔ وھذا لوصف السنتکم الکذب یعنی ولا تحرموا ولا تحللوا لاجل قول تنطق بہ السنتکم ویجول فی افواھکم لا لاجل حجۃ وبینۃ ولکن قول ساذج ودعوی بلا برھان۔ تم اپنے زبانی قول سے حلال وحرام مت کرو۔ اور جو تمہارے منہ میں آئے بغیر دلیل وثبوت کے حلال وحرام مت کہہ ڈالو۔ محض قول یہ محض بے پر کی بات اور دعویٰ ہے جس کی بنیاد میں دلیل نہیں ہے۔

فصیح ترین جملہ:

تصف السنتکم الکذب یہ فصیح ترین جملہ ہے۔ اس میں ان کے قول کو بعینہٖ کذب قرار دیا۔ جب انہوں نے زبانوں سے کہہ دیا تو یہ کذب کے قائم مقام ہو گیا۔ اور اس کی شکل اختیار کر لی۔ جیسا کہتے ہیں وجھھا یصف الجمال و عینھا تصف السحر۔ اس کا چہرہ آئینہ حسن اور اس کی آنکھ سحر بے زبان ہے۔ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ (نتیجتاً تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹی تہمت باندھو گے) لِتَفْتَرُوْا کی لام تعلیلیہ ہے جس میں غرض کا معنی متضمن نہیں ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ (بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہ ہوں گے)

۱۱۷: مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (تھوڑا نفع اٹھانا ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے) یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ یعنی انکا افعال جاہلیت میں فائدہ معمولی ہے اور ان کی سزا بہت بڑی ہے۔ (اعاذنا اللّٰہ منھا)

یہود پر تحریم سزا کے طور پر تھی:

۱۱۸: وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ (اور یہود پر ہم نے حرام کیا جو ہم نے تمہیں اس سے قبل بیان کر دی)۔ سورۃ انعام میں جو اس آیت میں ہے وعلی الذین ھادوا حرمنا کل ذی ظفر الآیۃ [۱۴۶] وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ (اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا) ان کو حرام قرار دے کر وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (لیکن وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے تھے) ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش کے طور پر یہ چیزیں ان پر حرام کیں۔

رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٢٤﴾

اور بلاشبہ آپ کا رب قیامت کے دن ان کے درمیان ان چیزوں کے بارے میں ضرور فیصلہ فرمادے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

نادانی اور کفارہ بشرطِ اصلاح معاف ہے:

١١٩: ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ (پھر آپ کا رب ایسے لوگوں کیلئے جنہوں نے نادانی کے سبب برا کام کر لیا) بِجَهَالَةٍ: یہ حال ہے ای عَمِلُوا السُّوْٓءَ جَاهِلِيْنَ۔ انہوں نے برا کام کیا اس حال میں کہ جہالت اختیار کرنے والے تھے۔ انجام کو سوچنے والے نہ تھے۔ اور وہ تو غلبۂ شہوت سے کیا۔ ان کا مقصود خواہش کی لذت تھی مولیٰ کی نافرمانی مقصود نہ تھی۔ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا (پھر انہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح و درستی کر لی۔ بیشک آپ کا رب اس کے بعد) یعنی توبہ کے بعد لَغَفُوْرٌ (البتہ بخشنے والا ہے) ان گناہوں کو جو انہوں نے کثرت سے کیے ہیں۔ رَّحِيْمٌ (مہربان ہے) چنانچہ ارادہ سے جو انہوں نے مضبوط عزم کیے ہیں ان کو پورا کرتا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام عظیم مقتدا تھے وہ مشرک نہ تھے:

١٢٠: اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً (بیشک ابراہیم ایک بڑے مقتدا تھے)۔ ابراہیم علیہ السلام اکیلے ہی ایک امت تھے کیونکہ خیر کی صفات میں وہ کمال رکھتے تھے۔ جیسا کہ ابونواس کا یہ شعر ہے: لَيْسَ عَلَى اللّٰهِ بِمُسْتَنْكَرٍ اَنْ يَّجْمَعَ الْعٰلَمَ فِيْ وَاحِدٍ (اللہ تعالیٰ کیلئے یہ مشکل نہیں کہ وہ تمام جہان کو ایک میں جمع کر دے۔ یعنی تمام خصوصیات لا کر ایک کو جامع بنا دے) حضرت مجاہد کہتے ہیں وہ اکیلے مؤمن تھے جبکہ تمام لوگ کافر تھے۔ نمبر ۲۔ امۃ بمعنی ماموم مقتدا تاکہ لوگ ان سے بھلائی حاصل کریں۔ قَانِتًا لِّلّٰهِ (وہ اللہ تعالیٰ کیلئے

فرمانبرداری کرنے والے تھے)۔ قانت اس کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اوامر پر قائم ہو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ معاذ اُمت تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کیلئے عاجزی کرنے والے تھے۔ ان سے کہا گیا یہ تو ابراہیم علیہ السلام کی صفات ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ امۃ اس کو کہا جاتا ہے جو لوگوں کو خیر سکھائے۔ القانت اور اس کے رسول کا مطیع اور معاذ رضی اللہ عنہ اسی طرح تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر معاذ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بناتا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ابو عبیدہ امین ہذہ الامۃ ۔ ومعاذ امۃ اللہ قانت للّٰہ ان کے اور اللہ تعالیٰ کے مابین قیامت کے دن صرف (قرب مرتبہ میں) رسول ہونگے [ابونعیم] حَنِیۡفًا (اور باطل سے ہٹ کر ملت اسلام کی طرف جھکنے والے)۔ وَلَمۡ یَکُ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ (اور مشرکین میں سے نہ تھے) کفار قریش کی تکذیب کیلئے ان سے شرک کی نفی کی۔ کیونکہ قریش کا گمان یہ تھا کہ وہ ملت ابراہیم پر قائم ہیں۔

یَکُ بِیَکُنۡ کی نون کو حرف لین کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے حذف کر دیا۔

۱۲۱: شَاکِرًا لِّاَنۡعُمِہٖ (وہ ان کی نعمتوں کا شکر یہ ادا کرنے والے تھے) روایت میں ہے کہ وہ مہمان کے ساتھ صبح کا کھانا تناول کرتے۔ ایک دن ان کو مہمان نہ ملا تو اچانک انہوں نے ملائکہ کو صورت انسانی میں دیکھا آپ نے ان کو کھانے کی دعوت دی۔ انہوں نے یہ بات باور کرائی کہ انہیں جذام ہے۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تمہارے لئے کھانا کھانا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اس بات پر میں شکریہ ادا کروں کہ اس نے مجھے بچایا اور تمہیں ابتلاء میں ڈالا۔ اِجۡتَبٰہُ (ان کو چن لیا) خاص کیا اور نبوت کیلئے چنا۔ وَ ہَدٰىہُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ (اور ان کو صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کر دی) صراط مستقیم سے ملت اسلام مراد ہے۔

۱۲۲: وَ اٰتَیۡنٰہُ فِی الدُّنۡیَا حَسَنَۃً (اور ہم نے اس کو دنیا میں اچھائی عنایت فرمائی) حسنۃ سے نبوت مراد ہے۔ اور اولاد و اموال عنایت فرمائے۔ نمبر ۲۔ اتنا تذکرہ پھیلانے کیلئے ہر اہل دین ان کو دوست رکھتا ہے۔ نمبر ۳۔ ہماری امت میں سے ہر نمازی کا قول کما صلیت علی ابراھیم۔ وَ اِنَّہٗ فِی الۡاٰخِرَۃِ لَمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ (بیشک وہ آخرت میں نیکوں میں سے ہونگے) اہل جنت میں سے۔

۱۲۳: ثُمَّ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّۃَ اِبۡرٰہِیۡمَ حَنِیۡفًا ؕ وَ مَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ (پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی تم ملت ابراہیم کی اتباع کرو۔ جو سب سے یکسو ہونے والے تھے۔ اور مشرکین میں سے نہ تھے) ثم لا کر ہمارے پیغمبر ﷺ کا مرتبہ اور مقام اور مرتبے کا احترام بتلایا۔ اور یہ بتلا دیا کہ خلیل اللہ کو اشرف ترین عظمت جو عنایت فرمائی وہ یہ ہے کہ ہمارے رسول کو ان کی اتباع کا حکم دیا۔

سبت ملت ابراہیمی میں نہیں:

۱۲۴: اِنَّمَا جُعِلَ السَّبۡتُ عَلَی الَّذِیۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِیۡہِ (ہفتہ کے دن (کا پاس و حرمت) ان لوگوں پر فرض کیا گیا جنہوں نے اس میں اختلاف کیا) یعنی ہفتے کے دن کی تعظیم ان پر فرض کی اور اس دن مچھلیاں پکڑنے کی ممانعت کی۔ وَ اِنَّ رَبَّکَ لَیَحۡکُمُ بَیۡنَہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ فِیۡمَا کَانُوۡا فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ (بیشک آپ کا رب ان کے درمیان ان باتوں میں قیامت کے دن فیصلہ فرمائے گا جن میں

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ

اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت سے بلاؤ، اور ان سے ایسے طریقے پر بحث کیجئے جو اچھا

اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ⑰

طریقہ ہو۔ بلاشبہ آپ کا رب ان کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گئے اور وہ ان کو خوب جانتا ہے جو ہدایت کی راہ پر چلنے والے ہیں۔

وہ اختلاف کرتے تھے۔ روایت تفسیر میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو حکم دیا کہ وہ ہر ہفتہ میں ایک دن عبادت کا مقرر کر لیں۔ اور وہ جمعہ کا دن ہو۔ مگر یہودیوں نے انکار کر دیا۔ اور کہنے لگے ہم وہ دن چاہتے ہیں جس دن اللہ تعالیٰ زمین کی پیدائش سے فارغ ہوئے۔ اور وہ ہفتہ کا دن ہے۔ ان میں تھوڑی جماعت جمعہ پر رضامند ہوئی۔ یہی ان کا اختلاف ہے۔ جو ہفتہ کے سلسلہ میں انہوں نے اختیار کیا۔ کیونکہ بعض نے اس کو پسند کیا اور بعض نے اس کے مقابلہ میں جمعہ کے دن کو پسند کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہفتہ کے دن عبادت کی اجازت دی اور شکار کی حرمت میں مبتلا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت ان لوگوں نے فقط کی جنہوں نے جمعہ کو پسند کیا تھا۔ وہ اس دن شکار نہ کرتے تھے۔ اور بقیہ لوگ شکار سے صبر نہ کر سکے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو مسخ کر دیا۔ صرف مطیع بچے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان میں فیصلہ فرمائیں گے۔ وہ دونوں فریق کو ان کے عمل کے مناسب بدلہ دیں گے۔

طریقِ دعوت:

۱۲۵: اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ (تم اپنے رب کے راستہ کی طرف دعوت دو) سبیل سے اسلام مراد ہے۔ بِالْحِکْمَةِ (حکمت کے ساتھ) یعنی مضبوط اور صحیح بات کے ساتھ۔ اور وہ حق کو واضح کرنے والی اور شبہ کو دور کرنے والی دلیل ہے۔ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (اور اچھی نصیحت کے ساتھ) اور وہ وہی ہے جس میں مخاطب کو بھی معلوم ہو جائے کہ تم ان کی خیرخواہی چاہتے ہو۔ اور ان کے نفع کے طالب ہو۔ نمبر۲۔ موعظہ حسنہ سے مراد قرآن مجید ہے۔ یعنی ان کو اس کتاب سے نصیحت کرو جو کہ اچھی نصیحت اور حکمت ہے۔ نمبر۳۔ حکمت اقوال کے مراتب کو پہنچانا۔ الموعظة الحسنة۔ کہ جب رغبت خوف سے جا ملے اور انذار بشارت سے مل جائے۔

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (اور ان سے اس انداز سے بحث کرو جو کہ بہت خوب ہو) یعنی طریقہ سے جو کہ بحث کے شاندار طریقوں میں سے ہو۔ جس میں نرمی، رفق ہو اور درشتی نہ ہو۔ نمبر۲۔ ایسی بات جو دلوں کو جگائے اور نفوس کو اس سے نصیحت ملے۔ اور عقلوں کو روشنی میسر ہو۔

نکتہ: یہ ان لوگوں کی تردید ہے جو مناظرہ کے دین میں انکاری ہیں۔

اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ (بیشک تمہارا رب خوب جانتا ہے۔ اس کو جو اس کے راستے سے گمراہ ہونے والے ہیں۔ اور وہ ہدایت یافتگان کو بھی خوب جانتا ہے) یعنی وہ ان کو خوب جانتا ہے جن میں بھلائی ہو

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۚ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ

اور اگر تم بدلہ لینے لگو تو اتنا ہی جیسا بدلہ لو جیسا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے۔ اور اگر تم صبر کرو تو بیشک وہ صبر کرنے والوں کے لئے

لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ

بہتر ہے۔ اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا بس خدا ہی کی توفیق سے ہے اور ان پر غم نہ کیجئے اور یہ لوگ جو کچھ تدبیریں کرتے ہیں ان کے بارے میں

ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

تنگ دل نہ ہو جائیے۔ بلاشبہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور جو لوگ اچھا طریقہ کرنے والے ہیں

ان کو تھوڑا وعظ کافی ہے اور جس میں خیر نہ ہو اس کیلئے تمام حیلے عاجز آ جاتے ہیں۔

برابر کا بدلہ جائز ہے:

۱۲۶: وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ (اگر بدلہ لو تو اتنا بدلہ لو جتنا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا) پہلے فعل کو عقوبت کہا حالانکہ عقوبت تو دوسرا فعل ہے لفظی مناسبت کی وجہ سے۔ جیسا کہ فرمایا۔ (وجزاء سیئة سیئة مثلها) [الشوریٰ: ۴۰] اس آیت میں دوسری سیئہ نہیں۔ بلکہ سیئہ کا بدلہ ہے۔ مطلب یہ ہے اگر تمہارے ساتھ کوئی زیادتی قتل وغیرہ جیسی کی جائے تو اس کے مثل سے اس کا مقابلہ کرو اور اس پر اضافہ نہ کرو۔ روایت میں ہے کہ مشرکین نے بعض مسلمانوں کا احد کے دن مثلہ کیا اور ان کے پیٹ پھاڑ ڈالے۔ اور ان کے آلات تناسل کو کاٹا۔ نبی اکرم ﷺ نے حمزہ رضی اللہ عنہ کو پھٹے ہوئے پیٹ کے ساتھ دیکھا تو آپ نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے اے حمزہ! میں تیری جگہ ستر کفار کا مثلہ کروں گا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی آپ نے اپنی قسم کا کفارہ ادا فرمایا اور جو ارادہ فرمایا اس سے باز رہے۔ [ابن جریر۔ لم اجدہ] اس میں اختلاف نہیں کہ مثلہ حرام ہے کیونکہ اس کی ممانعت میں روایات وارد ہیں جن میں کاٹے والے کتے کے مثلہ کی بھی منع فرمایا۔

وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ (اور اگر تم صبر کرو تو ضرور وہ صبر کرنے والوں کیلئے بہت بہتر ہے) ھو میں ضمیر صبرتم کے مصدر کی طرف لوٹتی ہے۔ اور صابرین سے مراد مخاطب ہیں۔ یعنی اگر تم صبر کرو تو تمہارا صبر تمہارے لئے بہت بہتر ہے گویا الصابرین اسم ظاہر کو ضمیر کی جگہ لائے۔ اس سے مؤمنین کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے شاندار تعریف فرمائی۔ کیونکہ وہ سختیوں پر صبر کرنے والے تھے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کو فرمایا۔

تلقین صبر:

۱۲۷: وَاصْبِرْ (اور آپ صبر کریں) آپ صبر کریں اس میں صبر پر آمادہ کیا۔ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ (اور آپکا صبر کرنا خاص اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے) اور اس کی توفیق اور تثبیت سے ہے۔ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ (اور ان پر غم نہ کھائیں)۔ یعنی کفار پر کہ وہ ایمان نہ

اذیں۔ اور ایمان والوں پر اور جو سلوک کفار ان کے ساتھ کرتے ہیں۔ اس لئے کہ مسلمان اپنے مقصود تک پہنچ گئے۔ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ (اور ان سے تنگ نہ پڑیں جو تدابیر یہ کرتے ہیں)

قراءت: مکی نے ضاد کے کسرہ سے ضِیق پڑھا۔ اور ضیق یہ الضّیق کی تخفیف ہی ہے۔ یعنی تنگی والی بات میں اور یہ بھی درست ہے کہ دونوں مصدر ہوں۔ جیسا کہ قیل اور قول۔ مطلب یہ ہے ان کی تدابیر سے تمہارا سینہ تنگ نہ ہو۔ وہ آپ تک اثر انداز نہ ہوں گی۔

متقی اللہ کی معیت میں:

۱۲۸: اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ (اللہ تعالیٰ بیشک ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ جو گناہوں سے بچتے اور جو نیک کردار ہوتے ہیں) یعنی وہ ان کا دوست ہے جو برائیوں سے پرہیز کرنے والے ہیں۔ اور ان لوگوں کا جو طاعات پر عمل پیرا ہوں۔ کہا گیا۔ من اتقی فی افعاله، احسن فی اعماله کان اللّٰه معه فی احواله جو شخص اعمال میں حسن، افعال میں تقویٰ پیدا کرے اللہ تعالیٰ کی بے کیف معیت اس کے ساتھ ہے۔

معیت کا مطلب: ماموراتمیں اس کی نصرت اور محظورات میں اس کی عصمت۔

رزقنا اللّٰه بمونه العصمة من المحظورات والنصرة فی المامورات و المعیة فی جمیع الحالات آمین

تمت ترجمه سورة النحل یوم الجمعه بعد العصر فی شعبان ۱۴۲۳ھ لعبد المذنب شمس الدین۔

جبرئیل علیہ السلام میرے پاس براق لائے اور اس رات میں مجھے آسمانوں پر لے جایا گیا۔ اور یہ عروج بیت المقدس سے شروع ہوا۔ آپ ﷺ نے سفر سے واپسی پر قریش کے قافلے اور اس کے اونٹوں کی تعداد اور ان کے احوال بتلائے۔ اور آپ نے آسمانوں پر جو عجائبات دیکھے ان کو بیان فرمایا۔ آپ کی انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی۔ آپ بیت المعمور اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ معراج کا واقعہ ہجرت سے ایک سال قبل پیش آیا۔ اور یہ معراج حالت بیداری میں ہوا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فقد جسد رسول اللہ ﷺ لیکن آپ کی روح کو معراج ہوئی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل مروی ہے (مگر اسنادی اعتبار سے یہ روایات انتہائی کمزور ہیں مترجم)

قولِ جمہور:

معراج جسد مع الروح کے ساتھ ہوئی۔ کیونکہ خواب دیکھنا کوئی فضیلت نہیں اور نہ سونے والے کو کوئی درجہ حاصل ہے۔

اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا (مسجد اقصیٰ کی طرف) یہی بیت المقدس ہے کیونکہ ان دنوں وہاں مسجد نہ تھی۔ الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ (جس کے اطراف میں ہم نے برکت رکھی ہے) اس سے دین و دنیا کی برکات مراد ہیں کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام کی عبادت کی جگہ اور وحی کا مہبط ہے وہاں بے شمار جاری چشمے اور پھل دار درختوں کی کثرت ہے۔ لِنُرِیَهٗ (تاکہ ہم ان کو دکھائیں) محمد ﷺ کو مِنْ اٰیٰتِنَا (اپنی قدرت کے کچھ عجائبات) جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبوت محمد ﷺ پر دلالت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کا آسمانوں اور ان کے اندر جو کچھ نشانات ہیں۔ ان کا دیکھنا آپ کی نبوت کی علامت ہے۔ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ (بیشک وہی تمام باتوں کو سننے والا) یعنی اقوال کو الْبَصِیْرُ (دیکھنے والا ہے) افعال کو۔

نکتہ: بلاغت کا طریقہ التفات یہاں لایا گیا ہے کہ کلام غائب و متکلم اَسْرٰی پھر بٰرَکْنَا اور پھر اِنَّهٗ هُوَ کی طرف پھیر دیا گیا ہے۔

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِىْ

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی ۔ اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کے لئے ہدایت بنا دیا ۔ کہ تم لوگ میرے علاوہ کسی کو کارساز

وَكِيْلًا ۝ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝ وَقَضَيْنَآ

نہ بناؤ ۔ اے ان لوگوں کی نسل جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا ۔ بے شک وہ شکر گزار بندہ تھے ۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو

اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝

کتاب میں یہ بتا دیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں ضرور فساد کرو گے اور بڑی بلندی تک پہنچ جاؤ گے

فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا

سو جب ان دونوں میں پہلی مرتبہ کی میعاد کا وقت آئے گا تو ہم تم پر اپنے بندے بھیج دیں گے جو سخت لڑائی کرنے والے ہوں گے پھر وہ گھروں کے

خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَ

اندر گھس پڑیں گے ۔ اور یہ وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا ۔ پھر ہم ان پر تمہارا غلبہ بحال کر دیں گے اور

اَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ

مالوں سے اور بیٹوں کے ذریعے تمہاری امداد کریں گے اور جماعت کے اعتبار سے تمہیں خوب زیادہ بنا دیں گے ۔ اگر تم اچھے کام کرو گے تو اپنی جانوں کے لئے

لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ

بھلا کرو گے اور اگر برے کام کرو گے تو وہ تمہاری جانوں کے لئے ہوں گے ۔ پھر جب دوسری مرتبہ کی میعاد کا وقت آئے گا تاکہ وہ لوگ تمہارے منہ بگاڑ دیں

وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝ عَسٰى

اور تاکہ وہ مسجد میں داخل ہو جائیں جیسا کہ وہ اس میں پہلی بار داخل ہوئے تھے اور تاکہ جہاں سب کو غلبہ ملے اس چیز کو تباہ کر دیں ۔ قریب ہے

رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝

کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے تو ہم بھی وہی معاملہ کریں گے جو پہلے کیا ۔ اور ہم نے جہنم کو کافروں کا قید خانہ بنا دیا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا تذکرہ:

۲: وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ (اور موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی اور اس کو بنایا) اس کی ضمیر کتاب کی طرف راجع ہے یا

کتاب سے مراد تورات ہے۔ هُدًى لِّبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ (بنی اسرائیل کیلئے موجب ہدایت) اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِىْ وَكِيْلًا (اور ان سے کہہ دیا کہ تم میرے سوا کسی کو کارساز نہ بنانا) ای لا تتخذوا۔

قراءت: ابو عمرو نے یا سے پڑھا ہے۔ ای لئلا یتخذوا تا کہ وہ نہ بنائیں میرے سوا کارساز۔ وکیل کا معنی ایسا رب کہ جس کے حوالے اپنے امور کر دو۔

۳: ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ (اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا) نمبر۱۔ یہ اختصاص کی وجہ سے منصوب ہے نمبر۲۔ ندا کی وجہ سے منصوب ہے یہ ان کے نزدیک ہے جنہوں نے تا کے ساتھ پڑھا اور اس کو نہی قرار دیا۔ یعنی ہم نے انہیں کہہ دیا میرے سوا کسی کو وکیل نہ بناؤ اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا۔

اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا (بیشک وہ نوح بڑا شکر گزار بندہ تھا) ہٗ کی ضمیر نوح علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے۔ شکور: وہ شکر گزار تھا تنگدستی و خوشحالی ہر دو حالتوں میں۔ الشکر کہتے ہیں نعمت کے مقابلہ میں منعم کی تعریف کرنا۔ روایت میں ہے کہ وہ جب کھاتے، پیتے، پہنتے تو الحمد للہ کہتے۔ اے لوگو! تم ان کی اولاد ہو جو ان پر ایمان لائے اور ان کے ساتھ کشتی میں سوار کیے گئے۔ پس ان کی ذات کو نمونہ بناؤ۔ جس طرح تمہارے آباؤ اجداد نے بنایا۔ اولاد کے صحیح ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے آباء کے طرز عمل کو صحیح طور پر اپنائیں۔ اور آباء کا حال تمہیں معلوم ہو چکا۔ پس اے بیٹو! تم بھی اس طرح ہو۔

سرکشی بنی اسرائیل:

۴: وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ (اور ہم نے بنی اسرائیل کو صاف بتا دیا تھا کہ تم ضرور زمین میں فساد کرو گے) ہم نے ان کی طرف فیصلہ کن وحی اتاری یعنی قطعی طے شدہ بات ہے کہ وہ زمین میں فساد کریں گے۔ الکتاب سے تورات مراد ہے۔ لَتُفْسِدُنَّ یہ قسم محذوف کا جواب ہے نمبر۲۔ قضی فیصلہ قسم کے قائم مقام ہے اور لَتُفْسِدُنَّ اس کا جواب ہے گویا اس طرح فرمایا اقسمنا لتفسدن فی الارض۔ مَرَّتَيْنِ (دو مرتبہ) پہلی مرتبہ جب زکریا علیہ السلام کو قتل کیا اور ارمیاء علیہ السلام کو قید میں ڈالا گیا۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے ان کو ڈرایا۔ اور دوسری مرتبہ جب یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کو قتل کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا۔ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا (اور تم بڑی سخت سرکشی کرو گے) اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے تکبر اختیار کرو گے۔ یہ اسی طرح ہے جیسا دوسری آیت میں علو کا معنی ہے اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِى الْاَرْضِ [القصص: ۴] اس سے مراد ظلم سرکشی اور مفسدین کا اصلاح کرنے والوں پر غلبہ پانا ہے۔

سرکشی اوّل سزا:

۵: فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا (جب ان دو بار میں سے پہلی بار کا وقت آیا) وعد سے پہلی مرتبہ کا عذاب ہے۔ بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ (ہم نے تم پر بھیجے) مسلط کر دیے عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ (اپنے وہ بندے جو بڑے جنگجو تھے) لڑائی میں بہت سخت تھے۔ نمبر۱۔ نینویٰ کے سنحاریب اور اس کی فوج۔ نمبر۲۔ بخت نصر بابلی۔ نمبر۳۔ جالوت۔ انہوں نے علماء کو قتل کیا۔ تورات کو جلا ڈالا۔ مسجد

کو اجاڑ دیا۔ اور ستر ہزار افراد کو قید و بند میں ڈال دیا۔ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ (وہ تمہارے شہروں میں گھس گئے) وہ گھروں میں لوٹ مار کیلئے پھرنے لگے۔ زجاج رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ الجوس کسی چیز کو انتہائی کوشش سے ڈھونڈنا۔ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا (اور وہ وعدہ ہونا ہی تھا) لہٰذا اس کا بہرصورت نافذ ہونا تھا۔

دوبارہ درستگی:

۶: ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ (پھر ہم نے تمہیں ان دشمنوں پر دوبارہ غلبہ دیا) سلطنت و غلبہ عَلَيْهِمْ جو تم پر مسلط کیے گئے تھے۔ جب تم توبہ کر کے فساد سے باز آ گئے اور تکبر چھوڑ دیا۔ نمبر۱۔ ایک قول یہ ہے کہ بخت نصر کا قتل مراد ہے۔ اور ان کے ہاتھوں سے قیدیوں کی رہائی و آزادی اور اموال کی واپسی سلطنت کو دوبارہ میسر ہو جانا۔ نمبر۲۔ طالوت کو بادشاہی دیکر ہم نے سلطنت میسر کر دی۔ داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا۔ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا (اور ہم نے تمہاری اموال اور اولاد سے مدد کی اور تمہیں لشکر کے لحاظ سے زیادہ کر دیا)۔ اس سے جتنی تعداد میں پہلے تھے۔ نمبر۱۔ نفیر ہے یہ نفر کی جمع ہے وہ آدمی جو اپنی قوم کے ساتھ کوچ کرے۔

۷: اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا (اگر تم اچھے عمل کرو گے تو اس کا فائدہ تمہارے ہی لئے ہوگا۔ اور اگر تم برے کام کرو گے تو بھی اپنے ہی لئے کرو گے) ایک قول نمبر۱۔ یہ ہے کہ لام علیٰ کے معنی میں ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ [البقرہ: ۲۸۶] صحیح قول یہ ہے کہ وہ اپنے معنی میں ہے۔ کیونکہ اختصاص کیلئے ہے۔ ہر ایک اپنے عمل کے بدلے کے ساتھ خاص ہے خواہ وہ اچھا ہو یا برا۔ یعنی احسان، برائی دونوں تمہارے نفوس کے ساتھ خاص ہیں۔ ان کا نفع و نقصان غیر کی طرف متعدی نہیں ہو سکتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے کہ نہ احسان میں نے کسی کے ساتھ کیا اور نہ زیادتی (مگر وہ اپنے نفس کے ساتھ کی) پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: اِنْ اَحْسَنْتُمْ الآیہ۔

دوسرا موقعہ سزا:

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ (جب دوسرے وعدے کا وقت آیا) دوسرا وعدہ آیا۔ ہم نے ان کو مقرر کر دیا۔ لِيَسُوْٓءٗا یعنی یہ لوگ وُجُوْهَكُمْ (تا کہ وہ تمہارے چہروں کو بگاڑ دیں) اور بعثنا کو حذف کر دیا کیونکہ اولاً اس کے تذکرہ کی وجہ سے اس پر دلالت موجود ہے۔ یعنی لیجعلوها بادیۃ آثار المساءۃ والکآبۃ فیها تا کہ ان کو ایسا بنا دیں کہ جس میں برائی اور اکتاہٹ کے آثار ظاہرہ نمایاں ہوں جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا سیئت وجوہ الذین کفروا۔ [الملک: ۲۷]

قراءت: لیسوء شامی حمزہ ابوبکر نے پڑھا ہے۔ اس میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہو گی نمبر۱۔ وعدے کی طرف نمبر۲۔ بعث کی طرف۔ علی نے لنسوء پڑھا ہے۔ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ (تا کہ وہ مسجد میں گھس جائیں) الْمَسْجِدَ سے بیت المقدس مراد ہے۔ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا (جس طرح پہلی مرتبہ گھس گئے اور اس لئے کہ جس چیز پر وہ غلبہ پائیں اس کو برباد کر ڈالیں) مَا عَلَوْا یہ لِيُتَبِّرُوْا کا مفعول ہے تا کہ وہ ہلاک کر ڈالیں ہر اس چیز کو جس پر غالب آ گئے اور مسلط ہوں۔ نمبر۲۔ غلبہ کا زمانہ اور مدت مراد ہے۔

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا

اور ہم نے رات کو اور دن کو دو نشانیاں بنایا سو ہم نے رات کی نشانی کو تو کر دیا اور دن کی نشانی کو روشن کر دیا

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ⑫

تاکہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور برسوں کی گنتی کو اور حساب کو جان لو اور ہم نے ہر چیز کو خوب تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰۗىِٕرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ⑬

اور ہم ہر انسان کی گردن میں اس کا اعمال نامہ لازم کر دیں گے اور ہم اس کے لئے کھلا ہوا کتاب نکال دیں گے وہ اس کتاب کو کھلی ہوئی دیکھے گا

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ⑭ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ

تو اپنی کتاب کو پڑھ لے آج تو اپنا حساب کرنے کے لئے کافی ہے جس نے ہدایت پائی تو وہ اپنے ہی نفع کے لئے ہدایت اختیار کرتا ہے

وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى

اور جو شخص گمراہ ہوتا ہے اپنے ہی نقصان پہنچانے کے لئے گمراہ ہوتا ہے اور کوئی جان کسی دوسرے کا بوجھ اٹھانے والی نہیں اور جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیج

نَبْعَثَ رَسُوْلًا ⑮

دیں اس وقت تک عذاب نہیں دیتے۔

انسان بددعا میں جلد باز ہے:

۱۱: وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ (انسان جس طرح (جلدی) سے بھلائی مانگتا ہے اسی طرح برائی مانگتا ہے) تکلیف کے موقعہ پر ناراض ہو کر اپنے نفس اور اہل و عیال اور مال و اولاد کیلئے بددعا کرتا ہے جیسا کہ ان کیلئے خیر کی دعا کرتا ہے۔ نمبر۲۔ جلد ملنے والے نفع کا طالب ہے۔ اگرچہ وہ نفع قلیل مقدار میں ہو۔ اس نقصان کے بدلے میں جو بدیر آنے والا ہو اگرچہ وہ کثیر مقدار میں ہو۔ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا (اور انسان جلد باز (پیدا ہوا) ہے) ہر وہ چیز جو اس کے دل میں آتی ہے اس کو جلد طلب کرتا ہے جیسا کہ طرح اس میں انتظار نہیں کرتا۔ نمبر۳۔ انسان سے کافر مراد ہے کیونکہ وہ عذاب کو بطور استہزاء مانگتا ہے اور جلد طلب کرتا ہے جیسا کہ جب تکلیف پہنچے تو جلدی سے رو بیت کا طالب ہے اور انسان کے جلد باز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عذاب بہر صورت آنے والا ہے۔ پھر اس جلدی مچانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس سے نضر بن حارث مراد ہے۔ اسی نے یہ کہا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا الآية [الانفال: ۳۲] اللہ نے اس کا جواب اس طرح دیا کہ پکڑ کر اس کی گردن مار دی گئی۔ یہ بات بھی اس لحاظ سے مناسبت رکھتی ہے کہ ما سبق نقل کی گئی ہے۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے خوش عیش لوگوں کو حکم دیتے ہیں پھر وہ لوگ وہاں نافرمانی کرتے ہیں سو ان پر وہی بات ثابت ہو جاتی ہے

فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ

پھر ہم اس بستی کو پوری طرح ہلاک کر دیتے ہیں۔ اور نوح کے بعد کتنی ہی قومیں تھیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا اور آپ کا رب بندوں کے

بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾

گناہوں کے جاننے دیکھنے کیلئے کافی ہے۔

ذات سے کی جائے۔

ہدایت کے اپنے فائدے:

۱۵: مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا (جو شخص راہ پر چلتا ہے۔ وہ اپنے نفع کیلئے راہ پر چلتا ہے۔ اور جو شخص بے راہی کرتا ہے۔ پس وہ بھی اپنے ہی نقصان کے لئے بے راہ ہوتا ہے) اس کو ہدایت کا ثواب اور ضلال کا وبال پہنچے گا۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (اور کوئی شخص کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا) ہر نفس خود اپنا بوجھ اٹھائے گا۔ کسی دوسرے نفس کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (اور ہم سزا نہیں دیتے جب تک کسی رسول کو نہیں بھیج دیتے) ہم کسی قوم کو دنیا میں استیصال کا عذاب اس وقت تک نہیں دیتے جب تک رسول بھیج کر ان پر حجت تمام نہیں کر دیتے۔

ہلاکت تکمیل حجت کے بعد ہے:

۱۶: وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا (اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوش عیش لوگوں کو حکم دیتے ہیں) قریہ سے اہل قریہ مراد ہیں۔ مترفین سے مالدار اور بدمست لوگ مراد ہیں۔ اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا ان کو طاعت کا حکم دیتے ہیں۔ یہ ابو عمرو اور ذوجانی کی قراءت میں ہے۔ فَفَسَقُوْا فِيْهَا (پھر وہ لوگ وہاں شرارت کرتے ہیں) وہ حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ جیسے کہ کہتے ہیں۔ امرتہ فعصی۔ نمبر۲۔ کثرت اختیار کرنا۔ اس کی دلیل قراءت یعقوب آمرنا ہے اور اسی معنی میں یہ روایت ہے خیر المال سکۃ مأبورۃ او مہرۃ مأمورۃ [احمد طبرانی] کثرت نسل والا گھوڑا ہے۔ فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ (پھر ان پر حجت پوری ہو جاتی ہے) ان پر وعید لازم ہو جاتی ہے۔ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا (پھر اس بستی کو تباہ و غارت کر ڈالتے ہیں) ہم اس کو پورے طور پر ہلاک کر دیتے ہیں۔

پہلوں سے عبرت پکڑو:

۱۷: وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ (اور ہم نے بہت سی امتوں کو نوح کے بعد ہلاک کیا ہے)

باقی ہے۔ بسا اوقات فقر تو اس کے لئے اور زیادہ بہتر رہتا ہے۔ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا (پھر ہم اس کے لئے جہنم تجویز کریں گے وہ اس میں بدحال راندہ ہو کر داخل ہوگا) آخرت میں وہ جہنم میں داخل ہوگا۔ اس حالت میں ملوماً مغضوباً مدحوراً اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دھتکارا ہوا۔

آخرت کے لئے مؤمن کی محنت قابل قدر ہے:

۱۹: وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا (اور جو شخص آخرت کی نیت کرے گا اور اس کے لئے جیسی کوشش کرنی چاہئے ویسی ہی کوشش کرے گا) سعیہا یہ سعی کا مفعول ہے یعنی اس کی کوشش جس کوشش کے کرنے کا اس کو حق ہے۔ اور کفایت والے اعمال صالحہ۔ وَهُوَ مُؤْمِنٌ (بشرطیکہ وہ شخص مؤمن بھی ہو) وہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور وعیدوں کی تصدیق کرنے والا بھی ہو۔ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا (پس ایسے لوگوں کی یہ کوشش مقبول ہوگی) ان کی کوشش اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور قابل ثواب ہے۔

قول بعض سلف:

جس کو تین چیزیں میسر نہ ہوں اس کا عمل نفع بخش نہیں نمبر ۱۔ پختہ ایمان نمبر ۲۔ نیت صادق نمبر ۳۔ درست عمل اور پھر یہ آیت تلاوت کی اس میں تین شرائط ذکر ہیں۔ نمبر ۱۔ کوشش قابل قدر وہی ہے جو آخرت کی غرض سے ہو۔ نمبر ۲۔ اور کوشش اسی قدر جس کا وہ مکلف بنایا گیا نمبر ۳۔ مضبوط ایمان۔

عطیہ رزق ہر ایک کو:

۲۰: كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا (اور آپ کے رب کی عطا میں سے تو ہم ان کی بھی امداد کرتے ہیں اور ان کی بھی اور آپ کے رب کی عطا بند نہیں) کلاً فریقین میں سے ہر ایک۔ تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ یہ نمد کی وجہ سے منصوب ہے ہٰؤلاء یہ کلاً کا بدل ہے۔ ای نمد ہٰؤلاء پہلے ہٰؤلاء سے دنیا پرست اور دوسرے ہٰؤلاء سے طالبین آخرت مراد ہیں۔ من عطاء ربک تیرے رب کا عطیہ جو اس نے عنایت کر رکھا ہے۔ من کا تعلق نمد سے ہے۔ العطاء دی جانے والی چیز کا نام ہے۔ یعنی ہم ان کے لئے اپنے عطیات بڑھا دیتے ہیں اور گزشتہ کیلئے پیوستہ کو مددگار بنا دیتے ہیں۔ اور منقطع نہیں کرتے۔ نافرمان و فرمانبردار کو محض اپنے فضل سے رزق دیتے اور تیرے رب کا یہ رزق والا عطیہ باوجود نافرمانی روکا نہیں جاتا۔

دنیا میں درجے ہم نے دیئے:

۲۱: اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (آپ دیکھ لیجئے کہ ہم نے ایک کو دوسرے پر کس طرح فوقیت دی) انظر تم عبرت کی نگاہ سے دیکھو کیف فضلنا الآیۃ کس طرح ہم نے مال و جاہ کشادگی و کمال میں ایک دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے۔

آخرت پھر آخرت ہے:

وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا (اور البتہ آخرت درجوں کے اعتبار سے بھی بہت بڑی اور فضیلت کے اعتبار سے بھی

محذوف اَحْسِنُوْا کا مفعول ہے۔ یعنی قالو بالوالدین احسانا تقدیرہ۔ یا کے ماتحت ای بان تحسنوا بالوالدین احسانا اور والدین کے ساتھ تم احسان کرنا۔

اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ (اگر تیرے پاس پہنچ جائے ان میں سے) بڑھاپے کو۔ اِمَّا نمبر۱۔ میں اِن شرطیہ ہے اور ما تاکید کیلئے ملایا گیا۔ اسی لئے نون موکدہ فعل پر داخل کیا گیا۔ اگر تنہا اِن لاتے تو درست نہ ہوتا کیونکہ اس طرح کہنا درست نہیں۔ اِن تکرمن زیدًا یکرمك۔ البتہ یہ درست ہے اما تکرمنه۔ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا (ایک یا دونوں کو بڑھاپا) اَحَدُهُمَا یَبْلُغَنَّ کا فاعل ہے۔ حمزہ و علی کی قراءت میں یبلغانّ ہے۔ پس الف اس ضمیر کے بدل میں ہے جو والدین کی طرف راجع ہے۔ کلاھما کا عطف احدھما پر ہے۔ یہ فاعل یا بدل ہے۔ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ (تو ان کو کبھی ہوں بھی مت کہنا)

قراءت: مدنی و حفص نے اُفٍّ پڑھا۔ مکی و شامی نے اُفَّ پڑھا اور دوسروں نے اُفِّ پڑھا ہے۔ یہ ایسی صوت ہے جو اکتاہٹ پر دلالت کرتا ہے۔ کسرہ کی وجہ تو یہ ہے کہ ساکن کو کسرہ دیا جاتا ہے۔ اور فتح بطور تخفیف ہے اور تنوین تنکیر پر دلالت کیلئے ہے۔ مطلب اس طرح ہو گیا تم ان سے اکتاہٹ ہو گئی؟ اور تنوین جب نہ پڑھیں تو اس کا مقصد معرفہ قرار دینا ہے۔ اسی التضجر المعلوم کیا تو جانی پہچانی اکتاہٹ محسوس کرتا ہے؟

وَلَا تَنْهَرْهُمَا (اور نہ ان کو جھڑکنا) تو ان کو اس بات میں مت جھڑک جو وہ کریں اور تمہیں پسند نہ ہو۔ ممانعت اور النہر (ڈانٹ) ایک چیز ہیں۔ وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا (اور ان سے خوف ادب سے بات کرنا) اف اور ڈانٹ کے بدلے خوبصورت نرمی والی بات کہو جیسا کہ حسن ادب کا تقاضا ہے۔ نمبر۲۔ اس طرح کہ ابا جی۔ امی جی۔ ان کا نام لے کر نہ بلائے کیونکہ یہ بھی بدخلقی ہے۔ اور ان کی غیر موجودگی میں نام لینے میں حرج نہیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نحلنی ابو بکر کہا۔

عندک کا فائدہ:

یہ ہے کہ جب دونوں کا ضعف کی وجہ سے بیٹے پر دارومدار ہو جائے اور گھر میں ان کا کوئی کفیل و نگہبان نہ ہو تو یہ بڑا مشکل وقت ہے۔ پس ایسے موقع پر اس کو حکم دیا گیا کہ ان دونوں کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آئے۔ اور اگر ان کی بات دل سے تنگ ہو جائے تو تب بھی ایسی بات نہ کہے جو ان کے تنگ دل ہونے کا باعث ہو۔ مثلاً اُف۔ چہ جائیکہ اس سے بڑی اور سخت بات۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق وصیت میں مبالغہ فرمایا وہ اس طرح کہ والدین کے احسان کو اپنی توحید کے ساتھ ملا کر ذکر کیا۔ پھر ان کی رعایت میں دائرے کو اور زیادہ تنگ کیا اور ایسے کسی کلمے کے کہنے کی اجازت بھی نہیں دی جو تنگ آتے ہوئے انسان کو نقل کرنے درست ہیں باوجودیکہ اکتاہٹ کے ایسے حالات موجود ہوں جن میں اپنے آپ کو روکنا انتہائی مشکل ہو۔

۲۴: وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ (اور ان کے سامنے انکساری کے ساتھ) ان کے لئے تو اپنے بازو کو جھکا دے جیسا دوسرے مقام پر فرمایا واخفض جناحك للمؤمنين [الحجر: ۸۸]

نکتہ: جناح کی اضافت الذل کی طرف اسی طرح ہے جیسا کہ حاتم کی اضافت جود کی طرف کی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے تو ان کے لئے اپنے عاجزی بازو کو جھکا۔ مِنَ الرَّحْمَةِ (مہربانی سے جھکے رہنا) ان پر بہت شفقت کرتے ہوئے اور بڑھاپے کی وجہ سے ان

کے ساتھ مہربانی برتتے ہوئے اور اس وجہ سے کہ آج وہ اس کے محتاج بن بیٹھے ہیں جو کل مخلوقات میں سب سے زیادہ اس کا محتاج تھا۔

قول زجاج: آیت کا معنی یہ ہے کہ تو ان سے نرم پہلو برت اس حال میں کہ انتہائی مہربانی سے ان کے سامنے جھکنے والا ہو۔

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا (اور یوں دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرما جیسا انہوں نے مجھ کو بچپن میں پالا) اے انسان! تو فقط ان پر مہربانی کرنے پر اکتفا نہ کر کیونکہ یہ تو عارضی چیز ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کر کہ اے اللہ تو ان پر اپنی باقی رہنے والی رحمت فرما۔ اور اس دعا کو اپنے بچپن کی شفقت کا بدلہ سمجھ اور اپنی تربیت کی جزاء قرار دے۔ اس میں خطاب سے آنحضرت ﷺ کے علاوہ مراد ہے۔ اور یہ دعا اس وقت جائز ہے جبکہ ماں باپ مسلمان ہوں۔ نمبر۲۔ اگر کافر ہوں تو ایمان لانے کی شرط کے ساتھ ان کے لئے رحمت کی دعا کرے اور ان کے حق میں ہدایت کی دعا کرے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے رضا اللّٰہ فی رضا الوالدین و سخطہ فی سخطھما (ترمذی) دوسری روایت میں ہے کہ یفعل البار ما شاء ان یفعل فلن یدخل النار و یفعل العاق ما شاء ان یفعل فلن یدخل الجنۃ۔ (الثعلبی)

ایک اور روایت میں جس کو مجمع الزوائد میں نقل کیا گیا ہے۔ ایاکم وعقوق الوالدین تم اپنے آپ کو والدین کی نافرمانی سے بچاؤ۔ جنت کی خوشبو ایک ہزار سال کی مسافت سے محسوس ہوتی ہے والدین کے نافرمان کو جنت کی خوشبو بھی میسر نہ ہوگی۔ اسی طرح قطع رحمی کرنے والا اور بوڑھا زانی اور تکبر سے چادر لٹکانے والا۔ بڑائی اللہ رب العالمین کے لائق ہے۔

۲۵: رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا۔ (تمہارا رب تمہارے باطن کو خوب جانتا ہے) جو تمہارے دلوں میں والدین کے ساتھ نیکی کا ارادہ اور ان کی خدمت میں خوشی اور عظمت بھی ہوتی ہے۔

اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ: (اگر تم سعادت مند ہو) یعنی درستی اور احسان کا قصد کرنے والے ہو۔ پھر غصہ کی حالت میں تم سے کوئی زیادتی ہو جائے اور سینے کی تنگی کے وقت تنگ دلی صادر ہو جو ان کی ایذاء کا باعث بن جائے پھر تم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلو اور استغفار کرلو فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا (تو وہ توبہ کرنے والوں کی خطا معاف کر دیتا ہے) اَوَّاب: وہ شخص ہوتا ہے جو گناہ کے بعد توبہ کی طرف جلد رجوع کرے یہ بھی درست ہے کہ یہ عام ہو اور ایسے آدمی کو شامل ہو جس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے۔ پھر وہ اس سے توبہ کرے۔ آپ اس کے ماتحت والدین کے حق میں گناہ کا مرتکب بھی ہو جائے گا۔ جو گناہ کے بعد جلد توبہ کرلے۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ

اور رشتہ دار کو اور مسکین کو اور مسافر کو اس کا حق دیتے رہو اور مال کو بے جا مت اڑاؤ۔ بے شبہ بے جا اڑانے والے

كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ

شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔ اور اگر تو اپنے رب کی رحمت کے انتظار میں جس کی تو امید رکھتا ہے ان لوگوں کی

رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ

طرف سے پہلو تہی کرے تو ان سے نرم بات کہہ دیجئے۔ اور تو اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن کی طرف باندھا ہوا رکھ

وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ

اور نہ اسے بالکل ہی کھول دے ورنہ تو ملامت کیا ہوا خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ رہے گا۔ بلاشبہ تیرا رب جس کے لئے چاہے رزق میں فراخی دیتا ہے

وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝

اور وہ رزق میں تنگی بھی کر دیتا ہے، بلاشبہ وہ اپنے بندوں سے باخبر ہے دیکھنے والا ہے۔

قرابت دار کا حق:

۲۶: وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى (اور دو اپنے قرابت والے کو) جو تیرا قریبی ہو حَقَّهٗ (اس کا حق) اس وقت خرچ کرو جبکہ محرم ہو اور مسکین ہوں۔ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ (مساکین اور مسافر) یعنی ان کو زکوٰۃ میں سے ان کا حق دو۔ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (اور تم فضول خرچی نہ کرو) اسراف نہ کرو۔ نمبر۲۔ ایک قول یہ ہے کہ تبذیر مال کو ایسے مقام پر خرچ کرنا جو محل نہ ہو اور نہ خرچ کا مقام ہو۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اگر کسی نے ایک مُد غلط مقام پر خرچ کیا تو وہ بھی تبذیر میں شامل ہے۔ کسی آدمی نے خیر میں بہت مال خرچ کیا تو اس کے دوست نے کہا اسراف میں خیر نہیں تو اس نے برجستہ جواب دیا خیر میں اسراف نہیں۔

تبذیر کی ممانعت:

۲۷: اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ (بیشک فضول خرچی کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں) جو شرارت میں ان کی مثل ہیں۔ یہ انتہائی مذمت کا کلمہ ہے کیونکہ شیطان سے بڑھ کر کوئی شریر نہیں۔ نمبر۲۔ وہ ان کے بھائی اور دوست ہیں کیونکہ وہ اسراف وغیرہ کے کاموں جن کا وہ حکم دیتے ہیں ان میں ان کی پیروی کرتے ہیں۔

وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا (اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے) ان باتوں میں اطاعت کرنا مناسب ہے۔ شیطان اس کام کی طرف دعوت دیتا ہے۔ جو اس کے اپنے فعل کی طرح ہو۔

۲۸: وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ (اور اگر تمہیں ان سے رخ پھیرنا پڑے) اگر تم قرابت والوں اور مساکین، ابن سبیل سے واپس لوٹانے سے حیا کرتے ہوئے اعراض کرو۔ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا (اس رزق کی امید میں جس کے تم اپنے رب کی طرف سے امیدوار ہو تو ان کو نرمی والی بات کہو) یعنی اگر تم اس رزق کے نہ ہونے کی وجہ سے اعراض کرتے ہو جس کے ملنے کی تمہیں امید ہے تو ان کو اچھی بات کہہ کر لوٹا دو۔ آیت میں رزق کو رحمت سے تعبیر فرمایا۔ اور تقدیر یہ ہے کہ ابتغاء لفقد لایا گیا۔ یہ اس کا لازم ہے کیونکہ رزق کو کم پانے والا اس کا مشتاق ہوتا ہے گویا فقد سبب ابتغاء ہے اور ابتغاء مسبب عنہ ہے۔ پس سبب کو مسبب کی جگہ لایا گیا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے یُسّر الامور عُسر جیسے سُعِد الرجل و نُحِس۔ یہ مفعول لہ ہے۔

نمبر۲۔ کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ انہیں اس طرح کہو۔ رزقنا اللّٰہ و ایاکم من فضلہ اس صورت میں یہ ان کے حق میں وسعت رزق کی دعا ہے۔ گویا اس کا معنی یہ مرتب ہے قولاً ذا میسور وھو الیسر یعنی ایسی دعا جس میں وسعت ہو۔ ابتغاء نمبر۱۔ یہ مفعول لہ ہے۔ نمبر۲۔ مصدر ہے جو موضع حال میں لایا گیا ہے اور ترجوھا یہ حال ہے۔

بخل و اسراف کی ممانعت:

۲۹: وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ (اور تم اپنے ہاتھ کو گردن سے بندھا ہوا نہ کرو) وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ (اور نہ بالکل کھول دو) یہ مصدر کی طرف اضافت کی وجہ سے منصوب ہے۔ یہ صرف کے عطاء کرنے اور بخیل کے ہاتھ روک لینے کی تمثیل ہے۔ اس میں اسراف و بخل کو چھوڑ کر میانہ روی کا حکم دیا گیا ہے۔ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا (ورنہ بیٹھ جاؤ گے ملامت کئے ہوئے) یعنی تم ہو جاؤ گے اللہ تعالیٰ کے ہاں ملامت کیے ہوئے کیونکہ مسرف اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ اور لوگوں میں بھی اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ فقیر کہے گا اس نے فلاں کو دیا اور مجھے محروم کر دیا۔ اور غنی کہے گا: یہ شخص معیشت کے معاملات کو درست طور پر نہیں جانتا۔ اور دل میں ملامت محسوس کرتے ہوئے ہو گے اور دوسروں میں محتاج ہو گیا پس اس طرح تم شرمندگی ظاہر کرو گے۔

مَّحْسُوْرًا (خالی ہاتھ) سب سے منقطع ہو کر تیرے پاس کوئی چیز نہ رہی۔ یہ حسرۃ السفر سے ہے جب کہ سفر کا اس پر واضح اثر ہو۔ نمبر۲۔ ننگا یہ اس وقت ہے جب کہ حسر راسہ سے لیا جائے یعنی اس کا سر ننگا ہوا۔ ایک مسلمان عورت سے اس کی سوکن یہودیہ کا اس بات میں مقابلہ ہوا کہ محمد ﷺ حضرت موسیٰ سے زیادہ سخی ہیں۔ چنانچہ اس عورت نے اپنی بچی حضور ﷺ کے پاس بھیجا اور آپ ﷺ سے وہ قمیص مانگی جو آپ ﷺ نے پہنی ہوئی تھی۔ وہ گھر میں بغیر قمیص کے تشریف فرما رہے۔ جب نماز کا وقت آگیا آپ ﷺ نماز کیلئے تشریف نہ لائے۔ پس یہ آیت اتری (اسباب النزول للواحدی صفحہ نمبر ۱۹۲)

رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے:

۳۰: پھر اللہ تعالیٰ نے جو آپ ﷺ کو تنگی وغیرہ پیش آتی اس کے متعلق تسلی دی کہ یہ آپ ﷺ کی تنگی کیلئے نہیں اور نہ آپ ﷺ کے متعلق کسی بخل کی بناء پر ہے بلکہ قدرت الٰہی کا اظہار ہے کہ رزق کا کھولنا اور بند کرنا اللہ کے اختیار میں ہے چنانچہ فرمایا۔ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ (بے شک آپ کا رب جس کیلئے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے) یعنی رزق کا کھولنا یہ آپ کے اختیار میں نہیں۔ وَيَقْدِرُ (اور تنگ کر دیتا ہے) یعنی وہ تنگ کرتا ہے پس آپ پر کوئی ملامت نہیں۔ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا (بے

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۚ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ

اور تم اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو، انہیں ہم رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔ بلاشبہ ان کا قتل کرنا

خِطْاً كَبِيْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا

کبیرہ گناہ ہے۔ اور زنا کے پاس نہ جاؤ بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی اور بری راہ ہے۔ اور اس جان کو قتل

النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ

نہ کرو جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا ہے مگر یہ کہ حق کے ساتھ ہو۔ اور جو شخص مظلوم ہونے کی صورت میں قتل کیا گیا تو ہم نے اس کے ولی کے لئے تسلط

سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا

رکھا ہے سو وہ قتل میں حد سے آگے نہ بڑھے بلاشبہ اس کی مدد کی جائے گی۔ اور تم یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر

بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْــــُٔوْلًا ۝

اس طریقہ پر جو بہتر ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔ اور عہد کو پورا کرو۔ بلاشبہ عہد کے بارے میں پوچھ ہوگی

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝

اور جب تم ناپو تو پورا ناپو، اور صحیح ترازو سے تولو، یہ بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے اچھی چیز ہے۔

شک وہ اپنے بندوں کے بارے میں باخبر ہے (یعنی ان کی مصلحتوں کا لحاظ کر کے حکم کو جاری فرمانے والا ہے۔ بَصِيْرًا (اور ان کو دیکھنے والا ہے) یعنی ان کی حاجات کو۔ اسلئے ان کے مطابق فیصلے فرماتا ہے۔

قتل اولاد کی ممانعت:

۳۱: وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ (اور تم اپنی اولاد کو قتل نہ کرو)۔ انہوں نے اپنی اولاد کو قتل اور بیٹیوں کو زندہ درگور کیا۔ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ (بھوک کے ڈر سے) اِملاق کا معنی فقر آتا ہے۔ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ (ہم ہی ان کو رزق دینے والے ہیں اور تمہیں بھی) ان کو قتل سے منع کیا اور ان کے رزق کی ضمانت دی۔ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا (ان کا قتل کرنا یقیناً بڑا جرم ہے۔) بڑا گناہ۔ کہا جاتا ہے خَطِئَ خِطْأً جیسے اَثِمَ اِثْمًا۔

قراءت: شامی نے خَطَأً پڑھا ہے۔ یہ صواب کی ضد ہے۔ اور اَخْطَأَ سے یہ اسم ہے۔ بعض کا قول یہ ہے کہ خطاء اور خطأ یہ الحذر والحذر کی طرح ہیں۔

قراءت: مکی نے خِطَاءً (کو مد کسر) دونوں کے ساتھ پڑھا ہے۔

زنا کے قریب مت جاؤ:

۳۲: وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اس میں قصر اکثر استعمال ہوتا ہے اور مد سے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور کبھی اس کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ اور اس صورت میں دواعی زنا سے منع کرنے کو کہا جاتا ہے۔ مثلاً چھونا، بوسہ، چھیڑنا وغیرہ۔ اگر نفس زنا سے روکا جاتا تو لاتزنوا کہتے۔ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً (بیشک وہ بے حیائی ہے) وہ ایسی معصیت ہے جو حد شرع اور حدود عقل سے تجاوز کرنے والی ہے۔ وَسَآءَ سَبِيْلًا (اور برا راستہ ہے) یعنی اس کا راستہ بدترین راستہ ہے۔

قتل مت کرو:

۳۳ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ (اور جس شخص کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو مت قتل کرو۔ ہاں مگر حق کے ساتھ) یعنی اگر وہ کسی ایسی چیز کا ارتکاب کرے جس سے اس کا خون مباح ہو جائے۔ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا (جو قتل کیا جائے) یعنی وہ کسی ایسی چیز کا ارتکاب کرنے والا نہیں تھا جس سے اس کا خون مباح ہوتا۔ فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا (پس ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا) یعنی قصاص لینے میں قاتل پر تسلط و غلبہ عنایت کیا ہے۔ فَلَا يُسْرِفْ فِّى الْقَتْلِ (وہ قتل میں اسراف نہ کرے) اس میں ضمیر ولی کی طرف لوٹ رہی ہے کہ وہ غیر قاتل کو قتل نہ کرے۔ اور نہ دو کو قتل کرے جبکہ قتل کرنے والا ایک ہی ہو۔ جس طرح زمانہ جاہلیت میں یہ رواج چل رہا تھا۔ نمبر۲۔ اسراف سے مراد مثلہ ہے۔ نمبر۳۔ یا ضمیر قاتل اول کی طرف راجع ہے۔

قراءت: حمزہ اور علی نے مخاطب کا صیغہ فَلَا تُسْرِفْ پڑھا ہے۔ اور ضمیر خطاب ولی کی طرف ہوتی ہے۔ نمبر۴۔ یا قتل مظلوم کی طرف راجع ہے (ولی کو قصاص کا اختیار ہے اسراف کا نہیں) اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا (بے شک وہ طرفداری کے قابل ہے) اس میں ضمیر ولی کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس کے لئے کافی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد کی ہے اور قصاص کا حق رکھ دیا۔ پس وہ اس سے زیادہ کا طالب نہ ہو۔ نمبر۲۔ یہ ضمیر مظلوم کی طرف راجع ہے کہ اللہ اس کا مددگار ہے اسی لیے اس کے بدلے میں قصاص لازم کیا اور آخرت میں اس کی مدد یہ ہے کہ اس کو ثواب عنایت فرمائے گا۔ نمبر۳۔ یہ ضمیر اس شخص کی طرف لوٹتی ہے جس کو ولی قتل کرے اور اس کے قتل میں حد سے تجاوز کیا ہے۔ اسی لیے اللہ کی طرف سے اس کی مدد کی گئی کہ مسرف اب پر قصاص لازم کر دیا گیا۔

قصاص میں برابری:

آیت کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قصاص آزاد اور غلام اور مسلم اور ذمی کے درمیان جاری ہوگا۔ کیونکہ نفس ہونے کے اعتبار سے اہل ذمہ اور غلام بھی اس میں داخل ہیں اور ان کے نفوس بھی نفوس محترمہ ہیں۔

یتیم کا مال مت کھاؤ:

۳۴: وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ (اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر اس طریقے سے جو کہ بہت بہترین ہو) یعنی اس طریقے اور انداز سے جو کہ بہت خوب ہو۔ اور یہ وہی طریقہ ہے جس سے اس کی حفاظت ہو اور اس میں اضافہ۔

جس کی تردید ہے اس کے لئے ما لیس لک به علم کے الفاظ موجود ہیں۔

سورۃ الممتحنہ آیت نمبر ۱۰ میں فرمایا فان علمتموهن مؤمنٰت کہ اگر تم ان عورتوں کو اپنے اعتبار سے مؤمنہ سمجھو اور دوسری بات یہ ہے کہ شریعت نے غالب ظن کو علم کے قائم مقام قرار دیا ہے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ شہادات میں یہ بات واضح ہے اور اس سے ہمارے لیے خبر واحد پر عمل کرنے کا ثبوت میسر ہو رہا ہے جیسا کہ ہم نے عرض کیا۔

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا بلاشبہ کان آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کے متعلق باز پرس ہوگی) اولٰئك کا اسم اشارہ سمع بصر و فؤاد کی طرف ہے اولٰئك سے عاقل اور غیر عاقل ہر دو کی طرف اشارہ کر سکتے ہیں جیسا کہ جریر کے اس شعر میں

ذم المنازل بعد منزلة اللوى ☆ والعیش بعد اولٰئك الایام

یہاں اولٰئك میں زندگی کے گزرے ہوئے دنوں کی طرف اشارہ ہے۔

نحو: عنہ یہ فاعلیت کی وجہ سے موضع رفع میں ہے یعنی ان میں سے ہر ایک مسئول ہے مسئول کا اسناد جار مجرور کی طرف ہے جیسا کہ المغضوب کا اس آیت میں غیر المغضوب علیهم فاتحہ آیت نمبر ۷۔ اس وقت انسان کو کہا جائے گا اے انسان! وہ بات تو نے کیوں سنی جس کا سننا تیرے لیے حلال نہیں تھا۔ اور کیوں وہ چیز دیکھی جس کا تیرے لیے دیکھنا حلال نہ تھا۔ اور کیوں تو نے ایسی چیز کا ارادہ کیا جس کا تیرے لیے ارادہ کرنا صحیح نہ تھا۔ [کذا فی الکشاف] مگر بعض علماء نے اس کو تسلیم نہیں کیا کیونکہ جار مجرور اس وقت فاعل کے قائم مقام ہوتے ہیں جبکہ وہ فعل سے مؤخر ہوں۔ جب مقدم ہوں تو پھر فاعل کا قائم مقام نہیں بن سکتے۔

اکڑ کر مت چل:

۳۷: وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا (تو زمین پر اکڑ کے نہ چل) مرحا یہ حال ہے اور معنی اس کا اکڑ والی مستی والی۔ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ (تو ہرگز زمین کو پھاڑ نہ سکے گا) یعنی سختی سے روندنے سے اس کے اندر تو راستہ نہیں ڈال سکتا اور نہ سختی سے دبانے سے چیر سکتا ہے۔ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا (تو ہرگز پہاڑوں کی اونچائی کو نہیں پہنچ سکے گا) یعنی اپنے اترا کر چلنے سے اس میں مغرورانہ چال والے کی حماقت کا ذکر کیا گیا ہے۔ نمبر ۱: دوسرا معنی کہ تو حماقت میں پہاڑوں کے برابر نہیں ہو سکتا اس صورت میں یہ ہوا فاعل سے حال ہے یا مفعول سے حال ہے۔

شرک سے اکڑ تک تمام ناپسندیدہ کام ہیں:

۳۸: كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ (یہ سارے برے کام ناپسندیدہ ہیں) قراءت: کوفی و شامی نے سیئہ کی اضافت کل کی ضمیر کی طرف کی ہے اور دوسروں نے سیئة پڑھا ہے۔ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا (تیرے رب کے ہاں) یہاں مکروھا کو مذکر لائے۔ کیونکہ سیئة اسماء کے حکم میں الذنب اور الاثم کی طرح ہو کر صفت کے حکم سے خارج ہو گیا۔ پس اس کی تانیث کا اعتبار نہ رہا۔ جیسا کہ تم کہتے ہو الزنٰی سیئة او السرقة سیئة۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ

بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے بیان کیا ہے تاکہ لوگ سمجھیں اور یہ ان کی نفرت ہی میں اضافہ کرتا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ اگر اس کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے

كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ۝ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا

جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو انہوں نے عرش والے کی طرف راستہ تلاش کر لیا ہوتا۔ وہ پاک ہے اور اس سے بہت برتر ہے جو یہ لوگ

كَبِيْرًا ۝ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ

کہتے ہیں۔ ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان کے اندر ہے اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی بیان

بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝

نہ کرتی ہو۔ لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ بلاشبہ وہ حلیم ہے غفور ہے۔

میں سے افضل ترین یعنی لڑکوں کے ساتھ خاص کر دیا ہے۔

وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا اور اپنے لئے لڑکیاں اختیار کر لی ہیں یعنی ان سے کمتر درجہ اولاد جو کہ لڑکیاں ہیں ان کو اپنے لئے منتخب کیا ہے حالانکہ یہ خلاف حکمت ہے اور عقل بھی اس کی تصدیق نہیں کرتی۔ غلام یہ پسند نہیں کرتے کہ وہ اپنے لئے عمدہ اور منتخب چیزیں چن لیں اور ردی اور حقیر ترین اپنے آقاؤں کیلئے۔ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا (بے شک تم بہت بڑی بات کہتے ہو) جبکہ تم نے اس کی طرف اولاد کی نسبت کی ہے حالانکہ اولاد جسم کے خواص میں سے ہے پھر تم مزید یہ کہ تم نے اپنے آپ کو اس پر فضیلت دی اس طرح کہ اس کے لئے وہ اولاد مقرر کی جس کو خود تم نے اپنے لئے ناپسند قرار دیا۔

نصیحت کے باوجود نفرت میں اضافہ:

۴۱: وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ (بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے بیان کیا ہے) قرآن سے یہاں جو اس وقت تک اترا گیا۔ مطلب یہ ہے ہم نے اس کو بار بار بیان کیا یعنی اس معنی کو قرآن کے کئی مقام پر لائے اور ضمیر کو چھوڑ دیا کیونکہ وہ جانا پہچانا مضمون ہے۔ لِيَذَّكَّرُوْا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

قراءت: حمزہ اور علی نے اس کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی ہم نے اس کو بار بار دہرایا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا (مگر ان کی نفرت ہی بڑھتی چلی گئی) یعنی حق سے۔ حضرت سفیان ثوری جب اس آیت پر پہنچتے تو کہتے اے خدا میرے خشوع خضوع میں اسی چیز نے اضافہ کیا جس نے تیرے دشمنوں کی نفرت کو بڑھا دیا۔

اور معبود ہوتے تو وہ بھی مالک عرش کی تلاش کرتے:

۴۲: قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗ (آپ کہہ دیں اگر اس کے ساتھ اور بھی معبود ہوتے) لا کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اٰلِهَةٌ كَمَا

یَقُوْلُوْنَ (جیسا یہ لوگ کہتے ہیں) مکی و حفص نے یا سے یقولون پڑھا جبکہ حمزہ و کسائی وغیرہ نے تا سے پڑھا ہے۔ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰی ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا (اس وقت انہوں نے عرش والے کی طرف راستہ ڈھونڈ لیا ہوتا) غلبہ پانے کیلئے اس کی طرف ضرور راستہ تلاش کرتے اس کی طرف جس کی بادشاہت و ربوبیت ہے جیسا کہ بادشاہ دوسرے بادشاہوں کیلئے کرتے ہیں۔ نمبر۲۔ ضرور اس کا قرب تلاش کرتے جیسا کہ اس آیت میں ہے: اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ [الاسراء: ۵۷] اذًا دلالت کر رہا ہے کہ لابتغوا مشرکین کی بات کا جواب ہے اور لو کی جزاء ہے۔

معلوم ہوا وہ ایک ہی سبحان ہے:

۴۳: سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَقُوْلُوْنَ اللہ تعالیٰ ان عیوب سے پاک ہے جو باتیں یہ لوگ کہتے ہیں۔

قراءت: حمزہ و علی نے تقولون تا سے پڑھا ہے۔

عُلُوًّا (برتر ہے) بلند ہے اس سے مراد براءت و نزاہت ہے۔ کَبِیْرًا (بہت ہی) کبیر کے لفظ سے علو کی صفت بیان کی ہے تاکہ براءت میں مبالغہ ہو جائے اور جو کچھ لوگ بیان کرتے ہیں اس سے خوب بعد و دوری ثابت ہو جائے۔

۴۴: تُسَبِّحُ عراقی نے سوائے ابوبکر کے تا سے پڑھا۔ نافع و ابن کثیر نے یا سے لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (تمام ساتوں آسمان اور زمین اور جتنے ان میں ہیں وہ اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان نہ کرتی ہو) یعنی سبحان اللہ و بحمدہ کہتی ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا جو مچھلی سمندر میں شکار کی جاتی ہے اور اسی طرح جو اڑنے والا پرندہ شکار ہوتا ہے۔ اس کا سبب ذکر الٰہی سے غفلت ہے۔ [کنز العمال: ۱۹۰۰]

وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ (لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے) کیونکہ ان کی بولی الگ ہے۔ نمبر۱۔ اس کا ادراک تمہارے لیے گراں ہے۔ نمبر۲۔ اس کی طرف دیکھنے والے کی تسبیح کے سبب سے طور مشہور ہے بھلائی کی طرف راہنمائی کرنے والا اس کے کرنے والے کی طرح ہے۔ پہلی وجہ زیادہ درست ہے۔ اِنَّهٗ کَانَ حَلِیْمًا (بیشک وہ حلم والا ہے) بندوں کی جہالت کے باوجود غَفُوْرًا (ایمان والوں کے گناہوں کو بخشنے والا ہے)

یعنی یہ ان سب باتوں میں اس شخص کی طرح گم کشتہ راہ ہیں جیسا کوئی شخص جنگل میں رستے کا متلاشی ہو اور راستہ اس کو نہ ملے وہ حیرانی میں ہو کہ کیا کرے۔ کہاں جائے۔

استبعاد قیامت کے لئے کفار کا قول:

۴۹: وَقَالُوْٓا (اور انہوں نے کہا) یعنی منکرین بعث نے کہا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا (جب ہم ہڈیاں اور بوسیدہ ریزے ہو گئے تو کیا ہمیں پھر بھی از سر نو پیدا کر کے اٹھایا جائے گا) جدیدًا کا معنی از سر نو۔ وضعاً یہ حال ہے۔ پیدا کر کے۔

کفار کا جواب:

۵۰، ۵۱: قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ (آپ کہہ دیں تم لوگ پتھر یا لوہا یا کوئی ایسی مخلوق ہو کر دیکھ لو جو تمہارے ذہن میں بہت ہی بعید ہو) یعنی آسمان و زمین جو تمہارے خیال میں قبول حیات سے بہت ہی دور ہیں۔ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا (وہ کہیں گے ہمیں دوبارہ کون لوٹائے گا) قُلِ (کہہ دیں) تمہیں وہ ذات لوٹائے گی۔ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (جس ذات نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا)۔ مطلب یہ ہے کہ تم اس بات کو انتہائی بعید خیال کرتے ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ پیدا فرمائیں اور خشک ہڈیاں بن جانے کے بعد دوبارہ ان میں زندگی لوٹائیں حالانکہ ہڈیاں بھی تو زندوں کے جسم کا حصہ ہیں۔ بلکہ یہ ہڈیاں تو جسم کی وہ بنیاد ہے جس پر سارے جسم کی تعمیر ہوتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی قدرت کیلئے کوئی بعید نہیں کہ وہ ان ہڈیوں کو اپنی قدرت سے ان کی پہلی حالت کی طرف پھیر دے۔ بلکہ وہ تو اس بات پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ اگر تم زندگی سے کوئی بعید ترین چیز پتھر لوہا وغیرہ بھی بن جاؤ تب بھی وہ تمہیں دوبارہ لوٹائے گا۔

فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ (وہ تمہارے سامنے سر ہلائیں گے) یعنی تعجب اور استہزاء سے وہ اپنے سروں کو تمہاری طرف ہلائیں گے۔ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ (اور کہیں گے وہ کب ہوگا) ھُوَ سے مراد بعث ہے۔ بعث کو بعید سمجھ کر اور اس کی نفی کرتے ہوئے۔ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا (کہہ دیں ہو سکتا ہے کہ وہ بالکل قریب ہو) یعنی وہ قریب ہی ہے عسیٰ کی یہاں وجوب کو ظاہر کرتا ہے۔

قیامت اپنا وجود خود منوائے گی:

۵۲: يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ (جس دن اللہ تعالیٰ تم کو پکارے گا) محاسبہ کیلئے اور وہ دن قیامت کا ہے۔ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ (پس تم اس کی حمد کرتے ہوئے اس کے حکم کی تعمیل کرو گے) یا حال کیلئے ہے تم تعمیل حکم کرو گے اس حال میں کہ تم تعریف کرنے والے ہو گے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ تم اس حالت میں نکلو گے کہ اپنے سروں سے مٹی کو جھاڑ رہے ہو گے۔ اور زبان پر سبحانک اللّٰھم وبحمدک کا ترانہ ہوگا۔ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا (اور تم خیال کرو گے کہ تم (دنیا یا قبروں) میں بہت ہی کم رہے ہو) قلیلًا سے پہلے اس کا موصوف لبثًا محذوف ہے یعنی بالکل تھوڑا ٹھہرنا۔ نمبر ۱: زمانہ قلیلًا تھوڑا زمانہ دنیا میں نمبر ۲: تھوڑا عرصہ قبر میں

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ

اور آپ میرے بندوں سے فرما دیجئے کہ وہ ایسی بات کہیں جو بہتر ہو۔ بلاشبہ شیطان ان کے درمیان فساد ڈلوا دیتا ہے بلاشبہ شیطان

كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْ ؕ

انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے۔ تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے اگر وہ چاہے تو تم پر رحم فرمائے یا اگر چاہے تو تمہیں عذاب دے۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ۝ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا

اور ہم نے آپ کو ان پر ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔ اور آپ کا رب انہیں خوب جانتا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور ہم نے بعض نبیوں کو

بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ وَّاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝

بعض پر فضیلت دی۔ اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔

اچھی بات کہے جاؤ:

۵۳: وَقُلْ لِّعِبَادِیْ (آپ کہہ دیں میرے بندوں کو) ایمان والے بندے مراد ہیں یَقُوْلُوْا (وہ کہیں) مشرکین کو ایسی بات اَلَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (جو بات کہ سب سے اچھی ہو) بہت نرمی والی ہو۔ ان سے خشونت کا معاملہ نہ کریں۔ بلکہ اس طرح کہیں اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے۔ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ (بیشک شیطان ان کے درمیان فساد ڈلواتا ہے) ایک دوسرے کے خلاف بھڑکاتا ہے تاکہ ان میں خلل ہو اور شر پیدا ہو اور فساد برپا ہو جیسا کہ حقوق تلف ہوں۔

قراءت: طلحہ نے یَنْزِغُ زاء کے کسرہ سے پڑھا اور یہ دونوں لغات ہیں۔

اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا (بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے)۔

جس کی قسمت میں ایمان مل جائے گا:

۵۴: اَلَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ کی تفسیر اس ارشاد سے فرمائی۔ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْكُمْ (تمہارا رب تعالیٰ تمہارے حوال سے خوب واقف ہے اگر چاہے گا تو تم پر رحم فرمائے گا) ہدایت اور ایمان کی توفیق دے کر اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْ (یا اگر وہ چاہے گا تو عذاب دے گا) کفر کی حالت میں موت دے کر۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمان ان کو یہ اور اسی قسم کے کلمات کہیں اور اس طرح نہ کہیں کہ تم جہنمی ہو اور تم کو عذاب دیا جائے گا وغیرہ جن سے وہ شر پر بھڑک اٹھیں اور ناراض ہوں۔

نحو: اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ یہ جملہ معترضہ ہے۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا (اور ہم نے آپ کو ان پر ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا) کہ آپ ان کے اعمال کے محافظ ہوں اور ان کا معاملہ آپ کے سپرد ہو۔ بلکہ آپ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ پس ان سے مدارات برتیں اور اپنے اصحاب کو بھی مدارات کی تعلیم دیں۔

جن کو تم پکارتے ہو وہ خود اللہ کا قرب ڈھونڈتے ہیں:

۵۷: اُولٰٓئِکَ (یہ) یہ مبتدا ہے۔ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ (یہ لوگ جنہیں مشرکین پکار رہے ہیں) یہ صفت ہے یعنی جن کو وہ الٰہ بناتے ہیں۔ نمبر۱۔ جن کی عبادت کرتے ہیں۔ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّہِمُ الْوَسِیْلَۃَ (وہ اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔) یعنی ان کے معبود اللہ تعالیٰ کا قرب ڈھونڈتے ہیں۔ اَیُّہُمْ اَقْرَبُ یہ یبتغون کی واؤ سے بدل ہے۔ اور ای اسم موصول ہے۔ اَیُّہُمْ اَقْرَبُ کہ کون ان میں زیادہ قریب ہے۔ یعنی وہ متلاشی ہیں کہ کون ان میں اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہے۔ تو قرب نہ رکھنے والوں کو کون پوچھتا ہے؟

نمبر۲۔ یبتغون کے ضمن میں وسیلہ کا معنی ہے۔ اب یہ یحرصون کے معنی میں ہوگا۔ یعنی وہ اس بات کے حریص ہیں کہ کون ان میں سے اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوتا ہے اور یہ قرب طاعت اور خیر میں اضافہ کر کے وہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَہٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ (وہ اس کی رحمت کے امیدوار اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں) جیسا کہ دوسرے اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ جو عذاب سے خائف اور رحمت کے امیدوار ہیں۔ پس پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ اپنے متعلق معبود ہونے کا گمان کریں۔ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ مَحْذُوْرًا (بیشک تیرے رب کا عذاب ایسی چیز ہے جس سے ڈرنا چاہیے) وہ عذاب ایسی چیز ہے کہ جس سے ملائکہ مقربین اور نبی مرسل کو ڈرنا چاہیے دوسروں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

قیامت بستیوں کو فنا کر دے گی:

۵۸: وَاِنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اِلَّا نَحْنُ مُہْلِکُوْہَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ اَوْ مُعَذِّبُوْہَا عَذَابًا شَدِیْدًا (اور کوئی ایسی بستی نہیں جس کو ہم قیامت سے قبل ہلاک نہ کریں یا اس کو (قیامت کے دن) سخت عذاب نہ دیں)۔ کہا گیا ہے کہ ہلاکت صالحین کیلئے اور عذاب مجرموں کیلئے کَانَ ذٰلِکَ فِی الْکِتٰبِ (اور یہ بات کتاب میں) کتاب سے لوح محفوظ مراد ہے مَسْطُوْرًا (لکھی ہے) مقاتل کہتے ہیں کہ میں نے ضحاک کی کتابوں میں اس کی تفسیر اس طرح پائی۔ مکہ کو اہل حبشہ تباہ کریں گے اور اہل مدینہ بھوک کی وجہ سے ہلاک ہوں گے۔ اور بصرہ غرق سے اور کوفہ ترک سے اور پہاڑ رجفوں اور زلزلوں سے۔ پھر خراسان کا عذاب کئی اقسام پر مشتمل ہوگا۔ اہل بلخ کو آواز پہنچے گی جس سے وہ ہلاک ہو جائیں گے اور اہل بدخشاں کو دوسری اقوام تباہ کریں گے۔ اہل ترمذ طاعون سے موت کے گھاٹ اتر جائیں گے صغانی اشجر (تک جھاڑوں کی طرح قتل کر دیے جائیں گے۔ اور اہل سمرقند پر بنو قنطورا غالب آئیں گے اور وہاں کے رہنے والوں کو جھاڑ پھونک کی طرح ہلاک کر دیں گے اسی طرح اہل فرغانہ شاش اسفیجاب اور خوارزم بخارا جو کہ جابر حکمرانوں کی جگہ ہے ان کو بھوک و قحط سے مار دیا جائے گا۔ اہل مرو پر ریت کا طوفان آئے گا جس سے عباد و علماء کی موت واقع ہوگی اور اہل ہرات پر سانپوں کی بارش ہوگی جو وہاں کے رہنے والوں کو کاٹ کھائیں گے۔ اور نیشاپور کے لوگ کڑک کا شکار بنیں گے اور برق و ظلمت ان پر چھا جائے گی۔ جس سے ان کی اکثریت لقمہ اجل بنے گی۔ اہل رے پر جبر والے غالب ہوں گے اور ان کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے آرمینیہ اور آذربیجان اور دیلمی ان کو گھوڑوں کے سم اور لشکر اور کڑکیں اور زلزلے ہلاک کریں گے۔ اور ہمدان میں دیلمی داخل ہو کر اس کو اجاڑ دیں گے اور حلوان پر تیز ہوا چلائی جائے گی جس سے ان کی شکلوں کو بندروں اور

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً

اور آیات بھیجنے سے ہمیں صرف یہی بات مانع ہے کہ پہلے لوگ اس کی تکذیب کر چکے ہیں اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی تھی جو بصیرت کا ذریعہ تھی

فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝

سو انہوں نے اس کے ساتھ ظلم کا معاملہ کیا اور ہم آیات کو صرف ڈرانے کے لئے بھیجا کرتے ہیں۔

سوروں میں بدل دیا جائے گا۔ پھر ایک حبشی آدمی مصر پر حملہ آور ہوگا۔ اہل مصر اور اہل دمشق کے لئے تباہی و بربادی ہے اہل افریقہ کیلئے بربادی ہے اہل رملہ کیلئے بھی تباہی ہے۔

البتہ بیت المقدس میں وہ داخل نہ ہو سکے گا۔ اہل سجستان کو عجز آئندہ بھی گھیر لے گی پھر ایک تیز آواز آئے گی جس سے علماء مر جائیں گے۔ کرمان، اصفہان، فارس پر دشمن غالب آ جائے گا۔ اور ان پر ایک آواز آئے گی جس سے دل اپنی جگہ سے اکھڑ جائیں گے اور بدن موت کی نیند سو جائیں گے۔ (یہ مقاتل کی روایت ہے جو مجسم جھوٹ ہے)

مطلوبہ نشانی کیوں نہیں؟ کا جواب:

۵۹: وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ (اور ہمیں مطلوبہ نشانیاں بھیجنے سے صرف اس چیز نے روکا۔ پہلے لوگوں نے ان آیات کی تکذیب کی) مطلوبہ معجزات کے نہ بھیجنے کو منع کے لفظ سے ذکر فرمایا۔ پہلا اَنْ اپنے صلہ سمیت موضع نصب میں ہے کیونکہ مَنَعَنَا کا دوسرا مفعول ہے۔ اور اَنْ دوم موضع رفع میں ہے کیونکہ وہ اپنے صلہ کے ساتھ مل کر مَنَعَنَا کا فاعل ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ وما منعنا ارسال الآیات الا تکذیب الاولین۔ ہمیں مطلوبہ نشانیاں بھیجنے سے صرف پہلے لوگوں کی تکذیب نے روکا۔ آیات سے مراد یہاں وہ ہیں جن کو قریش نے مانگا تھا مثلاً صفا کا سونا بن جانا، مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کا طریقہ چلا آ رہا ہے کہ جس نے ان میں سے کسی نشانی کا مطالبہ کیا اور اس کی وہ بات مان لی گئی پھر بھی وہ ایمان نہ لایا تو اس کو دنیا کے جلد عذاب نے آ گھیرا اور اس کو تباہ کر دیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ ہمیں مطلوبہ نشانات دینے سے یہی چیز مانع ہے کہ ان جیسے لوگوں نے جن کے دلوں پر مہر لگ چکی تھی۔ ایسے نشانات کے باوجود انکار کر دیا جیسا کہ قوم عاد، ثمود وغیرہ۔ اگر ان کو بھی یہ نشانات دے دیں تو یہ ان کی طرح جھٹلا دیں گے۔ اور استیصال والے عذاب کا شکار بن جائیں گے۔ ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آپ جن کی طرف مبعوث ہیں۔ ان کے معاملہ کو قیامت تک مؤخر کر دیں۔ پھر ان آیات کا ذکر کیا جن کو پہلے اقوام نے طلب کیا پھر ان کو وہ دے دی گئیں اور ان کے جھٹلانے پر ان کو ہلاک کر دیا گیا۔ یہی ان میں سے ناقہ صالح علیہ السلام ہے۔ انکا تذکرہ خاص اس لیے کیا کیونکہ ان کے آثار ہلاکت خود جزیرہ عرب میں موجود تھے جن کو آنے جانے والے صبح و شام دیکھتے تھے فرمایا۔

جملے کا مطلب یہ ہوا کہ آیات جن کو ڈرانے کیلئے بھیجی جاتی ہیں اور ان لوگوں کو دنیا کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے اور وہ عذاب یوم بدر کے دن قتل ہونا ہے اور ان کو عذاب آخرت سے بھی ڈرایا گیا ہے اور زقوم کے درخت سے بھی لیکن اس بات کا ان میں کوئی اثر نہیں ہوا۔ پھر فرمایا وَنُخَوِّفُهُمْ (ہم ان کو ڈرا رہے ہیں) یعنی دنیا اور آخرت کی خوفناک چیزوں سے۔ فَمَا يَزِيدُهُمْ (لیکن وہ نہیں بڑھا رہا) یعنی تخویف إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا (مگر بڑی بھاری سرکشی کو) کس طرح وہ قوم ڈرے گی جن کی یہ حالت ہو اگر ان کی مطلوبہ آیات بھی کر دی جائیں۔

(۳) یہ بھی کہا گیا ہے کہ رؤیا سے مراد یہاں معراج ہے اور فتنہ سے مراد ان لوگوں کا ارتداد ہے جو مبتلا ہوئے یا ایسے لوگوں کا جنہوں نے اس کو بہت بڑا قرار دیا اور اسی کے متعلق ہے ان لوگوں کا قول جنہوں نے یہ کہا کہ اسراء خواب میں تھی اور بعض نے کہا کہ بیداری میں تھی انہوں نے رؤیا کی تفسیر رؤیت سے کی ہے جواب دیتے ہوئے یہ بات کہ اس کو رؤیا کیوں کہا تو اس کو رؤیا اس لئے کہتے ہیں کہ کفار نے کہا تھا شاید آپ نے خواب دیکھا ہوگا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اسراء کو بعید سمجھا اور قرآن مجید میں اس طرح کا استعمال موجود ہے کہ کفار کے پاس جو اس کا نام تھا اسی نام سے تعبیر کر دیا جیسا کہ اس ارشاد میں فراغ الی آلهتهم [الصافات: ۹۱] اور دوسری آیت میں فرمایا: أَيْنَ شُرَكَائِيَ [النحل: ۲۷] آلہہ بھی بقول ان کے اور شرکاء بھی بقول ان کے کہا گیا۔

(۴) یا رؤیا سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ مکہ میں عنقریب داخل ہوں گے اور فتنہ سے مراد حدیبیہ میں کفار کا روکنا ہے۔

سوال: قرآن میں زقوم کے درخت کے ملعون ہونے کا تذکرہ کیوں ہے؟

جواب: الشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ سے مراد یہ ہے کہ اس کے کھانے والا ملعون ہے اور وہ کھانے والے کافر ہیں کیونکہ اللہ نے فرمایا ثم انکم ایها الضالون المکذبون لآکلون من شجر من زقوم فمالئون منها البطون (الواقعہ: ۵۱تا۵۳) اسی لئے آیت میں اس کے کھانے والوں کے ملعون ہونے کی وجہ سے مجازاً اس کو شجرہ ملعونہ کہہ دیا اور دوسری بات یہ ہے کہ اہل عرب اپنے محاورہ میں نقصان دہ اور ناپسند کھانے کو ملعون کہتے ہیں اور تیسری بات یہ بھی ہے کہ لعن کی حقیقت رحمت سے دور ہونا ہے اور یہ درخت جہنم کی جڑ میں ہے جو کہ رحمت سے بعید ترین مقام ہے اسلئے اس کو شجرہ ملعونہ سے تعبیر کر دیا۔

واقعہ آدم علیہ السلام و ابلیس:

۶۱: وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ قَالَ أَأَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِينًا (اور یاد کرو جب ہم نے ملائکہ سے کہا آدم کو سجدہ کرو وہ فوراً سوائے ابلیس کے سجدہ میں پڑ گئے ابلیس بولا کیا میں اس شخص کو سجدہ کروں جس کو تو نے گارے سے بنایا ہے)

طِينًا یہ تمیز ہے نمبر۲ یہ موصول سے حال ہے اور اس کا عامل أَأَسْجُدُ ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی: ءاسجد له وهو طين یعنی اصله طين کیا میں اس کو سجدہ کروں اس حال میں کہ وہ مٹی ہے یعنی اس کی اصل مٹی ہے۔

۶۲: قَالَ أَرَأَيْتَكَ هَذَا الَّذِي (ابلیس نے کہا تو بتلا یہ وہی ہے جس کو تو) کاف اس کا کوئی موضع اعراب نہیں کیونکہ یہ تو صرف خطاب کیلئے ذکر کیا گیا ہے۔ اور هذا یہ مفعول بہ ہے۔ معنی یہ ہے تو مجھے اس کے متعلق بتلا جس کو كَرَّمْتَ عَلَيَّ (تو نے مجھ پر

برتری دی ہے) اس کو تو نے فضیلت دی تو کیوں اس کو مجھ پر فضیلت دی ہے۔ حالانکہ انا خیر منه خلقتنی من نار و خلقته من طین [ص: ۷۶] ماقبل کی دلالت اس کے متعلق موجود ہونے کی وجہ سے اختصار کے طور پر اس کو حذف کر دیا پھر ابتدا کرتے ہوئے فرمایا: لَئِنْ اَخَّرْتَنِ (اگر تم نے مجھے مہلت دے دی)۔

قراءت: ابن کثیر و یعقوب وغیرہ نے یاء سے پڑھا۔ جبکہ کوفی و شامی قراء نے یاء کے بغیر پڑھا ہے۔ لئن کی لام قسم محذوف کی تمہید کے لئے لائے۔ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّیَّتَهٗ (اگر یوم قیامت تک تو نے مجھے مہلت دی تو میں اس کی ساری اولاد کو اپنے قابو میں لے لوں گا) اغواء کے ذریعہ استیصال کروں گا۔ اِلَّا قَلِیْلًا (مگر ان میں سے قلیل تعداد) اور وہ مخلصین ہیں۔ نمبر۱۔ ہر ہزار میں سے ایک۔ اس ملعون کو یہ اطلاع اللہ تعالیٰ کے اطلاع دینے سے ہوئی۔ نمبر۲۔ کیونکہ اس نے خیال کیا کہ یہ انسان شہوانی مزاج کا پیدا کیا گیا ہے (جس کی وجہ سے اس کو بھٹکانا بہت آسان ہے۔ مترجم)۔

۶۳: قَالَ اذْهَبْ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو جا) یہاں اذهب اس ذهاب سے نہیں جو المجیء (آمد) کی ضد ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ بطور ذلت و رسوائی فرمایا جا جو تیرا دل چاہے کر (تو خود مختار ہے) پھر اس کے بعد اس کے غلو چاہنے کا جو ذکر کیا یوں فرمایا۔ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ (پس جو شخص ان میں سے تیری اتباع کرے گا تو جہنم تم سب کی سزا ہوگی) تقدیر عبارت یہ ہے فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاؤُهُمْ وَجَزَاؤُكَ پھر مخاطب کو غائب پر ترجیح دیتے ہوئے فرمایا جزاؤکم جَزَآءً مَّوْفُوْرًا (کامل سزا) یہ تجازون محذوف کا مفعول ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔

استفزاز کا مطلب:

۶۴: وَاسْتَفْزِزْ (اور تو قدم اکھاڑ) ہٹا دے۔ نمبر۱۔ بیوقوف بنا دے۔ پھسلا دے۔ الفز۔ خفیف کو کہتے ہیں۔ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ (ان میں سے جس پر تیرا قابو چلے اپنی چیخ و پکار سے) وسوسہ ڈال کر نمبر۲۔ گانے بجانے سے نمبر۳۔ باجے گاجے سے۔ وَاَجْلِبْ عَلَیْهِمْ (اور چڑھا لا یا جمع کر اور پھر لا کے خلاف) یہ الجلبة سے ہے جس کا معنی چیخ اور شور ہے۔ بِخَیْلِكَ وَرَجِلِكَ (اپنے سوار اور پیادے) یعنی سوار اور پیدل سے۔ الخیل: الخیالة۔ گھوڑ سوار۔ الرجل اسم جمع ہے راجل کی معنی پیدل جیسے ارکب اور اصحب۔

قراءت: ورجلك حفص نے کسرہ جیم سے پڑھا جبکہ حفص نے رَجِلِكَ پڑھا۔ فعل بمعنی فاعل ہے جیسے تعب بمعنی تاعب اور اس کا معنی پیدل کو جمع کرنا ہے۔ کیونکہ کسی کام کی طلب میں انسانی استطاعت یہ ہے کہ وہ سوار اور پیدل گروہ استعمال کرے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ابلیس کے اپنے گھوڑے اور پیدل دستے ہوں۔

شراکت کا سوال:

وَشَارِكْهُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (اور تو ان کے مال اور اولاد میں شراکت کرلے) زجاج نے کہا ہر وہ گناہ جو مال و اولاد کے سلسلہ میں ہو تو ابلیس کی اس میں شرکت ہوتی ہے۔ مثلاً سود، حرام سودا، لوٹ مار کی آمدنی، بحیرہ سائبہ کا قول فی الاموال ... زنا کا دینا حرام اسباب سے اولاد حاصل کرنا عبد العزیٰ عبد الشمس وغیرہ نام رکھنا۔ وَعِدْهُمْ (اور ان سے وعدے کر) جھوٹے وعدے کہ بت شفاعت کریں گے اور بڑے انساب سے اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت ملے گی۔

رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ

تمہارا رب وہ ہے جو تمہارے لئے دریا میں کشتیوں کو چلاتا ہے، تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو۔ بیشک وہ تم پر

رَحِيمًا ﴿٦٦﴾ وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَن تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ۖ فَلَمَّا

مہربان ہے۔ اور جب تمہیں سمندر میں کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو اس کے علاوہ جن کو تم پکارتے ہو وہ سب غائب ہو جاتے ہیں، پھر وہ جب

نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنسَانُ كَفُورًا ﴿٦٧﴾ أَفَأَمِنتُمْ أَن يَخْسِفَ بِكُمْ

تمہیں خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو روگردانی کرتے ہو۔ اور انسان بڑا ناشکرا ہے۔ کیا تم اس بات سے بے فکر ہو کہ وہ تمہیں خشکی کی جانب میں لا کر

جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ﴿٦٨﴾ أَمْ أَمِنتُمْ

زمین میں دھنسا دے، یا تم پر کوئی پتھر برسانے والی ہوا بھیج دے پھر تم اپنے لئے کوئی کارساز نہ پاؤ گے۔ یا تم اس سے بے فکر ہو

أَن يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُم

کہ وہ تمہیں دوبارہ سمندر میں لوٹا دے پھر تم پر ہوا کا سخت طوفان بھیج دے پھر تمہیں تمہارے کفر کی وجہ سے

بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ﴿٦٩﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ

غرق کر دے۔ پھر تمہیں کوئی ایسا نہ ملے جو ہمارا پیچھا کرنے والا ہو۔ اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور انہیں خشکی اور سمندر میں

فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ﴿٧٠﴾

سوار کیا۔ اور انہیں عمدہ چیزیں عطا فرمائیں اور ہم نے انہیں اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔

جلد ملنے والی دنیا کو دیر سے آنے والی آخرت پر ترجیح دینا وغیرہ اسی طرح کے فنون۔

وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا (اور شیطان ان سے وعدہ نہیں کرتا مگر محض جھوٹا) جھوٹا وعدہ یہی ہے کہ خطا کو اس طرح مزین کیا جائے کہ اس میں صواب کا وہم ہو جائے۔

اعلان باری تعالیٰ:

۶۵: إِنَّ عِبَادِي (بیشک میرے بندے) اصالحین پر لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ (تجھے ان پر قدرت نہ ہوگی) یعنی ان کے ایمان کو تبدیل کرنے کی طاقت نہ ہوگی البتہ گناہوں کی تسویل کی طاقت تو باقی ہے۔ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا (اور تیرا رب ذمہ دار ہونے کیلئے کافی ہے) ان کے لئے۔ وہ تجھ سے بچنے کیلئے اسی پر بھروسہ کریں گے۔ نمبر۲۔ تجھ سے بچانے کیلئے ان کا نگہبان ہے ان میں سے ہر ایک کو تہدید کی ہے جس پر میں ہوں گی نمبر۳۔ اہانت کیلئے ہے یعنی اس سے میری مملکت میں کچھ بھی نقصان نہ ہوگا۔

سمندروں میں جہاز چلانے والا وہی تو ہے پھر اس کی پکڑ سے کیسے بچ سکتے ہو؟

۶۶: رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي (تمہارا رب وہ ہے جو تمہارے لئے چلاتا ہے) چلاتا اور جاری کرتا ہے۔ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ (کشتیاں سمندر میں تاکہ تم اس کے فضل کو تلاش کرو) فضل سے یہاں تجارتی نفع مراد ہے۔ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا (یقیناً وہ تمہارے حال پر بہت مہربان ہے)۔

۶۷: وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ (جب تمہیں سمندر میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے) الضر سے یہاں ڈوبنے کا خوف مراد ہے۔ ضَلَّ مَن تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ (تو غائب ہو جاتے ہیں جن کو تم پکارتے تھے سوائے اس کی ذات باری تعالیٰ کے) ایک تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمہارے جو معبود ہیں وہ تمام گم ہو جاتے ہیں جن کی تم عبادت کرتے تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کا تذکرہ بھی نہیں کرتے۔ نمبر۲۔ غائب ہو گئے جن کو تم اب تک سے فریاد رسی کیلئے پکارتے ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ اکیلا کہ جس کے تم امیدوار ہو۔ اس صورت میں مستثنیٰ منقطع ہے۔

فَلَمَّا نَجَّاكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ (پھر جب اللہ تعالیٰ تمہیں بچا کر خشکی کی طرف لے جاتا ہے تو تم کترا جاتے ہو) بچ جانے کے بعد اخلاص سے اعراض کرتے ہو۔ وَكَانَ الْإِنسَانُ (اور انسان) یعنی کافر انسان كَفُورًا (ناشکرا ہے) انعامات پر

۶۸: أَفَأَمِنتُمْ (کیوں کیا تم اس بات سے بے فکر بیٹھے ہو)۔ اس میں ہمزہ انکار کا ہے اور فاء عاطفہ ہے جس کا عطف محذوف پر ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے انجوتم فامنتم فحملکم ذلک علی الاعراض کیا تم نے نجات پالی پس تم امن میں ہو گئے اور اس نے تمہیں اعراض پر آمادہ کیا۔ أَن يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ (کہ وہ تم کو خشکی کے ایک طرف میں لا کر زمین میں دھنسا دے) نحو: جانب یخسف کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ جیسا کہ الارض خسف کی وجہ سے اس آیت میں فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ [القصص: ۸۱] بکم یہ حال ہے۔ مطلب یہ ہے وہ دھنسا دے خشکی کی جانب میں یعنی اس کو الٹ دے اس حال میں کہ تم اس میں موجود ہو۔ حاصل یہ ہے کہ تمام جوانب ارض پر اللہ تعالیٰ کو یکساں قدرت حاصل ہے۔ اور وہ ہر جانب کا مالک ہے خواہ خشکی ہو یا سمندر۔ یہ تو ہلاکت کے اسباب ہیں خشکی والی جانب اس کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اگر سمندر میں غرق ہے تو خشکی میں دھنسنا ہے۔ جو مٹی کے نیچے غائب ہونے کو کہتے ہیں اور غرق پانی کے نیچے غائب ہونے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ حق سمندر تو یہ ہے کہ وہ تمام جوانب میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور جہاں کہیں ہو اس کا خوف اس پر طاری رہے۔

أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا (یا تم پر کوئی کنکروں والی آندھی بھیج دے) حاصبا ایسی ہوا جو کنکر پھینکے الحصباء کنکریاں نمبر۲۔ اگر ہلاکت نیچے کی طرف سے دھنسانے سے نہ آئے تو اوپر سے کنکریوں والی آندھی بھیج کر وہ ہلاک کر سکتا ہے۔ ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا (پھر تم کسی کو اپنا کارساز نہ پاؤ) جو اس کو تم سے ہٹا سکے۔

۶۹: أَمْ أَمِنتُمْ أَن يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ (کیا تم اس بات سے بے فکر ہو گئے کہ خدا تعالیٰ تم کو دوبارہ دریا ہی میں لے جائے پھر وہ تم پر بھیج دے) یعنی یا تم بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہاری ضروریات کو بڑھا دے اور وہ اس کو پختہ کر کے دوبارہ تم سمندر کے سفر کی طرف لوٹ جاؤ جس سے اس نے تمہیں نجات دی پھر وہ تم سے اس طرح انتقام لے کہ تم پر قَاصِفًا مِّنَ

الرِّیۡح (ہوا کا سخت طوفان) قاصف اس ہوا کو کہتے ہیں جس میں سخت آواز ہو۔ نمبر ۲۔ ایسی ہوا جو کشتی کو توڑ پھوڑ کر دینے والی ہو۔ فَیُغۡرِقَکُمۡ بِمَا کَفَرۡتُمۡ (پس وہ تمہارے کفر کے باعث تمہیں ڈبو دے) اس وجہ سے کہ تم نے نعمت کی ناشکری کی اور وہ ناشکری یہ ہے کہ جب اس نے تمہیں بچالیا تو تم نے اس سے منہ موڑ لیا۔

ثُمَّ لَا تَجِدُوۡا لَکُمۡ عَلَیۡنَا بِهٖ تَبِیۡعًا (پھر تم اپنے لئے ہمارا پیچھا کرنے والا نہ پاؤ) یعنی ہم سے مطالبہ کرنے والا۔ تبیع کا معنی اس آیت سے لیا گیا فَاتِّبَاعٌۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ [البقرۃ: ۱۷۸] (پس مطالبہ ہے دستور کے ساتھ) حاصل مطلب یہ ہے کہ ہم ان کے ساتھ جو چاہیں کریں تمہیں کوئی ایسا نہ ملے گا جو ہم سے بدلے کا مطالبہ کر سکے اور ہم سے بدلے لے سکے۔ یہ اسی طرح ہے جیسا اس ارشاد میں وَلَا یَخَافُ عُقۡبٰهَا [الشمس: ۱۵]

قراءت: اَنۡ نَّخۡسِفَ، اَوۡ نُرۡسِلَ، اَنۡ نُّعِیۡدَکُمۡ، فَنُرۡسِلَ، فَنُغۡرِقَکُمۡ مکی اور ابو عمرو نے نون سے پڑھا ہے۔

بنی آدم کو عزت دی:

۷۰: وَلَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ (ہم نے اولاد آدم کو عزت دی) عقل و نطق، خط، خوبصورت شکل، مناسب قد، تدبیر امور معاش اور معاد، تمام پر غلبہ، تسخیر اشیاء، تناول طعام بالاید ی وغیرہ سے۔

نکتہ: ہارون رشید نے کھانا منگوایا اور اس نے چمچیاں بھی منگوائیں۔ اس کے پاس اس وقت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ تمہارے دادا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر میں یہ وارد ہے۔ وَلَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ کہ ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی ان کو ہاتھ دیئے جن میں انگلیوں سے وہ کھانا کھاتے ہیں۔ ہارون نے تمام چمچوں کو واپس کر دیا اور انگلیوں سے کھانا تناول کیا۔

وَحَمَلۡنٰهُمۡ فِی الۡبَرِّ (اور ہم نے ان کو خشکی میں سوار کیا) جو پاؤں پر وَالۡبَحۡرِ (سمندر میں) کشتیوں پر وَرَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ (اور ہم نے ان کو پاکیزہ چیزیں کھانے کیلئے عنایت کیں) لذیذ اشیاء۔ نمبر ۲۔ ہاتھ سے کمائی ہوئی روزی۔ وَفَضَّلۡنٰهُمۡ عَلٰی کَثِیۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِیۡلًا (اور ہم نے ان کو فضیلت دی بہت کثیر مخلوق پر) کثیر کا معنی ہے کہ تمام پر۔ جیسا کہ اس ارشاد میں اکثر کا لفظ تمام کا معنی دیتا ہے وَاَکۡثَرُهُمۡ کٰذِبُوۡنَ [الشعراء: ۲۲۳] حسن رحمہ اللہ کہتے ہیں: اسی طرح اس آیت میں وَمَا یَتَّبِعُ اَکۡثَرُهُمۡ اِلَّا ظَنًّا [یونس: ۳۶] اکثر کا معنی کل ہے۔ کشاف میں ہے کہ کثیر سے مراد تمام ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المؤمن اکرم علی اللّٰہ من الملائکۃ [رواہ ابن ماجہ: ۳۹۴۷] اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی فطرت میں طاعت ہے اور ان میں عقل بلا شہوت ہے اور بہائم میں شہوت بلا عقل ہے۔ اور آدمی میں دونوں ہی ہیں۔ پس جس کی عقل شہوت پر غالب آ گئی وہ انسان فرشتوں سے افضل ہے اور جس کی شہوت اس کی عقل پر سوار ہو گئی وہ بہائم سے زیادہ ذلیل ہے۔ دوسری دلیل ہے کہ تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کیلئے بنایا اور انسان کو اپنی ذات کیلئے بنایا۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ

اور یہ لوگ آپ کو اس چیز سے ہٹانے ہی لگے تھے جس کو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا تاکہ آپ ہماری طرف اس کے علاوہ جھوٹی بات کی نسبت کر دیں، اور اس صورت میں

خَلِيْلًا ۝ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ

وہ آپ کو گہرا دوست بنا لیتے۔ اور اگر یہ نہ ہوتا کہ ہم نے آپ کو ثابت قدم رکھا تو قریب تھا کہ آپ ان کی طرف تھوڑا سا مائل ہو جاتے۔ اس وقت ہم آپ کو زندگی

ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۝

میں اور موت کے بعد دوہرا عذاب چکھاتے، پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ پاتے۔

پڑھا ہے۔ کیونکہ اسم تفضیل تمام کا تمام مِن کے ساتھ آتا ہے۔ اور اس کے الف کو حکم وسط کلمہ کا ہے اسی لئے وہ امالے کو قبول نہیں کرتا رہا اول اس کے ساتھ کوئی چیز بھی متعلق نہیں۔ پس اس کا الف ایک طرف میں واقع ہے اس لئے اس نے امالے کو قبول کر لیا۔
حمزہ اور علی نے دونوں کو امالے کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ بقیہ قراء نے تفخیم کے ساتھ پڑھا ہے۔

قریش کی چابکدستی اور عصمت نبوت کا ہاتھ:

۷۳: جب قریش نے کہا رحمت کی آیت کو عذاب والی آیت بنا دو اور عذاب والی آیت کو رحمت والی تب ہم تم پر ایمان لائیں گے تب یہ آیت اتری۔ وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ (اور یہ لوگ قریب تھا کہ آپ کو بچلا دیتے) اِنْ مخففہ من المثقلہ ہے اور اس کے جواب میں آنے والی لام وہ اس کو اور اِنْ نافیہ کو جدا کرتی ہے اب معنی یہ ہے کہ بیشک حال یہ ہے کہ وہ آپ کو دھوکے میں مبتلا کر دیتے اور فتنہ میں ڈال دیتے۔ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ (اس وحی کے بارے میں جو ہم نے آپ کی طرف کی ہے) یعنی اوامر حکم شریعت اور نواہی میں سے اور اسی طرح وعدے اور وعید کی صورت میں۔ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ (تاکہ اس کے سوا اور بات ہماری طرف آپ نسبت کریں) تاکہ آپ ہمارے متعلق ایسی باتیں کہیں جو ہم نے نہیں کہیں اور وہ وہی ہے جس کا انہوں نے مطالبہ کیا کہ وعدے کو وعید اور وعید کو وعدے سے بدل دے۔ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا (ایسی حالت میں آپ کو گہرا دوست بنا لیتے) یعنی اگر آپ ان کی مراد کی اتباع کرتے تو ضرور وہ تمہیں گہرا دوست بنا لیتے اور آپ ان کی ولایت اختیار کر کے ہماری ولایت سے نکل جاتے۔

۷۴: وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ (اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ بنایا ہوتا) یعنی اگر ہمارا ثابت قدم رکھنا اور ہماری عصمت نہ ہوتی لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ (تحقیق قریب تھا کہ آپ جھک جاتے ان کی طرف) یعنی البتہ قریب تھا کہ آپ ان کے مکر کی طرف مائل ہو جاتے۔ شَيْـًٔا قَلِيْلًا (بہت ہی معمولی سا) یعنی تھوڑا سا جھکاؤ اس میں آپ کو تسلی دی گئی اور آپ کی فضیلت اور ثابت قدمی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

۷۵: اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ (ورنہ اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ کو حالت حیات میں بھی اور موت کے بعد

وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذًا لَا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا

اور یہ (کافر) اس سرزمین سے آپ کے قدم ہی اکھاڑنے لگے تھے تاکہ آپ کو اس سے نکال دیں اور ایسا ہو جاتا تو آپ کے بعد یہ بھی بہت کم ٹھہرنے

قَلِيلًا ﴿٧٦﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ﴿٧٧﴾

پاتے۔ جیسا کہ ان لوگوں کے بارے میں ہمارا طریقہ رہا ہے جن کو آپ سے پہلے ہم نے رسول بنا کر بھیجا تھا اور آپ ہمارے طریقہ میں تغیر نہ پائیں گے

أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ

آفتاب ڈھلنے کے بعد سے رات اندھیرا ہونے تک نمازیں قائم کیجئے اور فجر کی نماز بھی۔ بلاشبہ فجر کی نماز حاضر ہونے کا

مَشْهُودًا ﴿٧٨﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَكَ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا ﴿٧٩﴾

وقت ہے۔ اور رات کے حصہ میں نماز تہجد پڑھا کیجئے جو آپ کے لئے زائد چیز ہے متوقع ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں جگہ دے گا

دگنا عذاب چکھاتے)۔ إِذًا یہاں لَوْ کے معنی میں ہے یعنی اگر آپ ان کی طرف ادنیٰ سے جھکاؤ کے بھی قریب ہو جاتے إِذًا لَّأَذَقْنَاكَ سے مراد عذاب قبر اور عذاب آخرت ہے کہ وہ دوگنا کر کے دیے جاتے اس لئے کہ آپ کے مرتبہ اور نبوت کے شرف کی وجہ سے گناہ بہت بڑا ہوتا۔ یہ اسی طرح ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا یٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ [الاحزاب: ۳۰] اصل کلام اس طرح ہے۔ إِذًا لَّأَذَقْنَاكَ عَذَابَ الْحَيَاةِ وَعَذَابَ الْمَمَاتِ کہ اس وقت ہم آپ کی زندگی میں اور موت کے بعد عذاب چکھاتے کیونکہ عذاب دو طرح ہیں نمبر ۱۔ وہ عذاب جو موت کے بعد ہو اور یہی عذاب قبر ہے نمبر ۲۔ آخرت کی زندگی میں ہونے والا عذاب اور یہی عذاب نار ہے۔ آیت میں عذاب کی صفت الضعف سے کی گئی جیسا کہ دوسری آیت میں آیا: فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ [الاعراف: ۳۸] یہاں ضعف بمعنی مضاعف کے ہے گویا اصل کلام اس طرح ہے لأذقناك عذابا ضعفا في الحياة و عذابا ضعفا في الممات پھر اس عبارت میں سے موصوف کو حذف کر کے صفت کو اس کے قائم مقام لائے اور وہ ضعف ہے پھر صفت کی اضافت موصوف کی طرف کر دی اور یوں فرما دیا۔ ضعف الحياة و ضعف الممات۔

(۲) دوسری تفسیر یہ بھی درست ہے کہ ضِعْفَ الْحَيَاةِ سے دنیا کا عذاب مراد لیا جائے اور ضِعْفَ الْمَمَاتِ سے موت کے بعد آنے والا عذاب قبر اور عذاب نار مراد لیا جائے۔

نکتہ: آیت میں تثبیت اور پھر تسکین ذکر فرمائی اور اس کے بعد اس پر میں دوگنے عذاب کی سخت وعید لائی گئی۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ بری چیز کی قباحت اس شخص کے قدر و جاہ کے حساب سے بڑھتی جاتی ہے جو اس کا کرنے والا ہو۔ روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ لَا تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ یہ روایت مرسل ہے جس کو ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا (پھر آپ کو ہمارے مقابلہ میں اپنا کوئی مددگار نہ ملتا) یعنی ایسا مددگار جو ہمارے عذاب سے آپ کو بچا سکے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ

اور آپ یوں دعا کیجئے کہ اے رب مجھ کو جہاں داخل کیجئے جو داخل کرنا خوبی کا ہو، اور مجھ کو خوبی کے ساتھ نکالئے اور میرے لئے اپنے پاس سے ایسا غلبہ عطا

سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۝ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝

فرمائیے جس کے ساتھ مدد ہو۔ اور آپ یوں کہہ دیجئے کہ حق آگیا اور باطل چلا گیا واقعی باطل جانے ہی والا ہے۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ

اور ہم ایسی چیز یعنی قرآن نازل کرتے ہیں جو شفاء ہے اور رحمت ہے مومنین کے لئے اور وہ ظالموں کے نقصان ہی میں

اِلَّا خَسَارًا ۝ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ

اضافہ کرتا ہے۔ اور جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں وہ اعراض کر لیتا ہے۔ اور رخ پھیر کر دور ہو جاتا ہے۔ اور جب اسے تکلیف پہنچ جاتی ہے تو

یَئُوْسًا ۝ قُلْ كُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِیْلًا ۝

ناامید ہو جاتا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ ہر شخص اپنے طریقے پر کام کر رہا ہے سو تمہارا رب خوب جانتا ہے جو زیادہ ٹھیک راستے پر ہے۔

نمبر۲۔ عادۃً اس میں زیادہ فرشتے نمازی حاضری دیتے ہیں۔

۷۹: وَمِنَ الَّیْلِ (اور رات کو) تم پر رات کا بعض حصہ جاگنا لازم ہے۔ فَتَهَجَّدْ (تم تہجد پڑھو) التہجد نماز کیلئے نیند کو چھوڑنا۔ نیند کے بارے میں کہا جاتا ہے تھجد وہ نیند سے بیدار ہوا۔ بِهٖ (قرآن مجید کے ساتھ) نَافِلَةً لَّكَ (یہ زائد ہے تیرے لئے) یہ پانچوں نمازوں سے زائد عبادت تم پر لازم کی ہے گویا تہجد اور نافلہ کو ایک ہی معنی جمع کرنے والا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تہجد کی نماز پانچوں نمازوں سے زائد آپ پر بطور فضیلت کے بڑھائی گئی ہے۔ نمبر۲۔ یہ آپ پر فرض ہے اور کسی پر فرض نہیں ہے کیونکہ وہ امت کیلئے نفل ہے۔ عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر جگہ دے گا) مقاما محمودًا۔ ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر عبارت یہ ہے عسٰی ان یبعثک یوم القیامۃ فیقیمک مقامًا محمودًا یقیم فعل کا مفعول ہوا۔ نمبر۲۔ یبعثک میں معنی یقیمک کا متضمن پایا جاتا ہے اور یہ یبعثک کا مفعول ہے۔

مسلک جمہور:

نمبر۱۔ مقام محمود شفاعت کبریٰ کا مقام ہے۔ روایت اس پر دلالت کرتی ہیں۔ نمبر۲۔ یہ وہ مقام ہے جس میں آپ کو لواء الحمد عنایت کیا جائے گا۔

۸۰: وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ (اور کہہ دیں اے میرے رب مجھے خوبی کے ساتھ پہنچا اور خوبی کے ساتھ لے جا) مدخل یہ مصدر ہے تقدیر عبارت یہ ہے ادخلنی القبر ادخالا مرضیا علی طہارۃ من الزلات۔ مجھے قبر میں لغزشوں سے

طہارت کے ساتھ پسندیدہ حالت میں داخل کرنا۔ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ (اور مجھے اچھی طرح نکالنا) نمبر۱۔ اس قبر سے مجھے پسندیدہ حالت میں نکالنا کہ عزت والی ملاقات ہو۔ سلامتی سے محفوظ ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بعث کا تذکرہ کرنے کے بعد اس آیت کو لایا گیا ہے۔ نمبر۲۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ہجرت کا جب حکم ہوا تو اس وقت یہ آیت اتری۔ پھر داخلہ سے مراد مدینہ منورہ میں داخلہ اور اخراج سے مکہ سے نکلنا مراد ہے۔ نمبر۳۔ یہ آیت عام ہے جب بھی جہاں کہیں آپ داخل ہوں اور جس کام میں آپ ہاتھ ڈالیں۔ وَاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا (اور اپنے پاس سے مجھے غلبہ دینا جس میں نصرت شامل ہو) ایسی حجت عنایت فرما جو مخالفین پر غالب کرنے والی ہو۔ نمبر۲۔ ایسی مملکت و شوکت و قوت عنایت کر جو کفر کے خلاف اسلام کی مددگار اور کفر پر غلبہ دینے والی ہو۔

استجابت حق:

۸۱: وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ (اور کہہ دو حق آیا) حق سے اسلام مراد ہے۔ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ (اور باطل گیا) ہلاک و برباد ہوا۔ باطل سے شرک مراد ہے۔ نمبر۲۔ قرآن آیا اور شیطان ہلاک ہوا۔ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بیشک باطل ہے ہی مٹنے والا ہے) ہر زمانہ میں باطل اسی لائق ہے کہ وہ برباد ہو جائے۔

قرآن ہی شفاء ہے:

۸۲: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ (اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو شفاء اور رحمت ہیں)

قراءت: ابوعمرو نے نُنْزِلُ تخفیف سے پڑھا ہے۔ مِنَ الْقُرْاٰنِ میں مِنْ تبعیض ہے۔ شفاء سے امراض قلوب کی شفاء مراد ہے اور رحمت سے عیوب کا علاج اور عیوب کی تطہیر اور گناہوں کی تکفیر مراد ہے لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (ایمان والوں کیلئے)۔ حدیث میں وارد ہے من لم یستشف بالقرآن فلا شفاہ اللّٰہ (طبرانی کنزالعمال) جو قرآن سے شفاء حاصل نہ کرے خدا کرے اس کو شفاء نہ ہو۔ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ (اور نہیں اضافہ کرتا ہے ظالموں کیلئے) ظالم سے کافر مراد ہیں۔ اِلَّا خَسَارًا (مگر نقصان میں) اس کی تکذیب و کفر کی وجہ سے گمراہی بڑھے گی۔

انسان کا عمومی حال:

۸۳: وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَی الْاِنْسَانِ (اور جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں) صحت اور خوشحالی کا اَعْرَضَ (وہ اعراض کرتا ہے) اللہ تعالیٰ کی یاد سے نمبر۲۔ قرآن و دیگر انعام کرتے ہیں تو وہ اس سے منہ موڑتا ہے۔ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ (اور پہلو پھیر لیتا ہے) یہ اعراض کی تاکید ہے۔ کیونکہ کسی شئی سے اعراض کا مطلب یہ ہے کہ اپنے چہرے کے عرض کو اس سے پھیرے۔ اور نَاٰی کا مطلب یہ ہے کہ اپنے کندھے کو اس سے پھیر لے اور اس کی طرف پیٹھ کرے۔ نمبر۲۔ مراد اس سے تکبر ہے کیونکہ یہ متکبرین کی عادات میں سے ہے۔

قراءت: نَاٰی حمزہ نے امالہ کے ساتھ اور علی نے کسرہ سے پڑھا ہے۔

جمہور کا قول:

پس ان میں جو روح پائی جاتی ہے اس کے متعلق انہوں نے سوال کیا تھا کہ اس کی حقیقت کیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اعلان دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا علم ہے یعنی ان چیزوں میں سے جس کا حقیقی علم اسی کے پاس ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ ﷺ خود سے تشریف لے گئے۔ اور روح کے متعلق نہ بتاتے تھے۔ (واحدی فی الوسیط) پہلے لوگ اس کی حقیقت کو دریافت کرنے سے عاجز و درماندہ ہوئے باوجودیکہ انہوں نے اپنی طویل عمریں اس کی تحقیق و دریافت میں صرف کر دیں۔

اور حکمت اس میں یہ ہے کہ مخلوق تو اپنے سے قریب ترین مخلوق کی حقیقت کو دریافت کرنے سے عاجز ہے۔ پس وہ اللہ کی ذات کا ادراک کرنے سے بدرجۂ اولیٰ عاجز تر ہے۔ اسی وجہ سے اس کی تعریف میں جو کچھ کہا گیا وہ قابل رد ہے۔ نمبر۱۔ کہ وہ ایک لطیف ہوائی جسم ہے جو حیوان کے ہر جز میں پایا جاتا ہے۔ نمبر۲۔ وہ فرشتے سے بڑی روحانی مخلوق ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ روح سے جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں۔ جیسا دوسری آیت میں فرمایا نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ [الشعراء: ۱۹۳] حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس سے قرآن مراد ہے اس کی دلیل اس آیت میں ہے کہ: وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا [الشوریٰ: ۵۲] اور دوسری دلیل ہے کہ قرآن سے دلوں کو زندگی میسر آتی ہے۔ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ یعنی اس کی وحی سے اللہ تعالیٰ کا کلام انسانوں جیسا کلام نہیں۔

روایت میں ہے کہ یہود نے ایک وفد قریش کی طرف بھیجا۔ کہ اپنے پیغمبر سے تم تین سوال کرو۔ نمبر۱۔ اصحاب کہف کون تھے۔ نمبر۲۔ ذوالقرنین بادشاہ کی مہم جوئی۔ نمبر۳۔ روح کی حقیقت کیا ہے۔ اگر وہ تمام کا جواب دے دیں تو وہ پیغمبر نہیں اور اگر بعض کا جواب دیں اور بعض سے خاموش رہیں تو وہ پیغمبر ہیں۔

پس آپ نے دونوں واقعات کو ان کے سامنے واضح طور پر بیان کر دیا۔ اور روح والے جواب کو مبہم رکھا۔ یہ تورات میں بھی مبہم ہے۔ پس قریش کو اپنے سوالات پر ندامت ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ سوال روح کی تخلیق کے متعلق تھا۔ یعنی وہ مخلوق ہے یا غیر۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ۔ یہ روح کے مخلوق ہونے کی دلیل ہے پس بیان کے سوال کا جواب ہوا۔

انسانی علم قلیل ہے:

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (اور تمہیں بہت تھوڑا علم دیا گیا) اس میں خطاب عام ہے۔ روایت میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب ان کو یہ پڑھ کر سنایا تو وہ کہنے لگے یہ خطاب ہمیں خاص کر کیا گیا یا آپ اس خطاب میں ہمارے ساتھ ہیں۔ آپ نے فرمایا بلکہ ہم اور تم دونوں کو تھوڑا ہی علم دیا گیا۔ [رواہ الثعلبی]

نمبر۲۔ یہ خصوصاً یہود کو خطاب ہے کیونکہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کو کہا ہمیں تو تورات کا علم دیا گیا جس میں حکمت ہے۔ اور تم نے خود تلاوت کی ہے وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا [البقرہ: ۲۶۹] کہ جس کو حکمت مل جائے وہ خیر کثیر پا لیتا ہے۔ اس کے جواب میں انہیں کہا گیا تورات کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں قلیل ہے۔ یعنی قلت و کثرت تو اضافی چیزیں ہیں۔ اس لئے بندے کو جو خیر کثیر میسر آئی ذاتی اعتبار میں وہ اگرچہ کثیر ہے مگر اس کا تقابل جب علم الٰہی سے ہو گا تو اس وقت وہ قلیل

ورد تحصیل واقع ہوگی۔

وحی محض رحمت ہے مجادلین کے مقابلے میں صبر کریں:

۸۶: پھر نعمت وحی پر متنبہ کیا اور آپ کو صبر کی تلقین کی ایسے لوگوں کی ایذا پر جو سوال میں مجادلہ اختیار کرنے والے تھے فرمایا۔ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ (اور اگر ہم چاہیں تو جس قدر وحی آپ کی طرف کی ہے۔ سب کو سلب کر لیں) جو اب قسم محذوف ہے اس کے ساتھ یہ جزاء شرط کے قائم مقام ہے۔ اور ان پر لام کو قسم کی تمہید کیلئے داخل کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے اگر ہم چاہیں تو قرآن کو لے جائیں اور مصاحف و صدور سے اس کو مٹا دیں اور اس کا کوئی نشان بھی نہ باقی رہنے دیں۔ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا (پھر تم ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی نہ پاؤ گے) یعنی پھر اس کے لے جانے کے بعد کوئی ایسا شخص جس پر اعتماد ہو کہ اس کو لوٹانے میں بھروسہ کر سکیں اور محفوظ و مسطور واپس کر دے سکیں۔

۸۷: اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا (مگر یہ آپ کے رب کی رحمت ہے۔ بیشک اس کا فضل آپ پر بہت ہے) یعنی مگر آپ کا رب آپ پر رحمت کرکے آپ پر لوٹا دے۔ (وہ ایسا کر سکتا ہے) اس کی رحمت ہی ایک ایسی چیز ہے جس پر آپ اس کے واپس کرنے میں بھروسہ کر سکتے ہیں۔ نمبر ۲۔ مستثنیٰ منقطع ہے۔ تو معنی یہ ہے لیکن یہ تیرے رب کی مہربانی ہے اس نے اس کو بغیر لے جانے کے چھوڑ دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید کے محفوظ باقی رہنے کا احسان ہے۔ اس کے بعد کہ اس نے اس کو اتارا اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود لی۔

کفار کا جواب:

۸۸: یہ آیت نضر بن حارث کے قول کے جواب میں اتری۔ اس نے کہا لو نشاء لقلنا مثل ھذا [الانفال ۳۱] قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ (آپ کہہ دیں اگر انسان اور جنات متفق ہو کر ایسا قرآن) يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ (لانے کیلئے جمع ہو جائیں۔ تو اس جیسا قرآن نہیں لا سکیں گے) وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں) ظہیر کا معنی معین و مددگار۔ لا یاتون یہ قسم محذوف کا جواب ہے۔ اگر تمہیدی لام نہ ہوتی تو جائز تھا کہ یہ جواب شرط بن جاتا۔ جیسا کہ اس قول میں ہے۔

يقول لا غائب مالی ولا حرم

آیت میں شرط ۔ معنی واقع ہوئی ہے یعنی اگر وہ ایک دوسرے کی پشت پناہی کریں اس غرض کیلئے کہ وہ اس قرآن کی مثل بلاغت اور حسن نظم اور تالیف میں لائیں تو وہ ضرور اس کی مثل سے عاجز رہیں گے۔

قرآن نے ہر قسم کی مثالیں بیان کیں مگر انہوں نے کفر کی ٹھانی ہے:

۸۹: وَلَقَدْ صَرَّفْنَا (تحقیق ہم نے طرح طرح سے بیان کیں) بار بار لوٹا کیں اور بار بار لائے۔ لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ (لوگوں کیلئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں) ہر معنی کے لحاظ سے قرآن غرابت و حسن کی ایک مثال ہے۔ فَاَبٰٓى

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ

اور ان لوگوں نے کہا کہ ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپ ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ جاری نہ کر دیں۔ یا خاص کر آپ کے لئے

مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ

کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو پھر آپ اس باغ کے درمیان بہت سی نہریں جاری کر دیں۔ یا آپ ہمارے اوپر آسمان کے ٹکڑوں کی صورت میں گرا دیں جیسا کہ

عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿۹۲﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ

آپ کا بیان ہے یا آپ اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے لے آئیں یا آپ کا گھر ہو جو خوب مزین ہو یا

اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ قُلْ

یا آپ آسمان میں چڑھ جائیں اور ہم آپ کے چڑھنے پر ہرگز یقین نہ کریں گے یہاں تک کہ آپ ہمارے پاس ایک لکھی ہوئی کتاب لا دیں جسے ہم پڑھ بھی لیں۔ آپ فرما دیجئے

سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾

کہ میرا رب پاک ہے میں تو صرف ایک بشر ہوں پیغمبر ہوں

اَکْثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوْرًا (یعنی اکثر لوگ بغیر انکار کے نہ رہے) یہ جائز ہے نہیں ضربت الا زیدا کیونکہ ابٰی میں معناً نفی ہے۔ گویا اس طرح کہا فلم یرضوا الا کفورا کہ وہ کفر کے علاوہ اور کسی چیز پر راضی نہ ہوئے۔

۹۰: جب قرآن کا اعجاز واضح کر دیا اور دیگر معجزات اس کے ساتھ ملائے۔ اور ان پر دلیل کو لازم کر دیا۔ انہوں نے مغلوب ہو کر من مانگی نشانیاں مانگنی شروع کر دیں جس طرح مبہوت ہو کر دلیل میں شکست خوردہ اور حیران شخص کیا کرتا ہے۔ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا (اور وہ کہنے لگے ہم ہرگز آپ پر ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ تو ہمارے لئے بہا دے)

قراءت: کوفی نے تفجُر کو تخفیف سے پڑھا ہے۔

اعجاز قرآنی سے درماندہ ہو کر من مانگی نشانی پر زور:

مِنَ الْاَرْضِ (زمین سے) سرزمین مکہ سے يَنْۢبُوْعًا (چشمہ) کثیر پانی والا چشمہ جس کا حال یہ ہو کہ پانی اس سے بلا جائے منقطع نہ ہو۔ یہ نبع الماء سے یفعول کا وزن ہے۔

۹۱: اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ (یا آپ کے لیے کوئی کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو پھر اس باغ میں آپ جاری کر دیں)

قراءت: تفجّر تشدید کے ساتھ یہاں تمام قراء کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا (بہت سی نہریں اس کے درمیان میں) تَفْجِيْرًا (بہانا، جاری کرنا)

۹۲۔ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا (یا جیسا کہ آپ کہا کرتے ہیں آسمان کے ٹکڑے ہم پر نہ گرادیں)
قراءت: مدنی اور عاصم نے کِسَفًا کو سین کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ اور اس کا معنی ٹکڑے ہے جیسے کہا جاتا ہے اعطنی کسفۃ من ھذہ الثوب ۔ دیگر قراء نے سکون سین کے ساتھ پڑھا جو کہ کِسْفَۃٌ کی جمع ہے جیسے سِدْرَۃٌ و سِدْرٌ۔ اور اس سے وہی مراد ہے یہی جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ [سورۃ سبا:۹]

اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا (یا آپ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کو ہمارے سامنے لاکر نہ کھڑا کردیں) قبیلاً کا معنی کفیل ہے کہ جو کچھ تم کہتے ہو اس کی صحت کے تم خود شاہد بنو یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کو اور اس کے فرشتوں کو سامنے پیش کرو۔ جو تمہاری بات کی شہادت دیں یہ اسی طرح ہے جیسا کہ شاعر کے اس قول میں کنت منه و والدی بریئا ......
نمبر۲۔ قبیلا بمعنی مقابل ہے جیسے عشیر بمعنی معاشر۔ اس کی مثال اس آیت میں ہے لولا انزل علینا الملٰئکۃ او نری ربنا۔ نمبر۳۔ قبیلا بمعنی جماعت ہے اس وقت یہ الملٰئکۃ سے حال ہوگا۔ یعنی ملائکہ کو جماعت کی شکل میں سامنے لائے۔
۹۳۔ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ (یا آپ کے لیے سونے کا مکان ہو) اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ (یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ) زخرف کا معنی سونا۔ ترقی کا معنی چڑھنا ہے۔ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ (اور ہم تمہارے صرف چڑھنے پر بھی یقین نہیں کریں گے) یعنی چڑھ جانے کی وجہ سے یقین نہیں کریں گے۔ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ (جب تک کہ تم ایسی کتاب نہ لے کر اترو جس کو ہم پڑھیں)۔
قراءت: ابو عمرو نے تُنْزِلَ پڑھا ہے اور کتاب سے مراد ایسی کتاب جس میں آپ کی تصدیق ہو۔ نقرؤہ الفعل یہ کتاب کی صفت ہے۔

مطالبات کفار کا جواب:

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (کہہ دیں میرا رب پاک ہے میں تو صرف ایک بشر اور پیغمبر ہوں)
قراءت۔ مکی اور شامی نے قل کو قال پڑھا ہے قال الرسول رسول نے کہا سبحان ربی سے ان کے مطالبات پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے۔ اور ھل کنت الا بشرا کہہ کر یہ بتلایا کہ میں دوسرے رسولوں کی طرح رسول اور بشر ہوں۔ انبیاء علیہم السلام اپنی قوموں کے پاس وہی نشانات ظاہر کرتے تھے جو اللہ ان کو دیتے تھے کوئی معجزات کو ظاہر کرنا میرے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ کے اختیار میں ہے پھر تمہیں کیا ہے کہ تم بار بار مجھ پر فرمائشیں ڈال رہے ہو۔

ہدایت طلب والے کو ملے گی:

۹۷ : وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ (جس کو اللہ تعالیٰ راہ راست پر لگائے وہی ہدایت پانے والا ہے)
قراءت: یعقوب اور سہل نے المہتدی پڑھا ہے۔ ابو عمرو اور مدنی نے وصل میں ان کی موافقت کی ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت قبول کرنے کی توفیق دے وہی وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہدایت پانے والا ہے۔ وَمَنْ يُّضْلِلْ (اور جس کو گمراہ چھوڑ دے) یعنی اس کو رسوا اور بے مدد کرے اور اس کی بھلائی یعنی ہدایت قبول کرنے سے حفاظت نہ کرے۔ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ (تو ان لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی حمایتی نہ پاؤ گے) جو ان کو رستے پر ڈال سکے۔ یہاں اولیاء انصار و مددگاروں کے معانی میں ہے۔ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ (اور ہم ان کو اٹھائیں گے قیامت کے دن چہروں کے بل) یعنی چہروں کے بل ان کو کھینچا جائے گا جیسا کہ دوسرے ارشاد میں ہے۔ یوم یسحبون فی النار علی وجوھھم [القمر:۴۸] آنحضرت ﷺ سے یہ سوال کیا گیا کہ وہ چہروں کے بل کیسے چلیں گے۔ تو آپ نے فرمایا جو ذات قدموں سے ان کو چلانے والی ہے وہ چہروں کے بل بھی چلانے کی قدرت رکھتی ہے [ترمذی:۳۱۴۲]
عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا (اندھے بہرے اور گونگے) جس طرح کہ وہ دنیا میں نہ بصیرت رکھتے تھے اور نہ سچی بات بولتے تھے اور اس کے سننے سے بھی بہرے تھے وہ آخرت میں بھی اسی طرح ہوں گے ایسی چیز نہ دیکھنے پائیں گے جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور نہ ہی ایسا سن سکیں گے جس سے ان کے کان لذت پائیں اور نہ وہ ایسی بات بول سکیں گے جو ان کی طرف سے منظور کی جائے۔ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا (ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جب وہ آگ دھیمی ہونے لگے گی تو ہم اس کی بھڑک میں اضافہ کر دیں گے) خبت کا معنی لپٹ کا کم ہونا اور سعیر کا معنی بھڑکنا۔

عذاب کے دو سبب کفر اور انکار قیامت:

۹۸ : ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا (یہ سزا ان کو اس لئے دی جائے گی کہ انہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا از سر نو پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے) ذٰلک کا مشار الیہ وہ عذاب ہے جو ان کو اس سبب سے دیا گیا کہ انہوں نے بعث بعد الموت کا انکار کیا پس اللہ تعالیٰ نے آگ کو ان کے سارے اجزاء پر مسلط کر دیا جو ان کو کھاتی ہے اور پھر منتشر کرتی ہے اور وہ اسی حالت میں ہمیشہ رہیں گے تاکہ بعث بعد الموت کی تکذیب پر ان کی حسرت بڑھتی رہے۔
۹۹ : اَوَلَمْ يَرَوْا (کیا وہ نہیں جانتے) اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ (کہ جس اللہ نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا وہ اس بات پر قادر ہے کہ ان جیسے آدمی دوبارہ پیدا کرے) مثلھم سے مراد ان جیسے انسان۔ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ (اور ان کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں) اور وہ موت ہے یا پھر قیامت فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا (پھر بھی ظالم لوگ بغیر انکار کے نہ رہے) باوجود اس کے کہ دلائل واضح ہو چکے انکار کر لیا گویا حق تھی یا انکار ہی جانتے۔

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ

آپ فرما دیجئے کہ اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو اس صورت میں خرچ ہو جانے کے ڈر سے ہاتھ روک لیتے

وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ

اور انسان خرچ کرنے میں بڑا تنگ دل ہے ۔ اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کھلی ہوئی نو نشانیاں عطا کیں سو آپ بنی اسرائیل

اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ۝ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ

سے پوچھ لیجئے جب موسیٰ ان کے پاس آئے تو فرعون نے ان سے کہا کہ اے موسیٰ بلاشبہ تیرے بارے میں یہ گمان کرتا ہوں کہ کسی نے تجھ پر جادو کر دیا ہے

مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ

موسیٰ نے جواب میں کہا کہ تو خوب جانتا ہے کہ یہ چیزیں آسمانوں اور زمین کے پروردگار ہی نے نازل فرمائی ہیں جو بصیرت کا ذریعہ ہیں اور اے فرعون میں تیرے بارے میں یہ

مَثْبُوْرًا ۝ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ۝

سمجھ رہا ہوں کہ تو ہلاک ہو جانے والا ہے ۔ پھر اس نے چاہا کہ انہیں زمین سے اکھاڑ دے سو ہم نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو سب کو غرق کر دیا

وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ۝

اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ زمین میں رہو سہو سو پھر جب آخرت کا وعدہ آ جائے گا تو ہم تمہیں جمع کر کے حاضر کر دیں گے

اگر تم خزانوں کے مالک ہوتے تو یہ نبوت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ملتی:

۱۰۰: قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ (کہہ دیں اگر تم مالک ہوتے) تقدیر عبارت یہ ہے لو تملکون انتم ۔

نحو: کیونکہ لو افعال پر داخل ہوتا ہے اسماء پر نہیں۔ پس فعل کا لانا اس کے بعد ضروری ہے۔ پس تملک کو مضمر مان لیا گیا کیونکہ اس کی تفسیر آ رہی ہے اور ضمیر منفصل کی بجائے ضمیر متصل لائے اور وہ انتم ہے کیونکہ جس سے واؤ متصل تھی وہ لفظوں میں ساقط ہو گیا پس انتم فعل مضمر کا فاعل ہے اور تملکون اس کی تفسیر ہے۔ علم نحو کا یہی تقاضہ ہے۔

اہل علم بیان کہتے ہیں کہ اسی تملکون میں اختصاص کی دلالت پائی جاتی ہے اور لوگ ہی انتہائی بخل کے ساتھ خاص ہیں۔ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ (میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے) رزق اور تمام انعامات جو اس نے اپنی مخلوقات پر کر رکھے ہیں۔ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ (تو اس صورت میں تم ضرور خرچ کرنے سے ہاتھ روک لیتے) تم ضرور بخل کرتے اس ڈر سے کہ کہیں انفاق ان کو ختم نہ کر ڈالے۔ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا (انسان بڑا تنگ دل ہے) قتور کا معنی بخیل ہے۔

نو معجزات موسوی:

۱۰۱: وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ (یقیناً ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کھلے ہوئے نو معجزات دیے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ عصا، ید بیضا، ٹڈی، جوئیں، مینڈک، خون، پتھر، سمندر اور طور ہیں۔ جس کو بنی اسرائیل پر لٹکایا۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں وہ طوفان، قحط سالی، نقص ثمرات، اشیاء کا پتھر بننا، سمندر، طور ہیں۔

فَسْئَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (پھر ہم نے کہا تم بنی اسرائیل کو (فرعون سے) طلب کرو) یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ بنی اسرائیل کو فرعون سے مانگ اور اس طرح کہہ فارسل معی بنی اسرائیل [الاعراف۔۱۰۵] اِذْ جَآءَهُمْ (جب کہ وہ ان کے پاس آئے) یہ قول محذوف کے متعلق ہے۔ ای فقلنا له سلهم حين جاءهم۔ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا (ان کو فرعون نے کہا میرا تو قطعی خیال ہے کہ تیرے اوپر اے موسیٰ جادو کر دیا گیا ہے) تمہیں جادو کیا گیا جس سے تمہاری عقل بگڑ چکی۔

موسیٰ علیہ السلام کی تقریر:

۱۰۲: قَالَ (کہا) موسیٰ علیہ السلام نے لَقَدْ عَلِمْتَ (تحقیق تو جانتا ہے) اے فرعون مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (نہیں اتارا یہ آیات مگر آسمانوں اور زمین کے رب نے) هؤلاء کا مشارالیہ آیات ہیں۔ رب کا معنی ان کا خالق بَصَآئِرَ (بصیرت حاصل کرنے کیلئے) یہ حال ہے یعنی واضح کھلی، البتہ تو معاند ہے۔ دوسری آیت میں فرمایا وجحدوا بها واستيقنتها انفسهم ظلما وعلوا [النمل: ۱۴]

قراءت: علی نے عَلِمْتُ ضمہ سے پڑھا۔ مطلب اس طرح ہوگا۔ میں مسحور نہیں ہوں جیسا کہ تم نے میرے متعلق بیان کیا بلکہ میں معاملے کی صحت کو جاننے والا ہوں اور ان آیات کا اتارنے والا آسمان و زمین کا رب ہے پھر آپ نے اپنے گمان کو اس کے گمان کے ساتھ اس طرح مقابلہ کیا۔

وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا (یقیناً میں تمہیں اے فرعون ہلاک ہونے والا گمان کرتا ہوں) گویا کہ آپ نے اس طرح فرمایا کہ اگر تو مجھے مسحور قرار دیتا ہے تو میرے خیال میں تو ہلاک ہونے والا ہے۔ اور میرا گمان تیرے گمان سے زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس کی علامات ظاہر ہیں اور وہ تیرا انکار ہے جس کا صحیح ہونا تو پہچان چکا ہے اور اس کی آیات کے واضح ہونے کے بعد تو دشمنی سے انکار کر رہا ہے اور رہا تیرا گمان تو وہ محض جھوٹ ہے کیونکہ تو نے میرے متعلق جاننے کے باوجود یہ کہہ دیا ہے اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ مَسْحُوْرًا یہ جھوٹا قول ہے۔ فراء کہتے ہیں۔ مثبور کا معنی بھلائی سے پھرا ہوا جیسے عرب کا قول ہے۔ ما ثبرك عن هذا یعنی اس بات سے تمہیں کس بات نے پھیر دیا اور روک دیا۔

۱۰۳: فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ (اس نے ارادہ کیا کہ وہ ان کے قدم اکھاڑ دے) یعنی موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نکال دے۔ مِّنَ الْاَرْضِ (زمین سے) یعنی ارض مصر سے یا تمام زمین سے ان کو قتل و استیصال سے جلا وطن کرے۔ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا (پس ہم نے اس کو اور اس کے تمام ساتھ والوں کو غرق کر دیا) پس اس کی تدبیر اس پر الٹی ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۭ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ

اور ہم نے حق کے ساتھ اتارا اور وہ حق کے ساتھ نازل ہوا اور ہم نے آپ کو صرف خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ۔ اور ہم نے قرآن میں جا بجا فصل رکھا ہے

لِتَقْرَاَهٗ عَلَي النَّاسِ عَلٰي مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۭ اِنَّ

تاکہ آپ لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے ۔ آپ فرما دیجئے کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا ایمان نہ لاؤ بلاشبہ

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَّيَقُوْلُوْنَ

جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ان کے سامنے جب اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر جاتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں

سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ

کہ ہمارا رب پاک ہے بلاشبہ ہمارے رب کا وعدہ ضرور ہی پورا ہونے والا ہے ۔ اور وہ روتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں اور یہ قرآن ان کا

خُشُوْعًا ۝

خشوع بڑھا دیتا ہے ۔

قبطیوں سمیت مصر سے اکھاڑ دیا۔

بنی اسرائیل کو ٹھکانہ دیا:

۱۰۴: وَقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ (اور ہم نے اس کے بعد بنی اسرائیل کو کہا تم اس سرزمین میں رہو) بعدہ سے مراد فرعون کے بعد۔ الارض سے وہ سرزمین مراد ہے جس سے فرعون نے ان کو نکالنے کا ارادہ کیا۔ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ (پس جب آخرت والا وعدہ آ جائے گا۔) آخرت سے مراد یہاں قیامت ہے۔ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا (تو ہم سب کو جمع کر کے حاضر کر دیں گے۔) لفیفا کا معنی جمع کر کے باہم ملا کر۔ اس حال میں کہ تم اور وہ سب ملے ہوئے ہوں گے پھر ہم تمہارے درمیان فیصلہ کریں گے اور سعادت مند اور بدبختوں کے درمیان امتیاز کر دیں گے۔ اللفیف کا معنی جماعتوں کی صورت میں جو مختلف قبائل پر مشتمل ہوگی۔

۱۰۵: وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ (اور حق ہی کے ساتھ ہم نے قرآن کو اتارا ہے اور حق ہی کے ساتھ وہ نازل ہوا) ہم نے اس قرآن کو حکمت کے ساتھ اتارا اور یہ اس حالت میں اترا کہ حق اور حکمت اس کے ساتھ ملی ہوئی ہے کیونکہ یہ ہر خیر کی طرف ہدایت پر مشتمل ہے۔

(۲) ہم نے اس کو آسمان سے حق کے ساتھ اتارا ہے اور فرشتوں کی نگرانی سے اس کو محفوظ رکھا اور یہ رسول پر اس حال میں اترا ہے کہ شیاطین کی ملاوٹ سے بالکل محفوظ ہے۔

نکتہ: راوی کہتا ہے کہ محمد بن سماک بیمار ہو گئے ہم نے انکا پانی لیا اور اس کو ایک نصرانی طبیب کے پاس لے گئے ہم نے دیکھا کہ ہمارے سامنے ایک انتہائی حسین چہرے والا عمدہ خوشبو والا صاف ستھرے کپڑوں والا آدمی سامنے آیا کہنے لگا کہاں جا رہے ہو ہم نے کہا فلاں طبیب کی طرف تا کہ ابن سماک کا پانی اس کو دکھائیں اس نے کہا سبحان اللہ ایک ولی اللہ کی بیماری کے سلسلے میں اللہ کے دشمن سے مدد لے رہے ہو اس پانی کو زمین میں پھینک دو اور ابن سماک کی طرف لوٹ جاؤ اور اس کو کہو کہ درد کے مقام پر اپنا ہاتھ رکھ کر یہ کہے: (وبالحق انزلنٰہ وبالحق نزل) پھر وہ آدمی ہمارے سامنے سے غائب ہو گیا ہمیں نظر نہ آیا۔

ہم ابن سماک کے پاس لوٹے اور اس بات کی اطلاع دی ابن سماک نے اپنا ہاتھ درد والی جگہ پر رکھا اور آیت کے الفاظ دھرائے اسی وقت ان کو آرام آ گیا راوی کہتے ہیں کہ وہ آدمی حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا (اور اے محمد ﷺ ہم نے آپ کو صرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے) یعنی جنت کی خوشخبری دینے والے اور جہنم سے ڈرانے والے۔

تھوڑا تھوڑا اُتارنے میں حکمت:

۱۰۶: وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ (اور قرآن مجید میں ہم نے فصل رکھا ہے) یعنی آنا کا فقد فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تفسیر فرقنٰہ کر رہا ہے تقدیر عبارت یہ ہے فصلنٰہ تنجیماً۔ فرقنا فیہ الحق والباطل ہم نے اس میں حق سے باطل کو الگ کر دیا۔ یعنی حق و باطل میں امتیاز کر دیا۔ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ (تا کہ آپ اس کو لوگوں کے سامنے تھوڑا تھوڑا کر کے پڑھیں) یعنی آہستگی سے اور ثابت قدمی سے۔ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا (اور ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا) حوادث کے مطابق۔

تم مانو یا نہ مانو اس کے مصدق موجود ہیں:

۱۰۷: قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا (کہہ دیجئے کہ تم اس کو مانو یا نہ مانو) یعنی اپنے نفوں کیلئے ہمیشہ کی نعمتیں چن لو یا دردناک عذاب پھر اس ارشاد سے اس کا سبب بتلایا اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ (بیشک وہ لوگ جن کو اس سے پہلے علم ملا) اور علم سے مراد یہاں قرآن مجید سے پہلے اترنے والی کتاب تورات مراد ہے۔ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ (جب ان پر پڑھا جاتا ہے) یعنی قرآن يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا (وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں) سجداً حال ہے۔

مصدقین کے اقوال:

۱۰۸: وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا (اور وہ کہتے ہیں پاک ہے ہمارا رب بیشک ہمارے رب کا وعدہ پورا ہوا چاہتا ہے) اسلئے کہ دوسرے مقام پر فرمایا آمنوا بہ اولا تؤمنوا یعنی ان سے تم منہ موڑ لو۔ بیشک اگر وہ ایمان نہ لائیں اور قرآن کی تصدیق نہ کریں پس بیشک ان میں سے بہتر وہ علماء ہیں جنہوں نے کتاب کو پڑھا اور اس پر ایمان لائے۔ اور اس کی تصدیق کی جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اللہ کے حکم کی تعظیم کیلئے اسکی تسبیح کرتے ہیں اور اس وعدے کے پورا ہونے پر جو پچھلی کتابوں میں بعثت محمد ﷺ کے متعلق کیا گیا اور قرآن کے ان پر اتارے جانے کی وجہ سے۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ

اور آپ یوں کہیے کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے اپنے لئے کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ اس کے لئے ملک میں کوئی شریک ہے اور نہ اس کی بات ہے

لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ⑪

کہ کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی ولی ہو اور خوب اچھی طرح سے اس کی بڑائی بیان کیجئے

اس کے تمام اسماء خوب احسن ہیں۔ یہ دونوں نام بھی انہی میں سے ہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ یہ احسن الاسماء ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تمجید و تقدیس و تعظیم کے معانی میں مستقل ہیں۔ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ (اور تو نہ پکار کر پڑھ اپنی نماز کو) یعنی اپنی نماز کی قراءت میں۔ اس میں مضاف محذوف ہے۔ کیونکہ اس میں التباس نہیں اس لئے کہ جہر و مخافت دو صفات ہیں۔ جو آواز پر باری باری وارد ہوتی ہیں۔ نہ کہ کسی اور پر۔ اور صلوٰۃ افعال و اذکار ہیں۔

آپ ﷺ اپنی قراءت میں آواز کو بلند فرماتے جب مشرکین سنتے تو شور مچاتے اور گالیاں بکتے۔ پس آپ کو حکم ہوا کہ آواز کو ہلکا کر لیں۔ اب مطلب یہ ہوا وَلَا تَجْهَرْ حتى تسمع المشركين ولا تخافت حتى لا يسمع من خلفك تاکہ زور سے قراءت کریں کہ مشرکین سنیں اور نہ اتنا آہستہ کریں یہاں تک کہ تمہارے پیچھے والے بھی نہ سن سکیں۔

وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا۔ اور نہ اس کو بالکل آہستہ کریں۔ وابتغ بين ذلك (اور تلاش کر اس کے درمیان) جہر و مخافت کے درمیان۔ سبیلا: (راستہ) اور میانہ روی۔ نمبر ۲: اس کا معنی یہ ہے تو اپنی تمام نمازوں کو جہراً پڑھ اور نہ تمام کو پست بلکہ ان کے درمیان راستہ اختیار کر کہ رات کی نماز جہر سے ادا کر اور دن کی نماز آہستہ قراءت سے ادا کر۔ نمبر ۳: صلاتك کا معنی دعا ہے اپنی دعا ضرور سے مت کر۔

اور نہ اس کو بالکل آہستہ کریں:

۱۱۱. وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا (اور کہہ دو تمام تعریفیں اس ذات کیلئے ہیں جس نے بیٹا نہیں بنایا) جیسے کہ یہود و نصاریٰ بنو ملیح کا خیال ہے۔ وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ (اور نہ ہی بادشاہی میں اس کا کوئی شریک ہے) جیسا مشرکین نے خیال کیا۔ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ اور نہ اس کا کوئی مددگار ہے کمزوری کی وجہ سے (کیونکہ وہ کمزوریوں سے پاک ہے) یعنی اس پر کمزوری آتی نہیں کہ اس کو مددگار کی ضرورت پڑے نمبر ۲۔ وہ کسی سے دوستی کمزوری کی وجہ سے نہیں کرتا تا کہ وہ اس کی طرف سے مدد نصرت کرے۔ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا (اور تم اس کی خوب بڑائیاں بیان کرو) اس کی تعظیم کرو اور اس کی صفات بیان کرو کہ اس سے برتر ذات ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو یا اس کا کوئی شریک ہو۔

آیت العز:

آپ نے اس کو آیت العز قرار دیا۔ جب کوئی بچہ بنی عبدالمطلب میں بولنے لگ جاتا تو اس کو یہ آیت یاد کرائی جاتی۔ (رواہ ابن ابی شیبہ)

الحمد لله ... [illegible] ... ترجمة تفسير سورة الإسراء ... ۱۴۲۳ ...

سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَعَشْرُ اٰيَاتٍ وَاثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۂ کہف مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں ۱۱۰ آیات اور بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۞ قَيِّمًا

سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنے بندہ پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں ذرا بھی کجی نہیں رکھی۔ اس کتاب کو استقامت والا بنایا

لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ

تاکہ وہ اللہ کی طرف سے سخت عذاب سے ڈرائے اور مومنین کو بشارت دے جو نیک عمل کرتے ہیں

اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۞ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۞ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ

کہ ان کے لیے اچھا اجر ہے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور تاکہ ان لوگوں کو ڈرائے جنہوں نے کہا کہ اللہ اولاد

وَلَدًا ۞ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ۭ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ

رکھتا ہے۔ انہیں اس کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں ہے اور نہ ان کے باپ دادوں کو، بڑا بول ہے جو ان کے مونہوں سے نکل رہا ہے

اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۞

یہ لوگ بس جھوٹ ہی بولتے ہیں۔

قرآن و صاحب قرآن کی عظمت:

(۱) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ (تمام تعریف اس اللہ تعالیٰ کیلئے جس نے اپنے بندے پر کتاب کو اتارا)۔ عبدہ سے حضرت محمد ﷺ مراد ہیں۔ الکتاب سے قرآن مجید مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود تلقین فرمائی اور خود سکھلایا کہ وہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی تعریف کریں اور کیسے اس کی کثیر و جزیل نعمت پر شکر ادا کریں۔ وہ سب سے بڑی نعمت اسلام ہے اور وہ کتاب ہے جو اس نے حضرت محمد ﷺ پر اتاری جو کہ ان کے لئے سبب نجات ہے۔ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا (اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی) کہ وہ ذرا بھی کجی کی نہیں۔ عوج کا لفظ معانی میں وہی مفہوم ادا کرتا ہے۔ جو عوج کا لفظ اعیان میں۔ جیسے کہتے ہیں فی رأیہ عِوَجٌ و فی عصا عَوَجٌ لکڑی میں ٹیڑھا پن ہے۔ یہاں مقصود معنی میں اختلاف و تناقض کی نفی ہے۔ اور اس سے جو چیز بھی نکلی ہے وہ عین حکمت ہے۔

قرآن قیم ہے:

۲: قَيِّمًا (استقامت کے ساتھ) یعنی فعل مضمر جَعَلَهٗ سے منصوب ہے۔ اس جملہ قَيِّمًا کیونکہ جب کجی کی اس سے نفی کر دی تو گویا استقامت اس کے لئے خود ثابت ہو گئی مگر نفی کجی اور ثبوت استقامت دونوں کو اکٹھے جمع کر دیا۔ باوجودیکہ ایک دوسرے سے مستغنی ہے۔ تاکہ تاکید ہو جائے بہت سے ایسے ہوتے ہیں جن کی استقامت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ جانچ پڑتال کے وقت تھوڑی بہت کجی سے خالی نہیں ہوتے۔ (اس لئے دونوں صفات لا کر کجی کی نفی کر دی) نمبر۲۔ تمام کتابوں کا قرآن قیم ہے۔ ان کی تصدیق کرنے والا اور ان کی صحت کا گواہ ہے۔

لِّيُنْذِرَ (تاکہ وہ ڈرائے) ان لوگوں کو جو کفر کرنے والے ہیں۔ بَاْسًا شَدِيْدًا (سخت پکڑ) یعنی سخت عذاب سے۔ يُنْذِرُ دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ جیسے کہ اس آیت میں ہے اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا [النبا: ۴۰] یہاں ایک پر اکتفا کیا گیا ہے۔ معنی اس طرح ہے لینذر الذین کفروا باسا شدیدا باس عذاب کو کہتے ہیں۔ یہاں اکتفاء مفعول کی وجہ یہ ہے۔ مطلوبہ وہی ہے جس کی طرف چلایا جا رہا ہے پس اس پر اکتفاء کیا گیا۔

مِّنْ لَّدُنْهُ (جو اس کی طرف سے ہوگا) اس کی طرف سے صادر ہونے والا ہے۔ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ (اور وہ خوشخبری دے ان ایمان والوں کو جو نیک اعمال کرنے والے ہیں کہ ان کے لئے) اس وجہ سے کہ ان کے لئے اَجْرًا حَسَنًا (اچھا اجر ہے) یعنی جنت ہے۔

قراءت: يَبْشُرُ سکون باء کے ساتھ حمزہ و علی نے پڑھا ہے۔

۳: مّٰكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا (وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے) یہ ماکثین حال ہے لَهُمْ کے ہم ضمیر سے۔ فیہ سے مراد اس کا اجر ہے یعنی جنت ہے ابدًا ہمیشہ کے معنی میں آتا ہے۔

۴: وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا (اور وہ ڈرائے ان لوگوں کو جنہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنا لیا ہے) یہاں ان لوگوں کا ذکر کر دیا جن کو ڈرایا گیا ہے مطلوبہ کا ذکر نہیں کیا۔ پہلے مقام میں اس کا الٹ ہے۔ اس لئے کہ پہلے تذکرہ ہو چکا اب دوبارہ ضرورت نہیں۔

کفار کی بات سفید جھوٹ ہے:

۵: مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ (ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں) بیٹا بنا لینے کی نمبر۱۔ بیٹا ہونے کا یہ مطلب یہ ہے کہ ان کی یہ بات کسی علمی دلیل پر مبنی نہیں۔ بلکہ جہل مرکب کا نتیجہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا بیٹا بنانا ہی ناممکن و محال ہے تو پھر انہوں نے یہ کیونکر کہہ دیا مالہم بہ من علم؟ اس کا مطلب یہ ہے ان کو اس کا کچھ بھی علم نہیں کیونکہ وہ ایسی بات ہی نہیں جو علم میں آئے کیونکہ وہ محال ہے۔ اور کسی چیز کے متعلق علم کی نفی یا تو اس لئے ہوتی ہے کہ اس تک پہنچنے والا راستہ معلوم نہیں یا اس لئے کہ وہ اپنی ذات کے لحاظ سے محال و ناممکن ہوتی ہے۔ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ (اور نہ ان کے آباء کے پاس) جن کی یہ تقلید کرنے والے ہیں۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ (بڑی سخت بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے) کلمۃً تمیز کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور اس میں تعجب کا

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ⑥

سو ایسا تو نہیں کہ آپ ان کے پیچھے اپنی جان کو غم کی وجہ سے ہلاک کر دینے والے ہیں اگر یہ لوگ اس مضمون پر ایمان نہ لائیں۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ⑦ وَاِنَّا

بلاشبہ زمین پر جو کچھ ہے ہم نے اس کو اس کے لیے زینت بنایا ہے تاکہ ہم لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں کون اچھا عمل کرنے والا ہے اور ہم بلاشبہ

لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ⑧

جو کچھ اس پر ہے اسے بالکل صاف میدان بنا دینے والے ہیں۔

معنی پایا جاتا ہے۔ گویا اس طرح کہا گیا۔ ان کی بات ہونے کے اعتبار سے کتنی بڑی ہے۔ کبرت میں ضمیر اتخذ اللہ ولدا کی طرف لوٹتی ہے اور اس کلمہ جیسے کہ قصیدہ کا نام رکھتے ہیں۔ تخرج من افواھھم یہ کلمۃ کی صفت ہے۔ جو اس کلمہ کی بڑائی کو ظاہر کر رہی ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس کو بولنے کی جرأت کی تھی۔ اور اپنے مونہوں سے کہہ دیا تھا۔ بلاشبہ شیطان بہت سے وساوس منکرہ لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی سے ڈالتا رہتا ہے۔ جن کو زبان پر لانے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس کو پی جاتے پھر اس منکر ترین بات کا حال خود سمجھ لو۔

اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا (وہ جھوٹ ہی کہتے ہیں) وہ یہ بات نہیں کہتے اِلَّا كَذِبًا یہ مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی قولاً کذبًا جھوٹی بات۔

اعراض پر غم نہ کرو:

۶: فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ (شاید کہ آپ اپنی جان کو ہلاک کر دیں گے) اپنی جان کو قتل کرنے والے ہیں۔ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ (ان کے پیچھے) کفار کے پیچھے۔ آیت میں آپ کو اور کفار کے منہ موڑنے ایمان نہ لانے کو اور ان کے اعراض پر جو آپ پر غم طاری ہوتا ہے ایک ایسے آدمی سے تشبیہ دی جس کے دوست اس سے جدا ہوں اور وہ ان کے نشانہائے قدم پر حسرت و افسوس سے اپنے آپ کو گرا رہا ہو۔ اور ان پر غم کی شدت اور جدائی پر افسوس میں ہلاکت کے قریب کر دے۔

اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ (اگر وہ اس کلام پر ایمان نہیں لائے) حدیث سے قرآن مجید مراد ہے۔ اَسَفًا (افسوس کے طور پر) یہ مفعول لہ ہے۔ یعنی شدت غم و افسوس سے۔ اور اسف غم و غضب میں مبالغہ کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

دُنیا آزمائش گاہ ہے:

۷: اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا (بیشک ہم نے بنا دیا جو کچھ زمین پر ہے اس کو زمین کیلئے زینت بنایا ہے) یعنی ایسی چیزیں ہیں جو زمین اور اہل زمین کیلئے باعث زینت بن سکتی ہیں۔ جیسے زخارف ارض اور جو ان میں سے نمایاں ہیں۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ⑨ اِذْ

کیا آپ نے یہ خیال کیا ہے کہ کہف اور رقیم والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب تھے ۔ جب

اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ

جوانوں نے غار میں ٹھکانہ پکڑا تو انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب اپنے پاس سے ہمیں رحمت عطا فرما اور ہمارے لیے ہمارے

لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ⑩ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ⑪

کام میں اچھی صورت حال مہیا کر دیجئے سو ہم نے ان کے کانوں پر سالہا سال تک پردہ ڈال دیا

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَىُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ⑫

پھر ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ ہم جان لیں کہ دونوں گروہوں میں سے کون سا گروہ ان کے ٹھہرنے کی مدت کو ٹھیک طرح شمار کرنے والا ہے۔

لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (تاکہ ہم ان کو آزمائیں کہ ان میں عمل کے اعتبار سے کون اچھا ہے) حسن عمل یہ ہے کہ دنیا سے زہد بے رغبتی اختیار کرے اور اس کی وجہ سے غرور میں مبتلا نہ ہو۔

تمام زمینیں چٹیل میدان بن جائے گی:

۸: پھر اس کی طرف میلان میں بے رغبتی دلانے کیلئے فرمایا وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا (بیشک ہم زمین کی تمام چیزوں کو بنانے والے ہیں) صَعِيْدًا (چٹیل زمین) جُرُزًا (خشک) جس میں نباتات باقی نہ رہے اس کے بعد کہ سرسبز اور گھاس والی تھی۔ حاصل یہ ہے کہ ہم عنقریب زمین کی آبادی کو ختم کر کے ویرانے میں بدل دیں گے اس کے تمام درخت و نباتات وغیرہ کو خشک کر دیں گے۔

مختصر واقعہ اصحاب کہف:

۹: جب کہ آیات کا تذکرہ فرمایا ہے زمین اور اس کے اوپر جو قسم قسم کی اشیاء بے حساب پیدا کیں۔ اور پھر ان تمام کے ازالہ کو گویا ان کا وجود ہی نہ تھا سے کیا جا چکا تو فرمایا۔ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ (کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ کہف اور رقیم والے) یہ آیات اصحاب کہف کے واقعہ اور مدت دراز تک ان کی زندگی کے بقاء سے زیادہ عجیب تر ہیں۔ الکہف پہاڑ میں وسیع غار کو کہتے ہیں۔ الرقیم نمبر۱۔ ان کے کتے کا نام ہے۔ نمبر۲۔ ان کی بستی کا نام ہے نمبر۳۔ اس کتاب اور تختی کا نام ہے جو ان کے حالات کے سلسلہ میں لکھی گئی ہے۔ نمبر۴۔ اس پہاڑ کا نام ہے جس میں وہ غار واقع تھا۔

كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا (وہ ہماری عجیب نشانیوں میں سے تھے) یعنی وہ عجیب نشانی تھے ہماری نشانیوں میں سے۔ مصدر کو بطور صفت لایا گیا۔ نمبر۲۔ مضاف کو محذوف مانیں یعنی ذات عجب۔

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ

اور اے مخاطب تو دیکھے گا کہ جب سورج نکلے تو وہ ان کے غار سے داہنی طرف کو بچ کر گزر جاتا ہے اور جب وہ چھپتا ہے

تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۚ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۗ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ

تو ان کی بائیں طرف سے کتراتا ہوا چلا جاتا ہے اور وہ غار کے ایک فراخ حصہ میں تھے۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ جسے اللہ ہدایت دے

فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾ وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا

وہی ہدایت پانے والا ہے اور جس کو گمراہ کر دے تو اے مخاطب اس کے لئے کوئی مددگار راہ بتانے والا نہ پائے گا۔ اور اے مخاطب تو ان کو ایسا خیال کرے گا کہ وہ جاگ رہے ہیں

وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ

حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے۔ اور ہم انہیں داہنی کروٹ پر اور بائیں کروٹ پر بدل دیتے تھے اور ان کا کتا دہلیز پر پھیلائے ہوئے تھا

ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾

بچھائے ہوئے تھا۔ اگر تو انہیں جھانک کر دیکھتا تو ان کی طرف سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا اور ان کی وجہ سے تجھ میں ان کا رعب بھر جاتا

کفار اور ان اصنام سے الگ ہو جاؤ جن کی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہیں۔ نمبر۲۔ یہ جملہ معترضہ ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے نوجوانوں کے متعلق خبر دی ہے۔ کہ وہ غیر اللہ کی عبادت کرنے والے نہ تھے۔ فَأْوٗا إِلَى الْكَهْفِ (تو تم غار میں ٹھکانہ پکڑ لو) لو غار کی طرف منتقل ہو جاؤ۔ نمبر۳۔ اس کو اپنا مسکن بنالو۔

يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ (تمہارا رب تمہارے لئے اپنی رحمت کو فراخی عنایت کرے گا) رحمت سے یہاں رزق مراد ہے۔ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ أَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا (اور تمہارے اس کام میں فائدے کا سامان فراہم کرے گا) مرفقا اس چیز کو کہتے ہیں جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اور یہ بات انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل پر کامل یقین کی بناء پر اور اس سے قوی امید اور اس پر کامل توکل اور انتہائی خالص یقین کی بناء پر کی۔ نمبر۲۔ اس بات کی اطلاع ان کو اس زمانہ کے پیغمبر کی زبانی کی گئی۔

قراءت: مدنی و شامی نے مَرْفِقًا پڑھا ہے۔

کیفیت غار:

۱۷: وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ (اے مخاطب تم دیکھو گے کہ دھوپ جب نکلتی ہے تو ان کے غار سے دائیں جانب کو بچی ہوئی ہے) قراءت: کوفی نے تَزٰوَرُ پڑھا ہے۔ ابن عامر شامی نے تَزْوَرُّ اور دیگر نے تَزَّاوَرُ۔ اس کی اصل تتزاور ہے۔ تخفیف کردی تا کو زاء میں ادغام کر کے یا دوسری تاء کو حذف کر دیا۔ یہ تمام الزور سے ہے اور وہ میلان کو کہا جاتا ہے اور اسی سے زائر کہتے ہیں جبکہ وہ اس کی طرف مائل ہوا۔ الزور (جھوٹ) حق سے میلان اختیار کرتا۔

عَنْ كَهْفِهِمْ (ان کے غار سے) اس سے مائل ہو جاتا اور اس کی شعاعیں ان پر نہ پڑتیں۔ ذَاتَ الْيَمِيْنِ (دائیں جانب) اور حقیقت میں اس سے مراد وہ جہت ہے جس کا نام یمین رکھا جاتا ہے۔ وَإِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ (اور جب غروب ہوتی تو بچتی رہتی) تقرضهم کا معنی ہے کہ کاٹتا ان کو یعنی ان کو چھوڑتا اور ان سے پھر جاتا۔ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ (بائیں طرف سے اس حال میں کہ وہ غار کے وسیع مقام میں تھے) غار کے وسیع حصہ میں مطلب یہ ہے کہ وہ سائے میں تھے۔ تمام دن طلوع سے غروب تک سورج کی دھوپ ان کو نہ پہنچتی تھی۔ اس کے باوجود کہ وہ غار کے کھلے وسیع مقام میں تھے۔ جو دھوپ کے پہنچ جانے کی جگہ تھی اگر اللہ تعالیٰ سورج کی دھوپ کو نہ روکتے۔ نمبر ۲۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ غار ایسی کشادہ جگہ میں تھے۔ جہاں ہوا کے جھونکے اور نسیم کی ٹھنڈک ان کو پہنچتی جس سے غار کی گھٹن ان کو محسوس نہ ہوتی تھی۔

ذٰلِكَ (یہ) جو اللہ تعالیٰ نے ان کے سلسلہ میں سورج کے میلان کا معاملہ کیا۔ اور طلوع و غروب میں ان سے پھر کر رہنا یہ ایک نشانی تھی مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کی نشانات میں سے) یعنی جو اس جوانب میں تھا۔ اس جانب کو دھوپ پہنچتی مگر خود ان کو کرامت کے طور پر دھوپ نہ پہنچتی تھی۔ نمبر ۲۔ دوسرا قول یہ بھی ہے غار کا دروازہ شمال جانب بنات نعش کے سامنے تھا۔ پس وہ ایسے مقام میں تھے۔ جہاں سورج کی شعاعیں کبھی نہیں پڑتی تھیں۔ اس صورت میں آیات اللہ کا مطلب یہ ہے کہ ان کی حالت اور بات یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے۔

جو اللہ کا ہوا اللہ اس کا ہو گیا:

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ (جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہ ہدایت پانے والا ہے)۔ جیسا کہ سبحان الذی اسری میں گزرا۔ یہ درحقیقت ان کی تعریف ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خاطر جہاد کیا۔ اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس بلند کرامت کو پانے کیلئے ان کی راہنمائی کر دی۔

وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا (جس کو وہ گمراہ کر دے پس ہرگز تم اس کے لئے کوئی مددگار راہنما نہ پاؤ گے) جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو پھر اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

سونے کی کیفیت:

۱۸: وَتَحْسَبُهُمْ (اور تم ان کو گمان کرو گے)

قراءت: شامی، حمزہ، عاصم نے اعشیٰ کے علاوہ فتحہ سین سے پڑھا ہے۔ اس میں ہر ایک کو خطاب ہے۔ اَيْقَاظًا (بیدار)۔ یہ یقظ کی جمع ہے۔ وَّهُمْ رُقُوْدٌ (حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں) رقود کا معنی سوئے ہوئے۔ نمبر ۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی آنکھیں کھلی تھیں اور وہ سوئے ہوئے تھے۔ اسلئے دیکھنے والا ان کو بیدار خیال کرتا۔

وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ (اور ہم انہیں دائیں اور بائیں پلٹ رہے تھے) بعض نے کہا سال میں وہ دو پلٹیاں لیتے۔ ایک اور قول یہ ہے کہ عاشورہ کے دن ایک ہی پلٹی ان کو دی جاتی۔ (مگر تقلب کا اقتضاء تقسیم کی بجائے سونے والے کی طرح کثرت سے طبعی طور پر پلٹنے کا مقتضی ہے اور قدرت الٰہی کے اظہار کیلئے بھی یہی مناسب ہے۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

۱۹: وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ (اور اسی طرح ہم نے ان کو اٹھایا) جس طرح ہم نے اس مدت سے ان کو سلایا۔ اسی طرح ہم نے ان کو سلانے اور اٹھانے پر قدرت کے اظہار کے لئے ان کو بیدار کیا۔ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ (تاکہ وہ آپس میں سوال و جواب کریں) اور ایک دوسرے کی حالت کو پہچانیں اور اپنے ساتھ اللہ کے سلوک کو معلوم کر کے مزید عبرت حاصل کریں اور اس کی عظیم قدرت پر اس سے استدلال کریں جس سے ان کے یقین میں مزید اضافہ ہو۔ اور اللہ نے جو ان پر انعام فرمایا اس کا شکریہ ادا کریں۔ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ (ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا) یعنی ان کے سربراہ نے کہا كَمْ لَبِثْتُمْ (تم کتنا ٹھہرے ہو) یعنی تمہارے ٹھہرنے کی مدت کتنی ہے۔ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ (انہوں نے کہا ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں) ان کا یہ جواب غالب ظن کی بناء پر تھا۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اجتہاد جائز ہے اور اس بات کی بھی دلیل ہے کہ ظن غالب سے بات کہی جا سکتی ہے۔ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ (وہ کہنے لگے تمہارے رب کو خوب علم ہے کہ تم لوگ کتنی دیر رہے ہو) یعنی تمہارے ٹھہرنے کی مدت کتنی ہے۔ یہ بعض کی طرف سے پہلوں کی بات کا انکار ہے گویا کہ انہوں نے دلائل سے معلوم کر لیا یا الہام سے ان کو معلوم ہوا کہ مدت طویل ہے جس کی مقدار اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ تفسیری روایت میں ہے کہ وہ غار میں چاشت کے وقت داخل ہوئے اور زوال کے بعد بیدار ہوئے پس انہوں نے گمان کیا کہ وہ اسی دن میں ہیں جب انہوں نے اپنے ناخنوں اور بالوں کی لمبائی کو دیکھا تو یہ کہا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی آیت سے یہ استدلال کیا کہ ان کی صحیح تعداد سات ہے کیونکہ آیت میں یہ بات مذکور ہے کہ قال قائل تو یہ قائل ایک ہوا قالوا اس کے جواب میں انہوں نے لبثنا یوما او بعض یوم کہا اور قالوا کم سے کم تین کیلئے بولا جاتا ہے کیونکہ وہ جمع ہے۔ پھر کہا ربکم اعلم تو کم سے کم جمع تو یہ ہے کہ تین کے لئے ہیں اس لحاظ سے وہ سات ہو گئے۔

باہمی مکالمہ:

فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ (پس تم اپنے میں سے ایک کو بھیجو) گویا کہ انہوں نے کہا تمہارا رب اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے اس مدت کو صحیح جاننے کا راستہ تمہارے پاس نہیں ہے۔ پس دوسری اہم چیز کو تم اختیار کرو کہ اپنے میں کسی ایک یعنی یملیخا کو بھیجو۔ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ (اپنا یہ روپیہ دے کر) یہ چاندی کے روپے تھے۔ ورق چاندی تھی جس پر مہر لگی۔ قراءت: ابوبکر حمزہ اور ابوعمرو نے ورق کو راء کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اِلَى الْمَدِيْنَةِ (شہر کی طرف) اس شہر کا نام طرسوس تھا۔ وہ اپنے ساتھ گھر سے نکلتے وقت چاندی لائے تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خرچہ اپنے ساتھ لے جانا اور وہ چیزیں جو مسافر کیلئے کام آسکتی ہوں۔ یہ اللہ پر توکل کرنے والوں کی شان ہے۔ یہ ان لوگوں کا طریقہ نہیں جو اتفاق پر بھروسہ کیا کرتے ہیں اور لوگوں کے برتنوں میں پائے جانے والے نفقات پر جن کی نگاہ ہوتی ہے بعض علماء کے بارے میں وارد ہے کہ ان کو بیت اللہ کا بہت شوق تھا اور وہ فرمایا کرتے تھے اس سفر کیلئے دو چیزیں ضروری ہیں۔ شد الهميان والتوكل على الرحمن نمبرا۔ ہمیانی باندھنا۔ نمبر۲۔ رحمان پر بھروسہ ہو۔ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ (پس وہ دیکھے کون سا ان میں سے) یعنی اس شہر کے رہنے والوں میں سے۔ یہاں مضاف کو حذف کردیا جس طرح کہ اس آیت میں ہے واسئل القرية یوسف ۸۲ ایھا مبتدا ہے۔ اور اس کی خبر ازکی ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا

اور اسی طرح ہم نے ان پر مطلع کر دیا تاکہ وہ اس بات کو جان لیں کہ بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے

رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ

اس میں کوئی شک نہیں۔ جب کہ وہ لوگ اپنے درمیان ان کے بارے میں جھگڑ رہے تھے سو انہوں نے کہا کہ ان کے اوپر عمارت بنا دو ان کا رب

اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ㉑

ان کو خوب جانتا ہے۔ جو لوگ ان کے معاملہ میں غالب ہوئے انہوں نے کہا کہ ہم ضرور ضرور ان پر مسجد بنا لیں گے۔

اَزْکٰی کا معنی زیادہ پاکیزہ یعنی حلال اور پاکیزہ یا مقدار میں زیادہ اور سستا طَعَامًا (کھانا) یہ تمیز ہے۔ فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ (پس وہ اس میں سے تمہارے پاس کچھ کھانا لے آئے اور خوش تدبیری سے کام لے) یعنی خرید و فروخت کے معاملے میں حتی الوسع نرمی اختیار کرے تاکہ غبن واقع نہ ہو یا معاملے کو پوشیدہ رکھنے کی صورت میں خوش تدبیری سے کام لے تاکہ کسی کو پتہ نہ چل سکے۔ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا (اور کسی کو تمہاری من گن نہ ہونے پائے) یعنی کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے نادانستگی میں تمہارے متعلق پتہ چل جائے۔ اس نادانستہ حرکت کا نام اشعار رکھا کیونکہ یہ سبب اشعار ہے۔ (یعنی سبب اطلاع ہے)۔

۲۰: اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ کیونکہ اگر ان لوگوں نے تمہاری اطلاع پائی۔ انہم کی ضمیر اہل کی طرف جاری ہے جو کہ لفظا میں مقدر ہے اور ان یظہر کا مطلب مطلع ہونا اور قابو پالینا ہے۔ يَرْجُمُوْكُمْ وہ تم کو سنگسار کر دیں گے۔ یعنی بدترین اعدائے تمہیں قتل کر دیں گے۔ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ (یا وہ تم کو اپنے مذہب میں لوٹالیں گے زبردستی۔ یہاں عود کا معنی صیرورت ہو جانا) اور یہ کلام عرب میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ (صیرورت کا معنی داخل کرنا) وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا (اور اس وقت کبھی بھی تم فلاح نہیں پاؤ گے) اذا یہاں شرط پر دلالت کر رہا ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی و لن تفلحوا ان دخلتم فی دینہم ابدا۔ یعنی تم ہرگز کامیاب نہ ہو گے اگر تم ان کے دین میں کبھی بھی داخل ہوگئے۔

۲۱: وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ (اور اسی طرح ہم نے لوگوں کو ان کے متعلق مطلع کر دیا) اور جیسا کہ ہم نے سلایا اور ان کو نیند سے جگایا اسی طرح ان کے بارے میں لوگوں کو حکمت کی بناء پر مطلع کر دیا۔ لِيَعْلَمُوْٓا (تاکہ وہ لوگ اس بات کا یقین کر لیں) یعنی وہ لوگ جن کو ہم نے ان کے حالات کے متعلق مطلع کیا۔ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ (کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے) وعدہ سے بعث بعد الموت والا وعدہ مراد ہے۔ حق کا مطلب یہ ہے کہ یقینا ہو کر رہے گا۔ کیونکہ ان کی نیند والی حالت اور اس کے بعد اس سے بیداری والی کیفیت اس آدمی جیسی ہے جو فوت ہو پھر اس کو اٹھایا جائے۔ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا (اور یہ کہ قیامت میں کوئی شبہ نہیں) وہ ان کے معاملے سے بعث کے یقینی ہونے پر استدلال کریں گے۔ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ (جب کہ وہ ان کے متعلق باہم جھگڑ رہے تھے) یہ اعثرنا کے متعلق ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے اعثرنا ھم علیھم حین یتنازع اھل ذلک الزمان۔ ہم نے ان کے متعلق اس

وقت لوگوں کو مطلع کیا جبکہ اس زمانہ کے لوگ باہم جھگڑ رہے تھے۔ بَیْنَهُمْ اَمْرَهُمْ (اپنے درمیان ان کے معاملہ میں) یعنی اپنے دین کے معاملہ میں اور حقیقت بعث کے متعلق اختلاف کر رہے تھے (ان میں سے بعض کہتے تھے کہ فقط ارواح کو اٹھایا جائے گا اجسام کو نہیں اور دوسروں کا کہنا یہ تھا کہ روح مع الجسد اٹھائی جائے گی) تاکہ اختلاف رفع ہو جائے اور معاملہ کھل جائے کہ اجسام کو جس کے ساتھ زندہ کر کے ارواح کے موت سے پہلے والے تعلق کو بحال کر دیا جائیگا۔

فَقَالُوا (انہوں نے کہا) جب اصحاب کہف مر گئے۔ ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا (ان کے پاس کوئی عمارت بنا دو) ان کی غار کے دروازے پر عمارت بنا دو تا کہ لوگ غار کے اندر نہ گھس سکیں ان کی قبور کی حفاظت کیلئے جیسا کہ قبر رسول ﷺ کو چار دیواری سے محفوظ کر دیا گیا (مگر یہ قیاس درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ آپ کی قبر مبارک تو پہلے ہی خصوصیت نبوت کی بناء پر مکان کے اندر بنائی گئی تھی کہ بعد میں چار دیواری کی گئی) رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ (ان کا رب ان کو خوب جانتا تھا) یہ آپس میں تنازع کرنے والوں کا کلام ہے گویا انہوں نے باہمی مذاکرہ کیا اور ان کے انساب و احوال کی طرف کلام کو منتقل کیا اور ان کی مدت قیام میں بھی گفتگو کی جب ان تمام معاملات میں حقیقت کی طرف راستہ نہ ملا تو اس وقت کہنے لگے ربھم اعلم بھم کہ رب تعالیٰ کو ان کے متعلق حقیقت حال کا علم ہے۔

نمبر ۲۔ یا یہ اولوالعزمی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایسی فضول بحثوں میں پڑنے والوں کو فرمایا میں ان کا رب ان کی حقیقت کی صحیح خبر رکھتا ہوں۔ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰى اَمْرِهِمْ (ان لوگوں نے کہا جو اپنے کام پر غالب تھے) یعنی مسلمان اور حکام اور وہ ان کے قریبی عزیز بھی تھے اور ان کے قریب تعمیر کے زیادہ حقدار تھے۔ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ (ہم ضرور ان کے پاس بنائیں گے) غار کے دروازے پر مَّسْجِدًا (ایک مسجد) جس میں مسلمان نماز ادا کریں گے اور ان کے مقام سے برکت پائیں گے۔ روایت تفسیر یہ میں ہے کہ اہل انجیل نے بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب شروع کر دیا اور ان کے بادشاہوں نے سرکشی اختیار کر کے بتوں کی عبادت شروع کر دی اور لوگوں کو ان کی عبادت پر مجبور کیا۔ ان بت پرستوں میں دقیانوس تھا۔ اس نے اپنے قوم کے نوجوانوں کو شرک میں مبتلا کرنے کا ارادہ کیا اور ان کو شرک اختیار نہ کرنے کی صورت میں قتل کی دھمکی دی۔ مگر انہوں نے ایمان پر ثابت قدمی دکھائی اور اس میں پختگی اختیار کی۔ پھر انہوں نے غار کی طرف فرار اختیار کیا۔ ان کا گزر ایک کتے کے پاس سے ہوا وہ بھی ان کے پیچھے چل دیا۔ انہوں نے اس کو بہت بھگایا مگر وہ ان کا پیچھا کرنے سے باز نہ آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بولنے کی زبان دی۔ اس نے کہا تم میرے متعلق کیا چاہتے ہو؟ مجھے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندوں سے محبت ہے تم جب آرام کرو گے۔ تو میں تمہاری حفاظت کروں گا۔

تفسیری روایات سے تفصیل:

دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا گزر ایک چرواہے کے پاس سے ہوا جس کے ساتھ کتا تھا۔ چرواہا ایمان لے آیا اور وہ تمام غار میں جا بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے کانوں پر تھپکی دے کر سلا دیا۔ اور ان کے اٹھانے سے پہلے وہاں کی حکمرانی ایک نیک صالح مومن آدمی کو دے دی۔ اس کے زمانہ حکومت میں لوگوں کے مابین بعث میں اختلاف ہوا۔ ہر دو فریق ضد پر تھے۔ بادشاہ اپنے گھر میں

سَيَقُولُونَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا

کچھ لوگ یوں کہیں گے کہ یہ تین آدمی ہیں چوتھا ان کا کتا ہے۔ اور کچھ لوگ کہیں گے کہ یہ پانچ آدمی ہیں چھٹا ان کا کتا ہے اٹکل پچو غیب پر

بِالْغَيْبِ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا

حکم لگا رہے ہیں۔ اور کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے۔ آپ فرما دیجئے میرا رب ان کی تعداد کو خوب جاننے والا ہے۔

يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ

ان کو نہیں جانتے مگر تھوڑے سے لوگ۔ سو آپ ان کے بارے میں سرسری بحث کے علاوہ زیادہ جھگڑا نہ کیجئے اور ان کے بارے میں کسی سے بھی

مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿۲۲﴾

سوال نہ کیجئے۔

داخل ہوا اور اپنا دروازہ بند کر کے ٹاٹ کا لباس پہن لیا۔ اور زمین پر بیٹھ کر بارگاہ الٰہی میں اس مسئلے کا حل طلب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ایک چرواہے کے دل میں بات ڈال دی جس نے اس رکاوٹ کو جو ان کی غار کے منہ پر تھی گرا دیا تا کہ اس کو بکریوں کا باڑہ بنائے۔ جب وہ کھانا خریدنے کیلئے شہر میں داخل ہوا اور اس نے سکہ نکالا تو وہ دقیانوس کا مہر شدہ تھا۔ لوگوں نے اس کو اس تہمت میں گرفتار کر لیا کہ اس نے خزانہ پایا ہے۔ سو وہ اس کو پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے گئے۔ آپ نے اپنا واقعہ ان کو من و عن بیان کر دیا۔ بادشاہ شہر والوں سمیت ان کی ملاقات کیلئے آیا اور ان کو آنکھوں سے دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی تعریف کی کہ اس نے بعث بعد الموت کی دلیل مہیا کر دی۔ پھر ان نوجوانوں نے بادشاہ کو کہا ہم تمہیں الوداع کہتے ہیں اور جن و انس کے شر سے تیرے لئے پناہ کی دعا کرتے ہیں۔ پھر وہ اپنی خوابگاہوں کی طرف واپس لوٹ آئے اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو قبض کر لیا۔ بادشاہ نے ان پر اپنا کپڑا بطور کفن ڈال دیا اور ہر ایک کیلئے سونے کا تابوت بنایا۔ مگر خواب میں اس نے دیکھا کہ وہ سونے کو ناپسند کرتے ہیں تو اس نے ساگوان کی لکڑی سے تابوت تیار کر کے اس میں دفن کر دیا۔ اور غار کے منہ پر ایک مسجد تعمیر کرا دی۔

تعداد میں تنازعہ:

۲۲. سَيَقُولُونَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ (بعض لوگ تو کہیں گے وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا اور بعض کہیں گے وہ پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا اور یہ لوگ بلا تحقیق اندھیرے میں تیر چلا رہے ہیں اور بعض لوگ کہیں گے سات ہیں آٹھواں ان کا کتا) سیقولون کی ضمیر ان لوگوں کی طرف راجع ہے جو آپ ﷺ کے زمانہ اقدس میں اہل کتاب اور مومنین میں سے جو اس قصہ کے متعلق گفتگو کر رہے تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو جواب کو ان کے سلسلہ میں وحی تک موخر کیا گیا۔ پس یہ آیت ان کے مابین اختلاف کی حقیقت بتلانے کیلئے اتاری گئی

کہ ان میں جو کہ رہا ان کی تعداد سات اور آٹھواں کتا تھا۔ یہ وہ صحیح ہے۔

اور ایک تفسیری روایت یہ بھی ہے کہ سید اور عاقب اور ان کے ساتھ آنے والے نجرانی افراد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تھے۔ اصحاب کہف کا تذکرہ چھڑ گیا۔ تو سید نے کہا یہ یعقوبی تھا۔ کہ وہ تین تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا۔ عاقب نے طرح دی اور یہ نسطوری تھا۔ کہ وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا۔ مسلمانوں نے کہا وہ سات تھے۔ اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی بات کی تصدیق فرما دی۔ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے اطلاع دینے سے یہ بات کہی جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے۔

اسمائے اصحابِ کہف:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ سات تھے ان کے نام یہ تھے۔ نمبر۱۔ یملیخا نمبر۲۔ مکشلینا نمبر۳۔ مشلینا یہ بادشاہ کے دائیں جانب کے مقرب تھے اور اس کے بائیں جانب والے نمبر۴۔ مرنوش نمبر۵۔ دبرنوش نمبر۶۔ شاذنوش بادشاہ ان سے مشاورت کرتا تھا۔ ساتواں وہ چرواہا کفشططیونس جو ایمان لا کر ان کے ساتھ دقیانوس کی حکومت سے بھاگا۔ ان کے شہر کا نام افسوس اور ان کے کتے کا نام قطمیر تھا۔ [الغرائب والعجائب]

نحو: سیقولون میں سین استقبال کیلئے ہے۔ اگرچہ پہلے فعل پر داخل ہے۔ بقیہ دونوں افعال بوجہ عطف اس کے حکم میں داخل ہیں۔ جیسا کہ قد اکرم و انعم اس جملہ میں دونوں فعلوں میں توقع کا معنی مراد لیا گیا ہے۔ یا یفعل سے استقبال کا معنی مراد لیا جائے جو کہ اس کے مناسب ہے۔ ثلاثۃ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ ای ھم ثلاثۃ اسی طرح خمسۃ سبعۃ۔ رابعھم کلبھم یہ جملہ اسمیہ ثلاثۃ کی صفت ہے۔ اسی طرح سادسھم کلبھم اور ثامنھم کلبھم جملے ان کی صفت ہیں۔

رجما بالغیب (یہ بے تحقیق اندھیرے میں تیر چلا رہے ہیں) یعنی خبر و اطلاع سے اٹکل لگا رہے ہیں۔ اور اسی کو لا رہے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ویقذفون بالغیب [سبا: ۵۳] یعنی وہ پوشیدہ بات اٹکل سے کرتے ہیں۔ یا نمبر۲۔ الرجم کو الظن کی جگہ رکھا گویا اس طرح کہا ظنا بالغیب غیب کے متعلق گمان لاتے ہیں کیونکہ اہل عرب اکثر کہتے ہیں رجم بالظن بجائے اس کے کہ ظن ظنا کہتے۔ یہاں تک کہ ان کے ہاں دونوں تعبیروں میں کوئی فرق نہیں رہا۔

واؤ جو تیسرے جملہ پر داخل ہوئی ہے۔ یہ وہ واؤ ہے جو اس جملہ پر لائی جاتی ہے جو کرہ کی صفت ہے جیسا کہ اس جملہ پر جو معرفہ سے حال بنے اس پر واؤ آتی ہے مثلاً جاء نی رجل ومعہ آخر و مررت بزید و فی یدہ سیف۔ واؤ کا فائدہ نمبر۱۔ یہ ہے کہ صفت موصوف کے ساتھ گویا متصل ہے۔ نمبر۲۔ موصوف کا اس صفت سے متصف ہونا یک ثابت شدہ بات ہے۔ نمبر۳۔ یہی وہ واؤ ہے جس نے یہ اعلان کیا کہ جنہوں نے کہا سبعۃ و ثامنھم کلبھم انہوں نے حقیقت ثابت جانی۔ انہوں نے اٹکل کا تیر نہیں چلایا۔ جیسا کہ دوسروں نے کیا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے دونوں اقوال کے بعد رجما بالغیب فرمایا اور تیسرے اس قول کے بعد یہ ارشاد فرمایا۔ قل ربی اعلم بعدتھم (یعنی تم نے جو کہا ہے اب ان کی صحیح تعداد کو جانتا ہے) وہ اس سے تحقیق ان کی تعداد سبعۃ و ثامنھم کلبھم کو برقرار رکھنا ثابت ہے۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ

اور کسی چیز کے بارے میں آپ ہرگز یوں نہ کہیں کہ میں اسے کل کروں گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کا ذکر بھی کر لیں۔ اور جب آپ بھول جائیں تو

اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾

اپنے رب کو یاد کریں اور آپ یوں کہہ دیجئے کہ امید ہے میرا رب مجھے وہ بات بتا دے گا جو ہدایت کے اعتبار سے اس سے قریب تر ہے۔

مَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ (اور نہیں ان کو جانتے مگر تھوڑے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں ان قلیل میں سے ہوں اور دوسرا قول یہ ہے کہ القلیل سے مراد اہل کتاب میں سے قلیل یعنی عنقریب ان کے متعلق اہل کتاب طرح طرح کی باتیں کہیں گے مگر ان کو اس کا کچھ بھی علم نہیں سوائے قلیل لوگوں کے ان کی اکثریت گمان و تخمین کی پیرو ہے۔

فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ (پس ان کے متعلق بحث نہ کریں) یعنی اصحاب کہف کے متعلق اہل کتاب سے کیا جدال و مباحثہ نہ کریں اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا (مگر سرسری بحث) مگر سرسری بات چیت۔ کرید کی ضرورت نہیں اور وہ اس طرح ہے کہ آپ ان کے سامنے وہ واقعہ بیان فرما دیں جو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اتارا بس یہی کافی ہے۔ اس میں کسی قسم کا اضافہ نہ فرمائیں ان کی تجہیل کیلئے۔ نمبر۲۔ لوگوں کے سامنے واقعہ بتلا دیں تاکہ آپ کی صداقت ظاہر ہو جائے۔

وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا (اور آپ ان کے متعلق ان میں سے کسی سے استفتاء نہ کریں) کسی سے ان کے قصہ کے متعلق سوال نہ کریں۔ ایسا سوال جو متعصب لوگ کرتے ہیں۔ تا کہ اسے کسی بات کے کہنے کا موقع ملے اور پھر آپ اس کی تردید فرمائیں۔ اور پھر وہ کہے جو اس کے پاس ہو۔ اور نہ ہی راہنمائی حاصل کرنے کیلئے کسی سے سوال کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آپ کو ان کے قصہ کی صحیح راہنمائی فرما دی (کہ جس پر نہ اضافہ ہو سکتا ہے اور نہ حاجت ہے)۔

کل کا وعدہ ان شاء اللہ سے کرو:

۲۳: وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ (اور آپ کسی کام کی نسبت یوں نہ کہا کریں کہ میں اس کو کل کروں گا) کسی چیز کے متعلق تو جو ارادہ کرے اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ (کہ بیشک میں اس کو کرنے والا ہوں) اس چیز کو غَدًا (کل زمانہ مستقبل میں) نہ صرف کل کا دن مراد نہیں۔ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (مگر یہ کہ چاہے اللہ تعالیٰ) نمبرا۔ آپ اس وقت کہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کی اجازت دے دیں۔ نمبر۲۔ تم ہرگز اس کو نہ کہو مگر یہ کہ چاہے اللہ یعنی اس کی مشیت سے۔ یہ حال واقع ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی الا متلبسا بمشیۃ اللہ قائلا ان شاء اللہ مگر اس حال میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ملا ہوا ہو تم کہنے والے ہو۔ ان شاء اللہ

زجاج کا قول:

اس کا معنی یہ ہے تم ہرگز نہ کہو کہ میں اس کو کروں گا مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت سے۔ کیونکہ جب کہا جائے انا افعل ذلك ان شاء اللہ تو اس کا مطلب ہے کہ میں اس کو نہیں کروں گا مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت سے۔ یہ نہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تادیب کیلئے ہے۔

وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ۝ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ

اور وہ لوگ اپنے غار میں تین سو سال رہے اور نو برس اوپر گزر گئے۔ آپ فرما دیجئے کہ اللہ ہی خوب جاننے والا ہے

بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ

کہ وہ کتنی مدت رہے اسی کو آسمانوں اور زمین کے غیب کا علم ہے وہ کیا ہی دیکھنے والا ہے اور کیا ہی سننے والا ہے۔ ان لوگوں کا اس کے سوا

دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ ؗ وَّلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ۝

کوئی مددگار نہیں اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

غار میں تین سو نو سال قیام

۲۵: وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ (اور وہ ٹھہرے رہے اپنے غار میں تین سو سال) مراد اس سے زندگی کی حالت میں انکا اس میں ٹھہرنا ہے۔ جبکہ اس مدت میں ان کے کانوں پر نیند کی تھپکی دے دی گئی تھی یہ فضربنا علی اٰذانہم فی الکہف میں جس کو مجمل رکھا گیا تھا اس کا بیان ہے اور سنین کا لفظ یہ ثلث مائۃ کا عطف بیان ہے۔

قراءت: حمزہ و علی نے ثلاث مائۃ سنین اضافت کے ساتھ پڑھا اس طرح کہ تمیز میں جمع کو واحد کی جگہ رکھ دیا گیا جیسا کہ دوسری آیت میں بھی موجود ہے بالاخسرین اعمالا [الکہف ۱۰۳] وَازْدَادُوْا تِسْعًا (اور نو برس زیادہ رہے)۔

نحو: یہاں تسعا کے بعد بھی اس کی تمیز سنۃ ہے کیونکہ ماقبل میں بھی دلالت موجود ہے اور تسعا مفعول بہ ہے کیونکہ زاد دو مفعولوں کو چاہتا ہے اور ازداد ایک ہی مفعول کو چاہتا ہے۔

حقیقی مدت کا علم اللہ کے پاس ہے:

۲۶: قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا (آپ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کتنا عرصہ ٹھہرے رہے) یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جانتے ہیں جنہوں نے ان کی مدت قیام میں اختلاف کیا اور حق وہی ہے جس کی اس نے تمہیں خبر دے دی۔ نمبر۲۔ اہل کتاب کے کلام کی حکایت ہے۔ اور قل اللہ اعلم سے اس کی تردید فرمائی۔ جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے غار میں مدت قیام کی خبر دی گئی ہے۔ یعنی وہ اپنی غار میں اتنی مدت ٹھہرے۔

لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اسی کے لئے آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں ہیں) یعنی اسی کی ملکیت اور تصرف میں ہیں۔ اس آیت میں آسمان و زمین کی پوشیدہ چیزوں کے علم کا خصوصاً تذکرہ فرمایا اور ان کے اندر رہنے والوں کے کسی حال کی تبدیلی نہیں ہے۔ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ (وہ عجیب طرح دیکھنے والا اور سننے والا ہے۔ اسمع کے بعد بھی یہ عبارت مقدر ہے مطلب یہ ہے وہ بہت ہی عجیب طرح دیکھنے اور بہت ہی عجیب طرح سننے والا ہے۔ مَا لَهُمْ (اور ان کے لئے نہیں ہے) ان اصحاب کہف کے لئے مِّنْ دُوْنِهٖ

اور اپنے آپ کو مضبوط کر کے رکھو بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ (صبح اور شام میں) جو ہر وقت میں اللہ کو پکارنے کے عادی ہیں نمبر۲۔ صبح کو اللہ سے توفیق اور آسانی مانگتے ہیں اور شام کو اپنی تقصیرات کی معافی مانگتے ہیں نمبر۳۔ غداة سے مراد فجر کی نماز اور عشی سے عصر کی نماز مراد ہے۔

قراءت: شامی نے غدوة پڑھا۔ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ (وہ صرف اپنے رب کی خوشنودی کو حاصل کرنا چاہتے ہیں) وجہ بول کر رضائے الٰہی مراد ہے۔ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ (نہ ہٹنے پائیں آپ کی آنکھیں ان سے) یعنی تجاوز نہ کریں۔ عداہ اس وقت بولتے ہیں جب تجاوز کر جائیں یہاں اس کو عن سے متعدی کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں نبا کے معنی پائے جاتے ہیں جیسا اس قول میں نَبَتْ عَنْهُ عَيْنُهٗ

نحوی نکتہ: تضمین کا فائدہ یہ ہے کہ دونوں معنوں کا مجموعہ اس میں آ گیا اور یہ الگ معنی دینے سے زیادہ قوی ہے۔ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (اس حال میں کہ آپ دنیوی زندگی کی رونق کا خیال کرتے ہوں۔) یہ جملہ حال ہے۔ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا (اور جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اس کے کہنے پر آپ نہ چلیں) یعنی اس کے دل کو ذکر سے غافل کر دیا۔

نکتہ: اس میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق ہے جیسا کہ جمہور اہلسنت کا مسلک ہے۔

وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (اور وہ اپنی خواہش پر چلتا ہے۔ اور اس کا حال حد سے گزرا ہوا ہے۔) یعنی وہ حق سے تجاوز کرنے والا ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا

اور آپ ان سے دو شخصوں کا حال بیان کیجئے ان میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ دیے اور ان کو ہم نے کھجور کے درختوں سے

بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۝ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا

گھیر دیا اور ان دونوں کے درمیان ہم نے کھیتی بھی لگا دی تھی۔ دونوں باغ اپنا پورا پورا پھل دیتے تھے اور پھلوں میں ذرا بھی کمی نہ رہتی تھی

وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۝ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ

اور ہم نے ان دونوں کے درمیان نہر جاری کر رکھی تھی۔ اور اس کے لیے اور بھی پھل تھے سو اس نے باتیں کرتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہا کہ میں تجھ سے زیادہ مال

مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۝ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ قَالَ مَآ اَظُنُّ

والا ہوں اور میرے افراد بھی غلبہ والے ہیں۔ اور وہ اس حال میں اپنے باغ میں داخل ہوا کہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا تھا۔ اس نے کہا میں یہ گمان نہیں کرتا

اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۝ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ

کہ یہ باغ کبھی ہلاک ہوگا۔ اور نہ میں یہ خیال کرتا ہوں کہ قیامت قائم ہوگی۔ اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا

لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ

تو اس سے بہتر لوٹنے کی جگہ ضرور ضرور پاؤں گا۔ اسکے ساتھی نے جواب دیتے ہوئے کہا کیا تو نے اس ذات کے ساتھ کفر

بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝

کیا جس نے تجھے مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا کیا پھر تجھے صحیح سالم آدمی بنا دیا

طُوْبٰى (کیا خوب معاملہ ہوگا) یعنی جنت وَحُسْنُ (اور بہت خوب ہے) جنت اور مسہریاں مُرْتَفَقًا (آرام گاہ ہونے کے لحاظ سے) تکیہ گاہ ہونے کے اعتبار سے۔

اچھے برے انجام کی مثال کیلئے دو بھائیوں کا واقعہ:

۳۲: وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ (اور آپ ان کے سامنے ان دو آدمیوں کا حال بیان کریں) کفار اور مؤمنین کے حال کی مثال بنی اسرائیل کے دو آدمیوں کی ہے جو بھائی تھے ایک ان میں کافر جس کا نام فطروس تھا اور دوسرا مسلمان جس کا نام یہودا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ وہ دو آدمی ہیں جن کا تذکرہ سورۃ صافات کی اس آیت میں ہے۔ قال قائل منهم انى كان لى قرين [الصافات:۵۱]

ان دونوں کو باپ کی وراثت میں آٹھ ہزار دینار ملے۔ انہوں نے اس کے دو حصے کئے۔ کافر نے ایک ہزار کی زمین خریدی۔ مؤمن نے کہا اے اللہ میرے بھائی نے ایک ہزار دینار کی زمین دنیا میں لی ہے۔ میں ایک ہزار دینار کی زمین جنت سے خریدتا ہوں۔ اس نے وہ صدقہ کر دیے پھر اس کے بھائی نے ایک ہزار میں کوٹھی تعمیر کی تو دوسرے نے کہا اے اللہ میں ایک ہزار دینار کے بدلہ جنت کا مکان خریدتا ہوں۔ وہ بھی صدقہ کر دیئے۔ اس کے کافر بھائی نے ایک ہزار دینار خرچ کر کے شادی کی۔ تو مسلمان نے کہا اے اللہ میں ایک ہزار کو جنت کی حور کا مہر بناتا ہوں (اس کو صدقہ کر دیا) پھر اس کے کافر بھائی نے ایک ہزار دینار میں گھر کا سامان واثاثہ اور خدام خریدے۔ تو اس مسلمان نے کہا اے اللہ میں نے جنت کے دو ولدان تجھ سے خرید لیے۔ اور ان کو بھی صدقہ کر دیا۔ پھر اس مسلمان کو کوئی ضرورت پیش آئی تو بھائی کے راستہ میں بیٹھ گیا وہ اپنے نوکروں چاکروں کے ساتھ گزرا۔ وہ اس کے سامنے آیا اس نے دور بھگا دیا اس کو مال صدقہ کر دینے پر ڈانٹ ڈپٹ کی۔

جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ (ان دو شخصوں میں سے ایک کیلئے ہم نے انگور کے دو باغ دیئے) انگوروں کی بیلوں کے دو باغ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ (اور ہم نے ان دونوں باغوں کا کھجور کے درختوں سے احاطہ بنا رکھا تھا) ان دونوں باغوں کے اردگرد کھجور کے درخت تھے۔ انگوروں کی بیلوں والے اس بات کو زیادہ پسند کرتے ہیں کہ پھل دار درخت باڑ کے طور پر لگے ہوں کہا جاتا ہے حفوہ جبکہ وہ اس کے گرد اگرد لگا ئیں اور حففتہ بھم ای جعلتھم حافین حولہ میں نے ان کو اس کے گرد گھیرا لگانے والا کر دیا۔ یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ اور باء اس میں دوسرے مفعول کا اضافہ کر رہی ہے۔

وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا (اور ان دونوں کے درمیان کھیتی پیدا کر دی) درمیان والی زمین کو ہم نے قوت و خوراک کا جامع بنا دیا۔ تعمیر کی تعریف اس طرح فرمائی کہ وہ آپس میں بیل کی طرح ملی ہوئی متصل ہے۔ کوئی چیز بھی درمیان میں ایسی جو اس کو منقطع کرے اور اس پر اضافہ یہ کہ شکل بھی خوبصورت اور ترتیب بھی عمدہ۔

۳۳: كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ (یہ دونوں باغ دیتے تھے) ہر ایک۔ اٰتَتْ لفظ پر محمول کیا کیونکہ كِلْتَا لفظاً مفرد ہے۔ اگر آتنا معنی کا لحاظ کر کے کہا جاتا تو جائز ہوتا۔ اُكُلَهَا (اس کا پھل) وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ (کسی کی پیداوار میں ذرا بھی کمی نہ تھی) اور اس کے پھل میں کمی نہ ہوتی تھی شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا (کچھ بھی اور ہم نے جاری کی ان دونوں باغوں کے اندر ایک نہر) ان دونوں باغوں کی تعریف پورا پھل دینے اور تمام پھل بغیر کمی کے کی گئی۔ پھر نہر کی اصل اور بنیاد جس سے وہ سیراب ہوتا اس کا ذکر کیا۔ اور نہر جاری کو افضل ترین ذریعہ سیرابی کا قرار دیا۔

۳۴: وَّكَانَ لَهٗ (اور اس کیلئے) یعنی باغ والے کیلئے ثَمَرٌ (مالداری کا ذریعہ) انواع واقسام کا مال۔ یہ ثمر مالہ کہا جاتا ہے جبکہ اس کو ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ ان دونوں باغوں کے مالک کے پاس بہت سا مال سونا چاندی وغیرہ کی قسم میں سے تھا۔

قراءت: ثُمُرٌ وَاُحِيْطَ بِثُمُرِهٖ عاصم نے فتحہ ثاء میم سے پڑھا۔ اور ابو عمرو نے ثاء کے ضمہ اور سکون میم کے ساتھ۔ اور دیگر قراء نے ثاء و میم ہر دو کے ضمہ کے ساتھ پڑھا۔

امیر کا قول:

فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗ (اس نے اپنے ساتھی کو کہا اس حال میں کہ وہ اس سے گفتگو کر رہا تھا) یُحَاوِرُ کا معنی بات کرواتا۔ یہ حَارَ یَحُوْرُ سے ہے۔ جبکہ وہ لوٹے۔ مقصد اس نے اپنے مسلمان بھائی کا ہاتھ پکڑا اور دونوں باغوں میں اس کو پھرانے لگا۔ تاکہ وہ باغ اس کو دکھائے۔ اور اس کی بجائے زبان سے جس چیز کا وہ مالک ہوا ہے اس پر فخر کا اظہار کرے۔

اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا (مال اور خدم و حشم اور معاونین کے اعتبار سے) یا نفر۔ مذکر اولاد کے اعتبار سے زیادہ ہوں کیونکہ ان کے ساتھ جتھہ بنتا ہے۔ نہ کہ عورتوں کے ساتھ۔

۳۵: وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ (وہ اپنے باغ میں پہنچا) دونوں میں سے ایک باغ میں پہنچا۔ دونوں کو ایک کہا کیونکہ دونوں کی چار دیواری ایک تھی۔ اور دوسرا اس لئے کہا کیونکہ ان کے مابین نہر جاری تھی۔ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ (اس حال میں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والا تھا) اپنے نفس کو کفر کا نقصان پہنچانے والا تھا۔ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا (میں خیال نہیں کرتا کہ یہ کبھی تباہ ہوگا) کہ یہ باغ برباد ہو۔ اس کو اپنے باغ کی بربادی میں شک اس نے پیدا ہوا کیونکہ اس کی امید لمبی اور غفلت طویل و دراز تھی اور مہلت کی وجہ سے وہ دھوکے میں پڑا ہوا تھا۔ آج کے زمانے کے اکثر مسلمان مالداروں کو بھی تم دیکھو گے کہ اس قسم کی گفتگو ان کی زبانوں پر ہوتی ہے۔ (اللّٰھم احفظ السنتنا من ھذہ الخطرات)

انکارِ قیامت:

۳۶: وَّمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً (اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت برپا ہونے والی ہے) یعنی واقع ہونے والی ہے۔ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا (اور اگر بالفرض مجھے لوٹ کر اپنے رب کی طرف جانا ہی پڑا تو اس سے بہتر جگہ وہاں ضرور ضرور ملے گا) اس میں اس نے قسم اٹھائی ہے کہ اگر بالفرض والتقدیر اپنے رب کی طرف میں لوٹایا گیا جیسا کہ میرا بھائی گمان کرتا ہے تو وہ آخرت میں دنیا کے باغ سے بھی بہتر باغ وہاں پائے گا۔ اس آیت میں اپنے دوسرے بھائی پر عزت افزائی کا دعوٰی اور اونچے مرتبے کا ذکر ہے۔ مُنْقَلَبًا یہ تمیز ہے اس کا معنی انجام اور لوٹنے کی جگہ۔

دوسرے کا جواب:

۳۷: قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ (اس کے ساتھی نے اس کو کہا جبکہ وہ اس سے گفتگو کر رہے تھے۔ کیا تو اس ذات کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے بنایا) تیرے اصل کو مٹی سے بنایا۔ کیونکہ اس کے اصل کا پیدا کرنا اس کے پیدا ہونے کا سبب ہے اور اس سبب کا بنانا خود اسی کا بنانا ہوا۔

ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ (پھر نطفہ سے) تمہیں نطفہ سے بنایا۔ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا (پھر تمہیں ٹھیک مرد بنا دیا) برابر کیا اور تمہیں مکمل انسان اور مرد جوانی کو پہنچنے والا بنایا۔ اس کو اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والا اس لئے شمار کیا کیونکہ اس نے بعث کا انکار کر دیا تھا۔

لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ

لیکن میری بات تو یہ ہے کہ وہ اللہ میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے کیوں نہ کہا ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ

لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا

کیا اگر تو مجھے اس حال میں دیکھ رہا ہے کہ میں تجھ سے مال اور اولاد کے اعتبار سے کم ہوں تو وہ وقت نزدیک ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے

مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝ اَوْ يُصْبِحَ

بہتر عطا فرمادے اور تیرے باغ پر آسمان سے کوئی آفت بھیج دے جس سے تیرا باغ ایک صاف میدان ہو کر رہ جائے یا اس کا پانی

مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ۝ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى

زمین میں اتر جائے پھر تو اسے طلب کرنے کی کوشش نہ کر سکے۔ اور اس کے پھلوں کو آفت نے گھیر لیا سو وہ اس حال میں ہو گیا کہ جو کچھ اس میں خرچ کیا تھا

مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ

اس پر کف افسوس ملنے لگا اور وہ باغ اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا تھا اور وہ کہہ رہا تھا کہ ہائے کاش میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ

اَحَدًا ۝ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝

ٹھہراتا۔ اور اس کے لیے اللہ کے سوا ایسا کوئی گروہ نہ تھا جو اس کی مدد کرتا اور نہ وہ خود بدلہ لینے والا تھا۔

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ۝

ایسے موقع پر مدد کرنا اللہ ہی کا کام ہے جو حق ہے وہ بہتر ہے ثواب کے اعتبار سے اور بہتر ہے انجام کے اعتبار سے۔

۳۸: لٰكِنَّا۠۔ (لیکن میری بات تو یہ ہے) قراءت: وصل میں الف کے ساتھ شامی نے پڑھا۔ باقی قراء نے بلا الف پڑھا۔ اور الف کے ساتھ وقف کی حالت میں تمام قراء کا اتفاق ہے۔ اس کی اصل لٰكِنْ اَنَا ہے۔ ہمزہ کو حذف کیا اس کی حرکت لٰكِنْ کے نون پر ڈال دی گئی۔ دو نون ملے پہلی کو دوسری میں ساکن کرنے کے بعد ادغام کر دیا۔

هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ (وہی اللہ میرا رب ہے) هو ضمیر شان ہے تقدیر عبارت یہ ہے الشان اللّٰه ربی اور پورا جملہ انا کی خبر ہے۔ اور یہ ضمیر اس کی طرف لوٹنے والی ہے۔ اکفرت کا استدراک ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے قال لا خیہ انت کافر باللّٰہ لکنی مؤمن موحد اس نے اپنے بھائی کو کہا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والا ہے۔ لیکن میں مؤمن موحد ہوں۔ جیسا کہتے ہیں زید غائب لکن عمرو حاضر اس میں حذف ہے ای القول هو اللّٰه اور اس کی دلیل ولا اشرک بربی احدًا کا عطف ہے۔ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا (اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا)

۳۹: وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ (جب تم باغ میں داخل ہوئے تھے تو تم نے کیوں ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ نہیں کہا)

نحو: الو لا ھلا کے معنی میں ہے۔ ماشاء کا ما موصولہ ہے اور مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے محلا مرفوع ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے الْاَمْرُ مَا شَآءَ۔ نمبر۲۔ ما شرطیہ ہے اور موقع کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور جزا محذوف ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے ای شیء شاء اللّٰه کان ۔ جو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں ہو جاتی ہے۔

اب مطلب یہ ہوا تم نے باغ میں داخلے کے وقت اور جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق دیا اس کو دیکھ کر ماشاء اللہ والی بات کیوں نہ کہی جس سے یہ اعتراف ہوتا کہ یہ باغ اور جو کچھ اس میں ہے وہ تمام اللہ تعالیٰ کی مشیت سے میسر ہوا ہے اور اس کا معاملہ اب بھی اس کے قبضہ واختیار میں ہے۔ اگر چاہے اس کو آباد رہنے دے اور اگر چاہے اس کو برباد کر دے۔

لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (کسی میں قوت نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ) یہ اقرار کرتے ہوئے کہ اس کی تعمیر و آبادی اور تمام تر تدبیر اس کی اعانت سے میسر ہوئی ہے۔ اور اس کی تائید میں شامل حال ہے۔

اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا (اگر تو دیکھتا ہے کہ میں تجھ سے مال و اولاد میں کم ہوں)

قراءت ونحو:

جنہوں نے اقل کو منصوب پڑھا انہوں نے انا کو فاصل قرار دیا۔ اور جنہوں نے (کسائی وغیرہ نے) رفع دیا انہوں نے انا کو مبتدا اور اقل کو خبر بنایا۔ اور جملہ ترنی کا مفعول دوم ہے۔ وَوَلَدًا اس میں ان مفسرین کی بات کو تقویت ملتی ہے جنہوں نے نفر کی تفسیر اس آیت میں اولاد سے کی ہے سورۃ اعز نفرا الکہف ۳۴

مجھے باغ جنت ملے گا:

۴۰: فَعَسٰى رَبِّيْۤ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ (مجھ امید ہے کہ عنقریب میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر اور بڑھیا چیز عنایت فرمائیگا) دنیا میں یا آخرت میں وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا (اور تیرے باغ پر تقدیری آفت بھیج دیگا) حسبانا سے عذاب مراد ہے۔ مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا (آسمان سے پھر وہ چٹیل چکنا میدان بن جائے گا) صعیدا زلقا سخت زمین جس کی ملائمت کی وجہ سے اس پر پاؤں پھسلیں۔

تیرا باغ تباہ ہوگا:

۴۱: اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا (یا اس کا پانی زمین میں اتنی گہرائی میں چلا جائے) غورا کا معنی غائر یعنی زمین کی گہرائی میں جانے والا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا (کہ تو اس کو تلاش بھی نہ کر سکے) اس کی طلب و تلاش تیرے لئے ممکن نہ ہو۔ پانا تو در کنار رہا۔ مطلب یہ ہے اگر تو مجھے نادرست دیکھ رہا ہے۔ میں قدرت الٰہی سے اس بات کی توقع رکھتا ہوں کہ وہ مجھے تیرے باغ سے بہتر باغ دے دے گا اور تیرے کفران نعمت کے باعث ہر چیز تجھ سے چھین لے گا اور تیرے باغ کو برباد کر دے گا۔

انتقام لیتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤمن بندے کی کافر کے خلاف مدد کی اس کی بات کو سچا کر دیا۔ فعسٰی ربی ان یؤتین خیرًا من جنتک ویرسل علیھا حسبانا من السماء اور اس کی تائید آیت کے اگلے حصے سے بھی ہوتی ہے۔

هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ عُقْبًا (اسی کا ثواب سب سے بہتر ہے اور اسی کا نتیجہ سب سے اچھا ہے) یعنی اپنے اطاعت گزاروں کو سب لوگوں سے بہتر بدلہ دیتا ہے۔ نمبر۲۔ ھنالک سے آخرت کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اس جہان میں ولایت اللہ ہی کیلئے ہے جیسا کہ اس ارشاد میں لمن الملک الیوم [غافر:۱۶]

قراءت: ابوعمرو اور علی نے الحق کو مرفوع پڑھا اور اس کو الولایۃ کی صفت قرار دیا۔ نمبر۲۔ یا مبتدا محذوف ہی کی خبر ہے یا ھُوَ کی۔ دیگر قراء نے کسرہ سے پڑھا اس صورت میں اللہ کی صفت ہے۔ عُقْبًا کو عاصم و حمزہ نے سکونِ قاف سے پڑھا جبکہ دیگر نے ضمہ کے ساتھ۔ اور شاذ قراءت میں عُقْبٰی کو فُعْلٰی کے وزن پر پڑھا گیا۔ تمام کا معنی عاقبت و نتیجہ ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ

اور آپ ان لوگوں سے دنیوی زندگی کی حالت بیان کیجئے۔ جیسے کہ پانی ہو جو ہم نے آسمان سے اتارا، پھر اس کے ذریعہ زمین سے اگنے والی

بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

چیزیں خوب گنجان ہو گئیں پھر وہ چورا چورا ہو کر رہ گیا جسے ہوائیں اڑائے پھرتی ہیں۔ اور اللہ ہر چیز پر

مُّقْتَدِرًا ۞ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ

قادر ہے۔ مال اور بیٹے دنیاوی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والے اعمال صالحہ آپ کے رب کے

عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۞ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ

نزدیک ثواب کے اعتبار سے بہتر ہیں اور امید کے اعتبار سے بھی۔ اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلا دیں گے اور اے مخاطب تو زمین کو دیکھے گا کہ وہ کھلا میدان ہے

وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۞ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا

اور ہم ان سب کو جمع کریں گے سو ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے۔ اور وہ آپ کے رب کے سامنے صف بستہ ہو کر پیش کیے جائیں گے۔ بلا شبہ تم ہمارے پاس اسی حالت میں آئے جیسا

خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۞ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى

کہ ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، بلکہ بات یہ ہے کہ تم نے یوں سمجھا کہ ہم تمہارے لیے کوئی وقت موعود مقرر نہ کریں گے۔ اور نامہ اعمال رکھ دیا جائے گا سو آپ

الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ

مجرمین کو دیکھیں گے کہ اس میں جو کچھ ہے اس سے ڈرتے ہیں، اور کہتے ہوں گے کہ ہائے ہماری بربادی یہ کیسی کتاب ہے اس نے نہ کسی چھوٹے گناہ کو

صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۞

چھوڑا اور نہ بڑے کو مگر اس کو محفوظ کر لیا ہے۔ اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب موجود پائیں گے۔ اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا۔

ربع

بے ثباتی دنیا کی مثال:

۴۵: وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ (آپ ان کے سامنے دنیا کی زندگی کی حالت بیان کیجئے کہ وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا) دنیا کی زندگی میں پانی جیسی ہے جس کا آنا جانا ہوا۔

فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ (پھر اس کے ذریعہ زمین کی نباتات خوب گنجان ہو گئی) نمبر۱۔ اس کے سبب سے گھنی ہو گئی

باندھے والے روبرو آنے والے ہونگے۔ ان کی جماعت بھی اسی طرح سامنے نظر آئے گی جیسے ایک سامنے آتا ہے۔ ایک دوسرے کے سامنے رکاوٹ نہ ہوگا۔ لوگوں کی پیشی کو ایسے لشکر سے تشبیہ دی جو بادشاہ کے سامنے پیش ہونے والا ہو۔

لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا (تحقیق تم ہمارے پاس آئے ہو) یعنی ہم ان کو کہیں گے واقعی تم ہمارے سامنے آگئے ہو یہ مضمر ناصر یوم نُسَیِّرُ کے نصب میں عامل ہے۔ كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (جیسا ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا) ہم نے تمہیں اسی طرح اٹھا دیا جیسا ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ نمبر۲۔ تم ہمارے پاس ننگے آؤ گے تمہارے پاس کوئی چیز نہ ہوگی۔ جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ اور وَحَشَرْنٰهُمْ کو ماضی کے صیغہ اور نُسَیِّرُ اور تری کو مضارع لائے۔ کیونکہ ان کے حشر کے لئے تسییر اور بروز سے قبل دلالت موجود ہے۔ تاکہ وہ ان احوال کو ملاحظہ کر سکیں۔ گویا اس طرح فرمایا۔ وَحَشَرْنٰهُمْ قَبْلَ ذٰلِكَ (مگر یہ بات سمجھ نہیں آرہی کیونکہ پہاڑوں کا اڑنا اور زمین کا چٹیل بننا پہلے نفخہ قیامت میں ہوگا۔ جبکہ حشر نفخہ ثانیہ کے ساتھ ہوگا۔ اس وقت پہاڑوں کا وجود نہیں ہوگا۔ زمین چٹیل میدان ہوگی۔ مترجم)

بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا (بلکہ تم یہ سمجھتے رہے کہ ہم تمہارے لیے کوئی وقت موعود نہ لائیں گے) ایسا وقت جس میں وہ وعدہ پورا ہو جو انبیاء علیہم السلام کی زبانی کیا گیا کہ دوبارہ اٹھایا جائے گا اور تمام مخلوق کو جمع کیا جائے گا۔ نمبر۲۔ حساب کے مکان کا وعدہ۔

نامۂ عمل کا کھلنا:

۴۹: وَوُضِعَ الْكِتٰبُ (اور اعمال نامے رکھے جائیں گے) الکتاب سے صحائف اعمال مراد ہیں۔ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ (پس آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ ڈرتے ہونگے) مشفقین کا معنی خائفین ہے۔ مِمَّا فِيْهِ (اس سے جو کچھ اس میں ہوگا) یعنی گناہ۔

وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً (اور وہ کہیں گے ہائے ہماری کم بختی اس نامہ اعمال کی عجیب حالت ہے کہ نہ کوئی چھوٹا گناہ چھوڑتا ہے اور نہ بڑا) یعنی کسی معمولی گناہ کو بھی نہیں چھوڑتا۔ اِلَّا اَحْصٰهَا (بغیر لکھے اور شمار کیے) ان کو ضبط کرنے اور قلم بند کرنے والا ہے۔ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا (اور جو کچھ انہوں نے عمل کیا اس کو وہ موجود پائیں گے) نامۂ اعمال میں۔ خواہ وہ سرکشی تھی یا بدلہ کسی چیز کا جو انہوں نے عمل کیا۔ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا (اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا) کہ وہ اس کے ذمہ وہ لکھ دے جو اس نے عمل نہیں کیا۔ نمبر۲۔ یا اس کی سزا زیادہ دے۔ نمبر۳۔ یا بلا جرم سزا دے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ

اور لوگوں کے لیے ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے عمدہ مضامین بیان کیے ہیں۔ اور انسان جھگڑنے میں بہت زیادہ بڑھ کر

جَدَلًا ﴿٥٤﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ

ہے۔ اور ہدایت آ چکنے کے بعد لوگوں کو ایمان لانے اور اپنے رب سے مغفرت طلب کرنے سے صرف اس بات نے روکا ہے

اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿٥٥﴾ وَمَا نُرْسِلُ

کہ ان کے ساتھ اگلے لوگوں جیسا معاملہ ہو جائے یا ان کے آمنے سامنے عذاب آ جائے۔ اور ہم پیغمبروں کو

الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا

صرف بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجتے رہے ہیں۔ اور کافر لوگ ناحق باتوں کے ذریعہ جھگڑا کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے

بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿٥٦﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ

حق کو بگاڑ دیں اور ان لوگوں نے میری آیات کو اور جس چیز سے ان کو ڈرایا گیا اس کو دل لگی بنا رکھا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس کو اس کے رب کی

رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ

آیتوں سے نصیحت کی گئی مگر اس نے ان سے منہ پھیر لیا اور ان کاموں کو بھول گیا جو آگے بھیج چکا ہے۔ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں اس کے سمجھنے سے بند ساں

يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا

دیئے ہیں۔ اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے۔ اور اگر آپ ان کو ہدایت کی طرف بلائیں تو ایسی حالت میں کبھی بھی ہدایت پر

اِذًا اَبَدًا ﴿٥٧﴾ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ

نہ آئیں گے۔ اور آپ کا رب بہت مغفرت کرنے والا ہے رحمت والا ہے۔ اگر وہ ان لوگوں کی ان کے اعمال پر پکڑ کرنا شروع فرماتا تو ان کے لیے جلدی عذاب

الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ

بھیج دیتا، بلکہ ان کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ اس وقت سے ورے کوئی پناہ کی جگہ ہرگز نہ پائیں گے۔ اور ان بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا

لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿٥٩﴾

جب انہوں نے ظلم کیا، اور ہم نے ان کے ہلاک ہونے کے لیے وقت مقرر کیا تھا۔

قرآن کے مضامین عمدہ ہیں:

۵۴: وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ (اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی ہدایت کے واسطے ہر قسم کے عمدہ مضامین طرح طرح سے بیان کر دیئے) کُلِّ مَثَلٍ سے مراد جن کی ان کو ضرورت پڑتی ہے۔ وَکَانَ الْاِنْسَانُ اَکْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا (مگر انسان جھگڑا کرنے میں سب سے بڑھ کر ہے) جَدَلًا یہ تمیز ہے۔ ان تمام چیزوں سے جن کی طرف سے جھگڑا ہوتا ہے انسان سب سے بڑھ کر جھگڑالو ہے۔ اگر تم ان کو الگ الگ کرکے جھگڑے کیلئے اور باطل جھگڑنے کیلئے جدا کرو۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کا جھگڑا ہر چیز کے جھگڑے سے بڑھ کر ہے۔

مگر ایمان سے رکاوٹ یہ ہے کہ وہ پہلے لوگوں کی طرح منتظر عذاب ہیں:

۵۵: وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَھُمُ الْھُدٰی (اور لوگوں کو ہدایت آنے کے بعد ایمان سے نہیں روکا) الھدٰی سے مراد سبب ہدایت اور وہ کتاب اور رسول ہیں۔ وَیَسْتَغْفِرُوْا رَبَّھُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِیَھُمْ سُنَّۃُ الْاَوَّلِیْنَ اَوْ یَاْتِیَھُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا (اور اپنے پروردگار سے معافی مانگنے سے اور کوئی امر مانع نہیں رہا مگر یہ بات کہ ان کے ساتھ گزرے ہوئے لوگوں کا سا معاملہ ہو یا اللہ تعالیٰ کا عذاب ان کے سامنے آ کھڑا ہو) پہلا اَنْ نصب اور دوسرا مرفوع ہے۔ اور اس سے قبل مضاف محذوف ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے وما منع الناس الایمان والاستغفار الا انتظار ان تاتیھم سنۃ الاولین وھی الاھلاک او انتظار ان یاتیھم العذاب ای عذاب الاٰخرۃ۔ اور لوگوں کو ایمان لانے اور استغفار سے اس بات نے روک دیا کہ ان کے پاس پہلے لوگوں کا طریقہ یعنی ہلاکت آ جائے۔ یا اس انتظار نے کہ آخرت کا عذاب ان کے سامنے آ کھڑا ہو۔

قراءت: قُبُلًا کوفی نے بضمتین سے پڑھا ہے قبیل کی جمع ہے اور معنی اقسام ہوگا۔ باقی قراء نے قِبَلًا پڑھا جس کا معنی ہے سامنے ظاہر۔

رسول تو صرف مبشر و منذر ہیں:

۵۶: وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ (اور ہم رسولوں کو بشارت دینے اور ڈرانے کیلئے بھیجتے ہیں)

قراءت: اس پر وقف کیا جائے گا۔ اور جملہ وَیُجَادِلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ مستانفہ ہے (اور کافر ناحق باتیں پکڑ کر جھگڑے نکالتے ہیں) باطل سے مراد ان کا وہ مشہور مقولہ ہے جو انہوں نے انبیاءؑ کو کہا: ما انتم الا بشر مثلنا ولو شاء اللّٰہ لانزل ملائکۃ وغیر ذٰلک۔

کافر حق کو مٹانے کے لئے ان سے ناحق جھگڑتے ہیں:

لِیُدْحِضُوْا بِہِ الْحَقَّ (تاکہ اس کے ذریعہ وہ حق بات کو پھسلا دیں) حق سے نبوت مراد ہے تاکہ وہ جھگڑا ڈال کر نبوت کے اثرات کو زائل اور باطل کر دیں۔ وَاتَّخَذُوْٓا اٰیٰتِیْ (اور انہوں نے بنا رکھا میری آیات کو) یعنی قرآن کو وَمَآ اُنْذِرُوْا (اور جس سے ان کو ڈرایا گیا) ما موصولہ ہے۔ اور صلہ کی طرف راجع ضمیر محذوف ہے۔ یعنی جس عذاب سے ان کو ڈرایا گیا تھا۔ یا مصدریہ

سے اور ڈرانا۔ ھُزُوًا (ہنسی مذاق بنایا) استہزاء کی جگہ بنالیا۔

قراءت: حمزہ نے زاء کے سکون اور ہمزہ سے پڑھا۔ حفص نے ہمزہ کو واؤ سے بدل کر اور دیگر قراء نے زاء کے ضمہ اور ہمزہ سے پڑھا ہے۔

قرآن سے نصیحت کی جاتی ہے مگر یہ منہ موڑنے والے ہیں:

۵۷: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ (اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس کو اس کے رب کی آیات کے ذریعہ نصیحت کی گئی) آیات سے قرآن مراد ہے۔ اسی لئے ضمیر اَنْ يَّفْقَهُوْهُ میں مذکر لائی گئی ہے۔ فَاَعْرَضَ عَنْهَا (پھر اس نے ان آیات سے اعراض کیا) نصیحت کے وقت نصیحت کو قبول نہ کیا۔ اور نہ تدبر سے کام لیا۔ وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ (اور جو کچھ وہ کر چکا اس کو بھول گیا) یعنی اس کے انجام کو بھول گیا جو اس کے ہاتھوں نے کر کے آگے بھیج دیا ہے۔ جیسے کفر و معاصی یا کسی سوچ و بچار اور تدبر اس بات کو پیش نظر رکھتے کہ گنہ گار اور نیکوکار کو بدلہ ملے گا۔ پھر ان کے نسیان اور اعراض کی تعلیل یہ بیان کی کہ ان کے دلوں پر مہر کی جا چکی۔ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً (ہم نے ان کے دلوں پر حق سے پردے ڈال دیئے ہیں) اکنۃ کا معنی پردے یہ کنان کی جمع ہے وہ غلاف کو کہتے ہیں۔ اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا (کہ وہ اس کو سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ رکھ دیئے) وقر ثقل کے معنے سے بوجھ کو کہتے ہیں اور مفرد کے بعد ترتیب الفاظ معنی کے لحاظ سے لائی گئی ہے اور اس کا معنی یہ ہے [illegible] ان کو۔

وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْۤا (ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ ہرگز راہ راست پر نہ آئیں گے) الھدیٰ سے ایمان مراد ہے۔ لن یہتدوا سے بتلایا کہ وہ ان کی ہدایت کو قبول نہ کریں گے۔ اِذًا (اس وقت) یہ جزاء اور جواب شرط ہے۔ یہ بات گزری ہے کہ انہوں نے دعوت رسول سے ہدایت کو قبول نہیں کیا۔ اس طرح کہ جو چیز نجات کا سبب بنایا جانا تھا اس کو انہوں نے ہدایت سے رکنے کا ذریعہ بنالیا۔ اور اس طور پر کہ یہ رسول کو جواب ہے جبکہ تقدیر عبارت اس طرح ہو۔ مالی لا ادعوھم حرصًا علی اسلامھم؟ میں ان کے اسلام کی حرص کے باوجود ان کو دعوت کیوں نہیں دے رہا؟ تو جواب دیا کہ اگر آپ ان کو ہدایت کی طرف دعوت دیں گے پھر بھی اس وقت ہرگز ہدایت کو قبول نہ کریں گے۔

اَبَدًا (کبھی بھی) مکلف بنائے جانے کے پورے زمانہ میں۔

وقت موعود تک رحمت سے بچے ہوئے ہیں:

۵۸: وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ (اور آپ کا رب بخشنے والا ہے) انتہائی بخشش کرنے والا۔ ذُو الرَّحْمَةِ رحمت والا ہے۔ رحمت کی صفت سے متصف ہے۔ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ (اگر ان سے ان کے اعمال پر دارو گیر کرتا تو ان پر فوراً ہی عذاب واقع کر دیتا) یعنی اہل مکہ سے جلد مؤاخذہ نہ کرنا۔ یہ محض اس کی رحمت ہے حالانکہ اہل مکہ کو رسول سے شدید دشمنی ہے۔ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ (بلکہ ان کیلئے ایک معہود وقت ہے) اور وہ یوم بدر ہے لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا (وہ اس سے ورے کوئی پناہ کی جگہ نہیں پا سکتے) موئلًا کا معنی پناہ گاہ، نجات کی جگہ کہا جاتا ہے آل یئول جب کہ وہ نجات پا جائے آل الیہ جب کہ وہ پناہ لے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ﴿٦٠﴾

اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جوان سے کہا کہ میں برابر چلتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ میں مجمع البحرین کو پہنچ جاؤں یا یوں ہی زمانہ دراز تک چلتا رہوں۔

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦١﴾ فَلَمَّا

سو جب وہ دونوں مجمع البحرین پر پہنچ گئے تو اپنی مچھلی کو بھول گئے سو وہ مچھلی سمندر میں راستہ بنا کر چلی گئی۔ سو جب

جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾ قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا

آگے بڑھ گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جوان سے کہا کہ ہمارا ناشتہ لاؤ ہمیں تو اس سفر میں بڑی تکلیف پہنچی ہے۔ جوان نے کہا کیا آپ نے دیکھا جب ہم نے

إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنْسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ ۚ وَاتَّخَذَ

پتھر کے پاس ٹھکانہ لیا تھا تو بے شک میں مچھلی کو بھول گیا۔ اور مچھلی کو یاد رکھنا مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا۔ اور اس مچھلی نے سمندر میں

سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ﴿٦٣﴾ قَالَ ذَٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۚ فَارْتَدَّا عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٤﴾

عجیب طور پر اپنا راستہ بنا لیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہی وہ موقعہ ہے جس کی ہمیں تلاش تھی۔ سو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانوں پر واپس لوٹے۔

۵۹: وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ (یہ بستیاں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا)

نحو: تلک مبتدا ہے القری یہ صفت ہے کیونکہ اسمائے اشارہ کی صفت اسم جنس سے لائی جاتی ہے۔ اهلکناهم یہ خبر ہے۔ نمبر۲۔ تلک القری یہ اهلکنا فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے اور دوسرا اهلکنا اس کی تفسیر ہے۔ مطلب یہ ہے یہ بستیوں والے جن کو ہم نے ہلاک کر دیا مراد ان سے قوم لوط، عاد، ثمود ہیں۔ لَمَّا ظَلَمُوا (جب انہوں نے ظلم کیا) جیسا کہ اہل مکہ کر رہے ہیں۔ وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَوْعِدًا (اور ہم نے ان کی ہلاکت کا ایک وقت مقرر کیا) اور ہم نے ان کی ہلاکت کیلئے ایک معلوم و مقرر وقت طے کر دیا۔ جس سے یہ پیچھے نہ ہٹائے گئے۔ جیسا کہ اہل مکہ کیلئے یوم بدر مقرر ہے۔ المهلک ہلاک کرنا اور اس کا وقت

قراءت: حفص نے اس کو میم کے فتح اور لام کے کسرہ سے پڑھا ہے اور ابوبکر نے دونوں کے فتح سے پڑھا ہے۔ اے لِوَقْتِ هَلَاكِهِمْ۔ لِهَلَاكِهِمْ اور الموعد وقت کے معنی میں ہے یا مصدر ہے بمعنی وعدہ کرنا۔

موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا واقعہ:

۶۰: وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ (اور اس وقت کو یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جوان کو کہا) اذ سے پہلے اذکر محذوف ہے۔ فتاہ سے یوشع بن نون مراد ہیں۔

نکتہ: یہاں فتاہ فرمایا کیونکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی خدمت کرتے تھے اور ان کے ساتھ رہتے تھے اور ان سے علم حاصل کرتے تھے۔ لا أبرح (میں برابر چلا جاؤں گا) نہ ہٹوں گا۔ دلالت کلام اور حال کی وجہ سے خبر کو حذف کر دیا۔ پہلی بات یہ ہے کہ وہ حالت سفر کی

اس لئے خبر کو ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ دوسرا اس لئے کہ ان کا قول حَتّٰی اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ ایک غایت مقرر کی جو مقصود خود متعین کر رہی تھی۔ اب اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا میں چلتا جاؤں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے جمع ہونے کی جگہ پہنچ جاؤں اور یہ وہی مقام تھا جہاں موسیٰ علیہ السلام کی خضر علیہ السلام سے ملاقات کا وعدہ تھا۔ یہ بحر فارس اور روم کے ملنے کی جگہ ہے۔ خضر کو خضر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ جہاں پہنچتے ان کا اثر سبز ہو جاتا ہے۔ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا (یا اسی طرح زمانہ دراز تک چلتا رہوں گا) زمانہ طویل تک چلتا رہوں گا ایک قول یہ ہے کہ اسی سال تک۔

روایات تفسیریہ میں یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام مصر پر بنی اسرائیل کے ساتھ غالب آ گئے اور قبطیوں کی ہلاکت کے بعد وہاں قرار اختیار کیا تو انہوں نے اپنے رب سے سوال کیا۔ آپ کو اپنے بندوں میں کونسا بندہ پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو مجھے یاد کرتا ہے اور مجھے نہیں بھولتا۔ دوسرا سوال یہ کیا کہ تیرے بندوں میں سے سب سے بہتر فیصلے والا کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو حق کا فیصلہ کرتا ہے اور خواہشات کے پیچھے نہیں چلتا۔ تیسرا سوال یہ کیا کہ کونسا بندہ زیادہ علم والا ہے۔ جواب آیا جو لوگوں کا علم اپنے علم کے ساتھ ملاتا ہے کہ ہو سکتا ہے کوئی ایسا کلمہ مل جائے جس سے راہنمائی میسر آئے یا ہلاکت سے اس کو بچا لے۔

پھر عرض کیا اگر تیرے بندوں میں کوئی مجھ سے زیادہ علم والا ہے۔ تو مجھے اس کی راہنمائی فرما دیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھ سے زیادہ علم والا خضر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ میں کہاں اس کو تلاش کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا چٹان کے پاس ساحل کے کنارے۔ پھر عرض کیا اے میرے رب میں کیسے اس سے مل سکتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم ایک مچھلی توشہ دان میں لو۔ جہاں وہ گم ہو جائے وہاں تم اس کو پا لو گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے خادم کو کہا جب مچھلی غائب ہو جائے تو مجھے اطلاع کر دینا۔ دونوں پیدل سفر پر روانہ ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام چٹان کے پاس سو گئے۔ مچھلی تڑپ کر سمندر میں جا پڑی جب صبح کے کھانے کا وقت آیا تو موسیٰ علیہ السلام نے مچھلی طلب کی۔ خادم نے اطلاع دی کہ وہ سمندر میں چلی گئی چنانچہ دونوں واپس چٹان کے پاس آئے تو وہاں کپڑوں میں لپٹا ہوا ایک شخص ملا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو سلام کیا۔ اس نے کہا ہمارے علاقے میں سلام کہاں؟ (یہاں تو سلام کا رواج نہیں) موسیٰ علیہ السلام نے اپنا تعارف کروایا۔ تو خضر علیہ السلام نے کہا اے موسیٰ! میں ایک ایسے علم پر ہوں جو میرے رب نے مجھے دیا ہے اور آپ اس کو نہیں جانتے اور تم ایک ایسا علم رکھتے ہو جس کو میں نہیں جانتا۔

مجمع البحرین میں پہنچنا:

۶۱: فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَیْنِهِمَا (جب وہ دونوں مجمع البحرین پر پہنچے) نَسِیَا حُوْتَهُمَا (وہ دونوں اپنی مچھلی بھول گئے) یعنی یوشع بن نون مچھلی کو بھول گئے کیونکہ کھانے کے ذمہ دار وہی تھے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے فَاِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوْتَ اور یہ تثنیہ اسی طرح لایا گیا جیسا کہ محاورہ میں کہتے ہیں نَسُوْا زَادَهُمْ وہ تمام زاد راہ بھول گئے حالانکہ زاد راہ کا ذمہ دار ان کو بھولنے والا ہوتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ مچھلی نمک لگی ہوئی تھی وہ دونوں ایک رات حیات کے چشمہ پر اترے۔ موسیٰ علیہ السلام سو گئے جب مچھلی کو اس ماء حیات کی خوشبو پہنچی اور ٹھنڈک میسر آئی تو وہ زندہ ہو گئی اور پانی میں چلی گئی۔

مچھلی غائب:

فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ (اس نے سمندر میں اپنا راستہ بنا لیا) اپنا راستہ خشکی سے سمندر کی طرف جانے کا اختیار کر لیا۔ سَرَبًا (سرنگ کی صورت میں)۔ نحو: یہ مصدر ہونے کی بناء پر منصوب ہے ای سرب لہ سربًا یعنی وہ داخل ہو کر سمندر میں چھپ گئے۔

۶۲. فَلَمَّا جَاوَزَا (جب وہ دونوں آگے گزر گئے) مجمع البحرین سے اور پھر اترے اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ انہوں نے کتنا راستہ طے کیا۔ قَالَ (موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا) لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا (اپنے جوان کو ہمارے لئے کھانا لاؤ۔ اس سفر میں ہم بہت تھک گئے) نصب تھکاوٹ اس سے قبل نہ بھوک لگی نہ تھکاوٹ محسوس کی۔

مقام کی علامت سے نشاندہی:

۶۳: قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ (کہا دیکھئے تو جب ہم اس پتھر کے پاس ٹھہرے) وہی وعدہ کی جگہ تھی۔ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ (تو میں مچھلی بھول گیا) پھر معذرت کرتے ہوئے اگلا جملہ کہا: وَمَا أَنْسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ (اور مچھلی کو یاد رکھنا مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا)

قراءت: انسانیہ کی ہ کو ضمہ کے ساتھ حفص نے پڑھا۔ أَنْ أَذْكُرَهُ (کہ میں اس کو یاد رکھتا) کا ضمیر یہاں انسانیہ کی ہ ضمیر کا بدل ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے وما انسانی ذکرہ الا الشیطان شیطان نے ہی مجھے اس کی یاد بھلائی ہے۔)

وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا (اور اس نے سمندر میں عجیب انداز سے اپنا راستہ بنایا) اور وہ اس طرح ہوا کہ اس کا نشان بن گیا جہاں سے وہ گزر رہی تھی (حالانکہ پانی پر نقش قدم نہیں رہتا)

ہماری تلاش:

۶۴: قَالَ ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ (اس نے کہا یہی تو ہم تلاش کرتے تھے) ہم تلاش کرتے ہیں۔

قراءت: مکی نے یاء سے نبغی پڑھا۔ ابو عمرو اور علی نے اس کی موافقت کی اور مدنی نے وصل میں موافقت کی۔ اور یاء کے بغیر وصل و فصل میں دیگر قراء نے اختیار کیا۔ خط مصحف کا لحاظ کرتے ہوئے ذٰلک کا لفظ راستہ بنانے کی طرف اشارہ ہے تقدیر کلام اس طرح ہے ذٰلِكَ الَّذِي كُنَّا نَطْلُبُ کیونکہ مچھلی کا غائب ہونا خضر علیہ السلام سے ملاقات کی علامت تھی۔ فَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا (پس وہ دونوں اپنے نشان ہائے قدم پر واپس لوٹے) وہ اسی راستے پر واپس لوٹے جس پر گئے تھے۔ قَصَصًا (نشان کی پیروی کرتے ہوئے) اس حال میں کہ وہ نشانات پر چل رہے تھے۔ ای یقصان آثار ھما اتباعًا وہ اپنے قدموں کے نشانات کی پیروی کر رہے تھے اچھی طرح پیروی کرنا۔

قول زجاج رحمۃ اللہ علیہ (قصص) کا معنی ہے نشان قدم کی اتباع کرنا۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ قَالَ

سو انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت عطا کی تھی اور ہم نے اسے اپنے پاس سے خاص علم سکھایا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے

لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ

ان بندہ سے کہا کیا میں آپ کے ساتھ اس شرط پر رہ سکتا ہوں کہ آپ مجھے اس علم میں سے سکھا دیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔ ان بندہ نے کہا بلاشبہ تم میرے ساتھ رہتے ہوئے

مَعِيَ صَبْرًا ۝ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۝ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ

صبر نہیں کر سکتے۔ اور اس چیز پر تم کیسے صبر کرو گے جو چیز تمہارے علمی احاطہ میں نہیں ہے؟ موسیٰ نے کہا ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں

صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ۝ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى

گے اور کسی بات میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ ان بندہ نے کہا اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو کسی چیز کے بارے میں مجھ سے سوال نہ کرنا یہاں تک کہ

اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ۭ قَالَ

میں خود ہی اس کے بارے میں تم سے ذکر کروں۔ سو دونوں چل دیئے یہاں تک کہ جب دونوں کشتی میں سوار ہوئے تو ان بندہ نے کشتی میں سوراخ کر دیا۔ موسیٰ نے کہا

اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ

کیا تم نے اس لیے سوراخ کیا ہے کہ کشتی والوں کو غرق کر دو۔ تم نے تو بڑی بھاری بات کر دی۔ ان بندہ نے کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میرے ساتھ

تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ

رہتے ہوئے تم صبر نہیں کر سکتے۔ موسیٰ نے کہا کہ میرے بھول جانے کی وجہ سے میرا مؤاخذہ نہ کیجئے اور میرے معاملہ میں مجھ پر تنگی نہ

عُسْرًا ۝ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ

ڈالیے۔ پھر دونوں چل دیئے یہاں تک کہ ایک لڑکے سے ملاقات ہوئی سو ان بندہ نے اسے قتل کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیا تم نے ایک بے گناہ جان کو کسی جان کے بدلہ

بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ۝

کے بغیر قتل کر دیا۔ تم نے تو بہت ہی بے جا کام کیا۔

۶۵: فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ (پس ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا) عبد سے مراد خضر ہیں جمہور۔ جو ایک کپڑے کے نیچے آرام فرما رہے تھے۔ نمبر ۲۔ سمندر میں بیٹھے تھے۔ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا (جس کو ہم نے اپنے پاس سے

رحمت عطا کی تھی) رحمت سے مراد وحی، نبوت نمبر۲۔ علم نمبر۳۔ طول حیات وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (اور اس کو ہم نے اپنی طرف سے علم دیا تھا) اخبار غیوب کا علم نمبر۱۔ علم لدنی جو بطور الہام کے بندے کو ملتا ہے۔

۶۶: قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا (موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ میں آپ کے ساتھ اس شرط پر رہ سکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مفید علم آپ کو سکھایا گیا ہے اس میں سے کچھ آپ مجھے بھی سکھا دیں) رُشْدًا سے ایسا علم جو رشد والا ہو جس سے میں اپنے دین میں راہنمائی حاصل کروں۔

قراءت: ابو عمرو نے رَشَدًا پڑھا ہے۔ اور یہ دونوں لغات ہیں البُخل، البَخَل۔

نکتہ: اس میں دلیل ہے کہ کسی کو طلب علم چھوڑنا نہ چاہیے اگرچہ وہ علم کی انتہا کو پہنچ جائے اور اس آدمی کے سامنے تواضع کرے جو اس سے زیادہ علم والا ہو۔

۶۷: قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا (اس نے کہا تم ہرگز میرے ساتھ رہنے کی طاقت نہیں رکھتے)

قراءت: حفص نے معی کو یاء کے فتحہ سے پڑھا اسی طرح اس سورت میں جو بعد میں بھی آ رہا ہے۔ صبر کا مطلب انکار اور سوال سے رکنا ہے۔

جس چیز کا علم نہ ہو اس پر جمنا نہیں:

۶۸: وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا (اور کس طرح آپ صبر کر سکتے ہیں اس بات پر جس کا آپ کو پورا علم نہ ہو)۔ خُبْرًا تمیز ہے اور صبر کی استطاعت کی نفی کو مؤکد کر رہی ہے۔ اور اس سے یہ بات نکلی ہے کہ وہ شخص ایسے کاموں کے ذمہ دار ہیں جو بظاہر ممنوع اور برے ہیں اور نیک آدمی ان ممنوعہ کاموں کو دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتا چہ جائیکہ ایک پیغمبر ان کو دیکھ کر خاموش رہے۔

اقرارِ موسوی:

۶۹: قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا (موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپ ان شاء اللہ مجھے صابر پائیں گے) صابر کا معنی انکار اور اعتراض سے اپنے آپ کو روکنے والا۔ وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا (اور میں آپ کے کسی حکم کے خلاف نہیں کروں گا)۔

نحو: یہ جملہ محل نصب میں صابرا پر عطف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ تقدیر کلام اس طرح ہوگی ستجدنی الی آخرہ صابرا و غیر عاص۔ کہ عنقریب آپ مجھے صبر کرنے والا اور فرمانبرداری کرنے والا پائیں گے۔ نمبر۲۔ یا اس کا عطف ستجدنی پر ہے اور اس صورت میں اس کا کوئی محل اعراب نہیں۔

شرطِ خضری:

۷۰: قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْئَلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا (خضر علیہ السلام نے کہا اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی بات کے متعلق اس وقت تک نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کے متعلق ابتداءً ذکر نہ کروں)

قراءت: فَلَا تَسْئَلْنِیْ اس میں مدنی اور شامی نے لام کا فتحہ اور نون مشدد پڑھا ہے۔ اور دیگر قراء نے لام کا سکون اور نون کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور یاء سب کے نزدیک قائم رہے گی عن شیء کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے میرے ساتھ چلنے کی شرط یہ ہے کہ جب تم میری طرف سے کوئی انوکھی چیز دیکھو اور تم جانتے ہو کہ وہ صحیح ہے البتہ اس کے صحیح ہونے کی وجہ مخفی ہے۔ اور تم نے اس چیز کو اپنے دل میں اوپرا خیال کیا ہے۔ تو تم اس چیز کے متعلق سوال میں مجھ سے ابتداء نہ کرو اور نہ اس کے بارے میں میری طرف رجوع کرو جب تک کہ میں اس کو تمہارے سامنے نہ کھول دوں یہ درحقیقت عالم کے سامنے متعلم کا ادب ہے اور متبوع کیلئے تابع کا لحاظ ہے۔

سفر پر روانگی:

۷۱: فَانْطَلَقَا حَتّٰٓی اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا (پس دونوں چل دیے یہاں تک کہ وہ ایک کشتی میں سوار ہوئے تو خضر نے کشتی کو پھاڑ دیا) یعنی سمندر کے ساحل پر کشتی کی تلاش کرتے ہوئے چلے جب دونوں سوار ہوگئے تو کشتی والوں نے کہا یہ دونوں چور ہیں کشتی کے مالک نے کہا مجھے تو یہ پیغمبروں کے چہرے لگتے ہیں پس انہوں نے بغیر کرائے کے اٹھا لیا جب وہ سمندر میں پہنچے تو خضر نے ہتھوڑا لیکر کشتی کو پھاڑ دیا وہ اس طرح کہ پانی کے قریب والے دو تختے اکھاڑ دیئے۔ موسیٰ علیہ السلام اس پھٹے ہوئے مقام کو اپنے کپڑے سے بند کرنے لگے اور پھر فرمانے لگے۔

موسیٰ علیہ السلام کا سوال:

قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا (موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیا تو نے کشتی والوں کو ڈبونے کیلئے کشتی کو پھاڑ دیا)

قراءت: حمزہ اور علی نے لِیَغْرَقَ اهلها پڑھا ہے یہ غرق سے ہے۔

لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا اِمْرًا (آپ نے بہت بڑی حرکت کی ہے) یعنی آپ نے بڑی سخت حرکت کی ہے۔ امرًا یہ اَمِرَ الامر سے لیا گیا ہے۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جب معاملہ بہت بڑا ہو جائے۔

خضر علیہ السلام کی یاددہانی:

۷۲: قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا اس نے (یعنی خضر علیہ السلام نے کہا) کیا آپ سے میں نے پہلے ہی نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکیں گے۔

یہ بھول ہوئی اس پر مواخذہ نہ ہوگا:

۷۳: قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ (کہا آپ اس پر مجھ سے مواخذہ نہ کریں جو میں بھول گیا تھا) جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ پھٹی ہوئی جگہ سے پانی داخل نہیں ہو رہا ہے تو کشتی سے باہر نہیں نکل بھاگے۔ بما نسیت کا معنی الذی نسیتہ وہ جس کو میں بھول گیا یا وہ چیز جس کو میں بھول گیا یا میرے نسیان کے سبب۔ ان کی مراد اس سے وصیت کا بھولنا تھا اور بھولنے والے پر مواخذہ نہیں ہے یا پھر نسیان سے ترک مراد ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ آپ کی نصیحت کو پہلی مرتبہ چھوڑنے پر مجھ سے آپ

موافقت کریں۔ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا (اور میرے اس معاملہ میں تنگی مت پیدا کریں) رھقہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی چیز کو ڈھانپ لے یعنی میرے معاملے میں مجھے تنگی سے مت ڈھانپیں اور یہ کہ ان کی اتباع ہے اور اپنی پیروی کو مجھ پر مشکل نہ کیجئے اور چشم پوشی کر کے دو ملاقات (اعتراض) چھوڑ کر آسانی پیدا کیجئے۔

۷۴: فَانْطَلَقَا حَتَّى إِذَا لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهُ (دونوں چلے یہاں تک کہ جب دونوں ایک لڑکے کو ملے تو خضر نے اس کو قتل کر دیا) ایک قول یہ ہے کہ اس کے سر کو دیوار پر مارا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کو لٹا کر چاقو سے ذبح کر دیا۔ نکتہ: آیت میں فقتلہ سے پہلے فاء لائی گئی ہے مگر خرقہا سے پہلے فاء نہیں کیونکہ خرقہا کو تو شرط کی جزا بنایا گیا اور فقتلہ کو جملہ شرطیہ بنایا گیا جس پر عطف ہوا ہے اور جزاء قَالَ أَقَتَلْتَ نَفْسًا ہے۔ قَالَ أَقَتَلْتَ نَفْسًا (اس نے کہا کیا تم نے ایک جان کو قتل کر دیا) ان دونوں کے درمیان فرق اس لئے دیا گیا کیونکہ کشتی کا پھٹنا سوار ہونے کے فوراً بعد نہیں تھا البتہ لڑکے کا قتل اس کی ملاقات کے فوراً بعد تھا اس لئے ایک پر فاء لائی گئی دوسرے پر نہیں۔

زَكِيَّةً (پاکیزہ) جو گناہوں سے پاک ہو خواہ اس بنا پر کہ اس کے ہاں وہ پاک تھا کیونکہ اس کو گناہ کرتے اس نے نہ دیکھا تھا یا اس لئے کہ وہ چھوٹی عمر والا تھا۔ ابھی بلوغت کو نہ پہنچا تھا۔

قراءت: حجازی اور ابو عمرو نے زاکیہ پڑھا ہے۔

بِغَيْرِ نَفْسٍ (بغیر کسی نفس کے) یعنی اس نے کسی جان کو قتل نہیں کیا کہ اس سے قصاص لیا جائے۔

نکتہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نجدہ حروری خارجی نے لکھا کہ اس کا قتل کیسے جائز تھا جبکہ رسول اللہ ﷺ نے بچوں کے قتل کی ممانعت فرمائی ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں میں نے ان کی طرف لکھا کہ اگر تمہیں بھی بچوں کے حالات کا اسی طرح علم ہو جائے جو موسیٰ علیہ السلام کے عالم کو تھا تو تمہارے لئے بھی قتل جائز ہے۔

موسیٰ علیہ السلام: تو نے انوکھا کام کر دیا:

لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا (اور تم نے بلاشبہ بڑا کام کیا ہے) نکر منکر کام جو کہ ہو جائے بعض نے کہا یہ نکراً امراً سے کم ہوتا ہے کیونکہ ایک جان کو قتل کرنا پوری کشتی کو ڈبونے سے کم ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ تو نے ایک ایسا کام کیا ہے جو پہلے سے زیادہ عجیب ہے کیونکہ پھٹی ہوئی چیز کا تدارک بند کر کے ممکن ہے لیکن قتل کا تدارک ممکن نہیں۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ
قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۝ فَانْطَلَقَا حَتّٰى اِذَا اَتَيَا اَهْلَ قَرْيَةِ اِسْتَطْعَمَا اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ
يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ
عَلَيْهِ اَجْرًا ۝ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝

خضر کی یاددہانی:

۷۵: قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا (اس نے کہا کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ تو میرے ساتھ رہنے کی طاقت نہیں رکھتا) اس دفعہ خضر نے اپنے کلام میں لَكَ کا اضافہ کیا ہے تا کہ خطاب کے ذریعے معاہدہ کے توڑنے پر عتاب کا زیادہ اظہار ہو۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر اب اعتراض کروں تو مجھے ساتھ نہ رکھنا:

۷۶: قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا (موسیٰ نے کہا اگر میں آپ سے اس کے بعد سوال کروں) ھا ضمیر سے مراد یہاں اس مرتبہ کے بعد یا اس مسئلہ کے بعد۔ فَلَا تُصٰحِبْنِيْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا (تم مجھے ساتھ نہ رکھنا بیشک تم میری طرف سے عذر کی انتہا کو پہنچ چکے ہو) یعنی تم میرے اور اپنے درمیان جدائی میں معذور ہو۔

قراءت: مدنی اور ابوبکر نے لَدُنِيْ کی نون کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔

تیسرا سفر:

۷۷: فَانْطَلَقَا حَتّٰى اِذَا اَتَيَا اَهْلَ قَرْيَةٍ (پھر دونوں پیدل چل دیے یہاں تک کہ ایک بستی والوں کے پاس پہنچے) بقول ابن عباس وہ انطاکیہ تھی بقول ابن سیرین وہ ایلہ تھی وہ آسمان سے بعد کی زمین پر سب سے زیادہ دور تھی۔

ان سے کھانا طلب کیا:

اسْتَطْعَمَا اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا (تو دونوں نے وہاں کے لوگوں سے کھانا طلب کیا مگر انہوں نے مہمان نوازی کرنے سے

انکار کر دیا (ضیف کا معنی مہمان بنانا) آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ بستی والے کمینے لوگ تھے اس روایت کو نسائی نے کبریٰ میں نقل کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ بدترین بستی تھی جنہوں نے مہمانی پر بھی بخل کیا۔ فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا (ان دونوں نے اس بستی میں دیوار پائی) اس کی لمبائی سو ہاتھ تھی۔ يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ (وہ گرنا چاہتی تھی) استعارۃً ارادے کا لفظ گرنے کے قریب ہونے اور جھکنے کیلئے استعمال کیا گیا۔ جس طرح کہ الہم اور عزم کا لفظ بھی اس کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔

فَأَقَامَهُ (پس اس کو سیدھا کر دیا) یعنی اپنے ہاتھ سے یا اس کو اپنے ہاتھ سے چھوا تو وہ سیدھی ہوگئی یا اس کو توڑ کر نئے سرے سے بنایا یہ حالت اضطرار اور کھانے کی چیزوں کی محتاجی کی تھی۔ اور ضرورت نے ان دو آدمی کی اس آخری کمائی کی طرف محتاج کر دیا تھا یعنی سوال لیکن انہوں نے کوئی بھی ہمدرد نہ پایا جو غمخواری کرتا اس کے باوجود جب خضر نے دیوار کو سیدھا کر دیا تو موسیٰ اپنے اختیار میں نہ رہے کہ ایک طرف شدید ضرورت اور دوسری طرف محرومی اسلئے فرمایا۔

موسیٰ علیہ السلام کا فرمانا کہ اس پر مزدوری لیجئے:

قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَخِذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا (موسیٰ علیہ السلام نے کہا اگر تم چاہتے تو اس پر مزدوری لے لیتے) یعنی اپنے اس عمل پر انعام کا مطالبہ کرتے تاکہ اس سے ضرورت پوری ہو سکتی۔

قراءت: بصری نے لَتَخِذْتَ میں تاء کی تخفیف اور خاء کو کسرہ اور ذال کو تاء میں ادغام پڑھا ہے اور مکی نے ذال کا اظہار اور حفص نے تاء کی تشدید اور خاء کے فتح کے ساتھ پڑھا اور دیگر قراء نے تاء کی تشدید اور خاء کے فتح اور ذال کے تاء میں ادغام کے ساتھ پڑھا ہے۔ لَاتَّخَذْتَ میں اصل ہے جیسا کہ تبع میں ہے اور اتخذ یہ افتعل کے وزن پر ہے جیسا اتبع تبع سے اس کا اخذ سے ذرا بھی تعلق نہیں۔

خضر تیری میری جدائی ہے:

۷۸: قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ (اس نے کہا یہ میرے اور تیرے درمیان جدائی ہے) هٰذا کا مشار الیہ تیسرا سوال ہے یعنی یہ اعتراض جدائی کا سبب ہے۔ اور اصل اس طرح ہے هذا الفراق بيني و بينك اور اس کو پڑھا گیا یعنی مصدر کو ظرف کی طرف مضاف کر دیا جیسا کہ مفعول بہ کی طرف مضاف کر دیا جاتا ہے۔ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا (میں عنقریب تمہیں ان چیزوں کی اندرونی تشریح بتلاتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا)۔

نمبر ۴۔ قول علی رضی اللہ عنہ: یہ نہ فرشتہ تھا اور نہ نبی مقرب بلکہ ایک صالح بندہ تھا اس کے سر کے دائیں حصہ پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی خاطر ضرب لگائی گئی جس سے وہ مر گیا۔ پھر اس کو اللہ تعالیٰ نے اٹھایا۔ پھر دوسری مرتبہ اس کے سر کے بائیں جانب ضرب لگائی گئی جس سے اس پر موت واقع ہوگئی اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اس کو اٹھایا اسی وجہ سے اس کا لقب ذوالقرنین پڑ گیا اور تم میں اس کی مثل موجود ہے اور وہ میں ہوں۔

نمبر ۵۔ وہ لوگوں کو توحید کی طرف بلاتا۔ پس لوگ اس کو قتل کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ دوبارہ اس کو زندہ کر دیتا۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا اس کو ذوالقرنین اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا کے دونوں جانب پھرا یعنی مشرق و مغرب۔ نمبر ۶۔ اس کے سر پر دو مینڈیاں تھیں۔ دو زلفیں تھیں۔ نمبر ۷۔ اس کے زمانہ میں لوگوں کے دو قرن گزرے۔ نمبر ۸۔ وہ دو بڑی سلطنتوں روم و فارس کا حکمران بنا۔ نمبر ۹۔ ترک و روم پر حکمرانی کی۔ نمبر ۱۰۔ اس کے تاج پر دو سینگ بنے ہوئے تھے۔ نمبر ۱۱۔ اس کے سر کے دونوں کناروں پر سینگ کی طرح دو ابھار تھے۔ نمبر ۱۲۔ وہ عجیب الطرفین تھا اور یہ روئی تھا۔ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا (کہہ دیں میں عنقریب اس کا تذکرہ تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں) منہ کی ضمیر ذوالقرنین کی طرف راجع ہے۔

۸۴: اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ (بیشک ہم نے اس کو زمین میں ٹھکانا دیا) اور اس کو اس میں غلبہ اور مرتبہ عنایت فرمایا۔ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا (اور ہم نے اس کو ہر چیز کے اسباب مہیا فرمائے) کل شیء سے ملک میں جو کچھ تھا اس کے اغراض اور مقاصد مراد ہیں۔ سببًا ذریعہ اور راستہ جس سے وہ اپنے مقصد تک پہنچ سکے۔

پہلا سفر مغربی جانب اور اس کے احوال:

۸۵: فَاَتْبَعَ سَبَبًا (وہ ایک راہ پر ہولیا) السبب اس چیز کو کہتے ہیں جس سے مقصود کو پہنچ سکیں خواہ وہ علم ہو یا قدرت اس نے مغرب کی جانب پہنچنے کا ارادہ کیا پس وہ ایک راستہ پر ہولیا۔ جو اس کو مغرب تک پہنچائے یہاں تک کہ وہاں پہنچ گیا اسی طرح اس نے مشرق کا ارادہ کیا اور اس کے اسباب کے پیچھے ہولیا۔ اور اس نے سدین میں پہنچنے کے لیے اسباب تیار کیے۔

قراءت: کوفی نے ثم اتبع اور شامی نے بھی اسی طرح باقی قراء نے الف کو ملا کر تاء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ اتبع بمعنی اس کے پیچھے پڑ گیا اور چلتے چلے۔

۸۶: حَتّٰى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ (یہاں تک کہ وہ آفتاب کے غروب ہونے کے مقام پر پہنچا) مغرب کی جانب آبادی کے انتہائی مقام تک۔ اسی طرح طلوع میں آبادی کے آخری کنارے تک۔ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا اس کے معاملات کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ اس نے کتاب میں لکھا پایا کہ سام کی اولاد میں سے ایک چشمہ حیات کا پانی پی کر ہمیشہ رہے گا۔ پس وہ اس چشمے کی تلاش میں چل دیا۔ خضر اس کے وزیر اور خالہ زاد تھے وہ پانے میں کامیاب ہوئے اور انہوں نے پانی پی لیا۔ مگر ذوالقرنین کو کامیابی نہ ہوئی۔ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ (اس کو سیاہ چشمے میں غروب ہوتا محسوس کیا) حمئۃ سے مراد ذات حماۃ ہے۔ حمئت البئر سے ہے یعنی جب کہ اس میں گارا بن جائے۔

قراءت: شامی، کوفی، حفص کے علاوہ نے حامیۃ پڑھا یہ گرم کے معنی میں آتا ہے۔

روایت ابوذر رضی اللہ عنہ کہ میں آنحضرت ﷺ کے پیچھے اونٹ پر سوار تھا۔ آپ نے سورج کو غروب ہوتے دیکھا تو فرمایا۔ اے ابوذر! کیا تمہیں معلوم ہے کہ سورج کہاں غروب ہوتا ہے میں نے عرض کیا اللہ و رسولہ اعلم آپ نے فرمایا وہ گرم چشمے میں غروب ہوتا ہے۔ (الدر المنثور)

واقعہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما معاویہؓ کے پاس تھے معاویہؓ نے حامیہ پڑھا تو ابن عباس نے حمئۃ پڑھا اس پر معاویہ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو کہا تم کس طرح پڑھتے ہو۔ انہوں نے کہا جیسا امیر المؤمنین پڑھتے ہیں۔ پھر کعب احبار کی طرف متوجہ ہو کر کہا تم سورج کو کس طرح غروب ہوتا پاتے ہو۔ اس نے کہا پانی اور مٹی میں۔ اسی طرح ہم اس کو تورات میں پاتے ہیں۔ تو انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی موافقت کی۔ کیونکہ حمئۃ کا معنی کیچڑ ہے۔

محاکمہ: مگر ان دونوں میں کوئی منافات نہیں کیونکہ یہ درست ہے کہ چشمہ دونوں اوصاف کو جامع ہو۔

وَوَجَدَ عِنْدَهَا (اور اس کے پاس پایا) اس چشمے کے پاس قَوْمًا (ایک قوم کو) مگے۔ ان کا لباس شکار کی کھالیں۔ اور ان کا کھانا سمندر کی باہر پھینکی ہوئی مچھلی تھا اور وہ کافر تھے۔ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا (ہم نے کہا اے ذوالقرنین تو چاہے تو ان کو سزا دے اور چاہے تو ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کر) اگر وہ پیغمبر تھا تو اللہ تعالیٰ نے وحی کی اور اگر نبی نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے پیغمبر کو وحی کی جس نے اس کو حکم دیا۔ نمبر۲۔ الہام کیا گیا جس میں ان کو قتل کی سزا دینے کی اجازت دی گئی اگر وہ کفر پر اصرار کریں اور ان سے نرم سلوک کریں اور ان کا اکرام کریں اور شریعت کے احکام سکھائیں اگر وہ ایمان لے آئیں نمبر۳۔ تعذیب سے مراد قتل اور اتخاذ حسن سے مراد قید کرنا ہے۔ کیونکہ بمقابلہ قتل یہ احسان ہے۔

۸۷: قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا (ذوالقرنین نے کہا جو ظلم کرے گا ہم اس کو سزا دیں گے پھر وہ اپنے رب کی بارگاہ میں لوٹ کر جائے گا تو وہ اس کو سخت عذاب دیگا) عذاب سے قتل مراد ہے۔ یرد سے مراد قیامت کی حاضری ہے۔ مطلب یہ ہے وہ شخص جس کو اسلام کی میں دعوت دوں اور وہ ظلم عظیم پر برقرار رہے یعنی شرک پر قائم رہے یہ شخص دونوں جہانوں میں عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

۸۸: وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى (اور جو ایمان لے آئے گا اور اچھے کام کرے گا۔ اس کے لئے نیکی کا اچھا بدلہ ملے گا) عمل صالح سے وہ اعمال مراد ہیں جو تقاضائے ایمان کے مطابق ہیں۔ جزاء الحسنٰی سے مراد اچھے عمل کا بدلہ ہے جو کلمہ شہادت ہے۔

قراءت: کوفی نے سوائے ابوبکر کے جزاءً الحسنى پڑھا ہے۔ یعنی اس کے لئے اچھا عمل بدلہ میں ہے۔

وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا (اور ہم اپنے برتاؤ میں اس کے لئے آسان بات کہیں گے) یعنی ذا یسر آسانی والی۔ مطلب یہ ہے ہم اس کو کسی مشکل اور گراں کام کا حکم نہ دیں گے۔ بلکہ آسان حکم جیسے زکوٰۃ خراج وغیرہ۔

دوسرا سفر مشرقی جانب اور اس کے احوال:

۸۹، ۹۰: ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا (پھر وہ

اسباب کے پیچھے لگا۔ یہاں تک کہ وہ مشرق یعنی جب سورج کے طلوع ہونے کے مقام تک پہنچا تو وہاں اس نے سورج کو ایک قوم پر طلوع ہوتے ہوئے دیکھا کہ ہم نے ان کے لئے سورج سے ورے کوئی روک نہ بنائی تھی) قوم سے حبشی مراد ہیں۔ دُوْنِهَا سے سورج سے ورے مراد ہے۔ سِتْرًا سے مراد عمارات ہیں کعب کہتے ہیں ان کی سرزمین میں دیواریں قائم نہ ہو سکتی تھیں۔ وہاں سرنگیں موجود تھیں۔ جب سورج طلوع ہوتا تو ان سرنگوں میں داخل ہو جاتے۔ اور جب دن بلند ہو جاتا تو اپنے کام کاج میں نکل جاتے۔ نمبر۲۔ سِتْرًا سے لباس مراد ہے۔ مجاہد کہتے ہیں۔ یہ ننگے پھرتے تھے۔ مطلع شمس کے پاس ان کی تعداد تمام لوگوں سے زیادہ ہے۔

۹۱۔ كَذٰلِكَ (ذوالقرنین کا معاملہ اسی طرح رہا) جیسا ہم نے اس کے معاملے کو بڑا کر کے بیان کیا ہے۔ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا (اس طرح ہم ذوالقرنین کے پاس جو سامان تھا اس کی پوری خبر رکھتے تھے) مَا لَدَيْهِ سے لشکر کے آلات اور جنگی اسباب مملکت مراد ہیں۔

نحو: خُبْرًا پر نصب مصدر ہونے کی وجہ سے ہے کیونکہ اَحَطْنَا کا معنی خَبَرْنَا ہے یعنی خَبَرْنَا خُبْرًا۔ نمبر۲۔ مطلع شمس تک پہنچنا اسی طرح ہے جیسا مغرب میں پہنچنا۔ نمبر۳۔ وہ سورج ایک قوم پر اسی طرح طلوع ہوتا تھا جیسا کہ وہ قوم جن پر غروب ہوتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ بھی کافر تھے۔ اور ان کا حکم بھی تعذیب و ابقاء میں پہلے کفار والا تھا اور ایمان والوں کے ساتھ احسان بھی اسی طرح تھا۔

كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ

یونہی ہی ہے، اور جو کچھ اس کے پاس تھا ہم کو سب کی خبر تھی۔ پھر اس نے ایک راہ لی۔ یہاں تک کہ جب وہ پہنچا دو پہاڑوں کے

السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾ قَالُوْا يٰذَا

درمیان، تو پہاڑوں سے ادھر اس نے ایک قوم کو پایا جو بات سمجھنے کے قریب بھی نہ تھے۔ وہ کہنے لگے کہ اے

الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا

ذوالقرنین! یاجوج و ماجوج زمین میں فساد کرتے ہیں، تو کیا ہم آپ کے لیے خرچ (کا انتظام) کر دیں

عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّىْ فِيْهِ رَبِّىْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِىْ

کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنا دیں۔ ذوالقرنین نے جواب دیا کہ میرے رب نے جو کچھ مجھے قدرت دی ہے وہ بہتر ہے، سو تم قوت سے میری

بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿۹۵﴾ اٰتُوْنِىْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ

مدد کرو، میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دوں گا۔ میرے پاس لوہے کے ٹکڑے لاؤ۔ یہاں تک کہ جب اس نے دونوں سروں کے درمیان

الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِىْۤ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿۹۶﴾

برابر کر دیا تو کہا کہ اس کو دھونکو۔ یہاں تک کہ جب اس کو آگ بنا دیا تو کہا کہ میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ تاکہ میں اس پر ڈال دوں۔

تیسرا سفر بجانب شمال اور اس کے احوال:

۹۲، ۹۳: ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ (پھر وہ اسباب کے پیچھے لگا یہاں تک کہ وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا) سَدَّیْن سے دو پہاڑ مراد ہیں۔ یہ وہ پہاڑ ہیں جن کے درمیان سدّ ذوالقرنین ہے۔

قراءت: مکی، ابو عمرو اور حفص نے السَّدَّيْنِ سَدًّا پڑھا ہے۔ حمزہ و علی نے السَّدَّيْنِ سُدًّا پڑھا ہے۔ دیگر قراء نے دونوں ضموں کے ساتھ پڑھا ہے۔ بعض نے کہا جو خلقتاً مسدود ہو وہ مضموم ہوتا ہے اور جس کو بندے بند کریں وہ مفتوح ہوتا ہے۔

نحو: بَیْنَ فعل کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ جیسا کہ یہ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِىْ وَبَيْنِكَ میں اضافت کی وجہ سے مجرور ہے اور لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنُكُمْ [الانعام: ۹۴] میں مرفوع ہے۔ کیونکہ یہ ان ظروف میں سے ہے جو اسماء اور ظروف دونوں طرح استعمال ہوتے ہیں۔ سد یہ وہاں جگہ مشرق جانب جہاں ترکوں کا علاقہ ختم ہوتا ہے۔ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا (اور اس کو ایک ایسی قوم ملی) ان سدوں کے پیچھے قَوْمًا (یہ ترکی لوگ ہیں) لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا (جو قریبًا کوئی بات بھی نہ سمجھتی تھی) یعنی بات کو بڑی مشقت سے سمجھتے تھے جیسے اشارہ وغیرہ کیا ہے۔

قراءت: حمزہ وعلی نے یُفْقِہُوْنَ پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہے وہ سامع کو اپنا کلام نہ سمجھا سکتے اور نہ وضاحت کر سکتے کیونکہ ان کی لغت وبولی نامانوس ومجہول تھی۔

تذکرہ یاجوج ماجوج:

۹۴۔ قَالُوْا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ (کہنے لگے اے ذوالقرنین بیشک یاجوج اور ماجوج)

نحو وقراءت: یہ دو عجمی نام ہیں۔ کیونکہ غیر منصرف استعمال ہوتے ہیں۔ فقط عاصم نے ان کو ہمزہ سے پڑھا ہے۔ نمبر۱۔ یہ دونوں اولاد یافث سے ہیں۔ نمبر۲۔ یاجوج ترکوں سے ہیں اور ماجوج جیل اور دیلم سے ہیں۔ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ (وہ زمین میں فساد پیدا کرنے والے ہیں۔) ایک قول یہ ہے کہ انسانوں کو کھاتے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے موسم ربیع میں نکلتے کوئی سبزہ پاتے اس کو کھا جاتے اور خشک کو اٹھا کر لے جاتے اور ان کا کوئی آدمی اس وقت تک نہ مرتا جب تک اپنی پشت میں سے ایک ہزار نفر حامل نہ دیکھے۔ تمام مسلح رہتے تھے۔

تیسرا قول یہ ہے ان کی دو قسمیں ہیں۔ جو لمبے ہیں وہ انتہائی لمبے ہیں اور نمبر۲۔ جو چھوٹے ہیں وہ انتہائی چھوٹے ہیں۔ فَھَلْ نَجْعَلُ لَکَ خَرْجًا (کیا ہم تمہارے لئے خراج مقرر کر دیں)

قراءت: حمزہ وعلی نے خرجا کو خراجا پڑھا ہے۔ یعنی انعام و عطیہ جس کو ہم اپنے اموال میں مقرر کر دیں۔ اس کی نظیر اتاوہ اور خوال دونوں طرح مستعمل ہے۔ عَلٰٓی اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَبَیْنَھُمْ سَدًّا (اس شرط پر کہ تو ہمارے اور ان کے درمیان دیوار قائم کر دے)

۹۵۔ قَالَ مَا مَکَّنِّیْ (اس نے کہا جس مال میں مجھے قدرت دی)

قراءت: یہ ادغام کے ساتھ ہے۔ مکی نے ترک ادغام سے پڑھا ہے۔ فِیْهِ رَبِّیْ خَیْرٌ (میرے رب نے وہ بہت بہتر ہے) جس مال میں مجھے ذمہ دار بنایا ہے۔ اور جو وسعت مال اس نے دے رکھی ہے وہ اس سے بہت بہتر ہے جو تم مجھے بطور خراج دو گے مجھے اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّۃٍ (تم افرادی قوت سے میری اعانت کرو) عمل اور کاریگروں سے جو اچھی تعمیر کر سکتے ہوں۔ اور کام اور آلات۔ اَجْعَلْ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَھُمْ رَدْمًا (میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک دیوار پختہ بنا دیتا ہوں)۔ ردم دیوار نمبر۲۔ ایسی رکاوٹ جو پختہ اور مضبوط ہو۔ الردم یہ سد سے بڑی دیوار کو کہتے ہیں۔

۹۶۔ اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ (تم میرے پاس لوہے کے ٹکڑے لاؤ) زبرۃ لوہے کا بڑا ٹکڑا۔ نمبر۱۔ ایک قول یہ ہے کہ اس نے کھدائی کی یہاں تک کہ پانی تک پہنچ گیا۔ اور بنیاد میں پتھر ڈالے۔ اور پگھلا ہوا تانبا اور لوہے کے ٹکڑوں کی دیوار کے درمیان لکڑی اور کوئلہ رکھا۔ یہاں تک کہ جب دونوں پہاڑوں کے درمیانی درے کو برابر کر کے ان پہاڑوں سے بلند کر دیا۔ پھر پھونکنے والے آلات لگائے اور آگ سے لکڑی اور کوئلے کی مدد سے لوہے کو آگ کی طرح گرم کر دیا۔ تو گرم لوہے پر پگھلا ہوا تانبا ڈالا گیا جو سوراخوں اور درزوں میں پیوست ہوتا چلا گیا۔ اور وہ لوہے کے ٹکڑے ایک دوسرے سے پیوست ہو گئے جو مضبوط پہاڑ کی طرح بن گیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سدین کے درمیانی فاصلہ کی مقدار سو فرسخ ہے۔ واللہ اعلم۔

بندوں پر رحمت ہے۔ نمبر۲۔ یہ ہماری دیوار بنانے کی قدرت وطاقت یہ میرے رب کی مہربانی ہے۔ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ (جب میرے رب کا وعدہ آئے گا) جب قیامت کا دن آئے گا اور آنے کے قریب ہوگا۔ جَعَلَهٗ (وہ اس کو کردے گا) اس دیوار کو دَکَّآءَ (گرنے والا) زمین بوس، کوٹ کر زمین پر پھیلا ہوا۔ ہر وہ چیز جو بلندی کے بعد پھیل جائے اس کو عرب اندکّ سے تعبیر کرتے ہیں۔
قراءت: دکاء کوفی نے پڑھا یعنی برابر زمین۔

وَكَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا (اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے) یہ سکندر کی آخری بات ہے۔

مرحلۂ قیامت کی ابتداء:

۹۹. وَتَرَكْنَا (اور ہم نے کر دیا) بَعْضَهُمْ (بعض مخلوق کو) يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ (کہ وہ گڈمڈ ہو جائیں گے) فِیْ بَعْضٍ (ایک دوسرے میں) یعنی وہ مضطرب ہو گئے اور انسان اور جنات حیرانی سے گڈمڈ ہو جائیں گے۔ نمبر۲۔ یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر یاجوج ماجوج کی طرف ہو کہ وہ اس وقت موجیں مارنے والے ہوں گے۔ جب دیوار کے پیچھے سے نکلیں گے شہروں میں ہجوم کریں گے۔
روایت تفسیر میں ہے کہ وہ سمندر پر آئیں گے تو اس کے پانی کو پی جائیں گے اور اس کے جانداروں کو کھا جائیں گے درختوں کو اور جو انسان ان کے ہاتھ آئے گا مگر وہ مکہ اور مدینہ میں داخل نہ ہو سکیں گے۔ اور اسی طرح بیت المقدس بھی۔ پھر اللہ تعالیٰ اونٹ و بکریوں کے ناک میں پایا جانے والا کیڑا ان کی گردنوں میں پیدا کردیں گے۔ وہ ان کے کانوں میں گھس جائے گا جس سے سب مر جائیں گے۔ وَّنُفِخَ فِی الصُّوْرِ (اور صور میں پھونک ماری جائے گی) قیامت کیلئے اٹھنے کی خاطر۔ فَجَمَعْنٰهُمْ (پس ہم ان کو اکٹھا کریں گے) یعنی مخلوق کو ثواب وعقاب کیلئے جمع کیا جائے گا۔ جَمْعًا جمع کرنا یہ تاکید کیلئے ہے۔

جہنم سامنے:

۱۰۰. وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا (اور اس دن جہنم کو کافروں کے بالکل سامنے کر دیا جائے گا) ان کے سامنے ظاہر کر دیں گے وہ اس کو دیکھیں گے اور اس کا مشاہدہ کریں گے۔
۱۰۱. الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِیْ (وہ لوگ جن کی آنکھوں پر میری یاد کی طرف سے پردہ پڑا ہوا تھا) نمبر۱۔ میری وہ آیات جن کو دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کے لئے ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا تھا۔ نمبر۲۔ قرآن کریم کا تذکرہ تعظیم سے کرنے نمبر۳۔ قرآن کے متعلق کہ وہ اس کے معانی پر غور کرتے۔ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا (وہ سننے کی طاقت نہ رکھتے تھے) یعنی وہ بہرے تھے۔ یہ الفاظ اصمّ کی بجائے زیادہ بلیغ ہیں کیونکہ بہرے کو دور سے آواز دیں تو وہ سن پاتا ہے۔ اور یہ لوگ تو اس طرح تھے کہ گویا ان کے کان بہرے کر دیئے گئے ان میں سرے سے سننے کی قوت مفقود ہو چکی۔

اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْٓ اَوْلِیَآءَ ؕ اِنَّآ اَعْتَدْنَا

کیا پھر بھی کافروں کو یہ خیال ہے کہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو کارساز بنالیں بلاشبہ ہم نے کافروں کے لیے دوزخ کو

جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِیْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِیْنَ ضَلَّ

مہمانی کے طور پر تیار کیا ہے۔ آپ فرما دیجئے کیا ہم تمہیں ایسے لوگ بتادیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل خسارہ میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوشش

سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ هُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ

دنیاوی زندگی میں ضائع ہوگئی اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں

كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَ لِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا انکار کیا سو ان کے اعمال حبط ہوگئے سو ہم قیامت کے دن ان کے لیے کوئی وزن قائم نہ

وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَ اتَّخَذُوْٓا اٰیٰتِیْ وَ رُسُلِیْ هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾ اِنَّ

کریں گے۔ یہ ان کی سزا ہوگی یعنی دوزخ اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں کا اور میرے رسولوں کا مذاق بنالیا۔ بلاشبہ

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾ خٰلِدِیْنَ

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان کی مہمانی فردوس کے باغ ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے

فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾

وہاں سے وہ منتقل ہونا نہ چاہیں گے۔

بندوں کو کارساز بنانے والے کافر ہیں:

۱۰۲: اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْٓ اَوْلِیَآءَ (کیا پھر بھی ان کافروں کا خیال ہے کہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو اپنا کارساز بنالیں) یعنی کفار نے میرے بندوں کو گمان کرلیا۔ لفظ عبادی سے عیسیٰ علیہ السلام اور ملائکہ مراد ہیں۔ کارساز بنانا ان کو فائدہ دے گا؟ یہ بدترین گمان ہے جو انہوں نے کیا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اَنْ اپنے صلہ کے ساتھ مل کر افحسب کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ اور عِبَادِیْ اَوْلِیَآءَ یہ دونوں یَتَّخِذُوْا کے مفعول ہیں۔ اور یہ وجہ بہت اچھی ہے مطلب یہ ہے کہ وہ بندے ان کے کارساز نہیں ہیں۔ میرے بندوں کو کارساز بنانے والا گمان کفار کا گمان ہے وہ کارساز نہیں ہیں۔ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِیْنَ نُزُلًا (بے شک ہم نے جہنم کو کافروں کی مہمانی

کیلئے تیار کیا ہے۔ نزل اس چیز کو کہا جاتا ہے جو مہمان کیلئے بنائی جائے۔ اور اس کی مثال دوسری آیت میں ہے۔ فبشرھم بعذاب الیم [آل عمران:۲۱]

سب سے زیادہ گھاٹے والے کافر ہیں:

۱۰۳: قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا (کہہ دیں کیا ہم تم کو بتلائیں کہ اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ گھاٹے میں کون ہے) اعمالًا تمییز ہے اور اس کو جمع لائے حالانکہ قیاس کا تقاضا مفرد تھا کیونکہ لوگوں کی خواہشات متنوع اور قسم قسم کی ہیں۔ نمبر۲۔ اس سے مراد اہل کتاب ہیں نمبر۳۔ رہبان ہے۔

۱۰۴: اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ (وہ لوگ جن کی کی ہوئی تمام کوششیں اکارت گئیں) ضائع اور باطل ہو گئیں وہ محل رفع میں ہے۔ ای هم الذین۔ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا (دنیا کی زندگی میں اور وہ گمان کرتے ہیں کہ ان کو کارکردگی کا بہترین بدلہ ملے گا)

۱۰۵: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا (یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کی آیات اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا انکار کیا پس اس لئے ان کے تمام اعمال ضائع ہو گئے قیامت کے دن ہم ان کے نیک اعمال کو ذرا بھی وزن نہ دیں گے) یعنی ہمارے ہاں ان کا کوئی وزن یا قدر نہ ہوگی۔

۱۰۶: ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ (ان کی یہ سزا یعنی دوزخ ہوگی) جهنم یہ جزاؤهم کا عطف بیان ہے۔ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا (اس سبب سے کہ انہوں نے کفر کیا تھا اور میری آیات اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا تھا) یعنی ان کی جہنم والی سزا ان کے کفر کی وجہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے رسولوں کے ساتھ استہزاء کے نتیجے میں ہے۔

مومن اور فردوس کی ضیافت:

۱۰۷، ۱۰۸: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا (بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کی مہمانی کیلئے فردوس کے باغ ہوں گے وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور ان سے ہٹنا نہ چاہیں گے) خٰلِدِيْنَ فِيْهَا یہ حال ہے۔ اور حِوَلًا کا معنی کسی دوسرے کی طرف منتقل ہونا۔ یعنی اس جگہ پر وہ خوش ہو کر ایسا نہ چاہیں گے۔ عرب کے ہاں محاورہ ہے حَالَ مِنْ مَكَانِهٖ حِوَلًا یعنی اس پر کوئی اضافہ نہیں یہاں تک کہ ان کے نفسوں نے ان سے تنازع کیا کہ وہ اپنی اغراض اور تمناؤں کو جمع کریں۔ یہ اجمالی تعریف ہے کیونکہ انسان دنیا میں جس قدر بھی ہو وہ اس سے بہتر کا طالب اور خواہش مند ہوتا ہے۔ یا مراد اس سے پھرنے کی نفی اور خلود کی تاکید ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ

آپ فرما دیجئے کہ اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لیے روشنائی ہو تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے۔ اگرچہ ہم

جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ

اس جیسا اور سمندر مدد کے لیے لے آئیں۔ آپ فرما دیجئے کہ میں تو تم ہی جیسا بشر ہوں میری طرف یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ سو

كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی آرزو رکھتا ہو سو چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

علم الٰہی کی انتہا نہیں:

۱۰۹: قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ (آپ کہہ دیجئے اگر سمندر) یعنی سمندروں کا پانی مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ (میرے رب کے کلمات کیلئے سیاہی بن جائے۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں مداد ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے لکھا جائے یعنی اگر علم الٰہی کے کلمات اور اس کی حکمتیں لکھی جائیں اور لکھنے کیلئے سمندر سیاہی بن جائیں۔ یہاں البحر سے مراد جنس بحر ہے۔ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (تو سمندر ختم ہو جائیں گے میرے رب کے کلمات ختم ہونے سے پہلے خواہ ہم اس موجودہ سمندر کی طرح اتنے ہی اور لے آئیں) مثلہ کی ضمیر بحر کی طرف ہے۔ کیونکہ سیاہی بھی ختم ہونے والی ہے مگر کلمات لامتناہی ہیں۔ مددًا تمیز ہے جیسے بولتے ہیں۔ لی مثلہ رجلا اور مدد مداد کی طرح ہے ہر وہ چیز جس سے دوسری چیز کو معاونت پہنچائی جائے۔

قراءت: حمزہ و کسائی نے تنفد کو ینفد پڑھا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ حیی بن اخطب یہودی نے یہ اعتراض کیا کہ تمہاری کتاب میں آیا ہے من یوتی الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا (البقرہ ۲۶۹) پھر یہ آیت بھی تم پڑھتے ہو وما اوتیتم من العلم الا قلیلا (الاسراء ۸۵) تو یہ اختلاف کیسا تو اس کے جواب میں یہ آیت اتری کہ یہ یقیناً خیر کثیر ہے مگر یہ اللہ کے کلمات کے سمندر میں سے ایک قطرہ کی مانند ہے۔

میں بشر رسول ہوں میرا معبود اللہ ہے جو اللہ کی بارگاہ میں حاضری چاہے وہ شرک نہ کرے:

۱۱۰: قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ (آپ کہہ دیجئے میں تمہاری طرح انسان ہی ہوں۔ میرے پاس وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک معبود ہے پس جو شخص اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو یعنی جو اپنے رب کی اچھی ملاقات کا امیدوار ہو کہ اس کی رضامندی اور قبولیت والی ملاقات میسر ہو جائے نہ کہ بری۔ یا جو اس بات سے ڈرتا ہو کہ اپنے رب کے ساتھ بری ملاقات کرے۔ یہاں ملاقات سے مراد اس کی بارگاہ میں حاضری ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ رویت مراد ہے جیسا کہ لقاء کے لفظ کی حقیقت کا تقاضا ہے اور اس کی حقیقت پر قائم رکھنے کی امید ہے۔

فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا (پس اس کو چاہیے کہ وہ نیک کام کرے) یعنی خالص اعمال کرے جس سے اپنے رب کی ذات ہی کو وہ چاہتا ہو۔ اور غیر کی اس میں ملاوٹ نہ کرنے والا ہو۔ یحییٰ بن معاذ کہتے ہیں کہ عمل صالح وہ ہے جس کے کرنے میں آدمی شرم محسوس نہ کرے۔ (یعنی بلا تامل کر گزرے)

وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا (اور وہ اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک کرنے والا نہ ہو) یہ شرک سے ممانعت کی گئی یعنی وہ اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ نمبر۲۔ یا ریاکاری کی ممانعت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اتقوا الشرك الاصغر۔ (ابن مردویہ) (تم چھوٹے شرک سے بچو صحابہ نے عرض کیا چھوٹا شرک کیا ہے۔ آپ نے فرمایا ریاکاری۔

فَائِدَہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے سورۂ کہف کو پڑھا وہ آٹھ دن تک ہر قسم کے فتنے سے بچالیا گیا اگر ان آٹھ دنوں میں دجال نکل آئے تو اللہ تعالیٰ اس کے فتنے سے بھی اس کو محفوظ فرمائیں گے (اسی کے ہم معنی مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے روایت نقل کی)

نمبر۲۔ جس نے قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ سے آخر تک اپنے بستر پر لیٹ کر پڑھا تو اس کے لئے سونے کی پوری حالت میں اس کی خوابگاہ سے لیکر مکہ تک ایک نور ہوگا۔ جو کہ جگمگانے گا اور اس نور کے اندر فرشتے ہی فرشتے ہوں گے جو اٹھنے کے وقت تک اس کے لئے دعائے رحمت کرتے رہیں گے اور اگر اس کی خوابگاہ مکہ میں ہوگی تو پھر خوابگاہ سے بیت المعمور تک جگمگاتا ہوا نور میسر ہوگا۔ جس میں فرشتے ہی بھرے ہوئے ہوں گے جو اس کے بیدار ہونے تک اس کے لئے دعائے مغفرت و رحمت کرتے رہیں گے۔

(اخرجہ ابن مردویہ والبزار والمروزی فی العلم)

تمت ترجمة سورة الكهف بتمامه احدى عشر من رمضان ۱۴۲۳ھ قبل صلاة الظهر والحمد لله على ذلك

سُوْرَۃُ مَرْیَمَ مَکِّیَّۃٌ وَّہِیَ ثَمَانٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰیَۃً وَّسِتُّ رُکُوْعَاتٍ

سورۂ مریم مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں اٹھانوے آیات اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

کٓھٰیٰعٓصٓ ① ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّکَ عَبْدَہٗ زَکَرِیَّا ② اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا ③ قَالَ

کھیعص۔ یہ آپ کے رب کی رحمت کا ذکر ہے جو اس نے اپنے بندہ زکریا پر فرمائی جبکہ انہوں نے اپنے رب کو پوشیدہ طریقہ پر پکارا عرض کیا

رَبِّ اِنِّیْ وَہَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّلَمْ اَکُنْ بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِیًّا ④

اے میرے رب بے شک میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں اور میرے سر میں بڑھاپے کی وجہ سے سفیدی پھیل گئی اور میں آپ سے دعا مانگنے میں کبھی ناکام نہیں رہا

وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَہَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا ⑤

اور بے شک میں اپنے بعد اپنے رشتہ داروں سے اندیشہ رکھتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے سو آپ مجھے اپنے پاس سے ایک ولی عطا فرما دیجئے

کٓھٰیٰعٓصٓ: سدی نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سورۃ کا نام ہے۔

قراءت: علی و یحییٰ نے ھا اور یا کے کسرہ سے پڑھا ہے۔ نافع نے فتحہ اور کسرہ کے درمیان اور فتحہ کے زیادہ قریب کر کے۔ ابو عمرو نے کسرہ ھا اور فتحہ یا کے ساتھ اور حمزہ نے اس کا عکس اور دیگر قراء نے دونوں کا فتحہ پڑھا ہے۔

۲: ذِکْرُ رَحْمَتِ رَبِّکَ (یہ تذکرہ ہے تیرے رب کی مہربانی کا)

نحو: یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔

عَبْدَہٗ زَکَرِیَّا (جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کی) عَبْدَہٗ یہ رحمت کا مفعول ہے اور زکریا یہ عبدہ کا بدل ہے۔

قراءت: زکریا کو قصر کے ساتھ حمزہ علی اور حفص نے پڑھا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی بڑھاپے میں دُعا:

۳: اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا (جبکہ انہوں نے اپنے رب کو پوشیدہ طور پر پکارا) اِذْ یہ رحمت کا ظرف ہے۔ خَفِیًّا کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے پوشیدہ طور پر اللہ کو پکارا جیسا کہ حکم ہے یہ دعا ریاکاری سے دور اور اخلاص کے قریب تر ہے۔

نمبر۲۔ یا اس کو اس لئے پوشیدہ رکھا تا کہ بڑھاپے کے زمانے میں لڑکے کی طلب پر ان کو ملامت نہ کی جائے کیونکہ اس وقت ان کی عمر ۶۰ یا ۸۰ سال تھی۔

ہڈیوں کے تذکرہ کی وجہ:

۴: قَالَ رَبِّ (عرض کیا اے میرے رب) یہ دعا کی تفسیر ہے رب: اصل میں یا رَبِّ ہے حرف ندا اور مضاف الیہ کو اختصار کیلئے حذف کر دیا گیا۔ اِنِّیْ وَھَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ (بیشک میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں) یعنی میں ضعیف ہو گیا یہاں عظم کو خصوصیت سے اس لئے ذکر کیا کیونکہ وہ سارے بدن کیلئے بمنزلہ ستون کے ہے اور اسی سے بدن کا قوام ہے جب ہڈیاں ہی کمزور ہو جائیں تو ساری قوت ختم ہو جاتی ہے اور کمزور پڑ جاتی ہے کیونکہ ہڈیاں جسم میں سب سے زیادہ مضبوط اور سخت ہوتی ہیں۔ جب یہ کمزور پڑ جائیں تو اس کے علاوہ بقیہ اجزاء اس کی نسبت کمزور تر ہوتے ہیں۔ العظم کو واحد لائے کیونکہ یہ جنسیت پر دلالت کرتا ہے مقصد یہ ہے کہ یہ جنس جو کہ جسم کا ستون اور قوام ہے اور جسم کے ترکیبی اجزاء میں مضبوط تر ہے اس کو کمزوری آ پہنچی۔

وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا (اور سر میں بالوں کی سفیدی پھیل گئی ہے) شیبًا یہ تمیز ہے مطلب یہ ہے کہ میرے سر کے بالوں میں سفیدی ایسی پھیل گئی کہ گویا آگ بھڑک اٹھی اشتعال نار اس وقت کہا جاتا ہے جس وقت اپنی لپٹوں میں متفرق ہو کر شعلہ زن ہو جائے یہاں بڑھاپے کو سفیدی میں آگ کے شعلے سے تشبیہ دی ہے اور بالوں میں سفیدی کے پھیلنے کو اور چھا جانے کو اشتعال سے تعبیر کیا ہے اور یہ جملہ فصاحت کا ایک شاندار نمونہ ہے۔ نمبر۲۔ ذرا توجہ کرو تو کلام اتنا تھا یا رب قد شخت کیونکہ بڑھاپا ضعف بدن اور بالوں کی سفیدی جوان دونوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور اس سے زیادہ بہتر جملہ ضعف بدنی وشاب راسی ہے اس میں اور زیادہ تفصیل ہے جبکہ اس سے بھی قوی تر جملہ وَھَنَتْ عِظَامُ بَدَنِیْ ہے کیونکہ اس میں تصریح سے کنایہ کی طرف عدول ہے اور کنایہ تصریح سے افضل ہے اور اس سے بھی زیادہ بہتر جملہ اَنَا وَھَنَتْ عِظَامُ بَدَنِیْ اور زیادہ بہتر اِنِّیْ وَھَنَتْ عِظَامُ بَدَنِیْ ہے۔ اور اس سے مزید بہتر اِنِّیْ وَھَنَتِ الْعِظَامُ مِنْ بَدَنِیْ کیونکہ اس میں اجمال اور تفصیل دونوں طریقوں کو آزمایا گیا ہے اور اس سے زیادہ مضبوط مفہوم والا جملہ انی وھنت العظام منی اس میں بدن کا واسطہ چھوڑ دیا گیا۔ اور اس سے بہتر انی وھن العظم منی ہے کیونکہ اس میں وہ جنس ہڈیوں کے ہر ہر فرد کو شامل کر رہا ہے اس وجہ سے کہ جمع کی بجائے مفرد کو استعمال کیا گیا ہے کیونکہ مجموعی کمزوری بعض سے بھی حاصل ہو جاتی ہے بجائے ہر ہر فرد کے۔ اور اسی لئے حقیقی معنی کو شاب راسی میں ترک کر کے اس سے زیادہ بلیغ استعارے کی زبان استعمال کی گئی جس کے نتیجے میں یہ جملہ حاصل ہوا اشتعل شیب راسی مگر اس سے زیادہ بلیغ اشتعل راسی شیبا ہے۔ کیونکہ اس میں اشتعال کی نسبت بالوں کے مکان اور اگنے کی جگہ کی طرف ہے جو کہ سر ہے تاکہ اشتعال سارے سر کو شامل کرنے کا فائدہ دے۔

کیونکہ اشتعل شیب راسی اور اشتعل راسی شیبًا دونوں ہم وزن ہیں جیسا کہ اشتعل النار فی بیتی اور اشتعل بیتی نارًا ہم وزن ہیں مگر ان دونوں میں فرق واضح ہے کیونکہ اس میں اجمال اور تفصیل ہے جیسا کہ تمیز کے طریقے میں معلوم ہو چکا مگر اس سے زیادہ بلیغ واشتعل الراس منی شیبا ہے جب کہ یہ بھی مگر اس سے بلیغ تر یہ جملہ ہے واشتعل الراس شیبا کیونکہ اس میں مخاطب کے علم پر اکتفا کیا گیا کہ وہ زکریا علیہ السلام کا ہی سر ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کا عطف وھن العظم منی پر ہو رہا ہے۔

میں کبھی نامراد نہ ہوا:

وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا (اور اے میرے رب میں تجھے پکار کر کبھی نامراد نہیں رہا) دعائک میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے تقدیر عبارت یہ ہے ای بدعائی ایاک شقیا کا مطلب یہ ہے کہ میں آج کے دن سے پہلے مستجاب الدعوات تھا اور اس کے ساتھ خوش نصیب تھا نامراد و بدبخت نہ تھا۔ عربی کا محاورہ ہے سعد فلان بحاجتہ جبکہ وہ اس ضرورت کو پالے و شقی فلان بحاجتہ جبکہ اس میں ناکام ہو جائے اور اس کو نہ پا سکے۔ بعض کا قول یہ ہے کہ ایک محتاج نے آپ سے سوال کیا اور کہا میں وہ شخص ہوں کہ جس پر تم نے فلاں وقت میں احسان کیا تو آپ نے فرمایا تمہیں خوش آمدید ہو کہ تم نے ہماری ذات کو ہمارے سامنے وسیلہ بنایا اور اس کی ضرورت پوری کر دی۔

وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ (اور میں اپنے رشتہ داروں سے اندیشہ رکھتا ہوں) الموالی سے ان کے عصبات یعنی بھائی، چچا کے بیٹے مراد ہیں۔ اور یہ بنی اسرائیل کے شریر لوگ تھے۔ پس ان کو خطرہ ہوا کہ وہ دین کو بدل ڈالیں اور آپ کی امت پر وہ اچھی نگہداشت انجام نہ دیں اس لئے انہوں نے اپنی صلبی اولاد میں صالح فرزند کی درخواست کی تاکہ دین کو زندہ کرنے میں ان کی اقتدا کی جا سکے۔

مِنْ وَّرَآءِیْ (اپنے بعد) اپنی موت کے بعد۔ قراءت: قصر اور فتح یا کے ساتھ ھُدای کی طرح مکی نے پڑھا ہے۔

نحو: اس ظرف کا خفت سے تعلق نہیں کیونکہ موت کے بعد وجود خوف کا کوئی تصور نہیں۔ لیکن محذوف سے متعلق ہے۔ نمبر۱: یا الموالی میں جو لیا کا معنی ہے یعنی مجھے موالی کے عمل سے خدشہ ہے اور وہ عمل ان کا تبدیل کرنا اور میرے بعد بری قائم مقامی ہے۔ نمبر۲۔ مجھے ان لوگوں سے خطرہ و اندیشہ ہے جو میرے بعد معاملے کے ذمہ دار ہوں گے۔

وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا (اور میری بیوی بانجھ ہے) بچہ جننے کے قابل نہیں رہی۔ فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ (پس تو مجھے اپنی طرف سے عنایت کر دے) بلا سبب جو محض تیرے فضل کا عطیہ ہو۔ کیونکہ میں اور میری بیوی اولاد جننے کے قابل نہیں وَلِیًّا (ایک وارث) ایک ایسا بیٹا جو تیرے معاملے کا میرے بعد ذمہ دار ہوگا۔

يَرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿٦﴾ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ

جو میرا وارث بنے اور یعقوب کی اولاد کا بھی اور اسے رب آپ سے پسندیدہ بنائیے۔ اے زکریا ہم تمہیں ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں

اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿٧﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ

اس کا نام یحییٰ ہے، ہم نے اس سے پہلے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا۔ عرض کیا اے میرے رب میرے لڑکا کہاں سے ہوگا حالانکہ

امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿٨﴾ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ

میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کے انتہائی درجہ کو پہنچ چکا ہوں۔ فرمایا یونہی ہوگا، تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ یہ میرے لئے آسان

هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ﴿٩﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۚ

ہے اور میں نے تمہیں اس سے پہلے پیدا کیا حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے۔ عرض کیا اے میرے رب میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر دیجئے

قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿١٠﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ

فرمایا تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین رات بات نہ کر سکو گے حالانکہ تم تندرست ہو گے۔ پھر وہ حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے

فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿١١﴾ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ

اور ان کو اشارہ سے کہا کہ تم لوگ صبح و شام تسبیح میں مشغول رہو۔ اے یحییٰ کتاب کو مضبوطی کے ساتھ لے لو اور ہم نے ان کو

الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿١٢﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۖ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿١٣﴾ وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ

لڑکپن ہی میں حکم دے دیا تھا اور اپنے پاس سے شفقت کی صفت اور پاکیزگی دی تھی اور وہ پرہیزگار تھے اور اپنے والدین کے خدمت گزار تھے اور وہ

يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿١٤﴾ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿١٥﴾

سرکشی کرنے والے نافرمانی کرنے والے نہ تھے اور ان پر اللہ کا سلام ہو جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن انتقال کریں گے اور جس دن زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔

وارثِ علم کی طلب:

يَرِثُنِيْ وَيَرِثُ (جو میرا وارث ہو اور وارث ہو) دونوں لفظ کے ساتھ وراثت کی صفت ہیں یعنی مجھے ایسا بیٹا عنایت فرما جو میرے علم اور آلِ یعقوب کی نبوت کا وارث ہو۔

وراثتِ نبوت:

کا معنی یہ کہ وہ وحی کی صلاحیت رکھتا ہو نفس نبوت میں وراثت مراد نہیں۔

قراءت: ابوعمرو اور علی نے دونوں کو جزم سے پڑھا۔ اس طرح کہ یہ دعا کا جواب ہے کہا جاتا ہے ورثہ وورثت منہ۔

مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ (آلِ یعقوب بن اسحاق) وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا (اے میرے رب اس کو اپنا پسندیدہ بنا) ایسا پسندیدہ جس کو آپ چاہتے ہوں یا جو آپ سے راضی اور آپ کے حکموں پر خوش ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کیا اور فرمایا۔

ایک بے مثال لڑکا:

۷: يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨاسْمُهٗ يَحْيٰى (اے زکریا ہم آپ کو ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا) اللہ تعالیٰ نے بطور تشریف کے یہ خود تجویز فرمایا۔

قراءت: نَبْشُرُكَ کو حمزہ نے تخفیف سے پڑھا ہے۔

لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا (ہم نے اس سے پہلے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا) اس سے پہلے یحییٰ کسی کا نام نہ تھا۔ اور یہ دلیل ہے کہ یہ موضع میں منفرد نام ترجیح کے قابل ہے۔ نمبر۲۔ مثال اور شبیہ مراد ہے اور ان کی مثال اس لئے نہ تھی کیونکہ انہوں نے کبھی کوئی نافرمانی کی اور نہ ہی اس کا ارادہ کیا اور وہ بوڑھے باپ اور بوڑھی ماں کے اکلوتے تھے۔ اور یہ عورت سے بے رغبت تھے۔

۸: جب فرشتوں نے ان کو بشارت دے دی۔ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ (کہا اے میرے رب میرے لئے لڑکا کیسے ہوگا) اَنّٰى كَيْفَ کے معنی میں ہے۔ یہ استبعاد نہیں بلکہ اس بات کو ظاہر کرنے کیلئے ہے کہ وہ کس طریقے سے ہوگا۔ کیا وہ دونوں اسی حالت میں رہیں گے اور دونوں کو عنایت کیا جائے گا۔ یا نمبر۲۔ جوانی میں لوٹ کر جائیں گے۔

وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا (اور میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے میں انتہائی عمر کو پہنچ چکا ہوں) اسی بَلَغْتُ عِتِيًّا۔ عتیا خشکی کو کہتے ہیں۔ جوڑوں اور ہڈیوں میں لاغری جیسا خشک ٹہنی جو بڑھاپے کی وجہ سے ہو۔ اور انتہائی عمر کو پہنچنا

قراءت: عِتِيًّا، صِلِيًّا (مریم ۷۰)، جِثِيًّا (مریم ۶۸)، بُكِيًّا (مریم ۵۸) تمام کے شروع میں حمزہ و علی، حفص نے کسرہ پڑھا۔ مگر بکیا میں حفص نے باضمہ پڑھا ہے۔

۹: قَالَ كَذٰلِكَ (کہا اسی طرح)۔ کاف مرفوع ہے تقدیر یہ ہے الْاَمْرُ كَذٰلِكَ۔ اس میں ان کی تصدیق کی ابتداء کرتے ہوئے کہا۔ قَالَ رَبُّكَ (تمہارے رب نے کہا۔ نمبر۲۔ یہ قال کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور ذٰلِكَ سے اس مبہم کی طرف اشارہ کیا جس کی تفسیر هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ کر رہا ہے۔ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ (وہ مجھ پر آسان ہے) یعنی یحییٰ کا دو بوڑھوں سے پیدا کر دینا آسان ہے۔ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ (اس سے پہلے ہم نے تجھے پیدا کیا) یحییٰ سے پہلے تمہیں وجود دیا۔

قراءت: حمزہ و علی نے خلقناک پڑھا ہے۔ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا (اور تو کچھ نہ تھا) کیونکہ معدوم کوئی چیز نہیں ہوتا۔

۱۰: قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً (کہا اے میرے رب میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما) ایسی علامت جس سے میں اپنی عورت کا

حاملہ ہوا پہچان سکوں۔ قَالَ اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا (کہا تیری نشانی یہ ہے کہ تو لوگوں سے تین راتیں تک سالم ہونے کے باوجود کلام نہ کر سکے گا) سَوِیًّا یہ تکلم کی ضمیر سے حال ہے تقدیر کلام اس طرح ہے۔ حال کونک سوی الاعضاء واللسان۔ مطلب ہوا کہ تیری علامت یہ ہے کہ تو کلام سے رک جائے گا اس کی طاقت نہ ہوگی حالانکہ تیرے اعضاء صحیح سالم ہوں گے گونگے پن کا نام نہ ہوگا۔

فائدہ: یہاں لیالی کا ذکر کیا جبکہ آل عمران میں ایام کا۔ اس لئے کہ اس سے یہ بتلایا کہ کلام سے یہ رکنا مسلسل تین دن رات رہے گا۔ یہ ایام کا ذکر کرنے سے اس کے ساتھ والی راتیں خود شامل ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح عرف عام میں بھی راتیں بول کر ان سے متصل دن بھی مراد لیا جاتا ہے۔

۱۱: فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ (وہ اپنی قوم کے پاس مسجد سے نکل کر گئے) محراب سے نماز کی جگہ مراد ہے۔ وہ ان کے انتظار میں تھے۔ آپ کو کلام پر قدرت نہ رہی۔ فَاَوْحٰی اِلَیْهِمْ (پس آپ نے ان کی طرف اشارہ کیا) انگلی سے اشارہ مراد ہے۔ اَنْ سَبِّحُوْا (تم تسبیح کرو) یعنی نماز پڑھو۔ یہ ان مفسرہ ہے۔ بُکْرَةً وَّعَشِیًّا (صبح شام) فجر و عصر کی نماز مراد ہے۔

یحییٰ علیہ السلام کی صفات:

۱۲: یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ (اے یحییٰ تو کتاب کو پکڑ) مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کو یحییٰ عطا کیا اور ہم نے یحییٰ کو ولادت کے بعد یا خطاب کے زمانے میں کہا اے یحییٰ کتاب سے تورات مراد ہے۔ بِقُوَّةٍ (مضبوطی کے ساتھ) یہ حال ہے مطلب یہ ہے کہ خوب کوشش کے ساتھ اور اللہ کی تائید و توفیق کی پشت پناہی کے ساتھ۔ وَاٰتَیْنٰهُ الْحُکْمَ صَبِیًّا (ہم نے بچپن میں ہی ان کو حکم دیا) حکم سے مراد یہاں تورات کی سمجھ اور دین کی فہم ہے۔ صَبِیًّا یہ حال ہے ایک قول یہ ہے کہ بچے حضرت یحییٰ کو کھیلنے کیلئے بلاتے تو آپ فرماتے ہم کھیل کیلئے پیدا نہیں کئے گئے۔

۱۳: وَّحَنَانًا (اور شفقت) شفقت و رحمت اپنے والدین اور دوسروں کے حق میں) نحو: اس کا عطف الحکم پر ہے۔ مِّنْ لَّدُنَّا (اپنی طرف سے) وَزَکٰوةً (اور پاکیزگی) یعنی طہارت و بھلائی کہ انہوں نے کوئی گناہ نہ کیا۔ وَکَانَ تَقِیًّا (اور وہ متقی تھے) یعنی فرمانبردار اور اطاعت شعار۔

۱۴: وَّبَرًّا بِوَالِدَیْهِ (والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والے) یعنی ان کے ساتھ بھلائی کرنے والے تھے ان کی نافرمانی نہ کرتے تھے۔ وَلَمْ یَکُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا (اور وہ متکبر اور نافرمان نہ تھے) عصیا کا معنی اپنے رب کا نافرمان۔

پروانۂ سلامتی:

۱۵: وَسَلٰمٌ عَلَیْهِ (اور ان کے لئے سلامتی ہے) یعنی اللہ کی طرف سے ہر دکھ اور اذیت سے امان ہے۔ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ (جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وہ مریں گے) یعنی ولادت کے وقت شیطان کے اثرات سے اور موت کے وقت قبر سے وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا (اور جب وہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے) یعنی بڑی گھبراہٹ سے محفوظ کر دیئے جائیں گے۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں یہی تین موقعے سب سے زیادہ وحشت ناک ہیں۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾ قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿١٩﴾ قَالَتْ أَنّٰى يَكُونُ لِي غُلٰمٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ﴿٢٠﴾

اور کتاب میں مریم کو یاد کیجئے جبکہ وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر ایک ایسی جگہ چلی گئی جو مشرق کی جانب تھا۔ پھر انہوں نے ان لوگوں سے ورے ایک پردہ ڈال لیا۔ سو ہم نے اس کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا وہ ان کے سامنے پورا سالم آدمی بن کر ظاہر ہو گیا۔ مریم نے کہا کہ میں تجھ سے رحمن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو اللہ سے ڈرنے والا ہے۔ فرشتے نے کہا میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دے دوں۔ مریم نے کہا کہ میرے لڑکا کیسے ہو گا حالانکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور نہ میں بدکار تھی۔

حضرت مریم علیہا السلام کا تذکرہ:

۱۶: وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ (اور یاد کیجئے یا تذکرہ کیجئے کتاب میں مریم کا) کتاب سے قرآن مراد ہے مطلب یہ ہے کہ ان کو مریم کا واقعہ پڑھ کر سنا دیجئے تاکہ اس کی ان کو اطلاع ہو اور جو گمان پر کرا اس کا ان کو علم ہو جائے۔

نحو: اِذْ یہ مریم کا بدل اشتمال ہے کیونکہ اوقات اس سب پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جو ان سب میں پایا جاتا ہے دراصل اس میں یہ بتلانا ہے کہ مریم کے تذکرے سے مقصود اس وقت کو ذکر کرنا ہے جس میں یہ عجیب واقعہ پیش آیا۔ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا (الگ ہوئی اپنے اہل سے) یعنی وہ ہو گئی مَكَانًا شَرْقِيًّا (مشرقی جانب والے مکان میں) یعنی ایسے مکان میں عبادت کیلئے علیحدگی اختیار کی جو بیت المقدس کے مشرقی جانب تھا۔ یا گھر میں لوگوں سے الگ تھلگ ہو گئیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اپنے گھر کے مشرقی کونے میں غسل حیض کیلئے بیٹھیں۔

۱۷: فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا (انہوں نے گھر والوں سے پردہ ڈال لیا) یعنی انہوں نے اپنے اور گھر والوں کے درمیان اسلئے پردہ لٹکایا تاکہ اس پردے کے پیچھے غسل کر سکیں۔ فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا (پس ہم نے بھیجا ان کے پاس جبرئیل امین کو) روحنا کی اضافت تشریف کیلئے ہے اور ان کو روح اسلئے کہا جاتا ہے کیونکہ دین ان سے زندہ ہے وہ اس کی وحی لاتے رہے ہیں۔ فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (پس ان کے سامنے پورا آدمی بن کر ظاہر ہوئے) یعنی جبرئیل ایک نوجوان آدمی کی صورت میں ان کے سامنے آئے جن کا چہرہ چمک رہا تھا۔ بال گھنگریالے اور مونچھ پھوٹ رہی تھی۔ سَوِيًّا کا معنی اعضاء و جوارح کے بالکل درست تھے۔ جبرئیل صورت انسانی میں ان کے سامنے اسلئے آئے تاکہ ان کی کلام سے وہ مانوس ہوں اور متنفر نہ ہوں اگر وہ ان کے سامنے صورت ملکیہ میں آتے تو وہ نفرت کرتیں اور انکا کلام سننے کی قدرت نہ پاتیں۔

ندی کا جاری ہونا:

قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا (تیرے رب نے تیرے پائیں سے ایک نہر پیدا کر دی) تحت سے قرب مراد ہے۔ نمبر ۱۔ تیرے حکم کے ماتحت کر دی اگر تو حکم دے گی چلے گی اور روکے گی تو ٹھہر جائے گی۔ السری، چھوٹی نہر عند الجمہور۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سری کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا ھو الجدول [رواہ الطبرانی فی الصغیر] حضرت حسن کہتے ہیں السری کا معنی سردار مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ روایت میں ہے کہ خالد بن صفوان نے ان کو کہا عرب تو جدول کو سری کہتے ہیں تو حسن نے کہا تو نے سچ کہا اور خالد کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔

۲۵: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام یا جبرئیل علیہ السلام نے اپنی ایڑی زمین پر ماری جس سے میٹھے پانی کا چشمہ ابل پڑا خشک نہر جاری ہو گئی۔ اس سے کھجور سرسبز ہو گئی۔ اور پھل آ گیا اور پھل پک کر تیار ہو گیا۔ اس پر مریم کو کہا گیا۔ وَهُزِّي (تو حرکت دے) إِلَيْكِ (اپنی طرف) بِجِذْعِ النَّخْلَةِ کھجور کے تنے کو (ابوعلی کا قول با زائدہ ہے ای ھزی جذع النخلۃ۔ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ (وہ تیرے اوپر تازہ کھجوریں گرائے گا)۔

قراءت: اول تا کو دوسری میں ادغام کر دیا۔ کلی، شامی، مدنی، ابو عمرو علی، ابو بکر کے ہاں اسی طرح ہے۔ یہ اصل میں تتساقط ہے۔ تَسَاقَطْ تا و قاف کے فتح کے ساتھ، دوسری تا کو گرا دیا سین میں تخفیف سے حمزہ نے پڑھا اور یساقط یا کا فتح و قاف کا فتح و سین مشدد۔ یہ یعقوب، سہل، حماد، نصیر نے پڑھا۔ تُسَاقِطْ مفاعلہ سے حفص نے پڑھا۔ اور تسقط، یسقط و تسقط و یسقط تا النخلۃ کی وجہ سے اور یا الجذع کیلئے یہ کل نو قراءتیں ہیں۔

رُطَبًا جَنِيًّا یہ نمبر ا۔ مفعول بہ ہے قراءت کے مطابق جنیا تازہ۔ لوگوں نے کہا زمانہ قدیم میں نفاس والی عورتوں کو کھجور دیتے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے نفاس کیلئے کھجور سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ اور مریض کیلئے شہد سے بہتر کوئی شئی نہیں۔

ہدایات:

۲۶: فَكُلِي (پس تو کھا) اس چنی ہوئی کھجوروں میں سے۔ وَاشْرَبِي (اور نہر کا پانی پی) وَقَرِّي عَيْنًا (اور تو اپنی آنکھیں دودھ پیتے بچے سے ٹھنڈی کر) کہا گیا یہ تیرے ہے۔ تو عیسیٰ سے اپنے نفس کو خوش کر اور غم والی چیز اپنے سے دور رکھ۔ فَإِمَّا اس کی اصل اِن ما ہے اِن شرطیہ کو ما سے ملا کر اس میں ادغام کر دیا۔ تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا (پس اگر تو کسی آدمی کو دیکھے تو اس سے کہہ دینا کہ میں نے آج اللہ کیلئے خاموش رہنے کی نذر مانی ہے) یعنی اگر تو کسی آدمی کو دیکھ پائے اور وہ تجھ سے تمہارا حال دریافت کرے تو تو خاموش رہ اور کلام سے اپنے کو روک کر رکھ جیسے کہ کھانے پینے کا روزہ رکھتے ہیں۔ نمبر ۲۔ یہ حقیقتاً روزہ تھا۔ ان کے روزے میں خاموشی تھی اور خاموشی کا التزام روزے کا التزام تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی کے روزے سے منع فرمایا کیونکہ یہ ہماری شریعت میں منسوخ ٹھہرا۔ حضرت مریم کو خاموشی کی نذر ماننے کا حکم تھا۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی گفتگو ان کی براءت کیلئے کافی تھی۔ اور دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ احمق لوگ جدال پر نہ اتر آئیں۔

نکتہ لطیفہ: اس میں یہ بتلایا کہ بیوقوف کی بات سے خاموشی لازم ہے جب اعراض (کے ذریعہ) سے روکا جائے اور اس کی توہین کا اکرام کر

ہزار برس کا فاصلہ ہے اور یہ اسی طرح ہے جیسے کہتے ہیں یا اخا ہمدان یعنی ان میں سے ایک۔ نمبر۲۔ کوئی نیک آدمی یا نمبر۳۔ ان کے زمانے میں بدترین آدمی اس کے ساتھ مریم کو تشبیہ بھلائی میں دی۔ نمبر۵۔ یہ مذکورہ مریم کا کوئی نیک بھائی تھے۔

مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ (اور تمہارا باپ برا آدمی نہ تھا) ابوک سے عمران مراد ہیں۔ امرا سوء کا مطلب زنا کار۔
وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا (اور نہ تیری ماں زنا کار تھی) بغیا زانیہ کو کہتے ہیں۔

اشارہ مریم:

۲۹: فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ (پس مریم نے اس کی طرف اشارہ کیا) یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی طرف کہ وہ ان کو جواب دیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی والدہ کو کہا لا تحزنی واحیلی بالجواب علی۔ تم غم نہ کرو اور ان کا جواب دینا میرے حوالہ کرو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے ان کو یہ حکم دیا۔ جب اشارہ کیا تو وہ سب ناراض ہو گئے اور متعجب ہوئے اور قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ (کہنے لگے ہم اس سے کیسے بات کریں جو ہے) گود کا بچہ اور موجود ہے۔ فِي الْمَهْدِ گہوارے میں صَبِيًّا اس حال میں کہ وہ بچہ ہے۔ صبیا یہ حال ہے۔

معجزانہ خطاب عیسیٰ علیہ السلام:

۳۰: قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ (کہا بے شک میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں) جب مریم نے اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنی بولنے والی زبان کو روک لیا تو اللہ تعالیٰ نے خاموش زبان کو اس کے لئے قوت گویائی سے نواز دیا۔ جس نے سب سے قبل اپنی عبودیت کا اعتراف کیا اس وقت ان کی عمر چالیس راتوں کی تھی۔ دوسرا قول ایک دن کی عمر تھی۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنی انگشت شہادت سے اشارہ کیا اور بلند آواز سے کہا بیشک میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ اس میں نصاریٰ کے قول (ابن اللہ) کی تردید ہے۔

اٰتٰنِىَ الْكِتٰبَ (اور وہ مجھے کتاب دے گا) کتاب سے انجیل مراد ہے۔ وَجَعَلَنِىْ نَبِيًّا (اور اس نے مجھے نبوت سے نوازا) حسن بصری سے روایت ہے کہ وہ گہوارے میں نبی تھے اور ان کا کلام معجزہ نبوت تھی۔ نمبر۲۔ اس کا معنی یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں تقدیر الٰہی میں طے شدہ ہیں نمبر۳۔ مستقبل کے واقع ہونے کی بناء پر اس طرح ذکر کیا گویا کہ وہ موجود ہے۔

۳۱: وَّجَعَلَنِىْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ (اور مجھے برکت والا بنایا جہاں بھی ہوں) مبارکا کا معنی فائدہ پہنچانے والا جہاں بھی ہوں۔ نمبر۲۔ خیر کا معلم۔ وَاَوْصٰنِىْ (اور مجھے حکم دیا) بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ (نماز اور زکوٰۃ کا) اگر میں مال کا مالک ہوا۔ نمبر۲۔ زکوٰۃ سے صدقۃ الفطر مراد ہے۔ نمبر۳۔ تطہیر بدن مراد ہے۔

ایک احتمال یہ ہے اوصانی بان امرکم بالصلاۃ والزکوۃ کہ مجھے اس نے تمہیں نماز و زکوٰۃ کی وصیت کرنے کا حکم دیا۔
مَا دُمْتُ حَيًّا زندگی بھر۔

نحو: حیا ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای مدۃ حیاتی ساری زندگی۔

۳۲: وَّبَرًّا بِوَالِدَتِىْ (اور اس نے مجھے اپنی والدہ کا فرمانبردار بنایا)

نحو: اس کا عطف مبارکا پر ہے کہ اس کے ساتھ نیکی کرنے والا اس کی تکریم و تعظیم کرنے والا۔

۳۴: ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ (یہ عیسیٰ ابن مریم ہے)۔

نحو: ذلک مبتدا عیسیٰ خبر اور ابن مریم خبر کی صفت ہے۔ یا نمبر ۲۔ دوسری خبر ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے ذلک الذی قال انی عبداللّٰہ و کذا و کذا عیسی بن مریم لا کما قالت النصاری انہ اللّٰہ او ابن اللّٰہ۔ یعنی جس نے انی عبداللّٰہ الخ کہا عیسیٰ ابن مریم ہے۔ وہ نہیں جو نصاریٰ نے کہا۔ معبود یا ابن اللہ ہے۔

قَوْلَ الْحَقِّ (سچی بات) اللہ تعالیٰ کا کلمہ۔ القول کلمہ کو کہتے ہیں اور الحق اللہ تعالیٰ کی ذات نمبر ۲۔ ان کو کلمۃ اللہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن سے بلا واسطہ باپ کے پیدا ہوا۔

نحو: یہ مرفوع اس لئے ہے کہ دوسری خبر ہے۔ نمبر ۲۔ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ نمبر ۳۔ بدل ہے۔ نصب کو شامی و عاصم نے بطور مدح کے اختیار کیا ہے۔

الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ (جس کے متعلق لوگ شک میں پڑے ہیں) المریہ سے یمترون بنا ہے جس کا معنی شک آتا ہے۔ نمبر ۲۔ المراء سے لیں تو اختلاف کرنا معنی ہوگا۔ یہود نے تو ساحر کذاب کہا اور نصاریٰ نے ابن اللہ اور ثالث ثلاثہ کہا۔

۳۵: مَا كَانَ لِلّٰهِ (اللہ تعالیٰ کیلئے یہ زیبا نہیں) مناسب نہیں اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ کہ وہ بیٹا بنائے۔

نحو: یہاں مِنْ تاکید نفی کیلئے لایا گیا ہے۔

سُبْحٰنَهٗ (وہ پاک ہے) بیٹا بنانے سے اس کی ذات کو منزہ قرار دیا گیا۔ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (جب وہ کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کو کہتا ہے ہو جا۔ پس وہ ہو جاتا ہے)

قراءت: شامی نے نصب سے پڑھا۔ یعنی کما قال لعیسی کن فکان من غیر اب جو بھی عیسیٰ کو کن کہا وہ بلا باپ بن گیا اور جو اس صفت سے متصف ہو وہ اس بات سے منزہ ہے کہ وہ حیوان والد کے مشابہ ہو۔

۳۶: وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ (اور بیشک اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا رب ہے پس تم اسی کی عبادت کرو)۔

قراءت: شامی اور کوفی نے ابتداء کی وجہ سے مکسور پڑھا اس صورت میں یہ عیسیٰ علیہ السلام کے کلام میں سے ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے کما انا عبدہ فانتم عبیدہ و علی و علیکم ان نعبدہ جس طرح میں اس کا بندہ ہوں تم بھی اس کے بندے ہو اور مجھ پر اور تم پر اس کی عبادت لازم ہے۔ نمبر ۲۔ جنہوں نے فتح دیا انہوں نے الصَّلٰوۃ پر عطف کیا تقدیر عبارت یہ ہے او صانی بالصلاۃ و بالزکاۃ و بان اللّٰہ ربی و ربکم فاعبدوہ۔ اس نے نماز و زکوۃ کی وصیت فرمائی اور اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا رب ہے اس کی عبادت کرو۔ هٰذَا (یہ) جس کا میں نے تذکرہ کیا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (سیدھا راستہ) پس اسی کی تم عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

احزاب کا مراد:

۳۷: فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ (پس پھر بھی مختلف گروہوں نے باہم اختلاف ڈالا) الحزب وہ فرقہ جو دوسروں سے رائے میں منفرد ہو یہ تین فرقے ہیں نمبر ۱۔ نسطوریہ نمبر ۲۔ یعقوبیہ نمبر ۳۔ ملکانیہ۔

مِنْۢ بَیْنِهِمْ (اپنے مابین) عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کے مابین نمبر ۲۔ اپنی قوم کے درمیان نمبر ۳۔ لوگوں کے درمیان۔ اور وہ اس طرح ہے کہ نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق رفع کے وقت اختلاف کیا پھر انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ تین کے قول کی طرف رجوع کریں یہ ان کے زمانہ میں سب سے زیادہ علم والے تھے۔ ان کے نام یعقوب نسطور ملکا تھے۔

نمبر ۱۔ یعقوب کا قول وہ یہ ہے اللہ تعالیٰ ہے جو زمین پر اتر آیا۔ پھر آسمان کی طرف چڑھ گیا نمبر ۲۔ نسطور نے کہا وہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح چاہا اس کو ظاہر کر دیا پھر اس کو اٹھا لیا۔ نمبر ۳۔ ملکا نے کہا ان دونوں نے جھوٹ بولا ہے۔ وہ مخلوق بندے نبی تھے اب ان میں سے ہر ایک کی اتباع ایک گروہ نے کی۔

فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا (پس کافروں کیلئے بڑی خرابی ہے) کافروں سے یہ گروہ مراد ہیں کیونکہ ان میں سے ایک حق پر تھا۔ مِنْ مَّشْهَدِ یَوْمٍ عَظِیْمٍ (ایک بڑے دن کی حاضری سے) یوم عظیم سے قیامت کا دن مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ قیامت کے دن حساب و جزاء کے لئے حاضر ہوں گے۔ نمبر ۲۔ وہ دن ان پر شہادت دے گا۔ انبیاء اور ملائکہ اور خود ان کے جوارح ان کے متعلق کفر کی گواہی دیں گے۔ نمبر ۳۔ مکان شہادت سے ان کے لئے خرابی ہے۔ نمبر ۴۔ وقت شہادت مراد ہے۔ نمبر ۵۔ مشورہ کیلئے ان کے اجتماع کا دن مراد ہے۔ اس کو یوم عظیم قرار دیا اس لئے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ وہ ملاحظہ کریں گے اس سے وہ گھبرا جائیں گے۔

۳۸: اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ یَوْمَ یَاْتُوْنَنَا (کس قدر زیادہ سننے اور دیکھنے والے ہوں گے جس دن یہ ہمارے پاس آئیں گے)

جمہور کی رائے:

کہ اَسْمِعْ وَ اَبْصِرْ صیغہ ہائے امر ہیں مگر معنی تعجب دے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ تعجب سے پاک ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک مراد یہ ہے کہ ان کا سننا اور دیکھنا اس لائق ہے کہ اس پر تعجب کیا جائے اس کے بعد کہ یہ دنیا میں اندھے بہرے تھے۔

قول قتادہ رحمہ اللہ:

جبکہ وہ دنیا میں حق سے اندھے اور بہرے رہے پس ایسے دن ان کے سننے اور ہدایت کے راستہ کو دیکھنے کا کیا فائدہ جبکہ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔

بِهِمْ یہ فاعلیت کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے جیسے اکرم بزید اس کا معنی کرم زید جدا۔

لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْیَوْمَ (لیکن ظالم آج کے دن) یہاں ظاہر کو ضمیر کی بجائے لایا گیا۔ ای لکنهم الیوم فی الدنیا ظلموا انفسهم حیث ترکوا الاستماع والنظر حین یجدی علیهم ووضعوا العبادة فی غیر موضعها۔ لیکن وہ آج کے دن انہوں نے اپنے نفوس پر اس طرح ظلم کیا کہ حق کو سننا چھوڑ دیا اور حق کے راستے کی طرف دیکھنا چھوڑ دیا۔ جبکہ ان کو حق کا فائدہ تھا اور انہوں نے عبادت کو اس کے غیر مقام پر رکھا۔

فِیْ ضَلٰلٍ (یہ حق سے گمراہی میں ہیں)۔ مُّبِیْنٍ (ظاہر)۔ کھلی اور وہ اپنا یہ عقیدہ کہ عیسیٰ الٰہ و معبود ہے حالانکہ اس میں حدوث کے آثار ظاہر ہیں۔ اس سے بڑا ظلم اور کوئی نہیں۔

یومِ حسرت:

۳۹: وَاَنْذِرْهُمْ (اور ان کو ڈرائیں) يَوْمَ الْحَسْرَةِ (حسرت کے دن سے) اس سے قیامت کا دن مراد ہے کیونکہ اس دن گزشتہ پر شرمندگی ہوگی۔ حدیث میں وارد ہے یہ حسرت اس وقت ہوگی جب وہ اپنے مقامات جنت میں دیکھیں گے اگر وہ ایمان لے آتے۔ اِذْ یہ یَوْمَ الْحَسْرَةِ سے بدل ہے۔ نمبر۲۔ حسرت کا ظرف ہے اور وہ مصدر ہے۔ قُضِیَ الْاَمْرُ (جبکہ معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے گا)۔ جب حساب سے فارغ ہو جائیں گے اور اہل جنت جنت اور اہل جہنم جہنم کی طرف لوٹ جائیں گے۔

وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ (اور وہ لوگ غفلت میں پڑے ہیں) یہاں دنیا میں غافل ہیں اسی لئے وہ اس مقام کیلئے اہتمام نہیں کرتے۔ وَّهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ (اور وہ ایمان نہیں لاتے) اور تصدیق نہیں کرتے (تمہارے رسول کی)

نحو: پہلا هُمْ اور دوسرا هُمْ یہ دونوں حال ہیں۔ یعنی آپ ان کو ڈرائیں اس حالت میں کہ وہ غافل ہیں اور ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

۴۰: اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَیْهَا (بیشک ہم ہی زمین اور جو کچھ اس پر ہے اس کے وارث ہونگے) ملک و بقاء میں ہم منفرد ہوں گے جبکہ ہر چیز پر ہلاکت و فناء عام ہوگی۔ مَنْ کو عقلاء کی تغلیب کیلئے ذکر کیا۔ وَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ (اور ہماری طرف ان کو لوٹایا جائے گا)

قراءت: یُرْجَعُوْن یاء کے ضمہ اور جیم کے فتحہ کے ساتھ البتہ یاء کے فتحہ سے یعقوب نے پڑھا ہے۔ یعنی وہ لوٹیں گے اور پورا پورا ان کو بدلہ دیا جائے گا۔

والے کو اس کے اصرار پر متنبہ کیا جاتا ہے اور اس کے افراط اور انتہا پسندی کے متعلق اس کو خبردار کیا جاتا ہے کیونکہ جو شخص مخلوق میں سب سے زیادہ سمجھ والے یعنی انبیاءؑ کی عبادت میں لگے۔ اس پر کھلی گمراہی کا حکم لگایا جائے گا۔ تو وہ کیونکر گمراہ نہ ہوگا۔ جو درخت، پتھر کی پوجا کرتا ہو۔ جو کہ اپنے عابد کے عذر کو سنتے ہیں اور نہ ہی اس کی کیفیت عبادت سے واقف ہیں۔ اور نہ اس سے بلا و مصیبت کو دور کرنے کی ان میں طاقت ہے اور نہ اس کی وہ حاجت روائی کر سکتے ہیں۔

نمبر ۲۔ پھر دوسرے مرحلہ میں نرمی کے ساتھ اس کو حق کی طرف دعوت دی اور خوش خلقی کا مظاہرہ کیا اس لئے والد کو جہل مفرط میں مبتلا اور نہ اپنے آپ کو علم فائق والا قرار دیا۔ البتہ یہ کہا کہ میرے ساتھ ایسا علم ہے جو تیرے ساتھ نہیں اور علم والا درست راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ پس اس طرح خیال کرو کہ میں اور تم دونوں ایک راہ پر ہیں اور میرے پاس ہدایت کی معرفت موجود ہے جو تمہارے پاس نہیں ہے۔ پس تم میرے ساتھ چلے آؤ میں تمہیں راستہ بھولنے اور حیرانی میں مبتلا ہونے سے بچا لوں گا۔

تیسرے مرحلہ میں ان کو اس بات سے روکا۔ جس میں وہ مبتلا تھا۔ کہ وہ شیطان جو رحمان کا سب سے بڑا نافرمان ہے اس نے تمہیں بتوں کی عبادت میں مبتلا کر رکھا ہے اور اس کو مزین کر کے تمہارے سامنے پیش کیا ہے۔ حقیقت میں تو شیطان کی عبادت کر رہا ہے۔ حالانکہ رحمان نے تمام نعمتیں تجھے بخشی ہیں۔

نمبر ۴۔ پھر چوتھے مرحلہ میں برے انجام سے اس کو ڈرایا۔ کہ جس کی وہ جرأت کر رہا ہے اس میں کیا وبال و نقصان ہے۔ مگر ان تمام مراحل میں ادب کی رعایت کرتے ہوئے یہ تصریح نہیں کی کہ عذاب اس کو پہنچنے والا ہے۔ اور عذاب اس کو چمٹنے والا ہے۔ بلکہ کہا اخاف ان یمسک عذاب۔ عذاب کو نکرہ لائے جو تقلیل کو ظاہر کرتا ہے گویا اس طرح کہا انی اخاف ان یمسک قلیل من عذاب الرحمان۔ مجھے خطرہ ہے کہ تمہیں رحمان کا تھوڑا سا عذاب چھو لے گا۔ اور شیطان کی دوستی اور اس کے ساتھی اور معاونین میں داخلے کو عذاب سے بڑا قرار دیا جس طرح کہ اللہ کی رضامندی ثواب میں سب سے بڑھ کر ہے اور ہر نصیحت کو یا ابت کے قول سے شروع کیا جس سے ان کے ساتھ اپنے تعلق اور مہربانی اور والد کے احترام کے لازم ہونے کو ظاہر کرنا مقصود ہے اگرچہ وہ باپ کافر ہی کیوں نہ ہو۔

(۴۶) قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ بطور توبیخ کے (آزر نے کہا اے ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے نفرت کرتا ہے) یعنی کیا تو ان کی عبادت سے اعراض کرتا ہے والد نے اس کا نام لیکر کہا یا بنی کے مقابلے میں یا بنی نہیں کہا اور خبر کو مبتدا سے پہلے ذکر کیا کیونکہ وہ اس کے ہاں زیادہ اہم چیز تھی۔

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ (اگر تو باز نہ آیا) یعنی بتوں کو نا پسند کہنے سے لَاَرْجُمَنَّكَ (میں تجھے پتھر ماروں گا) میں تمہیں پتھروں سے ختم کر دوں گا یا پتھروں سے میں تجھے مارتا رہوں گا یہاں تک کہ تو مجھ سے دور ہٹ جائے یا میں تمہیں ضرور برا بھلا کہوں گا۔ وَاهْجُرْنِیْ (اور تو مجھے چھوڑ دے) اس کا محذوف پر عطف ہے جس پر لَاَرْجُمَنَّكَ دلالت کر رہا ہے تقدیر عبارت یہ ہے فاحذرنی واهجرنی (تو مجھ سے بچ اور مجھے چھوڑ دے) مَلِیًّا (ایک زمانہ) یہ ظرف ہے یہ ملاوۃ سے ہے اس کا معنی طویل زمانہ ہے۔

رہے اگرچہ اس کے ساتھ کتاب نہ ہو جیسے یوشع بن نون۔

۵۲: وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ (اور ہم نے اس کو طور کے ایک جانب سے آواز دی) یعنی اس کو دعوت دی اور جمعہ کی رات ہم نے اس سے کلام کی۔ الطور یہ مدین اور مصر کے مابین پہاڑ ہے۔ الایمن دائیں یہ یمین سے ہے یعنی اس کی دائیں جانب سے۔

جمہور کے نزدیک اس سے مراد موسیٰ علیہ السلام کی دائیں جانب ہے کیونکہ پہاڑ کا دایاں بایاں ہوتا نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب وہ مدین سے مصر کی طرف آرہے تھے تو درخت سے آواز دی گئی اور وہ درخت پہاڑ کے ایک جانب میں جو موسیٰ علیہ السلام کی دائیں طرف تھی۔ وَقَرَّبْنٰهُ (اور ہم نے ان کو قریب کیا) مرتبہ کے اعتبار سے قریب مراد ہے جگہ و مکان کے اعتبار سے نہیں۔ نَجِيًّا مناجات کیلئے۔

نحو: نجیا یہ حال ہے یعنی اس حال میں کہ وہ مناجات کرنے والے تھے۔ اس کی دوسری نظیر ندیم بمعنی منادم ہے۔

۵۳: وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ (اور ہم نے ان کو اپنی رحمت سے عطا کیا) من اجلیہ ہے اپنی رحمت کے سبب سے اور اپنی مہربانیوں کی وجہ سے اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا (اس کے بھائی ہارون کو نبوت)

نحو: اخاہ مفعول اور ھارون اس کا بدل اور نبیا حال ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے ووھبنالہ نبوۃ اخیہ ہم نے اس کو ان کے بھائی ہارون کی نبوت عطا کر دی ورنہ ہارون تو ان سے عمر میں بڑے تھے۔ ان کے عطا کا کوئی معنی نہیں۔

اسماعیل علیہ السلام کی صفات کا تذکرہ

۵۴: وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ (اور کتاب میں تذکرہ کریں اسماعیل کا) صحیح قول کے مطابق یہ ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ (بیشک وہ وعدے کے سچے تھے) انہوں نے ایک آدمی سے وعدہ کیا کہ وہ اسی جگہ اس کے آنے تک ٹھہرے رہیں۔ ایک سال تک اسی جگہ اس کا انتظار کیا یہاں تک کہ وہ واپس لوٹا۔ یہ روایت صحت کے لحاظ سے واللہ اعلم کیسی ہے۔ وعدہ وفائی کی یہ کافی ہے کہ انہوں نے ذبح پر صبر کا قول دیا تھا جو پورا کر دیا۔ (ستجدنی انشاء اللہ من الصابرین)۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے رب سے جو وعدہ کیا وہ پورا کر دیا۔ صدق وعدہ کو ان کی خصوصی صفت بطور تشریف کے ذکر کیا ورنہ تو تمام انبیاء علیہم السلام ہی سچے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ اس صفت سے معروف و مشہور تھے۔ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا (وہ رسول نبی تھے) بنو جرہم کی طرف رسول تھے۔ نسائی نے کہا وہ نبی تھے۔

۵۵: وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ (وہ اپنے اہل کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم کرتے تھے) اھلہ سے ان کی امت مراد ہے کیونکہ پیغمبر امت کا باپ ہوتا ہے اور امت والے اس کے اہل بیت ہوتے ہیں۔ اس میں دلیل ہے کہ وہ دوسروں کے متعلق مداومت کرنے والے تھے۔ صلوٰۃ و زکوٰۃ کو خصوصیت سے ذکر کیا کیونکہ یہ دونوں عبادتیں تمام عبادات بدنیہ و مالیہ کی بنیاد ہیں۔ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا (وہ اپنے رب کے ہاں پسندیدہ تھے)

قراءت: مرضیا کو مرضوا اصل کی بنیاد پر پڑھا گیا۔

۵۶: وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ (اور کتاب میں ادریس کا تذکرہ کرو) انہیں کا نام اخنوخ تھا۔ آدم علیہ السلام کے بعد پہلے رسول ہیں اور پہلے شخص ہیں جنہوں نے قلم سے لکھا اور لباس کو سیا۔ یہ علم نجوم اور حساب میں گہری نظر رکھتے تھے آپ نے سب سے پہلے ترازو اور ماپ کے آلات اور اسلحہ ایجاد کیا اور قابیل کی اولاد سے قتال کیا۔

ایک تحقیق:

بعض لوگوں نے ان کے متعلق یہ بات کہی ہے کہ ان کو ادریس اسلئے کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب اللہ کے بہت زیادہ پڑھنے والے تھے یہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ اگر یہ افعیل کے وزن پر درس کے لفظ سے لیا جائے تو اس میں ایک ہی سبب بنتا ہے۔ اور وہ علمیت ہے اور یہ منصرف بنے گا حالانکہ اس کا غیر منصرف ہونا معروف ہے اور عجمہ ہونے کی دلیل ہے پس الدرس سے مشتق ہونے کا کوئی معنی ہی نہیں۔ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا (بیشک وہ صدیق نبی تھے) ان پر اللہ تعالیٰ نے تیس صحیفے اتارے۔

مراد رفع:

۵۷: وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا (اور ان کو ہم نے بلند کیا اونچے مکان پر) مکان سے مراد یہاں شرف نبوت اور اللہ کے ہاں مرتبہ ہے بعض نے کہا کہ رفع مکانی سے مراد چوتھا آسمان کی طرف اٹھانا ہے اور فرشتے ان کو اٹھا کر لے گئے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات ان کو دیکھا۔

حضرت حسن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ رفع سے مراد جنت کی طرف اٹھانا ہے کیونکہ کوئی چیز جنت سے افضل نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کثرت عبادت کی وجہ سے یہ ملائکہ کے محبوب بن گئے انہوں نے موت کے فرشتے کو کہا کہ مجھے موت چکھاؤ تاکہ وہ مجھ پر آسان ہو جائے اس نے ایسا کیا پھر اللہ کے حکم سے وہ دوبارہ زندہ کئے گئے پھر اس کو کہا کہ مجھے آگ میں داخل کر دو تاکہ اللہ کا ڈر زیادہ ہو جائے اس نے ایسا کر دیا پھر کہا مجھے جنت میں داخل کر دو تاکہ اس کی رغبت بڑھ جائے اس نے اسی طرح کر دیا پھر اس نے کہا تم جنت سے نکلو ادریس کہنے لگے میں نے موت کو چکھا اور میں آگ میں وارد ہوا اب میں جنت سے نہیں نکلوں گا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس نے میرے حکم سے ایسا کیا اور میرے اذن سے وہ داخل ہوا پس اس کو چھوڑ دو۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ

یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء میں سے جو آدم کی نسل سے ہیں اور ان لوگوں کی نسل سے ہیں جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ

نُوْحٍ ۙ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۙ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى

سوار کیا اور ابراہیم اور اسرائیل کی نسل سے ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت دی اور منتخب کیا۔ جب ان پر رحمٰن کی آیات

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۩ ﴿۵۸﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا

تلاوت کی جاتی ہیں تو سجدہ کرتے اور روتے ہوئے گر جاتے تھے۔ پھر ان کے بعد ایسے ناخلف آگئے جنہوں نے نماز کو

الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَ

ضائع کر دیا اور خواہشوں کے پیچھے لگ گئے سو یہ لوگ عنقریب خرابی دیکھیں گے۔ سوائے اس شخص کے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور

عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿۶۰﴾ جَنّٰتِ عَدْنِ

نیک عمل کیے سو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا سا بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ یہ جنت ہمیشہ رہنے کے باغوں کی شکل میں ہوگی

الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿۶۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ

جن کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ فرمایا ہے بلاشبہ اس کا وعدہ وقت پر آنے والا ہے۔ وہ اس میں سلام کے سوا کوئی

فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ۭ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ

لغو بات نہیں سنیں گے اور ان کا رزق ان کے لیے صبح شام ہوگا۔ یہ جنت ہے

الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾

جس کا ہم اپنے بندوں میں سے اسے وارث بنائیں گے جو ڈرنے والا ہو۔

انبیاء کی جماعت کا ذکر:

۵۸: اُولٰٓئِكَ (یہ) اُولٰٓئِكَ اسم اشارہ ہے حضرت زکریا سے لے کر ادریس علیہ السلام تک جو مذکور ہیں ان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ (وہ لوگ جن پر اللہ نے انعام کیا یعنی انبیاء علیہم السلام میں سے) یہ مِن بیانیہ ہے کیونکہ تمام انبیاء انعام یافتہ ہیں۔ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ (آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے) یہ مِن تبعیض کیلئے ہے اور ادریس علیہ السلام

آدم علیہ السلام کے قریب تھے۔ ان کی اولاد میں سے تھے یہ نوح علیہ السلام کے والد کے دادا لگتے تھے۔

وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ (اور ان میں سے جن کو ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ سوار کیا) ابراہیم علیہ السلام نوح علیہ السلام کی اس اولاد میں سے ہیں جن کو نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا گیا کیونکہ وہ سام بن نوح کی اولاد میں سے ہیں۔ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ (اور ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے) اس سے اسماعیل، اسحاق اور یعقوب مراد ہیں۔ وَإِسْرَائِيلَ یعنی (اسرائیل کی اولاد میں سے) مراد اس سے یعقوب علیہ السلام ہیں موسیٰ، ہارون، زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ ہیں کیونکہ مریم ان کی اولاد میں سے تھیں۔ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا (اور ان میں سے جن کو ہم نے ہدایت دی) اس کا عطف پہلے مِنْ پر ہے اور وہ مراد مِن پر ہے۔ هَدَيْنَا سے مراد ہم نے ان کی راہنمائی اسلام کے محاسن کی طرف کر دی۔

وَاجْتَبَيْنَا (اور ہم نے ان کو چن لیا) یعنی لوگوں میں سے شریعت کی وضاحت اور حقیقت کو کھولنے کیلئے۔ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ (جب ان کے سامنے رحمان کی آیات پڑھی جاتی تھیں) آیات الرحمان سے مراد اللہ کی ان پر اتاری جانے والی کتابیں۔

نحو: اگر الذین کو اولٰئک کی خبر بنایا جائے تو یہ جملہ مستانفہ ہے اور اگر اس کو اولٰئک کی صفت بنائیں تو پھر یہ خبر ہے۔

قراءت: قتیبہ نے یتلی پڑھا ہے کیونکہ فاصل موجود ہے اس کے باوجود کہ تانیث غیر حقیقی ہے۔ خَرُّوا سُجَّدًا (وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں) یعنی خشوع اور رقت کے ساتھ چہروں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔

وَبُكِيًّا (روتے ہوئے) سجدًا جمع ساجد کی ہے جیسے سجود اور قعود جمع ساجد اور قاعد کی ہے۔ بُکِیًّا کا معنی روتے ہوئے۔ حدیث میں ہے تم قرآن کی تلاوت کرو اور روؤ اگر تمہیں رونا نہ آئے تو تکلف رونے کی کیفیت بناؤ۔ (رواہ ابن ماجہ [illegible]) صالح مری کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں رسول اکرم ﷺ کے سامنے قرآن مجید پڑھا آپ نے مجھے فرمایا اے صالح یہ تو قراءت ہوئی رونا کہاں ہے۔

مسئلہ: سجدہ تلاوت میں سبحان ربی الاعلیٰ تین مرتبہ کہنا چاہیے۔

نالائق لوگ:

۵۹: فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ (پھر آئے ان کے بعد کچھ ایسے نالائق) ان فضیلت والے لوگوں کے بعد بری اولاد آئی۔ خَلَف یہ لام کے فتح کے ساتھ لائق اولاد کیلئے آتا ہے۔ اور جزم کے ساتھ نالائق کیلئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد یہود ہیں۔ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ (جنہوں نے نماز کو برباد کیا) یعنی فرض نماز کو چھوڑ دیا۔ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ (اور انہوں نے نفسانی خواہشات کی پیروی کی) شہوات سے مراد عورتوں کی محبت ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے مضبوط مکانات بنائے اور جس چیز کو دیکھا اس کے پیچھے پڑ گیا اور جس نے شہرت والا لباس پہنا۔ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں اس امت کے لوگ مراد ہیں۔

فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا (عنقریب یہ لوگ خرابی دیکھیں گے) یعنی گمراہی کی سزا پائیں گے اہل عرب کے ہاں ہر شر غی

دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ پس یہ آیت نازل ہوئی۔

وَيَقُولُ الْإِنسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا (کیا انسان یوں کہتا ہے کہ جب میں مرجاؤں گا تو کیا پھر زندہ کر کے نکالا جاؤں گا)

نحو: اذا میں عامل دلالت کلام کے مطابق البعث ہے تقدیر کلام یہ ہے: اِذَا مِتُّ اُبعث اس کو اُخرج کی وجہ سے منصوب قرار دینا درست نہیں کیونکہ لام ابتدائیہ کا مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا اس طرح نہیں کہا جاسکتا الیوم لزید قائم۔ مضارع پر جو لام ابتدائی داخل ہوتی ہے وہ حال کا معنی دیتی ہے اور مضمون جملہ کی تاکید کرتی ہے۔ اب جب حرف استقبال آگیا تو خالص تاکید کا فائدہ اس سے حاصل ہوا اور حال کا معنی معدوم ہوگیا۔

ما۔ اذا ما میں تاکید کی گئی ہے گویا اس طرح کہا گیا احقا انا سنخرج من القبور احیاء حین یتمکن فینا الموت والهلاك۔ کیا یہ حق ہے کہ ہم قریب قبور سے زندہ کر کے نکالے جائیں گے جبکہ موت و ہلاکت ہم پر اچھے طور پر قابو پالے گی۔ اور یہ بطور استفہام و استبعاد ہے۔ ظرف کو مقدم کرنا اور پھر حرف انکار کے قریب لانا اسی قبیل سے ہے کہ موت کے بعد والے وقت میں زندگی کا ہونا انوکھی چیز ہے اور اسی سے ان کو انکار تھا۔

منکرین بعث کو جواب:

۶۷: اَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ (کیا یہ شخص اس بات کو نہیں سمجھتا کہ)

قراءت: شامی، نافع و عاصم نے الا یذکر سے قراءت کو تخفیف سے پڑھا ہے۔ اور باقی قراء نے ذال اور کاف کی تشدید سے پڑھا ہے اور اس کی اصل یتذکر ہے جیسا کہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے تاء کا ذال میں ادغام کر دیا۔ اس کا معنی اَوَلَا يَتَدَبَّرُ؟ (کیا وہ تدبر نہیں کرتے) واؤ عاطفہ ہے اور یقول پر اس کا عطف ہے۔ اور ہمزہ انکار معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان لائے ہیں۔ مطلب یہ ہے ایقول ذلك ولا یتذکر حال النشأة الاولى حتى لا ينكر النشأة الاخرى! کیا وہ یہ بات کہتے ہوئے پہلی پیدائش کا حال یاد نہیں کرتا تاکہ وہ دوسری کا انکار نہ کرتا؟ اول حالت خالق کی قدرت پر زیادہ دلالت کرنے والی ہے۔ اس طرح کہ اس نے جواہر و اعراض کو عدم سے وجود بخشا۔ اور دوسری حالت تو صرف اجزائے موجودہ کو جوڑ دینا اور تفریق کے بعد مجموعی شکل دینا ہے۔ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ (بیشک ہم نے اس کو اس سے قبل پیدا کیا) یعنی حالت سے پہلے جس میں وہ ہے اور وہ حالت بقاء ہے۔ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا (وہ کچھ بھی نہ تھا) اور یہ دلیل ہے کہ معدوم کوئی چیز نہیں۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ البتہ معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے۔

۶۸: فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ (پس قسم ہے آپ کے رب کی ہم ضرور ان کو جمع کریں گے) بعث کا انکار کرنے والے کفار کو وَالشَّيٰطِيْنَ (اور شیاطین کو) واؤ بمعنی مع ہے یا وہ عاطفہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے یحشرون مع قرنائهم من الشياطين الذين اغووهم۔ ان کو ان کے قرین شیاطین کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ وہ شیاطین جنہوں نے ان کو اغواء کیا ہر کافر کو شیطان کے ساتھ ایک زنجیر میں جکڑ دیا جائے گا۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف اپنی نسبت کر کے قسم اٹھائی ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کی طرف اشارہ ہے۔

ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا (پھر ہم ان کو جہنم کے اردگرد گھٹنوں کے بل حاضر کریں گے)۔

نحو: جثیا یہ حال ہے اور جاثٍ کی جمع ہے۔ زانو کے بل بیٹھنا اس کا وزن فعول ہے کیونکہ یہ اصل میں جثوو ہے جیسے سجود و ساجد ہے۔ کفار کو محشر سے جہنم کے کنارے کی طرف ان کی اسی حالت پر کھینچ کر لایا جائے گا۔ جس حالت میں وہ میدان حشر میں گھٹنوں کے بل تھے۔ قدموں پر نہ چلایا جائے گا۔

بڑے سرکش:

۶۹ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ (پھر ہم ہر گروہ میں سے ان لوگوں کو علیحدہ کریں گے) شیعہ وہ گروہ کو کہتے ہیں جس نے گمراہوں میں سے کسی گمراہ کی پیروی کی ہو۔ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا (جو ان میں سے سب سے زیادہ رحمان کی سرکشی کرتا تھا) جو زیادہ جرأت میں یا فجور و فسق میں۔ مطلب یہ ہے گمراہوں کے گروہوں میں سے پہلے سب سے زیادہ سرکش (سرغنے) گروہ کو ہم نکالیں گے اور پھر ان کے بعد جو بعد والے۔ جب وہ جمع ہو جائیں گے تو ہم ان کو بالترتیب آگ میں ڈالیں گے عذاب کے اولین حقداروں کو اور ان کے بعد والوں کو بعد میں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اشدھم عتیاً سے مراد ان کے سرغنہ کیونکہ ان کے جرائم دوگنا ہیں کیونکہ وہ خود نمبر ۱۔ گمراہ ہیں۔ نمبر ۲۔ گمراہ کرنے والے ہیں۔

نحو: سیبویہ کا قول ایھم مبنی علی الضم ہے کیونکہ صدر جملہ جو کہ اس کا صلہ تھا وہ ساقط ہو گیا اور وہ ھو من اشدھم ہے اگر اس کو لایا جاتا تو اس کا اعراب نصب والا ہوتا۔ ایک قول یہ ہے یہ اصل میں ایھم ھو اشد ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے صلہ موصول کی وضاحت اس طرح کرتا ہے جیسے کہ مضاف الیہ مضاف کی وضاحت کرتا ہے اور اس کی تخصیص کا فائدہ دیتا ہے پس جس طرح حذف مضاف الیہ من قبل میں مضاف کو لازماً مبنی بنا دیتا ہے۔ اسی طرح حذف صلہ سے بھی موصول کو مبنی بنانا چاہیے۔ یہ ام ایک چیز ہے جس کو وزن آنے اور جزا کی وجہ سے یہ محل منصوب ہے۔

خلیل سیبویہ کا قول:

ایھم معرب ہے اور مبتداء ہے اور اشد اس کی خبر ہے اس کو رفع حکایت کی بناء پر دیا گیا ہے۔ تقدیری عبارت یہ ہے لننزعن الذین یقال فیھم ایھم اشد علی الرحمٰن عتیاً۔ اور یہ بھی درست ہے کہ لننزعن کا کل شیعہ پر واقع ہونے والا ہو جیسا کہ اس ارشاد میں ووھبنا لھم من رحمتنا۔ [مریم: ۵۰] اس صورت میں کلام اس طرح ہے لننزعن بعض کل شیعۃ (ہم ہر گروہ کے بعض کو کھینچیں گے) گویا کوئی کہنے والا اس طرح کہہ رہا ہے۔ من ھم؟ وہ کون ہیں؟ تو جواب دیا ایھم اشد عتیا جو ان میں سے سرکشی میں سب سے بڑھ کر ہیں۔ اور علی یا افعل کے متعلق ہے۔ کلام اس طرح ہے عتوھم اشد علی الرحمٰن۔ ان کی سرکشی رحمان پر بہت ہی زیادہ ہے۔

۷۰ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا (پھر ہم خوب اچھی طرح جانتے ہیں ان لوگوں کو جو دوزخ میں داخلے کے سب سے

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۚ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا

اور تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو اس پر وارد نہ ہو، آپ کے رب کے ذمہ یہ لازمی ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے | پھر ہم ان لوگوں کو نجات دے دیں گے جو ڈرتے تھے

وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا

اور ظالموں کو اس میں ایسی حالت میں چھوڑ دیں گے کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔

زیادہ مستحق ہونے کا۔ بھا کی ضمیر نار کی طرف ہے۔ یعنی آگ کے زیادہ حقدار۔ صلیا تمیز ہے اور اس کا معنی داخلہ ہے۔ باء اولیٰ کے متعلق ہے (ثم یہاں تراخی زمانی کیلئے نہیں بلکہ تراخی مرتبہ کیلئے ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے ثم کان من الذین امنوا)۔

جہنم پر ورود:

۷۱: وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا (اور تم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر کہ اس نے دوزخ پر وارد ہونا ہے) وارد کا معنی یہاں داخل ہے اور ھا سے مراد نار ہے۔ جمہور اہل سنت کے نزدیک ورود کا معنی یہاں دخول ہے جیسا کہ یہ حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس لئے کہ دوسرے ارشاد میں فرمایا فاوردھم النار [ہود: ۹۸] اور ایک اور ارشاد میں ہے۔ لو کان ھؤلاء الھۃ ما وردوھا [الانبیاء: ۹۹] اور ایک اور ارشاد میں اسی طرح فرمایا ثم ننجی الذین اتقوا [مریم ۷۲] کیونکہ نجات کا تصور داخلے کے بعد ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی جس کو امام احمد نے روایت کیا الورود کا معنی دخول ہے۔ لا یبقی بر و لا فاجر الا دخلھا فتکون علی المومنین بردًا و سلاما کما کانت علی ابراھیم [رواہ احمد] دوسری روایت میں ہے کہ آگ مومن کو کہے گی جز یا مومن فان نورك اطفاء لھبی [رواہ الطبرانی] دوسرا قول یہ ہے کہ ورود دخول ہی کے معنی میں ہے لیکن یہ کفار کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ قراءت ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے وان منھم یعنی قراءت مشہورہ کو التفات پر محمول کیا جائے گا۔ اور ایک قول کے مطابق جو حضرت عبداللہ سے منقول ہے کہ ورود کا معنی حضور ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ولما ورد ماء مدین [القصص ۲۳] اور دوسرے ارشاد میں فرمایا اولئك عنھا مبعدون [الانبیاء ۱۰۱] تو عنھا میں ھا سے مراد جہنم ہے۔ مگر اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ھا سے مراد اس کا عذاب ہے۔

حضرت حسن رحمہ اللہ و قتادہ رحمہ اللہ کا قول:

کہ ورود یہاں مرور علی الصراط کے معنی میں ہے کیونکہ صراط جہنم کے اوپر بنا ہوا ہے پس اہل جنت اس سے بچے رہیں گے اور اہل نار اس میں گرتے جائیں گے۔

مجاہد کا قول:

یہ ہے کہ مومن کو تو آگ میں وارد ہونا اس پر ہوتا جس طرح دنیا میں بخار اس کے جسم میں چڑھ جاتا ہے جیسا کہ آپ علیہ

گیا تا کہ اس کے لازم ہونے کو واضح کر دیا جائے اور اس بات کو واضح کرنے کیلئے کہ یہ ہر صورت میں ہو کر رہے گا۔ جس طرح کہ مامور بہ انجام پذیر ہوتا ہے۔ تا کہ اس سے گمراہوں کی معذرتیں منقطع کی جاسکیں۔

حَتّٰی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ (یہاں تک کہ جب وہ دیکھ لیں گے اس چیز کو جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے) یہ جملہ خیرٌ مقامًا واحسن ندیًّا کے ساتھ متصل ہے اور ان کے درمیان جملہ معترضہ ہے مطلب یہ ہوا وہ یہ بات کہتے رہیں گے یہاں تک کہ وعدہ کئے ہوئے عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ اِمَّا الْعَذَابَ (خواہ عذاب کو) یعنی دنیا میں اور یہ مسلمانوں کو عذاب دینا ہے قتل اور قید کے ساتھ۔ وَاِمَّا السَّاعَةَ (یا قیامت) اور جو وہاں ان کو عذاب اور رسوائی ہوگی۔ یہ دونوں الساعۃ اور العذاب مایوعدون سے بدل ہیں۔ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضْعَفُ جُنْدًا (پس عنقریب وہ جان لیں گے مکان کے اعتبار سے کون برا ہے اور لشکر کے اعتبار سے کمزور کون ہے) جُنْد سے مراد یہاں حمایتی مددگار ہیں اس وقت ان کو معلوم ہوگا کہ معاملہ اس کے برعکس ہے جس کا انہوں نے اندازہ لگایا تھا اور بلاشبہ ان ہی کی بدترین ہے اور معاونین انہی کے کمزور تر ہیں نہ مکان میں کوئی خیر ہے۔ نہ مجلس میں حسن ہے اور یا اہل ایمان والے ان کے کہنے کے برخلاف حالت میں ہیں۔

(۲) یہ بھی جائز ہے کہ یہ قریب کے ساتھ متصل ہو اس صورت میں معنی یہ ہوگا بیشک جو لوگ گمراہی میں ہیں وہ گمراہی کے اندر دراز کر دیئے گئے ہیں۔ وہ اپنی گمراہی سے اس وقت تک باز نہ آئیں گے جب تک کہ اپنی آنکھوں سے ایمان والوں کیلئے اللہ کی نصرت کو نہ دیکھ لیں یا قیامت کا مشاہدہ نہ کرلیں اور حتی کے بعد جملوں کو بطور حکایت لایا جاتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ جملہ شرطیہ اس کے بعد آرہا ہے۔ اذا راوا ما یوعدون فسیعلمون (پس عنقریب وہ جان لیں گے)۔

۷۶. وَیَزِیْدُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اهْتَدَوْا هُدًی (اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کیلئے ہدایت کو بڑھا دیتا ہے جنہوں نے ہدایت پائی)

نحو: اس جملے کا عطف فلیمدد پر ہے کیونکہ یہ خبر کی جگہ واقع ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے من کان فی الضلالة مدًّا او یمدہ الرحمٰن ویزید فی ضلال الضُّلَّال بخذلانہ و یزید المهتدین ای المؤمنین هدٰی (جو کوئی گمراہی میں ہو اس کو گمراہی میں دراز کر دیا جاتا ہے یا رحمٰن اس کی گمراہی کو دراز کرتے اور بڑھاتے ہیں اور گمراہوں کی گمراہی میں اضافہ اس کو رسوا کرنے کے ذریعے ہوتا ہے اور ہدایت والوں یعنی مؤمنین کی ہدایت میں اضافہ کرتے ہیں) الهدی مصدر سے مراد ہدایت پر ثابت قدمی یا یقین یا توفیق الٰہی سے بصیرت کو بڑھا دینا ہے۔ والبٰقیٰت الصّٰلحٰت (اور باقی رہنے والے نیک اعمال) اس سے تمام آخرت کے اعمال مراد ہیں۔ (۲) پانچوں نمازیں (۳) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا (تیرے رب کے ہاں بہت بہتر ہے ثواب میں) ان کاموں کے مقابلے میں جن پر کفار کو فخر ہے۔

وَّ خَيْرٌ مَّرَدًّا (اور بہت بہتر ہیں انجام کے اعتبار سے) مردًّا سے مراد مرجع اور انجام ہے اس افضلیت میں کفار سے تہکم اور استہزاء کیا گیا کیونکہ وہ دنیا میں ایمان والوں کو فخر سے کہا کرتے تھے ای الفریقین خیر مقامًا واحسن ندیًّا۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿۸۱﴾ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ

اور ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبود بنا لیے۔ تاکہ وہ ان کے لئے عزت کی چیز بن جائے۔ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ عنقریب وہ ان کی عبادت کا انکار کریں گے

وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿۸۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿۸۳﴾

اور ان کے مخالف بن جائیں گے۔ اے مخاطب! کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیاطین کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے جو انہیں خوب ابھارتے ہیں

فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾

سو آپ ان کے بارے میں جلدی نہ کیجئے ہم ان کی باتوں کو خوب شمار کر رہے ہیں

صورت دوا اپنے نفس کیلئے تجویز کر رہا ہے اس میں وہ خطاکار ہے اس کو اس عمل سے باز رہنا چاہیے۔

سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ یعنی (اس نے جو بات کی ہے وہ ہم نے لکھ لی ہے) مقصد یہ ہے کہ اس کے سامنے عنقریب ہم ظاہر کریں گے اور اس کو جتلا دیں گے کہ اس کی بات ہم نے لکھ لی ہے کیونکہ جیسے ہی اس نے کہی بلا تاخیر کے لکھ لی گئی۔ جیسا کہ دوسری آیت میں خود فرمایا: ما يلفظ من قول الا لديه رقيب عتيد [سورۃ ق: ۱۸] اور یہ اسی طرح ہے جیسے کسی نے کہا: اذا ما انتسبنا لم تلدني لئيمة (یعنی یہ جان لیا جائے گا اور نسبوں کے ذریعے یہ واضح ہو جائے گا کہ میں کمینی عورت کی اولاد نہیں)

وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا (اور ہم اس کیلئے عذاب اسی طرح بڑھاتے جائیں گے بڑھانا) جیسا کہ اس افتراء اور جرأت کرنے میں بڑھتا ہے یہ نمد المدد سے ہے کہا جاتا ہے مَدَّهٗ و اَمَدَّهٗ دونوں کا ایک ہی معنی ہے اور مدًّا یہ مصدر ہے جس کے ذریعے تاکید لائی گئی ہے کہ غضب الٰہی کا خوب اظہار ہو جائے۔

۸۰: وَنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ (اور ہم مالک رہ جائیں گے ان چیزوں کے جو وہ کہتا ہے) ہم اس سے دور کر دیں گے اس چیز کو جس کے پالینے کا آخرت میں یہ خیال کرتا ہے۔ اور مراد وہ چیز ہے جو یہ کہتا ہے یعنی مال اور اولاد۔

وَيَأْتِيْنَا فَرْدًا (یہ ہمارے پاس اکیلا آئے گا)

نحو: یہ حال ہے یعنی بغیر مال اور اولاد کے آئے گا جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا ولقد جئتمونا فرادى [الانعام: ۹۴] پس اس کا تمنا کرنا اور قسمیں اٹھانا کچھ کام نہ آئے گا۔

۸۱: وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً (اور انہوں نے اللہ کے سوا اور معبود تجویز کر رکھے ہیں) یعنی ان مشرکین نے بت بنائے ہوئے ہیں جن کی یہ پوجا کرتے ہیں۔ لِيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا (تاکہ ان کو عزت حاصل ہو) یعنی وہ اپنے انہوں کے ذریعے عزت حاصل کریں۔ اور وہ معبود ان کیلئے سفارشی اور معاون بن جائیں اور وہ ان کو عذاب سے چھڑائیں۔

معبودین کی بیزاری:

۸۲: كَلَّا سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ (ہرگز ایسا نہیں عنقریب وہ ان کی عبادت کا انکار کریں گے) کلا یہاں ردعید ہے اور ان کے

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿٨٥﴾ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿٨٦﴾

ہم متقیوں کو رحمن کی طرف مہمان بنا کر جمع کریں گے اور مجرمین کو دوزخ کی طرف اس حالت میں چلائیں گے کہ وہ پیاسے ہوں گے

لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿٨٧﴾

کوئی شخص سفارش کا اختیار نہ رکھے گا مگر جس نے رحمن کے پاس سے اجازت لی۔

متقین کا اعزاز اور مجرمین کی ذلت:

۸۵،۸۶: يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا (اس دن کو یاد کرو جس روز ہم متقین کو رحمٰن کی بارگاہ میں مہمان بنا کر جمع کریں گے) اس حالت میں کہ وہ عمدہ قسم کی اونٹنیوں پر سوار ہوں گے۔ جن کے کجاوے سونے کے اور ان کی مہاریں یاقوت وزبرجد کی ہوں گی۔ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا (اور مجرمین کو ہم دوزخ کی طرف پیاسا ہانکیں گے) مجرمین سے کافر مراد ہیں۔ سوق سے مراد ہے چوپایوں کی طرح ہانک کر لے جانا کیونکہ وہ دنیا میں چوپایوں سے بھی زیادہ گمراہ تھے اور ورد کا معنی پیاسے کیونکہ جو گھاٹ پر وارد ہوتا ہے اس کو پیاس ہی گھاٹ پر لاتی ہے ورد کی حقیقت یہ ہے پانی کی طرف چلنا اس لئے جانے والوں کو ورد کہا جاتا ہے اور وفد جمع وافد کی ہے جیسے رکب جمع راکب کی ہے اور ورد جمع وارد کی ہے۔

نحو: یوم فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے وہ یوم نحشر ہے اور نسوق کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں گروہوں سے ساتھ وہ سلوک کریں گے جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرا معنی اذکر یوم نحشرھم (تم اس دن کو یاد کرو جب ہم ان کو جمع کریں گے) یہاں متقین کا تذکرہ اس طرح کیا کہ ان کو اپنے اس رب کی بارگاہ میں اکٹھا کیا جائیگا۔ جو اپنی رحمت سے ان کو ڈھانپ لے گا۔ جس طرح کہ بادشاہ کے پاس خیر سگالی وفد آتے ہیں اور کافروں سے اس طرح سلوک کیا جائے گا کہ ان کو آگ کی طرف لے جایا جائے گا گویا کہ وہ پیاسے اونٹ ہیں جن کو ہانکتا ہوا پانی کی طرف چلا یا جائے۔

۸۷: لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ (وہ شفاعت کا اختیار نہ رکھیں گے)

نحو: یہ حال ہے واؤ کو اگر ضمیر قرار دیں تو عباد کی طرف لوٹے گی جس پر متقین مجرمین کا تذکرہ دلالت کر رہا ہے کیونکہ بندے انہی دونوں قسموں پر مشتمل ہیں۔ نمبر ۱۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ جمع کی علامت ہو جیسے کہ اس مثال میں اکلونی البراغیث اور فاعل من اتخذ ہے کیونکہ وہ جمع ہے۔ اور من اتخذ محلا مرفوع ہے کیونکہ یہ واؤ سے بدل ہے جو یملکون میں ہے۔ نمبر ۳۔ فاعلیت کی وجہ سے مرفوع ہے۔ نمبر ۴۔ حذف مضاف کی تقدیر پر منصوب ہے ای الا شفاعۃ من اتخذ اور مقصود یہ ہے وہ اس بات کا اختیار نہ رکھیں گے کہ ان کے لئے سفارش کی جائے۔

اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا (مگر جس نے رحمان کے پاس اجازت لے لی ہے) اس طرح کہ وہ ایمان لایا۔

حدیث میں وارد ہے کہ من قال لا الہ الا اللہ کان لہ عند اللہ عھد (طبرانی فی معجم) جس نے لا الہ کہا اس کیلئے اللہ تعالیٰ کے

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ

اور ان لوگوں نے کہا کہ رحمٰن نے اولاد اختیار کر لی ہے۔ البتہ تم نے بھاری سخت بات کی۔ قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں

وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۝ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ

اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں۔ اس بات سے کہ انہوں نے رحمٰن کے لئے اولاد تجویز کی۔ اور رحمٰن کی شان کے لائق نہیں

اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۝ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ لَقَدْ

کہ وہ کسی کو اپنی اولاد بنائے۔ جو بھی آسمان اور زمین میں ہیں وہ سب رحمٰن کے پاس بندگی اختیار کئے ہوئے حاضر ہوں گے۔ اللہ نے

اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۝ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۝

ان سب کا خوب اچھی طرح شمار کیا ہے اور ان سب کو اچھی طرح گن رکھا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک قیامت کے دن اس کے پاس تنہا آئے گا۔

پاس عہد ہے۔

ایک روایت:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دن اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ کیا عاجز ہے تم میں سے ہر ایک کہ وہ ہر صبح اور ہر شام اللہ تعالیٰ کے پاس عہد لے! صحابہ نے عرض کیا۔ یہ کس طرح ممکن ہے تو آپ نے فرمایا ہر صبح و شام وہ اس طرح کہے۔ اللّٰھم فاطر السمٰوٰت والارض عالم الغیب والشھادۃ انی اعھد الیک بانی اشھد ان لا الٰہ الا انت وحدک لا شریک لک وان محمدًا عبدک ورسولک وانک ان تکلنی الی نفسی تقربنی من الشر وتباعدنی من الخیر وانی لا اثق الا برحمتک فاجعل لی عھدا توفینیہ یوم القیامۃ انک لا تخلف المیعاد۔ جب اس نے یہ کہہ لیا تو اس پر مہر لگا دی جاتی ہے (اخرجہ الثعلبی) اور اس کو عرش کے نیچے رکھ دیا جاتا ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا ایک منادی عرش کے نیچے سے ندا دیگا۔ وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے رحمان سے عہد لیا ہے پس انکو جنت میں داخل کر دیا جائیگا۔

نمبر۳۔ یہ اس محاورہ کے مطابق ہے عھد الامیر الی فلان بکذا جبکہ وہ کسی بات کا حکم دے دے۔ اب مطلب آیت کا یہ ہے اس کے پاس کوئی شفاعت نہ کرے گا مگر وہی جس کو شفاعت کا حکم اور اذن ملا۔ یہ مضمون تو لا یشفع عندہ الا باذنہ کے مناسب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا بیٹا ماننا بدترین حرکت ہے:

۸۸: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا (اور انہوں نے کہا کہ رحمان نے بیٹا بنا لیا ہے) کہنے والے یہود و نصاریٰ ہیں اور اسی طرح مشرکین عرب جنہوں نے ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہا۔

۸۹: لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْئًا اِدًّا (تم نے نہایت سخت حرکت کی ہے) یہاں غائب سے خطاب کی طرف التفات کیا گیا ہے اور اپنے پیغمبر علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اُن پہ کہیں۔ الاِدّ عجیب یا بڑا معاملہ۔ اَدَّۃٌ شئی اور کہتے ہیں اَدَّتنی الامر کہ مجھے کام نے بوجھل کر دیا اور مجھ پر بہت گراں گزرا۔

۹۰: تَکَادُ السَّمٰوٰتُ (قریب ہے کہ آسمان)۔

قراءت: نافع وعلی نے یاء سے پڑھا ہے۔ تکاد قریب ہونے کے معنی میں ہے۔

یَتَفَطَّرْنَ (وہ پھٹ جائیں) قراءت: بصری، شامی، حمزہ، خلف، ابوبکر نے نون سے پڑھا۔ انفطار یہ فطرۃ سے ہے جبکہ اس کو پھاڑ دیا جائے۔ التفطر یہ فطرۃ سے ہے جبکہ شققہ اس کو پھاڑ دیا جائے۔ مِنْهُ (اس سے) اس بات کی برائی کی وجہ سے وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ (اور زمین پھٹ جائے یا دھنس جائے اور اس کے اجزاء ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں۔ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ (اور گر پڑیں پہاڑ) ھَدًّا (ٹوٹ کر) ٹکڑے ہو کر ریزہ ریزہ ہو کر۔ الھدۃ: (آسمان سے بجلی کی آواز)۔

نحو: یہ مصدر ہے اسی تھدھدًا وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں ان کی بات سن کر۔ نمبر ۲۔ مفعول لہ ہے نمبر ۳۔ حال ہے۔ اس حال میں کہ وہ ریزہ ریزہ ہوں۔

۹۱: اَنْ دَعَوْا (اس بات سے کہ انہوں نے نسبت کی) اس لئے کہ انہوں نے اس کا نام رکھا ہے۔

نحو: یہ منه کی ھا سے بدل ہونے کی بنا پر محل جر میں ہے۔ نمبر ۲۔ منصوب ہے مفعول لہ ہونے کی وجہ سے گویا ھدوہ کی علت ھدًّا سے بیان کی۔ اور ریزہ ریزہ ہو رحمان کیلئے اولاد تجویز کرنے کی بنا پر ہے۔

نمبر ۳۔ ھدًّا کا فاعل ہونے کی بنا پر مرفوع ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے ھدھا دعا زعمہم للرحمان ولدًا ان کو ریزہ ریزہ کیا ان کے رحمان کی طرف بیٹے کی نسبت نے۔

۹۲: وَمَا یَنْبَغِیْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا (اور رحمان کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اولاد اپنے لئے تجویز کرے) انبغی یہ بغی کا مطاوع ہیں کرتا ہے۔ اس کا معنی طلب کرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ طلب شئی کے بعد اس شئی کے ہو جانے کی باری آتی ہے۔ اب اگر بالفرض اللہ تعالیٰ اپنے لئے اولاد کا طالب بھی ہو۔ تب بھی اولاد اس کیلئے ممکن نہیں۔ اس کی اولاد ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لڑکا تو مجانست و جنسیت کو چاہتا ہے اور اس کی ذات ان دونوں باتوں سے پاک ہے۔ کیونکہ یہ دونوں نقص و عیب ہیں۔

نکتہ: رحمان کے لفظ کو بار بار دھرایا گیا تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ رحمان اکیلا ہی اس صفت کا حقدار ہے اور کوئی اس کا مستحق نہیں کیونکہ تمام نعمتوں کا سرچشمہ وہی ہے اسے انسان اپنی آنکھوں سے پردہ ہٹا دو پھر دیکھو جو کچھ بھی تیرے پاس ہے سب اسی کا عطیہ ہے پس جنہوں نے اس کی طرف اولاد کی نسبت کی انہوں نے اس کی نعمتوں کا حصہ قرار دیا اور اللہ تعالیٰ کی صفت رحمان کا انکار کیا حالانکہ اس کا وہی اکیلا مستحق ہے۔

سب رحمن کے عاجز بندے:

۹۳: اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (کیونکہ جتنے بھی کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے)۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا ۝ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے رحمٰن ان کے لئے محبت پیدا فرما دے گا سو ہم نے قرآن کو آپ کی زبان پر آسان

بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا ۝ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم

کر دیا تاکہ آپ اس کے ذریعہ متقین لوگوں کو بشارت دیں اور جھگڑالو قوم کو ڈرائیں اور ہم نے ان سے پہلے کتنے ہی گروہوں کو ہلاک

مِّن قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُم مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۝

کر دیا کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا ان میں سے کسی کی آہٹ سنتے ہیں۔

نحو: مَن نکرہ موصوفہ ہے اس کی صفت فی السمٰوت والارض ہے اور کل کی خبر ہے۔

اِلَّا اٰتِی الرَّحْمٰنِ (مگر وہ رحمان کے روبرو آنے والا ہے) نحو: اٰتی و اٰتیہ واحد لائے گئے کیونکہ کل کا لفظ واحد ہے۔ یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے از قبیل ماضی اور اس کا معنی مستقبل والا ہے۔ ای یاتیہ ہو آئے گا۔

عَبْدًا (غلام ہوکر) یہ حال ہے عاجز، ذلیل، مطیع ہوکر مطلب یہ ہے جو بھی آسمانوں وزمین میں ہیں خواہ ملائکہ ہوں اور لوگ ہوں مگر وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی عبودیت کا اقرار ہی کرآئیں گے۔ اور عبودیت اور بیٹا ہونا دونوں ایک دوسرے کے منافی ہیں۔ یہاں تک کہ اگر باپ اپنے بیٹے کا خریدار بن کر اس کا مالک بن جائے تو خریدتے ہی وہ آزاد ہو جائے گا۔ تمام مخلوق کی نسبت اللہ تعالیٰ سے غلام ہونا کا دائی ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ بعض تو بیٹے بن جائیں اور بعض غلام رہیں۔

قراءت: ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آت الرحمٰن اصل کے مطابق پڑھا جیسا اضافت سے پہلے تھا۔

۹۴: لَقَدْ اَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا (اللہ تعالیٰ نے ان کو شمار کر رکھا ہے گن کر اور اس کا احاطہ کر رکھا ہے) اپنے علم سے ان کو محصور و محیط کر رکھا ہے کہ کوئی شیٔ اس کے دائرہ علم سے باہر نہیں۔

۹۵: وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا (اور قیامت کے دن ہر ایک اس کے پاس تنہا آئے گا) یعنی ان میں سے ہر ایک اکیلا آئے گا جب کہ اس کے پاس مال و اولاد اور معین و مددگار نہ ہوگا۔

رحمٰن کی محبت:

۹۶: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ (جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے لئے) لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (محبت پیدا کر دے گا) اپنے بندوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا کرے گا۔ دوسرے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کریں گے اور ان کو لوگوں کے ہاں محبوب بنا دیں گے۔

حدیث میں وارد ہے کہ مومن کی محبت ابرار کے دلوں میں ڈالتا ہے اور فجار کے دلوں میں اس کا رعب طاری کر دیتا ہے۔ قتادہ اور ہرم کہتے ہیں جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بندوں کے دل اس کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں۔ کعب

کہتے ہیں بندے کی تعریف زمین میں اس وقت قائم رہتی ہے جب آسمان میں اس کی تعریف قائم ہو چکی ہوتی ہے۔

۹۷: فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ (پس ہم نے اس قرآن کو آسان کیا ہے) ہٗ کی ضمیر کا مرجع قرآن ہے کہ ہم نے اس قرآن کو آسان کر دیا۔

بِلِسَانِكَ (آپ کی زبان میں) آپ کی لغت میں۔

لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ (تاکہ آپ اس سے متقین کو خوشخبری سنائیں) متقین سے مؤمن مراد ہیں۔ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا (اور آپ ڈرائیں جھگڑالو قوم کو) جو باطل جھگڑے میں بڑے سخت ہیں جو کہ ہر جھگڑے اور اختلاف میں پڑتے ہیں جدال ہو یا دکھلاوا۔ لُدًّا یہ اَلَدّ کی جمع ہے۔ مراد اس سے اہل مکہ ہیں۔

تخویف کفار:

۹۸: وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ (اور ہم نے ان سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کیا) اس میں اہل مکہ کیلئے تخویف و انذار ہے (کہ ان کو ان سے عبرت حاصل کرنا چاہئے) هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ (کیا تم ان میں سے کسی کو دیکھتے ہو) یعنی کیا تم پاتے ہو۔ نمبر ۱۔ دیکھتے ہو نمبر ۲۔ جانتے ہو۔ الاحساس حس سے کسی چیز کو جاننا۔ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا (یا ان کی آہٹ سنتے ہو)۔

رکزاً ہلکی آواز۔ الرکاز اسی سے ہے۔ یعنی جب ہمارا عذاب آیا تو کوئی ایسا شخص باقی نہ رہا جو نظر آ سکے۔ اور کوئی آواز باقی نہ تھی جو سنائی دے۔ مطلب یہ ہے تمام ہلاکت کے گھاٹ اتر گئے۔ پس انکا حشر بھی ایسا ہونے والا ہے اگر انھوں نے قرآن میں تدبر سے اعراض قائم رکھا۔ پھر انکا انجام ہلاکت ہی ہے۔ پس انکا معاملہ آپ پر آسان ہو گزرنا چاہیے۔

تمت ترجمة سورة مريم ثمانية عشر من رمضان ۱۴۲۳ھ من الهجرة يوم الاحد قبل الظهر والحمدلله على ذلك

سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّخَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّثَمَانُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ طٰہٰ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی جس میں ایک سو پینتیس آیات اور آٹھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

طٰهٰ ۞ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۞ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۞ تَنْزِيْلًا

طٰہٰ۔ ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ تکلیف اٹھائیں۔ بلکہ ایسے شخص کی نصیحت کے لئے جو ڈرتا ہو۔ اس ذات کی طرف سے نازل

مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۞ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۞ لَهٗ

کیا گیا جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا فرمایا۔ وہ بڑی رحمت والا ہے عرش پر مستوی ہوا۔ اسی کے لئے ہے

مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۞ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور جو ان کے درمیان ہے اور جو تحت الثریٰ ہے۔ اور اگر آپ زور سے بات کریں

فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۞ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۞

تو بلاشبہ وہ چھپے سے چھپی ہوئی بات کو جانتا ہے اور اس بات کو بھی جو اس سے زیادہ مخفی ہو۔ اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے لئے اچھے اچھے نام ہیں۔

۱: طٰہٰ قراءت: طاء کو استعلاء کی وجہ سے فتحہ سے اور ہاء کو امالہ سے ابوعمرو نے پڑھا ہے۔ حمزہ، علی، خلف و ابوبکر نے دونوں میں امالہ کیا۔ دیگر قراء نے دونوں میں تفخیم کی ہے۔

حسن و مجاہد و ضحاک و عطاء کا جو قول مروی ہے کہ اس کا معنی: یا رجل ہے۔ اگر یہ قول صحیح ہے تو ظاہر ہے۔ ورنہ حق بات وہی ہے جو ہم سورۃ البقرہ کی ابتداء میں رقم کرچکے فلیرجع الیہ۔

قرآن مشقت کے لئے نہیں اتارا:

۲: مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ (ہم نے نہیں اتارا آپ پر قرآن کریم) اگر طٰہٰ کو اسمائے حروف میں سے شمار کریں تو یہ ابتدائے کلام ہے۔ اور اگر طٰہٰ اس سورت کا نام قرار دیں تو اس کے مبتدا محذوف کی خبر ہونے کا احتمال ہے اور مبتدا کی جگہ میں ہے اور اس کا جواب بن رہا ہے اور وہ قسم ہو۔ القرآن کو ضمیر کی جگہ ظاہر لائے کیونکہ وہ قرآن ہی ہے۔

لِتَشْقٰٓى (آپ تھک جائیں) ان پر بہت زیادہ افسوس کرتے ہوئے اور ان کے کفر پر افسوس کرتے ہوئے تھک جائیں۔ نمبر۲۔ ان کے ایمان نہ لانے پر افسوس کرتے ہوئے تنگی محسوس کریں۔ نمبر۳۔ قیام لیل کی وجہ سے اپنے آپ کو تھکان پہنچائیں۔

روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے رات کو نماز ادا کی یہاں تک کہ قدم مبارک سوج گئے اس پر جبرئیل علیہ السلام نے کہا اپنے کچھ خیال کریں۔ نفس کا بھی آپ پر حق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو اس لئے نہیں اتارا کہ آپ ﷺ اپنے نفس کو عبادت سے تھکا ماریں۔ آپ کو یاد دہانی والی حقیقت کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔

۳: اِلَّا تَذْكِرَةً (مگر ایسے شخص کی نصیحت کیلئے)

نحو: استثناء منقطع ہے ای لکن انزلناہ تذکرۃ (لیکن اس کو نصیحت کیلئے اتارا)۔ نمبر۱۔ یہ حال ہے۔ لِمَنْ يَّخْشٰى (جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے) اس کے لئے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ نمبر۲۔ اس کیلئے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ وہ خشیت اختیار کرے گا۔

۴: تَنْزِيْلًا (یہ اتارا ہوا ہے)۔

نحو: یہ تذکرۃ سے بدل ہے۔ جبکہ اس کو حال قرار دیا جائے۔ نمبر۲۔ نزل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے۔ نمبر۳۔ مدح کی وجہ سے منصوب ہے۔ نمبر۴۔ یخشی کی وجہ سے اس کا مفعول بن کر منصوب ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے انزلہ اللّٰہ تذکرۃ لمن یخشی تنزیل اللّٰہ۔ (اللہ تعالیٰ نے اس کو اس شخص کیلئے نصیحت بنایا جو اللہ تعالیٰ کی تنزیل سے ڈرنے والا ہے)۔

مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ (اس ذات کی طرف سے جس نے پیدا کیا زمین اور آسمانوں کو)

نحو: یہ تنزیلا کے متعلق ہے جو اس کا صلہ ہے۔

الْعُلٰى (بلند) یہ العلیا کی جمع ہے۔ اور اعلیٰ کی تانیث ہے۔ آسمانوں کی صفت العلیٰ لا کر اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت پر اس کو دلیل کے طور پر پیش کیا۔

۵: اَلرَّحْمٰنُ (وہ بڑا مہربان ہے) یہ مدح کی وجہ سے مرفوع ہے ای ھو الرحمان۔ عَلَى الْعَرْشِ (عرش پر) یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ اسْتَوٰى (مستوی ہے) استیلاء کے معنی میں ہے جو جانب سے مراد ہیں۔ عرش کا ذکر کر کے اس بات پر متنبہ کیا گیا کہ اس کا استیلا دوسروں پر ہے۔ اس لئے کہ عرش اس کی مخلوقات میں سب سے بڑا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے جب عرش پر استواء بادشاہی کے مترادف ہے تو اس کو ملک سے کنایہ قرار دیا اس لئے عرب کے لوگ کہتے ہیں استوی علی العرش ای ملک اگرچہ وہ چارپائی یا تخت پر بالکل نہ بیٹھا ہو اور یہ اسی طرح ہے جیسے کہتے ہیں۔ ید فلان مبسوطۃ یعنی وہ سخی ہے اگرچہ سرے سے اس کا ہاتھ ہی نہ ہو۔

استواء کے متعلق قول علی رضی اللہ عنہ:

اہل السنت کا مذہب وہی ہے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔ الاستواء غیر مجھول والکیفیۃ غیر معقول والایمان بہ واجب والسوال عنہ بدعۃ استواء مجہول نہیں کیفیت معقول نہیں اور اس پر ایمان واجب ہے اور اس کے متعلق سوال بدعت ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تھا جبکہ کوئی مکان نہیں تھا وہ اسی طرح ہے جیسا کہ مکان کی پیدائش سے پہلے تھا جس طرح تھا اس سے تبدیل نہیں ہوا۔

۶: لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اسی کا ہے)

تحقیق: یہ خبر اور مبتدا ہے اور وما بینھما کا عطف مبتدا پر ہے۔

وَمَا بَیْنَھُمَا (اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے) یعنی سارے کا سارا اسی کی ملک ہے۔ وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی (اور جو کچھ ثریٰ کے نیچے ہے) یعنی جو سات زمینوں کے نیچے ہے۔ نمبر۲۔ ثریٰ سے مراد وہ چٹان ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے۔

۷: وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ (اور اگر تم پکار کر بات کہو یعنی تم اپنی آواز کو بلند کرو) فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ (تو بے شک وہ چھپے سے چھپی ہوئی بات کو جانتا ہے) یعنی وہ بات جو تم بطور راز کے دوسرے سے کہو۔ وَاَخْفٰی (اور اس سے زیادہ مخفی بات کو بھی) اس سے مراد وہ باتیں ہیں جو تیرے دل میں بطور خیالات کے آتی ہیں۔ یا وہ باتیں جن کو تم اپنے دل میں چھپاتے ہو یا جن میں تم رازداری کرو گے۔

کفار کے تقوّل کی تردید:

۸: اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی (اللہ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کے سارے اچھے اچھے نام ہیں) یعنی وہ اپنی ذات کے لحاظ سے اکیلا ہے۔ اگرچہ اس کی صفات کی تعبیرات جدا جدا ہیں۔ اس آیت میں کفار کے اس مقولے کی تردید ہے کہ تم تو ہمیں کئی معبودوں کی طرف دعوت دیتے ہو۔ یہ بات انہوں نے اس وقت کہی جبکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بہت سے نام سنے۔ الحسنیٰ یہ احسن کی تانیث ہے۔

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ⑨ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ

اور کیا آپ کے پاس موسیٰ کی خبر آئی ہے۔ جب انہوں نے آگ کو دیکھا تو اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم ٹھہرے رہو میں نے آگ دیکھی

نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ⑩ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ

ہے امید ہے کہ میں تمہارے پاس اس میں سے کوئی شعلہ لے آؤں یا آگ پر پہنچ کر راستہ کا پتہ پا جاؤں۔ سو جب اس کے پاس آئے تو آواز دی گئی

يٰمُوْسٰى ⑪ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ⑫

کہ اے موسیٰ بے شک میں تمہارا رب ہوں سو اپنی جوتیاں اتار دو بے شک تم ایک پاک میدان یعنی طویٰ میں ہو

وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ⑬ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ

اور میں نے تمہیں منتخب کر لیا ہے سو جو کچھ تمہاری طرف وحی کی جا رہی ہے اس کو سنو۔ بے شک میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں سو تم میری عبادت کرو اور میری یاد کے لیے

الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ⑭ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ⑮

نماز قائم کرو۔ بلاشبہ قیامت آنے والی ہے میں اس کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر جان کو اس کے کیے ہوئے کاموں کا بدلہ دے دیا جائے۔

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ⑯ وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ

سو جو شخص اس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش کا اتباع کرتا ہے وہ تمہیں اس سے نہ روکے ورنہ تم تباہ ہو جاؤ گے۔ اور اے موسیٰ یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے

يٰمُوْسٰى ⑰ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ

کہا یہ میری لاٹھی ہے میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لیے اور بھی کام

اُخْرٰى ⑱ قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ⑲ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ⑳ قَالَ خُذْهَا وَلَا

ہیں۔ فرمایا اے موسیٰ اس کو ڈال دو۔ سو انہوں نے اسے ڈال دیا سو وہ اچانک دوڑتا ہوا سانپ بن گیا۔ فرمایا اس کو پکڑ لو اور ڈرو

تَخَفْ ۪ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ㉑ وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ

مت۔ ہم اسے پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔ اور اپنے ہاتھ کو اپنی بغل میں لے لو وہ بغیر کسی عیب کے روشن ہو کر

غَيْرِ سُوْۗءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ㉒ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ㉓ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ㉔

نکلے گا یہ دوسری نشانی ہے۔ تاکہ ہم تمہیں اپنی بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دکھلا دیں۔ تم فرعون کی طرف چلے جاؤ بلاشبہ وہ سرکشی میں حد سے بڑھ گیا ہے۔

قراءت: مکی اور ابو عمرو نے اَنِّیْ پڑھا ہے۔ اس صورت میں تقدیر کلام یہ ہے نُوْدِیَ بِاَنِّیْ اَنَا رَبُّکَ یعنی آواز دی گئی اس لئے کہ میں تمہارا رب ہوں۔ اَنَا مبتدا ہے یا تاکید ہے۔ یا ضمیر فصل ہے۔ اور ضمیر کو دوبارہ معرفہ کی تحقیق اور ازالہ شبہ کیلئے لایا گیا ہے۔ روایت میں ہے کہ جب آواز دی گئی یا موسیٰ تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی من المتکلم؟ اس پر اللہ نے فرمایا انا ربک پس اس سے انہوں نے سمجھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اس کو اپنی شش جہات سے سنا اور اپنے تمام اعضاء سے سنا۔

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ (تم اپنے دونوں جوتے اتار دو) ان جوتوں کو اتار دو تاکہ تمہارے دونوں قدموں کو مقدس وادی کی برکت پہنچے۔ یہ مجاہد کا قول ہے۔ (۲) اس لئے کہ وہ دونوں جوتے گدھے کی غیر دباغت شدہ کھال کے بنے ہوئے تھے۔ (۳) ننگے پاؤں ہونا اللہ کی بارگاہ میں تواضع کی علامت تھی۔ اور اسی لئے تو سلف صالحین بیت اللہ کا طواف ننگے پاؤں کرتے تھے اور قرآن کی دلالت بھی اسی بات پر ہے۔ کہ یہ جوتوں کا اتارنا اس مقام کے احترام اور تعظیم کیلئے تھا۔ پس آپ نے جوتے اتار کر وادی کے پیچھے پھینک دیے۔

اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى (بیشک تم طویٰ کی مقدس وادی میں ہو) مقدس کا معنی مطہر یا مبارک۔ طویٰ جہاں تنوین سے آئے تو یہ وادی کا نام ہے۔ اور یہ وادی مقدس سے بدل ہے۔ شامی اور کوفی نے تنوین سے پڑھا۔ دیگر قراء نے بغیر تنوین کے پڑھا اور انہوں نے بقعہ کی تاویل کی اور ابو زید نے طاء کے کسرہ اور تنوین کے بغیر پڑھا۔

۱۳: وَاَنَا اخْتَرْتُكَ (اور میں نے تم کو پسند کر لیا ہے) یعنی نبوت کیلئے چن لیا ہے۔

قراءت: حمزہ نے وَاَنَّا اخْتَرْنٰكَ پڑھا ہے۔

فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى (جو کچھ تمہاری طرف وحی کیا جا رہا ہے اس کو غور سے سن لو) یوحی الیک۔ فاستمع للذی یوحی پس تم کان لگاؤ اس کو جو وحی کی گئی یا للاستمع للوحی وحی کو غور سے سنو۔ لما کا لام استمع کے متعلق ہے یا اخترتک کے متعلق ہے۔

۱۴: اِنَّنِيْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ (میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری ہی عبادت کرو) یعنی مجھے اکیلا جان کر میری طاعت کرو۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ (اور میری ہی یاد کیلئے نماز پڑھا کرو) تاکہ تم مجھے نماز میں یاد کرو کیونکہ نماز اذکار پر مشتمل ہے۔ (۲) نماز کو قائم کرو اس لئے کہ میں نے اس کا تذکرہ کتب میں کر دیا اور اس کا حکم دیا (۳) تاکہ میں تمہارا تذکرہ مدح اور ثنا کے ساتھ کروں (۴) یہ خاص میری رضا کیلئے کہ اس میں غیر کے ذکر کی ملاوٹ نہ ہو۔ (۵) تاکہ تو مجھے یاد کرنے والا بن جائے نہ کہ بھولنے والا۔ (۶) میری یاد کے اوقات میں نماز کو قائم کرو اور اوقات سے مراد وہ نمازوں کے اوقات ہیں جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا ان الصلٰوۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا [النساء:۱۰۳]

مسئلہ: اس آیت کو نماز کے بھول جانے کے بعد یاد آنے پر بھی محمول کیا گیا مگر یہ مفہوم اس وقت درست ہو سکتا ہے جبکہ مضاف کو محذوف مانا جائے۔ تقدیر اس طرح ہوگی ای لذکر الصلٰوۃ اس سے ایک بات یہ بھی ثابت ہوتی ہے کہ توحید کے بعد سب

نے بعض کو بطور شکریہ کے ذکر کر دیا تو حیا اور سوالات سے بچتے ہوئے باقی نعمتوں کو مجمل کر دیا۔ یا اس لئے تاکہ اس کی افشان سے پوچھیں تو اس میں منفعت اور بڑھ جائے۔ دوسرے کام مندرجہ ذیل تھے۔ آپ اس سے جانوروں کو ہانکتے اور دشمنوں اور درندوں سے اس کے ذریعہ مقابلہ کرتے۔ اور وہ رسی باندھ لینے سے رسی کنویں کی لمبائی کے مطابق لمبی ہو جاتی۔ اور اس کے دونوں کناروں پر ڈول لٹکائے جا سکتے اور رات کو اس کے دونوں کنارے دو شمعیں بن جاتے اور وہ آپ کے زاد راہ کو کندھے پر رکھنے کا ذریعہ بنتا۔ اور جب اس کو گاڑ دیتے تو پسندیدہ پھل والا درخت بن جاتا اور جب اس کو گاڑ دیتے تو پانی کا چشمہ اس سے پھوٹ پڑتا جب اکھاڑ دیتے تو خشک ہو جاتا۔ اور کیڑوں مکوڑوں سے وہ ان کی حفاظت کرتا۔ اور آپ سے باتیں کرتا جواب میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اضافت نعمت پر شکریہ کو شمار کرنے کے لئے تھا۔ یا اس بناء پر کہ وہ ایک سوال کا جواب تھا کیونکہ جب انہوں نے کہا وہ میری لاٹھی ہے تو ان کو کہا گیا تم اس سے کیا کرتے ہو تو وہ اس کے منافع شمار کرنے لگے۔

۱۹: قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ موسیٰ اس کو پھینک دو) تم اپنی لاٹھی پھینک دو کہ اس سے تم ڈر رہے ہو جس پر تم سہارا لیتے ہو۔ اب تمہیں سکون ہماری ہی ذات سے ہوگا اور تم اس کے حقیقی فائدے دیکھو گے۔ پس مقاصد میں پھر تمہیں ہم پر اعتماد ہوگا۔

۲۰: فَاَلْقٰهَا (تو انہوں نے اس کو پھینک دیا) فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى (دیکھتے کہ وہ لاٹھی ایک سانپ ہے جو دوڑ رہا ہے) یعنی تیزی سے چل رہا ہے دوسرا قول یہ ہے کہ وہ بڑا سانپ بن گیا۔ جو چٹانوں اور درختوں کو نگلتا جا رہا تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ہر چیز نگلتے دیکھا تو خوف زدہ ہوئے یہاں اس کو حیۃ سے اور دوسرے مقام پر ثعبان سے جبکہ وہ اژدہا کو کہتے ہیں اور تیسرے مقام پر جان سے تعبیر کیا جو باریک سانپ کو کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حیۃ اسم جنس ہے اس کا اطلاق مذکر مؤنث چھوٹے بڑے سب پر آتا ہے اور یہ بھی درست ہے کہ پہلے اس نے باریک سانپ کی شکل اختیار کی ہو پھر اس کا جسم بڑھتے بڑھتے اژدہا بن گیا۔ پس جان بول کر پہلی حالت مراد لی گئی اور ثعبان بول کر آخری حالت مراد لی گئی یا ایک قول یہ ہے کہ وہ جسامت میں اژدہا تھا اور تیزی میں جان تھا ایک قول یہ ہے اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان چالیس ہاتھ کا فاصلہ تھا۔

۲۱: قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ (کہا اس کو پکڑو اور کچھ اندیشہ نہ کرو) جب اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا کہ پکڑو اور ڈرو نہیں ان کا خوف اس طرح دور ہو گیا کہ اپنا ہاتھ اس کے منہ میں ڈال دیا اور اس کے دونوں جبڑوں سے پکڑ لیا سَنُعِيْدُهَا (عنقریب ہم اس کو لوٹا دیں گے) سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى (اس کی پہلی حالت میں) الاولیٰ اول کی مؤنث ہے اور سیرت اس حالت کو کہتے ہیں جس پر انسان ہو خواہ کسبی ہو خواہ طبعی ہو یہ اصل میں سیر سے فعلۃ کا وزن ہے۔ جیسے رکبۃ رکوب سے ہے پھر حالت اور طریقہ کے معنی میں استعمال ہونے لگا ظرفیت کی بناء پر منصوب ہے ای سنعیدها الی طریقتها الاولیٰ یہاں طریقہ بمعنی اس حال کے ہے۔ جس پر وہ لاٹھی تھی اور مطلب یہ ہے ہم اس کو عصا کی صورت میں لوٹا دیں گے جیسا کہ پہلے تھی موسیٰ علیہ السلام کو مخاطبت کے وقت یہ دکھائی گئی تاکہ اس سے وہ گھبرا نہ جائیں جبکہ وہ فرعون کے پاس سانپ بن جائے۔

۲۲: وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ (اور ملا لو تم اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بازو کے ساتھ) پھر دوسری آیت کے بارے میں متنبہ

اور اس کے لشکر کی بدسلوکی کو سہہ سکے۔

۲۶: وَيَسِّرْ لِيْٓ أَمْرِيْ (اور میرے لئے میرے معاملے کو آسان کر دے) رسالت کا پیغام جس کے فرعون تک پہنچانے کا مجھے حکم ملا ہے اس کو مجھ پر آسان کر دے۔

نکتہ: اور اشرح لی صدری میں اشرح صدری کی نسبت زیادہ تاکید ہے کیونکہ اس میں ایک ہی معنی کا تکرار اجمال، تفصیل دونوں طریقوں سے لایا گیا ہے۔ کیونکہ اشرح لی ویسر لی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کوئی ایسی چیز ہے جو شرح و تیسیر ہے پھر ابہام کو صدر اور امر کا ذکر کر کے رفع کر دیا۔

۲۷: وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ (اور میری زبان کی گرہ کھول دے) احلل کا معنی کھولنا آتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں گرہ تھی اس انگارے کی وجہ سے جس کو اپنی زبان پر بچپن میں رکھ لیا تھا۔ اور اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی ڈاڑھی کو پکڑ کر اس کے منہ پر طمانچہ مارا۔ یہ بچپن کا زمانہ تھا۔ فرعون نے قتل کروانے کا ارادہ کیا اس پر آسیہ نے کہا یہ بچہ ہے سمجھ ہے اے بادشاہ! اگر چاہیں تو تجربہ کر لیں۔ دو تھال منگوائے گئے ایک میں آگ کے انگارے اور دوسرے میں یاقوت سرخ۔ وہ دونوں موسیٰ علیہ السلام کے سامنے رکھ دیے گئے۔ آپ نے یاقوت کا قصد کیا فرشتے نے آپکا ہاتھ آگ کی طرف پھیر دیا۔ آپ نے ایک کوئلہ اٹھا کر زبان پر رکھ لیا۔ جس سے زبان جل گئی اور اس میں لکنت پیدا ہوگئی ایک روایت میں یہ ہے کہ موسیٰ کا ہاتھ جل گیا فرعون نے اس کے علاج کی بہت تگ و دو کی مگر درست نہ ہوا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اس کو دعوت دی تو فرعون نے کہا تم مجھے کس رب کی طرف دعوت دیتے ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا اس رب کی طرف جس نے میرا ہاتھ درست کیا جس کے علاج سے تو عاجز رہا۔

نحو: من لسانی یہ عقدۃ کی صفت ہے۔ گویا اس طرح کہا: عقدۃ من عقد لسانی۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زبان میں لکنت باقی رہی اس کا کچھ حصہ زائل ہوا۔ مگر اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ وہ گرہ مکمل طور پر ختم ہوگئی۔

۲۸: يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ (تاکہ وہ میری بات سمجھ لیں) تیری رسالت کا پیغام پہنچانے کے وقت۔

۲۹: وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا (اور میرے لئے مددگار مقرر فرما) ایسا پشت پناہ جس پر میں اعتماد کر سکوں۔

اللغۃ: وزیر یہ الوزر سے ماخوذ ہے جس کا معنی بوجھ ہے وزیر کو اسلئے وزیر کہتے ہیں کیونکہ وہ بادشاہ سے بوجھ دور ہٹا کر اٹھاتا ہے۔ نمبر ۲۔ الوزر سے ہے جس کا معنی پناہ گاہ ہے کیونکہ بادشاہ اس کی رائے سے مضبوطی حاصل کرتا ہے اور اپنے معاملات میں اس کی پناہ حاصل کرتا اور اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ نمبر ۳۔ مددگار۔ اس صورت میں یہ فعیل از وزر سے لیا گیا۔ یہ باب مفاعلہ ہے جس کا معنی باہم مدد کرنا۔

نحو: اجعل کا مفعول اول وزیر ہے اور دوسرا مفعول من اھلی ہے۔ نمبر ۲: لی وزیرا یہ دونوں مفعول ہیں۔ مِّنْ أَهْلِيْ (میرے اہل میں)۔

۳۰: هٰرُوْنَ یہ وزیرا کا عطف بیان ہے۔ اور اخی یہ بدل یا عطف بیان ثانی ہے۔ نمبر ۲۔ وزیرا اور ھارون یہ دونوں مفعول ہیں۔

دوسرے کو اول پر مقدم اس لئے کیا تاکہ وزارت کے معاملہ کی اہمیت معلوم ہو۔

۳۱: اُشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِیْ (اس سے تو مضبوط کر میری کمر کو) میری پشت کو اس سے مضبوط کر دے۔ نمبر ۲: الازر قوت کو کہا جاتا ہے یعنی میری قوت مضبوط کر دے۔

۳۲: وَاَشْرِكْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ (اور اس کو میرے اس کام میں شریک کر دے) اس کو میری نبوت و رسالت میں شریک بنا۔

قراءت: شامی نے اَشْدُدْ و اُشْرِكْهُ کو نفس حکایت کے طور پر جواب قرار دیکر پڑھا۔ جبکہ دیگر قراء نے دعا اور سوال کے طور پڑھا۔

۳۳: كَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا (تاکہ ہم تیری کثرت سے تسبیح بیان کریں) تیرے لئے نماز پڑھیں اور تسبیح کرتے ہوئے تیری پاکیزگی بیان کریں۔

۳۴: وَّنَذْكُرَكَ كَثِیْرًا (اور تیری بہت یاد کریں) نمازوں میں اور نمازوں سے باہر۔

۳۵: اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا (بیشک تو ہمیں دیکھنے والا ہے) ہمارے حالات سے خوب واقف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر ان کا جواب مرحمت فرمایا:

۳۶: قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰی (کہا اے موسیٰ تمہارا سوال تمہیں دے دیا گیا) جو تم نے مانگا وہ عنایت کر دیا گیا۔

اللغۃ: السُّؤْل طلب کو کہا جاتا ہے اس کا وزن فُعْل ہے اور بمعنی مفعول ہے جیسا کہ خبز بمعنی مخبوز آتا ہے۔ (اکل بمعنی ماکول)

قراءت: ابو عمرو نے سولك کو بلا ہمزہ پڑھا ہے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرٰىٓ ﴿٣٧﴾ إِذْ أَوْحَيْنَآ إِلٰىٓ أُمِّكَ مَا يُوحٰىٓ ﴿٣٨﴾ أَنِ اقْذِفِيهِ

اور (اے موسیٰ) ہم نے تم پر ایک مرتبہ اور بھی احسان کیا تھا۔ جب ہم نے تمہاری والدہ کو الہام کیا تھا جو تمہیں بتایا جاتا ہے۔ (وہ یہ تھا) کہ اسے صندوق میں

فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي

رکھ دو۔ پھر اس صندوق کو دریا میں ڈال دو۔ پھر دریا اسے کنارے پر ڈال دے گا۔ اس کو ایک شخص اٹھا لے گا جو میرا بھی دشمن ہے

وَعَدُوٌّ لَّهٗ ۚ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيٓ ﴿٣٩﴾ إِذْ تَمْشِيٓ أُخْتُكَ

اور اس کا بھی۔ اور میں نے تم پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی اور تاکہ تم میری نگرانی میں پرورش پاؤ۔ جب تمہاری بہن چلتی ہوئی آئیں

فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ۖ فَرَجَعْنٰكَ إِلٰىٓ أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ

پھر کہنے لگیں کیا میں تمہیں ایسا شخص بتاؤں جو اس کی پرورش کا ذمہ لے۔ پھر ہم نے تمہیں تمہاری والدہ کی طرف لوٹا دیا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہوں

وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُونًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِيٓ أَهْلِ

اور تم نے ایک جان کو قتل کر دیا تھا۔ پھر ہم نے تمہیں غم سے نجات دی اور ہم نے تمہیں خوب آزمایا۔ پھر تم اہلِ مدین میں کئی سال

مَدْيَنَ ۙ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوسٰى ﴿٤٠﴾

رہے۔ پھر اے موسیٰ تم ایک خاص وقت پر آ پہنچے۔

۳۷: وَلَقَدْ مَنَنَّا (اور ہم احسان کر چکے) انعام کر چکے عَلَيْكَ مَرَّةً (تم پر ایک مرتبہ) ایک بار أُخْرٰى (دوسری) اس سے پہلے۔ اس کی وضاحت فرمائی۔

ولادت کے وقت احسانات کا تذکرہ:

۳۸: إِذْ أَوْحَيْنَآ إِلٰىٓ أُمِّكَ مَا يُوحٰىٓ (جبکہ ہم نے تمہاری ماں کو وہ بات بتلائی جو الہام سے بتانے کی تھی) وحی کا معنی یہاں الہام ہے یا خواب۔ جب موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ فرعون تو ہر بچے کو قتل کر رہا تھا۔ اذ یہ مننا کا ظرف ہے۔ پھر ما یوحی کی تفسیر اس ارشاد سے فرمائی۔

۳۹: أَنِ اقْذِفِيهِ (اس کو رکھ دو) ڈال دو فِي التَّابُوتِ (صندوق میں) اَن مفسرہ ہے کیونکہ وحی یہاں قول کے معنی میں ہے۔ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ (پھر اس کو ڈال دو دریا میں) یعنی دریائے نیل میں۔ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ (پس موسیٰ کو دریا کنارے پر لے آئے گا)۔

الساحل: اس جگہ کو کہتے ہیں جس کو ساحل کہتے ہیں کیونکہ پانی اس کو چھیلتا ہے۔

نکتہ: امر کا صیغہ اقبل کی مناسبت سے لایا گیا مگر وہ خبر کے معنی میں ہے۔ یعنی یلقیہ الیم بالساحل۔ دریا اس کو ساحل پر ڈال دے گا۔ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ (اس کو ایسا شخص لے لے گا۔ جو میرا بھی دشمن ہے اور اس کا بھی دشمن ہے) مراد اس سے فرعون ہے اور تمام ضمائر موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہیں۔ بعض ضمائر موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہیں۔ بعض ضمائر کو موسیٰ علیہ السلام اور بعض کو تابوت کی طرف لوٹانے سے نظم میں تنافر پیدا ہوتا ہے۔ اگرچہ مقذوف فی البحر اور الملقی الی الساحل تابوت ہی ہے۔ لیکن تابوت کے اندر تو موسیٰ علیہ السلام ہیں (اور اصل مقصود وہی ہیں)

روایت میں ہے کہ تابوت میں اچھی ہوئی روئی رکھ کر موسیٰ علیہ السلام کو اس میں رکھا گیا تھا اور صندوقچے کو تارکول لگائی گئی تھی پھر اس کو دریا کے حوالہ کیا گیا تھا۔ دریا سے نہر کی ایک بڑی نہر فرعون کے باغ کی طرف جاتی تھی۔ فرعون اپنے باغ میں ایک تالاب کے کنارے آسیہ ملکہ کے ساتھ بیٹھا تھا کہ اچانک صندوقچہ پر نظر پڑی۔ فرعون نے اس کو نکالنے کا حکم دیا۔ اس کو نکال کر کھولا گیا ایک خوبصورت بچہ پایا۔ جس کا چہرہ جمال و صباحت سے مزین تھا۔ فرعون کو دیکھتے ہی اس بچے سے شدید محبت پیدا ہوگئی اس بات کو اس ارشاد میں ذکر کیا گیا۔

وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي (میں نے تم پر اپنی طرف سے محبت ڈالی) مِنِّي یہ اَلْقَيْتُ کے متعلق ہے۔ مطلب یہ ہوا میں نے تمہیں محبوب بنالیا۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں دل بھی اسی کو چاہتے ہیں۔ پس ان کو جو کوئی دیکھتا وہ ان سے محبت کرنے لگتا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی اس قدر ملاحت تھی کہ جو بھی ان کو دیکھتا ان سے محبت کرنے لگتا۔

وَلِتُصْنَعَ عَلَى عَيْنِي (تاکہ تم میری نگرانی میں پرورش پاؤ) وَلِتُصْنَعَ کا عطف محذوف پر ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے والقیت علیک محبۃ لتحب ولتصنع میں نے تم پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی تاکہ تجھے محبوب بنایا جائے اور تیری پرورش کی جائے۔ علی عینی ہماری نگرانی میں تمہاری تربیت ہو۔ اور یہ اصل میں صنع الفرس سے لیا گیا ہے اچھی دیکھ بھال کی اور حسن سلوک سے پیش آیا۔ مطلب یہ ہے کہ ہم تمہاری نگرانی اور نگہبانی کرنے والے ہیں جس طرح کوئی آدمی اس چیز کی نگرانی کرتا ہے جس کی طرف وہ متوجہ ہو۔ ولتصنع لام کے سکون اور جزم سے مراد یہ ہے کہ یہ امر ہے۔

۴۰: إِذْ تَمْشِي (جب چلتی ہوئی آئی) یہ إِذْ اوحینا سے بدل ہے کیونکہ بہن کا چل کر آنا یہ بھی موسیٰ علیہ السلام پر احسان تھا۔ أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى مَن يَكْفُلُهُ (تمہاری بہن۔ پس وہ کہہ رہی تھی کیا میں تم کو ایسی عورت کا پتہ بتادوں جو اس کو پالے) روایت میں ہے کہ ان کی بہن مریم ان کی اطلاع معلوم کرنے پہنچے آئیں تو اس کا سامنا ایسے لوگوں سے ہوگیا جو ایسی دودھ پلانے والی عورت ڈھونڈ رہے تھے۔ جس کے دودھ کو وہ بچہ قبول کرلے۔ اب تک موسیٰ علیہ السلام نے کسی عورت کا دودھ قبول نہ کیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا کہ تمہیں ایسے لوگ نہ بتلا دوں جو اپنے ہاں رکھ کر اس کی تربیت کریں اور اس سے ان کی مراد دودھ پلانے والی عورت تھی۔

مضارع فعل کو ذکر کرنا ماضی کی حکایت کرتے ہوئے ہے۔ انہوں نے مریم کی بات سن کر ہاں میں جواب دیا۔ اور اس کو مرضعہ کے بلا لانے کا حکم دیا۔ وہ اپنی والدہ کو لے آئیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے دودھ کو قبول کرلیا۔ اسی بات کا ذکر اس ارشاد میں فرمایا۔

فَرَجَعْنٰكَ پس ہم نے تمہیں لوٹا دیا۔ اِلٰٓى اُمِّكَ (تمہاری ماں کی طرف۔) جیسا کہ ہم نے اس کا وعدہ اپنے اس قول سے کیا۔ انا رادوہ الیک [القصص:۷] كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا (تا کہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو) تمہارے اس کے ہاں قیام کی وجہ سے۔ وَلَا تَحْزَنَ (اور وہ غمگین نہ ہو) تمہاری جدائی پر۔

قبطی کا قتل اور پھر مدین جانا:

وَقَتَلْتَ نَفْسًا (اور تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا) یعنی ایک قبطی کو قتل کر دیا۔ فَنَجَّیْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ (پس ہم نے تمہیں غم سے نجات دی) یعنی قصاص سے۔ دوسرا قول یہ ہے الغم کا لفظ لغت قریش میں قتل کے معنی میں آتا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے آپ کو قتل پر اللہ تعالیٰ کی سزا کے خوف کا غم طاری تھا۔ اور فرعون کے قصاص لینے کا بھی غم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تو ان کے استغفار کی وجہ سے بخش دیا۔ استغفار اس طرح تھا قال رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی اور فرعون سے بچا کر مدین میں پہنچا دیا۔ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا (اور تمہیں آزمایا آزمانا) ہم نے تمہاری اس طرح آزمائش کی کہ تمہیں مشقتوں میں ڈالا اور پھر ان سے نکالا۔

اللغۃ: الفتون یہ القعود کی طرح مصدر ہے نمبر۲۔ یہ فتنۃ کی جمع ہے۔ ای فتناک ضروبا من الفتن اور الفتنۃ مشقت کو کہتے ہیں۔ ہر وہ چیز جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمائے وہ فتنہ ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے ونبلوکم بالشر والخیر فتنۃ [الانبیاء:۳۵]

فَلَبِثْتَ سِنِیْنَ فِیْٓ اَهْلِ مَدْیَنَ (پس تم ٹھہرے کئی سال اہل مدین میں) یہ مدین شعیب علیہ السلام کا شہر ہے۔ یہ مصر سے آٹھ مرحلہ پر واقع ہے۔ بقول وہب کہ شعیب علیہ السلام کے پاس ۲۸ سال ٹھہرے۔ دس سال تو اپنی بیوی صفوراء کا مہر تھا۔ اور ۱۸ سال اس کے بعد ان کے ہاں قیام کیا یہاں تک کہ ان کے ہاں اولاد ہوگئی۔ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ یّٰمُوْسٰى (پھر تم ایک خاص وقت پر آئے) وعدہ کا وقت اور وہ مقدار جو رسالت کیلئے مقدر تھی۔ وہ چالیس سال کی عمر تھی۔

۴۴: فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا (پھر اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا) تم دونوں اس سے ملاطفت سے بات کرنا۔ اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام پر اس کا حق تربیت تھا۔ نمبر۲۔ اس کو کنیت سے بلانا۔ اس کی تین کنیتیں تھیں۔

نمبر۱۔ ابوالعباس نمبر۲۔ ابوالولید۔ نمبر۳۔ ابومرۃ۔

نمبر۳۔ اس کو ایسی جوانی کا وعدہ کرنا جس کے بعد بڑھاپا نہیں اور ایسی بادشاہی جو اس سے موت کے علاوہ چھینی نہ جائے گی۔ نمبر۴۔ یا اس سے وہ ارشاد مراد ہے جو دوسرے مقام پر ہے۔ هل لك الى ان تزكى و اهديك الى ربك فتخشى کلام کا ظاہر استفہام اور مشورہ ہے۔

لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ (شاید کہ وہ نصیحت پذیر ہو جائے) نصیحت قبول کرلے اور غور و فکر کرے پھر حق کا یقین کر لے۔ اَوْ يَخْشٰى (یا وہ ڈر جائے) یعنی وہ اس بات سے ڈرے کہ معاملہ اسی طرح ہے جیسا کہ تم دونوں بیان کر رہے ہو۔ اس صورت میں اس کا انکار ہلاکت کے مترادف ہے۔

نکتہ: یہاں لعله يتذكر فرمایا حالانکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ وہ نصیحت قبول نہ کرے گا۔ کیونکہ ترجی علم و رجاء دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ مطلب یہ اس طرح ہوگا۔ اذهبا على رجائكما و طمعكما تم اپنی امید اور توقع کے ساتھ جاؤ۔ اور تم تم کو اس انداز سے انجام دو کہ جس طرح وہ شخص ادا کرتا ہے۔ جس کو توقع ہے کہ اس کا عمل ضائع نہ ہو گا۔ اور رہی یہ بات کہ جب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ وہ ہرگز ایمان نہ لائے گا تو ارسال رسل کا فائدہ کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اتمام حجت اور قطع معذرت بطریق اسباب مقصود ہے (باقی حکمتوں سے وہ واقف ہے جس کی یہ کائنات ہے کہ یہ مزید کی مجال نہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ لعله يتذكر کا معنی یہ ہے کہ لعله يتذكر متذكر او يخشى خاش کہ شاید کوئی نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت پائے اور ڈرنے والا ڈر جائے۔ چنانچہ اسی طرح بہت سے لوگوں کے سلسلہ میں واقع ہوا جو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ اور ایک قول ہے کہ کل اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے جب آئے تو وجوب کو ظاہر کرتا ہے۔ اور یقیناً اس کو نصیحت تو آگئی لیکن اسوقت اس کو نصیحت نے فائدہ نہ دیا۔ (کیونکہ قبول نہ کیا)۔ قول آخر یہ ہے فرعون نے نصیحت حاصل کی اور ڈر گیا اور موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کا ارادہ کر لیا۔ مگر اس کو ھامان نے روک دیا۔ اور فرعون اپنے کسی معاملہ کا فیصلہ اس کے بغیر نہ کرتا تھا۔

یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی تو وہ زار و قطار رونے لگے اور عرض کیا اے اللہ یہ تیری نرمی تو اس شخص کے ساتھ ہے جو اپنے بارے میں کہتا ہے انا الله (کہ میں معبود ہوں) اس کے ساتھ تیری نرمی کا معاملہ کیا ہو گا۔ جو کہتا انت لا اله (کہ تو میرا معبود ہے) اور یہ تیری نرمی اس کے ساتھ ہے جو کہتا ہے۔ انا ربكم الاعلى اس کے ساتھ کتنی ہو گی جو کہتا ہے سبحان ربي الاعلى۔

۴۵: قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ (موسیٰ و ھارون نے کہا اے میرے رب ہمیں یہ اندیشہ ہے کہ وہ کہیں ہم پر زیادتی نہ کر بیٹھے) سزا میں جلد بازی کرے یفرط سے الفرط سے کہا جاتا ہے فرط عليه۔ اس نے جلدی کی۔ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى (یا وہ سرکشی نہ کرنے لگے) ہمارے ساتھ بدسلوکی میں حد سے تجاوز نہ کرے۔

۴۶: قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں اندیشہ نہ کرو میں تم دونوں کے ساتھ یقیناً ہوں) یعنی تمہارا حافظ و مددگار ہوں۔ اَسْمَعُ (میں سنوں گا) تمہارے اقوال کو وَاَرٰی (اور میں دیکھتا ہوں) تمہارے افعال کو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اسمع میں سننے والا ہوں تمہاری دعاؤں کو ان کو قبول کروں گا۔ وَاَرٰی (میں دیکھنے والا ہوں) جو تمہارے خلاف ارادہ کیا جائے تو اس میں رکاوٹ ڈالنے والا ہوں میں تمہارے احوال سے بے خبر نہیں تم پرواہ نہ کرو۔

دو بنیادی مطالبات اور ان کے پیش کرنے کا طریقہ:

۴۷: فَاْتِیٰہُ (پس تم دونوں جاؤ) فرعون کے پاس فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّکَ (پس تم دونوں کہو ہم تیرے رب کے قاصد ہیں) تیری طرف فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (پس تو بھیج دے ہمارے ہمراہ بنی اسرائیل کو) ان کو غلامی سے آزاد کر دے۔ وَلَا تُعَذِّبْہُمْ (اور ان کو تکلیفیں مت پہنچا) دشوار ترین مشقت کے کام لے کر۔ قَدْ جِئْنٰکَ بِاٰیَۃٍ (ہم تیرے پاس معجزہ لے کر آئے ہیں) آیت یہاں دلیل نبوت یعنی معجزے کیلئے استعمال ہوا۔ مِّنْ رَّبِّکَ (تیرے رب کی طرف سے) اس کی سچائی پر جو ہم نے دعویٰ کیا۔ یہ جملہ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّکَ کیلئے بطور بیان اور تفسیر کے ہے۔ کیونکہ دعوائے رسالت دلیل سے ہی ثابت ہوتا ہے اور آیت سے یہی دلیل نبوت کا لانا ہی مقصود ہے۔ فرعون نے یہ کہا کہ وہ دلیل کیا ہے پس آپ نے اپنا دست اقدس بغل سے نکالا تو اس سے شعاع آفتاب کی طرح شعاعیں نکل رہی تھیں۔ وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی (اور جو سیدھی راہ پر چلے اس کے لئے سلامتی ہے) یعنی عذاب سے وہ سلامتی پا سکتا ہے جو اسلام لے آئے۔ یہ سلام تحیہ نہیں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان ملائکہ کا سلام ہے جو ہدایت پانے والوں پر جنت میں نازل ہیں۔

۴۸: اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ (ہماری طرف یہ وحی کی گئی کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب) دنیا اور آخرت میں عَلٰی مَنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی (اس شخص پر ہوگا جس نے تکذیب کی اور منہ پھیرا) رسولوں کو جھٹلایا اور ایمان سے اعراض اختیار کیا۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝

فرعون نے کہا تو تم دونوں کا رب کون ہے اے موسیٰ! موسیٰ نے کہا کہ ہمارا رب وہی ہے جس نے ہر چیز کو اس کی پیدائش عطا فرمائی پھر راہ دکھائی۔

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ۝ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا

فرعون نے کہا تو پہلی جماعتوں کا کیا حال ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں ہے۔ میرا رب نہ غلطی کرتا ہے اور

يَنْسَى ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ

نہ بھولتا ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا اور اس میں تمہارے لئے راستے جاری کئے اور اس نے آسمان سے

السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ۝ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ

پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ مختلف قسم کے نباتات پیدا کئے۔ کھاؤ اور مویشیوں کو چراؤ بلاشبہ اس میں

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ۝ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝

عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ اسی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے تمہیں دوسری بار نکالیں گے۔

قرآن میں ادبی آیت:

یہ قرآن میں ادبی آیت قرار دی گئی کیونکہ جس سلام کو مومن کیلئے مخصوص کیا اور جس عذاب کو مکذب کیلئے مخصوص کیا اور جس کے بعد کوئی چیز رہ جاتی ہے۔ تم دونوں ان کے پاس جاؤ اور فریضہ رسالت ادا کرو۔ چنانچہ دونوں نے وہ کہا جس کا حکم ملا تھا۔

فرعون اور موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو کا آغاز:

۴۹: قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى (فرعون نے کہا اے موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے؟) اس نے دونوں کو اولاً مخاطب کیا پھر ایک کا نام لے کر آواز دی کیونکہ موسیٰ نبوت میں اصل تھے اور ہارون علیہ السلام ان کے تابع تھے۔

دلائل توحید:

۵۰: قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ (موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شئی کو اس کے مناسب بناوٹ عنایت فرمائی۔) خلقہ یہ اعطی کے دو میں سے پہلا مفعول ہے یعنی اعطی خلیقتہ کل شیء یحتاجون الیہ ویرتفقون بہ اس نے بناوٹ دی ہر چیز کو ایسی جس کے وہ ضرورت مند اور جس سے وہ فائدہ اٹھانے والے ہیں نمبر ۲۔ دوسرا مفعول ہے۔ ہر شئی کو اس کی وہ شکل و صورت دی جو اس کے منفعت و مقصد کے مطابق ہے جیسا کہ آنکھ کو وہ ہیئت دی جو بصارت کے مطابق ہے اور کان کو وہ شکل دی جو سننے کے مناسب تھی اور اسی طرح ناک پاؤں ہاتھ ہر ایک ان میں سے مقرر

صنعت کے عین مطابق ہے۔

قراءت: نصیر نے خَلَقَہٗ پڑھا ہے انہوں نے مضاف کی صفت قرار دیا یا مضاف الیہ کی۔ تقدیری عبارت اس طرح ہے اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ مَخْلُوْقَہٗ عطاء۔ ثُمَّ ھَدٰی (پھر اس کی راہنمائی کی) بتلا دیا کہ جو کچھ دنیا کی معیشت کیلئے ہے کس طرح اس سے فائدہ اٹھائے اور اخروی سعادت کی خاطر عمل کرے۔

۵۱: قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی (فرعون نے کہا پھر اقوام سابقہ کا کیا حال ہوا) گزری ہوئی قوموں کا کیا حال ہے؟ اور قرونِ پارینہ کا کیا معاملہ ہے۔ فرعون نے قرون متقدمہ کی حالت پوچھی کہ کون ان میں بدبخت ہے اور کون خوش نصیب۔

۵۲: قَالَ (موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا) عِلْمُھَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ کِتٰبٍ (ان کا علم میرے رب کے پاس دفتر میں محفوظ ہے) کتاب سے لوح محفوظ مراد ہے۔

نحو: عِلْمُھَا مبتدا اور عند ربی خبر ہے اور فی کتاب دوسری خبر ہے۔ آپ کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ یہ غیب کے متعلق سوال ہے جو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ میں تو اس کا ایک بندہ ہوں۔ مجھے تو اتنا ہی علم ہے جتنا علام الغیوب نے اطلاع دی ہے اور اس زمانہ سابقہ کے حالات کا علم لوح محفوظ میں درج ہے۔ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ (میرا رب نہ غلطی کرتا ہے) کوئی چیز اس سے فوت نہیں ہو سکتی۔ کہا جاتا ہے ضللت الشیء جبکہ اس کی جگہ بھول جائے اور اس جگہ کی طرف راہ نہ ملے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ لوگوں کی سعادت و شقاوت میں خطا نہیں کرتا۔ کہ جس کو سعید بنانا ہو اس کو شقی اور شقی کو سعید بنا دے۔ وَلَا یَنْسٰی (اور نہ بھولتا ہے) ان کے ثواب و عقاب کو نہیں بھولتا۔ نمبر۲۔ جو وہ جانتا ہے اس کو وہ نہیں بھولتا کہ کتاب سے اس کو کچھ پڑھے۔ کتاب تو اس لئے ہے تاکہ ملائکہ کو معلوم ہو جائے کہ مخلوق کا مستقبل اس کے معلوم کے موافق ہے۔

۵۳: الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَھْدًا (وہ ذات جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش کی طرح بنایا)

نحو: رَبِّیْ کی صفت ہونے کی وجہ سے اَلَّذِیْ مرفوع ہے۔ نمبر۲۔ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ نمبر۳۔ مدح کی وجہ سے منصوب ہے۔

قراءت: کوفی وغیرہ نے مھدًا کو مھادًا پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغات ہیں۔ بچھونے اور بچھانے کی چیز جیسے بولتے ہیں۔ وَّسَلَکَ (اور اس نے چلائے) نکالی بنائے۔ لَکُمْ فِیْھَا سُبُلًا (تمہارے لئے راستے) وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (اور اس نے آسمان سے بارش اتاری) فَاَخْرَجْنَا بِہٖ (پس ہم نے اس پانی سے نکالا) کلام میں تفنن پیدا کرنے کیلئے غیبت سے کلام کا رخ متکلم کی طرف موڑ دیا۔

ایک قول یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا کلام پورا ہو چکا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے متعلق فاخرجنا بہ سے اطلاع دی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے۔ یعنی ہم کھیتی کرکے اور اس کو پانی دے کر نکالتے ہیں۔ اَزْوَاجًا (اقسام) مِّنْ نَّبَاتٍ (نباتات کی)

نحو: نبات مصدر ہے اور اُگنے والی چیز کا نام اس سے رکھ دیا۔ اس میں مصدر کی وجہ سے واحد جمع برابر ہیں۔

شَتّٰی مختلف نمبر۱۔ یہ ازواج کی صفت ہے۔ نمبر۲۔ نبات کی صفت ہے یہ شتیت کی جمع ہے جیسے مریض، مرضٰی۔ مطلب یہ ہوا کہ نباتات نفع، مزہ، ذائقہ، رنگت، خوشبو، شکل میں مختلف ہیں۔ بعض لوگوں کے استعمال کیلئے جبکہ دوسری حیوانات کے کام آتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا ایک اور انعام ملاحظہ کریں کہ ہمارے ارزاق چوپایوں کے کام سے حاصل ہوتے ہیں اور انکا چارہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو بنایا ہے جو ہماری ضرورت سے فاضل اور بچی ہوئی ہیں۔ جن کو کھانے کی قدرت تو ہمیں بھی نہیں ہے۔

۵۴: كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ (تم کھاؤ اور اپنے چوپایوں کو کھلاؤ)

تنبیہ: یہ امر اباحت کی تعبیر سے جاری ہے۔ مطلب یہ ہے ہم نے مختلف اقسام کی نباتات نکالیں اس حال میں کہ ان سے انتفاع کی اجازت دی۔ بعض کا خود کھانا مباح کیا اور دیگر کا اپنے جانوروں کو کھلانا۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ (بیشک اس میں) جس کا ہم نے تذکرہ کیا ہے (انعامات) بہت سی دلالتیں ہیں۔ لِّاُولِی النُّهٰی (عقل مندوں کیلئے) النہی جمع ہے اور اس کا واحد نُهْیَۃ ہے نمبر۱۔ اس کو اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ ممنوعات سے روکتی ہے نمبر۲۔ مدرکات میں اسی کی طرف انتہا ہوتی ہے۔

معمولیاتِ انسانی اور زمین:

۵۵: مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ (اور ہم نے تم کو زمین سے پیدا کیا) یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو دوسرا قول ہر نطفہ کو دفن والی جگہ کی تھوڑی سی مٹی میں گوندھا جاتا ہے پھر مٹی اور نطفے کو ملا کر اس کے جسم کی تخلیق کی جاتی ہے۔ تیسرا قول نطفہ غذاؤں کا نچوڑ ہے اور وہ غذائیں زمین ہی سے نکلتی ہیں۔ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ (اور اسی میں ہم تم کو لوٹائیں گے) جبکہ تم مر کر دفن ہوگے وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ (اور اسی سے تم کو نکالیں گے) بعث کے وقت تَارَةً اُخْرٰى (دوسری مرتبہ) نکالنے سے مراد یہ ہے کہ انسانوں کے متفرق اجزاء جو مٹی میں مل چکے تھے ان کو از سر نو جمع کر کے جوڑ دیا جائے گا اور سابقہ صورت زندہ کر کے [illegible] اور محشر کی طرف ان کو نکالا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی جو معمولیات زمین سے متعلق ہیں ان کو شمار فرمایا۔ نمبر۱۔ کہ اس کو فرش اور بچھونے کی طرح بنایا کہ جس پر آتے جاتے ہیں۔ نمبر۲۔ ان کے لئے راستوں کو درست کر دیا جن میں اپنی مرضی سے چلتے ہیں۔ نمبر۳۔ اس میں مختلف قسم کی نباتات اگائیں جن میں انسانوں کی خوراک اور ان کے چوپایوں کا چارہ اگا دیا۔ زمین ہی ان کی وہ اصل ہے جس سے انہوں نے پرورش پائی اور ان کی وہ ماں ہے جس سے ان کو پیدا کیا گیا۔ نمبر۴۔ اور زمین ہی وہ ہے جو موت کے بعد ان کا ٹھکانا ہے۔

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿۶۱﴾ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿۶۲﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰىنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿۶۴﴾

اور ہم نے فرعون کو اپنی سب نشانیاں دکھائیں مگر وہ تکذیب ہی کرتا رہا اور انکار ہی کرتا رہا۔ وہ کہنے لگا کہ اے موسیٰ کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ اپنے جادو کے زور سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال دو۔ سو ہم بھی تمہارے مقابلہ میں ایسا ہی جادو لائیں گے سو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کر لو کہ نہ ہم اس کے خلاف کریں اور نہ تم، ایک ہموار میدان میں۔ موسیٰ نے کہا تمہارے وعدہ کا دن زینت کا دن ہے اور یہ کہ لوگ چاشت کے وقت جمع ہو جائیں۔ پھر فرعون لوٹ گیا پھر اس نے اپنی تدبیر کا سامان جمع کیا پھر آ گیا۔ موسیٰ نے ان سے کہا ہلاکت ہے تمہارے لئے خدا پر جھوٹ افترا مت کرو ورنہ وہ تمہیں کسی عذاب سے ہلاک کر دے گا اور جو افترا کرے وہ نامراد ہوا۔ پھر انہوں نے اپنے معاملہ میں باہم اختلاف کیا اور چپکے چپکے سرگوشی کرنے لگے۔ کہنے لگے کہ یہ دونوں جادوگر ہیں چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور سے تم لوگوں کو تمہاری سرزمین سے نکال دیں اور تمہارے عمدہ طریقے کو ختم کر دیں۔ لہٰذا اب تم سب اپنی تدبیر کا انتظام کر کے پھر صف باندھ کر آ جاؤ اور جو غالب ہوا آج وہی کامیاب ہوگا۔

تشریحات

۵۶: وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا (ہم نے اس کو اپنی ساری نشانیاں دکھائیں) اَرَيْنٰهُ کی ضمیر فرعون کی طرف جاری ہے۔ آیات سے یہ نو آیات مراد ہیں نمبر۱۔ عصا نمبر۲۔ ید بیضاء نمبر۳۔ سمندر کا پھٹنا۔ نمبر۴۔ پتھر کا پھٹنا۔ نمبر۵۔ ٹڈی یعنی ٹڈی دل۔ نمبر۶۔ جوئیں۔ نمبر۷۔ مینڈک نمبر۸۔ خون۔ نمبر۹۔ پہاڑ کا اکھڑ کر لٹکنا۔ فَكَذَّبَ (پس اس نے جھٹلایا) ان آیات کو وَاَبٰى (اور حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا) یعنی ایمان و اطاعت سے انکار کر دیا۔

فرعون کا خوف اور جادوگروں سے مقابلہ کی تیاری:

۵۷: قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى (کہنے لگا اے موسیٰ کیا تو اس لئے ہمارے پاس آیا ہے تا کہ تو اپنے سحر سے ہم کو ہماری سرزمین سے نکال دے) قول کا قائل فرعون اور ارضنا سے مراد سرزمین مصر ہے۔

نکتہ: یہ آیت بتلا رہی ہے کہ فرعون موسیٰ علیہ السلام سے بہت ڈر گیا اور بِسِحْرِكَ کہہ کر بہانہ لگایا ورنہ کون سا ایسا جادوگر ہے جو بادشاہ کو اس کی حکومت سے نکال باہر کرے۔

۵۸: فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ (پس اب ہم بھی تیرے مقابلے میں ایسا ہی جادو لائیں گے) یعنی تیرا مقابلہ ایسے جادو سے کریں گے جو تیرے جادو جیسا ہوگا۔ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا (پس تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدہ مقرر کر لے) موعد یہ مصدر ہے جو الوعد کے معنی میں ہے ظرف زمان و مکان نہیں البتہ مضاف مقدر مانا جائے گا۔ ای مکان موعد اور لَّا نُخْلِفُهٗ (جس کے خلاف نہ ہم کریں) اس وعدے کی۔

قراءت: لا نخلفْهٗ کو جزم کے ساتھ یزید نے امر کا جواب ہونے کی وجہ سے پڑھا اور دیگر قراء نے موعد کا صفت ہونے کی وجہ سے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا (ہم اور نہ تم کسی ہموار میدان میں) یہ مکان محذوف کا بدل ہے اور یہ بھی درست ہے کہ مضاف مقدر نہ ہو۔ اور معنی اس طرح کر لیا جائے تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدہ مقرر کر جس کی ہم خلاف ورزی نہ کریں۔ اور مکانا مصدر ہونے کی بنا پر منصوب ہوگا۔ نمبر ۲۔ یا اس فعل کی بنا پر منصوب ہوگا۔ جس پر مصدر دلالت کرتا ہے۔

سُوًى (ہموار)

قراءت: حجازی، ابو عمرو، علی رحمہم اللہ نے کسرہ سے پڑھا ہے۔ جبکہ دیگر قراء نے ضمہ سے۔

نحو: یہ مکان کی صفت ہے۔ نمبر ۲۔ یا استواء سے لیا جائے تو پھر اس کا معنی نصف ہوگا۔ ایسا مکان جو ہمارے اور تمہارے لیے آدھے راستہ پر واقع ہو کہ فاصلہ درمیان سے طرفین تک برابر ہو۔

یوم زینت سے مراد:

۵۹: قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ (کہ تمہارے مقابلہ کے وعدہ کا وقت وہ دن ہے جس میں تمہارے تہوار کا دن ہے)

نحو: موعدکم مبتدا یوم الزینۃ خبر ہے۔ یہ ان کے ہاں خوشی کا دن تھا۔ نمبر ۲۔ نیروز کا دن نمبر ۳۔ یوم عاشورہ۔ زمان کے ساتھ جواب اسی صورت میں درست ہوتا ہے (اگرچہ مکان کے متعلق سوال ہو) جبکہ وہ دن کی صورت میں ہے) کیونکہ ان کا اجتماع زینت کے دن آخر کسی مکان میں وقوع پذیر ہوگا۔ پس زمان کو بطور علم مکان کے ذکر دیا۔ اور دوسری تفسیر کے مطابق تقدیر عبارت یہ ہوگی وعدکم وعد یوم الزینۃ تمہارا وعدہ یوم الزینت کا وعدہ ہے۔

وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ (اور جس میں لوگ جمع ہو جاتے ہیں) یعنی جمع کئے جاتے ہیں۔

نحو: نمبر ۱۔ یہ موضع رفع میں ہے۔ نمبر ۲۔ یوم پر عطف کی وجہ سے موضع جر میں ہے۔ نمبر ۳۔ الزینۃ پر عطف کی وجہ سے موضع جر میں ہے۔ ضُحًى (چاشت کے وقت) جب دھوپ کے وقت تا کہ شک و شبہ سے بالاتر ہو اور حق کے سامنے آنے کیلئے ظاہر تر

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ۝ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا

کہنے لگے کہ اے موسیٰ یا تم پہلے ڈالو اور یا ہم پہلے ڈالنے والے بنیں۔ موسیٰ نے کہا بلکہ تم ہی پہلے ڈالو پس

حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۝ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً

یکایک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کی وجہ سے موسیٰ کے خیال میں ایسی معلوم ہونے لگیں جیسا کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔ سو موسیٰ نے اپنے دل میں تھوڑا سا خوف

مُّوْسٰى ۝ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۭ

محسوس کیا۔ ہم نے کہا کہ تم مت ڈرو بلاشبہ تم ہی غالب رہو گے۔ اور تمہارے داہنے ہاتھ میں جو ہے اس کو ڈال دو وہ ان سب کو نگل جائے گا جو کچھ انہوں نے بنایا ہے

اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا

انہوں نے صرف جادوگروں والا مکر کیا ہے اور جادوگر جہاں کہیں بھی جائے کامیاب نہیں ہوتا۔ سو جادوگر سجدہ میں گر پڑے کہنے لگے

اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ۝

کہ ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے۔

ربیعلن شبب لد علا لك ولد کبرت لفلت انه انعم کے معنیٰ ای نعم اور ھذا ن اسی سے ہے۔ ھٰذٰن مبتدا ہے ساحران خبر ہے۔ مبتدا کو حذف کی۔ اور لام اصل میں مبتدا محذوف پر داخل ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے۔ ھٰذان لھما ساحران۔ یعنی اس کا داخل ہونا اپنے مقررہ مقام یعنی ابتداء میں ہے۔ یا لام کبھی خبر میں داخل ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ مبتدا اس قول میں خالی لانت ومن جریر خالہ کہتے ہیں یہ بات زجاج پر پیش کیا گیا تو اس نے پسند کیا مگر ابن جنی نے اس کو فضول قرار دیا۔

يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا (یہ دونوں چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہاری سرزمین سے اپنے جادو کے زور سے نکال باہر کریں۔ وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى (نکال باہر کریں اور تمہارے اعلیٰ طریقے کو ختم کر دیں) زمین سے سرزمین مصر اور طریقہ سے قبطی مذہب و دین۔ المثلٰی افضل کو کہتے ہیں۔ یہ امثل کی مؤنث ہے۔

۶۴: فَاَجْمِعُوْا (پس تم حل طلب کرو اور نظام کرو) پس تم فیصلہ کرو یعنی اس کو اجتماعی فیصلہ قرار دو باہمی اختلاف نہ کرو۔

قراءت: ابو عمرو نے فَاجْمَعُوْا پڑھا ہے اور اس کی تائید فَجَمَعَ كَيْدَهٗ۔ [طٰہٰ:۶۰] سے ہوتی ہے۔

كَيْدَكُمْ (اپنی تدبیر) جو تدبیر کرنی ممکن ہے۔ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا (پھر صف بندی کر کے مقابلہ میں آؤ)

نحو: صفاً یہ حال ہے کہ مصطفین۔ انہوں نے صف بندی اس لئے کی کیونکہ یہ دیکھنے والوں کے دلوں میں زیادہ رعب ڈالنے والی چیز ہے۔

وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى (اور آج جو غالب آئیگا وہی کامیاب ہوگا) جو غالب آیا وہ کامیاب۔ نحو: یہ جملہ معترضہ ہے۔

۶۵: قَالُوْا (انہوں نے کہا یعنی جادوگروں نے) یٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِیَ (اے موسیٰ یا تو تم اپنا عصا پہلے ڈالو) وَاِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى (یا ہم پہلے ڈالنے والے بنیں) جو کچھ ہمارے پاس ہے۔

نحو: اَنْ اپنے مابعد سمیت دونوں مقام پر فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے۔ نمبر۲۔ مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہے۔ اس کا معنی اس طرح ہوگا اختر احد الامرین دو میں سے ایک بات کا چناؤ کرو۔ نمبر۳۔ الامر القاؤک او القاؤنا۔ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ یہ اختیار دینا ان کی طرف سے آپ کے ساتھ حسن ادب کو ظاہر کر رہا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے یہ بات ان کے دل میں ڈالی۔ اور آپ کی ان تک پہنچائی اور موسیٰ علیہ السلام کو ان کے پہلے ڈالنے کا علم عنایت فرمایا اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

۶۶: قَالَ بَلْ اَلْقُوْا (موسیٰ علیہ السلام نے کہا بلکہ تم ڈالو) تاکہ ان کے پاس جو جادو کے فریب تھے وہ خوب ظاہر کریں اور اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کا غلبہ خوب واضح کر دیں اور حق کو باطل پر مار کر اس کا بھیجا نکال دیا جائے۔ اور معجزے کو جادو پر مسلط کر کے اس کو مٹا دیا جائے۔ تاکہ دیکھنے والوں کے سامنے نبوت وقدرت کا روشن نشان ہو۔ اور عبرت حاصل کرنے والے اس سے عبرت لے سکیں وہ جو کچھ پھینکنا چاہتے تھے پھینکا۔ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِیُّهُمْ (پس یکایک ان کی لاٹھیاں اور رسیاں)

نحو: یہ اذا کہا جاتا ہے مفاجات کیلئے ہے۔

تحقیقی قول یہ ہے کہ اذا یہاں وقت کے معنی میں ہے جا ہے لیے نصب کو چاہتا ہے اور جملہ اس کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ خاص کر بعض مقامات پر اس کا ناصب فعل مخصوص ہوتا ہے اور وہ فعل مفاجات ہے اور یہ جملہ ابتدائیہ ہے اور کوئی شخص نہیں سکتا۔ تقدیر عبارت یہ ہے: ففاجا موسٰی وقت تخییل سعی حبالھم و عصیھم مطلب اس طرح ہے علی مفاجاتہ حبالھم و عصیھم مخیلة الیه السعی اچانک موسیٰ کو ایسا خیال ہونے لگا کہ وہ رسیاں اور لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں۔ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ (خیال ہونے لگا)

قراءت: ابن ذکوان نے تا سے پڑھا ہے۔

نحو: ضمیر موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى (ان کے جادو کی بنا پر کہ وہ دوڑ رہی ہیں) تخیل کی ضمیر سے بدل الاشتمال ہے ای تخیل السعی۔ ڈالی ہوئی چیزوں کے متعلق تخیل پیدا ہوا۔ اور روایت تفسیر میں یہ ہے کہ انہوں نے لاٹھیوں کو پارے میں ڈبو رکھا تھا۔ جب دھوپ ان پر پڑی تو وہ حرکت کرنے لگیں۔ وہ لہرانے لگیں جس سے یہ تخیل پیدا ہوا۔

۶۷: فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰى (پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا۔) دل میں خوف پائے۔ یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ انکار رخ کر رہی ہیں۔ اور نمبر۲۔ فطرت بشریہ کے تقاضے سے ایسا ہوا۔ نمبر۳۔ ان کو خطرہ ہوا کہ لوگ غلاف میں مبتلا ہو کر شب سے ان کی اتباع نہ کر پائیں گے۔ اور دھوکے میں مبتلا ہو جائیں گے۔

۶۸: قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى (ہم نے کہا تم کچھ خوف نہ کرو بلاشبہ تم ہی سب پر غالب رہو گے) غالب و زبردست ہو گے۔

تاکید ہے۔ میں مبالغہ واضح ہے نمبر۱ ان نمبر۲ انت۔ نمبر۳ حرف تعریف نمبر۴ لفظ اعلیٰ اور وہ غلبہ ظاہر ہے۔

ان کے سوانگ کو نگل جائے گا:

۶۹: وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ (اور تم جو کچھ تمہارے ہاتھ میں ہے اس کو ڈال دو۔) ان لوگوں نے جو کچھ جھوٹ بنایا۔ اس کو نگل لے گی۔

قراءت: تَلْقَفْ تا مجزوم اور فا کے سکون اور قاف کی تخفیف کے ساتھ حفص نے پڑھا ہے۔ ابن ذکوان نے تَلَقَّفُ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے تَلَقَّفْ پڑھا ہے۔

مَا صَنَعُوْا (جو انہوں نے بنایا ہے) جو کچھ جھوٹ بنایا اور کیا۔ مطلب یہ ہے تم اپنی لاٹھی پھینک دو وہ ان کی لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل جائے گی۔ یہاں عصاک نہیں فرمایا کیونکہ وہ عصا باعظمت تھا۔ گویا اس طرح فرمایا گیا کہ تم ان کے سوانگ کی طرف بالکل توجہ نہ دو۔ اور اس کی پرواہ نہ کرو جو آپ کے سوانگ ہاتھ میں ہے یہ ان سے بہت بڑھ کر ہے۔ نمبر۲۔ تحقیر کے طور پر فرمایا کہ تم ان کی رسیوں اور لاٹھیوں کی کثرت کی طرف توجہ نہ کرو اس اکیلی چھوٹی سی چھڑی کو جو تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے ڈال دو وہ تیرے رب کی قدرت سے اکیلی ہونے اور ان کی کثرت کے باوجود ان سب کو نگل جائے گی۔

اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ (انہوں نے جو کارروائی کی ہے وہ جادو کا فریب ہے۔)

قراءت: کوفی نے سحر پڑھا ہے۔ مگر سحر ان میں شامل نہیں۔ اس کا معنی ذی سحر ہوگا۔ جادو والا۔ نمبر۲۔ وہ جادو میں دن رات مشغول و مستغرق ہونے کی وجہ سے مجسمہ سحر تھے۔

کید کا لفظ ہر دو قراءت کے لحاظ سے مرفوع پڑھا گیا ہے۔ اور ما موصولہ ہے یا مصدریہ ہے۔ بابت ساحر کو واحد لایا گیا ہے جمع ذکر نہیں کیا کیونکہ کلام میں مقصود جنسیت کا معنی ہے عددی معنی مقصود نہیں۔ اگر جمع لاتے تو عدد کو مقصود سمجھ لیا جاتا جیسا اس قول میں ہے۔ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ (اور جادوگر کہیں کامیاب نہیں ہوتا) یہاں جنس ساحر مراد ہے۔ حَيْثُ اَتٰى (جہاں کہیں ہو)۔

۷۰: پس موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی ڈال دی۔ اس نے ان کے سارے سوانگ کو نگل لیا۔ اس عظیم نشانی کو دیکھ کر وہ سجدہ میں گر گئے۔ اسی کو اس آیت میں ذکر فرمایا۔ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا (جادوگر سجدہ میں گر گئے)

اخفش کا قول:

انہوں نے چونکہ بہت جلد سجدہ کیا اس لئے فرمایا گویا وہ گرا دیے گئے۔ پس یہ معاملہ کتنا عجیب ہے کہ وہ جماعت کفر و انکار کے وقت میں رسیاں اور لاٹھیاں ڈال رہے تھے۔ پھر ایک گھڑی کے بعد ان کے سر شکریہ کے ساتھ سجدہ میں پڑے ہوئے تھے پس دونوں القاؤں میں کتنا فرق ہے۔ روایت تفسیر یہ ہے کہ انہوں نے جنت اور اس کی منازل کو حالت سجدہ میں ملاحظہ کیا پھر سر اٹھا کر پکار اٹھے۔ قَالُوْا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى (کہنے لگے ہم تو ہارون و موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے۔) یہاں ہارون کو مقدم ذکر کیا گیا جبکہ سورۃ شعراء میں موخر کیا گیا فاصلہ کا لحاظ کیا گیا اور دوسری بات یہ ہے کہ واؤ ترتیب کو چاہتی نہیں۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِىْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ

(فرعون نے کہا) تم اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دوں اس پر ایمان لے آئے بلاشبہ وہ تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے [illegible]

فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِىْ جُذُوْعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ

تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کٹوا دوں گا اور ضرور تم کو کھجور کے تنوں پر سولی دوں گا اور تم کو معلوم ہو جائے گا [illegible]

اَيُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ۝ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِىْ

کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے۔ جادوگروں نے کہا ہم تجھ کو ان دلائل کے مقابلہ میں جو ہم کو پہنچ چکے ہیں [illegible]

فَطَرَنَا فَاقْضِ مَاۤ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا

[illegible] جو کچھ تجھے کرنا ہے کر ڈال تو صرف اس دنیوی زندگی ہی میں فیصلہ کر سکتا ہے ہم تو اپنے رب پر ایمان لے آئے

لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَاۤ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ اِنَّهٗ

تاکہ وہ ہماری خطائیں بخش دے اور جادو کو بھی جس پر تو نے ہم کو مجبور کیا تھا اور اللہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ [illegible]

مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝ وَمَنْ يَّاْتِهٖ

کہ جو شخص اپنے رب کے پاس مجرم ہو کر آئے گا تو اس کے لئے جہنم ہے جس میں نہ مرے گا اور نہ جئے گا اور جو اس کے پاس [illegible]

مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ

[illegible] ایسے لوگوں کے لئے بلند درجے ہیں ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں

تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ مَنْ تَزَكّٰى ۝

جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ اس کی جزاء ہے جو پاک ہوا۔

ساحروں کے ایمان پر فرعونی تقریر:

۷۱۔ قَالَ اٰمَنْتُمْ (فرعون نے کہا تم موسیٰ پر ایمان لے آئے)

قراءت: اٰمنتم حفص نے بلا مد پڑھا ہے۔ ابو عمرو اور شامی اور حجازی قراء نے ہمزہ ممدودہ کے ساتھ پڑھا۔ دیگر قراء نے دو ہمزہ کے ساتھ۔ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ (اس پر اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دیتا) لہ کی ضمیر موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ محاورہ میں اٰمن به اور اٰمن له دونوں استعمال ہوتے ہیں۔

اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ (واقعی وہ تم سے بڑا ہے جس نے تم کو سحر سکھایا ہے) کبیر کا معنی بڑا ہونے یا تمہارا استاذ ہونے کی وجہ سے ہے۔ اہل مکہ معلم کو کبیر کہتے ہیں امرنی کبیری میرے استاذ نے مجھے حکم دیا۔

فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ (پس اب میں تم سب کے ہاتھ پاؤں ایک دوسرے کے برخلاف کٹواتا ہوں) قطع میں خلاف کا مطلب یہ ہے دایاں ہاتھ بائیں ٹانگ کیونکہ ہر عضو دوسرے کا مخالف ہے اس طرح کہ یہ ہاتھ اور وہ پاؤں یہ دایاں وہ دوسرا بایاں۔

مِنْ ابتدائیہ ہے کیونکہ قطع کی ابتداء کی جائے گی اور ہر ایک سے دوسرے عضو کی مخالفت سے پیدا ہوگا۔ اور جار مجرور دونوں منصوب ہیں۔ مطلب یہ ہے لا قطعنها مختلفات میں ان کو مختلف طور پر کاٹوں گا۔ کیونکہ جب وہ ایک دوسرے کے خلاف ہو گئے تو اس لئے اختلاف کے لفظ سے ان کی صفت بیان کر دی۔

نکتہ: آیت میں علی جذوع کی جگہ فی جذوع کہنے سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے۔ کہ میں تمہیں کھجور کے تنوں سے اس طرح پیوست کر دوں گا۔ جس طرح مظروف ظرف کے ساتھ پیوست ہوتا ہے اسی لئے وَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ کہا اور کھجور کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا کیونکہ کھجور کا تنا لمبا ہوتا ہے اور اس کے اوپر ٹہنیاں نہ ہونے کی وجہ سے اس کے سر تک کوئی چیز نمایاں نظر آتی ہے۔

وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا (اور تمہیں یقیناً یہ بھی معلوم ہوا چاہتا ہے کہ ہم میں سے کس کا عذاب سخت ہے) جو تمہیں اس پر ایمان لانے کی بنا پر دوں گا۔ یا موسیٰ کا رب ایمان کو چھوڑنے پر دے گا۔

دوسرا قول یہ ہے اس نے اپنی ذات اور موسیٰ علیہ السلام کی ذات مراد لی۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے آمنتم له اور ایمان کے لفظ کے ساتھ لام کا صلہ قرآن مجید میں غیر اللہ کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے اس ارشاد میں ہے۔ یومن باللّٰه ویومن للمؤمنین [التوبہ ۶۱]

وَّ اَبْقٰى (وہ دیرپا ہمیشگی والا ہے)

ساحروں کا جواب:

مسئلہ: قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ (وہ جادوگر بولے کہ ہم تجھ کو ہرگز ترجیح نہیں دیں گے) تمہیں ہرگز پسند نہ کریں گے۔ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ (ان دلائل کے مقابلہ میں جو ہم کو پہنچ چکے) وہ قطعی دلائل جو موسیٰ علیہ السلام کی سچائی پر دلالت کرتے ہیں۔ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا اور اس ذات کے مقابلہ میں جس نے ہم کو پیدا کیا۔

نحو: اس کا عطف ما جاءنا پر ہے اس لن نختار ک علی الذی جاءنا ولا علی الذی خلقنا۔ ہم ہرگز تمہارا چناؤ نہ کریں گے اس ذات کے مقابلے میں جس نے ہمیں پیدا کیا اور ان دلائل کے مقابلے میں جو ہمارے پاس آ چکے۔ نمبر ۲۔ یہ قسم ہے اور اس کا جواب لن نؤثرک قسم سے مقدم آ رہا ہے۔

فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ (پس تجھے جو فیصلہ کرنا ہے کر دے) تو جو بھی حکم دے اور جس طرح کا حکم دینا چاہتا ہے کر ڈال۔ اقض ...

معنی اصنع ہے جیسا کہ شاعر ابوذؤیب نے کہا: وعلیھما مسرودتان قضاھما ای صنعھما ان دونوں کو کریں۔ نمبر۲۔ فیصلہ کے معنی میں ہے احکم ما انت حاکم تو فیصلہ کر جو تو کرنے والا ہے۔

اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا (تو سوائے اس کے کہ اس دنیوی زندگی میں حکم کرے) اور کر ہی کیا سکتا ہے۔ یعنی اس دنیوی زندگی میں

نحو: الحیاۃ الدنیا کو ظرفیت کی وجہ سے نصب دیا گیا۔ ای انما تحکم فینا مدۃ حیاتنا۔ تمہارے متعلق فیصلہ اس دنیا کی زندگی کی مدت میں کرسکتا ہے۔

۷۳: اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا (بلاشبہ ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہماری خطائیں) وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَیْهِ مِنَ السِّحْرِ (اور جادو کو جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا وہ معاف فرمادے)

نحو: ما موصول ہے اور خطایانا پر عطف کی وجہ سے منصوب ہے۔ من السحر یہ حال ہے۔ ما۔ روایت تفسیر یہ میں ہے کہ انہوں نے فرعون کو کہا ہمیں موسیٰ کو دکھاؤ جبکہ وہ سویا ہوا ہو۔ فرعون نے ایسا کر دیا انہوں نے دیکھا کہ آپ کی لاٹھی آپ کی حفاظت کر رہی ہے۔ وہ اسی وقت کہنے لگے یہ جادو نہیں۔ جادوگر جب سو جاتا ہے اس کا جادو ختم ہو جاتا ہے۔ رسوائی کے خوف سے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو مقابلہ کرنے سے گریز کیا۔ مگر فرعون نے ان کو جادو دکھانے پر مجبور کیا۔

شریعت سے ناواقفی بدبختی ہے:

غور کرو! ان کو ان کے علم سحر نے کیا فائدہ پہنچایا اور فرعون کو سحر کے متعلق جہالت نے کتنا نقصان پہنچایا۔ پس شریعت کا علم جب کسی کو میسر ہو تو وہ کتنا فائدہ دے گا اور اس سے محرومی کتنی بڑی بدبختی کا سبب لائے گی۔ وَاللّٰهُ خَیْرٌ (اللہ تعالیٰ بہت ہی اچھے ہیں) اس کو ثواب دیتے ہیں جو اس کی اطاعت اختیار کرے۔

وَّاَبْقٰی (اور باقی رہنے والے ہیں) عذاب و سزا میں جو اس کی نافرمانی اختیار کرے۔ اس میں فرعون کی بات کی تردید ہے جو اس نے کہی ولتعلمن اینا اشد عذابا وابقی [طٰہٰ: ۷۱]

۷۴: اِنَّهٗ مَنْ یَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا (جو شخص بغاوت کا مجرم ہو کر اپنے رب کے سامنے جائے گا) یعنی کفر کی حالت میں فَاِنَّ لَهٗ (پس بیشک اس کے لئے) یعنی مجرم کیلئے جَهَنَّمَ ۗ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا (جہنم ہے کہ اس میں وہ نہ مرے گا) کہ اس کو موت سے راحت میسر ہو وَلَا یَحْیٰی (نہ جئے گا) جس والی زندگی جو کہ آرام میسر ہو۔

۷۵: وَمَنْ یَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا (اور جو شخص اپنے رب کے پاس مومن ہو کر حاضر ہوگا) یعنی ایمان پر اس کی موت آ گئی۔ قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ (جس نے نیک کام بھی کئے ہوں) ایمان لانے کے بعد فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰی (تو ان لوگوں کیلئے بڑے بڑے بلند درجات ہیں)۔

نحو: العُلٰی یہ العلیا کی جمع ہے۔

۷۶: جَنّٰتُ عَدْنٍ (ہمیشہ رہنے کے باغات)

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ

اور یقیناً ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے کر چلے جاؤ پھر ان کے لئے سمندر میں خشک راستہ

يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ۝ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ

بنا دینا کسی کے تعاقب کا اندیشہ کرو گے اور نہ تمہیں کسی قسم کا خوف ہوگا۔ سو فرعون نے ان کے پیچھے اپنے لشکروں کو چلایا پھر دریا نے انہیں اس چیز سے

الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ۝ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ۝

ڈھانپ لیا جس چیز نے بھی ڈھانپا۔ اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور ہدایت کی راہ نہ بتائی۔

تَجْرِيْ : یہ درجات سے بدل ہے۔

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا (اس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے) خلدین کا معنی ہمیشہ ہے۔ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى (یہ اس کا بدلہ ہے جس نے اپنے کو پاک کرلیا) شرک سے اپنے آپ کو لا الٰہ الا اللہ کے ذریعہ پاک کرلیا۔

ایک قول یہ تینوں آیات ان کے قول کی حکایت ہے۔ قول آخر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی گئی ہے۔ حکایت نہیں اور یہ قول سب سے زیادہ بہتر ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کو رات کو نکلنے کا حکم:

۷۷: وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ (اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ ہمارے ان بندوں کو راتوں رات لے جاؤ) جب اللہ نے فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرمایا تو موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ ان کو مصر سے راتوں رات نکالو اور ان کو سمندر کے راستے پر لے جاؤ۔

فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ (پھر ان کے لئے سمندر میں راستہ بنا دینا) مقرر کر دینے کے لئے۔ یہ عرب کے قول ضرب له في ماله سهمًا سے لیا گیا ہے کہ اس نے اپنے مال میں اس کا حصہ تجویز و مقرر کر دیا۔ يَبَسًا خشک۔ یہ مصدر ہے جو بطور صفت استعمال ہوا۔ کہا جاتا ہے یبس یبسًا و یبسًا (خشک ہوا خشک ہونا)۔ لَا تَخٰفُ (تمہیں خطرہ نہ ہوگا)۔ یہ اضرب کی ضمیر سے حال ہے ای اضرب لهم طريقًا غير خائف ان کے لئے سمندر میں ایک راستہ بنا دو جو بے خطر ہو۔

قراءت: حمزہ نے جواب قرار دے کر لاتخف پڑھا ہے۔ دَرَكًا (تعاقب کا) یہ ادراک سے اسم ہے۔ ای لا يدركك فرعون و جنوده ولا يلحقونك (فرعون اور اس کا لشکر تمہیں پا سکے گا اور نہ ہی پیچھے سے مل سکے گا)۔ وَلَا تَخْشٰى (اور تمہیں نہ خوف ہوگا۔ کہ ڈوب جاؤ)۔

قراءت: قراءت حمزہ کے مطابق لاتخشی یہ جملہ مستانفہ ہے ای وانت لا تخشی نمبر ۲ یہ الف زائدہ ہے جیسا کہ اس آیت

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ

اے بنی اسرائیل ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی اور تم سے ہم نے کوہ طور کی داہنی جانب کا وعدہ کیا

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿٨٠﴾ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا

اور ہم نے تم پر من اور سلویٰ نازل کیا۔ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا اس میں سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اس میں حد سے آگے نہ

فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿٨١﴾ وَاِنِّيْ

بڑھو ورنہ تم پر میرا غصہ نازل ہو گا۔ اور جس پر میرا غصہ نازل ہوا سو وہ گر گیا۔ اور بلاشبہ میں

لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿٨٢﴾

اسے بخشنے والا ہوں جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے پھر ہدایت پر قائم رہا۔

ثم وتظنون باللہ الظنونا [الاحزاب:١٠]

موسیٰ ان لشکریات کے اول حصے میں چل دیے۔ ان کی تعداد ستر ہزار تھی۔ دیگر مفسرین نے چھ لاکھ لکھی ہے جن سے انہوں نے زیورات عاریت

سے عید بہارت مانگ کر لیے تھے۔ فرعون نے اطلاع پا کر ١٦ لاکھ قبطی فوج لیکر ان کا پیچھا کیا۔ اور ان کے نشانِ راہ پر چل دیے۔ اسی کو فرمایا:

غرقِ فرعون:

٧٨: فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ (فرعون نے ان کا پیچھا اپنے لشکروں کے ساتھ کیا۔)

نحو: یہ حال ہے یعنی وہ ان کے پیچھے نکلا اس حال میں کہ اس کا لشکر ساتھ تھا۔

فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ (پس سمندر نے ان کو ڈھانپ لیا) ان کو سمندر سے وہ ملا مَا غَشِيَهُمْ (جو ان کو ملنا تھا) یہ کلمات ان

جوامع الکلم میں سے ہیں۔ جو کہ الفاظ قلیل ہونے کے باوجود کثیر معانی پر مشتمل ہیں۔ ای غشیهم ما لا يعلم كنهه الا الله

عزوجل ان کو سمندر میں اس چیز نے ڈھانپ لیا جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔

٧٩: وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ (فرعون نے اپنی قوم کو بری راہ پر لگایا) سیدھی راہ سے ہٹا کر وَمَا هَدٰى (اور نیک راہ نہ بتائی) حق

اور درست راستے کی طرف ان کی راہنمائی نہ کی۔ یہ فرعون کی اس بات کی تردید ہے جو اس نے بطور دعویٰ کی تھی۔ وما اهديكم

الا سبيل الرشاد [غافر:٢٩]

٨٠: سمندر پار ہونے کے بعد بنی اسرائیل پر کیے جانے والے احسانات کا تذکرہ فرمایا۔ اور فرعون اور اس کے لشکروں کی ہلاکت

کے بعد والے انعامات ذکر کیے۔ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (اے بنی اسرائیل!) یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میرے

بندوں کو راتوں رات نکال لے جاؤ اور ہم نے کہا اے بنی اسرائیل کو یا اس کا تعلق اضمر بمعنی قلنا سے ہے۔

ہلاکتِ فرعون کے بعد والے انعامات:

قَدْ اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ عَدُوِّکُمْ (ہم نے تمہارے دشمن سے نجات دی)۔ عدو سے فرعون مراد ہے۔ وَوٰعَدْنٰکُمْ (اور ہم نے تم سے وعدہ لیا) کتاب دینے کا۔ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَیْمَنَ (طور کے دائیں جانب) اور اس کا قصہ اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا کہ طور پر آئیں۔ اور قوم کے ستر سربرآوردہ افراد بھی ساتھ لائیں تاکہ تورات عنایت کی جائے۔ ان کی طرف وعدے کی نسبت اس لئے کی گئی کیونکہ وہ وعدے ان کے پیغمبر اور نقیب سے لئے گئے۔ اور شریعت پر عمل پیرا ہونے سے حاصل ہونے والی مصلحتیں انہی کو پہنچنے والی تھیں اور وہی فائدے اٹھانے والے تھے۔

نحو: الایمن منصوب ہے کیونکہ یہ جانب کی صفت ہے اور ایک قراءت میں جوار کی وجہ سے مجرور بھی پڑھا گیا۔

وَنَزَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی (اور ہم نے تم پر من و سلویٰ اتارا) میدانِ تیہ میں اور ہم نے تمہیں حکم دیا۔

۸۱: کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ (تم عمدہ چیزیں کھاؤ) حلال۔ مَا رَزَقْنٰکُمْ (جو ہم نے تمہیں دی ہیں)

قراءت: انجیتکم و واعدتکم و رزقتکم کوفی نے عاصم کے علاوہ پڑھا ہے۔

وَلَا تَطْغَوْا فِیْهِ (اور اس میں حدِ شرعی سے مت گزرو) اس میں اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز مت کرو۔ کہ نعمتوں کی ناشکری کرنے لگو اور نعمتوں کو معاصی میں صرف کرنے لگو۔ نمبر۲۔ تم ایک دوسرے پر ظلم مت کرو۔

فَیَحِلَّ عَلَیْکُمْ غَضَبِیْ (ورنہ میرا غصہ تم پر اتر پڑے گا) غضب سے میری سزا مراد ہے۔ وَمَنْ یَّحْلِلْ عَلَیْهِ غَضَبِیْ فَقَدْ هَوٰی (اور جس شخص پر میرا غصہ واقع ہوتا ہے وہ بالکل گر گیا ہو) ہلاک ہو گیا نمبر۲۔ ایسا گرا جس کے بعد اٹھ نہیں سکا۔ الھوی اس کی اصل یہ ہے پہاڑ سے گر کر ہلاک ہوا۔ دوسرا حقیقی معنی یہ ہے کہ ایمان کی بلندی سے جہنم کے گڑھے میں جا گرا۔

قراءت: علی نے فیحل و یحلل پڑھا اور باقی قراء نے کسرہ سے۔ کسرہ کی صورت میں حل یحل جبکہ اس کا ادا کرنا لازم ہو جائے سے ہوگا اور اس کے ضمن میں نزول کا معنی پایا جاتا ہے۔

۸۲: وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ (اور میں ایسے لوگوں کو بڑا بخشنے والا ہوں جو توبہ کرلیں) توبہ سے مراد شرک سے توبہ کرنا ہے۔ وَاٰمَنَ (اور ایمان لے آئیں) اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک مانا اور جو لایا گیا اس میں اس کی تصدیق کی۔ وَعَمِلَ صَالِحًا (اور نیک عمل کریں) فرائض کو ادا کیا۔ ثُمَّ اهْتَدٰی (پھر اسی راہ پر قائم رہیں) پھر استقامت اختیار کی اور مذکورہ ہدایت پر ثابت قدمی دکھائی۔ اس کا حاصل تین چیزیں ہیں توبہ، ایمان، عمل صالح۔

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٨٣﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىْ وَعَجِلْتُ

اور اے موسیٰ آپ کو کس چیز نے جلدی میں ڈال دیا کہ آپ اپنی قوم سے آگے بڑھ گئے   انہوں نے عرض کیا وہ لوگ میرے پیچھے ہی ہیں اور اے رب میں آپ کی طرف

اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿٨٤﴾ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ

جلدی آ گیا تاکہ آپ راضی ہوں   فرمایا سو بے شک ہم نے تمہارے بعد تمہاری قوم کو فتنہ میں ڈال دیا اور انہیں سامری نے گمراہ

السَّامِرِىُّ ﴿٨٥﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ

کر دیا   پھر موسیٰ اپنی قوم کی طرف غصہ میں بھرے ہوئے رنجیدہ حالت میں واپس ہوئے انہوں نے کہا کہ اے میری قوم کیا تمہارے رب نے تم سے

رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۬ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ

اچھا وعدہ نہیں فرمایا؟   کیا تم پر زیادہ مدت گزر گئی یا تم نے یہ چاہا کہ تم پر تمہارے رب کا غصہ نازل

مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِىْ ﴿٨٦﴾ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ

ہو جائے سو تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی   وہ کہنے لگے کہ ہم نے آپ سے جو وعدہ کیا تھا اپنے اختیار سے اس کی خلاف ورزی نہیں کی لیکن ہم پر

اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِىُّ ﴿٨٧﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا

قوم کے زیوروں کے جو بوجھ لدے ہوئے تھے ہم نے ان کو (آگ میں) ڈال دیا، پھر اسی طرح سامری نے ڈال دیا   پھر اس نے لوگوں کے لئے ایک بچھڑا نکالا

جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۬ فَنَسِىَ ﴿٨٨﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ

جو ایک جسم تھا جس میں سے گائے کی آواز نکلتی تھی، سو وہ لوگ کہنے لگے کہ یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے سو وہ بھول گئے   کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ نہیں لوٹاتا

اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۬ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿٨٩﴾ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ

ان کی طرف کوئی بات اور وہ ان کے لئے کسی ضرر اور کسی نفع کی قدرت نہیں رکھتا   اور ہارون نے اس سے پہلے ان سے کہہ دیا تھا

يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِىْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِىْ ﴿٩٠﴾

کہ اے میری قوم اس کے ذریعہ تم فتنہ میں ڈالے گئے ہو اور بلاشبہ تمہارا رب رحمٰن ہے [illegible]

[illegible]

۸۳: وَمَآ اَعْجَلَكَ (اور کیا سبب ہوا ... جلدی کی) [illegible]

عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى (اپنی قوم کو چھوڑ کر) ان ستر افراد کو جنہیں منتخب کیا گیا تھا اور اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ وعدہ مقررہ پر موسیٰ علیہ السلام ان کو ساتھ لے کر کوہ طور کی طرف تشریف لا رہے تھے۔ پھر کلام باری تعالیٰ کے شوق میں آپ ان سے آگے بڑھ کر پہلے طور پر پہنچ گئے۔ اور انہیں پیچھے چلنے کا حکم دیا۔ اسی پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وما اعجلك کس چیز نے جلدی آنے پر آمادہ کر دیا۔ نحو: یہ استفہام انکاری ہے اور ما مبتدا اور اعجلك اس کی خبر ہے۔

آزمائش بنی اسرائیل:

۸۴: قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ (موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا وہ لوگ بھی تو میرے پیچھے پیچھے چلے آ رہے ہیں) وہ میرے پیچھے ابھی مل رہے ہیں۔ میرے اور ان کے مابین کوئی زیادہ فاصلہ نہیں۔ پھر آگے جلدی آنے کا سبب ذکر کیا۔

وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ (اور میں آپ کے پاس جلدی اس لئے آیا) اس مقررہ وعدے کے مطابق جو آپ نے فرمایا۔

لِتَرْضٰى (تاکہ آپ راضی ہوں) تاکہ آپ مجھ سے زیادہ خوش ہو جائیں۔

نکتہ: اس میں دلیل ہے کہ اجتہاد جائز ہے۔

۸۵: قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے تمہاری قوم کو ایک آزمائش میں مبتلا کر دیا ہے) ہم نے ان کو بلا میں ڈالا ہے۔ مِنْۢ بَعْدِكَ (تمہارے بعد) تمہارے پہاڑ کی طرف روانہ ہونے اور ان سے نکلنے کے بعد قوم سے یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو حضرت ہارون کے ساتھ پیچھے تھے۔ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ (اور ان کو سامری نے گمراہ کیا) ان کو بچھڑے کی عبادت کی طرف دعوت دے کر۔ وہ ان کے دین کو گمراہ کرنے کا باعث بنا۔

لغت: السامری بنی اسرائیل کے ایک قبیلہ کا نام ہے۔ اسی کی طرف یہ نسبت تھی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ کرمان کا ایک جٹ تھا۔ اس نے بچھڑا بنایا۔ اس کا نام موسیٰ بن ظفر تھا اور یہ منافق شخص تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کی واپسی اور ان کی فہمائش:

۸۶: فَرَجَعَ مُوْسٰٓى (پس موسیٰ علیہ السلام لوٹے) اپنے رب سے مناجات کے بعد اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا (اپنی قوم کی طرف غصے سے بھرے ہوئے) انتہائی شدت غم میں بھرے۔ نحو: یہ حال ہیں۔ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا (کہا اے میری قوم کیا تمہارے ساتھ تمہارے رب نے اچھا وعدہ نہیں کیا) اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ فرمایا کہ ان کو تورات دی جائے گی جس میں ہدایت اور نور ہے۔ اس میں ایک ہزار سورتیں تھیں۔ ہر سورت میں ایک ہزار آیات تھیں۔ اس کی کتابت کا بوجھ ستر اونٹ اٹھاتے تھے۔ اور اس سے زیادہ بہترین کوئی وعدہ نہیں (یہ اسرائیلی روایت عجیب ہے کہ تورات کی تختیاں تو ایک صندوق میں آگئیں اور جب کاغذوں پر لکھی گئی تو ستر اونٹ کا بوجھ بن گیا۔ فافہم وتدبر)

اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ (کیا تم پر وعدہ کا زمانہ زیادہ گزر گیا تھا) تم سے میری جدائی کا زمانہ۔ العہد اس زمانے کو کہتے ہیں جو کہا جاتا ہے طال عهدي بك اي طال زماني بسبب مفارقتك تمہاری جدائی کے سبب لمبا زمانہ گزر گیا۔

اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (یا تم نے ارادہ کیا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب واقع ہو) تم نے ارادہ

ایسا عمل کیا جس سے اللہ تعالیٰ کا غضب تم پر لوٹے۔ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ (پس تم نے میرے وعدے کی خلاف ورزی کی) انہوں نے جاتے وقت وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں گے۔ اور جس ایمان پر انہیں نے چھوڑا ہے وہ اس پر قائم رہیں گے۔ مگر انہوں نے بچھڑا بنا کر اس کے حکم کی خلاف ورزی کی۔

۸۷: قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا (انہوں نے کہا ہم نے آپ کے وعدہ کی خلاف ورزی اپنے اختیار سے نہیں کی)۔

قراءت: بِمَلْكِنَا میم کے فتحہ سے مدنی اور عاصم نے پڑھا ہے۔ حمزہ و علی نے ضمہ سے بِمُلْكِنَا اور باقی قراء نے کسرہ سے پڑھا یعنی ہم نے آپ کے وعدہ کی خلاف ورزی اس طرح نہیں کی کہ ہمیں اپنے معاملے میں اختیار حاصل تھا۔ یعنی اگر ہم اپنے معاملے کے مالک ہوتے۔ اور آزاد ہوتے اور سوچ رکھتے تو ہم خلاف ورزی نہ کرتے۔ لیکن ہم سامری کی جانب سے مغلوب ہو گئے اور اس کے مکروفریب سے مسحور ہو گئے (اور اپنے نفس پر قابو نہ رہا اور باوجود با اختیار ہونے کے بے اختیار ہو گئے مترجم)

وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ (ہم پر لدا ہوا تھا) قراءت: یہ لفظ ضمہ اور تشدید کے ساتھ آیا ہے۔ حجازی، شامی، حفص نے پڑھا ہے۔ دیگر قراء نے حاء کے فتحہ اور تخفیف میم کے ساتھ پڑھا۔

اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ (بوجھ قوم کے زیور کا) اَوْزَار قبطیوں کے زیور کا بوجھ۔ نمبر۲۔ گناہ و جرائم تھے کیونکہ وہ زیورات انہوں نے مصر سے نکلنے کی رات استعارۃً لئے تھے کہ کل عید ہے سامری نے کہا موسیٰ علیہ السلام اس کے حرام ہونے کی نحوست سے دس دن روک لئے گئے کیونکہ وہ ان کے لئے مستامنین کی طرح تھے جو دارالحرب میں ہو۔ اور مستامن کو حربی کا فر کا مال لینے کی اجازت نہیں اور اس طور پر بھی کہ غنائم کا مال بنی اسرائیل کے لئے حلال نہ تھا۔ پس اس کو جلانے کیلئے انہوں نے آگ میں ڈال دیا۔ اس نے آگ کے گڑھے میں بچھڑے کا قالب رکھ دیا۔ پس وہ کھوکھلا بچھڑے کا جسم بن گیا۔ اس کے سوراخوں میں جو نرکلوں کی طرح تھے ہوا داخل ہو کر ڈکارنے کی آواز پیدا ہو جاتی ہے۔

دوسرا قول فرعون اور اس کے لشکر کے ڈوبنے کے وقت اس نے جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدموں کی مٹی لے لی۔ اور وہ اس میں ڈال دی۔ وہ زندگی کا گھوڑا تھا۔ پس بچھڑے میں زندگی کا اثر آ گیا کہ وہ ڈکارنے لگا۔ بنی اسرائیل کی جماعت اس سونے کی طرف مائل ہو گئی پس اس کی عبادت کرنے لگے۔

سامری کی شرارت:

فَقَذَفْنٰهَا (پس ہم نے زیور پھینک دیا) سامری کے اس گڑھے والی آگ میں جس میں اس نے پھینکنے کا حکم دیا تھا۔ فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ (پس اسی طرح سامری نے بھی گڑھے میں اپنا زیور ڈال دیا) جو اس کے پاس تھا۔ نمبر۲۔ اس کے ساتھ جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑوں کے قدموں کی خاک اس میں ڈال دی۔ (شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے لطیفہ لکھا کہ سونا کافروں کا حرام مال تھا۔ برکت والی مٹی پڑنے سے ایک عجوبہ بن گیا۔ ایسی چیزوں سے بچنا چاہئے جو دین کو خراب کرتی ہیں۔)

۸۸: فَاَخْرَجَ لَهُمْ (پھر اس نے ظاہر کیا) سامری نے اس حفرہ نار میں سے عِجْلًا (بچھڑا)۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اس پگھلے ہوئے زیور سے ان کی آزمائش کیلئے پیدا کر دیا تھا۔ جَسَدًا (ایک قالب) لَّهٗ خُوَارٌ (جس میں ڈکارنے کی آواز تھی۔ یعنی وہ بچھڑوں کی

قَالُوا لَن نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عَاكِفِينَ حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ ﴿٩١﴾ قَالَ يَا هَارُونُ مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ

وہ کہنے لگے کہ ہم تو اسی پر جمے بیٹھے رہیں گے جب تک ہمارے پاس موسیٰ واپس نہ آجائیں۔ موسیٰ نے کہا کہ اے ہارون جب تم نے انہیں دیکھا

ضَلُّوا ﴿٩٢﴾ أَلَّا تَتَّبِعَنِ ۖ أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي ﴿٩٣﴾ قَالَ يَا ابْنَ أُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي ۖ

کہ گمراہ ہو گئے تو کس چیز نے تمہیں اس بات سے روکا کہ تم میرے پاس چلے آتے۔ سو کیا تم نے میرے حکم کے خلاف کیا۔ ہارون نے کہا کہ اے میرے ماں جائے تم میری داڑھی اور میرے سر کو نہ پکڑو

إِنِّي خَشِيتُ أَن تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي ﴿٩٤﴾

بلاشبہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ آپ یوں کہیں گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفریق ڈال دی اور میری بات کا انتظار نہ کیا۔

طرح ڈھکا ہوا تھا۔ فَقَالُوا (سامری اور اس کے پیروکہنے لگے۔) هٰذَا إِلٰهُكُمْ وَإِلٰهُ مُوسٰى (یہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود ہے۔) عام لوگوں نے اس کی بات مان لی مگر بارہ ہزار صرف حق بات پر قائم رہے۔

فَنَسِيَ (پس وہ بھول گیا یعنی موسیٰ اپنے رب کو یہاں بھول کر چھوڑ گیا۔) اور اس کی طلب میں طور پر چلا گیا۔ نمبر۲: اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ابتدائے کلام ہے کہ سامری اپنے رب کو بھول گیا اور اس نے ظاہری ایمان کو چھوڑ دیا۔ نمبر۳۔ سامری اس استدلال کو بھول گیا کہ بچھڑا معبود نہیں بن سکتا اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے افلا یرون الا یرجع الیھم قولا۔

۸۹: أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَّا يَرْجِعُ (کیا وہ اتنا نہیں دیکھتے کہ وہ جواب نہیں دے سکتا) ای انہ لا یرجع

نحو: ان مخففہ من المثقلہ ہے اور ضمیر شان محذوف ہے۔ یہ اَنْ ناصبہ مصدریہ نہیں۔ إِلَيْهِمْ قَوْلًا (ان کی کسی بات کا ان کو جواب نہیں دیتا۔)

وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا (اور نہ ہی ان کو کسی نفع و نقصان کی قدرت رکھتا تھا) یعنی وہ خطاب نقصان نفع سے عاجز ہے۔ پھر انہوں نے اس کو معبود کا درجہ کیسے دے لیا۔

ایک قول یہ ہے کہ اس نے ڈکارا بھی صرف ایک ہی مرتبہ۔

۹۰: وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ (اور ان سے کہہ چکے تھے) بچھڑے کے پجاریوں سے هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ (ہارون علیہ السلام اس سے پہلے) موسیٰ علیہ السلام کی واپسی سے پہلے۔ يٰقَوْمِ إِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ (اے میری قوم کے لوگو تم اس بچھڑے کی وجہ سے فتنے میں ڈالے گئے ہو) بچھڑے کی وجہ سے تمہاری آزمائش کی گئی ہے پس اس کی عبادت مت کرو۔ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ (بیشک تمہارا رب رحمان ہی ہے) نہ کہ یہ بچھڑا فَاتَّبِعُوْنِيْ (پس تم میری راہ پر چلو) تم میرے اس دین کو اختیار کرو جو کہ برحق ہے۔ وَأَطِيعُوْا أَمْرِيْ (اور میرا کہنا مانو) بچھڑے کی پوجا ترک کر دو۔

۹۱: قَالُوا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ (انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو اس کی پوجا پر برابر جمے بیٹھے رہیں گے) ہم بچھڑے کی پوجا پر برابر قائم و ثابت رہیں گے۔ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوْسٰى (یہاں تک کہ ہماری طرف موسیٰ لوٹ کر آ جائیں)۔ آپ ہم

دیکھیں گے کہ آیا وہ اس کی پوجا کرتے ہیں جیسا کہ ہم کر رہے ہیں اور آیا سامری نے سچ بولا یا جھوٹ بولا ہے؟

ہارون علیہ السلام سے باز پرس:

۹۲: جب موسیٰ علیہ السلام واپس لوٹ آئے۔ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا (موسیٰ نے کہا اے ہارون جب تم نے دیکھا تھا کہ یہ بالکل گمراہ ہو گئے۔ تم کو کس بات نے روکا) جب ان کو بچھڑے کی پوجا کرتے گمراہ ہوتے دیکھا۔

۹۳: اَلَّا تَتَّبِعَنِ (میرے پیچھے چلے آنے سے)

قراءت: مکی نے وقف و وصل میں یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ الا تتبعنی اور وقف و وصل میں ابو عمرو اور مدنی نے ان کی موافقت کی اور دیگر قراء نے بغیر یاء کے پڑھا ہے۔

مطلب یہ ہے تمہیں کونسی بات مانع بنی میرے پیچھے آنے سے جبکہ مانع اور داعی میں تعلق ہے جو کسی چیز سے مانع ہو وہ اس چیز کو ترک کرنے کا داعی ہوتا ہے۔ اسی لئے بعض لوگوں نے منع کا مجازی معنی دعا کیا کہ کس چیز نے تم کو میری اتباع نہ کرنے پر آمادہ کیا۔

ایک قول یہ ہے کہ لا زائدہ ہے مطلب یہ ہے کہ کونسی چیز مانع بنی میری اتباع سے جبکہ انہوں نے تیری بات کو قبول نہ کیا کہ تو مجھے آ ملتا اور اطلاع دیتا۔ یا اللہ تعالیٰ کی خاطر ناراض ہونے میں میری اتباع کرنے سے تمہیں کونسی چیز مانع بنی۔ اور ایمان والوں کو ساتھ ملا کر منکرین کے ساتھ قتال کیوں نہ کیا اور تم نے معاملے کا فوری تدارک کیوں نہ کیا جیسا کہ میں اس کو دیکھ کر فوری تدارک کر رہا ہوں۔ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ (کیا تم نے میرے کہنے کے خلاف کیا) اور جو میں نے تمہیں ان کی مصلحتوں کا خیال رکھنے کا حکم دیا تھا۔

۹۴: پھر اپنے دائیں ہاتھ سے ان کے سر کے بال اور بائیں سے داڑھی پکڑی۔ اللہ تعالیٰ کی خاطر غیرت اور غصہ کی وجہ سے دراں حالیکہ انکار کرتے ہوئے۔ قَالَ يَبْنَؤُمَّ (کہا اے میرے ماں جائے)

قراءت: شامی اور کوفی نے سوائے حفص کے میم کے کسرہ سے پڑھا ہے۔

ہارون علیہ السلام حقیقی بھائی تھے:

حضرت ہارون علیہ السلام جمہور علماء کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے۔ مگر ماں کا تذکرہ دل میں رقت و شفقت پیدا کرنے کیلئے کیا۔ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ (تم میری داڑھی اور سر کے بال مت پکڑو) پھر اپنا عذر پیش کرتے ہوئے فرمایا۔ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ (مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ تم کہنے لگو) اگر میں ان سے قتال کرتا اور کچھ میرے ساتھ رہتے کچھ مخالفت کرتے۔ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (تم نے بنی اسرائیل کے درمیان تفریق کر دی) یا میں ڈرا کہ تم کہو گے کہ تم نے ان کے دو فرقے بنا دیے۔ ایک گروہ میرے ساتھ مل جاتا اور دوسرا سامری کی اتباع کرتا اس طرح مستقل گروہ بندی ہو جاتی۔ وَلَمْ تَرْقُبْ (اور تم نے انتظار نہیں کیا) تم نے لحاظ نہیں رکھا۔ قَوْلِيْ (میری بات کا) وہ بات یہی تھی اخلفنی فی قومی واصلح

[الاعراف: ۱۴۲]

قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ۝ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً

موسیٰ نے کہا اے سامری تیرا کیا حال ہے — اس نے کہا کہ میں نے وہ چیز دیکھی جو ان لوگوں نے نہیں دیکھی سو میں نے فرستادہ کے نقش سے ایک

مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ۝ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ

مٹھی اٹھالی تھی سو میں نے اس مٹھی کو ڈال دیا اور میرے نفس نے مجھے یہی بات اچھی کر کے دکھائی — موسیٰ نے کہا بس تو جا سو تیرے لئے

فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۪ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ

زندگی میں یہ سزا ہے کہ تو یوں کہا کرے گا کہ مجھ کو کوئی ہاتھ نہ لگائے۔ اور بلاشبہ تیرے لئے ایک وعدہ ہے جو تجھ سے ٹلنے والا نہیں اور تو اپنے معبود کو دیکھ لے

الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ

جس پر تو جما ہوا تھا ہم ضرور اسے جلا دیں گے پھر اسے دریا میں اچھی طرح بکھیر دیں گے۔ تمہارا معبود اللہ ہی ہے

الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝

جس کے علاوہ کوئی بھی معبود نہیں، وہ اپنے علم سے تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

مسئلہ: اس آیت میں دلیل ہے کہ اجتہاد جائز ہے۔

سامری سے باز پرس:

۹۵: موسیٰ علیہ السلام سامری کی طرف اس کی حرکت کا انکار کرتے ہوئے فرمانے لگے۔ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ (کس چیز نے تجھے اس حرکت پر آمادہ کیا)۔ يٰسَامِرِيُّ اے سامری!؟

۹۶: قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ (اس نے کہا مجھے ایسی چیز نظر آئی تھی جو دوسروں کو نظر نہ آئی تھی)

قراءت: حمزہ و علی نے تبصروا تاء سے پڑھا ہے۔

قولہ بَصُرْتُ بصیر کا معنی علیم اور ابصرہ کا معنی نظر آنا ہے۔ یعنی مجھے اس چیز کا علم تھا جس کا بنی اسرائیل کو علم نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وہ کیا بات تھی؟ اس نے کہا میں نے جبرئیل علیہ السلام کو زندگی کے گھوڑے پر سوار دیکھا میرے دل میں یہ بات آئی کہ میں اس کے نشان والے سے مٹی بھر خاک لے لوں۔ جس چیز میں میں وہ مٹی ڈالوں گا اس میں روح، گوشت، خون پیدا ہو جائے گا۔

فَقَبَضْتُ قَبْضَةً (پھر میں نے ایک مٹی بھر اٹھالی تھی) القبضة ایک مرتبہ مٹی بھرنا۔ اس کا اطلاق ہاتھ میں آنے والی مقدار پر ہوتا ہے مفعول کو مصدر کا نام دے دیا گیا جیسے ضَرْبُ الْاَمِیْر اے مضروب۔

قراءت: فقبصت قبصة صاد سے پڑھا گیا۔ فرق یہ ہے کہ ضاد سے تمام ہتھیلی و انگلیاں سمیت بھرنا اور صاد سے انگلیوں کی

اطراف سے اٹھانا۔ مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ (فرستادۂ خداوندی کے نقش پاسے) یعنی مِنْ اَثَرِ فَرَسِ الرَّسُوْلِ۔ قاصد کے گھوڑے کے نشانوں کے قدم سے۔ فَنَبَذْتُھَا (پس میں نے وہ خاک بچھڑے میں ڈال دی) بچھڑے کے پیٹ میں ڈال دی۔ وَکَذٰلِكَ سَوَّلَتْ (اور اسی طرح پسند آئی) میرے نفس نے میرے لئے یہ بات مزین کی۔ لِیْ نَفْسِیْ (میرے جی نے میرے لئے) کہ میں اس کو کروں پس میں نے اپنی خواہش پر چلتے ہوئے کرڈالا۔ اس میں غلطی کا اعتراف اور معذرت ہے۔

۹۷: قَالَ (اس کو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا) فَاذْھَبْ (تو بس چلا جا) ہمارے درمیان دھتکارا ہوا۔ فَاِنَّ لَكَ فِی الْحَیٰوۃِ (تیرے لئے اس دنیا کی زندگی میں جب تک تو زندہ رہے گا)۔ اَنْ تَقُوْلَ (کہ تو کہتا پھرے گا) جو تجھ سے ملنا چاہے گا۔ اور اسے تیرے متعلق علم نہ ہوگا۔ لَا مِسَاسَ (چھونا نہیں) مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے اور نہ میں اس کو ہاتھ لگاؤں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اس کے ساتھ میل جول سے مکمل طور پر منع فرمادیا اور اس پر ان سے ملنا حرام کردیا اور گفتگو بند کردی۔ خرید و فروخت ناجائز قرار دی۔ جب کسی کے ساتھ اتفاقاً ہاتھ لگ جاتا تو چھونے والے اور سامری دونوں کو بخار چڑھ جاتا۔ چنانچہ وہ جنگل میں چیختا پھرتا۔ لا مساس لا مساس لا مساس۔

بعض کہتے ہیں اس کی اولاد میں یہ اب تک موجود ہے۔

ایک قول یہ ہے موسیٰ علیہ السلام نے اس کے قتل کا ارادہ فرمایا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی سخاوت کی وجہ سے اس سے منع فرمادیا۔

وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ (اور تیرے لئے ایک اور مقررہ وعدہ ہے جو تجھ سے ہرگز نہ ٹلے گا) اللہ تعالیٰ تیرے متعلق کئے گئے وعدہ کی خلاف ورزی ہرگز نہ فرمائیں گے جو اس نے شرک اور فساد فی الارض کے سلسلہ میں کر رکھا ہے۔ وہ آخرت میں تیرے حق میں پورا کرے گا اور یہ دنیا کی سزا اس سے زائد ہے۔

قراءت: مکی اور ابو عمرو نے لن تخلفه پڑھا ہے۔ اور یہ اخلفت الموعد سے لیا گیا ہے۔ جب کہ تم اس کے خلاف پاؤ۔

سامری کے معبود کا حشر:

وَانْظُرْ اِلٰٓی اِلٰـھِكَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْهِ (اور تو اپنے اس معبود کو دیکھ جس کی عبادت پر تو جما بیٹھا تھا) ظلت اصل میں ظللت ہے پہلی لام کو تخفیف کی وجہ سے حذف کردیا۔ عَاكِفًا (ٹھہرنے والا) لَّنُحَرِّقَنَّهٗ (ہم ضرور اس کو آگ سے جلا کر راکھ کردیں گے)۔ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ (پھر اس کی راکھ کو بکھیر دیں گے) فِی الْیَمِّ نَسْفًا (دریا میں بکھیر کر)۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو جلوا دیا اور سمندر میں اس کی راکھ بکھیر دی گئی۔ بعض نے سمندر کا پانی جا پیا کیونکہ بچھڑے کی محبت ان کے دل میں رچ بس گئی تھی۔ پھر ان کے ہونٹوں پر بطور علامت سونے کی زردی ظاہر ہوگئی۔

۹۸: اِنَّمَآ اِلٰـھُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا (حقیقت میں تمہارا معبود صرف وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا علم ہر چیز پر وسیع ہے) علمًا یہ تمیز ہے یعنی اس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۚۖ ۝ مَنْ

اسی طرح ہم آپ سے گزشتہ واقعات کی خبریں بیان کرتے ہیں اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ دیا ہے۔ جس شخص نے

اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اس سے اعراض کیا سو وہ قیامت کے دن بھاری بوجھ لادے گا۔ ایسے لوگ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بوجھ قیامت کے دن ان لوگوں کے لئے

حِمْلًا ۝ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۝ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ

برا ہوگا۔ جس روز صور پھونکا جائے گا اور اس روز ہم مجرموں کو اس حالت میں جمع کریں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی۔ وہ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے ہوں گے

اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ

کہ تم لوگ صرف دس دن رہے ہو گے۔ ہم خوب جانتے ہیں جس چیز کے بارے میں وہ بات کریں گے جبکہ ان میں سے سب سے زیادہ صحیح راستے والا یوں کہے گا کہ

لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ۝

تم تو صرف ایک ہی دن ٹھہرے ہو۔

۹۹: كَذٰلِكَ کاف محلاً منصوب ہے ای مثل ما اقصصنا علیک قصۃ موسٰی وھارون جیسے ہم نے تمہیں موسیٰ و ہارون کا واقعہ بیان کیا۔ اسی طرح نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ (ہم تم سے واقعات گزشتہ کی کچھ خبریں بیان کرتے ہیں۔) گزشتہ امتوں کے واقعات و حالات تا کہ وضاحت اور زیادہ ہو جائے اور آپ کے معجزات بھی زیادہ ہو جائیں۔ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ (اور ہم نے ہی آپ کو دیا ہے۔) مِنْ لَّدُنَّا (اپنے پاس سے) ذِكْرًا (ایک نصیحت نامہ) ذکر سے قرآن مجید مراد ہے۔ یہ سب سے عظیم تر ذکر ہے اور قرآن کریم ایسا ہے۔ جو اس کی طرف متوجہ ہو اس کے لئے اس میں نجات ہے یہ واقعات و حالات پر مشتمل ہے جن میں تفکر و سوچ اور عبرت پائی جاتی ہے۔

قرآن سے منہ موڑنے والے کا حکم:

۱۰۰: مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ (جو لوگ اس سے منہ موڑیں گے) اس قرآن سے جو کہ ذکر ہے اور اس پر ایمان نہ لائیں گے۔ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا (وہ قیامت کے دن بھاری بوجھ اٹھائیں گے) سخت عذاب۔ اس کو بوجھ کا نام دیا کیونکہ اس کا انجام بھی بوجھ کے مشابہ ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں جو مصیبت پیش آئیں گی وہ بھاری بوجھ کی طرح ہیں جو کمر کو توڑنے والا ہوگی۔ اور اس کا گناہ بھی اس کی پیٹھ پر ڈالا جائے گا۔ یا اس وجہ سے کہ گناہ کا بدلہ ہے۔

۱۰۱: خٰلِدِيْنَ (وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے) یہ يَحْمِلُ کی ضمیر سے حال ہے۔ مَنْ کا معنی کا لحاظ کر کے جمع لائے اور فَاِنَّهٗ میں لفظ مَنْ کا لحاظ کر کے واحد لائے۔ فِيْهِ (اس میں یعنی بوجھ میں) بوجھ کی جزا یعنی عذاب میں۔ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا (اور

قیامت کے دن یہ بوجھ ان کے لئے بہت برا ہوگا) ساء بئس کے حکم میں ہے۔ اور اس میں ضمیر مبہم ہے جس کی تفسیر حملاً بطور تمیز کر رہا ہے۔ لھم میں لام بیانیہ ہے جیسا کہ ھیت لک [یوسف ۲۳] میں ہے۔ ساء کا مخصوص بالذم محذوف ہے۔ کیونکہ پہلے آنے والا الوزر اس پر دلالت کر رہا ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے ساء الحمل حملاً وزرھم۔

قیامت کا ایک منظر:

۱۰۲: یَّوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ (جس روز صور میں پھونک ماردی جائے گی)

نحو: یوم ینفخ یہ یوم القیامۃ سے بدل ہے۔

قراءت: ابو عمرو نے ننفخ پڑھا ہے۔

الصور نمبر۱۔ قرن سینگ کو کہتے ہیں۔ نمبر۲۔ جمع صورۃ ہے۔ صورتوں میں ارواح پھونک دیں گے۔ اس کی دلیل قتادہ کی قراءت ہے۔ فی الصُّوَر میں واؤ کا فتحہ جمع صورۃ ہے۔ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ زُرْقًا (اور ہم مجرمین کو اس دن اٹھائیں گے اس حال میں کہ ان کی آنکھیں نیلی ہونگی) زرقاً یہ حال ہے۔ یعنی اندھی آنکھوں والا جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا و نحشرھم یوم القیامۃ علی وجوھھم عمیا [الاسراء: ۹۷] اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کی آنکھ سے روشنی جاتی رہے اس کی آنکھ کی سیاہی ختم ہو کر نیلی ہو جاتی ہے۔

۱۰۳: یَتَخَافَتُوْنَ (وہ چپکے چپکے باتیں کرتے ہوں گے) بَیْنَھُمْ (آپس میں) اس دن کے ہول و ڈر کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے چپکے باتیں کریں گے۔ اِنْ لَّبِثْتُمْ (تم دنیا میں نہیں ٹھہرے)

اِلَّا عَشْرًا (مگر دس راتیں) تعبیر۱۔ قیام کی مدت کو قلیل قرار دیں گے۔ نمبر۲۔ دنیا میں قیام کے زمانہ کو تھوڑا کر کے بتائیں گے۔ کیونکہ وہ وہاں ایسی سختیاں دیکھیں گے جو انہیں نعمتوں اور سرور کے ایام یاد دلائیں گی۔ وہ ان ایام پر افسوس کریں گے اور ان کو بہت قلیل بتلائیں گے اس لئے کہ خوشی کے دن ہوتے ہی تھوڑے ہیں۔ نمبر۳۔ کیونکہ وہ دن ان سے گزر چکے ہوں گے اور گزری چیز خواہ طویل المدت ہو مگر ختم ہونے کی وجہ سے قصیر ہوتی ہے۔ نمبر۴۔ آخرت کو لمبا دیکھنے کی وجہ سے کیونکہ وہ ابدی ہے تو اس کے مقابلہ میں دنیا کی عمر کو قصیر و چھوٹا قرار دیں گے۔ اور دنیا میں رہنے والوں کی مدت آخرت کے قیام کے مقابلہ میں قلیل قرار دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے اس کے قول کو راجح قرار دیا ہے جو ان میں سب سے قلیل قرار دینے والا ہے۔

۱۰۴: نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ اِذْ یَقُوْلُ (ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں جبکہ ان میں سے) اَمْثَلُھُمْ طَرِیْقَۃً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا یَوْمًا (صاحب الرائے اس طرح کہتا ہوگا۔ تم تو ایک ہی روز رہے) الامثل کا معنی معتدل و درست رائے والا۔ طریقۃ یعنی قول ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا قالوا لبثنا یوماً او بعض یوم فسئل العادین [المؤمنون ۱۱۳]

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى

اور وہ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں سو آپ فرما دیجئے کہ میرا رب ان کو بالکل اڑا دے گا۔ پھر زمین کو ایک ہموار میدان بنا دے گا۔ جس میں تو

فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ

اس میں نہ کوئی ناہمواری دیکھے گا اور نہ کوئی بلندی۔ جس روز بلانے والے کا اتباع کریں گے اس کے سامنے کوئی ٹیڑھا پن نہ ہو گا اور آوازیں رحمٰن کے لئے پست ہو جائیں گی

لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ

سو بجز پاؤں کی آہٹ کے تو کچھ نہ سنے گا۔ جس دن شفاعت نفع نہ دے گی مگر اس کو جس کے لئے رحمٰن نے اجازت دی

وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَعَنَتِ

اور جس کے لئے بولنا پسند فرمایا۔ وہ جانتا ہے جو ان کے آگے اور پیچھے ہے اور ان کا علم اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اور تمام چہرے

الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۭ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ

حی و قیوم کے سامنے جھکے ہوں گے اور جو شخص ظلم کا بوجھ لے کر آیا ہو وہ ناکام ہو گا۔ اور جس شخص نے مومن ہونے کی حالت میں اچھے

وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾

عمل کئے ہوں گے سو اس کو کسی طرح کے ظلم اور حق تلفی کا اندیشہ نہ ہو گا۔

پہاڑوں کے متعلق سوال و جواب

۱۰۵: وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ (آپ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں) ثقیف نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ قیامت کے دن پہاڑوں کا کیا بنے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کسی نے سوال نہیں کیا۔ تقدیر سوال جواب کی تعلیم دی گئی ہے کہ اگر وہ آپ سے سوال کریں تو کہہ دیں اسلئے فا سے فرق کیا گیا بخلاف دیگر سوالات کے وہاں فا نہیں لائی گئی جیسا اس قول میں ویسئلونک عن المحیض قل ھو اذی (البقرہ: ۲۲۲) ویسئلونک عن الیتامی قل اصلاح لھم خیر (البقرہ: ۲۲۰) ویسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر (البقرہ: ۲۱۹) یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسھا قل انما علمھا عند ربی (الاعراف: ۱۸۷) ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی (الاسراء: ۸۵) ویسئلونک عن ذی القرنین قل ساتلوا (الکہف: ۸۳) غرضیکہ ان تمام مقامات میں سب سے پہلے سوالات کیے گئے پھر جوابات وارد ہوا ان میں شرط کا معنی نہ تھا اسلئے فا نہیں لائی گئی۔

يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا (میرا رب ان کو اڑا دے گا اڑانا) ان کو ریت کی طرح کر دے گا۔ پھر ہوا کو بھیج کر ان کو متفرق کر دے گا۔ جیسا کہ غلہ کو متفرق کیا جاتا ہے۔ قول خلیل یہ ہے کہ ان کو جڑ سے اکھاڑ دے گا۔

۱۰۶: فَيَذَرُهَا (پھر ان کے مقامات کو تبدیل کردے گا۔) نمبر۲۔ ھا کی ضمیر کا مرجع الارض کو معلوم ہونے کی بنا پر بنایا جائے۔ جیسا اس آیت میں ماترک علی ظہرھا [فاطر: ۴۵] قَاعًا صَفْصَفًا (ہموار زمین چٹیل میدان۔)

۱۰۷: لَّا تَرٰى فِيهَا عِوَجًا (تمہیں اس میں ناہمواری دکھائی نہ دے گی) عوجا۔ جھکاؤ۔ ٹیڑھ۔ وَّلَآ اَمْتًا (نہ ٹیلہ) بلندی۔ العوج کا لفظ کسرہ سے معانی میں ہی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ مفتوح کا لفظ اعیان میں ہی آتا ہے اور زمین تو اعیان میں سے ہے مگر اس کے لئے لفظ معنوی والا استعمال ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب زمین اس قدر برابر کردی جائے کہ اس میں ذرہ بھر ٹیڑھ نہ رہے خواہ کتنے آلات سے جانچا جائے تو پھر یہ معنوی کے قائم مقام ہوگی۔

۱۰۸: يَوْمَئِذٍ (اس دن)۔ اس میں یوم کی اضافت پہاڑوں کے اڑانے کی طرف کی۔ ای یوم اذ نسفت الجبال نمبر۲۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ یوم القیامۃ کا بدل ثانی ہے۔ يَتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ (وہ داعی کے کہنے پر چلیں گے ادھر ادھر نہ مڑیں گے) جو محشر کی طرف بلائے گا۔ یعنی داعی سے مراد اسرافیل ہیں۔ اتباع داعی سے اتباع صوت والی مراد ہے اسرافیل علیہ السلام صخرہ بیت المقدس پر آواز دیں گے ایتھا العظام البالیۃ والجلود المتمزقۃ واللحوم المتفرقۃ ھلمی الی عرض الرحمان بلحمان: اے بوسیدہ ہڈیو، پارہ پارہ کھالو، متفرق گوشت کے ٹکڑو۔ رحمان کی بارگاہ میں پیش ہونے کو چلو۔ ہر طرف سے وہ اس کی آواز پر متوجہ ہوں گے ادھر ادھر نہ مڑیں گے۔ وَخَشَعَتِ (اور پست ہوجائیں گی۔) الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ (آوازیں رحمان کی ہیبت و رعب سے) فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا (پس تو نہ سن پائے گا سوائے خفیف آواز کے) ہونٹ ہلانے سے خفیف آواز سنی جائے گی دوسرا قول یہ ہے کہ ھمس الابل سے ہے اونٹوں کے چلنے کے وقت ان کے پاؤں کی آواز مطلب یہ ہے کہ تم قدموں کی آہٹ سنو گے اور محشر کی طرف ان کا منتقل ہونا۔

۱۰۹: يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ (اس دن شفاعت فائدہ نہ دے گی مگر ایسے شخص کیلئے جس کے لئے رحمان نے اجازت دے دی ہو۔)

نحو: مَنْ شفاعت کا بدل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ مضاف محذوف ہے۔ ای لا تنفع الشفاعۃ الا شفاعۃ من اذن له الرحمان یعنی وہ شفاعت کرنے والے کو شفاعت کی اجازت مرحمت فرمائے گا۔ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا (اور اس کے لئے بولنا پسند کرلیا ہو) اور اپنے نے اس کی بات کو پسند کرلیا ہو کہ جس کے حق میں شفاعت کی جارہی ہے وہ مومن ہوگا۔ نمبر۲۔ یہ منصوب ہے اس طرح کہ تنفع کا مفعول ہے۔

۱۱۰: يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (وہ جانتا ہے ان کے تمام اگلے پچھلے احوال کو) ان کے گزشتہ احوال اور مستقبل کی کیفیات سے واقف ہے۔ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا (وہ اس کے علم کا احاطہ نہیں کرسکتے) یعنی ان چیزوں کو جن کا احاطہ علم الٰہی کرنے والا ہے۔

نحو: اس صورت میں ضمیر ما کی طرف راجع ہے۔ نمبر۲۔ ضمیر کا مرجع ذات باری تعالیٰ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِىَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ

اور اس سے پہلے ہم نے آدم کو حکم دیا سو وہ بھول گئے اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی۔ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا

اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ

کہ آدم کے لئے سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا اس نے انکار کر دیا۔ سو ہم نے کہا اے آدم بلاشبہ یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے

فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ

سو یہ ہرگز تم دونوں کو جنت سے نہ نکال دے ورنہ مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔ بلاشبہ تمہارے لئے یہاں یہ بات ہے کہ تم اس میں نہ بھوکے ہو گے نہ ننگے ہو گے۔ اور یہ کہ یہاں

لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى

نہ پیاسے ہو گے اور نہ تمہیں دھوپ لگے گی۔ سو شیطان نے ان کی طرف وسوسہ ڈالا، وہ کہنے لگا کہ اے آدم کیا میں تمہیں ہمیشگی والا درخت

شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا

اور ایسی بادشاہی نہ بتاؤں جس میں کبھی ضعف نہ آئے۔ سو ان دونوں نے اس میں سے کھا لیا سو ان کی شرم گاہیں ایک دوسرے کے سامنے کھل گئیں اور وہ دونوں

يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۡ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ

اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی سو وہ غلطی میں پڑ گئے۔ پھر ان کے رب نے انہیں چن لیا

فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ

سو ان کی توبہ قبول فرمائی اور انہیں ہدایت پر قائم رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دونوں یہاں سے اترو اس حال میں کہ تم میں بعض بعض کے دشمن ہوں گے سو اگر تمہارے پاس میری طرف سے

مِّنِّىْ هُدًى ڏ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾

کوئی ہدایت آئے۔ تو سو جس نے میری ہدایت کا اتباع کیا وہ نہ گمراہ ہو گا اور نہ تکلیف میں ہو گا۔

قصہ آدم علیہ السلام و ملائکہ و ابلیس:

۱۱۵: وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ (اور تحقیق ہم آدم علیہ السلام کو ایک حکم دے چکے تھے) یعنی ہم نے ان کی طرف وحی کی کہ وہ درخت میں سے نہ کھائیں بادشاہوں کے اوامر و وصایا میں کہا جاتا ہے تقدم الملک الی فلان واوعز الیہ و عزم علیہ و عھد الیہ۔ ان تمام میں حکم و وصیت کا معنی ہے۔

نحو: عہدنا الی آدم کا عطف وصرفنا فیہ من الوعید پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں قسم کھاتا ہوں کہ ہم نے تمہارے باپ آدم کو حکم دیا اور ان کو وصیت کی کہ وہ درخت کے قریب نہ جائیں۔

مِنْ قَبْلُ (ان کے وجود سے قبل) یعنی انہوں نے دور کر لیا جس سے روکا گیا تھا۔ جیسا کہ یہ مخالفت کر رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بنی آدم کے معاملے کی بنیاد اسی بات پر ہے۔ اور اس کا اثر ان میں چلتا ہے۔ فَنَسِيَ (پس وہ عہد کو بھول گئے) یعنی ممانعت والا عہد اور انبیاء علیہم السلام سے اس نسیان پر مواخذہ ہوتا ہے جس کے متعلق کہ وہ تکلف کرتے تو وہاں سے بچ سکتے تھے۔ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا (اور ہم نے ان کے اندر پختگی نہ پائی) یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی محافظت کیلئے پختہ ارادہ و قصد نہ پایا۔ نمبر۱۔ آدم اولی العزم میں سے نہ تھے۔ یہاں وجد، علم کے معنی میں ہے اور لہ عزما دونوں اس کے مفعول ہیں۔ نمبر۲۔ عزم پر عدم کا نقص ہے یعنی ان میں پختگی معدوم تھی۔ اور لہ اس صورت میں نجد کے متعلق ہے۔

۱۱۶: وَإِذْ قُلْنَا (اور جب ہم نے کہا) نحو: یہ اذکر محذوف کی وجہ سے منصوب ہے۔

لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ (فرشتوں کو کہ تم آدم کو سجدہ کرو) قول اول یہ لغوی سجدہ ہے جو کہ تذلل بطور تحیہ کو کہا جاتا ہے۔ دوسرا قول آدم کی عظمت ظاہر کرنے کیلئے آدم کو قبلہ کی طرف قرار دیکر سجدہ کا حکم ہوا۔ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ (پس انہوں نے سوائے ابلیس کے سجدہ کیا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ابلیس فرشتہ تھا جن کی جنس سے تھا۔

حضرت حسن کا قول یہ ہے ملائکہ ارواح کی مخلوق کا نچوڑ ہیں۔ ان میں توالد و تناسل نہیں اور ابلیس گرم ہوا کے مادہ سے ہے (جو جنات کی اصل ہے) ان سے استثناء اسی لئے کیا گیا ہے کہ یہ ان کے ساتھ رہتا اور ان کی معیت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا۔ اَبٰى (اس نے انکار کیا۔)

نحو: یہ جملہ مستانفہ ہے۔ گویا یہ قائل کے اس قول کا جواب ہے جو کہ یہ کہے کہ اس نے پھر سجدہ کیوں نہ کیا؟ اور درست وجہ یہ ہے کہ اس کا مفعول مقدر نہ مانا جائے اور وہ سجدہ ہے اور اس پر فَسَجَدُوْا دلالت کرتا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے انکار کو ظاہر کیا۔ اور اس پر توقف کیا۔

۱۱۷: فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ (اور ہم نے کہا اے آدم یقیناً یہ تیرا دشمن اور تیری بیوی کا دشمن ہے) اس طرح کہ اس نے تمہیں سجدہ نہیں کیا اور تیری عظمت کا قائل نہیں۔ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ (کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تم دونوں کو جنت سے نکال باہر کرے) یعنی تمہارے جنت سے نکلوانے کا سبب نہ بن جائے۔ فَتَشْقٰى (پھر تم مشقت و مصیبت میں پڑ جاؤ) خوراک کی تلاش میں تھکنا پڑے۔

یہاں فتشقیا نہیں فرمایا آیات کے اواخر کا لحاظ رکھا گیا۔ نمبر۱۔ حوا تو بحیثیت تابع داخل ہی ہے۔ نمبر۲۔ مرد عورت کے خرچ کا ذمہ دار ہے۔ روایت تفسیر یہ میں ہے کہ آدم علیہ السلام کے پاس ایک سرخ بیل بھیجا گیا جس سے ہل چلاتے اور اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے تھے۔

۱۱۸: اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا (اور تیرے لئے اس میں یہ ہے کہ نہ بھوک لگے گی) یعنی جنت میں۔ وَلَا تَعْرٰى (اور نہ تو ننگا ہوگا)

کپڑوں سے کیونکہ یہ کپڑے ہمیشہ کیلئے تیار کردہ ہیں۔

۱۱۹: وَاَنَّكَ (اور بیشک تم) قراءت: نافع و ابوبکر نے اِنَّكَ پڑھا۔ پہلے اِنَّ پر عطف کیا اور دیگر قراء نے فتحہ سے پڑھا اور اس کا عطف اَلَّا تَجُوْعَ پر کیا ہے۔ اور محلاً منصوب مانا ہے اور فصل کی صورت میں بھی جائز ہے۔ جیسے کہ تم کہو ان لی عندی انک جالس۔ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا (نہ اس میں پیاس لگے گی) اس میں پیاسا نہ ہوگا کیونکہ وہاں مشروبات ہی مشروبات ہیں۔ وَلَا تَضْحٰى (نہ دھوپ لگے) سورج کی گرمی تجھے نہ پہنچے گی۔ کیونکہ جنت میں سورج کا وجود نہیں۔ اہل جنت ظل ممدود میں قیام پذیر ہیں۔

۱۲۰: فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ (پس شیطان نے ان کو بہکایا) اس نے وسوسہ ڈالا۔ انتہی الیہ الوسوسۃ اسر الیہ کی طرح ہے پوشیدہ وسوسہ ڈالا۔ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ (کہا اے آدم کیا میں تمہیں ہمیشگی کا درخت بتلا دوں) یہاں شجرہ کی نسبت خلد کی طرف کی خلد، خلود کو کہتے ہیں۔ کیونکہ جس نے اس سے کھا لیا۔ اس کے خیال کے مطابق وہ ہمیشہ رہے اور اس پر موت نہ آئے گی۔ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى (اور ایسی بادشاہی جو پرانی نہ ہو) یعنی زوال و فنا نہ آئے گا۔

۱۲۱: فَاَكَلَا (پس ان دونوں نے اس درخت سے کھایا) دونوں سے آدم و حوا مراد ہیں۔ مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا (تو ان دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے) سوأۃ، ستر و عورت۔ وَطَفِقَا (اور لگے) طفق اور جعل دونوں کاد کی طرح ہیں خبر مضارع آتی ہے البتہ یہ دونوں شروع استمرار کا معنی پیدا کرنے کیلئے آتے ہیں اور کاد قرب کو ظاہر کرتا ہے۔

عصیان کا معنی:

يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ (چپکانے لگے اپنے اوپر جنت کے پتے) ستر کیلئے دونوں جنت کے درختوں کے پتوں کو چپکانے لگے اور درخت سے یہاں انجیر مراد لیا گیا ہے۔ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى (اور آدم سے اپنے رب کا قصور ہو گیا وہ غلطی میں پڑ گئے) ارادے سے بھٹک گئے۔ ابن عیسٰی کہتے ہیں ناکام ہو گئے۔ حاصل یہ ہے کہ عصیان امر و نہی کے خلاف کام کا واقع ہونے کو کہا جاتا ہے۔ یہ دو قسم پر ہے۔ نمبر ۱۔ جان بوجھ کر ہو تو اس صورت میں ذنب کہلاتا ہے۔ نمبر ۲۔ جان بوجھ کر نہیں ہوتا تو لغزش کہلاتا ہے۔ جب آپ کے فعل کو عصیان سے تعبیر کیا تو رشد سے وہ فعل نکل گیا اور غی میں شامل ہوا کیونکہ نام ہی خلاف رشد کا ہے۔

البتہ عصٰی اٰدم ربہ فغوٰی کی تصریح میں بجز آدم کو چھوڑ کر اختیار کی گئی ہے اس میں انتہائی بلیغ انداز میں زجر اور تمام مکلفین کیلئے نصیحت ہے۔ گویا اس طرح فرمایا غور کرو اور عبرت حاصل کرو۔ کہ کس طرح معصوم اور اللہ تعالیٰ کے محبوب پیغمبر کی لغزش کی اطلاع اس سخت انداز سے دی گئی پس تم صغائر کے سلسلہ میں بے فکر مت ہو چہ جائیکہ کبائر کا ارتکاب کرنے لگو۔

۱۲۲: ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ (پھر ان کے رب نے ان کو چن لیا) اپنا مقرب بنایا۔ نمبر ۲۔ منتخب کیا چن لیا۔ اجتبی کا اصل معنی جمع کرنا ہے جیسے جبی الخراج۔ اس نے خراج جمع کیا۔ جبی الی میرے پاس جمع کیا گیا۔ فاجتبہ تو اس کو اپنے پاس جمع کر لیا۔ اپنے قرب میں لے آیا۔ فَتَابَ عَلَيْهِ (پس ان پر توجہ فرمائی) توبہ سے قبول وَهَدٰى (اور راہ راست پر قائم رکھا) معذرت و استغفار کی طرف ان کی راہنمائی کر کے راہ راست پر قائم رکھنا۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ

اور اگر آپ کے رب کی طرف سے پہلے سے ایک بات نہ فرمائی ہوتی اور اجل مقرر نہ ہوتی تو ضروری طور پر عذاب آجاتا۔ سو آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ

اور سورج نکلنے اور سورج چھپنے سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح میں مشغول رہئے اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کیجئے

وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ

اور دن کے اطراف میں تاکہ آپ خوش ہو جائیں۔ اور آپ ہرگز ان چیزوں کی طرف اپنی آنکھیں نہ پھیلائیں جن سے ہم نے ان کے مختلف لوگوں کو ان کی آزمائش کے لئے متمتع کیا ہے

زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ﴿۱۳۱﴾ وَاْمُرْ اَهْلَكَ

اور دنیاوی زندگی کی رونق ہے۔ اور آپ کے رب کا رزق بہتر ہے اور بہت دیرپا ہے۔ اور آپ اپنے گھر والوں کو

بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْــَٔــلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿۱۳۲﴾

نماز کا حکم کیجئے اور خود بھی اس کی پابندی کیجئے۔ ہم آپ سے رزق نہیں چاہتے۔ ہم آپ کو رزق دیں گے۔ اور بہتر انجام پرہیزگاری کا ہے۔

سوچیں تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کو کفر کی وجہ سے کس طرح تہس نہس کر دیا گیا۔ پس انہیں ان جیسی حرکات نہ کرنی چاہئیں۔

۱۲۹: وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ (اور اگر آپ کے رب کی طرف ایک بات پہلے طے شدہ نہ ہوتی) کہ امت محمدیہ ﷺ سے عذاب کو مؤخر کرنے کا حکم دیا گیا۔ لَكَانَ لِزَامًا (تو عذاب لازمی ہوتا) لِزَامًا۔ لَازِمًا کے معنی میں ہے۔ لزام یہ لازم کا مصدر ہے۔ جس کو بطور صفت لائے۔ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى (اور میعاد معین نہ ہوتی) اور وہ قیامت ہے تو دنیا میں ہی عذاب ان کو آ چمٹتا۔ جیسا کہ گزشتہ کفار کو لازم ہوا۔

صبر و نماز کی تلقین:

۱۳۰: فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ (آپ ان کی باتوں پر صبر کریں) جو آپ کے متعلق کرتے ہیں۔ وَسَبِّحْ (اور تسبیح کرو) یعنی نماز ادا کرو۔ بِحَمْدِ رَبِّكَ (اپنے رب کی حمد کے ساتھ) یہ موضع حال میں ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے وانت حامد لربك على ان وفقك للتسبيح واعانك عليه اس حال میں کہ آپ اپنے رب کی اس بات پر تعریف کرنے والے ہیں۔ کہ اس نے آپ کو تسبیح کی توفیق دی اور اس پر اعانت فرمائی۔ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ (سورج کے طلوع سے قبل) اس سے صلاۃ فجر مراد ہے۔ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا (اور اس کے غروب سے پہلے) اس سے ظہر و عصر مراد ہیں کیونکہ یہ دونوں نمازیں دن کے آخری نصف میں پائی جاتی ہیں جو زوال اور غروب کے درمیان ہے۔ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ (اور اوقات شب میں بھی اس کی پاکی بیان کرو۔ اور دن کے اطراف میں) اور رات کی ساعات کی پابندی کرو۔ اور دن کے اطراف کو خاص کر کے نماز کیلئے اور رات کے

اوقات میں صلوٰۃ عشاء و تہجد کو شامل ہے۔ اور اطراف نہار میں صلوٰۃ مغرب اور نماز فجر آگئی ہیں۔ تکرار سے ذکر کرنے کا مقصد ان کی خصوصیت کو ظاہر کرنا مقصود ہے جیسا کہ اس ارشاد میں موجود ہے۔ والصلوٰۃ الوسطٰی [البقرہ: ۲۳۸] بعض کے نزدیک اطراف النھار کو جمع لایا گیا۔ حالانکہ یہ تو دو طرفیں ہیں۔ تاکہ التباس سے امن ہو۔ یہ اس کا عطف قبل پر ہے۔

لَعَلَّكَ تَرْضٰى (تاکہ تم راضی ہو جاؤ) لعلّ مخاطب کیلئے ہے۔ ان اوقات میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اس امید سے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ثواب پالو جس سے آپکا نفس خوش ہو جائے اور دل راضی ہو۔

قراءت: علی و ابوبکر نے تُرضٰی پڑھا۔ تاکہ تمہارا رب تمہیں خوش کردے۔

ٹھاٹھ باٹھ کو دیکھنے کی ممانعت:

۱۳۱: وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ (ہرگز ان چیزوں کی طرف آپ اپنی آنکھیں اٹھا کر نہ دیکھیں) اپنی نگاہوں کی نظر اور دراز نظر سے اس کا لمبا کرنا مراد ہے۔ کہ دیکھی جانے والی چیز کی پسندیدگی و خوبصورتی کی بناء پر نگاہ اس سے نہ ہٹائی جائے۔

عَيْنَيْكَ: جو نظر طویل نہ ہو وہ معاف ہے اور وہ اس طرح ہے کہ نظر اچانک پڑے پھر نگاہ کو نیچا کر لے۔ متقی لوگوں نے ظالموں کے مکانات پر نگاہ ڈالنے اور فساق کے ٹھاٹ والے لباسوں اور ان کی سواریوں پر نگاہ سے بھی روکا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ فساق کے گھوڑوں کی جھنکار کی طرف بھی نگاہ نہ کرو۔ بلکہ یہ دیکھو کس طرح ان کے سواروں پر گناہ کی ذلت چھائی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے یہ چیزیں دیکھنے والوں کیلئے ہی سجائی ہیں۔ پس ان کو دیکھنے والا گویا ان کی غرض پوری کر رہا ہے اور ان کے اختیار کرنے پر ابھارنے والا ہے۔ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ (جو ہم نے ان میں سے مختلف گروہوں کو دیا ہے) ازواجاً کا معنی یہاں اقسام ہے۔ مختلف قسم کے کفار کو۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ ہاء ضمیر سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہو۔ اور فعل منہم پر واقع ہونے والا ہو۔ گویا اس طرح کہا گیا۔ اس چیز کی طرف جس سے ہم نے ان کو فائدہ پہنچایا ہے۔ اور مختلف ہیں۔ بعض دوسرے اور بعض ان میں سے۔ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (دنیا کی رونق و بہار کی خاطر)

نحو: یہ منصوب علی الذم ہے یا یہ بہ کے محل کا بدل ہے۔ یا ازواجاً کا بدل ہے جس کی تقدیر عبارت یہ ہے ذوی زھرۃ۔

لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ (تاکہ ہم ان کی اس میں آزمائش کریں) تاکہ ہم ان کو آزمائیں اور ان کے کفر کی وجہ سے عذاب ان پر لازم ہو جائے۔ یا اس کے سبب ان کو آخرت میں عذاب دیں۔ وَرِزْقُ رَبِّكَ (اور تیرے رب کا دیا ہوا) ثواب اور وہ جنت ہے یا رزق حلال۔ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (وہ بہت بہتر اور باقی رہنے والا ہے) اس حرام سے جو ان کے پاس ہے۔

ماتحتوں کو نماز کا حکم:

۱۳۲: وَاْمُرْ اَهْلَكَ (اور تم اپنے متعلقین کو نماز کا حکم دیتے رہو) اپنی امت کو یا تمہارے گھر والے۔ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ (نماز کا اور خود اس کے پابند رہو) تم اس پر پختگی اختیار کرو۔ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا (اس پر ہم آپ سے رزق کے طالب نہیں) ہم آپ سے نہیں کہتے کہ آپ اپنے آپ کو رزق دیں اور نہ اپنے اہل کو۔ نَحْنُ نَرْزُقُكَ (ہم ہی آپ کو رزق دینے والے ہیں) اور انہیں بھی ہم رزق کے معاملے میں ہمت سے اہتمام مت کریں۔ بلکہ اپنے دل کو آخرت کے معاملات کیلئے فارغ کر دیں اس لئے کہ

وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ ۚ أَوَلَمْ تَأْتِهِم بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ﴿١٣٣﴾ وَلَوْ

اور ان لوگوں نے کہا کہ یہ شخص ہمارے پاس اپنے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں لاتا۔ کیا ان کے پاس پہلی کتابوں کا مضمون نہیں پہنچا۔ اور اگر

أَنَّا أَهْلَكْنَاهُم بِعَذَابٍ مِّن قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا

ہم ان کو اس سے پہلے کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے رب آپ نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا

فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ مِن قَبْلِ أَن نَّذِلَّ وَنَخْزَىٰ ﴿١٣٤﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوا ۖ

کہ ہم ذلیل و رسوا ہونے سے پہلے آپ کی آیات کا اتباع کر لیتے۔ آپ فرما دیجئے سب انتظار کرنے والے ہیں سو تم بھی انتظار کرو

فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ أَصْحَابُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدَىٰ ﴿١٣٥﴾

سو عنقریب جان لو گے کہ سیدھے راستہ والا اور ہدایت یافتہ کون ہے۔

جس کا طریقہ یہ ہو کہ وہ اپنے کو اللہ تعالیٰ کے کام میں مصروف کر دے۔ اللہ تعالیٰ اس کا کام پورا فرما دیتے ہیں۔

حضرت عروہ ابن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مروی ہے کہ جب وہ بادشاہوں کے ہاں مختلف اشیاء دیکھتے تو یہ آیت پڑھتے وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ ۔ پھر آواز دیتے الصلاۃ، الصلاۃ، رحمکم اللہ۔ بکر بن عبداللہ المزنی رحمۃ اللہ کے گھر میں جب فاقہ آجاتا تو فرماتے نماز کیلئے اٹھو اس بات کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حکم فرمایا۔ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح کے اقوال منقول ہیں۔ بعض تفاسیر میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں کوئی جسمانی پریشانی ہوتی تو آپ گھر والوں کو نماز کا حکم فرماتے اور یہ آیت تلاوت فرماتے۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ (اور اچھا انجام تقویٰ والوں کا ہے۔) یعنی اچھا انجام اہل تقویٰ کا ہے۔ نحو: مضاف محذوف ہے ای اہل التقویٰ۔

۱۳۳ وَقَالُوا اور انہوں نے کہا۔ کافر نے لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ (کہ یہ ہمارے پاس اپنے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں لاتے۔) لَوْلَا یہ ھلا کے معنی میں ہے يَأْتِينَا یعنی محمد کیوں نہیں لاتے۔ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ کوئی نشانی ان کے رب کی طرف سے جو آپ کی صحت نبوت پر دلالت کرنے والی ہو۔

قراءت: أَوَلَمْ تَأْتِهِمْ ۔ مدنی، بصری اور حفص نے اسی طرح پڑھا (کیا ان کے پاس نہیں آئی) بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ (واضح دلیل جو پہلے صحیفوں میں ہے) یعنی پہلی کتابوں میں مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اپنی سابقہ عادت کے مطابق ضد کی بنا پر نبوت کی نشانی طلب کی۔ ان کے جواب میں فرمایا کیا تمہارے پاس سب سے بڑی نشانی جو اعجاز میں بے مثل ہے وہ نہیں آئی؟ یعنی قرآن۔

مِن قَبْلِهِ (اس سے پہلے) یعنی قرآن ایک ہے ان تمام مضامین کیلئے جو پہلے صحائف میں آ چکا اور ان کے حق ہونے کی

دلیل ہے کیونکہ یہ معجزہ ہے اور وہ معجزات جن کا بیان اس میں ہے جو کہ موجود ہے وہ اپنی صحت و تصدیق میں مستقل شہادت کا محتاج ہے۔

۱۳۴۔ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ (اور اگر ہم ان کو اس قرآن سے پہلے کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے) رسول سے قبل نمبر ا۔ قرآن سے قبل لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ (تو یہ ضرور کہتے اے ہمارے رب کیوں نہ) اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ (آپ نے ہماری طرف کوئی رسول بھیجا تا کہ ہم تیرے احکام پر چلتے۔)

نحو: نتبع منصوب ہے کیونکہ یہ استفہام کا جواب ہے فاء کے ساتھ۔ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ (آپ کی آیات پر اس سے پہلے کہ ہم ذلیل و رسوا ہوتے) نزول عذاب کے سبب۔ وَنَخْزٰى (اور رسوا ہوتے) آخرت میں۔

۱۳۵۔ قُلْ كُلٌّ (کہہ دیں) ہر ایک ہم میں سے ہم بھی اور تم بھی مُّتَرَبِّصٌ (انتظار کرتے ہیں) انجام کے منتظر ہیں۔ کہ ہمارا اور تمہارا معاملہ کس انجام تک پہنچتا ہے۔ فَتَرَبَّصُوْا (پس تم بھی انتظار کرو) فَسَتَعْلَمُوْنَ (پس عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا) جب قیامت آن پہنچے گی۔ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ (کہ کون درست راستے والے ہیں)۔ السَّوِيّ کا معنی مستقیم ہے۔

نحو: مَن مبتدا اصحاب خبر ہے اور محلاً منصوب ہے۔

وَمَنِ اهْتَدٰى (اور کون منزل مقصود کی راہ پانے والا ہے) یعنی ہمیشہ ہمیشہ کی نعمتیں۔

فضیلت: رسول علیہ السلام نے ارشاد فرمایا اہل جنت سورۃ طٰہٰ اور یٰس ہی پڑھیں گے۔ رواہ ابن مردویہ عن ابی امامۃ ایضا عن ابی بن کعبؓ۔

ترجمہ سورۂ طٰہٰ بحمد اللہ تعالیٰ آج بروز جمعہ ۱۴ رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ بعد عصر اختتام پذیر ہوا۔
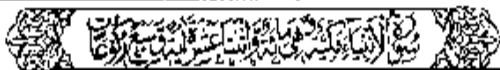
سُوْرَةُ الْأَنْبِيَاءِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَاثْنَتَا عَشْرَةَ آيَةً وَسَبْعُ رُكُوعَاتٍ

سورۃ انبیاء مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو بارہ آیات اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ① مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ

لوگوں کا حساب قریب آ گیا اور وہ غفلت میں اعراض کئے ہوئے ہیں ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے

ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ② لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاَسَرُّوا

جو کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو وہ اسے کھیلتے ہوئے سنتے ہیں اس حال میں کہ ان کے دل غفلت میں ہیں اور چپکے چپکے

النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَأْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ

سرگوشی کی ان لوگوں نے جنہوں نے ظلم کیا کہ یہ شخص تو تمہارے ہی جیسا آدمی ہے کیا تم جادو کی بات سننے کو جاتے ہو حالانکہ تم

تُبْصِرُوْنَ ③ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ④

جانتے ہو۔ نبی نے کہا میرا رب بات کو جانتا ہے آسمان میں ہو اور زمین میں اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

قرب قیامت اور لوگوں کی غفلت:

①: اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ (لوگوں کا حساب قریب آ گیا اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے منہ موڑے ہوئے ہیں)۔ اِقْتَرَبَ قریب ہوا۔ لِلنَّاسِ (لوگوں کیلئے)۔

نحو: لام اقترب کا صلہ ہے۔

قول ابن عباس رضی اللہ عنہما: اس سے مشرک مراد ہیں۔ کیونکہ بعد والی صفات کا مصداق مشرک ہی ہیں۔ حِسَابُهُمْ (ان کا حساب) اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے محاسبہ کا وقت۔ اور ان کے اعمال پر جزا اور بدلہ کا دن یعنی یوم القیامۃ۔

وجہ: نمبر ①۔ اس لئے کہا کیونکہ گزشتہ کی نسبت باقی رہنے والا وقت تھوڑا ہے۔ نمبر ②۔ ہر آنے والے کو قریب کہا جاتا ہے۔ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ (اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں) یعنی اپنے حساب کے متعلق اور اس چیز جو معاملہ انہیں پیش آنے والا ہے۔ مُّعْرِضُوْنَ (وہ اعراض کرنے والے ہیں) تو اس کی تیاری سے یعنی قریب کا یہاں عام ہے اور غفلت و اعراض مختلف لوگوں کے حساب سے مختلف ہوتے ہیں نمبر ③۔ بعض حساب سے غافل اس بناء پر ہوتے ہیں کہ وہ دنیا میں مستغرق ہوتے ہیں اور اپنے

آیات سے اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔

نمبر۲۔ بعض اپنے حساب سے اس لئے غافل ہیں کہ انہوں نے اپنے مولیٰ کے لئے اپنے آپ کو ہلاک کرلیا اور دنیا سے منہ موڑ لیا۔ ایسے لوگوں کو تو اس غفلت سے افاقہ دیدار مولیٰ سے ہوگا۔ البتہ کچھ قسم موت کی یلغار کے وقت بیدار ہوتے ہیں۔ ہر ایک پر ضروری ہے کہ محاسبہ سے پہلے اپنے آپ کا محاسبہ کرے۔ قبر دار کئے جانے سے پہلے توشہ ذخیرہ کرے اور غافلین سے کنی کترا کر خالق و مالک کی یاد میں مگن ہو جاؤ تا کہ رب العالمین کی ملاقات نصیب ہو۔

۲: مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ (ان کے پاس جو نصیحت آتی ہے) ذکر سے قرآن مجید کا نزول حصہ مراد ہے۔ مِنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ (ان کے رب کی طرف سے تازہ) اتار کر اس کی تلاوت شروع کرادی ہو اور ان کے کانوں پر پڑنے کو زمانہ تھوڑا ہوا۔ مراد اس سے حروف منظومہ ہیں اور ان کے حدوث میں اختلاف نہیں (یا قی حدوث فی النزول مراد ہے) اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ (مگر یہ اس کو ایسے طور سے سنتے ہیں) نبی اکرم ﷺ سے یا کسی تلاوت کرنے والے سے وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ (وہ اس سے ہنسی کرنے والے ہیں) مذاق اڑانے والے ہیں۔

۳: لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ (قرآن میں غور کرنے اور اس کو سوچنے سے ان کے دل غافل ہیں)۔

نحو: یلعبون کی ضمیر سے لاھیۃ حال ہے۔ نمبر۲۔ یا استمعوہ کی ضمیر سے۔ ھم یلعبون اور لاھیۃ دونوں حال ہیں۔ نمبر۳۔ بعض نے لاھیۃ کو مرفوع پڑھا ہے اس صورت میں یہ دوسری خبر ہے ھم مبتدا کی یلعبون خبر اول ہے اور قلوبھم کا رفع لاھیۃ کی وجہ سے ہے۔

لغۃ: لاھیۃ کہ الھی یلھو عنہ سے لیا گیا ہے جبکہ اس سے غافل ہو مطلب یہ ہے کہ ان کے دل تصور سے غافل ہیں۔

ابوبکر وراق کا قول: غافل دل وہ ہے جو دنیا اور اس کی رونق میں مشغول ہو اور آخرت اور اس کی ہولناکیوں سے لاپرواہ ہو۔

وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (اور انہوں نے چھپا کر سرگوشیاں کیں اور جنہوں نے ظلم کیا) اسرّ کا معنی اخفاء میں مبالغہ کیا۔

النجوٰی تناجی کا اسم ہے پھر اسرّوا کی واؤ سے الذین ظلموا بدل ہے۔

پھر اسرّوا کی واؤ اس لئے لائے تاکہ بتلا دیا جائے کہ جس بات میں انہوں نے رازداری کی اس میں ظلم سے موسوم یہی لوگ ہیں۔ اس طرح یہ اس محاورہ کے مطابق ہے اکلونی البراغیث۔

نمبر۲۔ الناس کی صفت ہونے کی وجہ سے محلًا مجرور ہے یا بدل ہے۔

نمبر۳۔ ذم کی وجہ سے منصوب المحل ہے۔

نمبر۴۔ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر مقدم اسرّوا النجوٰی ہے ای والذین ظلموا اسرّوا النجوٰی

نمبر۵۔ اسرّوا سے پہلے ھؤلاء مبتدا محذوف اور الذین ظلموا سے پہلے ھم مبتدا محذوف ہے۔

معجزے کو جادو کہا:

هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ (یہ تو تم ہی جیسا انسان ہے کیا تم پھر بھی دیدہ و دانستہ جادو کی بات سننے جاؤ گے)

نحو: نمبر ا۔ یہ سارا کلام النجویٰ سے بدل ہونے کی بناء پر محلاً منصوب ہے۔ ای اسرّوا هذا الحدیث۔ نمبر۲۔ قالوا کا مضمر مان کر اسے متعلق کریں تو بھی جائز ہے۔

مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اعتقاد رکھا کہ رسول تو فرشتہ ہو سکتا ہے اور جو انسان نبوت کا مدعی ہو اور معجزہ پیش کرے وہ جادوگر ہے اور اس کا معجزہ سحر ہے۔ اسی لئے انہوں نے انکار کے انداز میں کہا کہ تم آنکھوں سے جادو کو دیکھتے ہوئے بھی اندھا دھند جادو کو قبول کرلو گے؟

۴: قٰلَ رَبِّیْ (پیغمبر نے کہا میرے رب) قراءت: حمزہ، علی و حفص نے اس طرح پڑھا ہے۔ قال کا فاعل حضرت محمد ﷺ ہیں۔ اور دیگر قراء نے قل ربی پڑھا ہے۔ ای قل یا محمد للذین اسرّوا النجوی (اے محمد ﷺ سرگوشیاں کرنے والوں کو کہہ دیں)۔ یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (ہر بات کو خواہ وہ آسمان میں ہو یا زمین میں جانتا ہے) وہ ہر قائل کا قول جانتے ہیں خواہ وہ قائل آسمان کے کسی کنارے میں ہو یا زمین کی تہہ میں ہو۔ اور پوشیدہ طور پر کہے یا کھلا کہے۔

بَلْ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ بَلِ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ

بلکہ انہوں نے کہا کہ یہ تو پریشان خیالات ہیں بلکہ اس نے اس کو گھڑ لیا ہے بلکہ یہ شاعر ہے سو ہمارے پاس کوئی نشانی لے آئے جیسا کہ پہلے

الْأَوَّلُونَ ﴿٥﴾ مَا آمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا ۖ أَفَهُمْ يُؤْمِنُونَ ﴿٦﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا

لوگ نشانیاں دے کر بھیجے گئے۔ ان سے پہلے جن بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا وہ ایمان نہیں لائیں تو کیا یہ ایمان لے آئیں گے اور ہم نے آپ سے پہلے

قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ ۖ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٧﴾

جتنے رسول بھیجے وہ مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔ سو تم اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے ہو۔

وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ ﴿٨﴾ ثُمَّ صَدَقْنَاهُمُ

پھر ہم نے ان کو ایسا جسم نہیں بنایا جو کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے پھر ہم نے ان سے جو وعدہ کیا تھا

الْوَعْدَ فَأَنْجَيْنَاهُمْ وَمَنْ نَشَاءُ وَأَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِينَ ﴿٩﴾ لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا

سچا کر دکھایا سو ہم نے انہیں اور جس کو چاہا نجات دے دی اور ہم نے حد سے نکلنے والوں کو ہلاک کر دیا۔ بلاشبہ بات یہ ہے کہ ہم نے تمہاری طرف کتاب نازل کی ہے

فِيهِ ذِكْرُكُمْ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٠﴾

جس میں تمہاری نصیحت ہے کیا تم نہیں سمجھتے۔

وَهُوَ السَّمِيعُ (وہی سننے والا ہے) ان کے اقوال کو الْعَلِيمُ (وہ جاننے والا ہے) ان کے دلوں میں جو چھپا ہوا ہے۔

قرآن کو پریشان خیال کہنا:

۵: بَلْ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ بَلِ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ (بلکہ یوں بھی کہا کہ یہ قرآن پریشان خیالات ہیں بلکہ اس شخص نے خود تراش لیا ہے۔ بلکہ یہ شخص شاعر ہے) اس میں انہوں نے اپنی پہلی بات سحر سے اعراض کرتے ہوئے قرآن کو پریشان خواب کی باتیں قرار دیں جو اس مدعی نے خواب میں دیکھی ہیں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کی وحی خیال کر لیا۔ پھر اس سے اعراض کر کے کہنے لگے کہ یہ کلام اس نے اپنے پاس سے گھڑ لیا ہے۔ پھر اس سے آگے بڑھ کر کہہ دیا کہ یہ شاعرانہ بات ہے۔ اور یہ خود شاعر ہیں۔ اسی طرح باطل متردد اور غیر واضح ہوتا ہے۔ اور باطل پرستوں کا ایک بات پہ ثبات و استقلال نہیں پھر کہنے لگے۔ گویا اپنے دعویٰ نبوت میں سچے ہیں۔ حالانکہ بات اس طرح نہیں جیسا کہ ان کا گمان ہے۔ تو پھر ان کو کوئی نشانی پیش کرنا چاہیے۔ فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ (تو ہمارے سامنے کوئی نشانی لائیں) آیت سے یہاں معجزہ مراد ہے۔ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ (جیسا کہ پہلے انبیاء کی طرف بھیجی گئیں) جیسے

یا بیضا وعصا یا ورنہ ٹوٹ جانا او اندھوں کا درست ہونا۔ مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ۔

تشبیہ: کما ارسل الاولون میں اس حیثیت سے ہے کہ یہ کما اتی الاولون بالآیات کے معنی میں ہے کیونکہ ارسال رسل معجزات وآیات لانے کو متضمن ہے اہل عرب کے ہاں ان دو اقوال میں کوئی فرق نہیں۔ نمبرا۔ ارسل محمد نمبر۲۔ اتی محمد بالمعجزۃ۔

مطلوبہ معجزات کے اظہار کے باوجود ایمان نہ لائے گے:

۶: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اقوال کی تردید فرمائی۔ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ (ان سے پہلے بھی بستیوں والے ایمان نہ لائے) قریہ سے پہلے مضاف محذوف ہے یعنی اہل قریہ۔ اَهْلَكْنٰهَا (جن کو ہم نے ہلاک کیا) یہ قریہ کی صفت ہے جبکہ ان کے پاس مطلوبہ معجزات آبھی چکے کیونکہ انہوں نے وہ معجزات بطور ضد کے طلب کئے تھے۔

اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ (تو کیا یہ لوگ ایمان لائیں گے) یعنی وہ معجزات آجانے کے باوجود ایمان نہ لائے کیا وہ مطالبہ کرنے والے ایمان لائیں گے اگر ہم ان کے مطلوبہ معجزات پورے کردیں۔ حالانکہ یہ تو سرکشی میں ان سے دو ہاتھ آگے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ہلاک ہونے والی بستیوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام سے معجزات کا مطالبہ کیا اور ایمان لانے کا وعدہ بھی کر لیا مگر جب وہ معجزات ظاہر کردیئے گئے تو انہوں نے وعدہ توڑ دیا اور مخالفت پر ڈٹ گئے۔ پس ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا۔ اگر ان کو بھی مطلوبہ معجزات مہیا کر دیئے جائیں تو یہ بھی اپنے وعدے سے مکر جائیں گے۔

اعتراض بشریت کی تردید:

۷: وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا (ہم نے آپ سے پہلے بھی صرف مردوں کو ہی پیغمبر بنا کر بھیجا) یہ ان کے اس قول کا جواب ہے۔ هل هذا الا بشر مثلكم [الانبیاء:۳] نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ (جن کے پاس ہم وحی بھیجتے تھے) قراءت: حفص نے اسی طرح پڑھا ہے اور ابن کثیر وابن عامر وحمزہ وغیرہ نے یوحی پڑھا ہے۔ فَسْــَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ (پس تم اہل ذکر سے پوچھ لو) اہل ذکر سے علمائے کتابیین مراد ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جن رسولوں کی طرف وحی بھیجی جاتی رہی وہ انسان تھے ملائکہ نہ تھے۔ اہل مکہ کو اہل کتاب پر اعتماد تھا۔

اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (اگر تم کو اس کا علم نہیں ہے) پھر وضاحت فرمائی کہ آپ پہلے انبیاء علیہم السلام کی طرح ہی ہیں۔ فرمایا:

۸: وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا (اور ہم نے ان کو ایسا جسم نہیں بنایا) جسد (رنگ دار جسم) اس کو واحد لائے کیونکہ اسم جنس ہے جس کا اطلاق واحد وجمع سب پر ہوتا ہے۔ لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ (جو کھانا نہ کھاتے ہوں) یہ جَسَدًا کی صفت ہے یعنی ہم نے آپ سے پہلے والے انبیاء علیہم السلام کو کھانا نہ کھانے والے جسم نہیں بنایا۔

وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ (اور وہ ہمیشہ رہنے والے بھی نہ تھے) گویا کہ کفار نے اس طرح کہا وہ فرشتہ کیوں نہیں کہ نہ کھائے اور ہمیشہ رہے چونکہ ان کے اعتقاد میں فرشتوں پر موت نہ آئے گی۔ نمبرا۔ طویل بقاء اور لمبی زندگی کو خلود کا نام دے دیا گیا۔

۹: ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ (پھر ہم نے ان سے جو وعدہ کیا تھا وہ سچا کر دکھایا) ان کو نجات دے کر۔ الوعد اصل فی الوعد ہے جیسا واختار موسٰى قومه [الاعراف:۱۵۵] میں قوم من قومہ ہے۔ فَاَنْجَيْنٰهُمْ (پس ہم نے ان کو نجات دی) اس عذاب سے جو ان کی

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝۱۱ فَلَمَّآ

اور ہم نے کتنی ہی بستیوں کو توڑ دیا جو ظلم کرنے والی تھیں، اور ہم نے ان کے بعد دوسرے لوگوں کو پیدا کر دیا۔ سو جب

اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ۝۱۲ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ

انہوں نے ہمارا عذاب آتا دیکھا تو اس بستی سے بھاگنے لگے۔ مت بھاگو اور ان چیزوں کی طرف جن میں تم عیش میں پڑے ہوئے تھے اور

فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ۝۱۳ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۱۴ فَمَا زَالَتْ

اپنے گھروں کی طرف واپس آ جاؤ تاکہ تم سے سوال کیا جائے۔ وہ کہنے لگے ہائے ہماری خرابی بے شک ہم ظلم کرنے والے تھے۔ سو برابر

تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ۝۱۵

یہ ان کی پکار رہی یہاں تک کہ ہم نے انہیں کٹی ہوئی کھیتی کی طرح بجھی ہوئی حالت میں کر دیا۔

قوم پر اترا۔ وَمَنْ نَّشَآءُ (اور جن کو ہم نے چاہا) وہ مومن ہیں۔

وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ (اور ہم نے اسراف کرنے والوں کو ہلاک کر دیا) مسرف جو کفر کی حد سے آگے بڑھنے والے تھے۔
مسرفین کے متعلق ہلاک کرنے کی خبر دینے سے پتہ چلتا ہے کہ من نشاء ان کے علاوہ اور ان سے جدا ہیں۔

قرآن میں قریش کیلئے عظمت:

۱۰: لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ (یقیناً ہم نے تمہاری طرف اتاری) اے گروہ قریش۔ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ (ایسی کتاب جس میں تمہارا تذکرہ ہے) تمہاری عظمت ہے اگر تم اس کو مانو۔ نمبر۲۔ تمہارا ذکر اس بناء پر کہ وہ تمہاری زبان میں ہے۔ نمبر۳۔ اس میں تمہارے دین کا تذکرہ ہے اور دنیا کا بھی۔

نحو: جملہ فیہ ذکرکم یہ کتابًا کی صفت ہے۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (کیا تم نہیں سمجھتے) اس کو جس میں نے تمہیں دوسروں پر فضیلت دی تاکہ تم ایمان لاؤ۔

۱۱: وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ (اور ہم نے بہت سی بستیوں کو ہلاک کر دیا) القصم کا معنی ہلاک کرنا اور توڑنا ہے۔ قریۃ سے اہل قریہ مراد ہیں کیونکہ اگلے ارشاد میں فرمایا۔ كَانَتْ ظَالِمَةً وہ کافر تھیں (کیونکہ بستی کفر نہیں کرتی وہاں کے رہنے والے کفر کرتے ہیں)۔
کم یہ قصمنا کی وجہ سے منصوب ہے۔ القصم کا لفظ غضب شدید کو ظاہر کر رہا ہے اس لئے کہ قصم اس طرح توڑنے کو کہتے ہیں جس میں اجزاء کے جوڑ الگ الگ کر دیئے جائیں۔ البتہ الفصم ایسے توڑنے کو کہتے ہیں جس میں اجزاء ظاہر نہ ہوں۔ وَاَنْشَاْنَا (اور ہم نے پیدا کیا) بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ (ان کے بعد دوسرے لوگوں کو) جو ان کے مکانات میں رہائش پذیر ہوئے۔

۱۸: بَلْ (بلکہ) اتخاذ لہو سے اعراض اور اس کی ذات کے اس سے منزہ ہونے کو بیان کیا گویا اس طرح فرمایا سبحانا ان نتخذ اللهو (کھیل بنانے سے تو ہم پاک ہیں۔) بلکہ ہمارا طریقہ یہ چلا آرہا ہے کہ نَقْذِفُ (ہم پھینکتے ہیں) اور مسلط کرتے ہیں۔ بِالْحَقِّ (حق کو) قرآن کو عَلَى الْبَاطِلِ (باطل پر) شیطان پر نمبر۱۔ اسلام کو شرک پر نمبر۲۔ حقیقت کو کھیل پر فَيَدْمَغُهٗ (پس وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے) وہ اس کو توڑ دیتا۔ حق باطل کو کچل دیتا ہے۔

استعارہ لطیفہ:

الدمغ اور القذف کا استعمال اصل میں اجسام کیلئے ہوتا ہے پھر استعارۃ قذف کو حق کے باطل پر وارد کرنے کے لئے لائے۔ اور الدمغ کو باطل کے دور اور ختم کرنے کے لیے استعمال کیا۔ پہلی استعارہ حسی ہے اور دوسرا استعارہ عقلی ہے۔ گویا اس طرح فرمایا بلکہ ہم حق کو جو ٹھوس جسم کے مشابہ ہے باطل پر وارد کرتے ہیں وہ باطل جو ایک کمزور ضعیف جسم کی مانند ہے پس حق باطل کو اسی طرح بیکار کر دیتا ہے جیسا کہ ٹھوس جسم کمزور کو۔

فَاِذَا هُوَ (پس یکدم وہ) ھو کی ضمیر باطل کی طرف راجع ہے۔ زَاهِقٌ (ہلاک و تباہ ہونے والا ہے) وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ (اور تمہاری اس بات سے بڑی خرابی ہوگی جو تم بیان کرتے ہو) اللہ تعالیٰ کے متعلق کہ اس نے بیٹا وغیرہ بنالیا ہے۔

اللہ مالک اور کائنات اس کی مملوک ہے:

۱۹: وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کے ہیں) وَمَنْ عِنْدَهٗ (اور جو بندے اللہ کے نزدیک ہیں) خلقت و ملک کے اعتبار سے پس پھر ان میں سے کوئی چیز اس کا بیٹا بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ جبکہ مملوکیت و بنوت میں باہمی منافات ہے والد وولد میں جنسیت ضروری ہے اور وہ جنسیت سے پاک ہے۔ والد وولد میں مماثلت ہوتی ہے اور وہ مثلیت سے پاک پھر بیوی بیٹا کیسے بن گئے۔

الارض پر وقف ہے کیونکہ من عندہ جو اس کے ہاں ہیں مرتبہ و مقام کے اعتبار سے ہے نہ کہ منزل و مکان کے اعتبار سے۔ مراد اس سے ملائکہ ہیں۔

نحو: یہ مبتدا ہے اور لا یستکبرون خبر ہے۔

لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (وہ بڑے نہیں بنتے) عار نہیں کرتے۔ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ (اس کی بندگی سے اور نہ تھکتے ہیں) الاستحسار کے معنی تھکنا ہارنا۔

۲۰: يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ (دن رات اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتے اور (اظہار تعظیم میں) سست نہیں پڑتے) لا یفترون یہ یسبحون کے فاعل سے حال ہے۔ یعنی ان کی تسبیح مسلسل و دائم ہے۔ تمام اوقات میں جاری و ساری ہے۔ فراغت کے ذریعہ تھکاوٹ ان کے تسلسل میں مخل نہیں ہوتی۔ نمبر۲۔ کسی دوسرے کام کی مصروفیت ان کی تسبیح کے تسلسل کو منقطع نہیں کرتی بلکہ ہمارے سانس کی طرح ان کی تسبیح جاری رہتی ہے۔

أَمِ اتَّخَذُوٓا ءَالِهَةً مِّنَ الْأَرْضِ هُمْ يُنشِرُونَ ﴿٢١﴾ لَوْ كَانَ فِيهِمَآ ءَالِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ

کیا ان لوگوں نے زمین کی چیزوں میں سے معبود بنا رکھے ہیں جو زندہ کرتے ہیں؟ اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے

لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحَٰنَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿٢٢﴾ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ

تو دونوں فاسد ہو جاتے، سو اللہ جو عرش کا مالک ہے ان چیزوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے بارے میں اس سے سوال نہیں کیا جاتا

وَهُمْ يُسْـَٔلُونَ ﴿٢٣﴾ أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِۦٓ ءَالِهَةً ۖ قُلْ هَاتُوا بُرْهَٰنَكُمْ ۖ

اور ان لوگوں سے باز پرس ہوگی۔ کیا ان لوگوں نے اس کے سوا معبود بنا لئے ہیں؟ آپ فرما دیجئے اپنی دلیل لاؤ

هَٰذَا ذِكْرُ مَن مَّعِىَ وَذِكْرُ مَن قَبْلِى ۗ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ ۖ

یہ ذکر ہے ان لوگوں کا جو میرے ساتھ ہیں اور جو مجھ سے پہلے تھے، بلکہ ان میں سے اکثر لوگ حق کو نہیں جانتے

فَهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٢٤﴾ وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِىٓ إِلَيْهِ أَنَّهُۥ

سو وہ اس سے اعراض کئے ہوئے ہیں۔ اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ ہم نے اس کی طرف یہ وحی بھیجی کہ میرے سوا

لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَاعْبُدُونِ ﴿٢٥﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا ۗ سُبْحَٰنَهُۥ ۚ بَلْ عِبَادٌ

کوئی معبود نہیں سو تم میری عبادت کرو۔ اور ان لوگوں نے کہا کہ رحمن نے بیٹا بنا لیا ہے، وہ پاک ہے بلکہ وہ اس کے معزز

مُّكْرَمُونَ ﴿٢٦﴾ لَا يَسْبِقُونَهُۥ بِالْقَوْلِ وَهُم بِأَمْرِهِۦ يَعْمَلُونَ ﴿٢٧﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ

بندے ہیں۔ وہ اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے اور وہ اس کے حکم کے موافق عمل کرتے ہیں۔ وہ جانتا ہے جو ان کے

أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِۦ

آگے پیچھے احوال ہیں اور وہ کسی کے لئے سفارش نہیں کریں گے بجز ایسے شخص کے جس کی سفارش کرنے میں اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو۔ اور وہ اس کی ہیبت سے

مُشْفِقُونَ ﴿٢٨﴾ ۞ وَمَن يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّىٓ إِلَٰهٌ مِّن دُونِهِۦ فَذَٰلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ ۚ

ڈرتے ہیں۔ اور ان میں سے جو شخص یوں کہے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں سو ہم اسے دوزخ کی سزا دیں گے،

كَذَٰلِكَ نَجْزِى الظَّٰلِمِينَ ﴿٢٩﴾

ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیا کرتے ہیں۔

توبیخ مشرکین:

۲۱: پھر مشرکین کی بات کا انکار کرتے ہوئے اور توبیخ کرتے ہوئے ان سے اعراض کیا اس لئے اَم بمعنی بل اور ہمزہ انکار و توبیخ کیلئے لائے۔ اور فرمایا اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ (کیا ان لوگوں نے خدا کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں۔ زمین کی چیزوں میں سے وہ معبود مردوں کو زندہ کر کے اٹھائیں گے) ینشرون کا معنی وہ مردوں کو زندہ کریں گے۔

نحو: من الارض یہ الٰھۃ کی صفت ہے کیونکہ ان کے آلھہ زمین کے جواہر سونا، چاندی، پتھر سے بنے ہوتے تھے۔ اور زمین پر ان کی پوجا کی جاتی تھی۔ اس لئے زمین کی طرف ان کی نسبت کر دی کہ یہ تو زمینی معبود ہیں جیسا کہتے ہیں۔ فلان من المدینۃ ای مدنی۔ وہ مدینہ کا رہنے والا ہے۔ من الارض سے تخصیص نہیں بلکہ تحقیر مقصود ہے۔ نمبر۲۔ من الارض یہ اتخذوا کے متعلق ہے اور اس میں غایت تقصیر و انکار کی ابتداء کا بیان ہے۔

ھم ینشرون میں مشرکین کی انتہائی جہالت بیان کر کے استہزائی انداز سے توبیخ و ڈانٹ پلائی۔ اگرچہ ان کا دعویٰ نہیں تھا کہ ان کے اصنام مردوں کو زندہ کریں گے اور وہ دعویٰ بھی کیسے کر سکتے تھے۔ یہ تو بہت اونچی چیز ہے کہ بعض مردے دوسرے مردوں کو اٹھا کر کھڑا کریں۔ البتہ اصنام کیلئے دعویٰ الوہیت سے دوبارہ اٹھائے جانے کا دعویٰ خود لازم آتا ہے۔ کیونکہ جو مردوں کو زندہ کرنے سے عاجز ہو وہ الٰہ نہیں بن سکتا۔ اس لئے کہ یہ کام اس قادر مطلق کا ہے جس کی قدرت ہر مقدور پر ہو۔ اور دوبارہ اٹھانا یہ بھی مقدورات میں سے ہے۔ پس جو اس کی قدرت نہیں رکھتا وہ عاجز بعض مقدورات ہونے کی وجہ سے قادر مطلق نہ رہا کیسے معبود بن سکتا۔

قراءت: حسن نے یَنْشُرُوْنَ یاء کے فتحہ سے پڑھا اور یہ دونوں لغت ہیں۔ جیسے انشر اللّٰہ الموتی و نشرھا اور دونوں کا معنی زندہ کرنا آتا ہے۔

دلیل تمانع:

۲۲: لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ (اگر ان دونوں میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود ہوتے) اِلَّا یہاں غیر کے معنی میں ہے۔

نحو: الٰھۃ کی صفت اِلَّا کے ساتھ لائی گئی جیسا کہ غیر کو کہا جاتا ہے الٰھۃ غیر اللّٰہ۔ بدل کی وجہ سے اس کا رفع جائز نہیں کیونکہ لو بمنزلہ اِن کے ہے۔ اس کے ساتھ کلام موجب ہوتی ہے۔ اور بدل تو کلام غیر موجب میں آتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولا یلتفت منکم احد الا امراتک [ھود: ۸۱]

نمبر۲۔ استثناء کی وجہ سے نصب بھی درست نہیں کیونکہ جمع جب نکرہ آئے تو اس سے استثناء جائز نہیں۔ محققین کا یہ قول ہے کیونکہ اس میں عموم نہیں۔ اس طرح کہ اگر استثناء ہوتا تو مستثنیٰ اس میں داخل ہوتا۔ مطلب یہ ہے اگر مختلف الٰہ اس اکیلے پیدا کرنے والے کے سوا آسمان و زمین کے معاملے کی تدبیر کرتے ہوتے تو یہ تباہ ہو جاتے۔

لَفَسَدَتَا (تو اختلاف مراد و مقصد کی وجہ سے برباد ہو جاتے ہیں۔) مطلب یہ ہے کہ دونوں وجود میں ہی نہ آسکتے۔ جیسا کہ اصول کلام میں بار بار آچکا۔ پھر اپنی ذات کو منزہ قرار دیتے ہوئے فرمایا۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ (وہ عرش کا مالک ان امور سے پاک ہے۔ جو یہ لوگ اس کے متعلق بیان کرتے ہیں) شرکاء اور اولاد کی نسبت وغیرہ۔

۲۳: لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ (اس سے اس کے فعل کی بازپرس نہیں کی جائے گی) کیونکہ وہ مالک حقیقی خود ہے۔ اگر بادشاہ پر اس کا کوئی غلام اعتراض کرے تو بات انتہائی قبیح شمار ہوتی ہے۔ اور اس کو حماقت گنا جاتا ہے۔ حالانکہ دونوں ہم جنس بھی ہیں۔ اور بادشاہ کا خطاء پر ہونا بالکل ممکن ہے اور بادشاہ اس کا حقیقی مالک بھی نہیں۔ تو پھر تم خود اندازہ کرلو کہ شہنشاہ مطلق اور رب الارباب پر کس کو اعتراض کا حق و جواز ہے۔ اس کے تمام افعال درست و صواب اور عین حکمت ہیں۔ وہاں احتمالِ خطاء محال ہے۔

وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ (اور ان سے بازپرس ہوگی۔) کیونکہ وہ سب مملوک اور خطاکار ہیں۔ ان کو ہر فعل میں یہ کہنے کا حق ہے کہ یہ تم نے کیونکر کیا ہے؟ مملوک کی پیدائش اسی لئے ہے۔ نمبر ۲۔ مسیح، عیسائیوں کا مرجع مسیح و ملائکہ ہیں کہ ان سے بازپرس ہوگی پھر یہ معبود کیسے بن گئے جبکہ الوہیت حیثیت مسئولیت کے منافی ہے۔

امر کو مزید افادہ کے لئے لائے:

۲۴: اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً (کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور معبود بنا رکھے ہیں) دوبارہ لائے تاکہ مزید افادہ حاصل ہو۔ پہلی مرتبہ ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ کافروں کے پاس اپنے ان باطل معبودوں کو اللہ قرار دینے کی کوئی صحیح عقلی دلیل موجود نہیں ہے۔ کیا وہ مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اگر نہیں تو ان کے معبود ہونے کیلئے کوئی عقلی استحقاق نہیں یہاں دوبارہ لائے کہ گزشتہ آسمانی کتابیں بھی اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دینے کی اجازت نہیں دیتیں۔ پس شرک کی کوئی نقلی دلیل بھی نہیں۔ پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ (آپ کہہ دیں کہ تم اپنے دعویٰ کی دلیل پیش کرو) خواہ عقلی ہو یا نقلی عقلی بھی ممکن نہیں اور نقلی۔ جو آسمانی کتاب ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید و تنزیہ پائی جاتی ہے۔

هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِىَ (یہ قرآن ان لوگوں کیلئے نصیحت ہے جو میرے ساتھ ہیں) یعنی میری امت۔ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِىْ (اور ان لوگوں کیلئے بھی نصیحت ہے جو مجھ سے پہلی امتیں ہو گئیں) مِنْ قَبْلِىْ سے سابقہ انبیاء علیہم السلام کی امتیں مراد ہیں۔ قرآن اللہ تعالیٰ کی توحید اور شرکاء کی نفی کر رہا ہے (اگرچہ کفار عناد و ضد سے نہ مانیں)

قراءت: مَّعِىَ حفص نے پڑھا۔

جب کفار اپنے کفر سے باز نہ آئے تو قرآن نے ان سے اعراض کرتے ہوئے فرمایا: بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ (بلکہ ان کی اکثریت حق کو نہیں جانتی) الحق سے قرآن مراد ہے۔

نحو: الحق کا نصب یعلمون کی وجہ سے ہے۔ ایک قراءت میں الحق ضمہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اس صورت میں مبتدا محذوف ہو کی خبر ہے ای هو الحق۔ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (پس وہ اس وجہ سے اعراض کر رہے ہیں) هم وہ اسی وجہ سے مُعْرِضُوْنَ ان آیات پر غور کرنے سے اعراض کرنے والے ہیں۔ جن پر غور سے حق سمجھا جاتا ہے۔

۲۵: وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِىْۤ اِلَيْهِ (اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی ایسا پیغمبر نہیں بھیجا جس کے پاس یہ وحی

ہم نے نہ بھیجی ہو) کوفی الیہ ابوبکر وحماد کے علاوہ باقی کوفی قراء نے اسی طرح پڑھا ہے۔

اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی عبادت کرو) فاعبدون سے مراد مجھے وحدہٗ لاشریک مانو۔ اس آیت کو بار بار لائے۔ کیونکہ اس سے پہلے آیات توحید آئی ہیں۔ (پس دعوی کا تکرار بغرض تاکید کر دیا گیا)

۲۶: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ (اور انہوں نے کہا کہ رحمان نے بیٹا بنا لیا ہے وہ پاک ہے) یہ آیت خزاعہ کے سلسلہ میں اتری جو ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی ذات کو اس سے منزہ قرار دیا اور ان کے متعلق خبر دی کہ جن کو تم نے معبود بنایا وہ تو عباد ہیں۔

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (بلکہ وہ اس کے معزز بندے ہیں) یعنی بلکہ وہ اس کے معزز بندے ہیں۔ جن کو قرب کا شرف بخشا اور قرب عنایت کیا گیا۔ وہ اولاد نہیں کیونکہ عبودیت ولادت کے منافی ہے۔

۲۷: لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ (وہ اس سے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے) القول میں الف لام اضافت کے قائم مقام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ خود اللہ تعالیٰ کے قول کے پیرو ہیں۔ اور ان کا قول اس کے حکم سے سبقت کرنے والا نہیں۔ اور نہ اپنے قول سے اس کے قول کو مقدم کر سکتے ہیں۔

وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ (وہ اس کے حکم پر عمل کرنے والے ہیں) یعنی جس طرح ان کا قول اس کے حکم کے تابع ہے اسی طرح ان کا عمل بھی اس کے حکم کے مطابق ہے۔ وہ کوئی ایسا عمل نہیں کرتے جس کا اس نے حکم نہ دیا ہو۔

۲۸: يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (اللہ تعالیٰ ان کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے) یعنی جو اعمال انہوں نے پہلے اور بعد کیے ہیں۔ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى (اور وہ کسی کی سفارش نہیں کر سکتے مگر اس کی جس کیلئے شفاعت کرنے کی اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو) یعنی جس کے لئے وہ پسند کرے۔ بقول ابن عباس جس نے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کیا ہو۔ وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ (وہ اس کے ڈر سے ہیبت زدہ ہیں) خائف ہیں۔

۲۹: وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اور (بالفرض اگر) ان میں سے کوئی کہے از ملائکہ میں سے اِنِّیْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ (کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا معبود ہوں) اللہ تعالیٰ کے سوا۔

قراءت: اِنِّیَ مدنی اور ابو عمرو نے پڑھا ہے۔

فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ (تو ہم اس کو جہنم کی سزا دیں گے۔)

نحو: ذلک مبتدا ہے نجزیہ جھنم اس کی خبر ہے ذلک کا مشار الیہ قائل ہے۔ اور یہ دونوں جواب شرط ہیں۔

كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ (ہم ظالموں کو اسی قسم کی سزا دیتے ہیں) ظالم سے کافر مراد ہیں۔ جنہوں نے الوہیت کو غیر مقام پر رکھ دیا۔ یہ کلام بطور فرض اور تمثیل ہے کیونکہ فرشتوں کا معصوم ہونا قطعی ہے۔

قول ابن عباس رضی اللہ عنہما و قتادہ و ضحاک ابلیس کے متعلق وعید یقینی و قطعی ہے اس نے اپنے لئے الوہیت کا دعوٰی کیا۔ اپنی طاعت و عبادت کیلئے مخلوق کو بلایا۔

قول اول:

آسمان وزمین ملے ہوئے تھے ان کے درمیان فضاء نہ تھی تو ان دونوں کو جدا کر دیا۔ ان کے درمیان فضاء بنادی (یہ ابن عباس کا قول ہے)

دوسرا قول:

آسمان ایک ہی طبقہ تھے۔ پس ان کو جدا کر کے سات آسمان بنا دیے۔ اسی طرح زمین کے تمام طبقات ملے تھے۔ اس کے طبقات کو الگ تھلگ کر دیا اور سات زمینیں بنا دیں (یہ کعب احبار کا قول ہے)

تیسرا قول:

آسمان بند تھا کہ اس سے بارش نہ ہوتی تھی اور زمین بند تھی کہ سبزہ نہ اگاتی تھی۔ آسمان سے بارش برسا کر اس کا منہ کھول دیا اور زمین سے سبزہ اگا کر اس کو پھاڑ دیا۔ (یہ عطیہ، عکرمہ کا قول ہے جو تمام اقوال میں اکثر علماء کے ہاں احسن ہے)

ہر جاندار پانی سے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (اور ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز بنائی) یعنی پانی سے ہر حیوان کو بنا دیا جیسا کہ دوسرے ارشاد میں فرمایا۔ واللہ خلق کل دابة من ماء [النور: ۴۵] نمبر۲۔ گویا ہم نے اس کو پانی سے پیدا کیا جیسا کہ پانی کی انسان کو بہت ضرورت و رغبت ہے اور اس سے صبر نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا۔ خلق الانسان من عجل [الانبیاء: ۳۷] کہ گویا انسان جلد بازی سے بنا ہے۔ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ (کیا پھر بھی یہ ایمان نہیں لاتے) یعنی مشاہدات کی تصدیق نہیں کرتے۔

۳۱: وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ (اور زمین میں ہم نے بوجھ بنا دیئے) قائم رہنے والے پہاڑ۔ یہ رسا یرسو سے ہے جس کا معنی قائم و ثابت رہنا ہے۔ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ (کہ زمین ان کو لے کر ہلنے نہ لگے) ان کو لے کر مضطرب و بے قرار نہ ہو جائے۔ یہاں لا محذوف ہے اور لام بھی۔ لا کا یہ حذف جائز ہے کیونکہ التباس نہیں جیسا کہ اس ارشاد میں مراد ہے۔ لئلا یعلم اھل الکتاب۔ [الحدید: ۲۹]

راستوں کی کیفیت:

وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا (اور ہم نے اس زمین میں کشادہ راستے بنائے) فجاجا: وسیع راستے۔ یہ فج کی جمع ہے۔

نحو: یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ سُبُلًا ذوالحال مقدم ہے۔

اعتراض: اس ارشاد اور دوسری آیت لتسلکوا منها سبلا فجاجا [نوح: ۲۰] میں کیا فرق ہے۔ کہ وہاں سبل کو مقدم کیا یہاں مؤخر؟

جواب: پہلی آیت میں یہ بتلایا کہ اس نے زمین میں وسیع راستے بنا دیے اور دوسری میں یہ بیان فرمایا کہ جب ان راستوں کو بنایا تھا

تو اس کیفیت و انداز سے بنایا تھا تو گویا اس جگہ پہلے مبہم ذکر کیا پھر وضاحت کی۔

لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ (تاکہ وہ منزل مقصود کو پہنچ جائیں) تاکہ ان راستوں سے بلاد مقصودہ تک پہنچ سکیں۔

۳۲. وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا (اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنایا) کہ وہ گرنے سے بچی ہوئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا و يمسك السماء ان تقع على الارض الا باذنه [الحج: ۶۵] نمبر۲۔ محفوظ کا مطلب شہابوں کے ذریعہ شیاطین سے ان کی حفاظت کر دی جیسا کہ فرمایا و حفظنها من كل شيطان رجيم [الحجر: ۱۷]

وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا (وہ کافر اس کی نشانیوں سے) ھم سے مراد کفار ہیں آیات سے مراد سورج، چاند، ستارے۔ مُعْرِضُونَ (اعراض کرنے والے ہیں) ان میں غور و فکر نہیں کرتے کہ ایمان لائیں۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ﴿٣٤﴾ كُلُّ

اور ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کے لئے ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا۔ اگر آپ کی وفات ہو جائے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے۔

نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿٣٥﴾

ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے اور ہم تمہیں بری اور بھلی حالتوں سے دوچار کر کے آزماتے ہیں اور تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

وَإِذَا رَآكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ

اور جب کافر لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ کی ہنسی اڑاتے ہیں کہ کیا یہی ہے وہ جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے

وَهُم بِذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿٣٦﴾ خُلِقَ الْإِنسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۚ سَأُرِيكُمْ

اور وہ رحمٰن کے ذکر کا انکار کرتے ہیں۔ انسان جلدی سے پیدا کیا گیا ہے۔ میں عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں

آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ﴿٣٧﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٨﴾

دکھاؤں گا سو تم مجھ سے جلدی مت کرو۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہو گا اگر تم سچے ہو۔

لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ لَا يَكُفُّونَ عَن وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَن

اگر کافر لوگ اس وقت کو جان لیتے جب اپنے چہروں سے آگ کو نہ روک سکیں گے اور نہ اپنی

ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٣٩﴾ بَلْ تَأْتِيهِم بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ

پشتوں سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ بلکہ وہ آگ اچانک ان پر آ جائے گی سو وہ انہیں مدہوش کر دے گی سو وہ اس کے ہٹانے کی طاقت نہ رکھیں

رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٤٠﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ

گے اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔ اور یہ واقعی بات ہے کہ آپ سے پہلے رسولوں کے ساتھ تمسخر کیا گیا سو جن لوگوں نے

بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٤١﴾

ان کا تمسخر کیا تھا ان کو اس چیز نے آ گھیرا جس کا وہ استہزاء کیا کرتے تھے۔

۳۳: وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ (اور وہ ایسا ہے جس نے رات کو بنایا) تاکہ تم سکون حاصل کرو۔ وَالنَّهَارَ (اور دن بنایا) تاکہ تم اس میں کام کاج کر سکو۔ وَالشَّمْسَ (اور سورج کو) تاکہ دن کو روشنی کا کام دے۔ وَالْقَمَرَ (اور چاند کو) تاکہ رات کو چاندنا کرے۔ كُلٌّ (تمام یعنی ہر ایک ان میں سے۔ اس میں تنوین مضاف کے بدلے میں ہے۔ ای کلھم ضمیر شمس و قمر کی

طرف راجع ہے۔ اور مراد اس سے تمام مخلوقات کی جنس ہے اور یہاں جمع عقلاء والی لائی گئی ہے ان کے فعل سباحت کو بیان کرنے کیلئے ہے۔

فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (ہر ایک اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں) قول ابن عباس رضی اللہ عنہما الفلک آسمان کو کہتے ہیں۔ قول جمہور یہ ہے کہ فلک آسمان کے نیچے موج بستہ ہے جس میں سورج، چاند، ستارے گھوم رہے ہیں۔

نحو: کل مبتدا اور یسبحون اس کی خبر ہے۔

یَّسْبَحُوْنَ دوڑ رہے ہیں۔ تیر رہے۔ گھوم رہے ہیں۔

نحو: یہ جملہ محل نصب میں الشمس والقمر سے حال ہے۔

۳۴: وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ (ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی بشر کیلئے ہمیشہ رہنا نہیں بنایا) خلد کا معنی بقاء و دوام ہے۔ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ (پھر اگر آپ کا انتقال ہو جائے)۔

قراءت: مِتَّ کی میم کو کسرہ مدنی اور ابو بکر کے علاوہ کوفی قراء نے پڑھا ہے۔

فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ (تو کیا یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے)۔

نحو: اول فاء عطف جملہ علی الجملہ کیلئے ہے اور دوسری جزائے شرط کیلئے ہے۔ کفار کا اندازہ یہ تھا کہ یہ عنقریب مر جائیں گے تو ان کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی شماتت کی نفی کی ہے کہ فیصلہ الٰہی یہ ہے کہ دنیا میں کوئی انسان ہمیشہ نہ رہے گا اگر آپ فوت ہو گئے تو انہوں نے ہمیشہ رہنا ہے؟

۳۵: كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوْكُمْ (اور ہر جاندار کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور ہم تمہیں آزماتے ہیں) ابتلاء کا معنی امتحان لینا ہے اس کو ابتلاء کا نام دیا۔ اگرچہ وہ عالمین کے احوال کو جو آئندہ ہونے والے ہیں ان کے وجود سے پہلے ہی جانتے ہیں کیونکہ وہ صورت اختبار کی سی ہے۔

بِالشَّرِّ (برائی سے) فقر و مصائب تکلیف وَالْخَيْرِ (اور بھلائی سے) مالداری، نفع سے فِتْنَةً (آزما کر)

نحو: یہ نبلوکم کیلئے مصدر مؤکد ہے۔ اگرچہ غیر لفظہ سے ہے۔

وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ (اور ہماری بارگاہ کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا) پس تمہیں بدلہ تمہاری طرف سے پائے جانے والے صبر و شکر کی مقدار سے ہوگا۔

قراءت: ابن ذکوان نے ترجعون پڑھا ہے۔

۳۶: وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا (اور جب کافر لوگ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ کی ہنسی اڑاتے ہیں) اِلَّا هُزُوًا ان نافیہ ہے اور ھزوا یہ یتخذونک کا مفعول ثانی ہے۔

شان نزول: آیت ۳۶: یہ آیت ابوجہل کے متعلق اتری۔ اس کا گزر نبی اکرم ﷺ کے پاس سے ہوا تو ہنسنے لگا۔ اور کہنے لگا یہ نبی ہے بنی عبدالمناف کا اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ (کیا یہ ہے جو تمہارے معبودوں کا تذکرہ برائی سے کرتا ہے) یہ ذکر کا یہاں معنی عیب

لگاتا ہے۔

اٰلِھَتَكُمْ (تمہارے معبودوں کا) الذکر خیر و شر دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے اور جب ذاکر دوست ہو تو وہ مدح بنے گی اور اگر وہ دشمن ہو تو پھر ذکر مذمت کے معنی میں ہوگا۔ وَھُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ (اور وہ رحمان کے ذکر سے) اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور جس طرح اس کا ذکر وحدانیت کے لئے ضروری ہے اس سے ھُمْ كٰفِرُوْنَ (یہ منکر ہیں) بالکل اس کو مانتے ہی نہیں۔ وہ اس بات کے زیادہ مناسب ہے کہ ان کا مذاق اڑایا جائے۔ آپ تو حق پرست ہیں اور وہ باطل پرست ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے ذکر رحمان سے آپ پر اتارا جانے والا قرآن مراد ہے۔ اور ھم کافرون سے ان کا قرآن سے ضد کی بناء پر انکار مراد ہے۔ اور یہ جملہ موضع حال میں ہے۔ یعنی وہ آپ کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ ان کی حالت قابل استہزاء و تمسخر ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے انکار والی حالت ہے۔

نحو: ھم کو تاکید کیلئے دوبارہ لائے۔ نمبر ۲۔ مبتدا و خبر کے درمیان صلہ حائل ہو گیا اس لئے مبتدا کا اعادہ کر دیا ہے۔

خمیر میں جلد بازی

۳۷: خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (انسان جلدی ہی کے خمیر کا بنا ہے) الانسان کی تفسیر جنس سے کی گئی۔

دوسرا قول: یہ نضر بن حارث کے متعلق اتری۔ وہ عذاب کا جلدی مطالبہ کرتا تھا۔ العجل العجلۃ یہ دونوں مصدر ہیں اور اس کا معنی وقت سے کسی چیز کا مقدم ہونا۔ اور ظاہر یہی ہے کہ مراد جنس انسان ہے انسان میں عجلت رکھی گئی ہے۔ اور بے صبری اور جلدی کا ایسا مظاہرہ کرتا ہے گویا کہ اس کی پیدائش ہی مادہ جلدی سے ہوئی ہے۔ جیسا کہ عرب میں جو کثرت سے سخاوت کرنے والا ہو اس کے متعلق کہتے ہیں۔ خلق من الکرم۔ کہ یہ سخاوت سے بنا ہے۔ عجلت میں افراط پر اولاً انسان کی مذمت کی اور بتلایا کہ یہ اس کی طبع میں پڑی ہے۔ پھر انسان کو منع کیا اور اس پر ڈانٹ پلائی گویا اس طرح فرمایا کہ انسان سے جلدی کرنا کوئی بات نہیں۔ وہ اس کی جبلت ہے اور طبیعت ثانیہ اور عادت بالقوہ ہے اور اس کے اجزاء میں رکھ کر جوڑی گئی ہے۔

دوسرا قول: عجل حمیری زبان میں مٹی کو کہتے ہیں جیسا کہ ان کا شاعر کہتا ہے۔

والنبع فی الصخرۃ الصماء منبتہ   والنخل تنبت بین الماء و العجل

نبع درخت کے اگنے کا مقام تو سخت پتھر ہیں اور کھجور پانی اور مٹی میں اگتی ہیں۔

قابل ذکر: اللہ تعالیٰ نے جلد بازی سے منع کیا حالانکہ یہ انسان کی فطری چیز ہے۔ جیسا کہ شہوت کو مٹانے کا حکم دیا جبکہ وہ اس کے ترکیبی اجزاء میں پائی جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ترک شہوت اور ترک عجلت کی طاقت عنایت فرمائی ہے اس کا بے محل استعمال منع ہے۔

نحو: من عجل یہ حال ہے۔ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ (میں اپنی آیات دکھاؤں گا) آیات سے قہر و غضب والی نشانیاں فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ (پس تم مجھ سے وہ جلدی مت مانگو) ان کے لانے کیلئے۔

قراءت: یعقوب اور سہل نے یاء سے تستعجلونی پڑھا۔ وصل میں عیاش نے اسی طرح پڑھا۔

۳۸: وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ (اور وہ کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ) عذاب کی آمد والا۔ خبر ہے۔ قیامت اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (اگر تم سچے ہو) کہا گیا کہ یہ ان کے عذاب کو جلدی مانگنے کی وجوہ میں سے ایک وجہ ہے۔

۳۹: لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ (اگر کافر جان لیتے اس وقت کو جب کہ وہ آگ کو نہ اپنے چہروں کی طرف سے) النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (روک سکیں گے اور نہ ہی پشت کی جانب سے اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی) لَوْ کا جواب محذوف ہے اور حین یعلم کا مفعول بہ ہے ای لو یعلمون الوقت الذی یستعجلونہ بقولہم متی ھذا الوعد الخ یعنی اگر ان کو اس وقت کا علم ہو جائے جس کو اپنے قول متی ھذا الوعد سے جلد طلب کر رہے ہیں تو وہ ایسا وقت ہے کہ آگ ان کو ہر طرف آگے پیچھے سے گھیر لے گی اور اس کو روکنے کی ان کو طاقت نہ ہوگی اور اپنے نفسوں سے اس کو ہٹا سکیں گے اور کوئی مددگار نہ پائیں گے جو ان کی مدد کر سکے۔ لیکن ان میں اس وجہ کا کفر، استہزاء اور استعجال پایا جاتا ہے۔ لیکن اس وقت کے ان احوال کی جہالت نے ان کے لئے کفر و استہزاء کو مشغول بنا دیا ہے۔

۴۰: بَلْ تَاْتِيْهِمْ (بلکہ ان پر آ پڑے گی) قیامت بَغْتَةً (اچانک) فَتَبْهَتُهُمْ (پس ان کو حیران کر دے گی۔) اس کو روک نہ سکیں گے بلکہ اچانک آکر ان پر غالب آ جائے گی۔ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا (وہ اس کو واپس لوٹانے کی طاقت نہ رکھیں گے) اس کے دفع کرنے کی ان میں طاقت نہ ہوگی۔ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ (اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔)

۴۱: وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ (تحقیق آپ سے پہلے پیغمبروں سے استہزاء کیا جا چکا) فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ (پس اسی عذاب نے ان کو آن گھیرا) یعنی اس کا بدلہ مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔)

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو ان کے استہزاء کے سلسلہ میں انبیاء علیہم السلام کا اسوہ پیش کرکے تسلی دی اور یہ بتلایا جو کچھ وہ آج کر رہے ہیں یہ ان کو گھیرے گا۔ جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کا مذاق اڑانے والوں کے ساتھ ہوا۔

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۭ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ

آپ فرما دیجئے وہ کون ہے جو رات میں اور دن میں رحمٰن سے تمہاری حفاظت کرتا ہے۔ بلکہ وہ لوگ اپنے رب کی توحید سے

مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ۭ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ

اعراض کئے ہوئے ہیں۔ کیا ہمارے سوا ان کے لئے ایسے معبود ہیں جو ان کی حفاظت کرتے ہوں؟ وہ اپنی جانوں کی حفاظت نہیں

اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَاۗءِ وَاٰبَاۗءَهُمْ حَتّٰى طَالَ

کر سکتے اور نہ ہمارے مقابلہ میں کوئی شخص ان کا ساتھ دے سکتا ہے؛ بلکہ ہم نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو خوب سامان دیا یہاں تک کہ ان پر لمبی

عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۭ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ اَفَهُمُ

مدت دراز گزر گئی۔ کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹا رہے ہیں کیا وہ

الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ڮ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاۗءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾

غالب آنے والے ہیں؟ آپ فرما دیجئے بات یہی ہے کہ میں تمہیں وحی کے ذریعہ ڈراتا ہوں اور بہرے لوگ پکار کو نہیں سنتے جبکہ وہ ڈرائے جاتے ہیں؛

وَلَىِٕنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور اگر آپ کے رب کی طرف سے انہیں عذاب کا ایک جھونکا لگ جائے (تو ضرور یوں کہیں گے کہ ہائے ہماری کمبختی واقعی ہم ظالم تھے۔

دلائلِ قدرت:

۴۲: قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ (کہہ دیں کہ کون تمہاری کون حفاظت کرے گا) یکلؤ کا معنی حفاظت کرنا۔ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ (رات اور دن کو رحمان سے) یعنی رحمان کے عذاب سے بچانے کیلئے اگر وہ عذاب تمہارے پاس رات یا دن کو آن پہنچے۔ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ (بلکہ وہ اپنے رب کے ذکر سے اعراض کرنے والے ہیں) یعنی وہ اس کی یاد سے منہ موڑنے والے ہیں اور اپنے دل میں اس کا خیال بھی نہیں کرتے چہ جائیکہ وہ اس کی پکڑ سے بچتے۔ یہاں تک کہ جب ان کو اس کی طرف سے حفاظت مل جائے گی تو وہ پہچانیں گے کہ محافظ کون ہے۔ جب وہ اس قابل ہو گئے کہ ان سے اس کے متعلق سوال کیا جائے۔ مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ ان سے سوال کریں کہ محافظ کون؟ پھر وضاحت فرمائی کہ وہ جواب کی صلاحیت نہیں رکھتے کیونکہ وہ اس کی یاد سے ہی غافل اور معرض ہیں جو ان کی حفاظت کرنے والا ہے۔ پھر اگلی آیت میں اس بات سے اعراض کرتے ہوئے فرمایا۔

جو اپنی مدد کی قدرت نہیں رکھتا وہ تمہاری مدد کیا کرے گا:

۴۳: اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا (کیا ان کے پاس ہمارے سوا ایسے معبود ہیں جو عذاب سے ان کی حفاظت کر لیتے ہوں) اَم یہاں بَل کے معنی میں ہے۔ اس لئے فرمایا کہ ان کے ایسے معبود ہیں جو ان کو عذاب سے بچا سکیں ہماری حفاظت و رکاوٹ سے آگے گزر کر؟ پھر درمیان میں یہ جملہ مستانفہ ہے۔ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا یُصْحَبُوْنَ (وہ تو اپنی حفاظت کی بھی قدرت نہیں رکھتے اور نہ ہمارے مقابلے میں کوئی ان کا ساتھ دے سکتا ہے) اس میں واضح فرما دیا جو اپنے نفس کی مدد و حفاظت پر قدرت نہیں رکھتا اور اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اس کے ساتھ ویسے ہی نہیں تو وہ دوسرے کو کیسے روک سکتا اور ان کی مدد کیسے پہنچ سکتی ہے؟ پھر فرمایا:

طویل مہلت:

۴۴: بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَیْهِمُ الْعُمُرُ (بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو خوب سامان دیا۔ یہاں تک ان پر اسی حالت میں عرصہ دراز گزر گیا) جس حفاظت و نگہبانی میں وہ رہ رہے ہیں وہ ہماری ہی طرف سے ہے۔ ورنہ ان کو ہلاک کرنے میں ہمارے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں جو ہلاکت سے ان کو بچا سکے۔ ہم نے انہیں اور ان کے گزشتہ آباء کو عذاب سے اس لئے بچائے رکھا تا کہ دنیا کا وہ نفع اٹھالیں اور مہلت پوری کر لیں۔ جیسا کہ دیگر کفار کو ہم نے دنیا کا نفع دیا اور مہلت دی اور یہ زمانہ طویل ہونے سے ان کے دلوں میں سختی پیدا ہوگئی پس وہ گمان کر بیٹھے کہ وہ اس مہلت پر ہمیشہ چھوٹے رہیں گے حالانکہ یہ جھوٹی امید ہے۔

اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا (کیا وہ نہیں دیکھ رہے کہ ہم کفر کی زمین کناروں کی طرف سے گھٹا رہے ہیں) ہم کفر کی زمین کو کم کر رہے ہیں۔ اور اس کے اطراف کو مسلمانوں کے تسلط سے مٹا رہے ہیں۔ اور اس زمین والوں پر اسلام والوں کو غالب کرتے جا رہے ہیں۔ اور دار الاسلام میں بدل رہے ہیں۔

ناتی کا لفظ ذکر اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ہاتھوں اس کو جاری رکھیں گے۔ اور اسلامی لشکر مشرکین کی سرزمین میں غزوات کر کے غالب واپس لوٹے جس سے مشرکین پر عرصہ زمین تنگ ہوتی جا رہی تھی۔ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (کیا وہ پھر بھی غالب آجائیں گے) کیا کفار مکہ کو غلبہ حاصل ہوگا؟ اس کے بعد کہ ہم نے ان کی سرزمین کفر کو اطراف سے کم کر دیا ہے؟ یعنی کبھی نہ ہوگا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب ہماری مدد سے غالب آئیں گے۔

۴۵: قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْیِ (کہہ دیں میں تم کو وحی کے ذریعہ ڈرا رہا ہوں) میں قرآن کے ذریعہ تمہیں عذاب سے ڈرا رہا ہوں۔ وَلَا یَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ (اور بہرے پکار کو نہیں سنتے)۔

قراءت: یا مفتوح اور میم بھی مفتوح اور الصم مرفوع پڑھا گیا۔ اور شامی اور علی نے لا تُسمع الصمَّ پڑھا ہے۔ اس میں خطاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔

اِذَا مَا یُنْذَرُوْنَ (جبکہ ان کو ڈرایا جاتا ہے) خوف دلایا جاتا ہے۔ الصم کی الف لام عہد ذہنی کا ہے۔ ان سے موجودین

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِيْنَ

اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فیصلہ والی چیز اور روشنی اور نصیحت کی چیز عطا کی جو متقیوں کے لئے نصیحت تھی جو

يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَهٰذَا ذِكْرٌ

اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے تھے اور وہ قیامت سے خوفزدہ تھے اور یہ ایک نصیحت ہے

مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ۚ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾

مبارک ہے جو ہم نے نازل کی ہے سو کیا تم پھر بھی اس کے منکر ہو۔

لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ (قیامت کے دن کی وجہ سے) اہل قیامت کیلئے یعنی لام اجلیہ ہے۔ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا (کسی شخص پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا) ذرا سا ظلم بھی نہ ہوگا۔ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ (اور اگر اس کا عمل رائی کے دانے کے برابر ہوگا) یعنی وہ چیز مقدار میں رائی کے دانے کے برابر چھوٹی ہو۔

قراءت: مدنی نے مثقال کو رفع سے پڑھا ہے اور سورت لقمان میں بھی اسی طرح پڑھا اور کان کو تامہ قرار دیا۔

حبۃ من خردل (رائی کا) یہ حبۃ کی صفت ہے۔ اَتَيْنَا بِهَا (ہم اس کو لے آئیں گے) حاضر کر دیں گے۔ یہاں ضمیر مثقال کی طرف راجع ہے جو کہ مذکر ہے مگر ضمیر مونث ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے اس کا مضاف الیہ حبۃ مونث ہے۔ جیسا کہ عرب کا قول ہے۔ ذهبت بعض اصابعهم۔ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ (اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں) علم رکھنے والے اور حفاظت کرنے والے ہیں (کوئی شئی ہمارے علم و حفاظت سے نکل نہیں سکتی)

قول ابن عباس رضی اللہ عنہما: کیونکہ جو آدمی کسی چیز کا حساب کرتا ہے اور وہ اس کا علم بھی رکھتا ہوتا ہے اور اس کے حفاظت میں بھی وہ چیز محفوظ ہوتی ہے۔

صفات تورات:

۴۸: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا (اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ اور ہارون کو بھی ایک فیصلہ اور روشنی اور نصیحت) ۔

ایک قول:

یہ ہے یہ تینوں صفات تورات ہی کی ہیں وہ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی اور روشنی کا مینار ہے جس سے روشنی لی جاتی ہے اور اس روشنی میں نجات کے راستہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اور نصیحت یعنی شرف یا نصیحت اچھی ہے۔ نمبر ۲۔ اس میں ان تمام احکام کا تذکرہ ہے جس کی لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ اپنے دونوں جہاں کی درستگی اس سے کر سکیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝٥١ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے ابراہیم کو اس سے پہلے ہی رشد عطا کی اور ہم ان کو جانتے تھے۔ جب انہوں نے اپنے باپ

وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝٥٢ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا

اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیں کیا ہیں جن پر تم جمے بیٹھے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ان کی

لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝٥٣ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝٥٤

عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔ ابراہیم نے کہا کہ بلاشبہ تم اور تمہارے باپ دادے کھلی گمراہی میں ہیں۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ۝٥٥ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ

وہ لوگ کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس کوئی حق بات لے کر آئے ہو یا دل لگی کرنے والوں میں سے ہو۔ ابراہیم نے کہا بلکہ تمہارا رب وہی ہے جو

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰي ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝٥٦

آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا اور میں اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں

واؤ کو صفات کے درمیان اس طرح داخل کیا گیا جیسے اس ارشاد میں وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا (آل عمران ۳۹) یہ واؤ کے مطلق جمع ہونے کی دلیل بھی ہے۔ جیسا کہ عرب کہتے ہیں مررت بزید الکریم والعاقل والصالح۔ اور متقین کو کتاب سے خصوصی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اسی کے خصوصیت سے ان کا تذکرہ فرمایا۔ لِّلْمُتَّقِيْنَ (متقین کیلئے)

۴۹: اَلَّذِيْنَ (وہ لوگ)

مجرور بوصف ہونے کی وجہ سے الذین محل جر میں ہے۔ نمبر۲۔ مدح کی وجہ سے منصوب ہے۔ نمبر۳۔ مرفوع ہے۔ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ (وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں) بِالْغَيْبِ (بن دیکھے) یہ حال ہے یعنی خلوت میں وہ اس سے ڈرتے ہیں۔ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ (اور وہ قیامت کے دہشت ناک امور سے) مُشْفِقُوْنَ (خوف کھاتے ہیں)

قرآن خیر کثیر کا جامع:

۵۰: وَهٰذَا (اور یہ) یعنی قرآن ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ (مبارک تذکرہ ہے) کثیر بھلائیوں اور بھرپور نفع والا۔ اَنْزَلْنٰهُ (اس کو ہم نے محمد ﷺ پر اتارا ہے) اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ (کیا پھر بھی تم اس کا انکار کرنے والے ہو) یہ استفہام توبیخی ہے۔ یعنی جب یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ خیر کثیر کا جامع ہے۔ تو تم پھر کیوں انکار کرتے ہو؟

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا

[illegible]

اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ

[illegible]

لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۰﴾

[illegible]

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ

[illegible]

هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۶۲﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا

[illegible]

يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ نُكِسُوْا

[illegible]

عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ

[illegible]

دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۶۶﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ

[illegible]

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

[illegible]

فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا

[illegible]

فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿۷۰﴾

سو ہم نے انہیں ان ہی سے ... [illegible]

۵۷: وَتَاللّٰهِ اور اللہ کی قسم۔ یہ اصل میں واللہ ہے۔ اور تاء میں تعجب کا معنی ہے گویا انہوں نے اپنے ہاتھ سے اس تدبیر کی کامیابی پر تعجب کیا کیونکہ بتوں کو توڑنا آسان کام نہ تھا بلکہ ایک مشکل کام تھا کیونکہ بت پرستوں کو نمرود جیسی قوم کی حمایت حاصل تھی۔ نمرود خود بہت طاقتور بادشاہ تھا۔

لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ (میں تمہارے بتوں کی گت بناؤں گا) ضرور ان کو توڑ ڈالوں گا۔ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ (جب کہ تم ان سے منہ پھیر کر چلے جاؤ گے) اس کے بعد کہ تم ان کو چھوڑ کر اپنے تہوار اور میلے پر چلے جاؤ گے۔ یہ بات آپ نے قوم سے خفیہ کہی اس کو ایک آدمی نے سنا۔ پس آپ نے تعریض کرتے ہوئے اِنِّیْ سَقِيْمٌ [الصافات: ۸۹] فرمایا کہ (عنقریب میں بیمار ہونے والا ہوں) یہ تعریض پیچھے رہنے کی غرض سے کی گئی۔ پھر آپ بیت الاصنام کی طرف لوٹے۔

بتوں کا حشر:

۵۸: فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا (پس ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا) ٹکڑے ٹکڑے یہ الجذ سے ہے وہ کاٹنے کو کہتے ہیں۔ جمع جذاذۃ جیسے زجاجۃ اور زجاج۔

قراءت: علی نے جیم کے کسرہ سے پڑھا۔ یہ جمع جذیذ کی ہے جو کہ مجذوذ کے معنی میں ہے۔ جیسے خفیف اور خفاف۔

اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ (مگر بڑے بت کو) ان بتوں کے بڑے کو نہ توڑا (ھم ضمیر جمع ذکر لائے اس لئے کہ بت پرستوں کے خیال میں وہ ذوی العلم تھے) یعنی تمام کو کلہاڑے سے توڑ ڈالا مگر ان بتوں کے بڑے کو چھوڑ دیا اور کلہاڑا اس کی گردن میں لٹکا دیا۔ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ (شاید کہ وہ اس کی طرف) یعنی بڑے کی طرف يَرْجِعُوْنَ (رجوع کریں) پھر ان کے توڑنے والے کے متعلق پوچھ گچھ کریں۔ جس سے ان کے سامنے اس کا عجز ظاہر ہو جائے۔ نمبر۲۔ ہٗ کا مرجع ابراہیم علیہ السلام ہیں کہ وہ ابراہیم کی طرف رجوع کریں تاکہ وہ ان کے سامنے حجت پیش کریں۔ نمبر۳۔ اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے کہ وہ اپنے آلہہ کا عجز دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف رجوع کر سکیں۔

۵۹: قَالُوْا (انہوں نے کہا) یعنی کفار نے جبکہ وہ اپنی عید سے لوٹے اور یہ منظر دیکھا۔

مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ (کس نے یہ حرکت ہمارے معبودوں کے ساتھ کی ہے۔ بلاشبہ وہ ظالموں میں سے ہے) یعنی جس نے یہ توڑنے کی حرکت کی ہے اس نے سخت ظلم کا ارتکاب کیا ہے۔ کیونکہ جو بت ان کے ہاں حقیقۃ توقیر و تعظیم کے لائق ہیں اس نے ان کی توہین کا ارتکاب کیا ہے۔

۶۰: قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ (انہوں نے کہا ہم نے ایک نوجوان کو ان بتوں کا برائی سے تذکرہ کرتے سنا تھا۔ اس نوجوان کو ابراہیم کہا جاتا ہے) یہ دونوں جملے فتی کی صفت ہیں۔ البتہ پہلا جملہ یذکرہم ہے جس کا معنی عیب جوئی کرنا ہے۔ اس کا سمع سے تعلق ضروری ہے کیونکہ تم اس طرح نہیں کہتے سمعت زیدًا اور پھر خاموش ہو جاؤ جب تک کوئی ایسی چیز کا ذکر نہ ہو جو مسموع ہو۔ بخلاف دوسرے جملے کے اس کے لئے یہ لازم نہیں۔ ابراہیم یقال لہ کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ مراد اسم ہے مسمّٰی نہیں یعنی وہ شخص جس کا یہ نام بولا جاتا ہے۔

الوہیت میں شراکت شدہ ہے۔ روایت میں وارد ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بڑے کو اس بات پر غصہ آیا ہے کہ اس کے ساتھ ان چھوٹوں کی بھی عبادت ہو جبکہ وہ بڑا موجود ہو پس اس نے ان کو توڑ دیا۔

نمبر ۳۔ یہ انکی شرط سے متعلق ہے جو نہ ہونے والی ہے اور وہ بتوں کا بولنا ہے پس اس صورت میں یہ تعبیر کی نفی ہے ای بل فعله كبيرهم۔ ان كانوا ينطقون (بلکہ اس کو ان کے بڑے نے کیا ہے اگر یہ بولتے ہیں) اور فسئلوهم یہ جملہ معترضہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ کبیر کہہ کر اپنی ذات کی تعریض کی ہے اور اپنی ذات کی اضافت اس لئے کی کیونکہ آپ وہاں موجود تھے۔

فَسْئَلُوْهُمْ (پس ان سے دریافت کرو) ان کی حالت کے متعلق اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ (اگر وہ بولتے ہیں) وہ تم ان کے بڑے سے واقف ہو۔

۶۴: فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ (اس پر وہ اپنے دل میں سوچنے لگے) عقلوں کی طرف رجوع کیا اور دلوں میں سوچ و بچار کرنے لگے جبکہ آپ نے ان کی مخالفت شروع کی۔ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ (پھر آپس میں کہنے لگے حقیقت میں تم ہی لوگ ناحق پر ہو) حقیقت میں اس لئے کہ تم ان کی عبادت کرتے ہو جو بولتے بھی نہیں۔ وہ ظلم نہیں جس کو تم یہ کہہ کر ظالم قرار دے چکے۔ من فعل هذا بالهتنا انه لمن الظالمين [الانبیاء: ۵۹] اس لئے کہ جو اپنے سر سے کلہاڑے کو نہیں ہٹا سکے وہ اپنے عبادتگزاروں سے تکلیف کو کیسے دور کر سکتے؟

۶۵: ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ (پھر انہوں نے (شرمندگی سے) سر جھکا لیے۔)

علمائے مفسرین کا بیان: پہلے قول میں اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان پر حق کو جاری کر دیا۔ مگر پھر بدبختی ان پر طاری ہو گئی۔ یعنی اپنے بارے میں ظلم و ناحق ہونے کا اعتراف کر کے پھر کفر کی طرف لوٹ گئے۔ محاورہ میں کہا جاتا ہے۔

نکتہ: نكسته، قلبته فجعلت اسفله اعلاه یعنی اسے پلٹ دیا و نیچا کر دیا۔ اس امر کے بل کر دیا۔ یعنی جب ان کے نفوس میں غور و فکر کی تو درست سوچ نے ان کی راہنمائی کی اور ضمیر کی اصل آواز بلند ہوئی مگر پھر اس حالت سے پلٹ کر ناجائز جھگڑے اور ضد بازی پر اتر آئے اور کہنے لگے۔ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ (تو جانتا ہے کہ یہ بولتے نہیں) پھر تم ان کے متعلق سوال کا حکم کیسے دیتے ہو؟ یہ جملہ قسم کے دو مقولوں کے قائم مقام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بولنے سے ان کی عاجزی جب تمہیں معلوم ہو چکی تو پھر ہم ان سے کس طرح پوچھیں؟

۶۶: قَالَ (ابراہیم علیہ السلام نے ان کو حجت پیش کرتے ہوئے کہا) اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا (تو کیا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پھر تم ایسی چیز کی پوجا کرتے ہو جو تمہیں کچھ نفع نہیں پہنچا سکتی) شیئًا یہ مصدر کی جگہ استعمال ہوا ہے ای نفعاً ما ذرا بھر نفع پہنچانا۔ وَّلَا يَضُرُّكُمْ (اور نقصان دے سکتی ہیں) اگر تم ان کی عبادت نہ کرو۔

۶۷: اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (تف ہے تم پر اور ان پر جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے ہو) اف کا کلمہ ہر کسی چیز سے تنگ دلی اور تنگی کو ظاہر کرنے کیلئے بولا جاتا ہے۔ آپ نے ان سے کراہت اس لئے ظاہر کی کیونکہ حق واضح ہو کر ان کا عذر منقطع ہو چکا تھا۔ اس کے باوجود وہ باطل پر اڑے ہوئے تھے۔ پس آپ نے ان کو اف کہا۔ لکم میں لام اف کے بیان کرنے کیلئے

وَنَجَّیْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا لِلْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۱﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ

اور ہم نے ابراہیم کو اور لوط کو اس سرزمین کی طرف نجات دے دی جس میں ہم نے دنیا جہان والوں کے لئے برکت رکھ دی ہے اور ہم نے ان کو اسحق

وَیَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِیْنَ ﴿۷۲﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ

اور یعقوب پوتا عطا کیا۔ اور ہم نے ان سب کو صالح بنا دیا اور ہم نے انہیں پیشوا بنا دیا جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے اور

اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ ﴿۷۳﴾

ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے کرنے اور نماز کی پابندی کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم بھیجا اور وہ ہماری عبادت کرنے والے تھے

وَلُوْطًا اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓىٕثَ ؕ

اور ہم نے لوط کو حکم اور علم عطا کیا اور ہم نے انہیں اس بستی سے نجات دی جس کے رہنے والے برے کام کیا کرتے تھے'

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِیْنَ ﴿۷۴﴾ وَاَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۷۵﴾

بلاشبہ وہ لوگ بدذات تھے' بدکار تھے اور ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں داخل کر دیا بلاشبہ وہ صالحین میں سے تھے

قول ابن عباس رضی اللہ عنہما:

اگر یہ نہ کہا جاتا تو وہ اپنی ٹھنڈک سے ان کو ہلاک کر دیتی۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آگ سے اس کی طبیعت احراق اور حرارت سلب کر لی اور اس کی روشنی باقی رکھی اور چمک باقی رہی جیسا کہ پہلے تھی اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت حاصل ہے۔

قوم کی ناکامی اور ابراہیم علیہ السلام کی کامیاب ہجرت:

۷۰: وَاَرَادُوْا بِهٖ (اور انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کے متعلق بری تدبیر کی) جلانے کی كَیْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِیْنَ (پس ہم نے ان کو ناکام کر دیا) اللہ تعالیٰ نے نمرود اور اس کی قوم پر مچھر بھیج دیئے جنہوں نے ان کے گوشت کھا لئے اور ان کے خون پی لئے اور مچھر نمرود کے دماغ میں داخل ہو گیا جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔

۷۱: وَنَجَّیْنٰهُ (اور ہم نے اس کو نجات دی) یعنی ابراہیم علیہ السلام کو وَلُوْطًا (اور لوط کو) یہ ان کے بھائی ہاران کے بیٹے تھے ہاران بھی عراق میں رہتے تھے اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا لِلْعٰلَمِیْنَ (اور ان کو اس سرزمین کی طرف لے گئے جس میں ہم نے دنیا جہان والوں کیلئے خیر و برکت رکھی تھی) اس سے مراد سرزمین شام اور اس سرزمین کی برکات کثیر انبیاء علیہم السلام کی کثرت جن کے دینی آثار دنیا میں پھیلے سرسبز اور زرخیز سرزمین ہے جس میں غنی و فقیر کا گزر اوقات خوب ہے۔ دوسرا قول زمین میں جو بھی میٹھا پانی ہے۔ اس کی اصل صخرہ بیت المقدس سے پھوٹتی ہے۔

روایت تفسیر یہ میں ہے کہ آپ تو فلسطین میں اترے اور لوط علاقہ سدوم وغیرہ میں رہے اور ان کے مابین ایک دن رات کا فاصلہ تھا۔ قول حضور علیہ السلام: عنقریب ہجرت کے بعد ہجرت ہوگی۔ پس میرے ہاں پسندیدہ لوگ وہ ہیں جو ابراہیم علیہ السلام کے مقام ہجرت کی طرف ہجرت کرنے والے ہیں۔ [ابوداؤد]

۷۲: وَوَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً (ہم نے اس کو عطاء کیا اسحاق اور مزید یعقوب) بعض نے کہا نافلہ مصدر ہے۔ جیسا کہ العافیہ۔ اگرچہ فعل لفظوں میں موجود نہیں۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی وو هبناله هبة ہم نے دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ پوتے ہیں یا نافلہ تول سے بیٹا مانگا اللہ تعالیٰ نے بیٹا اور یعقوب زائد عنایت فرمایا۔ جو محض فضل تھا۔

نحو: جملہ یہ یعقوب سے حال ہے وَكُلًّا (تمام) یعنی ابراہیم، اسحاق، یعقوب۔

نحو: یہ جَعَلْنَا کا مفعول اول ہے اور دوسرا مفعول صالحین ہے۔ صٰلِحِيْنَ (نیک تھے) دین اور نبوت میں۔

۷۳: وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً (اور ہم نے ان کو دین میں مقتدی بنایا)۔ يَّهْدُوْنَ (وہ راہنمائی کرتے ہیں) لوگوں کی بِاَمْرِنَا (ہمارے حکم سے) ہماری وحی کرنے سے وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ (اور ہم نے ان کے پاس حکم بھیجا نیک کام کرنے کا) اور خیرات تمام اعمال صالحہ ہیں جو افعال خیر میں شامل ہیں اور بھلائی کے کام وہ ہیں جو کیے جائیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد۔ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ (اور نماز کا قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا) اور اصل میں یہ عبارت اقامة الصلوة ہے البتہ مضاف الیہ کو تاء کا بدل قرار دیا۔ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ (اور وہ ہماری عبادت کرنے والے تھے) نہ کہ بتوں کی۔ پس تم اے گروہ عرب ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہو اس سلسلہ میں بھی ان کی اتباع کرو۔

۷۴: وَلُوْطًا (اور لوط علیہ السلام کو) یہ اس فعل کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تفسیر اٰتیناہ حکما کر رہا ہے۔ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (ہم نے ان کو حکمت و علم عنایت فرمایا) حکم سے مراد حکمت ہے اور وہ ایسے قول کو کہتے ہیں جس میں عمل ضروری ہو۔ نمبر۲۔ جھگڑے کا فیصلہ۔ نمبر۳۔ نبوت۔

علمًا (اور علم) یعنی فقہ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ (اور ہم نے ان کو اس بستی سے نجات دی) القریہ سے اہل قریہ مراد ہیں۔ اور مراد اس سے سدوم ہے۔ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ (جو گندی حرکات کرتی تھی) لواطت، گندی ہوا خارج کرنا، گزرنے والوں کو کنکریاں مارنا وغیرہ۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ (بیشک وہ بڑے بدکار نافرمان لوگ تھے) یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکلنے والے تھے۔

۷۵: وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا (اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کیا) اہل رحمت میں نمبر۲۔ اہل جنت میں اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (بیشک وہ نیکوں میں سے تھے) ان کی بھلائی پر بدلہ عنایت فرمایا جیسا کہ ان کی قوم کو ان کے بگاڑ کی سزا میں ہلاک کر دیا۔

وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِن قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝٧٦

اور نوح کو یاد کیجئے جب اس نے اس سے پہلے پکارا سو ہم نے ان کی دعا قبول کی پھر ہم نے انہیں اور ان کے گھر والوں کو بڑی بے چینی سے نجات دی

وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ

اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ان سے نجات دینے کے لئے ہم نے نوح کی مدد کی بلاشبہ وہ برے لوگ تھے سو ہم نے

أَجْمَعِينَ ۝٧٧ وَدَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ

ان سب کو ڈبو دیا۔ اور داؤد اور سلیمان کو یاد کرو جبکہ وہ کھیتی کے بارے میں فیصلہ دے رہے تھے جبکہ اس کو قوم کی بکریاں روند گئی تھیں،

وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ۝٧٨ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ ۚ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَ

اور ہم ان کے فیصلہ کو دیکھ رہے تھے سو ہم نے یہ فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو حکمت اور علم عطا فرمایا، اور

سَخَّرْنَا مَعَ دَاوُودَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۚ وَكُنَّا فَاعِلِينَ ۝٧٩ وَعَلَّمْنَاهُ

ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا اور پرندوں کو، وہ تسبیح میں مشغول رہتے تھے اور ہم کرنے والے تھے، اور ہم نے داؤد کو

صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُم مِّن بَأْسِكُمْ ۖ فَهَلْ أَنتُمْ شَاكِرُونَ ۝٨٠

زرہ بنانے کی صنعت سکھائی، تاکہ وہ تمہیں جنگ میں محفوظ رکھے۔ سو کیا تم شکر کرنے والے ہو

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۚ

اور سلیمان کے لئے تیزی سے چلنے والی ہوا مسخر کر دی جو ان کے حکم سے اس زمین کی طرف کو چلتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی ہے

وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَالِمِينَ ۝٨١ وَمِنَ الشَّيَاطِينِ مَن يَغُوصُونَ لَهُ وَيَعْمَلُونَ

اور ہم ہر چیز کو جاننے والے ہیں، اور بعض شیاطین ایسے تھے جو ان کے لئے غوطے لگاتے تھے اور اس کے علاوہ

عَمَلًا دُونَ ذَٰلِكَ ۖ وَكُنَّا لَهُمْ حَافِظِينَ ۝٨٢

دوسرے کام بھی کرتے تھے، اور ہم ان کو سنبھالنے والے تھے۔

واقعہ نوح علیہ السلام:

۷۶: وَنُوحًا (اور نوح کو) یہ اذکر فعل محذوف کا مفعول ہے۔ اِذْ نَادٰی (جب کہ انہوں نے پکارا) اپنی قوم کے متعلق بددعا کی

بددعا کی۔ مِنْ قَبْلُ (ان مذکورہ لوگوں سے پہلے) فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ (ہم نے ان کی دعا کو قبول کیا) فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ (پس ہم نے ان کو اور اس کے اہل کو نجات دی) ان کی اولاد میں سے جو ایمان والے تھے۔

مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ (سخت غم سے) یعنی طوفان سے اور سرکش لوگوں کی تکذیب کی گھٹن سے۔

بُری قوم کی ہلاکت:

۷۷: وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا (اور ہم نے اس کی مدد اس قوم کے خلاف کی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا) نصرناہ منہ کا معنی ہم نے ان کی ایذاء سے اس کی حفاظت کی یعنی بچایا۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ (پس ہم نے ان تمام کو ڈبو دیا بیشک وہ بری قوم تھی) یعنی ان کے بڑے چھوٹے مرد و عورتیں تمام کو۔

تذکرہ سلیمان اور داؤد کی ایک کھیتی کا فیصلہ:

۷۸: وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ (اور داؤد و سلیمان کا) ان کا تذکرہ کرو۔ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ (جب کہ دونوں ایک کھیت کے متعلق مشورہ کرنے لگے) الحرث کھیتی کو کہتے ہیں یا انگور کی بیلیں۔

نحو: اذ یہ داؤد و سلیمان سے بدل ہے۔ اور یحکمٰن کا ظرف ہے۔ نَفَشَتْ (چر لینا) داخل ہوا۔ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ (اس میں قوم کی بکریاں) رات کو داخل ہوئیں اور کھیت کو اجاڑ دیا۔ النفش بغیر چرواہے کے بکریوں کا رات کو چرنا۔ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ (اور ہم ان کے فیصلے سے) ضمیر ھم جمع ان دونوں اور فیصلہ کرانے والوں کو شامل فرما کر لائی گئی۔ شٰهِدِيْنَ (واقف تھے) وہ معاملہ ہمارے علم میں تھا۔ اور ہمارے سامنے تھا۔

۷۹: فَفَهَّمْنٰهَا (پس ہم نے سمجھا دیا) وہ فیصلہ یا فتویٰ سُلَيْمٰنَ (سلیمان علیہ السلام کو)

دلیل: اس میں دلیل ہے کہ اس میں مصیب سلیمان علیہ السلام تھے۔

واقعہ: بکریوں نے ایک شخص کے کھیت کو رات کے وقت چرواہے کی عدم موجودگی میں چر کر برباد کر دیا۔ فریقین حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں فیصلہ لائے۔ آپ نے حکم دیا کہ بکریاں کھیت والوں کو دے دی جائیں اس لئے کہ نقصان ان بکریوں کی قیمت کے برابر تھا۔

سلیمان علیہ السلام نے کہا جبکہ ان کی عمر صرف گیارہ برس تھی۔ اس کے علاوہ دوسری بات فریقین کیلئے زیادہ مناسب ہے۔ پس ان کو تاکید کی گئی کہ وہ ضرور کوئی فیصلہ کریں۔ تو انہوں نے کہا میرا خیال یہ ہے کہ بکریاں اہل حرث کھیتی والوں کے سپرد ہوں وہ ان کے دودھ سے نفع اٹھائیں اور ان کے بچوں اور اون سے استفادہ کریں اور کھیتی بکریوں کے مالکوں کے حوالے کی جائے وہ اس کی حفاظت اور آبیاری کرتے رہیں تاکہ کھیتی اپنی حالت کو پہنچ جائے۔ پھر دونوں ایک دوسرے کی طرف اپنی اپنی چیز لوٹا دیں۔ اس پر داؤد علیہ السلام نے فرمایا فیصلہ وہ اصوب ہے جو تم نے کیا اور اس کو نافذ فرما دیا۔ اور یہ ہر دو قسموں کا اجتہاد تھا۔ اور یہ اس شریعت میں درست تھا۔

شریعت محمدیہ:

ہماری شریعت میں امام ابوحنیفہؒ اور ان کے حامی علماء کے ہاں جانوروں کا اس قسم کا نقصان خواہ رات کو ہو یا دن کو اس پر ضمان نہیں ہے جبکہ چرواہا ساتھ نہ ہو۔

جب سائق و چرواہا ساتھ ہو قائد لے جا رہا ہو تو ایسی صورت میں ضمان آئے گا۔ یہ خود نقصان کرنے میں شمار ہوگا۔

امام شافعیؒ کے نزدیک رات کو اس قسم میں ضمان لازم ہے۔ قول جصاص: انہوں نے ضمان کو لازم اس لئے قرار دیا کیونکہ انہوں نے ان کو کھلا چھوڑا تھا باڑہ میں بند نہ کیا تھا اب ضمان آپ ﷺ کے اس فرمان سے منسوخ ہے العجماء جبار۔
(احمد، بخاری، مسلم)

قول مجاہد رحمہ اللہ:

یہ فیصلہ صلح کی صورت میں تھا اور داؤد علیہ السلام کا فیصلہ وہ حکم والا فیصلہ تھا۔ اور صلح تو بہرحال بہتر ہے۔

وَكُلًّا (اور ہر ایک) داؤد و سلیمان میں سے اٰتَيْنَا حُكْمًا (اور ہر ایک کو ہم نے نبوت عنایت فرمائی) وَّعِلْمًا (اور علم) حکم کے مناسب معرفت و پہچان وَّسَخَّرْنَا (اور ہم نے تابع کر دیا) مطیع کر دیا۔ مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ (داؤد کے ساتھ پہاڑوں کو وہ تسبیح کرتے تھے)۔

پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح:

نحو: يُسَبِّحْنَ یہ حال ہے اور مسخرات کے معنی میں ہے۔ نمبر۲۔ جملہ مستانفہ ہے گویا کہنے والا اس طرح کہہ رہا ہے کس طرح پہاڑوں کو ان کے تابع کیا؟ اور جواب فرمایا یسبحن۔ وَالطَّيْرَ (اور پرندوں کو) اس کا عطف الجبال پر ہے۔ نمبر۲۔ مفعول معہ ہے۔

سوال: پہاڑوں کو پرندوں پر مقدم کیوں کیا گیا؟

جواب: کیونکہ ان کی تسبیح و تسخیر دونوں عجیب تر ہیں اور غریب تر ہے۔ اور معجزہ میں داخل ہے کیونکہ وہ جماد محض ہیں۔ روایت ہے جب داؤد علیہ السلام پہاڑوں کے پاس سے تسبیح کرتے ہوئے گزرتے تو پہاڑ تسبیح سے انکا جواب دیتے۔ دوسرا قول پہاڑ ان کے ساتھ چلتے جہاں جاتے وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ (اور ہم یہ کرنے والے تھے) انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اس طرح کے معاملات اگرچہ تمہارے ہاں عجیب ہیں۔

۸۰: وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ (اور ہم نے ان کو زرہ بنانے کی صنعت سکھائی جس میں تمہارا فائدہ تھا) لبوس لباس اور زرہ ہیں یہاں لبوس کو ہی کہتے ہیں مراد یہاں زرہیں ہیں۔ لِتُحْصِنَكُمْ (تا کہ وہ تمہیں ایک دوسرے کی زد سے محفوظ رکھے)

قراءت: شامی، حفص نے پڑھا ہے یعنی وہ صنعت تم کو محفوظ رکھے ابوبکر اور حماد نے نون سے پڑھا ہے تا کہ ہم تم کو محفوظ کریں یعنی اللہ تعالیٰ لنحصنکم دیگر قراء نے یاء سے پڑھا ہے اس کا معنیٰ یہ اللہ عزوجل تمہیں محفوظ کریں مِّنْۢ بَاْسِكُمْ (تمہاری لڑائی

واقعہ ایوب علیہ السلام:

۸۳: وَاَيُّوْبَ (اور تم ایوب کا تذکرہ کرو) یہ اذکر فعل محذوف کا مفعول ہے۔ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗٓ اَنِّیْ (جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے) انہوں نے دعا کی کہ مجھے مَسَّنِیَ الضُّرُّ۔ (تکلیف نے چھو لیا ہے۔) الضر: جان میں مرض کے اثرات الضر: چیز میں تکلیف کے اثرات (نقصان مال و اولاد و بیوی وغیرہ) یا الضُر بمعنی کمزوری۔ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ (اور آپ سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔) سوال میں نرمی کا ایسا انداز اختیار کیا جس سے رحمت الٰہی کو جوش آئے اور رب تعالیٰ کی صفت غایت رحمت سے یاد کیا اور اپنا مطلوب الفاظ میں ذکر نہ کیا۔ گویا اس طرح فرمایا آپ اس لائق ہیں کہ رحمت فرمائیں اور ایوب اس بات کا مستحق ہے کہ اس پر رحمت کا باب کھول دیا جائے پس آپ رحمت فرما دیجئے اور اس سے اس تکلیف کا ازالہ فرما دیں جس نے اس کو چھو لیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول: آپ نے بے ضعفی کی اس وقت خبر دی جب نماز کیلئے اٹھنے سے عاجز ہوئے مگر شکوہ نہیں کیا اور کیونکر شکوہ کر سکتا ہے جس کے متعلق اعلان الٰہی تھا۔ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ [ص: ۴۴]

دوسرا قول انہوں نے شکوہ سرگوشی میں تلذذ کے طور پر کیا۔ اس کی طرف سے تقدیر کے اظہار کیلئے نہیں کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت تو انتہائی قرب کی علامت ہے جیسا کہ اس کے متعلق شکوہ اور کسی اور سے شکایت انتہائی دوری کی علامت ہے۔

قبولیتِ دُعا:

۸۴: فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ (پس ہم نے ان کی دعا کو قبول کیا) ہم نے ان کی ندا کا جواب دیا۔ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ (پس ہم نے جو کچھ دکھ تھا اس کو دور کر دیا) یعنی اس پر انعام کرتے ہوئے ان کی تکلیف کو کھول دیا۔ وَاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ (اور ہم نے ان کو ان کے بیوی بچے اور اتنے ہی اور بھی عطا کر دیے)

روایت تفسیر یہ میں ہے کہ ایوب علیہ السلام رومی تھے۔ آپ اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کے سات بیٹے اور سات بیٹیاں اور تین ہزار اونٹ، سات ہزار بکریاں، پانچ سو بیلوں کی جوڑیاں جن کے پیچھے پانچ غلام ہر غلام کی بیوی بچے اور کھجور کے باغات تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کا امتحان لیا۔ ان کے بیٹے اور مال مر گئے اور ان کے بدن پر اٹھارہ سال بیماری کا حملہ رہا یا تیرہ سال یا تین سال۔ ایک دن ان کو ان کی بیوی نے کہا اگر تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تو اچھا ہوتا۔ آپ نے فرمایا خوشحالی کا زمانہ کتنا تھا اس نے کہا اسی سال۔ آپ نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں اس تکلیف کے متعلق اس سے دعا کروں جبکہ ابھی میری آزمائش خوشحالی کی مدت کے برابر بھی نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان سے تکلیف کو دور فرمایا تو ان کے بیٹوں کو بعینہٖ زندہ کر دیا اور اتنے بیٹے اور عنایت فرما دیے۔

رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا (اپنی رحمت کی وجہ سے) رحمۃً یہ مفعول لہ ہے۔ وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ (اور عبادت گزاروں کو نصیحت کرنے کیلئے) یعنی ایوب پر رحمت کی خاطر اور دوسرے عابدین کی نصیحت کے لئے تاکہ وہ ان کی طرح صبر کریں اور انہی کی طرح

وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِدْرِیْسَ وَذَا الْکِفْلِ ؕ کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿٨٥﴾ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِیْ

اور اسماعیل کو اور ادریس اور ذوالکفل کو یاد کرو۔ یہ سب صبر کرنے والوں میں سے تھے۔ اور ہم نے انہیں اپنی رحمت میں

رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿٨٦﴾

داخل کر لیا بلاشبہ وہ صالحین میں سے تھے۔

ثواب پا گیا۔

تذکرہ اسماعیل علیہ السلام وادریس علیہ السلام:

۸۵: وَاِسْمٰعِیْلَ (اور اسماعیل بن ابراہیم علیہم السلام) وَاِدْرِیْسَ (اور ادریس بن شیث بن آدم علیہم السلام) وَذَا الْکِفْلِ (اور ذوالکفل) یہ تمام اُذکر کے مفعول ہیں کہ ان کا ذکر کرو۔ ذوالکفل یہ الیاس علیہ السلام ہیں۔ نمبر۲۔ زکریا۔ نمبر۳۔ یوشع بن نون۔ اور ان کا نام اس لئے رکھا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیب والے تھے۔ الکفل سے مراد نصیب کو کہتے ہیں کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ (تمام صبر کرنے والوں میں سے تھے) یہ جن کا تذکرہ ہوا یہ تمام صفت صبر سے متصف تھے۔

۸۶: وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا (اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کیا) رحمت سے نبوت مراد ہے یا آخرت کی نعمت اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ (بیشک وہ نیکوں میں سے تھے) یعنی یہ وہ لوگ تھے جن کی صلاح و نیکی میں فساد کی ملاوٹ نہ تھی۔

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۝

اور زکریا کا تذکرہ کیجئے جب کہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب مجھے تنہا نہ چھوڑیئے اور آپ سب وارثوں سے بہتر وارث ہیں

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ

سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور انہیں یحییٰ عطا کر دیا اور ان کی بیوی کو اولاد کے قابل بنا دیا بلاشبہ یہ لوگ نیک کاموں میں جلدی

فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝ وَالَّتِيْٓ

کرتے تھے اور ہمیں رغبت کے ساتھ اور ڈرتے ہوئے پکارا کرتے تھے اور ہمارے سامنے خشوع سے رہتے تھے اور اس عورت کو یاد کیجئے

اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

جس نے اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھا سو ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی اور اسے اور اس کے بیٹے کو جہان والوں کے لئے نشانی بنا دیا۔

وقت مصیبت کی دعا:

نمبر۳۔ رات کا اندھیرا اور سمندر کا اندھیرا اور مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا۔ (اَنْ) ای بانہ اَنْ اصل میں اَنَّ ہے اور ضمیر محذوف ہے لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ (یہ کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں مگر تو) یا پھر اَی کے معنی میں ہو سکتا ہے سُبْحٰنَكَ ڰ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (اپنے نفس پر ظلم کرنے والوں کی آپ کی اجازت سے پہلے اپنی قوم سے نکل آیا۔) حدیث میں ہے کہ جو مصیبت زدہ اس دعا کو پڑھے گا اس کی دعا قبول ہوگی۔ (ترمذی، نسائی) قول حسن رحمۃ اللہ علیہ ان کو اس لئے نجات ملی کہ انہوں نے اپنے متعلق زیادتی کا اقرار کر لیا۔

۸۸: فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ (پھر ہم نے ان کی دعا کو قبولیت عنایت فرمائی اور ان کو غم سے نجات دی) الغم یعنی وحشت اور وحدت کا غم۔ وَكَذٰلِكَ نُـجِي الْمُؤْمِنِيْنَ (اور ہم مومنین کو اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں) جب وہ دعا کرتے ہیں اور ہم سے فریاد کرتے ہیں۔

قراءت: شامی اور ابوبکر نے نُجِّی ایک نون کے ادغام سے پڑھا ہے اور یہ بعض قراء کا مذہب ہے کیونکہ نون کا جیم میں ادغام نہیں ہوتا ہے۔
ایک قول یہ ہے کہ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ نُجِّي النجاءُ من المؤمنين یاء کو تخفیف کیلئے ساکن کر دیا اور فعل کا اسناد مصدر کی طرف کر دیا اور مومنین کو اس مصدر کی وجہ سے نصب دیا۔ لیکن اس میں مصدر کو فاعل کے قائم مقام بنایا گیا ہے جبکہ مفعول موجود ہے اور یہ جائز نہیں اور یاء کا سکون پایا گیا ہے مگر یہ ضرورت کی وجہ سے تقاضا ہے جا سکتے جائز ہو گیا۔

ایک اور قول یہ ہے:

اس کی اصل ننجی تنجیہ میں سے ہے۔ دونوں نون کے اجتماع سے دوسری نون کو حذف کر دیا جیسا کہ ایک قاری اس آیت

میں حذف کیا گیا ہے۔ نزول الملائکۃ۔ (الفتح ۱۱)

زکریا علیہ السلام کا تذکرہ:

۸۹: وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا (اور زکریا کو یاد کرو جبکہ انہوں نے اپنے رب کو پکارا اے میرے رب مجھے اکیلا نہ چھوڑ) انہوں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ ان کو بیٹا عنایت فرمائے جو ان کا وارث ہو اور بغیر وارث کے ان کو اکیلا نہ چھوڑیں۔ پھر اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ وَأَنتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ (سب وارثوں سے بہتر وارث آپ ہی ہیں) یعنی اگر آپ وارث عنایت نہ فرمائیں گے تو تب بھی کوئی پرواہ نہیں اس لئے کہ آپ سب سے بہتر وارث ہیں۔ اور ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں۔

۹۰: فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ (پھر ہم نے ان کی دعا کو قبول کیا اور ان کو یحییٰ جیسا عنایت فرمایا) وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ (اور ہم نے ان کی بیوی کو درست کر دیا) بانجھ پن کے بعد ولادت کے قابل بنا دیا نمبر۲۔ خوبصورت بنا دیا وہ بدصورت تھیں۔ إِنَّهُمْ (بیشک وہ) یہ انبیاء مذکورین۔

كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ (وہ بھلائی کے کاموں میں جلدی کرنے والے تھے) ان کی دعا اس لئے جلد قبول ہوئی کیونکہ وہ ابواب خیر کی طرف جلدی کرنے والے تھے اور خیر کے حصول میں مسارعت کرنے والے تھے۔ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا (اور امید و خوف سے وہ ہمیں پکارتے تھے) رحمت کی طمع اور سزا کا خوف جیسا کہ اس ارشاد میں ہے۔ یحذر الاخرۃ و یرجو رحمۃ ربہ [الزمر ۹]

نحو: رغبا و رھبا یہ دونوں مصدر ہیں اور موضع حال میں ہیں۔ نمبر۲۔ دونوں مفعول لہ ہیں۔ مطلب یہ ہے ہماری رغبت کیلئے اور ہمارے ڈر سے۔ وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ (اور وہ ہمیں سے ڈرنے والے تھے) تواضع کرنے والے اور ہماری عظمت سے ڈرنے والے۔

تذکرۂ مریم علیہا السلام

۹۱: وَالَّتِي (اور یاد کرو اس عورت کو) عبارت اس طرح ہے اذکر التی أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی) حلال و حرام ہر دو سے فَنَفَخْنَا فِيهَا مِن رُّوحِنَا (پھر ہم نے پھونکا ان کے اندر اپنی روح کو) ہم نے اس میں روح عیسیٰ کو جاری کر دیا نمبر۲۔ ہم نے جبرئیل کو حکم دیا انہوں نے مریم کے گریبان میں پھونک ماری۔ پھر اس پھونک سے عیسیٰ کو مریم کے بطن میں پیدا کر دیا۔ اضافت روح کی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف کیلئے فرمائی ہے۔

وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ (اور ہم نے مریم اور اس کے بیٹے کو جہان والوں کیلئے نشانی بنا دیا) آیۃ یہ مفعول ثانی ہے۔ یہاں جہان والوں کیلئے نشانی فرمایا یہ دونوں نشانیاں نہیں فرمایا۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ وجعلنا اللیل والنہار آیتین [الاسراء ۱۲] کیونکہ ان کا مجموعی وجود قدرت کی ایک نشانی ہے اور وہ بغیر باپ ان کی پیدائش ہے۔

نمبر۲۔ تقدیر عبارت اس طرح بھی ہو وجعلناھا آیۃ وابنھا کذلک کہ ہم نے مریم کو بھی نشانی بنایا اور اسی طرح ان کے بیٹے کو بھی پس آیۃ مفعول معطوف علیہ ہے۔ دونوں کے لئے دلیل واقع ہے جس میں آیتین کو حذف کیا گیا ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿٩٢﴾ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۭ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿٩٣﴾

بے شک یہ تمہارا دین ہے جو ایک ہی طریقہ ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو تم میری عبادت کرو۔ اور لوگوں نے دین میں اختلاف کر کے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا۔ سب کو ہماری طرف لوٹنا ہے۔

۹۲: اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ (بے شک یہ تمہاری ملت ہے) الامۃ ملت کے معنی میں ہے۔ هٰذِهٖ کا مشارالیہ ملت اسلام ہے اور یہ تمام انبیاء علیہم السلام کی ملت ہے۔ اُمَّةً وَّاحِدَةً (ایک ہی ملت ہے) یہ حال ہے یعنی ایک ہی ملت ہے جس میں دوسروں کا اشتراک نہیں۔ اور اس میں عامل وہ ہے جس پر اسم اشارہ دلالت کر رہا ہے۔ یعنی ملت اسلام ہی تمہاری وہ ملت ہے جس پر قائم رہنا تمہارے لئے ضروری ہے اور تم اس سے قطعاً انحراف اختیار نہ کرو۔ اس بات کی طرف ایک ملت ہونا اور مختلف نہ ہونا اشارہ کر رہا ہے۔

وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ (اور میں تمہارا رب ہوں پس تم میری ہی عبادت کرو) میں نے اپنے اختیار سے تمہاری تربیت کی پس شکریہ اور افتخار کے طور پر تم میری ہی عبادت کرو اور اس میں خطاب تمام لوگوں کیلئے ہے۔

۹۳: وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ (اور انہوں نے آپس میں اپنا کام ٹکڑے ٹکڑے کر دیا) اصل کلام اس طرح ہے تقطعتم تم نے ٹکڑے ٹکڑے کیا۔ البتہ کلام کا رخ مخاطب سے غائب کی طرف پھیرا گیا جیسا کہ التفات کا طریقہ ہے۔ مطلب یہ ہے انہوں نے اپنے دین کے معاملے کو اپنے مابین ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ در گروہ عصبیتیں بن گئیں پھر ان کو ڈرایا کہ یہ فرقے مختلف ہیں۔

كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ (تمام ہماری طرف لوٹنے والے ہیں) پس ہم ان کو ان کے اعمال پر بدلہ دیں گے۔

فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَا كُفۡرَانَ لِسَعۡيِهٖ‌ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوۡنَ ﴿۹۴﴾

سو جو شخص نیک عمل کرے گا بشرطیکہ وہ مومن ہو سو اس کی محنت کی ذرا بھی ناقدری نہیں اور بلاشبہ ہم اسے لکھ لیتے ہیں۔

وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَاۤ اَنَّهُمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۹۵﴾

اور یہ بات ضروری ہے کہ ہم نے جس بستی کو ہلاک کیا وہ رجوع نہیں کریں گے

۹۴: فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ (جو شخص بھی نیکیاں کرے) ذرا بھر وَهُوَ مُؤۡمِنٌ (اس حال میں کہ وہ مومن ہو) جس پر ایمان لانا ضروری ہو۔ فَلَا كُفۡرَانَ لِسَعۡيِهٖ (اس کی کوشش کی ناقدری نہ کی جائے گی) یعنی اس کی کوشش مقبول و منظور ہے۔ کفران یہ محرومی ثواب میں ایک مثال ہے۔ جیسا کہ شکر عطاء میں ایک حالت ہے بلاغت میں اضافہ کیلئے جنس کی نفی کی گئی ہے۔ وَاِنَّا لَهٗ (اور بیشک ہم اس کے لئے) اس کوشش یعنی ہمارے حکم کی حفاظت و نگہبانی کر كٰتِبُوۡنَ (لکھنے والے ہیں) اس کے صحیفہ عمل میں پس اس پر اس کو ثواب دیں گے۔

واپس لوٹنا ناممکن:

۹۵: وَحَرٰمٌ (اور ناممکن ہے)

قراءت: خلف اور حفص کے علاوہ کوئی قراء نے اس کو حِرۡمٌ پڑھا ہے۔ اور یہ دونوں لغات ہیں جیسے حَلَالٌ اور حِلٌّ یہ معنی کے لحاظ سے اس کی ضد ہیں۔ حرام سے یہاں مراد وہ جس کا وجود ممتنع ہو۔

عَلٰى قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَاۤ اَنَّهُمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَ (ان بستیوں کیلئے ان کو ہم نے فنا کر دیا کہ وہ دنیا میں لوٹ کر آئیں) مطلب یہ ہے یہ بات ہلاک کئے ہوئے کیلئے ناممکن ہے کہ وہ بعث کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف نہ لوٹے۔ نمبر۲۔ ناممکن ہے اس بستی کیلئے جس کو ہم نے تباہ کر دیا یعنی ہلاک کرنا مقرر کر دیا یا ہلاکت کا حکم کر دیا کہ وہ ان اعمال کی طرف لوٹ آئیں جن کا پہلی آیت میں عمل صالح اور مقبول کوشش کی صورت میں ذکر ہوا۔ وہ کفر سے اسلام کی طرف نہ لوٹیں گے۔

حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝۹۶ وَاقْتَرَبَ

یہاں تک کہ جب یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر اونچی جگہ سے جلدی جلدی چلے آئیں گے اور سچا وعدہ

الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا

قریب آجائے گا تو جن لوگوں نے کفر کیا ان کی آنکھیں اوپر کو اٹھی ہوئی رہ جائیں گی اور وہ کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی ہم اس کی طرف سے

فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۹۷ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ

بے خبر تھے بلکہ ہم ظلم کرنے والے تھے۔ بلاشبہ تم اور جن کی اللہ کے سوا تم عبادت کرتے

دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۝۹۸ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَاۗءِ اٰلِهَةً مَّا

تھے سب دوزخ کا ایندھن ہیں تم اس میں داخل ہو گے اگر یہ واقعی معبود ہوتے تو اس میں

وَرَدُوْهَا ۭ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۹۹ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ۝۱۰۰

کبھی داخل نہ ہوتے اور سب کے سب اس میں ہمیشہ رہا کریں گے دوزخ میں ان کی چیخ و پکار ہوگی اور وہ اس میں کچھ نہ سن سکیں گے۔

تذکرہ یاجوج ماجوج:

۹۶: حَتّٰۤى (یہاں تک کہ) حتیٰ کے بعد کلام بطور حکایت لایا جاتا ہے اور کلام محکی ہے اور جملہ شرط و جزاء ہے گا۔ میری مراد اس سے اِذَا اور جو اس کے مابعد آرہا ہے وہ ہے۔ فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ (جب یاجوج و ماجوج کو کھول دیا جائے گا۔) یعنی ان کے سامنے والی دیوار کو کھول دیا جائے گا۔ مضاف کو حذف کر دیا جیسا کہ مضاف کو قریہ میں حذف کیا جاتا ہے۔

قراءت: شامی نے فُتّحت پڑھا ہے۔

یاجوج و ماجوج یہ جنس انسانی کے دو قبیلے ہیں کہا جاتا ہے کہ لوگوں کے کل دس حصے ہیں ان میں سے نو حصے یاجوج ماجوج ہیں۔ وَهُمْ (اور وہ) یہ ضمیر ان لوگوں کی طرف راجع ہے جو محشر کی طرف چلائے جائیں گے۔ دوسرا قول یہ یاجوج و ماجوج کی طرف راجع ہے جبکہ سد کے کھل جانے پر وہ نکلیں گے۔ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ (بلند زمین میں) اونچی زمین يَّنْسِلُوْنَ (نکلنے والے ہوں گے) تیزی سے جانے والے ہوں گے۔

قیامت اور اس کا منظر:

۹۷: وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ (اور سچا وعدہ قریب ہو جائے گا) الوعد سے قیامت مراد ہے۔

نحو: اذا کا جواب۔

فَاِذَا هِيَ ۔ یہ اِذَا مفاجات کیلئے ہے اور جزاء پر فاء کی جگہ آ جاتا ہے جیسے کہ اس ارشاد میں اِذَا ھم یقنطون [الروم: ۳۶] اب فاء بھی آگیا تو جزاء کے شرط کے ساتھ متصل ہونے میں دونوں نے تعاون کیا اس طرح تاکید ہوگئی۔ اگر اس طرح کہا جاتا فاذا هي شاخصة یا فاذا هي شاخصة تو تب بھی درست ہوتا۔ ھی یہ ضمیر مبہم ہے اس کی وضاحت ابصار کر رہا ہے۔

اور اس کی تفسیر شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ہے۔ کہ کافروں کی آنکھیں اوپر کو لگی ہوں گی۔ یعنی آنکھیں اونچی ہوں گی اور جس مصیبت میں گرفتار ہوں گے اس کی وجہ سے پلک جھپک نہ سکیں گے۔ يٰوَيْلَنَا (وہ کہیں گے ہائے ہماری) یہ محذوف سے متعلق ہے تقدیر عبارت یہ ہے یقولون یا ویلنا وہ کہیں گے ہائے ہماری خرابی۔

نحو: یقولون یہ الذین کفروا سے حال ہے۔

قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا (کہ ہم تو اس سے غفلت میں پڑے تھے) ھذا سے مراد یوم ہے۔ بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ (بلکہ ہم ہی ظالم تھے) کیونکہ ہم نے عبادت کو اس کے مقام سے ہٹا کر دوسرے مقام پر رکھ دیا۔

۹۸: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (بلاشبہ تم اور جس چیز کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہو) یعنی اصنام اور ابلیس اور اس کے معاونین کیونکہ وہ ان کی طاعت میں بتوں کو پوجنے لگے اور ان کے پیچھے چل کر ان کی عبادت شروع کی۔ حَصَبُ (ایندھن)

قراءت: حطب بھی پڑھا گیا ہے۔

جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ (ہیں جہنم کا تم اس میں اترنے والے ہو) اس میں داخل ہوگے۔

۹۹: لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَاۗءِ اٰلِهَةً (اگر یہ معبود ہوتے) جیسا کہ تمہارا خیال ہے۔ مَّا وَرَدُوْهَا (تو وہ جہنم میں نہ اترتے) داخل نہ ہوتے۔ وَكُلٌّ (اور تمام) یعنی عابد و معبود فِيْهَا (اس آگ میں) خٰلِدُوْنَ (ہمیشہ رہنے والے ہیں)۔

۱۰۰: لَهُمْ (ان کے لئے) یعنی کفار کیلئے فِيْهَا زَفِيْرٌ (اس میں کراہٹ ہوگی) رونا۔ شور مچانا۔ چیخنا۔ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ (وہاں میں کوئی بات نہ سنیں گے) کوئی بات کیونکہ وہ بہرے ہو جائیں گے اور بات سننے میں انسیت کی ایک قسم ہے جو ان کو میسر نہ کی جائے گی۔

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿١٠١﴾ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ﴿١٠٢﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿١٠٣﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ﴿١٠٤﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿١٠٥﴾ إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ ﴿١٠٦﴾

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٠٧﴾

اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر

اطاعت والے جہنم سے محفوظ:

۱۰۱: اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی (جن کے لئے ہماری طرف سے بھلائی مقدر ہو چکی ہوگی) الحسنی جس میں مرتبہ والی خصلت و عادت۔ یہ احسن کی مؤنث ہے اور نمبر۱۔ سعادت کو کہتے ہیں نمبر۲۔ ثواب کی بشارت نمبر۳۔ اطاعت کی توفیق۔

شان نزول: یہ آیت ابن الزبعری کے اس قول کے جواب میں اتری جو اس نے آنحضرت ﷺ کی تلاوت جو صنادید قریش کے سامنے کی تھی اس کو سن کر کہا انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم الی قولہ خالدون۔ تو وہ کہنے لگا کیا یہود نے عزیر اور نصاریٰ نے مسیح اور بنو ملیح نے ملائکہ کی عبادت نہیں کی۔ اور ما تعبدون میں ما غیر ذوی العقول کیلئے آتا ہے۔ اس میں یہ عاقل شامل ہی نہیں مگر وہ معاندین تھے اس لئے ما کو عموم پر قرار دے کر اس میں شامل کر لیا۔ اُولٰٓئِکَ (وہ یعنی عزیر و مسیح اور ملائکہ) عَنْھَا

(اس سے) یعنی جہنم سے مُبْعَدُوْنَ (دور رکھے جائیں گے)۔ کیونکہ انہوں نے عبادات کا حکم دیا اور وہ اس کو ناپسند کرتے تھے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ان الذین سبقت لهم منا الحسنی سے مراد تمام مومن ہیں۔ اس لئے کہ علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ آیت پڑھی۔ اور فرمایا میں ان لوگوں میں سے ہوں اور ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد، عبدالرحمان ان میں سے ہیں۔

قول جنید رحمۃ اللہ علیہ: شروع میں ہماری عنایت ان پر ہوگی انجام میں ہماری ولایت ان پر ظاہر ہو جائے گی۔

۱۰۲: لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا (وہ اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے) حسیس سے وہ آواز مراد ہے جو حس سے معلوم ہو اور جہنم کی بھڑک کی حرکت۔ یہ درحقیقت جہنم سے ان کو دور ہونے میں مبالغہ ظاہر کرنے کیلئے فرمایا یعنی وہ اس کے قریب بھی نہ ہوسکیں گے اس کی آواز ان کو سنائی دے اور اس کی لپٹوں کی آواز سنائی دے۔

وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ (اور وہ اپنی من پسند نعمتوں میں) خٰلِدُوْنَ (ہمیشہ رہیں گے) ہمیشہ ان کی اقامت ان نعمتوں میں ہوگی۔

۱۰۳: لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ (ان کو بڑی گھبراہٹ غمگین نہ بنائے گی) مراد نفخہ اخیرہ ہے۔ وَتَتَلَقّٰىهُمُ (اور ان کو ملیں گے) یعنی استقبال کریں گے۔ الْمَلٰٓئِكَةُ (فرشتے) جو جنت کے دروازوں پر ان کو مبارکبادیاں دیں گے اور کہیں گے۔ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (یہ تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا) یہ تمہارے اس ثواب کا وقت ہے جس کا تمہارے ساتھ تمہارے رب نے دنیا میں وعدہ فرمایا۔

آسمان کا لپیٹنا:

۱۰۴: يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ (وہ دن بھی یاد کرنے کے قابل ہے جس دن ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے)

نحو: اس میں عامل لا یحزنهم ہے۔ نمبر۲۔ اس میں عامل و تتلقاهم ہے۔

قراءت: تُطْوَى السَّمَآءُ یزید نے پڑھا ہے۔ طی السماء سے مراد اس کے ستاروں کا مٹانا اور بے نور ہونا۔ نمبر۲۔ یہ نشر کی ضد ہے جس کا معنی پھیلانا ہے یعنی اس کے ستاروں کو جمع کردیں گے اور لپیٹ لیں گے۔ یہ ساری بساط لپیٹ لی جائے گی۔ كَطَيِّ السِّجِلِّ (جیسے صحیفہ کو لپیٹتے ہیں) لِلْكُتُبِ (لکھنے کیلئے) حمزہ، علی، حفص نے اسی طرح پڑھا ہے۔ ای للمکتوبات (یعنی اس میں معانی کثیرہ وغیرہ لکھے جائیں)۔ یعنی معنی یہ ہے مکتوبات کیلئے جیسے کاغذ لپیٹا جاتا ہے۔ نمبر۲۔ للکتاب۔ ای کما یطوی الطومار للکتابۃ (جس طرح کاغذوں کو لکھنے کیلئے لپیٹتے ہیں)۔ نمبر۳۔ للکتب اس کے لئے جو اس میں لکھا ہوتا ہے۔ کیونکہ کتاب کا اصل مصدر ہے۔ جیسا کہ البناء پھر اس کا اطلاق مکتوب پر آنے لگا۔

دوسرا قول:

السجل یہ ایک فرشتہ ہے جو بنی آدم کے صحیفے لپیٹتا ہے جبکہ وہ اس کی طرف اٹھا کر لائے جائیں اس کے حوالے کئے جائیں۔

تیسرا قول یہ رسول اللہ ﷺ کا کاتب تھا۔ اس صورت میں الکتاب وہ کاغذ جس میں لکھا جائے الطی کی اضافت فاعل کی طرف کی گئی

ہے۔ دوسری صورتوں میں اضافت مفعول کی طرف ہے۔ کَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُہٗ : جیسا ہم نے شروع میں ابتداء تخلیق کی تھی) اسی طرح آسانی سے ہم اس کو دوبارہ پیدا کریں گے۔

نحو : کما کا کاف فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تفسیر نعیدہ کر رہا ہے۔ اور ما موصول ہے۔ ای نعید مثل الذی بدا ناہ نعیدہ اور اوّل یہ بدانا کا ظرف ہے ای اول ما خلق اول جو پیدا کیا۔ نمبر ۲۔ اس ضمیر موصول سے حال ہے جو لفظوں میں ساقط ہے۔ اور معنی میں ثابت ہے۔

اول خلق سے اس کی ایجاد مراد ہے۔ ای کما اوجدہ اولا بعیدہ ثانیا۔ کہ جس طرح اول مرتبہ اس کو وجود دیا دوسری مرتبہ اسی طرح اعادہ کرے گا۔ اس میں اعادہ کو ابداء سے تشبیہ دے کر سمجھایا کہ دونوں پر قدرت تو یکساں ہے پھر ایک کا اقرار دوسرے کا انکار چہ معنی دارد۔

خلق میں تنکیر اسی طرح ہے جیسا کہتے ہیں ھو اول رجل جاءنی اس سے مراد اول الرجال ہوتی ہے لیکن واحد اور نکرہ لا کر ایک ایک آدمی کی تفصیل کا تم نے ارادہ کیا ہے پس اسی طرح یہاں معنی ہوگا۔ اول خلق بمعنی اول الخلق یعنی اول الخلائق تحقیق میں سب سے پہلا۔ خلق مصدر ہے۔ اس کی جمع نہیں آتی۔

وعدا : یہ مصدر مؤکد ہے کیونکہ نعیدہ میں اعادہ کا وعدہ ہے۔ عَلَیْنَا (ہمارے ذمہ ہے) یعنی ایسا وعدہ جو بہرصورت میں پورا ہوکر رہے گا۔ اِنَّا کُنَّا فٰعِلِیْنَ (بیشک ہم پوری کرنے والے ہیں) یہ سب یعنی اس وعدے کو پورا کر دکھائیں گے تم اس کی تیاری کرو اور صالح اعمال کرو تاکہ تمہیں ہم کہاں خوفناک مقامات سے اپنے کو چھڑوا سکو۔

جنت ایمان والوں کو :

۱۰۵ : وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ (تحقیق ہم نے زبور میں لکھ دیا) زبور داؤد علیہ السلام کی کتاب کا نام ہے۔ مِنْۢ بَعْدِ الذِّکْرِ (ذکر کے بعد) ذکر سے یہاں تورات مراد ہے۔ اَنَّ الْاَرْضَ (کہ زمین) اس سے مراد سرزمین شام ہے۔ یَرِثُھَا عِبَادِیَ (اس کے وارث میرے بندے ہوں گے۔)

قراءت : یا کے سکون سے حمزہ نے پڑھا۔ دیگر قراء نے یا کے فتحہ سے پڑھا ہے۔ الصّٰلِحُوْنَ (نیک) مراد امت محمد یہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔ دوسرا قول الزبور کا معنی مزبور یعنی مکتوب لکھا ہوا۔ انبیاء علیہم پر اتاری جانے والی تمام کتب مراد ہیں۔ الذکر سے ام الکتاب یعنی لوح محفوظ مراد ہے۔ کیونکہ تمام کتب اسی سے لی گئی ہیں۔ اس کی دلیل حمزہ وخلف کی قراءت الزبور زا کے ضمہ سے ہے۔ اس صورت میں الزبور کی جمع بمعنی مزبور ہے۔ الارض سے ارض جنت مراد ہے۔

۱۰۶ : اِنَّ فِیْ ھٰذَا (بیشک اس میں) قرآن میں نمبر ۲۔ اس سورت میں جو اخبار، وعدے اور وعیدیں اور مواعظ مذکور ہوئی ہیں ان تمام میں۔ لَبَلٰغًا (البتہ پوری بات ہے) کفایت ہے اور اس کی اصل یہ ہے کہ جو رغبت ہے جس سے حاجت و ضرورت پوری ہو جائے۔ لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ (عبادت گزار قوم کیلئے) توحید پرست اور وہ امت محمد یہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے۔

قُلْ إِنَّمَا يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٨﴾ فَإِن

آپ فرما دیجئے کہ میری طرف تو یہ وحی کی گئی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو کیا تم بات ماننے والے ہو۔ سو اگر

تَوَلَّوْا فَقُلْ آذَنتُكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۖ وَإِنْ أَدْرِي أَقَرِيبٌ أَم بَعِيدٌ مَّا تُوعَدُونَ ﴿١٠٩﴾

وہ اعراض کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میں نے تمہیں خوب صاف طریقہ پر اطلاع دے دی ہے اور میں نہیں جانتا کہ جس کا تم سے وعدہ ہے وہ قریب ہے یا دور ہے

إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ﴿١١٠﴾ وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ

بلاشبہ وہ جانتا ہے پکار کر کہی ہوئی بات کو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اسے بھی جانتا ہے اور میں نہیں جانتا کہ شاید وہ تمہارے لئے امتحان ہو

لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿١١١﴾ قَالَ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ ۗ وَرَبُّنَا الرَّحْمَٰنُ الْمُسْتَعَانُ

اور ایک وقت تک فائدہ پہنچانا ہو۔ رسول نے کہا کہ اے میرے رب حق کے ساتھ فیصلہ فرما دیجئے اور ہمارا رب رحمن ہے جس سے ان باتوں کے مقابلہ میں مدد کی جاتی ہے

عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿١١٢﴾

جو تم بیان کرتے ہو۔

رسولِ رحمت:

۱۰۷: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً (اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر رحمت بنا کر) لقول علیہ السلام انما انا رحمة مهداة (ابن سعد۔ کنز العمال) میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحفۃً رحمت ہوں۔ لِّلْعَالَمِينَ (جہان والوں کیلئے) کیونکہ آپ اس چیز کو لیکر آئے ہیں اگر وہ اس کی اتباع کر لیں تو وہ سعادت مند ہو جائیں اور جس نے نہ مانا اس نے کیا اپنے آپ کو ضائع کر دیا اور اپنا رحمت والا حصہ کھو دیا۔ دوسرا قول یہ ہے آپ ایمان والوں کیلئے دونوں جہان میں رحمت ہیں۔ اور کافروں کیلئے دنیا میں رحمت ہیں۔ کیونکہ آپ کی وجہ سے عذاب استیصال مؤخر ہے۔ اسی طرح مسخ اور خسف سے بچے ہوئے ہیں۔ اور رحمة یہ مفعول لہ ہے یا حال ہے یعنی ذا رحمة۔

۱۰۸: قُلْ إِنَّمَا (کہہ دیں وحی) إنما حکم کو ایک چیز میں بند کرنے کیلئے آتا ہے۔ نمبر ۲۔ کسی چیز کو ایک میں بند کرنے کیلئے آتا ہے۔ جیسے انما زید قائم اور انما یقوم زید۔ يُوحَىٰ إِلَيَّ (میری طرف وحی کی جاتی ہے) یوحی کا فاعل أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ یوحی الی وحدانیة الٰھی میرے معبود کی وحدانیت میری طرف وحی کی گئی ہے اور یہ بھی درست ہے کہ معنی اس طرح ہو۔ ان الذین یوحی الی۔ بیشک وہ جو میری طرف وحی کی گئی۔ اس صورت میں ما موصولہ ہے۔

فَهَلْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ (پس کیا تم اطاعت کرنے والے ہو) یہ استفہام بمعنی امر ہے۔ ای اسلموا تم مسلمان ہو جاؤ۔

۱۰۹: فَإِن تَوَلَّوْا (اگر وہ منہ موڑ لیں) اسلام سے فَقُلْ آذَنتُكُمْ (پس کہہ دیں کہ میں تمہیں صاف کہہ چکا) میں نے تمہیں جس بات کا حکم دیا وہ اچھی طرح بتلا دی۔ عَلَىٰ سَوَاءٍ (برابر اور ٹھیک طور پر) یہ حال ہے یعنی تم سب اعلان و اعلام میں برابر ہو ایک کی

دوسرے سے تخصیص نہیں ہے اور تبلیغ میں سب نے کی۔

دلیل: اس میں دلیل ہے کہ باطنیہ کا مذہب باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص ساتھیوں کو احکام شرعیہ پوشیدہ سکھاتے اور دیواروں کو بھی کان ہوتے ہیں یا یہ کہ ہم اور تم اس معاملہ میں برابر ہیں جو کچھ مجھے علم ملا اس سے واقف کر دیا کچھ چھپا کر نہیں رکھا۔

وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ (اور مجھے معلوم نہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا دور) یعنی مجھے معلوم نہیں کہ قیامت کب آئے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر مطلع نہیں کیا۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ بہر صورت قیامت واقع ہونگی ہی۔ یا۔ مجھے معلوم نہیں کہ تم پر عذاب کب اترے گا اگر تم ایمان نہ لائے۔

۱۱۰: اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ (بیشک اللہ تعالیٰ کو تمہاری پکار کر کہی ہوئی بات کی بھی خبر ہے اور جو بات تم دل میں چھپا کر رکھتے ہو۔ اس کا بھی علم ہے) یعنی وہ ذات ہر چیز کا علم رکھنے والی ہے وہ اس کو بھی جانتا ہے۔ جو تم ظاہر کر کے اسلام پر طعنہ زنی کرتے ہو اور جس کو تم کینہ کی صورت میں اپنے دلوں میں چھپاتے ہو۔ وہ اس پر خود تم سے بدلہ لینے والا ہے۔

۱۱۱: وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ (اور میں نہیں جانتا کہ شاید وہ تاخیر عذاب تمہارے حق میں امتحان و آزمائش ہو) اور مجھے معلوم نہیں کہ شاید تم سے دنیا میں عذاب کی تاخیر میں تمہارے لئے امتحان ہو تا کہ وہ تمہارے اعمال کو دیکھے۔

وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (اور تمہارے لئے ایک وقت تک فائدہ اٹھانا ہو) اور مدت تک فائدہ حاصل کرنا ہو تا کہ وہ تمہارے خلاف حجت و دلیل بن جائے۔

طلبِ فیصلہ:

۱۱۲: قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ (کہا رسول نے اے میرے رب تو حق کا فیصلہ فرما دے) ہمارے اور اہل مکہ کے درمیان عدل و انصاف سے فیصلہ فرما دے۔ کہ جس کے وہ حقدار ہیں اس عذاب کو اتار کر فیصلہ فرما۔ ان سے نرمی نہ فرما۔ ان پر سختی فرما۔ جیسا کہ آپ نے دعا میں فرمایا: اللهم اشدد وطأتك على مضر۔ (رواہ البخاری و مسلم) اے اللہ قریش پر اپنے بندھن کو سخت کر دے۔

قراءت: حفص نے قال رب پڑھا۔ قول رسول ﷺ کی حکایت کے طور پر اور یزید نے رب احکم پڑھا ہے اور زید نے یعقوب سے ربی احکم پڑھا ہے۔

وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ (اور ہمارا رب رحمان ہے۔) وہ اپنی مخلوق پر مہربانی فرمانے والا ہے۔ الْمُسْتَعَانُ (وہ مددگار ہے) اس سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ (اس پر جو تم بیان کرتے ہو) یعنی تمہاری جھوٹے غلط بیان کے خلاف کہ کافروں کو فتح ہوگی۔

قراءت: ابن ذکوان نے یاء سے پڑھا ہے۔ وہ حالات کو اس کے برعکس بیان کرتے جس پر وہ چل رہے تھے۔ ان کی طمع تھی کہ شوکت و غلبہ ان کو حاصل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے گمانوں کی تردید فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری تمام امیدوں پر پانی پھیر دیں گے اور اپنے رسول ﷺ کی مدد فرمائیں گے اور ایمان والوں کی نصرت امداد کی جائے گی اور کافر ذلیل و رسوا ہوں گے اور وہ اس کے خلاف مدد دینے پر قدرت رکھتا ہے جو کفار بیان کرتے ہیں۔

الحمدللہ ۱۴ اگست پیر شب رمضان لیلۃ ... جمعرات اللہ تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے سورۃ انبیاء کا ترجمہ مکمل کرنے کی توفیق دی۔

سُوْرَۃُ الْحَجِّ مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ ثَمَانٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰیَۃً وَّعَشْرُ رُکُوْعَاتٍ

سورۂ حج مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اس میں اٹھتر آیات اور دس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ① يَوْمَ تَرَوْنَهَا

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہے۔ جس دن تم اسے دیکھو گے

تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا

ہر دودھ پلانے والی اسے بھول جائے گی جسے دودھ پلایا اور ہر حمل والی اپنا حمل ڈال دے گی

وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ② وَ

اور اے مخاطب تو لوگوں کو دیکھے گا کہ وہ نشہ کی حالت میں ہیں حالانکہ وہ نشہ میں نہیں ہوں گے لیکن اللہ کا عذاب سخت چیز ہے۔

مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ③

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو بغیر علم کے اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کا اتباع کرتے ہیں

كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ④

جس کے بارے میں یہ بات لکھی جا چکی ہے کہ جو کوئی شخص اس سے دوستی کرے گا تو وہ اسے گمراہ کر دے گا اور اسے دوزخ کی آگ کے عذاب کا راستہ بتلا دے گا۔

۱: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ (اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو! یقیناً قیامت کا زلزلہ بڑی ہولناک چیز ہے)۔

قیامت کی ہولناکی:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ (اے لوگو! تم اپنے رب سے ڈرو) اس میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کا حکم دیا ہے۔ پھر قیامت کا تذکرہ کر کے اس کے لازم ہونے کا سبب بیان کیا اور ہولناک انداز سے اس کا تعارف کرایا، چنانچہ فرمایا اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ تاکہ وہ اس حالت کا معائنہ کریں اور اپنی عقلوں سے اس کو تصور میں لائیں تاکہ اپنے نفوس پر دوام کے طور پر نظر رکھیں اور ان نفوس پر رحم کھائیں اور تقویٰ کا لباس پہن کر اس دن کی سختی سے بچ جائیں کیونکہ تقویٰ ہی ایسی چیز ہے جو اس دن کی سختی سے ان کو بچا سکتی

ہے۔

الزلزلۃ زور سے ہلنا اور جھنجوڑنا۔ زلزلہ کو: ساعۃ کی طرف مضاف کیا۔ یہ اضافۃ المصدر الی الفاعل کی قسم ہے گویا قیامت ہی نے زمین کو ہلایا ہے۔ اس کو مجاز حکمی کہا جاتا ہے۔ نمبر۲۔ یا اضافۃ المصدر الی الظرف کی قسم ہے کیونکہ وہ زلزلہ قیامت میں پیش آئے گا جیسا کہ اس ارشاد میں ہے۔ بل مکر الليل والنهار [سبا:۳۳] اور اس کا وقت قیامت کے دن ہوگا۔ نمبر۳۔ جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔ اس آیت میں معتزلہ کیلئے کوئی دلیل نہیں کہ معدوم چیز کو شئی کہا گیا یا اس کا نام ہے جس کا وجود حصول ہے۔

۲: يَوْمَ تَرَوْنَهَا (جس روز تم اس کو دیکھو گے) ھا کی ضمیر زلزلہ کی طرف راجع ہے۔ نمبر۲۔ قیامت کی طرف راجع ہے۔ یوم ترونها یہ تذھل کی وجہ سے منصوب ہے۔ تذھل غافل ہونا۔ الذھول غفلت کو کہتے ہیں۔ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ (اور ہر دودھ پلانے والی عورت اس بچے سے غافل ہو جائے گی جس کو دودھ پلا رہی ہوگی) اس کے دودھ پلانے سے نمبر۲۔ اس بچے سے جس کو وہ دودھ پلاتی ہے۔

ایک قول:

یہ ہے یہاں مرضعہ اس لئے کہا تا کہ یہ دلالت ہو کہ جب یہ خوف طاری ہوگا تو اس وقت بچے نے پستان منہ میں ڈالا ہوا ہو جب بھی وہ پستان اس کے منہ سے کھینچ لے گی۔ اس دہشت کی وجہ سے جو اس پر طاری ہوگی کیونکہ مرضعہ وہی کہلاتی ہے جس کا پستان بچہ منہ میں ڈالنے والا ہو۔ المرضع وہ عورت جو دودھ پلانے کے لائق ہو۔ اگرچہ اس وقت وہ دودھ نہ پلانے والی ہو۔

وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا (اور ہر حاملہ اپنا حمل ساقط کر دے گی۔) ذات حمل اس سے مراد حاملہ ہے۔ حملہا تکمیل سے پہلے گرا دے۔

قول حسن رحمہ اللہ: دودھ پلانے والی اپنے بچے سے بلا دودھ چھڑائے غافل ہو جائے گی۔ وَتَرَى النَّاسَ (اور تم لوگوں کو دیکھو گے) اے دیکھنے والے سُكٰرٰى (نشہ میں) بطور مشابہت فرمایا جبکہ وہ تجلیات عظمت وسلطنت جبروت اور کبریائی کے نظارے کو دیکھیں گے یہاں تک کہ ہر نبی نفسی نفسی پکاریں گے۔

وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى (حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے) حقیقت میں وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ (لیکن اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف نے ہی ان کی عقلوں کو اڑا دیا ہے۔ اور ان کو ایسے شخص کی حالت کی طرف لوٹا دیا ہے جس کی عقل نشہ سے جاتی رہی ہو۔

قول حسن رحمۃ اللہ علیہ: اور تم لوگوں کو خوف کی وجہ سے نشہ میں دیکھو گے حالانکہ ان کا یہ نشہ شراب سے نہ ہوگا۔ قراءت: حمزہ علی نے دونوں میں سکرٰی بلا الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ عطشٰی کی طرح ہے عطشان میں۔

شانِ نزول: روایت میں ہے کہ یہ دو آیات غزوہ بنو مصطلق کی رات کو اتریں۔ آپ ﷺ نے ان کو پڑھ کر سنایا اس رات سے بڑھ کر لوگوں کو روتا ہوا نہیں پایا۔ (قرطبی کذا فی الخازن)

بزعم مطلق:

۳: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ (اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے متعلق جھگڑتے ہیں) فی اللہ کا مطلب اللہ تعالیٰ کے دین میں جھگڑتا ہے۔ بِغَيْرِ عِلْمٍ (بغیر علم کے)

بغیر: یہ حال ہے۔

یہ نضر بن حارث کے متعلق اتری۔ وہ بڑا جھگڑالو تھا۔ وہ کہتا ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور قرآن مجید پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو بوسیدہ ہڈیاں زندہ کرنے کی قدرت نہیں۔ نمبر۲۔ یہ آیت عام ہے ہر خواہش پرست جو دین کا مخالف ہو وہ مراد ہے۔ وَّيَتَّبِعُ (اور وہ پیروی کرتا ہے) كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ (ہر سرکش شیطان کی) عاد ہر ایسا سرکش جو شر میں دوام و استمرار اختیار کرنے والا ہو۔ مرید پر وقف نہیں پڑھا جا سکتا کیونکہ مابعد اس کی صفت ہے۔

شیطان کے متعلق فیصلہ:

۴: كُتِبَ عَلَيْهِ (اللہ تعالیٰ نے شیطان کے متعلق لکھ دیا ہے) یعنی شیطان کے متعلق فیصلہ ہو چکا۔ اَنَّهٗ (معاملہ و شان یہ ہے۔) یہ کتب کا نائب فاعل ہے۔ مَنْ تَوَلَّاهُ (کہ جس نے اس سے دوستی اختیار کی) شیطان کی پیروی کی فَاَنَّهٗ (پس وہ اس کو) یقیناً شیطان يُضِلُّهٗ (ضرور بھٹکا دے گا) سیدھے راستے سے وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ (اور اس کی راہنمائی دوزخ کے عذاب کی طرف کرے گا) عذاب سعیر یعنی آگ۔ قول زجاج: فانہ کی فاء عاطفہ ہے اور انّ کو تاکید کیلئے دوبارہ لایا گیا ہے۔ مگر ابوعلی نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا اگر مَنْ شرط کیلئے ہے تو فاء اس کی جزاء کیلئے آئی ہے اور اگر مَن کو الذی کے معنی میں لیا جائے تو پھر فاء مبتدا کی خبر پر داخل ہوئی ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے فَالْاَمْرُ اَنَّهٗ يُضِلُّهٗ اور عطف اور تاکید پہلے کی تکمیل کے بعد آتے ہیں۔ مطلب یہ ہے شیطان کے متعلق لکھ دیا ہے اس آدمی کا گمراہ کرنا جو اس سے دوستی اختیار کرے اور آگ کی طرف اس کی راہنمائی کرے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ

اے لوگو! اگر تم اٹھائے جانے کی طرف سے شک میں ہو تو بلاشبہ ہم نے تم کو مٹی سے پھر

مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ

نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر بوٹی سے جو پوری صورت والی ہے اور جو صورت کی پوری بنی ہوئی نہیں ہے تاکہ ہم تمہیں

لَكُمْ ؕ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ

بتا دیں اور ہم رحموں میں جسے چاہیں ایک مقررہ مدت تک ٹھہرا دیتے ہیں پھر ہم تمہیں بچہ بنا کر نکالتے ہیں پھر تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ

لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ

اور تم میں سے بعض وہ ہیں جو اٹھا لئے جاتے ہیں اور تم میں سے بعض وہ ہیں جو نکمی عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں

لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا

تاکہ علم کے بعد کچھ بھی نہ جانے اور اے مخاطب تو زمین کو دیکھتا ہے کہ سوکھی پڑی ہوئی ہے پھر جب ہم اس پر پانی

عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۞ ذٰلِكَ

اتارتے ہیں تو وہ ابھرتی ہے اور بڑھتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما چیزیں اگاتی ہے یہ

بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞ وَّاَنَّ

اس وجہ سے کہ اللہ حق ہے اور وہ مردوں کو زندہ فرماتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور بے شک

السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۞

قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں اور بے شک اللہ ان کو اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں۔

منکرین بعث کے خلاف دلیل:

۵: پھر منکرین بعث پر حجت لازم کرتے ہوئے فرمایا۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ (اے لوگو! اگر تم کو دوبارہ اٹھائے جانے کا شک ہے) یعنی اگر بعث بعد الموت کے متعلق تمہیں شک ہے تو تمہارے شک کا ازالہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ تم اپنی ابتدائی خلقت پر نگاہ ڈالو۔ کہ ابتداء میں تم مٹی اور پانی تھے اور تمہارے بعث کے انکار کا سبب یہی ہے کہ انسانی وجود کا مٹی اور پانی

ہو جاتا ہے۔ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ (تو ہم نے بیشک تمہیں پیدا کیا) یعنی تمہارے آباء و اجداد کو مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ (مٹی سے پھر) پیدا کیے گئے مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ (ایک بوند سے پھر خون کے جمے ہوئے لوتھڑے سے) جمے ہوئے خون کے ٹکڑے سے۔ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ (پھر بوٹی سے) چھوٹے گوشت کے ٹکڑے سے جو ایک دفعہ چبایا جا سکے۔ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ (مکمل و ناتمام) المخلقة درست و سالم جو نقص و عیب سے پاک ہو۔ گویا اللہ تعالیٰ مضغہ مختلف پیدا فرماتے ہیں۔ بعض مضغات ان میں کامل الخلقت اور عیوب سے مبرا ہوتے ہیں اور بعض ان میں سے اس کے برعکس ہوتے ہیں۔ یہ فرق ہی انسانوں کی خلقت و بناوٹ شکل وصورت، طول و قصر، تکمیل و نقص کا باعث ہے۔ بلاشبہ ہم نے تمہیں ایک حالت سے دوسری حالت اور ایک خلقت سے دوسری میں منتقل کیا۔ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ (تا کہ ہم تمہارے سامنے واضح کر دیں) اس تدریج میں ہماری کامل قدرت اور کامل حکمت ہے۔ بیشک وہ ہستی جو انسانوں کو مٹی سے ابتدائی مرحلے میں پھر نطفہ سے دوسرے مرحلے میں بناتی ہے حالانکہ پانی اور مٹی اور انسان میں کوئی مناسبت نہیں وہ اس بات پر قادر ہے کہ نطفہ کو علقہ اور علقہ کو مضغہ اور مضغہ کو ہڈیاں بنا دے۔ وہ اس بات پر قادر ہے کہ جس طرح پہلی مرتبہ بنایا اسی طرح اعادہ کر دے۔ وَنُقِرُّ (اور ہم ٹھہراتے ہیں)

قراءت، نحو: مفضل کے علاوہ تمام نے رفع سے پڑھا ہے۔ یہ وقف کے بعد جملہ مستانفہ ہے ای نحن نثبت فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ (ارحام میں جس طرح ہم چاہتے ہیں) اس کا ثبوت اور ٹھہراؤ کرتے ہیں اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى (ایک وقت مقرر تک) ولادت کے وقت تک اور جس کو ٹھہرانا نہیں چاہتے اس کو رحم سے گرا دیتے ہیں۔ ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ (پھر تمہیں نکالتے ہیں) ارحام سے طِفْلًا (بچہ بنا کر)

نحو: یہ حال ہے اور اس سے مراد جنس ہے اسی لئے یہ جمع نہیں لایا گیا۔ نمبر ۲۔ اس سے مراد یہ بھی لی جائے کہ ہم تم میں سے ہر ایک کو نکالتے ہیں طفل کی حالت میں۔ ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا (پھر تا کہ تم پہنچ جاؤ) پھر ہم تمہاری تربیت کرتے ہیں تا کہ تم پہنچ جاؤ۔ اَشُدَّكُمْ (اپنی جوانی کو) کمال عقل اور کمال قوت کو۔ قول مفسر: یہ جمع کے ان الفاظ میں سے ہے جن کا واحد مستعمل نہیں ہے۔

قول دیگر اشد جمع شدت کی ہے جس طرح انعم جمع نعمت ہے۔ تو فہم و تدبر سے ترجمہ۔ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى (اور تم میں سے بعض وہ ہیں جو وفات پا جاتے ہیں) بھرپور جوانی کے وقت یا اس سے قبل ہی یا اس کے بعد وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ (اور بعض تم میں سے بالکل ناکارہ عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں) ارذل کا معنی اخس ہے یعنی انتہائی پیری اور ذہنی خرافت لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا (تا کہ وہ جان چکنے کے بعد پھر بالکل نادان ہو جاتا ہے) یعنی وہ نادان ہو جائے اس کے بعد کہ وہ اس کو جانتا تھا یا تا کہ وہ علمی استفادہ نہ کر سکے اور جو پہلے جانتا تھا اس کو بھی بھول جائے پھر بعث کی ایک اور دلیل پیش کی اور فرمایا وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً (اور تو دیکھتا ہے زمین خشک پڑی ہے) مردہ، خشک۔ فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ (پھر ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ابھرتی اور پھولتی ہے) اہتزت کا معنی نبات سے حرکت میں آتی ہے۔ وَرَبَتْ (اور بڑھتی ہے) پھولتی ہے۔

قراءت: یزید نے پورے قرآن میں ربت کو ربات پڑھا ہے اور اس کا معنی بلند ہونا۔

وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ (اور وہ اگاتی ہے ہر قسم کی نباتات) زوج صنف کے معنی میں ہے۔ بَهِيْجٍ (خوشنما) خوبصورت

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۸﴾

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر کسی روشن کتاب کے جو روشنی دکھانے والی ہو اللہ کی ذات کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں

ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ

یہ ایسا شخص ہے جو گردن کو موڑ کر چلا جاتا ہے تاکہ اللہ کے راستے سے ہٹا کر لوگوں کو گمراہ کرے اس کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور ہم اسے قیامت کے دن جلنے

الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۹﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۰﴾

عذاب چکھائیں گے — یہ اس وجہ سے ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور یہ بات ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

جس کو دیکھ کر دیکھنے والا خوش ہو۔

۶: ذٰلِكَ بِاَنَّ: یہ مبتدا ہے اس کی خبر بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ ہے (یہ سب اس وجہ سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہستی میں کامل ہے) یہ تخلیق بنی آدم کا جو تذکرہ ہوا اور اسی طرح زمین کی آبادی اور اس سے حاصل ہونے والی قسما قسم کی حکمتیں ثابت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہیں یعنی انہی کا وجود متحقق اور قائم رہنے والا ہے۔ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى (اور وہی مردوں کو زندہ کریں گے) جیسا کہ بنجر زمین کو آباد کر دیا۔ وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (اور وہی ہر چیز پر قادر ہے) یعنی قدرت والا ہے۔

۷: وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ (اور یقیناً قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شبہ نہیں (گویا کہ ان تغیرات قیامت کا پیش خیمہ ہیں) اور یہ بات قطعی ہے کہ اللہ تعالیٰ قبروں والوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا) یعنی وہ حکمت والا ہے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ اس نے قیامت و بعث کا وعدہ کیا ہے پس ضروری ہے کہ جو وعدہ اس نے کیا اس کو پورا کرے۔

بعض مجادلین:

۸: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ (اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے متعلق جھگڑا کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق ایسی صفات اس کی طرف منسوب کرتے ہیں جو اس کے مناسب نہیں۔ یہ ابو جہل کے متعلق اتری۔

۸: بِغَيْرِ عِلْمٍ (بغیر علم کے) علم سے بدیہی جو معرفت الٰہی تک پہنچائے۔ وَّلَا هُدًى (بغیر ہدایت و راہنمائی) اس سے استدلالی علم مراد ہے کیونکہ یہ معرفت کی طرف لے جانے والا ہے۔ وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ (اور بغیر روشن کتاب کے) اس سے مراد وحی ہے انسانی علوم تین طریقوں سے حاصل ہوتے ہیں۔

۹: ثَانِيَ عِطْفِهٖ (وہ اپنے پہلو کو موڑنے والا ہے) یہ حال ہے یعنی وہ اپنی گردن کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے تکبر و بڑائی کی وجہ سے موڑنے والا ہے۔

قراءت: حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عطفہ عین کے فتح سے پڑھا جائے گا۔ ای مانع تعطفه الی غیره یعنی جو اس کو غیر کی طرف موڑنے والا ہے۔

کھڑے ہیں)؟ دین کے ایک کنارے پر یعنی اس کے درمیان اور مرکز میں۔ یہ درحقیقت ایک مثال ہے کہ وہ اپنے دین کے متعلق قلق و اضطراب کا شکار ہیں۔ سکون و اطمینان میسر نہیں۔

تجوید: یہ حال ہے ای مضطربا۔ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَیْرُ (اگر اس کو کوئی بھلائی پہنچ گئی) جسمانی صحت اور معیشت میں وسعت اِطْمَاَنَّ (تو اس نے قرار پالیا) قرار پکڑا اور پر سکون ہوا۔ بہ (اس پر) اس بھلائی پر جو اس کو میسر ہوئی یا اس دین پر پس اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے لگا۔ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ (اور اگر اس کو کوئی آزمائش مصیبت آ گئی) بیماری اور جسمانی تکلیف۔ اِنْقَلَبَ عَلٰی وَجْهِهٖ (تو منہ اٹھا کر کفر کی طرف چل دیتا ہے) اس کی جو تب یعنی مرتد ہو کر کفر کی طرف لوٹ جاتا ہے جس طرح وہ شخص جو لشکر کے ایک جانب پڑا ہوا گر لشکر کامیابی و غنیمت حاصل کرے تو مطمئن اور ثابت قدم رہتا ہے ورنہ فرار اختیار کر کے اپنی راہ لیتا ہے۔

قول مفسرین رحمہم اللہ: یہ بعض بدوؤں کے متعلق اتری جو مدینہ میں مہاجر بن کر آئے۔ ان میں سے ایک کو جب بدن تندرست ہوتا اور اس کی گھوڑی شاندار بچھیرا جنتی اور اپنے گھر میں بھی بیٹا پیدا ہوتا اور مال و مویشیوں میں اضافہ ہوتا تو کہتا میں نے تو اس دین میں برکت ہی برکت پائی ہے اور مطمئن ہوتا اور اگر معاملہ اس کے الٹ ہوتا تو دین سے منہ پھیر لیتا۔ خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةَ (دونوں کو کھو بیٹھا) یہ حال ہے اور قد مقدر ہے اس کی دلیل روح اور زید کی قراءت ہے۔

خاسر الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةَ خسران فی الدنیا سے قتل وغیرہ مراد ہے اور آخرت کا خسارہ خلود فی النار ہے۔ ذٰلِكَ (یہ) دونوں جہان کا خسارہ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ (وہ کھلا ہوا خسارہ ہے) ایسا ظاہر جو کسی پر مخفی نہ رہے گا۔

۱۲: یَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (وہ اللہ تعالیٰ کے سوا ایسے کی عبادت کرتا ہے) مراد بت۔ وہ ارتداد کے بعد اس طرح کرتا ہے۔ مَا لَا یَضُرُّهٗ (جو اس کو نہ نقصان پہنچا سکتا ہے) اگر وہ اس کی عبادت نہ کرے۔ وَمَا لَا یَنْفَعُهٗ (اور جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے) اگر اس کی عبادت بھی کرے۔ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ (یہ پرلے درجے کی گمراہی ہے) جو درستگی سے دور ہے۔

کافر جمادات کا عابد:

۱۳: یَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ (وہ پکارتا ہے اس کو جس کی عبادت کا ضرر اس کے نفع سے زیادہ قریب الوقوع ہے)

اشکال: اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں اصنام سے نفع و ضرر کی نفی فرمائی اور اس آیت میں دونوں چیزیں ثابت کیں؟

حل: اگر معنی ٹھیک طور پر سمجھ لیا جائے تو یہ وہم خود دور ہو جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کی حماقت یہ بیان کی کہ وہ ایک جماد کی عبادت کرتا ہے جو ذرا بھر نفع و نقصان کا مالک نہیں۔ حالانکہ کافر کا اعتقاد اس کے متعلق یہ ہے کہ وہ اس کا سفارشی بنے گا۔ پھر فرمایا قیامت کے دن یہ کافر چیخ و پکار کے انداز سے کہے گا جبکہ وہ بتوں کا نقصان ملاحظہ کرے گا۔ مگر شفاعت کا ذرا بھر اثر نہ دیکھے گا۔ جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے کہ یہ بہت برا مددگار ساتھی ہے۔ لَبِئْسَ الْمَوْلٰی (ایسا کارساز بھی بہت برا) مددگار ہو۔ وَلَبِئْسَ الْعَشِیْرُ (اور بہت برا رفیق ہے۔)

یدعوا کا لفظ بار بار لایا گیا ہے گویا اعتراض فرمایا یدعو۔ یدعو من دون اللہ ما لا یضرہ وما لا ینفعہ پھر فرمایا لمن

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اللہ انہیں ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں

الْأَنْهَارُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿١٤﴾ مَن كَانَ يَظُنُّ أَن لَّن يَنصُرَهُ اللَّهُ فِي

گی بلاشبہ اللہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ جو شخص یہ خیال کرتا ہو کہ اللہ دنیا میں اور آخرت میں اپنے رسول ﷺ کی مدد

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ

نہ کرے گا تو اسے چاہیے کہ آسمان تک ایک رسی تان لے پھر کاٹ دے پھر دیکھ لے کیا اس کی تدبیر اس کے

كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ ﴿١٥﴾ وَكَذَٰلِكَ أَنزَلْنَاهُ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَأَنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يُرِيدُ ﴿١٦﴾

غیظ کی چیز کو دور کرتی ہے۔ اور ہم نے اسی طرح کھلی ہوئی آیات نازل کیں اور بلاشبہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

نصرہ اس کے معبود ہونے سے نفع کی نسبت قریب تر ہے۔ جب کہ وہ موہوم ہی ہو۔

۱۴: اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ (بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے جنت کے ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ بیشک اللہ تعالیٰ جو ارادہ کرتا ہے کر گزرتا ہے) یہ وعدہ ان لوگوں کیلئے ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت ہر حال میں کرنے والے ہیں ان کی طرح نہ ہوں جو ایک کنارے پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے ہوں۔

کفار کا غصہ بے فائدہ ہے:

۱۵: مَنْ کَانَ یَظُنُّ اَنْ لَّنْ یَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ (جو شخص یہ گمان کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کی مدد دنیا و آخرت میں ہرگز نہ کریں گے) مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اپنے رسول کا مددگار ہے آپ کے دشمنوں میں سے جو اس کے خلاف گمان رکھتا ہے۔ فَلْیَمْدُدْ بِسَبَبٍ (پس اس کو چاہیے کہ وہ ایک رسی تان لے) سبب کا معنی رسی۔ اِلَی السَّمَآءِ (آسمان تک) گھر کی بلندی۔ ثُمَّ لْیَقْطَعْ (پھر وہ رسی کو حلق کاٹ دے) پھر وہ چاہے کہ گلا گھونٹ لے۔ یہاں گلا گھونٹنے کو قطع فرمایا ہے کیونکہ گلا گھونٹنے والا اپنی سانس کے راستوں کو روک کر سانس کو کاٹ دیتا ہے۔

قراءت: بصری و شامی نے لام کے کسرہ سے پڑھا ہے۔

فَلْیَنْظُرْ هَلْ یُذْهِبَنَّ كَیْدُهٗ مَا یَغِیْظُ (پھر غور کرے کہ اس کی یہ تدبیر اس کی غصہ دلانے والی چیز کو ختم کر دیتی ہے) ما الذی کے معنی میں ہے ای الذی یغیظہ جو اس کے غصہ والی ہے یا مصدریہ ہے اب ما یغیظ سے غصہ کرنا مراد اس طرح ہوگا کہ اس کو یہ تصور دل میں لانا چاہیے کہ اگر اس نے ایسا کیا تو کیا اس سے اللہ تعالیٰ کی نصرت ہٹ جائے گی جو اس کے غصہ والی چیز ہے۔ ہرگز نہیں پھر

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَىٰ وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہیں اور جو فرقہ صابئین ہے اور نصاریٰ ہیں اور جو مجوس ہیں اور وہ لوگ جنہوں نے شرک

أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١٧﴾

کیا بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ فرما دے گا بلاشبہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ

اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند

وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ ۖ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ

اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے انسان اللہ کے لئے سجدہ کرتے ہیں اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جن پر

الْعَذَابُ ۗ وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُكْرِمٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۩ ﴿١٨﴾

عذاب کا استحقاق ہو گیا ہے۔ اور اللہ جسے ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں۔ بلاشبہ اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

اس فعلے کا کیا فائدہ؟ اس کے فعل کو بطور استہزاء کید کہا کیونکہ اس نے یہ کید محسود کے ساتھ نہیں کیا بلکہ اپنی ذات سے کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس کے ہاتھ میں کوئی ایسی چیز نہیں جس سے غصہ دلانے والی چیز کو وہ زائل کر سکے۔

۱۶: وَكَذَٰلِكَ أَنْزَلْنَاهُ اور اسی طرح ہم نے اس کو اتارا ہے جس طرح ہم نے سارا قرآن مجید اتارا ہے۔ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ (واضح آیات) وَأَنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يُرِيدُ (اور بیشک اللہ اس کی راہنمائی کرتے ہیں جس کے متعلق ارادہ کرتے ہیں) یعنی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس سے ان لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں جن کے متعلق وہ جانتے ہیں کہ یہ ایمان لائیں گے یا ایمان والوں کو ایمان پر ثابت قدم فرماتے ہیں۔ اور ان کی ہدایت میں اضافہ فرماتے ہیں اسی طرح ہم نے اس کو واضح اتارا ہے۔

حقیقی فیصلہ قیامت کو:

۱۷: إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَىٰ وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا (بیشک اللہ تعالیٰ مسلمانوں یہودی اور صابی اور عیسائی، مجوسی اور مشرکین) ایک قول یہ ہے کہ ادیان پانچ ہیں۔ چار شیطان کیلئے اور ایک رحمان کیلئے۔ الصابئون یہ نصاریٰ کی ایک قسم ہے۔ پس چھ ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (بیشک اللہ تعالیٰ ان کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ فرمائیں گے) احوال واماکن کے اعتبار سے ایک سی نہ ہوں گے اور نہ ان کو ایک جگہ جمع کریں گے۔

نحو: ان الذین امنوا کی خبر ان اللہ یفصل بینہم ہے جیسا کہتے ہیں ان زیداً ان اباہ قائم۔

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ (بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے) اس کو جاننے والا اور اس کی نگہبانی کرنے والا ہے۔ پس ہر شخص کو اپنے عقیدہ و قول و فعل پر غور کرنا چاہیے۔ یہ انتہائی بلیغ انداز میں وعید ہے۔

۱۸: اَلَمْ تَرَ (کیا آپ نہیں جانتے) کیا تم نہیں جانتے اے محمد ﷺ یا علم جو آنکھوں سے دیکھنے کی طرح ہے۔ اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ (کہ جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے سب اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں)۔

ایک قول:

تمام اس کو سجدہ کرتے ہیں مگر ہمیں اس کی اطلاع نہیں جیسا کہ ان کی تسبیح کی اطلاع نہیں۔ ارشاد الٰہی ہے۔ وان من شیء الا یسبح بحمدہ ولکن لاتفقھون تسبیحھم (الاسراء: ۴۴)

دوسرا قول:

غیر مکلف میں تنقل کے اعتبار سے جو تبدیلیاں وارد ہوتی ہے اور اس کے مخصوص کیلئے وہ مسخر ہیں جو کام ان کے ذمہ لگا دیا اس کو سجود سے تعبیر کیا۔ مکلف کے سجدہ کے ذریعہ اطاعت کرنے سے تشبیہ دیتے ہوئے کیونکہ مکلف کیلئے سب سے بڑی عاجزی یہی ہے۔ وَکَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ (اور بہت سے لوگ) یعنی بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کو طاعت و عبادت کا سجدہ کرتے ہیں۔

نحو: یہ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ اور من الناس اس کی صفت ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اور وہ مثبت ہے اس پر کَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْہِ الْعَذَابُ دلالت کرتا ہے۔

وَکَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْہِ الْعَذَابُ (اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہو گیا) یعنی ان میں سے بہت سے ایسے ہیں کہ جن پر کفر کی وجہ سے عذاب ثابت ہو چکا اور سجدہ سے انکار کی وجہ سے عذاب لازم ہو چکا۔ وَمَنْ یُّہِنِ اللّٰہُ (اور جس کو اللہ تعالیٰ ذلیل کر دے) بدبختی کے ساتھ فَمَا لَہٗ مِنْ مُّکْرِمٍ (پس اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں) خوش بختی کے ساتھ اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ (بیشک اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں وہ کرتے ہیں) اکرام و اہانت وغیر ذلک۔

رد معتزلہ:

کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان کو چاہا مگر کیا نہیں۔ ان دونوں آیت کا ظاہر دلالت کر رہا ہے کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ ۫ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ

یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا ، سو جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے لئے آگ کے کپڑے قطع کئے

مِّنْ نَّارٍ ؕ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ ﴿۱۹﴾ یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ

جائیں گے ، ان کے سروں پر گرم پانی ڈالا جائے گا ، جس کی وجہ سے وہ سب گل جائے گا جو ان کے پیٹوں میں ہے

وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ

اور کھالیں بھی گل جائیں گی ، ان کے لئے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے ، جب بھی گھٹن کی وجہ سے وہاں سے نکلنے کا ارادہ کریں

غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿۲۲﴾

گے وہ اسی میں واپس کر دیئے جائیں گے ، اور ان سے کہا جائے گا کہ چکھو جلنے کا عذاب

کفار کا حال:

۱۹: هٰذٰنِ خَصْمٰنِ (یہ دو فریق ہیں) آپس میں جھگڑنے والے فریق ہیں۔ یہاں فریق کو خصم سے جو کہ صفت ہے تعبیر کر دیا۔ اخْتَصَمُوْا (انہوں نے اختلاف کیا) معنی کا لحاظ کر کے جمع کا صیغہ لایا گیا۔ اور هذان لفظ کا لحاظ کر کے تثنیہ لایا گیا۔ مراد اس سے مؤمن اور کافر دو فریق ہیں۔

قول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما:

یہ ضمیر مذکورہ پانچوں اہل ادیان اور مؤمنوں کی طرف لوٹتی ہے مؤمن ایک فریق ہیں اور باقی پانچوں ایک فریق ہیں۔ فِیْ رَبِّهِمْ (اپنے رب کے متعلق) اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی صفات کے متعلق پھر ہر ایک کی جزاء ذکر کی۔ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا (پس وہ لوگ جو کافر ہیں) اللہ تعالیٰ نے ان اللہ یفصل بینہم یوم القیامۃ [الحج: ۱۷] میں جس فیصلے کا ذکر فرمایا اس کی تفصیل اس آیت میں آرہی ہے۔ وہ یہ ہے قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ (ان کے لیے آگ کے کرتے کاٹے جائیں گے) گویا اللہ تعالیٰ ان کے اجسام کی مقدار سے آگ ان کے لئے مقرر کر دی گئی۔ جو ان پر چھانے والی ہوگی جیسا کہ لباس کے ٹکڑوں کو جسم پر پورا فٹ پایا جاتا اور کاٹا جاتا ہے۔ یہاں ماضی کا لفظ استعمال کیا گیا کیونکہ یہ بہر صورت ہو کر رہے گا۔ پس یہ ثابت شدہ حقیقت کی طرح ہے۔ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ (ان کے سروں پر ڈالا جائے گا۔)

قراءت: بصری نے رؤسہم کو ہا اور میم کے کسرہ سے پڑھا ہے۔ حمزہ و علی اور خلف نے ہا اور میم کو ضمہ سے پڑھا ہے۔ دیگر قراء نے ہا کے کسرہ اور ضمہ میم سے پڑھا ہے۔ الْحَمِیْمُ (گرم پانی) (قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ اگر اس میں سے قطرہ کے برابر پانی زمین کے پہاڑوں پر گر جائے تو وہ پگھل جائیں۔

۲۰: يُصْهَرُ (اس سے پگھل جائے گا) پگھلا دیا جائے گا۔ بِهٖ (اس گرم پانی کے ساتھ) مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ (جو کچھ ان کے پیٹوں اور چمڑوں میں ہوگا) یعنی وہ پانی ان کی انتڑیاں اور دیگر اندرونی اجزاء کو پگھلا ڈالے گا۔ جیسا کہ ان کے چمڑے پگھل جائیں گے۔ پس وہ پانی ظاہر اور اندرون میں مؤثر ہوگا۔

۲۱: وَلَهُمْ مَّقَامِعُ (اور ان کے لئے لوہے کے گرز ہتھوڑے ہوں گے) خاص قسم کے کوڑے۔ مِنْ حَدِيْدٍ (لوہے کے) جس سے ان کو ماریں گے۔

۲۲: كُلَّمَا اَرَادُوْا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا (جب بھی وہ دوزخ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے) یعنی آگ کی طرف سے۔ مِنْ غَمٍّ (غم کی وجہ سے) یہ منہا سے بدل الاشتمال ہے حرف جار کا اعادہ کیا گیا ہے۔ نمبر ۲۔ پہلا مِن ابتدائے غایت کیلئے ہے اور دوسرا من اجلیہ ہے مطلب یہ ہے جب بھی وہ آگ سے نکلنے کا ارادہ غم کی وجہ سے کریں گے جو غم کہ ان پر طاری ہوگا۔ تو بھی نکلنے نہ پائیں گے۔ اُعِيْدُوْا فِيْهَا (ان کو اس میں لوٹا دیا جائے گا) گرز مار کر۔

قول حسن رحمۃ اللہ علیہ کہ جہنم سے ان کے خروج کا مطلب یہ ہے کہ آگ کی لپٹیں ان کو اٹھا کر اوپر کی طرف پھینکیں گی۔ جب وہ اس کی بلندی میں پہنچیں گے تو ان کو گرز رسید کئے جائیں گے جن سے ستر خریف وہ جہنم میں نیچے جا گریں گے۔ اور جزئی آگ کی طرف لوٹانا مراد ہے نہ کہ آگ سے مکمل طور نکل جانا اور پھر لوٹانا۔

وَذُوْقُوْا (اور چکھو) یعنی ان کو کہا جائے گا تم جلنے کا عذاب چکھو۔ عَذَابَ الْحَرِيْقِ (جلنے کا عذاب) پھیلی ہوئی آگ کا سخت عذاب۔ شدید ہلاک کن ہے۔ پھر دوسرے فریق کا بدلہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے انہیں اللہ ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری

الْأَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا

ہوں گی۔ انہیں اس میں ایسے کنگنوں کا زیور پہنایا جائے گا جو سونے اور موتیوں کے ہوں گے اور اس میں ان کا لباس ریشم کا

حَرِيرٌ ﴿۲۳﴾ وَهُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوا إِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيدِ ﴿۲۴﴾

ہوگا۔ اور ان کو کلمہ طیبہ کی ہدایت دی گئی اور ان کو اس ذات کے راستے کی ہدایت دی گئی جو لائق حمد ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي

بلاشبہ جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کے راستہ سے اور مسجد حرام سے روکتے ہیں جسے ہم نے سب

جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعٰكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ ۚ وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ

لوگوں کے لئے مقرر کیا ہے اس میں رہنے والا اور باہر سے آنے والا سب برابر ہیں اور جو کوئی شخص اس میں ظلم کے ساتھ کوئی بے دینی کا کام کرنے کا ارادہ کرے گا

نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۲۵﴾

تو ہم اسے دردناک عذاب چکھا دیں گے

ایمان والوں کا حال:

۲۳: إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ (جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے یقیناً اللہ تعالیٰ ان کو جنتوں میں داخل فرمائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور اس میں ان کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے) اساور یہ اسورۃ کی جمع ہے اور اسورۃ یہ سوار کی جمع ہے مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا (سونے اور موتیوں کے)

قراءت: مدنی عاصم نے و بہ نون لؤلؤا اصل ان کر نصب پڑھا ہے۔ اور دیگر قراء نے من ذہب پر عطف کی بناء پر جر پڑھا ہے۔ جبکہ ابوبکر وحماد نے پورے قرآن مجید میں ہمزہ اولیٰ کو ترک کر کے پڑھا ہے۔ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ (اور ان کا لباس وہاں ریشم کا ہوگا)

۲۴: وَهُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوا إِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيدِ (اور ان کی راہنمائی پاکیزہ بات کی طرف کی گئی اور مستحق حمد ذات کے راستہ پر چلنے کی ان کو توفیق دی گئی) ان لوگوں کی راہنمائی کلمہ توحید کی طرف کر دی گئی اور صراط الحمید یعنی اسلام کی

طرف کردی گئی یا آخرت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی راہنمائی کی اور ان کی زبان پر الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ جاری فرما دیا
اور جنت کا راستہ ان کو دکھایا۔

الحمید اللہ تعالیٰ کی ذات جس کی تعریف ہر زبان پر ہے۔

۲۵: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (بیشک جو کافر ہوئے اور وہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے (مسلمانوں کو) روکتے ہیں) اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں۔

نحو: کفروا کے بعد فعل مضارع یصدون حال ہے جیسا کہا جاتا ہے فلان یحسن الی الفقراء۔ اس سے مراد اس کی طرف سے فقراء کے ساتھ حسن سلوک کا حال و استقبال میں پایا جانا ہے۔

وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (اور مسجد حرام سے) اور مسجد حرام اور اس میں داخلے سے روکتے ہیں۔ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ (جس کو ہم نے تمام آدمیوں کیلئے مقرر کیا) اس میں شہری اور دیہاتی کے شہر کے اندر داخلہ کی اجازت دی ہے۔

مراد مسجد حرام:

اس سے مکہ مکرمہ مراد ہے اس صورت میں یہ آیت ان حضرات کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ مکہ کے مکانات کو فروخت نہیں کیا جا سکتا۔ دیگر: اس سے مراد بیت اللہ ہے تو پھر مطلب یہ ہے کہ وہ تمام لوگوں کیلئے قبلہ ہے۔

سَوَآءَ (برابر ہے) قراءت: حفص نے نصب سے پڑھا ہے اور یہ جعلنٰہ کا مفعول ثانی ہے ای جعلناہ مستویا اور دیگر قراء نے مرفوع پڑھا ہے۔ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ (جس میں رہنے والا اور باہر سے آنے والا) نازل اور مقیم کہتے ہیں۔

نحو: مکی نے البادی یا کے ساتھ پڑھا ہے وصل میں ان کی موافقت کی اور وقف میں ان کی موافقت [illegible] اور [illegible] الذی جعلناہ للناس [illegible] جعلناہ [illegible] جاتا ہے۔

وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ (اور جو کوئی اس میں ارادہ کرے) یعنی مسجد حرام میں بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ (ظلم کے ساتھ کج روی کا) یہ دونوں حال مترادف ہیں اور یرد کا مفعول قصد [illegible] ہے تقدیر کلام اس طرح ہے ومن یرد فیہ مرادا ما عادلا عن القصد ظالما۔ جو شخص اس میں کوئی بھی [illegible] الالحاد [illegible] سے [illegible]۔ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (ہم اس کو دردناک عذاب چکھائیں گے) آخرت میں۔

نحو: اِنَّ کی خبر محذوف ہے کیونکہ جواب شرط اس پر دلالت کر رہا ہے تقدیر کلام یہ ہے ان الذین کفروا ویصدون عن المسجد الحرام نذیقھم من عذاب الیم وکل من ارتکب فیہ ذنبا فھو کذلک۔ بیشک وہ لوگ جو کافر ہوئے اور وہ جو مسجد حرام سے لوگوں کو روکتے ہیں ہم ان کو دردناک عذاب چکھائیں گے اور ہر ایسے شخص کو بھی جو اس میں کسی گناہ کا مرتکب ہو۔

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرٰهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ

اور جب ہم نے ابراہیم کو بیت اللہ کی جگہ بتا دی کہ تم میرے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ اور میرے گھر کو

لِلطَّآئِفِينَ وَالْقَآئِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿۲۶﴾ وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ

طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک رکھنا۔ اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو وہ تمہارے پاس

رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ﴿۲۷﴾ لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ

پیدل چل کر اور دبلی اونٹنیوں پر آئیں گے جو اونٹنیاں دور دراز راستوں سے آئیں گی تاکہ لوگ اپنے منافع کے لئے حاضر

لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ

ہوں اور ایام مقررہ میں ان چوپایوں پر اللہ کا نام ذکر کریں جو اللہ نے انہیں عطا

بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوا

فرمائے ہوں۔ سو تم ان میں سے کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو کھلاؤ پھر یہ لوگ اپنا میل کچیل

تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿۲۹﴾

دور کریں اور اپنی نذروں کو پورا کریں اور البیت العتیق کا طواف کریں۔

تذکرہ ابراہیم علیہ السلام اور شعائر اللہ کا تذکرہ:

۲۶: وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرٰهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ (اور جب ہم نے ابراہیم کیلئے بیت اللہ کی جگہ متعین کر دی) اس وقت کو یاد کرو جب کہ ہم نے مقرر کر دیا۔ لا براھیم مکان البیت (ابراہیم کیلئے بیت اللہ کی جگہ) لوٹنے کی جگہ جس طرف وہ تعمیر و عبادت کیلئے رجوع کر سکیں۔ بیت اللہ کو ایام طوفان میں آسمانوں کی طرف اٹھا لیا گیا۔ وہ سرخ یاقوت کا بنا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کیلئے اس جگہ کی نشاندہی ایک ہوا بھیج کر کی جس نے گھر والی جگہ کو صاف کر دیا جیسے جھاڑو وغیرہ صاف کرتے ہیں ابراہیم علیہ السلام نے قدیم بنیادوں پر دیواروں کو اٹھایا۔

أَنْ یہ قول مقدر کی تفسیر کیلئے آیا ہے ای قائلین لہ یعنی کہتے ہوئے کہ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ (کہ تم میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ اور میرے گھر کو پاک کرو) ظاہری گندگیوں اور باطنی گندگیوں بتوں وغیرہ سے۔

قراءت: بَيْتِيَ مدنی حفص نے فتحہ یاء سے پڑھا حمزہ و کسائی و ابو عمرو و ابن عامر نے سکون یاء سے پڑھا ہے۔

لِلطَّآئِفِينَ (طواف کرنے والوں کیلئے) وَالْقَآئِمِينَ (اور ان کے لئے جو قیام کرنے والے ہیں) اور جو مکہ میں اقامت

اختیار کرنے والے ہیں۔ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ (اور رکوع سجدہ کرنے والوں کیلئے) جمع راکع اور ساجد کی ہے مراد نماز ادا کرنے والے۔

۲۷: وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ (اور تم لوگوں میں حج کا اعلان کردو) ان میں آواز لگاؤ۔ الحج خاص مقصد کیلئے خاص قصد کرنا۔

روایت میں ہے آپ جبل ابوقبیس پر چڑھے اور اس طرح اعلان فرمایا اے لوگو! اپنے رب کے گھر کا حج کرو۔ تو جن کی قسمت میں حج مقدر تھا انہوں نے اصلاب و ارحام سے لبیک اللھم لبیک کہہ کر جواب دیا۔

قول حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ خطاب آنحضرت ﷺ کو ہے کہ آپ حجۃ الوداع میں یہ اعلان فرمادیں مگر پہلا قول زیادہ ظاہر ہے اور جواب امر یہ آیت ہے۔ یَاْتُوْکَ رِجَالًا (تیرے پاس لوگ پیدل آئیں گے) رجال جمع راجل۔ پیدل۔ جیسا کہ قائم و قیام ہے۔ وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ (اور ہر کمزور دبلا اونٹنیوں پر) اس کا عطف رجالا پر ہے گویا اس طرح کہا رجالا و رکبانا۔ الضامر لاغر دبلا اونٹ

مَسْئَلَۃٌ: رجال کو رکبان پر مقدم کرکے پیدل کی فضیلت ظاہر فرمائی جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔

یَّاْتِیْنَ (وہ آئیں گے) ضامر کی صفت ہے کیونکہ وہ معنی کے لحاظ سے جمع ہے۔

قراءت: عبداللہ نے یاتون پڑھا اور اس کو الرجال اور الرکبان کی صفت قرار دیا۔ مِنْ کُلِّ فَجٍّ (ہر وادی سے) راستے سے عَمِیْقٍ (گہرے) دور۔ محمد بن یاسین کا قول: طواف میں مجھے ایک شیخ نے کہا تم کہاں سے ہو؟ میں نے کہا خراسان سے اس نے سوال کیا تمہارے اور بیت اللہ کے مابین کتنا فاصلہ ہے میں نے کہا دو ماہ کا فاصلہ یا تین ماہ کا۔ اس نے کہا تم تو پھر بیت اللہ کے پڑوسی ہو۔ میں نے کہا تم کہاں سے تشریف لائے ہو؟ اس نے کہا پانچ سال کی مسافت سے میں جب نکلا تو جوان تھا اب ادھیڑ عمر ہو گیا تو پہنچا۔ میں نے کہا اللہ کی قسم یہ خوب بندگی ہے اور سچی محبت کا نشان ہے اس پر وہ ہنس کر کہنے لگا۔

زرمن ھویت وان شطت بک الدار	وحال من دونہ حجب واستار

محبوب کی ملاقات کرو خواہ اس کا گھر دور ہو۔ اور اس کے راستہ میں رکاوٹیں اور پردے حائل ہوں۔

لا یمنعنک بعد عن زیارتہ	ان المحب لمن یھواہ زوار

دوری تمہیں اس کی ملاقات سے رکاوٹ نہیں بنی چاہئے بیشک عاشق اپنے محبوب کی ملاقات کیا کرتا ہے۔

۲۸: لِّیَشْھَدُوْا (تاکہ وہ حاضر ہوں)

نحو: لام یہ اذن کے متعلق ہے یا یاتوک کے مَنَافِعَ لَھُمْ (اپنے منافع کیلئے۔)

نحو: منافع کو نکرہ لایا گیا کیونکہ مراد اس سے وہ منافع ہیں جو اس عبادت سے متعلق ہیں خواہ دینی ہوں یا دنیوی۔

منافع حج:

وہ صرف اسی میں پائے جاتے ہیں دیگر کسی عبادت میں موجود نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت ابتلائے نفس کیلئے مشروع ہے۔ مثلاً نماز، روزہ اور ابتلائے مال کیلئے مثلاً زکوۃ۔ اور حج ان ہر دو کو شامل ہے۔ نمبر۲۔ اس کے ساتھ دیگر مشاق اور احوال کو

برداشت کرنا، اسباب سے یکسو ہونا۔ دوست و احباب سے منقطع ہو جانا اور وطنوں سے دوری، اولاد سے الگ تھلگ ہو حتمی یا
سے انفصال۔ نمبر۳۔ اور اس میں اس کی روزمرہ زندگی کے سلسلہ میں تنبیہ ہے کہ جب انسان دارالفناء سے دارالبقاء کی طرف
سدھارے گا تو یہ کیفیت ہوگی۔

نمبر۴۔ جب حاجی جب جنگل میں داخل ہوتا ہے تو اس کو اپنے زادِ راہ پر ہی اکتفاء کرنا ہوتا ہے اور اس میں سے کھانے کیلئے
استعمال کرتا ہے۔ نمبر۵۔ بالکل ٹھیک اسی طرح جب آدمی زندگی کے کنارے سے نکلے گا اور گور و تربت میں اس کی کشتی داخل ہوگی
اس خلوت میں اس کے وہی چیز فائدہ دے گی جو اس نے معاد کے گزر اوقات کیلئے تیار کی ہوگی۔ اور اس کو بھی وہ وارث ہی میں
کریں گے جس سے وہ دل لگاتا تھا۔

نمبر۶۔ محرم کا غسل اور اس کی تبدیلی اور ان سلے کپڑے اور خوشبو میں بسنا۔ یہ تنبیہ ہے کہ عنقریب اسے چارپائی پر رکھا
جائے گا اور غسل تجہیز و تکفین کی جائے گی اور حنوط سے اس کو خوشبودار کیا جائے گا اور ان سلے کپڑے اس کو پہنا دیے جائیں گے۔
نمبر۷۔ پھر محرم تو آگے چل کر پراگندہ بال اور پراگندہ حال ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حشر کی گھڑی قبر سے حیران نکلے گا۔ نمبر۸۔ یہ
عرفات میں حجاج کا وقوف رغبت و خوف سے آنسو بہاتا اور خوف و طمع سے سوال کرتا جبکہ یہاں مقبول و مخذول دو قسم ہوتے ہیں۔ یہ
عرصات حشر کی حاضری کی طرح ہی تو ہے۔ جیسے لا تکلم نفس الا باذنه فمنهم شقي وسعيد [ھود: ۱۰۵] شقی و سعید کا مخلط
اجتماع اور ہر ایک منہ پر گویا مہر لگی ہے۔

افاضہ عرفات:

نمبر۹۔ ادھر افاضہ عرفات جانب مزدلفہ پر نگاہ کرو۔ جبکہ سورج غروب ہو چکا ہے یہ قضاء کے فیصلہ کی خاطر چلنے کی طرح
ہے۔ نمبر۱۰۔ اور منیٰ کا موقف یہ گناہ گاروں کیلئے تمہارے شفاعت طلب شفعین کی طرح ہے۔ نمبر۱۱۔ اور سر منڈانا اور صاف ستھرا
ہو جانا۔ رحمت و تخفیف کے ساتھ گناہوں کے بوجھ سے نکلنے والے کی طرح ہے۔ نمبر۱۲۔ اور بیت الحرام جس کے اندر داخل ہونے
والے کیلئے فرمایا ومن دخله كان آمنا [آل عمران: ۹۷] وہ داخل ہونے والا ہر قسم کی ایذاؤں و قتال سے بچنے والا۔ دارالسلام جنت
میں داخل ہونے والے کا نمونہ ہے۔ کہ اس میں داخل ہونے والا فنا و زوال سے ہمیشہ کیلئے بچ گیا۔ البتہ جنت کئی ناپسند
چیزوں سے ڈھانپی گئی ہے۔ جس طرح کہ کعبۃ اللہ کو راستوں کے مالوف جنگلوں نے ڈھانپ دیا گیا ہے۔ وہ آدمی بہت خوب
ہے جو جنگلوں کے خوفناک اور مہلک مقامات سے گزر کر ہانک پکار کے ان کی ملاقات کے شوق میں آگے بڑھ گیا۔

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ (اور وہ اللہ تعالیٰ کا نام لیں) ذبح کے وقت فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ (مقررہ ایام میں) عشرہ ذی الحجہ
عند الامام الاعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور آخری دن یوم نحر ہے اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور اکثر مفسرین بھی اسی
طرف گئے ہیں۔ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ایام نحر مراد ہیں یہ قول عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ
بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ (ان چوپایوں پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عنایت فرمائے ہیں) ان کو ذبح کرتے وقت یہ صاحبین رحمہم اللہ کے قول کی
تاکید ہے۔ البهيمة جنگل و خشکی کے جانوروں میں چار پاؤں والا اس کی وضاحت الانعام کے لفظ سے کر دی گئی کہ وہ اونٹ،

گائے بھیڑ بکری ہے۔ فَكُلُوا مِنْهَا (پس تم ان میں سے کھاؤ) ان کے گوشت سے۔

مسئلہ: یہاں امر اباحت کیلئے ہے نفلی ہدی میں سے کھانا درست ہے۔ اسی طرح متعہ اور قران کی ہدی میں سے بھی کیونکہ یہ نفس حج کا دم ہے۔ اس لئے قربانی کے مشابہ ہے۔ باقی ہدایا جو دم جبر وغیرہ ہیں ان میں سے دم دینے والے کو کھانا جائز نہیں فقراء کو درست ہے۔ وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ (اور تم کھلاؤ تنگ دست کو) وہ شخص جس کو بدحالی پہنچے یعنی تنگدستی۔ الْفَقِيرَ (محتاج) جس کو تنگی نے کمزور کر دیا ہو۔

۲۹: ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ (پھر وہ اپنی میل کچیل کو دور کریں) نمبر ا۔ اپنے اجسام سے میل کو دور کریں قطرب نحوی نے اسی طرح کہا دوسرا قول قضاء تفث مونچھیں کاٹنے، ناخن اتارنے، بغل کے بال لینے، زیر ناف صاف کرنے کو کہتے ہیں۔ التفث تو میل کو کہا جاتا ہے۔ اور یہاں مراد میل کے ازالہ کو پورا کرنا۔ ابن عمر و ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول یہ ہے کہ قضاء و تفث تمام مناسک حج کی ادائیگی کو کہتے ہیں۔

وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ (اور وہ اپنی نذروں کو پورا کریں) یعنی حج کے واجبات۔ اور اہل عرب ہر اس شخص کو جو اپنے فریضہ سے فارغ ہو کہتے ہیں وفی بنذرہ خواہ اس نے کوئی نذر نہ مانی ہو۔ نمبر ۲۔ یا نیکی کے وہ اعمال جن کی اعمال حج کے سلسلہ میں وہ نذر مان لیتے ہیں۔

قراءت: ابو بکر نے ولیوفوا لام کے سکون اور تشدید فاء کے ساتھ پڑھا۔ وَلْيَطَّوَّفُوا (اور وہ طواف کریں) طواف سے طواف زیارت مراد ہے جو کہ حج کا رکن ہے اور اس کی ادائیگی سے مکمل تحلل من الاحرام ہو جاتی ہے لیقضوا، لیوفوا، لیطوفوا: کی قراءت یہ ہے کہ ابن عامر اور ابو عمرو وابن کثیر و نافع وغیرہ نے تینوں لامات مکسور پڑھی ہیں البتہ دیگر قراء نے تینوں ساکنہ پڑھی ہیں۔

بیت اللہ العتیق:

بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ (پرانے گھر کا) عتیق قدیم کے معنی میں آتا ہے۔ کیونکہ فرمایا گیا ان اول بیت وضع للناس [آل عمران: ۹۶] آدم علیہ السلام نے اس کی تعمیر کی پھر تجدید تعمیر ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں کرائی گئی۔ نمبر ۲۔ عتیق کا معنی معزز۔ اسی سے عتاق الخیل جوان گھوڑوں کو بولتے ہیں جو شاندار عمدہ ہوں اور عتاق الرقیق ان غلاموں کو کہتے ہیں جو غلامی سے نکل کر حریت کی عزت پائیں۔ نمبر ۳۔ یہ غرق سے بچا رہا کیونکہ زمانہ طوفان میں اس کو اٹھا لیا گیا۔ نمبر ۴۔ ظالموں کے ہاتھوں سے آزاد کیا ہوا ہے۔ کتنے ہی ظالم اس کو گرانے کیلئے چلے مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت فرمائی۔ نمبر ۵۔ حکمرانوں کے ہاتھوں سے آزاد ہے۔ کوئی اس کا مالک نہیں ہوا۔ یہ زمین والوں کیلئے طواف گاہ ہے جیسے کہ عرش اہل سماء کیلئے مطاف کی جگہ ہے۔

طالب صادق کو جب خوشی بھارتی اور طلب کی کششیں اپنی طرف کھینچتی ہیں تو وہ زمینی مسافتوں کو مرحلوں میں طے کرتا اور خطرناک راستوں کو عبور کرتا ہوا چلا آتا ہے۔ جونہی وہ بیت اللہ کو آنکھوں کے سامنے پاتا ہے اس کا شوق بڑی خوان بن جاتا ہے اور استلام حجر سے بھی اس کے دل کو تسلی نہیں ملتی بلکہ وہ چومتا ہے۔

چوں بری کوئے دلبر ☆ بسپار جان مضطر

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ

یہ بات ہو چکی اور جو شخص اللہ کی حرمات کی تعظیم کرے گا تو یہ اس کے رب کے نزدیک اس کے لئے بہتر ہے اور تمہارے لئے چوپائے حلال

الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا

کئے گئے سوائے ان کے جو تمہیں پڑھ کر سنا دیئے گئے ہیں، سو تم گندگی سے یعنی بتوں سے بچو اور جھوٹی

قَوْلَ الزُّوْرِ ۝ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۗ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا

بات سے بچو، اس طرح سے کہ اللہ کی طرف جھکے ہوئے ہوں، اس کے ساتھ شرک کرنے والے نہ ہوں، اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے سو اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ

خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝ ذٰلِكَ ۗ

آسمان سے گر پڑا پھر پرندوں نے اس کو اچک لیا یا اسے ہوا نے اڑا کر کسی دور جگہ جا کر پھینک دیا۔ یہ بات ہو چکی

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى

اور جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے سو یہ دلوں کے تقویٰ کی بات ہے۔ تمہارے لئے ان میں ایک مقررہ وقت تک

اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝

منافع ہیں پھر ان کا پہنچنا ہے بیت عتیق تک۔

کہ مبادا یار دیگر ☆ حاصل نہ شود ایں تمنا

جان کو قابو میں نہ پا کر دیوانہ وار اس کے گرد چکر لگاتا ہے۔ جیسے پیاسا پرندہ منڈلاتا ہے۔

طواف زیارت حج کے تین فرائض میں سے آخری فریضہ ہے۔

اوّل احرام:

یہ حقیقت میں معاہدۂ التزام ہے اور اسلام کے کڑے کو مضبوطی سے تھامنے کا نام ہے تاکہ حج کے ممنوعات کا ارتکاب کر کے اس کا انکار نہ کر بیٹھے اور اس کا عقد مفسدات و منافی کے ساتھ محض نام کا عقد نہ رہ جائے۔ جیسا کہ معاہدۂ اسلام کثرت گناہ سے ٹوٹتا نہیں اور ایک توبہ سے ایک ہزار گناہ اٹھ جاتے ہیں۔

دوسرا وقوف عرفات:

یہ درحقیقت گڑگڑانے اور رونے دھونے کا پہلا بہانہ ہے اور اپنے اعمال کے مراتب اور احوال کے مشاہدات پر بھروسے کی نفی اور دست برداری اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہی پر بھروسہ کا نام ہے۔

تعظیم حرمات:

۳۰: ذٰلِکَ نحو: یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ ای الامر ذلک یا تقدیر عبارت یہ ہے لیفعلوا ذلک۔

وَمَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰہِ (جو شخص اللہ تعالیٰ کے محترم احکام کی وقعت کرے گا) الحرمۃ جس کی بے عزتی کسی طور پر حلال نہ ہو۔ وہ تمام احکام حج وغیرہ جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دے رکھا وہ تمام اسی درجہ میں ہیں۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ تمام احکام تکلیفیہ مراد لئے جائیں۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ فقط احکام حج مراد ہوں۔ ایک قول یہ ہے حرمات اللہ سے بیت اللہ شریف، مزدلفہ، مشعر حرام، مکہ مکرمہ اور مسجد حرام مراد ہے۔

فَھُوَ (پس وہ) تعظیم خَیْرٌ لَّہٗ عِنْدَ رَبِّہٖ (بہت بہتر ہے اس کے رب کے ہاں) اور تعظیم کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ جانتا ہو کہ ان کی رعایت لازم ہے۔ اور ان کی حفاظت اور نگہبانی کرنا ضروری ہے۔ وَاُحِلَّتْ لَکُمُ الْاَنْعَامُ (تمہارے لئے چوپائے حلال کئے گئے) یعنی ان کا کھانا اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ (مگر وہ جو تم پر پڑھا جائے گا) یہ آیت تحریم مراد ہے حرمت علیکم المیتۃ [المائدۃ: ۳]

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمام چوپاؤں کو حلال کیا سوائے ان کے جن کے متعلق اس نے اپنی کتاب میں وضاحت کر دی۔ پس تم اس کے حدود کا لحاظ کرو۔ اور اس کی حلال کردہ اشیاء میں سے کسی چیز کو حرام مت کرو۔ جیسا کہ بعض لوگوں نے بحیرہ، سائبہ وغیرہ حرام رکھے تھے اور جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ان کو حلال مت کرو جیسا کہ بعض مردار اور موقوذہ وغیرہ کھا لیتے تھے۔ جب اپنی حرمات کی تعظیم پر آمادہ کیا تو اس کے مابعد بتوں کی گندگی سے پرہیز کرنے اور جھوٹ سے بچنے کی تعلیم دی۔ چنانچہ فرمایا: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (تم بتوں کی گندگی سے پرہیز کرو اور جھوٹی بات سے پرہیز کرو) کیونکہ یہ عظیم ترین حرمات میں سے ہے اور ان میں سب سے بڑھ کر ہے۔

نحو: من الاوثان یہ الرجس کا بیان ہے کیونکہ الرجس مبہم ہے اور اشیاء کو بھی شامل ہے گویا اس طرح فرمایا فاجتنبوا الذی ھو الاوثان۔ تم اس گندگی سے بچو جو کہ خود بت ہیں۔ اوثان کو رجس بطور تشبیہ کے کہا یعنی تمہارے طبائع میں پلیدی سے نفرت پائی جاتی ہے پس تم پر لازم ہے کہ تم ان سے بھی نفرت کرو (کیونکہ وہ باطنی پلیدی ہے جو ظاہری پلیدی سے بڑھ کر ہے)

نکتہ: یہاں شرک اور جھوٹ کو ایک صف میں رکھ کر پیش کیا۔ اس سے کذب و بہتان مراد ہے یا جھوٹی گواہی۔ اور یہ الزور کا لفظ ازور یزور ازورار سے لیا گیا ہے جس کا معنی انحراف آتا ہے کیونکہ شرک بھی باب زور سے ہے کیونکہ مشرک کا خیال ہے کہ بت اس کی عبادت کا مستحق ہے اور یہ حق سے انحراف ہے۔

۳۱: حُنَفَآءَ لِلّٰہِ (اللہ تعالیٰ کیلئے دین کو خالص رکھنے والے) مسلمان ہو کر غَیْرَ مُشْرِکِیْنَ بِہٖ (اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے نہ ہو)

نحو: یہ حنفاء کی طرح حال ہے۔

شرک و مشرک کی تشبیہ:

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ (جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کر لیا گویا وہ گر پڑا) خَرَّ کا معنی سقط آتا ہے مِنَ السَّمَآءِ (آسمان سے) زمین کی طرف فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ (پھر پرندے اس کی بوٹیاں نوچ لیتے ہیں) خطف جھپٹ لینے کو کہتے ہیں جلدی سے چھیننا۔

قراءت: مدنی نے فتخطفہ پڑھا ہے۔

اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ (یا ہوا اس کو پھینک دے) گرا دے الھوی السقوط کرنا۔ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ (دور جگہ میں) سحیق بعید کے معنی میں آتا ہے۔ ایک قول یہ بھی درست ہے کہ یہ تشبیہ مرکب ہو اور یہ بھی درست ہے کہ تشبیہ متفرق ہو اگر تشبیہ مرکب مانیں تو تقدیر کلام اس طرح بنے گی۔ من اشرك بالله فقد اهلك نفسه اهلاكا ليس بعده بان صور حاله بصورة حال من خر من السماء فاختطفته الطير فتفرق قطعا في حواصلها او عصفت به الريح حتى هوت به في بعض المطارح البعيدة۔ جس نے شرک کیا اس نے تو اپنے آپ کو بالکل ہلاک ہی کر ڈالا۔ کہ جس کے بعد اب ساری صورت حال کو ایسے آدمی کی حالت سے تشبیہ دی جا سکتی ہے کہ جو آسمان سے گرا اس گھڑی اس کو پرندوں نے اچک لیا پس وہ ان کے حواصل میں ٹکڑے ہو کر پہنچ گیا۔

تشبیہ مفرق:

مانیں تو ایمان کو بلندی میں آسمان سے تشبیہ دی اور شرک کرنے والے کو آسمان سے گرنے والے سے تشبیہ دی۔ ردی خواہشات کو مردار خور پرندوں سے۔ شیطان کو جو اس کو گمراہی میں ڈالتا ہے اس ہوا سے تشبیہ دی جو تیز چل کر ہر سامنے آنے والی چیز کو اٹھا کر ہلاکت کی گہری کھڈوں میں ڈال دے۔

۳۲: ذٰلِكَ ای الامر ذلك (معاملہ یہی ہے) وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ (کہ جو آدمی دین خداوندی کی ان یادگاروں کا پورا ادب کرتا ہے) تعظیم شعائر سے حج کے نشانات جیسے ہدایا وغیرہ مراد ہیں۔ ان کے متعلق خوب موٹا تازہ، بیش قیمت، خوبصورت خریدنے کا حکم دیا۔ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے) یعنی شعائر کی تعظیم ان آدمیوں کے افعال میں سے ہے جو دلوں میں تقویٰ رکھتے ہیں تقدیر عبارت یہ ہے: فان تعظیمها من افعال ذوی تقوی القلوب یہ تمام مضاف حذف کر کے فقط دلوں کا ذکر کر دیا کیونکہ وہ تقویٰ کے مراکز ہیں۔

۳۳: لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ (اور تمہارے لیے ان میں منافع ہیں) مثلاً ضرورت کے وقت سواری، ضرورت کے وقت دودھ کا استعمال اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى (ایک مقررہ وقت تک) ذبح ہونے تک ثُمَّ مَحِلُّهَآ (پھر ان کا مقام ذبح) پھر ان کی قربانی کے واجب ہونے کا وقت ختم ہونے والا ہے۔ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ (قدیم گھر کی طرف) اس سے مراد اس کا ذبح کی حدود حرم میں ہے جس کا حکم بیت اللہ والا ہے کیونکہ حرم تو بیت اللہ کے حریم ہی کو کہا جاتا ہے جیسا کہ محاورہ میں کہتے ہیں بلغت البلد جاننا کہ تم تو اس کی حدود تک پہنچے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ

اور ہر امت کے لئے ہم نے قربانی کرنا مقرر کر دیا تھا تاکہ وہ ان چوپایوں پر جو اللہ نے انہیں عطا فرمائے ہیں اللہ کا نام ذکر

الْأَنْعَامِ ۗ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ﴿٣٤﴾ الَّذِينَ

کریں، سو تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے سو اسی کے فرمانبردار رہو اور عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے جن کا یہ حال ہے

إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي

کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور وہ مصیبتوں پر صبر کرنے والے ہیں اور نماز کو قائم

الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٣٥﴾

کرنے والے ہیں اور ہم نے جو ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

دوسرا قول: الشعائر سے تمام مناسک حج مراد ہیں۔ اور ان کی تعظیم سے مراد ان کی تکمیل ہے۔ مگر مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ اس مفہوم کا انکار کرتا ہے۔

ہم نے منسک بنایا:

۳۴: وَلِكُلِّ أُمَّةٍ (اور ہر ایک امت کیلئے) ایک جماعت مؤمنہ جو تم سے پہلے ہوئے۔ جَعَلْنَا مَنسَكًا (ہم نے ایک منسک بنایا)۔ قراءت: مَنسِكًا جہاں بھی آئے وہاں سین کے کسرہ کے ساتھ آئے گا۔ معنی موضع ہوگا۔ علی حمزہ نے اسی طرح پڑھا ہے۔ یعنی قربانی کی جگہ اور دیگر نے مصدر کے طور سے مفتوح پڑھا منسکًا خون بہانا۔ قربانی کو ذبح کرنا۔ لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ (تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کا نام لیں) اور کسی کا نہ لیں۔ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ (جو چوپائے اللہ تعالیٰ نے ان کو عنایت فرمائے ہیں) ذبح اور نحر کرنے کے وقت فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ (پس تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے) ذبح کے وقت فقط اللہ تعالیٰ ہی کا نام لیا کرو۔ اس لئے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔

مسئلہ: اس میں دلیل ہے کہ ذبیحہ پر بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لینا شرط ذبح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر امت کیلئے یہ مقرر فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کیلئے قربانی کریں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے تقرب کیلئے ذبح کریں اور اس میں علت ذبح قربانی کی اس کے نام لینے کو قرار دیا اللہ تعالیٰ کے نام کتنے مقدس ہیں۔ فَلَهُ أَسْلِمُوا (اور اسی کی فرمانبرداری اختیار کرو) اس کا خاص ذکر کرو اور اس ذکر کو ملاوٹ سے بچا کر رکھو۔ شراکت کی ملاوٹ اس میں نہ ملاؤ۔

مخبت کون؟

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ (اور تم خشوع و خضوع برتنے والوں کو خوشخبری دے دو) الْمُخْبِتِينَ اللہ تعالیٰ کی یاد سے مطمئن ہونے والے تواضع اور

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا

اور قربانی کے اونٹ اور گائے کو بھی ہم نے تمہارے لئے خدا کے شعائر میں سے بنایا ہے تمہارے لئے ان میں فائدہ ہے سو تم ان پر

اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ

اللہ کا نام لو جب وہ قطار میں کھڑے ہوں۔ سو جب وہ اپنی کروٹوں پر گر پڑیں تو ان میں سے کھاؤ اور جو صبر کئے بیٹھے ہوں اور جو سوال کرتا ہو

وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ

اس کو کھلاؤ۔ اسی طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے لئے مسخر کیا ہے تاکہ تم شکر کرو۔ خدا کو ہرگز نہیں پہنچتے

لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ

ان کے گوشت اور ان کے خون، لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اسی طرح اس نے ان کو تمہارے لئے مسخر کیا

لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۗ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ

تاکہ تم اس بات پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت دی۔ اور نیک کام کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۝

بلاشبہ اللہ ایمان والوں سے دفع فرماتا ہے، بلاشبہ اللہ کسی بھی خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں فرماتا۔

خشوع کرنے والے یہ الخبت سے نکلا ہے یعنی نرم زمین۔

قول ابن عباس رضی اللہ عنہما وہ جو فخر نہیں کرتے جب ان پر ظلم کیا جائے تو بدلہ نہیں لیتے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کی تفسیر بعد والی آیت میں ہے۔

۳۵: الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (وہ لوگ کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ان کے دل نرم پڑ جاتے ہیں) ہیبت کی وجہ سے دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ (اور وہ صبر کرنے والے ہیں ان تکالیف پر جو ان کو پہنچتی ہیں) مصائب و مشقتیں وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ (اور وہ نمازوں کو قائم کرنے والے ہیں) ان کے اوقات پر وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (اور جو رزق ہم نے دیا اس میں وہ خرچ کرتے ہیں) صدقہ کرتے ہیں۔

۳۶: وَالْبُدْنَ (اور قربانی کے جانور) یہ جمع بدنۃ کی ہے اس کو بڑی جسامت کی وجہ سے بدنہ کہتے ہیں شرعاً یہ اونٹ اور گائے ہر دو کو شامل ہے۔

قراءت: رفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اور وہ اس ارشاد کی طرح ہے والقمر قدرنٰه [یٰس:۳۹]

جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ (ہم نے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے دین کے خاص نشانات میں سے بنایا ہے) اللہ تعالیٰ کی شریعت کے نشانات میں سے۔

شعائر اسم شئی کی طرف اضافت اس کی تعظیم و تکریم کیلئے۔ یہ اوپر جعلنا کا مفعول ثانی ہے۔ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ (تمہارے لئے اس میں خیر ہے) دنیا میں فوائد اور آخرت میں اجر۔ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا (پس تم ان پر اللہ تعالیٰ کا نام لو) ذبح کرتے وقت صَوَآفَّ (جبکہ وہ صف بستہ ہوں) یہ ضمیر سے حال ہے ای قائمات قد صففن ایدیهن و ارجلهن اس حال میں کہ کھڑے ہو کر صف میں ان کے اگلے اور پچھلے پاؤں باندھ دیئے گئے ہوں۔ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا (جب ان کے پہلو زمین پر گر پڑیں) اور وجوب الجنوب زمین پر گرنے کو کہتے ہیں۔ یہ وجب الحائط وجبة سے لیا گیا ہے جبکہ وہ گر جائے۔ جنوب کا گرنا بعد ان کے چھوڑ دینے پر آتا ہے اور حرکت ختم ہو جانے سے۔ فَكُلُوْا مِنْهَا (پس تم ان میں سے کھاؤ) اگر تم چاہو۔ وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ (اور قناعت کرنے والے سائل کو کھلاؤ) مراد سائل ہے یہ قنعت الیہ جب کہ عاجزی کی جائے اور سوال کیا جائے۔ تو قانع سوال کرتا۔ وَالْمُعْتَرَّ (اور سوال کرنے والے کو) جو اپنا آپ تمہارے سامنے ظاہر کرے در سامنے تو آئے مگر سوال نہ کرے۔ ایک قول یہ ہے جو کچھ اس کے پاس ہو اس پر راضی و خوش ہو۔ اور جو بلا سوال مل جائے اس پر اکتفاء کرے۔ یہ قنعت قنعًا و قناعةً سے ماخوذ ہے اور المعتر جو سوال کیلئے دست درازی کرے۔

كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ (اسی طرح ہم نے ان کو تمہارے قابو میں دے دیا) جیسا کہ ہم نے ان کے ذبح کا حکم دیا اسی طرح ان کو تمہارے قابو میں دیا۔ نمبر۲۔ یہ ذلك ومن یعظم [الحج: ۳۰] کی طرح ہے پھر مستانفاً فرمایا سخرنٰها لكم یعنی ان کے عظیم الجثہ اور طاقتور ہونے کے باوجود ان کو تمہارے تابع کر دیا ہے۔ تاکہ تمہیں ان کے ذبح پر قدرت حاصل ہو۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (تاکہ تم شکر ادا کرو) تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے انعامات جو تم پر کئے گئے ہیں شکریہ ادا کرو۔

فلسفۂ قربانی:

۳۷: لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (ہرگز اللہ تعالیٰ کو قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے) نمبر۱۔ اللہ تعالیٰ گوشت و خون کو قبول نہیں کرتے بلکہ تقویٰ قبول کرتے ہیں۔ نمبر۲۔ صدقے کے گوشت اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو نہیں پہنچتے۔ اور نہ ہی ذبح کے ذریعہ بہائے ہوئے خون۔ مراد یہ ہے کہ گوشت و خون والے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو گوشت و خون سے راضی نہیں کر سکتے جب تک وہ نیت کی نگہبانی اور اخلاص اور تقویٰ کی دیگر شروط کا لحاظ کریں۔

ایک قول یہ ہے جب اہل جاہلیت اونٹوں کو ذبح کرتے تو خون بیت اللہ کے گرد اگرد چھڑکتے اور خون اس کی دیواروں پر لگاتے۔ جب مسلمانوں نے حج کیا تو اس کا ارادہ کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ (اسی طرح ہم نے ان کو تمہارے قابو میں دے دیا) یعنی قربانی کے اونٹوں کو لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ (تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو) ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لو۔ نمبر۲۔ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرو۔ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ (جیسا اس نے تمہیں توفیق دی) اس کی طرح کہ شکر کرنا سکھا دیا۔ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ (اور مخلصوں کو خوشخبری دے دو) ثواب کے ساتھ

رب کے احکام کی تعمیل کرنے والے۔

مدافعت کا وعدہ:

۳۸: اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہٹا دے گا۔)

قراءت: مکی و بصری نے یَدْفَعُ پڑھا اور دیگر نے یدافع پڑھا۔ جس کا معنی مدافعت میں مبالغہ کرے گا۔

عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (ایمان والوں سے) یعنی مسلمانوں سے کفار کی دغابازی کو اور اس کی مثل دوسری آیت ہے انا لننصر رسلنا والذین امنوا [غافر: ۵۱] پھر اس ارشاد میں اس کی تعلیل بیان فرمائی۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ (بیشک اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتے ہر دغاباز) جو اللہ تعالیٰ کی امانت میں خیانت کرنے والا ہو۔ كَفُوْرٍ (ناشکر گزار) اللہ تعالیٰ کے انعامات کا کیونکہ وہ ان کے مخالف کو پسند نہیں کرتا اور وہ خائن کفار ہیں جو اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت برتنے والے اور اپنی امانت میں خیانت کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے منکر اور ناقدری کرنے والے ہیں۔

۳۹: اُذِنَ (ان لوگوں کو اجازت دے دی گئی)

قراءت: مدنی، بصری، عاصم کی قراءت میں اسی طرح پڑھا گیا ہے۔

لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ (ان لوگوں کو جن سے لڑائی کی جاتی ہے)۔

اجازتِ قتال اور اس کے اسباب:

قراءت: تاء کے فتحہ کے ساتھ مدنی، شامی، حفص نے پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہے ان کو لڑائی کی اجازت دے دی گئی۔ جس کی اجازت دی اس کو حذف کر دیا کیونکہ یقاتلون اس پر دلالت کر رہا ہے۔

بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا (اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا) ان کے مظلوم ہونے کی وجہ سے اور اس سے مراد اصحاب رسول ﷺ ہیں۔ مشرکین ان کو بڑی ایذائیں دیتے تھے۔ وہ رسول ﷺ کی خدمت میں مضروب، زخمی سر، مظلومیت کی فریاد کرتے ہوئے آتے۔ آپ ﷺ ان کو تسلی دیتے اور یہ فرماتے صبر کرو۔

ابھی تک مجھے قتال کی اجازت نہیں ملی۔ یہاں تک کہ ہجرت کا حکم ہوا۔ پھر یہ آیت اتری۔ یہ سب سے پہلی آیت ہے جس میں قتال کی اجازت مرحمت فرمائی گئی اس سے پہلے ستر سے زائد آیات میں ممانعت کی گئی تھی۔ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ (اور بے شک اللہ تعالیٰ کو ان کی مدد پر قدرت حاصل ہے) ایمان والوں کی مدد پر لَقَدِیْرٌ (البتہ قدرت والے ہیں) قادر مطلق ہیں۔ اس میں ایمان والوں کی نصرت و مدد کی بشارت دی گئی ہے اور یہ اس ارشاد کی طرح ہے۔ ان اللہ یدافع عن الذین امنوا [الحج: ۳۸]

۴۰: اَلَّذِیْنَ (وہ لوگ)

نحو: یہ محل جر میں للذین سے بدل ہے۔ نمبر ۲۔ اعنی کی وجہ سے منصوب ہے۔ نمبر ۳۔ ھم مضمر کی وجہ سے مرفوع ہے۔

اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ (جن کو ان کے گھروں سے نکالا گیا) مکہ سے بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ (ناحق محض اس کے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے) یعنی اور کوئی وجہ نہیں سوائے توحید کے جو کہ اس لائق ہے کہ ان کو ٹھکانہ دیا جائے نہ کہ ان کو نکال باہر کیا جائے۔ اور دوسری آیت اسی کی مثل ہے۔ ھل تنقمون منا الا ان امنا باللہ [المائدہ: ۵۹]

نحو: ان یقولوا محلاً مجرور ہے کیونکہ حق سے بدل ہے مطلب یہ ہے ان کو ان کی بات کی وجہ سے گھروں سے نکالا گیا ہے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ (اگر اللہ تعالیٰ بعض کو دفع نہ کرتا)

قراءت: مدنی، یعقوب نے دفاع پڑھا ہے۔

النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ (بعض سے تو گرا دیئے جاتے)

قراءت: حجازی قراء نے هُدِمَتْ تخفیف دال سے پڑھا ہے۔

صَوَامِعُ وَّبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ (راہبوں کی خانقاہیں اور گرجے اور یہود کے عبادت خانے اور مسجدیں) یعنی اگر تسلیط مسلمین کو دیر جہاد کے ذریعہ نہ کیا جاتا تو مشرکین مختلف ادیان والے اپنے اپنے زمانہ میں عبادت گاہوں پر غلبہ پا کر ان کو گرا دیتے اور نہ کوئی نصرانی گرجا بچتا اور نہ ان کے درویشوں کے معبد باقی رہتے اور نہ ہی یہود کے کنیسے باقی رہتے اور نہ مسلمانوں کی مسجدیں بچتے بلکہ سب کو زمین بوس کر کے مٹا دیا جاتا۔

الکنیسہ کو صلاۃ کہا کیونکہ اس میں نماز پڑھی جاتی ہے۔ اور مسلمانوں کی مساجد قائم رہتی ہیں۔ نمبر۲۔ امت محمدیہ ﷺ میں مشرکین کو مسلمانوں پر غلبہ ملے گا زمانہ اہل کتاب پر بھی جو ان کی ذمہ داری میں ہیں۔ اور فریقین کے عبادت خانے گرا دئے جائیں گے۔ (یہ گویا لف نشر مشوش ہے) غیر مساجد کو مساجد سے مقدم اس لئے کیا گیا کیونکہ ان کا زمانہ مقدم تھا نمبر۲۔ ان کا گرایا جانے کا زمانہ قریب تھا۔

يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا (ان میں اللہ تعالیٰ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے) مساجد کی خبر۔ نمبر۲۔ تمام میں یعنی اپنے اپنے زمانہ میں جبکہ صحیح تعلیمات ان کے ہاں تھیں (اور اب تو اللہ تعالیٰ کے ذکر و نام کی کوئی چیز وہاں نہیں) وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ (ضرور اللہ تعالیٰ ان کی امداد کریں گے جو اس کی مدد کرتے ہیں) جو اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے فرمانبرداروں کی مدد کرنے والے ہیں۔ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ (بیشک اللہ تعالیٰ طاقت ور ہیں) اپنے اولیاء کی مدد پر عَزِيزٌ (زبردست ہیں) اپنے دشمنوں سے انتقام کے سلسلہ میں۔

مہاجرین کو اقتصادی خوشخبری:

۴۱: الَّذِينَ یہ من ینصرہ سے بدل ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ نمبر۲۔ للذین اخرجوا کا تابع ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (وہ کہ جب ہم ان کو زمین میں اقتدار عطا کریں گے تو نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے) اس آیت میں مہاجرین کے متعلق خبر دی کہ عنقریب ہم ان کو اقتدار دیں گے تو ان سے یہ امور واقع پذیر ہوں گے۔ اور ان کے لئے دنیا کے خزانے کھول دیئے جائیں گے اور وہ دین کے امور کو مکمل کیفیت سے انجام دیں گے۔

خلفائے راشدین کی خلافت کی حقانیت کی یہ دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمکین فی الارض عنایت فرمائی اور انہوں نے دین کو سیرت عادلہ کے ساتھ نافذ کیا۔ قول حسن رحمۃ اللہ علیہ: اس سے مراد امت محمد ﷺ ہے۔ (ظاہر یہی معنی ہے کیونکہ جو مقدمہ امت ہیں وہ اس کے اولین مصداق ہیں۔ مترجم) وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ (اور تمام امور کا نتیجہ اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے) اس کے حکم کی طرف لوٹتا ہے اور اسی کی تقدیر پر اختتام پذیر ہوتا ہے اولیاء کو غلبہ دینے اور ان کی بات کے بلند کرنے کی تاکید مزید ہے۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ۝ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ

اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ابراہیم کی قوم

وَقَوْمُ لُوْطٍ ۝ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ

اور لوط کی قوم اور مدین والے جھٹلا چکے ہیں اور موسیٰ کو جھٹلایا گیا سو میں نے کافروں کو مہلت دی پھر میں نے انہیں پکڑ لیا۔

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى

سو کیسا تھا میرا عذاب، سو کتنی ہی بستیاں تھیں جن کو ہم نے ہلاک کیا جو ظلم کرنے والی تھیں سو وہ اپنی چھتوں پر گری

عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ۝ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ

پڑی ہیں اور کتنے ہی کنویں ہیں جو بیکار ہیں اور کتنے ہی محل ہیں جو مضبوط بنائے ہوئے تھے۔ کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلے پھرے تاکہ ان کے

قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ

ایسے دل ہوتے جن کے ذریعہ سمجھتے اور ایسے کان ہوتے جن کے ذریعہ سنتے سو بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں لیکن

تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ

دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔ اور وہ آپ سے جلد عذاب طلب کرنے کا تقاضا کرتے ہیں اور اللہ ہرگز اپنے

اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۚ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ

وعدہ کے خلاف نہ فرمائے گا۔ اور بلاشبہ آپ کے رب کے نزدیک ایک دن ایسا ہے جیسا تم لوگوں کے شمار کے مطابق ایک ہزار سال ہوں۔ اور کتنی ہی

قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝

بستیاں تھیں جن کو میں نے مہلت دی اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والی تھیں پھر میں نے انہیں پکڑ لیا اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

۴۲: وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ (اور اگر وہ آپ کو جھٹلا دیں) اس میں آنحضرت ﷺ کو قریش مکہ کی مسلسل تکذیب پر تسلی دی گئی کہ آپ تکذیب میں اکیلے نہیں ہیں۔ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ (پس جھٹلایا ان سے قبل) قریش مکہ سے قبل قَوْمُ نُوْحٍ (قوم نوح نے) نوح علیہ السلام کو وَّعَادٌ (قوم عاد نے) ہود علیہ السلام کو وَّثَمُوْدُ (اور قوم ثمود نے) صالح علیہ السلام کو۔

سابقہ اقوام کے حالات سے عبرت پکڑو:

۴۳: وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ (اور قوم ابراہیم علیہ السلام نے) ابراہیم علیہ السلام کو وَقَوْمُ لُوْطٍ (اور قوم لوط نے) لوط علیہ السلام کو

۴۴: وَّ اَصْحٰبُ مَدْيَنَ (اور اصحاب مدین نے) شعیب علیہ السلام کو وَ كُذِّبَ مُوْسٰى (اور موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا گیا) ان کو فرعون اور قبطیوں نے جھٹلایا۔

سوال : یہاں قوم موسیٰ نہیں کہا؟

جواب : کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم بنی اسرائیل نے نہیں جھٹلایا قوم کے علاوہ دیگر قوم نے جھٹلایا۔ نمبر۲۔ گویا ہر قوم کی طرف سے تکذیب رسل کو ذکر کر کے فرمایا و کذب موسیٰ ایضا مع وضوح اٰیاتہ واضح آیات کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا گیا۔ اور ان کے معجزات ظاہر ہو چکے مگر وہ جھٹلانے سے باز نہ رہے۔ پس اور کے متعلق کیا کہو گے؟ خود سوچ لو۔ فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ (پس میں نے کفار کو مہلت دی) ان کی سزا کو مؤخر کیا اور ان کو مہلت دی۔ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ (پھر میں نے ان کو پکڑا) ان کے کفر پر ان کو سزا دی فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ (پس میرا انکار کیسا رہا) یعنی میرا انکار اور میری تبدیلی جبکہ میں نے انعامات کی جگہ عذاب اتارے اور دنیا کی زندگی میں ہلاکت دی اور آبادی کی جگہ بربادی بدل دی۔

قراءت : یعقوب نے وصل و وقف میں یاء کے ساتھ نکیری پڑھا ہے۔

۴۵: فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا (بہت سی بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا)

قراءت : بصری نے اهلكتها پڑھا ہے۔

وَهِيَ ظَالِمَةٌ (کیونکہ وہ ظالم تھیں)

نحو : یہ حال ہے یعنی ان بستیوں والے مشرک تھے۔ فَهِيَ خَاوِيَةٌ (پس وہ گرنے والی ہیں) یہ خوی النجم سے بنا ہے جبکہ ستارہ گرے۔ عَلٰى عُرُوْشِهَا (اپنے چھتوں پر) یہ خاویۃ کے متعلق ہے مطلب یہ ہے وہ اپنی چھتوں پر گرنے والی ہیں۔ یعنی ان کی چھتیں زمین بوس ہو گئیں پھر دیواریں گریں اور وہ چھتوں پر جا پڑیں۔

نحو : فهی خاویۃ اس کا کوئی محل اعراب نہیں کیونکہ اس کا عطف اهلكناها پر ہے اور یہ ایسا فعل ہے جس کا کوئی محل اعراب نہیں ہوتا۔ یہ ترکیب اس وقت ہے جبکہ كَاَيِّنْ کو محلا منصوب مانیں اور تقدیری عبارت یہ ہو۔ کثیرا من القریۃ اهلکناها۔ بہت سی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔

وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ (اور بیکار کنوئیں) ڈول و رسی نہ ڈالنے کی وجہ سے متروک ہو چکے اور ان کی مرمت وغیرہ ترک کر دی گئی۔ نمبر۲۔ ان میں پانی موجود اور آلات سقایہ بھی موجود ہیں مگر وہ معطل ہو چکے ان کو اس لئے چھوڑ دیا گیا کہ ان کے آباد کار ہلاک ہو چکے۔ وَقَصْرٍ مَّشِيْدٍ (اور مضبوط محلات) جو رنگ اور شید چونے کو کہتے ہیں۔ نمبر۲۔ ان کی عمارات بلند ہوں۔ اس صورت میں یہ شاد البناء اور رفعہ اس نے عمارت کو بلند کیا سے لیا جائے گا۔ مطلب یہ ہے ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا اور کتنے کنوئیں بےکار کر دیے گئے اور کتنے مضبوط محلات ہیں جن کو ان کے باسیوں سے ہم نے خالی کروا لیا۔ یعنی ہم نے ہلاکت میں شہری و دیہاتی کسی کو نہ چھوڑا اہل محلات اپنے مکانات سے خالی اور کنوئیں اپنے گھاٹ پر اترنے والوں سے خالی ہو گئے۔

قول بعض : یہاں قصر و بئر سے عام مراد لیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ کسی تخصیص کی چنداں حاجت نہیں۔

۴۶: اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ (کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں) اس میں سفر پر آمادہ کیا گیا تا کہ ان لوگوں کے بچھڑنے کے مقامات ملاحظہ ہوں جن کو کفر باللہ کی پاداش میں ہلاک کر دیا گیا اور یہ لوگ ان آثار کا مشاہدہ کر کے عبرت حاصل کریں۔ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا (پس ان کے دل ایسے ہوتے جن سے وہ ان امور کو سمجھتے یا ان کے کان ہوتے جن سے وہ سنتے) یعنی ان باتوں کو سمجھتے جن کو توحید وغیرہ میں سے سمجھنا ضروری ہے اور ان باتوں کو سنتے جن کا وحی میں سے سننا لازم ہے۔ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ (وہ آنکھوں کے اندھے نہیں بلکہ وہ دل کے نابینا ہیں جو ان کے سینوں میں ہیں)

نحو: فانها میں ھا ضمیر قصہ ہے یا یہ ضمیر مبہم ہے جس کی تفسیر الابصار ہے۔ یعنی ما عميت ابصارهم عن الاعتبار بل قلوبهم عن الاعتبار۔ ان کی صرف آنکھیں ہی اندھی نہیں بلکہ ان کے دل بصیرت سے خالی ہیں۔ ہر انسان کی چار آنکھیں ہیں۔ نمبر ۱۔ دو آنکھیں اس کے سر میں اور دو آنکھیں اس کے دل میں۔ جب وہ دل کی آنکھ سے دیکھے اور سر والی آنکھ سے نہیں دیکھتا تو اس کو نقصان نہیں پہنچتا اور اگر سر والی آنکھ سے دیکھتا اور دل والی آنکھ سے نہیں دیکھتا تو اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

صدور کا ذکر اس بات کی وضاحت کیلئے ہے کہ علم کا محل قلب ہے اور تا کہ یہ نہ کہا جائے کہ اس دل سے مراد اور کوئی عضو ہے جیسا کہتے ہیں القلب لب کل شیء۔

۴۷: وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ (وہ آپ سے اس عذاب کا نزول جلد مانگتے ہیں) استہزاء کے طور پر موعود عذاب کو جلدی طلب کرتے ہیں۔ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ (حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہ فرمائیں گے) گویا اس طرح فرمایا: لم يستعجلونك به؟ وہ آپ سے کیونکر جلد آنے کا مطالبہ کرتے ہیں؟ گویا وہ اس عذاب کے فوت ہونے کے قائل نہیں اور یہ بات تو اس کے متعلق جائز ہو سکتی تھی جو میعاد کی خلاف ورزی کرنے والا ہو حالانکہ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ (حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی ہرگز خلاف ورزی نہ فرمائیں گے) اور وہ عذاب جس کا اس نے ان سے وعدہ فرمایا وہ ضرور ان کو پہنچے گا خواہ کچھ وقت کے بعد ہی آ جائے۔

وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (اور بیشک ایک دن تیرے رب کے ہاں ایک ہزار سال کی طرح ہے تمہاری گنتی کے مطابق)

قراءت: مکی و کوفی سوائے عاصم کے یعدون پڑھتے ہیں۔ یعنی وہ عذاب کس طرح جلد طلب کرتے ہیں۔ جس ذات کے ہاں دن ایام عذاب میں سے تمہارے سالوں کی گنتی کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہے کیونکہ تکالیف کے ایام طویل ہوا کرتے ہیں۔

۴۸: وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ (اور بہت سی بستیوں والوں کو میں نے مہلت دی اور وہ بے جا حرکات کرنے والے تھے) یعنی بہت سے بستیوں والے ایسے گزرے ہیں جو تمہاری طرح ظلم کرنے والے تھے میں نے ان کو ایک وقت تک مہلت دی۔ ثُمَّ اَخَذْتُهَا (پھر میں نے ان کو عذاب کے ساتھ پکڑا) وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ (اور میرے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے) یعنی لوٹنا

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ

اور آپ سے پہلے ہم نے کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس کو یہ قصہ پیش نہ آیا ہو کہ جب اس نے پڑھا تو شیطان نے اس کے پڑھنے میں شبہ ڈالا

اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

پھر اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ختم کر دیتا ہے پھر اپنی آیات کو محکم کر دیتا ہے اور اللہ علیم ہے

حَكِيْمٌ ۝ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

حکیم ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو ان لوگوں کے لئے آزمائش بنا دے جن کے دلوں میں مرض ہے

وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۝ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ

اور جن کے دل سخت ہیں۔ اور یہ ظلم کرنے والے بڑی مخالفت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور تاکہ وہ لوگ زیادہ یقین کریں

اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۗ

جنہیں علم دیا گیا ہے کہ بے شک وہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے۔ پھر ایمان پر زیادہ قائم ہو جائیں پھر ان کے دل اس کی طرف اور بھی جھک جائیں

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ

اور بلاشبہ اللہ ایمان والوں کو صراط مستقیم کی ہدایت فرماتا ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ

مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ۝

ہمیشہ اس کی طرف سے شک میں رہیں گے یہاں تک کہ ان کے پاس اچانک قیامت آ جائے یا ان کے پاس کسی ایسے دن کا عذاب آ جائے جس میں کوئی خیر نہ ہو

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ

اس روز بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہوگی وہ ان کے درمیان فیصلے فرمائے گا۔ سو جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ نعمت کے

جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝

باغوں میں ہوں گے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

معانی میں حسن و تصنع کی خاطر بگاڑنے کیلئے دوڑ دھوپ کرتے ہیں کہ کبھی تو سحر کہتے ہیں اور کبھی شعر اور بار دیگر اساطیر کا نام دھرتے ہیں اور اپنے خیال میں اس انداز سے میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے ہیں۔ ان کی توقعات یہ ہیں کہ اسلام کے سلسلہ میں ان کی تدابیر کامیاب ہوں گی۔ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ (یہ لوگ جہنمی ہیں) یعنی آگ والے ہیں۔

تمنی قراءت کے معنی میں ہے:

۵۲: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ (اے محمد ﷺ ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا) مِن ابتدائے غایت کیلئے ہے۔ مِن رسول میں مِنْ زائدہ ہے۔ جو کہ نفی کیلئے بڑھا دیا گیا ہے۔ وَّلَا نَبِيٍّ (اور نہ کوئی نبی)

مسئلہ: یہ آیت رسول اور نبی کے معنی میں تغایر کی دلیل ہے۔ بخلاف ان حضرات کے جو ان کو ایک کہتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ سے انبیاء علیہم السلام کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ مائة الف واربعة عشرون الفا پھر سوال کیا گیا ان میں رسل کی تعداد کتنی ہے۔ آپ نے فرمایا ثلاث مائة وثلاثة عشر [رواہ احمد: ۲۶۶/۵۔ ابونعیم فی حلیہ ۱/۱۶۶]

دونوں میں فرق یہ ہے کہ رسول وہ ہے جس نے معجزہ اور کتاب منزل کو جمع کر لیا ہو۔ نبی وہ ہے جس پر کتاب نہ اترے۔ اس کو پہلی شریعت کی طرف دعوت دینے کا حکم ہو۔ ایک اور قول یہ ہے رسول شرع کا واضع ہوتا ہے اور نبی دوسری شریعت کا حافظ و نگران ہوتا ہے۔

اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى (مگر جب اس نے پڑھا) تمنی کا معنی قراءت حضرت حسان بن ثابت کے اس شعر میں ہے۔

تمنی کتاب اللّٰہ اول لیلۃ ☆ تمنی داود الزبور علی رسل

وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو شروع رات میں اس طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا ہے جیسے داؤد زبور کی تلاوت کرتے تھے۔

اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِىْٓ اُمْنِيَّتِهٖ (تو شیطان نے ان کے پڑھنے میں مداخلت کی) امنیہ سے تلاوت مراد ہے مفسرین کرام نے کہا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کو آواز دی تاکہ سورۃ نجم کی تلاوت ان کو سنائیں۔ جب آپ ومناۃ الثالثة الاخری پر پہنچے تو زبان پر جاری ہوا۔ تلك الغرانيق العلى۔ وان شفاعتهن لترتجى۔ مگر آپ کو معلوم نہ ہوا یہاں تک کہ عصمت نے آلیا اور اس پر متنبہ کیا۔

ایک قول یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو متنبہ کیا آپ کو اطلاع دی کہ یہ شیطان کی شرارت تھی۔ مگر یہ قول درست نہیں ہے اس لئے کہ وہ حال سے خالی نہیں۔ یا تو آپ نے جان بوجھ کر یہ کلام کیا ہو اور یہ ممکن نہیں کیونکہ یہ کفر ہے اور آپ کی بعثت بتوں کی مذمت کیلئے ہوئی تھی نہ کہ ان کی تعریف کرنے والا بنا کر بھیجا۔ نمبر۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ شیطان نے نبی اکرم ﷺ کی زبان پر جبرا جاری کر دیا ہو کہ آپ اس کو روک سکے ہوں اور یہ بھی ناممکن ہے شیطان جبرا کسی بات کو دوسرے کی زبان پر بھی جاری نہیں کر سکتا۔ ارشاد الٰہی ہے۔ ان عبادی لیس لك علیهم سلطان [الاسراء ۶۵] تو آپ ﷺ کے حق میں بدرجہ اولیٰ ممنوع ہے۔

نمبر۳۔ تیسری صورت آپ کی زبان پر بھول و غفلت سے جاری ہوئی ہو مگر یہ بھی مردود ہے کیونکہ اس قسم کی غفلت و بھول تبلیغ وحی کے موقع پر آپ کے متعلق جائز نہیں ہے اگر اس کو جائز قرار دے دیا جائے تو آپ کی بات پر اعتماد باطل ہو جاتا ہے۔ اور اس وجہ سے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے متعلق خود فرمایا لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه [فصلت ۴۲] اور فرمایا انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون [الحجر ۹]

جب یہ تمام وجوہ باطل ٹھہریں تو اب ایک صورت صرف باقی رہ گئی وہ یہ کہ آپ ﷺ ومناۃ الثالثۃ الاخریٰ کہہ کر خاموش ہو گئے تو شیطان نے یہ کلمات نبی اکرم ﷺ کی قراءت سے متصلاً آواز ملا کر کہہ دیئے تو بعض کے خیال میں آیا کہ نبی اکرم ﷺ نے (نعوذ باللہ) یہ کلمات کہے ہیں۔ پس یہ القاء فی قراءۃ النبی ﷺ ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں شیطان کلام کرتا تھا اور اس کا کلام لوگ سنتے تھے روایت میں وارد ہے کہ شیطان نے احد کے دن آواز دی۔ الا ان محمدا قد قتل۔ اور اسی طرح بدر کے دن مشرکین کو سراقہ کی شکل میں تسلی دیتے ہوئے کہا۔ لا غالب لکم الیوم من الناس و انی جار لکم [الانفال ۴۸]

فَیَنْسَخُ اللّٰہُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ (اللہ تعالیٰ شیطان کے شبہات کو نابود کر دیتا ہے) ختم کر دیتا اور بے کار کر دیتا ہے اور اطلاع دے دیتا ہے یہ شیطان کی شرارت اور وسوسہ ہے۔ ثُمَّ یُحْکِمُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ (پھر آیات کو قائم رکھتا ہے) اور شیطان کی طرف سے اس میں اضافہ ہونے سے محفوظ رکھتا ہے۔ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ (اور اللہ تعالیٰ علم والے) جو ان سے اپنے پیغمبر ﷺ کو وحی ادا کی ہوتی ہے اور جو شیطان کا مقصود ہے۔ حَکِیْمٌ (حکمت والے ہیں) اس حقیقت کو منکشف کئے بغیر نہیں چھوڑتا۔ اور زائل کر کے ارادہ شیطانی کو ناکام بنا دیتا ہے۔ پھر ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی آزمائش و امتحان ہے فرمایا۔

۵۳: لِیَجْعَلَ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ فِتْنَۃً (تاکہ شیطان کے شبہات کو اللہ تعالیٰ آزمائش بنا دے) آزمائش و مصیبت لِّلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ (ان لوگوں کیلئے جن کے دلوں میں بیماری ہے) یعنی شک و نفاق ہے۔ وَّالْقَاسِیَۃِ قُلُوْبُھُمْ (اور جن کے دل سخت ہیں) یعنی مشرک اور مکذب لوگ مراد ہیں۔ اس سے ان کا شک اور ظلمت بڑھ جاتا ہے وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ (اور بلاشبہ ظالم) منافق و مشرک لوگ۔

نکتہ: یہ اصل میں وانھم تھا مگر ضمیر کی جگہ اسم ظاہر الظالمین لائے تاکہ ان کی ناحق کوشی کی صراحت ہو جائے اور ظالم ہونا پختہ ہو جائے لَفِیْ شِقَاقٍ (البتہ ضد میں ہیں) مخالفت بَعِیْدٍ (دور کی) جو حق سے بہت دور ہے۔

۵۴: وَّلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ (اور تاکہ علم والے جان لیں) جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے دین اور آیات کا علم ملا ہے۔ اَنَّہُ (کہ یہ) قرآن الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَیُؤْمِنُوْا بِہٖ (برحق ہے تیرے پروردگار کی طرف سے پس وہ اس قرآن پر یقین کریں) فَتُخْبِتَ (پس عاجزی کریں) مطمئن ہو جائیں۔ لَہٗ قُلُوْبُھُمْ وَاِنَّ اللّٰہَ لَھَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (اس کے لئے ان کے دل اور بیشک اللہ ایمان والوں کی راہنمائی کرنے والے ہیں سیدھے راستے کی طرف) پس وہ دین میں متشابہ آیات کی تاویلات صحیح کرتے ہیں اور جو ان پر اشکال پیدا کرے۔ اس کا صحیح محل تلاش کرتے ہیں۔ جس کا تقاضہ محکمات کے اصول کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کو کوئی حیرت بھی نہیں آتی اور نہ ان کو کوئی اشتباہ پیش آتا ہے۔

کفار کی ضد بازی:

۵۵: وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ مِرْیَۃٍ (اور کافر ہمیشہ شک میں پڑے رہیں گے) مِّنْہُ (اس کے متعلق) قرآن مجید کے متعلق یا صراط مستقیم کے متعلق حَتّٰی تَاْتِیَھُمُ السَّاعَۃُ بَغْتَۃً (یہاں تک کہ قیامت ان کے پاس اچانک آن پہنچے) اَوْ یَاْتِیَھُمْ عَذَابُ یَوْمٍ عَقِیْمٍ (یا ان پر کسی بے برکت دن کا عذاب اتر پڑے) یعنی بدر کے دن۔ وہ عقیم اس لحاظ سے کہ کافروں کو اس میں کوئی

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا

اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر وہ قتل کیے گئے یا طبعی موت سے وفات پا گئے اللہ انہیں ضرور ضرور اچھا رزق عطا

حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ

فرمائے گا اور یہ بات یقینی ہے کہ اللہ خیر الرازقین ہے وہ انہیں ضرور ضرور ایسی جگہ میں داخل فرمائے گا جس سے وہ خوش ہوں گے

وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ

اور بلاشبہ اللہ خوب جاننے والا ہے بہت حلم والا ہے یہ بات یوں ہی ہوئی اور جو شخص اسی قدر بدلہ لے جس قدر اسے تکلیف پہنچائی گئی

ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝

پھر اس پر زیادتی کی جائے اللہ تعالیٰ ضرور ضرور اس کی مدد فرمائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا اور بخشنے والا ہے۔

کشادگی میسر نہیں ہوئی یا راحت نہیں پہنچی جیسا کہ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ سے کوئی خیر فصلوں اور انسان کو نہیں ملتی۔ نمبر ۳۔ عقیم کا معنی سخت دن تھا۔ اس میں رحمت نہ تھی۔ نمبر ۴۔ معاملے کی شدت کی وجہ سے وہ دن بے مثل تھا۔ چونکہ ملائکہ بھی قتال میں شریک تھے۔ قول ضحاک رحمۃ اللہ علیہ: اس سے قیامت کا دن مراد ہے اور الساعۃ سے اس صورت میں مقدمات قیامت مراد لیے جائیں گے۔

۵۶: اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ (بادشاہی اس دن) یعنی یوم سے قیامت کا دن مراد ہے اور تنوین اس کی جملہ کے عوض ہے اسی یوم يؤمنون يايوم تزول مريتهم اس دن یا ایمان لائیں گے یا اس دن ان کا شک دور ہوگا۔ لِلّٰهِ (اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہوگا۔) اس میں کوئی بھی مزاحمت کرنے والا نہ ہوگا۔ (ظاہر بادشاہتیں بھی نہ ہوں گی) يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ (وہ ان کے مابین فیصلے کرے گا) پھر ان میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اس ارشاد میں ذکر فرمایا فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ (پس وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالحہ کیے وہ نعمتوں والی جنتوں میں ہوں گے)

۵۷: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (اور وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا ان کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے۔)

ربط: پھر اللہ تعالیٰ نے فریقوں میں سے ایک فریق کو اپنے فضل سے خاص کیا اور فرمایا۔

بلامثال پیدا کرنے والا بلا ملال دے گا:

۵۸: وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی) وہ اپنے اوطان سے جہاد کرنے کیلئے نکلے ہیں۔ ثُمَّ قُتِلُوْٓا (پھر وہ قتل کردیے گئے) جہاد میں۔

قراءت: شامی نے قُتِّلُوْا پڑھا ہے۔ اَوْ مَاتُوْا (یا طبعی موت آگئی) لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا (اللہ تعالیٰ ضرور ان کو رزق

حسن سے نوازیں گے) ایک قول یہ ہے رزقِ حسن وہ ہے جو کبھی بھی منقطع نہ ہو۔

وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ (اور بیشک اللہ تعالیٰ ہی بہترین رزق عنایت فرمانے والے ہیں) کیونکہ وہ بلا مثال مخلوق کو ایجاد کرنے والے ہیں۔ اور تمام کے رزق کی بلا ملال کفالت کرنے والے ہیں۔

۵۹: لَيُدْخِلَنَّهُم مُّدْخَلًا (ضرور وہ ان کو ایسے مقام میں داخل فرمائے گا)

قراءت: مدنی نے مَدخلاً پڑھا ہے اس سے مراد جنت ہے۔ يَرْضَوْنَهُ (جس کو وہ پسند کرتے ہیں) کیونکہ اس میں وہ چیز ہیں جو نفس کو پسند ہیں اور جن سے آنکھیں لذت اندوز ہوتی ہے۔ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ (اور بیشک اللہ تعالیٰ ضرور جاننے والے ہیں) ان کے حالات کو جنھوں نے جہاد میں اپنا وقت پورا کیا اور وہ فوت ہونے والے جو آس لگائے بیٹھے تھے مگر زندگی نے وفا نہ کی۔

حَلِيمٌ (حوصلہ والے ہیں) اس کو بھی مہلت دیتے ہیں جو ان سے عناد کے ساتھ قتال کرتا ہے۔

شانِ نزول: روایت میں ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے بعض اصحاب نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! یہ لوگ جو شہید ہوگئے ان کے متعلق تو ہم جانتے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا خیر ملی۔ اور ہم آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوتے ہیں جیسے وہ شریک ہوتے تھے۔ اگر ہم مر جائیں تو ہمیں کیا ملے گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ دو آیات اتاریں۔

۶۰: ذٰلِكَ ای الامر ذلك (معاملہ یہی ہے۔) اس کے بعد والا جملہ مستانفہ ہے۔ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهِ (جو شخص دشمن کو اسی قدر تکلیف پہنچائے جتنی اس کو دی گئی) بدلہ لینے کو عقوبت سے تعبیر کیا کیونکہ وہ عقوبت کے سبب کی نسبت سے ملی ہوئی ہے اور یہ اس کے نتیجے میں ہوا۔ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنصُرَنَّهُ اللَّهُ (پھر اس شخص پر زیادتی کی جائے تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی ضرور مدد دے گا) جس نے اتنی سزا دی جتنی زیادتی اس سے ہوئی۔ پھر اس کے بعد اس پر ظلم کیا گیا اللہ تعالیٰ کے ذمہ حق بن گیا کہ اس کی مدد کرے۔

إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ (بے شک اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والے ہیں) وہ گناہوں کے آثار کو بھی مٹا دیتے ہیں۔ غَفُورٌ (بخشنے والے ہیں) کہ مستورِ اقسام کے گناہ و عیوب چھپاتے ہیں۔

آیت کے سیاق کے مطابق دو آیات میں تقریب کس طرح ادا کی ہے کہ معاقب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عفو پر مقرر کیا گیا ہے اور اسی طرح عقوبت اس ارشاد کے ساتھ فمن عفا واصلح فاجره على الله [الشوریٰ:۴۰]

وان تعفوا اقرب للتقوىٰ [البقرہ:۲۳۷] پس ان باتوں نے اس میں کوئی اثر نہ کیا اور اس نے بدلہ لیا تو وہ افضلیت کا تارک ہوگا۔ وہ دوسری مرتبہ میں اپنی نصرت کا ضامن ہے۔ جبکہ اس نے عفو ترک کیا اور باغی سے انتقام لیا اور اس کے باوجود اس پر جو ظلم ہے اس کو یہ دو صفات ذکر کر کے تعریض کی جانے لگی۔ نمبر ۲۔ عفو و مغفرت کا تذکرہ دلالت کر رہا ہے کہ اس کو سزا پر قدرت ہے عفو کی صفت اسی کیلئے ثابت اور بیان کی جا سکتی ہے جو اس کے عکس پر قدرت رکھتا ہو۔ جیسا محاورہ ہے: العفو عند القدرۃ]

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَاَنَّ

یہ اس وجہ سے ہے کہ بلاشبہ اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے اور بلاشبہ

اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ

اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ بے شک اللہ حق ہے اور اس کے علاوہ جو دوسروں کو پکارتے ہیں وہ

هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِىُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ

باطل ہیں، اور اللہ برتر ہے بڑا ہے۔ اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے

مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾

پانی اتارا پھر زمین ہری بھری ہو گئی۔ بلاشبہ اللہ بہت مہربان ہے خبر رکھنے والا ہے۔

نمونہ ہائے قدرت:

۶۱: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ (اور یہ اللہ تعالیٰ کی مدد اس لئے کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ ہر بات کو سننے اور دیکھنے والے ہیں) یعنی مظلوم کی مدد اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں اور اس کی آیات قدرت میں سے یہ ہے کہ وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے یعنی اس میں اس کا اضافہ کرتا ہے۔ اور اس کا اس میں: نمبر۲۔ اس وجہ سے کہ وہ دن رات کا خالق ہے۔ وہ ان میں تصرف وہی کرنے والا ہے۔ آسمان و زمین کے مابین بندوں کے ہاتھوں سے جو خیر و شر انجام پاتا ہے وہ بھی اس سے مخفی نہیں اسی طرح انصاف و سرکشی بھی۔ اور بیشک وہ سمیع (سننے والا) ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں اس کو کسی بات کا سننا دوسرے کی بات سے مشغول نہیں کر سکتا خواہ ان میں آوازیں اور فنون و اقسام السنہ بھی مختلف کیوں نہ ہو۔ بصیر (وہ دیکھنے والے ہیں) ان تمام افعال کو جو وہ کرتے ہیں۔ رات میں کی جانے والی کوئی چیز اس سے چھپ نہیں سکتی۔ خواہ وہ پردہ اندھیرے میں کیوں نہ ہو۔

۶۲: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ (اور یہ نصرت اس سبب سے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہستی میں کامل ہیں اور جن چیزوں کی) مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِىُّ الْكَبِيْرُ (اللہ تعالیٰ کے سوا یہ عبادت کرتے ہیں وہ بالکل باطل و بے حقیقت ہے اور اللہ تعالیٰ ہی عالیشان اور سب سے بڑا ہے۔)

قراءت: ابوبکر کے علاوہ عراقی قراء نے یدعون پڑھا ہے۔ ذٰلک الوصف یہ وصف اس وجہ سے بھی ہے کیونکہ اس نے رات دن کو پیدا کیا اور جو کچھ ان میں ہو رہا ہے اس کا وہ احاطہ کرنے والا ہے اور ان کے مابین مخلوق کے افعال و اقوال کا ادراک ہے کیونکہ

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۶۴﴾

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور بلاشبہ اللہ غنی ہے تعریف کا مستحق ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۭ

اے مخاطب کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لئے وہ سب کچھ مسخر فرمایا جو زمین میں ہے اور کشتی کو مسخر فرمایا وہ سمندر میں اس کے حکم سے چلتی ہے

وَيُمْسِكُ السَّمَاۗءَ اَنْ تَقَعَ عَلَي الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ

اور وہ آسمان کو زمین پر گرنے سے تھامے ہوئے ہے مگر یہ کہ اس کا حکم ہو جائے۔ بلاشبہ اللہ لوگوں پر بہت مہربان ہے

رَّحِيْمٌ ﴿۶۵﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۡ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿۶۶﴾

نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ اور وہ وہی ہے جس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں موت دے گا پھر تمہیں زندہ فرمائے گا۔ بلاشبہ انسان بڑا ناشکرا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی الوہیت ثابت و محقق ہے اور جن کو لوگ اللہ کے نام سے ذکر کرتے ہیں وہ وہم و خیال ہیں اور شان کے اعتبار سے کوئی چیز اس سے علی نہیں اور غلبہ کے اعتبار سے ان سے کوئی بڑا نہیں۔

۶۳: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً (کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ پانی اوپر سے اتارتا ہے) یعنی بارش کی صورت میں فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً (جس سے زمین سرسبز ہو جاتی ہے) نعمت کے ذریعہ اس کے بعد کہ وہ سیاہ خشک تھی۔

لطیفہ نحو: تصبح صیغہ مضارع ہے۔ ماضی نہیں لایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ بارش کا اثر زمانہ در زمانہ باقی رہتا ہے جیسا کہتے ہیں۔ انعم علی فلان عام کذا فاروح واغدوا شاکرا لہ یعنی صبح و شام اس کا شکر گزار رہتا ہوں اگر تم یوں کہتے فرحت و غدوت تو یہ مطلب پیدا نہ ہوتا۔ فتصبح کا لفظ مرفوع لایا گیا۔ استفہام کے جواب میں منصوب آنا چاہیے تھا وہ نہیں آیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر منصوب لائے تو مقصد برعکس ہو جاتا ہے۔

وہ اس طرح کہ اس کا مطلب اخضرار کو ثابت کرنا ہے۔ اگر نصب لاتے تو اخضرار کی نفی ہو جاتی ہے جیسے تم اپنے دوست کو کہو۔ الم تر انی انعمت علیک فتشکر کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں نے تم پر احسان کیا پس شکریہ ادا کرتے رہو۔ اور اگر تم تشکر نصب سے پڑھو تو تم نے اس کے شکریہ کی نفی کی اور شکریہ نہ کرنے کی کوتاہی پر تم اس کا شکوہ کر رہے ہو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں نے تم پر احسان کیا پھر تم شکریہ کیوں ادا نہیں کرتے؟

اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ (بیشک اللہ تعالیٰ لطف والے ہیں) اس کا علم یا فضل ہر چیز تک پہنچنے والا ہے۔ خَبِيْرٌ (مطلع ہیں) اپنی مخلوقات کے مصالح اور منافع سے۔ نمبر ۲۔ اللطیف کا معنی دقیق تدابیر کے ساتھ عالم ہیں۔ اور الخبیر ہر قلیل و کثیر کا احاطہ کرنے والے ہیں۔

۶۴: لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ (اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے) ملکیت اور مالکیت کے لحاظ سے۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِیُّ (اور بیشک اللہ تعالیٰ ہی اپنی ذات سے بے نیاز ہے) آسمانوں اور زمین کے مابین سب کچھ فنا ہو جانے کے بعد اپنی کمال قدرت کے ساتھ وہ بے نیاز ہے۔ الْحَمِیْدُ وہ (مستحق ستائش ہے) آسمانوں اور زمین میں جو موجود ہیں ان سے قبل وہ اپنے انعامات کے سبب ذاتی طور پر محمود ہے۔ خواہ کوئی حمد کرنے والا ہو یا نہ ہو۔

قدرت کے مزید نمونے:

۶۵: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ (کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے کام میں لگا دیا جو کچھ کہ زمین میں ہے) خشکی میں چوپائے تمہاری سواریوں کیلئے مسخر کر دیئے گئے۔ وَالْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ (اور سمندر میں کشتیاں اور جہاز اس کے حکم سے چلتے ہیں) یعنی بعض سواریاں سمندر میں چلنے والی ہیں۔

نحو: الفلك کو منصوب پڑھا گیا ہے۔ اس کا عطف ما پر ہے اور تجری اس کا حال ہے تقدیر کلام یہ ہے سخر لکم الفلك فی حال جریها اور اس نے کشتیوں کو چلنے کی حالت میں مسخر کر دیا۔ وَیُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ (اور وہ آسمان کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہے) یعنی اس کی حفاظت فرمانے والے ہیں اس سے کہ وہ زمین پر گرے۔ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (مگر اس کے اذن سے) اس کے حکم سے یا اس کی مشیت سے اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ (بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر مہربان ہیں) کہ زمین کی تمام اشیاء اس کے کام میں لگا دیں۔ رَّحِیْمٌ (مہربان ہیں) آسمان کو روکے ہیں تا کہ وہ زمین پر نہ گر پڑے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انعامات کو نام بنام شمار کیا تا کہ انسان ان کا شکر یہ ادا کریں اور اللہ تعالیٰ کو الطف صفات سے یاد کریں۔

قول امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ:

امام اعظم ان آٹھ آیات میں سے جو ان کو پڑھے گا اس کی دعا یقیناً قبول ہوگی۔

۶۶: وَهُوَ الَّذِیْۤ اَحْیَاكُمْ (اور وہی تو ہے جس نے تمہیں زندگی عطا کی) تمہاری ماؤں کے رحموں میں ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ (پھر وہ تمہیں موت دے گا) جب تمہاری اجل مقررہ ختم ہو جائے گی۔ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ (پھر وہ تمہیں زندہ کریں گے) تا کہ تمہارا بدلہ دے اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ (بیشک انسان البتہ ناشکرا ہے) اس لئے کہ بے شمار قسم کی نعمتوں کا جو اس پر کی گئی ہیں شدت سے انکار کرنے والا ہے اور بے شمار اقسام کے عذاب اس سے ہٹا لئے وہ پھر مرنے کی ایک ٹانگ ہانک رہا ہے۔

نمبر ۲۔ یہ نعمت پیدائش کو نہیں پہچان رہا جو کہ اس کا ابتدائی وجود ہے اور نہ ہی فنا کو جان رہا ہے جو کہ وعدہ مقررہ سے اس کو قریب کرنے والا ہے اور نہ ہی دوبارہ زندگی کو پہچان رہا جو مقصود تک پہنچانے والی ہے۔

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ ۖ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ ۚ وَادْعُ إِلَىٰ

ہم نے ہر امت کے لئے عبادت کے طریقے مقرر کئے ہیں جن کے مطابق وہ عبادت کرتے تھے تو یہ لوگ اس امر میں آپ سے جھگڑا نہ کریں اور آپ ان کو اپنے رب کی

رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ﴿٦٧﴾ وَإِن جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا

طرف بلاتے رہیں بے شک آپ ہدایت پر ہیں جو سیدھا راستہ ہے اور اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو

تَعْمَلُونَ ﴿٦٨﴾ اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٦٩﴾

خوب جانتا ہے، اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان ان چیزوں میں فیصلے فرما دے گا جن میں اختلاف کیا کرتے تھے

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ

اے مخاطب کیا تجھے معلوم نہیں جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے بے شک اللہ اس سب کو جانتا ہے سب کچھ کتاب میں لکھا ہے، بے شک

ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٧٠﴾

یہ اللہ پر بڑا آسان ہے۔

ہر امت کی ایک شریعت:

۶۷: لِكُلِّ أُمَّةٍ (اور ہر امت کیلئے) اہل دین کیلئے جَعَلْنَا مَنسَكًا (ہم نے عبادت کا ایک طریق مقرر فرمایا) اس کی وضاحت اسی سورت میں گزر چکی ہے یہاں دوبارہ اس تاکید کے لئے لایا گیا ہے جو کہتے ہیں کہ ذبح کرنا اللہ تعالیٰ نے مشروع نہیں فرمایا حالانکہ یہ تو ہر امت کی شریعت میں ہے۔ هُمْ نَاسِكُوهُ (جس کو وہ اختیار کرنے والے تھے) عمل کرنے والے تھے۔ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ (پس ہرگز وہ تم سے جھگڑا نہ کریں) مطلب یہ ہے۔ ان کی بات کی طرف مت دھیان دیں اور نہ ان کو موقعہ دیں کہ آپ سے جھگڑا کریں۔ فِي الْأَمْرِ (اس معاملے میں) ذبائح کا معاملہ مراد ہے یا دین کا معاملہ۔

شانِ نزول: یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے مسلمانوں پر یہ کہہ کر طعنہ زنی کی کہ تم تو اپنا مارا کھاتے ہو اور اللہ تعالیٰ کا مارا نہیں کھاتے؟ یعنی مردار۔ وَادْعُ (اور تم دعوت دو) لوگوں کو إِلَىٰ رَبِّكَ (اپنے رب کی طرف) اپنے رب کی عبادت کی طرف۔ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ (بیشک آپ ہی ہدایت کے سیدھے راستے پر ہیں) مضبوط راستے پر۔

نکتہ: یہاں لکل امۃ کے ساتھ واؤ نہیں لائے جبکہ پہلے ولکل امۃ واؤ لائی گئی ہے کیونکہ وہ ان آیات کے ساتھ آئی ہے جہاں احکام حج کا تذکرہ ہے اس لئے ان پر عطف مناسب ہے اور یہ آیت ایسے مقام پر واقع ہے جو عبادات کے احکام سے متعلق نہیں۔ اس لئے عطف کی جگہ نہ ہونے کی وجہ سے واؤ نہ لائی گئی۔

۶۸: وَاِنْ جٰدَلُوْكَ (اگر وہ آپ سے جھگڑا کریں) ضد وعنت کی بنا پر آپ سے جھگڑا کریں۔ جیسا کہ جھگڑا کیا کرتے تھے۔ اس کے باوجود کہ آپ پر ان سے کبھی تنازع کی صورت نہ پیدا فرمائے تو حکم دیا۔ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کا خوب علم ہے) ان سے جھگڑا میں نہ پڑیں بلکہ یہ بات کہہ کر مدافعت کریں۔ مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی خوب خبر ہے اور جو بدلہ اس پر تمہیں ملنے والا ہے اس سے بھی واقف ہیں پس وہ خود تمہیں بدلہ دیں گے یہ درحقیقت وعید اور انذار ہے لیکن نرم ورقیق انداز میں۔

نُکتہ: اس میں یہ ادب سکھایا کہ ضدی آدمی سے کس طرح نپٹنا چاہیے۔ سبحان من ادب نبیہ باحسن الآداب۔

۶۹: اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ (اللہ تعالیٰ تمہارے مابین ان باتوں میں قیامت کے دن فیصلہ فرمائیں گے جن میں تم اختلاف کرتے تھے) اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مؤمنین اور کفار کو خطاب کیا کہ ثواب وعقاب کا فیصلہ حتمی قیامت کے دن ہوگا۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کو ان تکالیف پر تسلی دی گئی جو کفار کی طرف سے روز پہنچ آتی تھیں۔

۷۰: اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کو جو آسمان اور زمین میں ہے جانتے ہیں) یعنی کس طرح تمہارے اعمال اس سے مخفی رہ سکتے ہیں۔ علماء کے ہاں یہ بات معروف ہے کہ آسمان وزمین میں جو چیز پیدا ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو پہلے ہی جانتے ہیں۔ اِنَّ ذٰلِكَ (بیشک وہ) جو ان دونوں میں موجود ہے۔ فِىْ كِتٰبٍ (لوح محفوظ میں) مندرج ہے۔ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ (بیشک یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے) یعنی ان تمام کا جاننا اس پر گراں نہیں بلکہ آسان ہے۔

وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا لَيْسَ لَهُم بِهِ

اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن کے بارے میں خدا نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی اور نہ ان کے پاس ان کی کوئی

عِلْمٌ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ ﴿٧١﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ

دلیل ہے اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں۔ اور جب ان پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں جو خوب واضح ہیں تو اے مخاطب تو کافروں کے

فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنكَرَ ۖ يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ

چہروں میں ناگواری کو پہچان لے گا۔ قریب ہے کہ ان لوگوں پر حملہ کر بیٹھیں جو ان کے سامنے ہماری آیات پڑھتے

آيَاتِنَا ۗ قُلْ أَفَأُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِّن ذَٰلِكُمُ ۗ النَّارُ وَعَدَهَا اللَّهُ الَّذِينَ

ہیں۔ آپ فرما دیجئے کیا میں اس سے زیادہ ناگوار چیز بتا دوں؟ وہ دوزخ ہے! جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ

كَفَرُوا ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٧٢﴾

فرمایا ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

۷۱: یہاں سے کفار کی اس جہالت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ ان کی عبادت کرتے ہیں جو عبادت کے حقدار نہیں ہیں۔ فرمایا: وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا (اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جن کی معبودیت کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری)

قراءت: يُنَزِّلْ کی وبصری نے پڑھا ہے۔ سلطان: حجت و برہان کو کہتے ہیں۔

وَمَا لَيْسَ لَهُم بِهِ عِلْمٌ (اور نہ ان کے پاس ان کی عبادت کے متعلق علم ہے) (یعنی عقلی دلیل نہیں ہے) یعنی عبادت میں نہ تو کسی آسمانی وحی کی دلیل سے استدلال کرنے والے ہیں اور نہ وہ کسی عقلی دلیل کو پیش کر سکتے ہیں۔ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ (اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں) اور حقیقتاً ایسے ظلم کا ارتکاب کرنے والے لوگوں کا کوئی مددگار ہے جو ان کے مذہب کی تصویب و توثیق کرے۔

تلاوت پر کفار کا غصہ:

۷۲: وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ (اور جب ان پر ہماری واضح آیات پڑھی جاتی ہیں) یعنی قرآن مجید تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنكَرَ (تو تم کفار کے چہروں پر انکار کو پہچان لو گے) انکار جو ترش روئی اور کراہت سے پہچانا جاتا ہے۔ المنکر مصدر میمی ہے انکار کرنا۔ يَكَادُونَ يَسْطُونَ (قریب ہے کہ وہ حملہ آور ہو جائیں) یسطون پکڑ لیں۔ السطو: (کودنا اور پکڑنا)۔ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا (ان لوگوں پر جو ان کے سامنے ہماری آیات پڑھتے ہیں) یتلون کی ضمیر سے مراد نبی اکرم ﷺ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

اے لوگو! ایک مثال بیان کی گئی ہے سو تم اسے دھیان سے سن لو۔ بلاشبہ جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت

اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۭ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـــًٔا

کرتے ہیں وہ ہرگز مکھی کو بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ اس کے لئے وہ سب اکٹھے ہو جائیں۔ اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے

لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ

تو اسے چھڑا نہیں سکتے۔ طالب بھی کمزور اور مطلوب بھی کمزور۔ لوگوں نے اللہ کی ایسی تعظیم نہیں کی جیسا کہ اس کی تعظیم کا

قَدْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝

حق ہے۔ بلاشبہ اللہ قوت والا ہے زبردست ہے۔

اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم تھا۔

قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ (کہہ دیں کیا میں تمہیں اس سے بھی زیادہ ناگوار بتا دوں) تمہارے اس غصہ سے جو تمہیں تلاوت کرنے والوں پر آتا ہے۔ اور ان پر حملہ آور ہونے سے یا جو تمہیں کراہت پہنچی ہے اور جو ناگواری اس تلاوت کی وجہ سے ہوئی ہے اَلنَّارُ (وہ آگ ہے) یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے گویا کہ کوئی اس طرح کہہ رہا ہے کہ وہ ناگوار ترین چیز کیا ہے؟ تو جواب آیا: آگ یعنی وہ آگ ہے۔ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ فرمایا ہے) یہ جملہ مستانفہ ہے۔ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے) یعنی آگ۔

معبودانِ باطلہ کی تحقیر:

۷۳: جب ان کا دعویٰ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے شرکاء ہیں تو عجیب و غریب اور مشہور ہونے میں ضرب الامثال کی طرح مشہور ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ (اے لوگو! بیان کی جاتی ہے) واضح کی جاتی ہے۔ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ (ایک مثال تم اس کو غور سے سنو!) ہم یہ مثال بیان کرتے ہیں۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ (بیشک وہ جن کی تم عبادت کرتے ہو)

قراءت: یعقوب اور سہل نے یدعون پڑھا ہے۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کے سوا) بطور معبود لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا (وہ ہرگز مکھی پیدا نہ کر سکیں گے)

نحو و صرف: لن کا کلمہ مستقبل کیلئے نفی استعمال ہوتا ہے اور اس کی مزید تاکید اس طرح بھی ہے کہ تخلیق ذباب ان سے ناممکن ہے۔ گویا کلام اس طرح ہے محال ان یخلقوا ان کا مکھی پیدا کرنا ناممکن ہے۔

سوال: یہاں مکھی کی تخصیص کیوں کی گئی؟

ت: ان کی توہین و تذلیل اور ضعف و کمزوری اور انتہائی گندگی ظاہر کرنے کیلئے لائے۔ جو ایسی حقیر و ذلیل چیز پر قدرت نہیں رکھتے وہ بڑی اعلیٰ چیز کیا بنا سکیں گے پس وہ معبود بننے کے حقدار نہیں ذباب کو ذباب کہنے کی وجہ جب اس کی گندگی کی وجہ سے اس کو بھگایا جائے تو انکار کرتے ہوئے یہ واپس لوٹ آتی ہے۔ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ (اگرچہ وہ تمام اس کے لئے جمع ہو جائیں) مکھی کو پیدا کرنے کیلئے۔ یہ جملہ محل نصب میں ہے کیونکہ حال ہے گویا تقدیر کلام یوں ہے مستحیل منهم ان یخلقوا الذباب مشروطا علیهم اجتماعهم جمیعا لخلقه و تعاونهم علیه ان سے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ مکھی کو پیدا کریں ان کے ذمہ شرط یہ ہے کہ وہ اس کی پیدائش کیلئے تمام جمع ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں تب بھی تعاون کے باوجود وہ پیدا نہیں کر سکتے۔ یہ آیت قریش کی تجہیل کیلئے انتہائی بلیغ ہے جب انہوں نے الوہیت کو تماثیل و بتوں کے ساتھ موصوف کیا جن کو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے قلیل ترین پر بھی قدرت نہیں اگرچہ وہ تمام جمع ہوں۔ (حالانکہ الوہیت کا تو تقاضا یہ ہے کہ تمام مقدورات پر اقتدار و قبضہ اور ان کے متعلق تمام معلومات کا احاطہ ضروری ہے) اسی لئے فرمایا وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا (اگر ان سے مکھی کوئی چیز چھین لے جائے)

نحو: شیئًا یہ یسلبهم کا دوسرا مفعول ہے۔

لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ (وہ اس سے چھڑا نہیں سکتے) یعنی یہ چھوٹی اور حقیر مخلوق اگر ان سے کوئی چیز اچک کر لے جائے اور وہ تمام اس کے لئے جمع ہوں تاکہ اس سے وہ چیز واپس چھڑوائیں تو اس پر ان کو قدرت نہ حاصل ہوگی۔

قول ابن عباس رضی اللہ عنہما: وہ اپنے بتوں پر زعفران ملتے اور ان کے سروں پر شہد جب مکھی اس سے لے جاتی تو وہ اس کے لینے سے تمام مل کر بھی عاجز تھے۔ ضَعُفَ الطَّالِبُ (کمزور ہے چاہنے والا) یعنی بت کیونکہ اس سے وہ مانگا جاتا ہے جو اس سے چھین لیا گیا۔ وَالْمَطْلُوْبُ (اور مطلوب) مکھی اس چیز کو طلب کرتی ہے جو اس نے چھینا ہے۔ یہ اس طرح فرمایا گویا کہ کمزوری میں وہ اور مکھی برابر ہیں۔ اور اگر تحقیق کی نگاہ ڈالی جائے تو طالب بہت ہی زیادہ کمزور ہے بلکہ کمزور ترین ہے۔ اس لئے کہ مکھی تو حیوان ہے۔ اور وہ جماد اور وہ مطلوب مکھی پر غالب ہے۔

عاجز و عزیز کا متماثل کیسے؟

۷۴: مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (انہوں نے اللہ تعالیٰ کے مرتبہ کا اندازہ و ویسا نہیں کیا جیسا کرنا چاہیے) انہوں نے اس کو اس طرح نہیں پہچانا جیسا پہچاننا چاہیے تھا۔ وہ اس طرح کہ اس کمزور بت کو اس طرح شریک بنا ڈالا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ (بیشک اللہ تعالیٰ البتہ زبردست قوت والے ہیں) یعنی اللہ تعالیٰ غالب اور قادر مطلق ہیں پھر کس طرح عاجز و مغلوب کو اس کے مشابہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ نمبر ۲۔ وہ اپنے اولیاء کی نصرت کی طاقت رکھتے ہیں۔ عزیز یعنی وہ زبردست ہیں ان کے دشمنوں سے انتقام لے سکتے ہیں۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۚ ﴿۷۵﴾

اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کو چن لیتا ہے اور آدمیوں میں سے بھی۔ بالیقین اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

وہ جانتا ہے کہ جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے' اور اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹتے ہیں۔ اے

اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ ﴿۷۷﴾

ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور خیر کے کام کرو' تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ'

اصطفائے الٰہی:

۷۵: اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ (اللہ تعالیٰ منتخب کر لیتا ہے) چھانٹ کر لیتا ہے۔ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا (ملائکہ میں سے رسولوں کو) جیسے جبرئیل، میکائیل، اسرافیل علیہم السلام۔ وَّمِنَ النَّاسِ (اور انسانوں میں سے) رسول جیسے ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ و محمد ﷺ وغیرہم الصلوٰۃ والسلام۔ یہ درحقیقت اس بات کی تردید ہے جس کا انہوں نے انکار کیا تھا کہ رسول انسانوں میں سے کیسے ہو سکتا۔ اور اس میں یہ بھی بیان فرمایا کہ رسولوں کی دو قسمیں ہیں۔ نمبر۱۔ فرشتے۔ نمبر۲۔ انسان

دوسرا قول یہ ہے کہ اس وقت نازل ہوئی جب کفار نے کہا۔ ءانزل علیہ الذکر من بیننا [ص: ۸] اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ (بیشک اللہ تعالیٰ ان کی باتوں کو سننے والے ہیں۔ بَصِيْرٌ (دیکھنے والے ہیں) اس کو جس کو اس نے اپنے پیغامات کے لیے منتخب کیا ہے۔ یا رسولوں کے اقوال کو سننے والے ہیں۔ جس کو عقلیں قبول کرتی ہیں۔ بصیر وہ دیکھنے والے ہیں امتوں کے حالات کو قبولیت و رد کے سلسلہ میں۔

۷۶: يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ (وہ جانتے ہیں اس کو جو ان کے سامنے ہے) یعنی گزر چکا۔ وَمَا خَلْفَهُمْ (اور جو ان کے پیچھے ہے) جو ابھی نہیں آیا۔ نمبر۲۔ جو اعمال وہ حال میں کر رہے ہیں۔ اور جو مستقبل میں کریں گے۔ نمبر۳۔ ان کی دنیا کے معاملے کو اور ان کی آخرت کے متعلق وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ (اور تمام معاملات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹتے ہیں) یعنی اسی کی طرف تمام امور کا لوٹنا ہے اور وہ ذات جس میں یہ صفات پائی جائیں لا یسئل عما یفعل [الانبیاء: ۲۳] اس سے اس بات کا سوال نہیں کیا جا سکتا جو وہ کرے۔ اس کے فیصلوں میں کسی کو اعتراض کا حق حاصل نہیں اور اس کی تدابیر اور اختیار و عمل پر کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔

قراءت: شامی، حمزہ، علی نے تَرْجِعُ پڑھا ہے۔

وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ

اور اللہ کے بارے میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے، اس نے تمہیں چن لیا اور اس نے دین میں

فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ڏ

تنگی نہیں رکھی، اپنے باپ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو، اس نے تمہارا نام مسلمین رکھا

مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي

اس سے پہلے اور اس قرآن میں، تاکہ رسول تمہارے بارے میں گواہ بن جائے اور تم لوگوں کے مقابلہ میں گواہ

النَّاسِ ښ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ

بن جاؤ، سو نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو وہ تمہارا مولیٰ ہے

فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝

سو وہ خوب مولیٰ ہے اور خوب مددگار ہے۔

اصول کامیابی:

۷۷: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا (اے ایمان والو! تم رکوع کرو اور سجدہ کرو) یعنی نمازوں میں جب پہلے پہلے اسلام لائے تو وہ بلا رکوع و سجود کے نماز پڑھتے تھے۔ پھر ان کو حکم ہوا کہ رکوع و سجود کیا کریں۔

مسئلہ: اس میں دلیل ہے کہ اعمال ایمان کا حصہ نہیں ہیں۔ اور یہ سجدہ نماز کا ہے۔ سجدۂ تلاوت نہیں ہے۔

وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ (اور تم اپنے رب کی عبادت کرو) تم اپنے رکوع و سجود سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا قصد کرو۔ تاکہ بتوں کا وَافْعَلُوا الْخَيْرَ (اور بھلائی کے کام کرو) ایک قول یہ ہے جبکہ رکوع و دیگر طاعات پر مقدم ہونے کا مرتبہ حاصل ہے تو اولاً ایمان والوں کو نماز کی طرف بلایا کہ نماز خالص ذکر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے واقم الصلوۃ لذکری [طٰہٰ:۱۴] پھر نماز کے علاوہ عبادات کی طرف بلایا۔ مثلاً روزہ، حج وغیرہ۔ پھر تمام دیگر طاعات کی طرف دعوت دی۔ دوسرا قول یہ ہے اس سے مراد صلہ رحمی اور مکارم اخلاق ہیں۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو) نمبر۱۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ نمبر۲۔ تم یہ تمام اعمال کرو اس حالت میں کہ تم فلاح کی امید رکھنے والے ہو۔ یقین کر کے نہ بیٹھ جانے والے ہو۔ اور نہ تم اپنے اعمال پر بھروسہ کر کے بیٹھنے والے ہو۔

۷۸: وَجَاهِدُوْا (اور تم جہاد کرو) اس میں غزوہ کا حکم دیا۔ نمبر۱۔ نفس و خواہشات سے جہاد کرو اور یہ جہاد اکبر ہے۔ نمبر۲۔ حق بات ظالم حکمران کے سامنے کرنا۔ فِي اللّٰهِ (اللہ تعالیٰ کی خاطر) اللہ تعالیٰ کی ذات کی خاطر اور اسی کے سبب سے۔ حَقَّ جِهَادِهٖ جیسا جہاد کا حق ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی کی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرا جائے کہا جاتا

ہے ھو حق عالم و جد عالم ای عالم حقاً و جداً (وہ زبردست عالم ہے) حق جہادہ ای سے ہے ثنایں کا تقاضا یہ تھا حق الجھاد لہ یا حق جہادکم لہ۔ حقیقی جہاد تمہارا اس میں ہے۔ لیکن اضافت ادنیٰ ملابست کی وجہ سے کر دی جاتی ہے۔ اور اختصاص کی وجہ سے کر دی جاتی ہے۔ جبکہ جہاد اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کیلئے کیا جائے خاص تھا اور اس کی وجہ سے تھا تو اس کی اضافت اس کی طرف درست ہوئی اور ظروف کے اندر وسعت ہے جیسا کہتے ہیں ویوم شھدناہ سلیماً و عامراً۔ جس دن کہ ہم اس میں سلیم و عامر کے ساتھ حاضر ہوئے۔

ھُوَ اجْتَبٰكُمْ (اسی نے تمہیں چنا ہے) تمہیں اپنے دین اور اس کی مدد و نصرت کیلئے چنا ہے۔ وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ (اور اس نے تمہارے اوپر دین میں کوئی تنگی نہیں مقرر کی) حرج کا معنی تنگی۔ بلکہ اس نے تمام مکلف امور میں سہولیات فراہم کی ہیں۔ جیسے کہ طہارت، نماز، روزہ، حج، تیمم، ایماء، قصر، افطار جو سفر و مرض سے ہو۔ اور سواری نہ ہونے کی حالتوں وغیرہ میں آسانیاں ہیں۔

مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ (یہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے) تم اس کی اتباع کرو اپنے باپ کی ملت کی۔ نمبر۲۔ اختصاص کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر کلام یہ ہے اعنی بالدین ملة ابیکم۔ میرے دین سے مراد تمہارے باپ ابراہیم کی ملت ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کو باپ کہا اگرچہ وہ تمام امت کے باپ نہیں ہیں کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے جد امجد ہیں۔ اور آپ امت کے بمنزلہ باپ ہیں۔ کیونکہ امت رسول اولاد کے حکم میں ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انما انا لکم مثل الوالد (احمد، نسائی، ابن ماجہ) میں تمہارے لئے بمنزلہ والد ہوں۔

ھُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ (اسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا) یعنی اللہ تعالیٰ نے۔ اس کی دلیل ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے: اللّٰہ سماکم۔ مِنْ قَبْلُ (اس سے پہلے) پہلی کتب میں وَفِیْ ھٰذَا (اور اس میں) قرآن میں یعنی تمہیں تمام امتوں پر فضیلت دی اور تمہارا یہ معزز نام رکھا۔

لِیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِیْدًا عَلَیْكُمْ (تاکہ رسول تم پر گواہ ہوں) کہ انہوں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (اور تم لوگوں پر گواہ ہو) رسولوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغامات کو ان کی امتوں تک پہنچا دیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت تمہارے ساتھ مخصوص کی ہے۔ اور تمہیں سب پر ترجیح دی ہے۔ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ (تو تم نماز کو اس کے فرائض کے ساتھ ادا کرو) وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (اور زکوٰۃ کو اس کی شرائط کے ساتھ ادا کرو) وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ (اور مضبوطی سے اللہ تعالیٰ کو تھامو) یعنی اللہ تعالیٰ پر کامل یقین اور توکل کرو نہ کہ نماز روزہ کو۔ ھُوَ مَوْلٰىكُمْ (وہی تمہارا کارساز ہے) تمہارا مالک ہے اور مددگار اور تمہارے معاملات کا والی ہے۔ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى (وہ خوب کارساز ہے) تمہارے گناہوں کے باوجود رزق دینے میں بخل نہیں کیا۔

تو مطلب یہ ہے جب اس کا کارساز ہونا ثابت ہو تو پھر وہی سب سے اعلیٰ کارساز ہے۔ وَنِعْمَ النَّصِیْرُ (اور خوب مددگار ہے) یعنی مددگار وہی ہے کہ تمہاری اطاعت پر وہ اعانت فرمائے گا۔ اور وہ آدمی یقیناً کامیاب ہے جس کا وہ مولیٰ اور ناصر ہو۔

الحمد للہ آج بروز جمعۃ المبارک ۸ شوال ۱۴۲۲ھ بوقت نماز مغرب ترجمہ سورۃ حج تکمیل پذیر ہوا۔

سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْنَ

سورۃ مومنون مکہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو اٹھارہ آیات ہیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝۲ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ

تحقیق ایمان والے کامیاب ہو گئے جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں اور جو فضول باتوں سے

اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝۳ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝۴ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ

اعراض کرنے والے ہیں اور جو اپنی زکوٰۃ کا کام کرنے والے ہیں اور جو اپنی شرم کی جگہوں کی حفاظت

حٰفِظُوْنَ ۝۵ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۝۶

کرنے والے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے یا ان باندیوں کے جن کے یہ مالک ہیں سو بیشک ان کی شرمگاہوں کو استعمال کرنے پر ملامت کئے جانے والے نہیں ہیں۔

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝۷ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ

سو جس نے اس کے علاوہ کچھ تلاش کیا تو وہ لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہیں اور جو لوگ اپنی امانتوں اور عہدوں کی

رٰعُوْنَ ۝۸ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ۝۹ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝۱۰ الَّذِیْنَ

رعایت کرنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو میراث پانے والے ہیں جو

یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۱

فردوس کے وارث ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

۱۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ (تحقیق ایمان والے کامیاب ہو گئے)

۲۔ اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ (تحقیق فلاح پائی ان مومنوں نے جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں)

ایمان والوں کی متوقع بشارت:

قد افلح میں قد لفظ کی تحقیق ہے۔ یہ توقع کو ثابت کرتا ہے جبکہ لمّا اس کی نفی کرتا ہے مومن اس قسم کی بشارات کی توقع

رکھتے تھے۔ اس میں ان کے لئے کامیابی کے ثابت ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ اس لئے جس بات کی وہ توقع رکھتے تھے اس کے ثبوت پر دلالت کے انداز سے خطاب کیا گیا۔ افلاح مطلوب کو پالینا اور خطرات سے بچ جانا۔ یعنی اہل ایمان نے اپنے مطالب کو پالیا اور جن چیزوں سے وہ خوف زدہ تھے ان سے نجات پالی۔ الایمان لغت میں تصدیق کو کہتے ہیں اور المؤمن تصدیق کرنے والا۔

شرع میں ایمان:

ہر وہ شخص جو شہادتین کا زبان سے اس حالت میں اقرار کرے کہ اس کا دل اس کی زبان سے موافقت کرنے والا ہو۔ وہ مؤمن کہلاتا ہے۔

قول رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے جنت کو پیدا کر کے فرمایا بات کرو تو جنت نے کہا قد افلح المؤمنون تین مرتبہ کہا مجھے ہر بخیل و کھلاوے والے پر حرام کر دیا گیا ہے [ابو نعیم] کیونکہ اس نے عبادت بدنیہ کو ریاکاری سے باطل کر دیا اور عبادت مالیہ تو پہلے ہی اس کی موجود نہیں ہے۔

۲: الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ خاشعون کا معنی دل سے ڈرنے والے ہیں اور ان کے جوارح پرسکون ہیں۔ دوسرا قول خشوع فی الصلاۃ اور وہ یہ ہے کہ اپنی توجہ کو اس کے لئے جمع کرنا اور اس کے ماسوا سے اعراض کرنا اور نگاہ کا جائے نماز سے آگے نہ بڑھانا کہیں ادھر نہیں متوجہ ہونا۔ نہ کپڑوں سے کھیلنا نہ کپڑا اٹھانا۔ نہ انگلیاں چٹخانا۔ اور نہ کنکریوں کو اٹھانا چھوڑنا وغیرہ ذلک۔ قول ابو الدرداء رضی اللہ عنہ: زبان کے اخلاص، مقام کی تعظیم اور کامل یقین اور مکمل یکسوئی کو خشوع کہا جاتا ہے۔ خشوع نگاہ و آواز میں تواضع اور خضوع: اعضاء کے بدن میں سکون۔

اضافت صلاۃ:

نماز کی اضافت نمازیوں کی طرف کی گئی مصلی لہ کی طرف نہیں کی گئی۔ کیونکہ نمازی کو صرف اس سے فائدہ پہنچتا ہے اور وہ اس کا ذخیرہ اور زاد آخرت ہے باقی ذات باری تعالیٰ جس کے لیے نماز پڑھی جا رہی ہے۔ وہ اس سے غنی و بے نیاز ہے۔

۳: وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ (اور وہ لوگ جو لغو سے اعراض کرنے والے ہیں)

اللَّغْوِ ہر گری ہوئی بات جو بے کار ہونے کی مستحق ہو مثلاً جھوٹ، گالی، گویا مطلب یہ ہے ان کو ایسا وقار حاصل ہے جو ہزل سے ان کو معروف کرنے والا ہے۔ پچھلی آیت میں ان کی صفت خشوع فی الصلاۃ کی ذکر کی تو اس آیت میں ان کی دوسری صفت لغویات سے اعراض کی ذکر کر دی۔ تاکہ نفوس پر گراں گزرنے والی دو باتیں ان میں جمع ہو جائیں۔ نمبر ۱۔ فعل خشوع اور ترک لغو اور یہی دونوں چیزیں تکلیف کی علامت کے بنیادی پتھر ہیں۔

۴: وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ (اور وہ لوگ جو زکوٰۃ کو ادا کرنے والے ہیں) فاعلون کا معنی ادا کرنے والے ہیں۔ فاعلون کے استعمال سے ان کی مداومت کو ثابت کیا۔ مؤدون کا لفظ یہ مداومت نہیں رکھتا۔

ایک قول الزکوٰۃ کا لفظ مشترک ہے اس کا اطلاق اعیان پر ہوتا ہے تو اس سے وہ مالی مقدار مراد لی جائے گی جسے زکوٰۃ دیتے

والا نصاب میں سے تقسیر کے سپرد کرتا ہے اور اگر اس کا اطلاق معنی پر ہو تو پھر مراد اس سے تزکیہ کا فعل جو پاکیزگی والا انجام دیتا ہے۔

مفسر کی رائے:

یہاں یہی مراد ہے تزکیہ کرنے والوں کو فاعلین کہا کیونکہ فعل کا لفظ تمام افعال کو عام ہے جیسے الضرب ، القتل وغیرہ۔ تم کہو گے فعل الضرب والقتل والتزکیۃ۔

البتہ یہ بھی جائز ہے یہاں زکوۃ سے زکوۃ مال مراد لی جائے۔ اس صورت میں مضاف کو مقدر مانا جائے گا۔ اور وہ اداء کا لفظ ہوگا۔

نحو: لام کو مفعول کے مقدم ہونے کی وجہ سے اور اسم فاعل کے عمل کے ضعیف ہونے کی بناء پر لایا گیا ہے جیسے تم کہو گے ھذا ضارب لزید مگر اس طرح نہیں کہتے۔ ضربت لزید۔

۵: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ (اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں)

الفرج یہ مرد و عورت دونوں کے مستور اعضاء کو شامل ہے۔

۶: اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ (مگر اپنی بیویوں پر)

نحو: یہ موضع حال میں ہے ای الا والین علی ازواجھم اس حال میں کہ وہ ولایت رکھنے والے ہیں اپنی ازواج پر نمبر ۲۔ ان پر نگہبان ہیں (قوامین کے معنی میں ہے) اس صورت میں یہ اس قول سے ماخوذ ہوگا۔ کان زیاد علی البصرۃ۔ ای وال علیھا اس پر والی تھا۔

مطلب یہ ہے کہ وہ تمام احوال میں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ مگر تزوج کی حالت اس سے مستثنیٰ ہے یا باندی بنانے کی صورت۔ نمبر ۳۔ علی کا تعلق محذوف سے ہے جس پر غیر ملومین دلالت کر رہا ہے۔ گویا اس طرح فرمایا۔ یلامون الا علی ازواجھم یعنی یلامون علی کل مباشرۃ الا ما اطلق لھم فانھم غیر ملومین علیہ۔ وہ ہر مباشرہ پر ملامت کے قابل ہیں۔ مگر وہ جس میں ان کو آزاد چھوڑا گیا وہ قابل ملامت نہیں۔

فراء کا قول علیٰ مِنْ کے معنی میں ہے یعنی وہ حفاظت کرنے والے ہیں اپنی شرمگاہوں کی مگر اپنی بیویوں سے یا اپنی باندیوں سے اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ (یا جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ ہیں) یعنی باندیاں۔ یہاں مَنْ کی بجائے ما استعمال کیا گیا۔ حالانکہ وہ غیر ذوالعقول کیلئے ہے۔ کیونکہ مملوک غیرہ عقل کے قائم مقام ہے۔ اسی لئے ان کو بہائم کی طرح فروخت کیا جاتا ہے۔ نیز عورتوں کو کم عقلی کی وجہ سے ما کے عموم میں داخل کیا گیا۔

فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ (وہ ان کے متعلق قابل ملامت نہیں ہوں گے) یعنی اگر وہ اپنی شرمگاہوں کو اپنی بیویوں اور باندیوں سے محفوظ کرنے میں کمی کریں تو وہ بھی ملامت نہ ہوں گے۔

۷: فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ (پھر جس نے تلاش کیا اس کے علاوہ اور راستہ) قضائے شہوت کیلئے ان دو کے علاوہ اور راستہ ڈھونڈا۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ (پس وہی لوگ حد سے گزرنے والے ہیں) عادون۔ سرکشی میں کامل۔

مسئلہ: اس میں متعہ اور استمنا بالکف کی حرمت ثابت ہو رہی ہے کیونکہ یہ دونوں بارادہ قضائے شہوت کیلئے کئے جاتے ہیں۔

٨: وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ (اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور وعدوں کا)

قراءت: مکی اور سہل نے لامانتھم پڑھا ہے۔

آیت میں موتمن علیہ شئی اور معاہد علیہ کو امانت سے تعبیر کیا جیسا دوسرے ارشاد میں فرمایا ان اللّٰہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلہا [النساء: ۵۸] ادائیگی تو عینوں کی ہوتی ہے معانی کی نہیں ہوتی۔ پس مراد اس سے وہ تمام امانتیں اور وعدے ہیں جو اللہ تعالیٰ یا مخلوق کی طرف سے کیے جائیں۔ رٰعُوْنَ (وہ حفاظت کرنے والے ہیں۔) الراعی وہ شخص جو کسی چیز کی حفاظت واصلاح کا ذمہ دار ہو۔ جیسا کہ چرواہا بکریوں کیلئے ہوتا ہے۔

٩: وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَوٰتِھِمْ (اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں) صلاتھم ابوبکر کے علاوہ کوفیین نے واحد پڑھا ہے۔ یُحَافِظُوْنَ (ان کے اوقات میں مداومت کرنے والے ہیں۔)

وجہ اعادۂ صلاۃ:

اہمیت کی وجہ سے نماز کو دوبارہ لایا گیا اور اول آیت میں خشوع صلاۃ کا ذکر تھا اور اس میں محافظت کا تذکرہ فرمایا۔ پہلی آیت میں صلاۃ کو واحد لائے تاکہ جنس صلاۃ میں خشوع کا لازم ہونا ظاہر ہو اور پچھلی آیت میں صلوات جمع لائے تاکہ انواع صلاۃ فرائض واجبات، سنن و نوافل تمام کی محافظت ثابت ہونے کا فائدہ حاصل ہو۔

١٠: اُولٰٓئِكَ (وہ جو ان صفات کے جامع ہیں۔) ھُمُ الْوٰرِثُوْنَ (وہی وارث ہیں) اس بات کے حقدار ہیں کہ ان کو وارث کہا جائے اور کوئی ان کا حقدار نہیں۔ پھر وارثین کی اس ارشاد سے ترجمانی فرمائی۔

١١: الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ (وہ لوگ جو کہ وارث ہونگے) کفار کی متروکات سے۔ حدیث میں ہے تم میں سے ہر ایک کے دو مکان ہیں ایک آگ میں مکان اور ایک جنت میں مکان۔ اگر مر کر جنت میں گیا تو اہل نار کو اس کا دوزخی مکان مل جائے گا۔ اور اگر مر کر دوزخ میں گیا تو اہل جنت اس کے مکان کے وارث ہونگے [رواہ ابن ماجہ ابن مردویہ بیہقی فی البعث] الْفِرْدَوْسَ (فردوس کے) وہ وسیع باغ ہے جس میں پھلوں کی تمام اقسام ہیں۔

قطرب کا قول یہ ہے:

یہ جنتوں میں سے اعلیٰ جنت ہے۔ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ (وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) الفردوس کے لفظ کی طرف ھا کی ضمیر تاویل جنت کی بناء پر لوٹائی گئی ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝

اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے بنایا۔ پھر ہم نے اسے ٹھہرنے کی جگہ میں نطفہ کی صورت میں رکھا

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا

پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنا دیا پھر ہم نے اس لوتھڑے کو بوٹی بنا دیا پھر ہم نے اس بوٹی کو ہڈیاں بنا دیا پھر ہم نے ان ہڈیوں کو

الْعِظٰمَ لَحْمًا ۝ ثُمَّ أَنْشَأْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝ ثُمَّ إِنَّكُمْ

گوشت پہنا دیا۔ پھر ہم نے اسکو دوسری طرح کی مخلوق بنا دیا۔ سو بڑی برکت والی ہے اللہ کی ذات جو سب بنانے والوں سے بڑھ کر ہے۔ پھر بلاشبہ تم

بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝

اسکے بعد ضرور ہی مرجانے والے ہو۔ پھر بلاشبہ تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔

تخلیقِ آدم علیہ السلام:

۱۲: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ (تحقیق ہم نے جنس انسان کو پیدا کیا) یعنی آدم علیہ السلام کو۔ مِنْ سُلٰلَةٍ (خلاصہ سے)

نحو: مِن ابتدائیہ ہے۔ السلالۃ۔ خلاصہ نچوڑ۔ کیونکہ اس کو گدلے پن میں سے نکالا جاتا ہے۔ ایک قول: جس مٹی سے آدم علیہ السلام کو بنایا اسی کو سلالہ فرمایا کیونکہ وہ ہر مٹی کا نچوڑ تھا۔ مِّنْ طِيْنٍ (مٹی سے) مِن بیانیہ ہے۔ جیسا اس آیت میں من الاوثان الحج: ۳۰

نسل کے مراحلِ تخلیق:

۱۳: ثُمَّ جَعَلْنٰهُ (پھر اس کو بنایا) یعنی اس کی نسل کو۔

نحو: مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام بنا دیا کیونکہ آدم علیہ السلام کو نطفہ سے نہیں بنایا گیا۔ وہ اسی طرح ہے جیسے فرمایا بدا خلق الانسان من طین ثم جعل نسلہ من سلالۃ من ماء مھین [السجدہ: ۸]

ایک قول الانسان سے بنو آدم مراد ہیں اور السلالہ سے نطفہ اہل عرب نطفہ کو سلالہ کہتے ہیں۔ اسی ولقد خلقنا الانسان میں من سلالۃ یعنی ایسے نطفے سے جو مٹی سے نکالا اور بنا ہوا ہے اور وہ آدم علیہ السلام ہیں۔

نُطْفَةً (منوی پانی) فِيْ قَرَارٍ (ایک قرارگاہ میں) یعنی رحم مَّكِيْنٍ (مضبوط۔)

۱۴: ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ (پھر ہم نے نطفہ کو بنایا۔)

نحو: یہاں خلق کو صیر کے معنی میں لیا کیونکہ وہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے۔ اور اصل میں خلق ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ عَلَقَةً (خون کا لوتھڑا) مطلب یہ ہے کہ ہم نے سفید نطفہ کو سرخ لوتھڑا بنایا۔

فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً (پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں) فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا (پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی)

فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا (پھر ہم نے ہڈیوں کو گوشت پہنایا) ہڈیوں پر گوشت اگا دیا۔ وہ ہڈیوں کا لباس سا بن گیا۔

قراءت: شامی اور ابوبکر نے العظم پڑھا ہے۔ زید نے یعقوب سے العظام اور ابوزید سے العظم واحد کو جمع کی جگہ لائے کیونکہ التباس کا خدشہ نہیں اور انسان بہت سی ہڈیوں والا ہے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ (پھر اس کو بنایا) اس میں ضمیر انسان کی طرف لوٹتی ہے۔ نمبر۲۔ مذکور کی طرف ہوتی ہے۔ خَلْقًا اٰخَرَ (دوسری مخلوق) یعنی ایسی تخلیق جو پہلی کے متضاد تھی۔ اول جماد تھا پھر حیوان بنا دیا۔ اور حیوان کو سمیع و بصیر بنایا۔ حالانکہ پہلے وہ اس کے برعکس تھا۔

قول احناف:

اسی بنیاد پر ہم کہتے ہیں اگر کسی نے ایک انڈا غصب کیا اور اس سے چوزا نکل آیا۔ اس پر انڈے کی ضمان لازم ہے۔ چوزا واپس نہ کرے گا۔ کیونکہ وہ (خلق آخر) دوسری تخلیق ہے جو انڈے سے مختلف اور الگ ہے۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ (پس اللہ تعالیٰ بڑی شان والے ہیں) علم و قدرت میں اس کی شان بلند ہے۔

اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ: یہ خبر مبتدأ محذوف کی ہے۔ یا بدل ہے مگر صفت نہیں کیونکہ یہ نکرہ ہے خواہ مضاف ہے کیونکہ یہاں مضاف الیہ ال کے عوض آیا ہے۔ الْخٰلِقِيْنَ (سب سے بہتر پیدا کرنے والے ہیں) خالقین۔ مقدرین کے معنی میں ہے یعنی وہ اندازہ کرنے والوں میں سب سے بہتر اندازہ کرنے والے ہیں۔ تو تمیز کا ذکر الخالقین کی دلالت کی وجہ سے چھوڑ دیا۔

ایک قول:

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نبی اکرم ﷺ کا کاتب تھا۔ اس نے یہ جملہ آپ کے لکھوانے سے پہلے بولا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ اس پر عبداللہ کہنے لگا اگر محمد نبی ہیں تو میں بھی نبی ہوں۔ مجھ پر بھی وحی آتی ہے پھر وہ مرتد ہو کر مکہ چلا گیا پھر فتح مکہ کے روز مسلمان ہوا۔

دوسرا قول:

یہ حکایت صحیح نہیں کیونکہ ارتداد کا واقعہ مدینہ کا ہے اور یہ سورۃ مکی ہے۔ ... اور قول یہ ہے کہ یہ جملہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زبان سے نکلا (موافقات والی میں سے ہے) یا معاذ رضی اللہ عنہ کی زبان سے نکلا ہے۔

۱۵: ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ (پھر تم اس کے بعد) اس کے بعد جو ہم نے تمہارا معاملہ ذکر کیا۔ لَمَيِّتُوْنَ (البتہ مرنے والے ہو) اپنی مدت عمر ختم ہونے پر۔

۱۶: ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ (پھر بیشک تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے) جزاء کیلئے زندہ کئے جاؤ گے۔

بھی ہیں۔ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ (اور انہی میں سے تم کھاتے ہو) ان باغات یعنی ان کے پھلوں سے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ یہ اس قول سے ماخوذ ہو فلان یاکل من حرفة یحترفها و من صنعة یعملها یعنی اس کا وہ رزق ہے اور وہ ذریعہ ہے جس سے رزق کماتا ہے گویا اس طرح فرمایا کہ یہ باغات تمہارے ارزاق و معیشت کے اسباب و ذرائع ہیں انہی سے تمہیں رزق دیا جاتا ہے اور انہی سے تم گزراوقات کرتے ہو۔

۲۰: وَشَجَرَةً (اور ہم نے ایک درخت پیدا کیا) اس کا عطف جنات پر ہے اور وہ زیتون کا درخت ہے۔ تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ (جو طور سیناء میں پیدا ہوتا ہے)

نحو: طور سیناء اور طور سینین میں یا تو طور کی اضافت بقعہ کی طرف ہو جس کا نام سیناء اور سینون ہو یا نمبر۔ پہاڑ کا نام جو مضاف، مضاف الیہ سے مرکب ہو جیسے امرئ القیس۔ یہ فلسطین کا ایک پہاڑ ہے۔ اور سیناء ہر حال میں غیر منصرف ہے اس کا سین مکسور ہے۔ جیسا حجازی اور ابو عمرو نے سِیناء پڑھا ہے اور وجہ تعریف اور عجمہ پائی جاتی ہیں۔ یا یہ سَیناء جیسا دیگر قراء کی قراءت ہے کیونکہ الف تانیث ہے جیسے صحراء یہ دو سبب کے قائم مقام ہے۔

تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ (جو اگتا ہے تیل لیے ہوئے) زجاج کا قول ہے۔ باء حال کیلئے لائے اسی نبت و معها الدهن گویا مع کے معنی میں ہے۔ وہ اس حال میں اگتا ہے کہ اس کے ساتھ تیل ہوتا ہے۔

قراءت: تُنْبِتُ مکی اور ابو عمرو نے پڑھا خواہ اس وجہ سے کہ اَنْبَتَ بمعنی نَبَتَ آیا ہے۔ جیسا کہتے ہیں حتی اذا انبت البقل ای نبت البقل: سبزہ اگا۔ یا اس کا مفعول محذوف ہے ای تنبت زیتونها و فیه الدهن۔ وہ اپنے زیتون کو اگاتا ہے جس میں تیل ہوتا ہے۔

وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ (اور کھانے والوں کیلئے سالن) یعنی وہ اس میں روٹی ڈبو کر چوپ کر کے کھاتے ہیں۔

قول مقاتل:

اللہ تعالیٰ نے اس میں سالن اور تیل رکھ دیا۔ الادام الزیتون کا اور الدهن تیل۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ زمین پر پہلا درخت تھا جو طوفان کے بعد اگا۔

وجہ تخصیص:

ان تین اقسام کو خاص اس لئے کیا کیونکہ یہ معزز اور افضل اور کثیر المنافع درخت ہے۔

چوپاؤں کا تذکرہ:

۲۱: وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ (اور بیشک تمہارے لئے چوپایوں میں) انعام جمع نعم کی ہے اونٹ، گائے، بکری، بھیڑ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ (البتہ عبرت ہے ہم تمہیں پلاتے ہیں۔)

قراءت: شامی، نافع، ابو بکر نے نَسْقِيكُم پڑھا ہے۔ اور یہ سقی و اسقی کی طرح دو لغات ہیں۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ

اور بلاشبہ تمہارے لیے چوپایوں میں عبرت ہے، ہم تمہیں ان میں سے پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں ہے، اور تمہارے لیے ان میں بہت منافع ہیں

وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۙ﴿۲۱﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور ان میں سے تم کھاتے ہو، اور ان چوپایوں پر اور کشتیوں پر اٹھائے جاتے ہو۔

مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهَا (اس سے جو ان کے پیٹوں میں ہے) یعنی ہم ان کے پیٹوں سے تمہارے لئے خالص خوشگوار دودھ نکالتے ہیں۔ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ (اور تمہارے لئے ان میں اور بہت فوائد ہیں) جو دودھ کے علاوہ ہیں۔ مثلاً اون، بال، پشم جن سے مختلف انسانی لباس بنتے ہیں۔ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ (اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو) یعنی ان کا گوشت۔

۲۲: وَعَلَيْهَا (اور ان پر) چوپایوں پر خشکی میں وَعَلَى الْفُلْكِ (اور کشتیوں پر) سمندروں میں تُحْمَلُوْنَ (لادے پھرتے ہو اپنے سفروں میں) اور اس میں اشارہ ہے کہ انعام سے مراد اونٹ ہے کیونکہ عادۃً انہی پر بوجھ لادا جاتا ہے اسی وجہ سے فلک کے ساتھ ملا کر ذکر کیا۔ کیونکہ اونٹوں کو بھی سفائن البر یعنی خشکی کے جہاز نام دیا جاتا ہے جیسا ذوالرمہ شاعر کا قول ہے۔ سفینة برّ تحت خدّی زمامها۔ خشکی کی کشتی کہ جس کی نکیل میری رخسار کے نیچے ہے۔ سفینہ سے یہاں اپنی اونٹنی مراد لے رہا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا

اور یہ حقیقی بات ہے کہ ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کیا تم

تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ

ڈرتے نہیں ہو سو ان کی قوم کے سرداروں نے کہا جنہوں نے کفر اختیار کیا کہ یہ شخص تمہارے ہی جیسا آدمی ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ تم پر

يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۖۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾

فضیلت والا بن کر رہے اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتوں کو نازل فرما دیتا ہم نے تو یہ بات اپنے باپ دادوں میں نہیں سنی جو ہم سے پہلے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ:

۲۳: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ (اور تحقیق ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو) یعنی اس کو وحدہٗ لاشریک مانو۔ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ (تمہارے لئے اور کوئی معبود) الٰہ معبود کے معنی میں ہے۔ غَيْرُهٗ اس کے سوا۔

نحو: یہ محلاً مرفوع ہے اور لفظوں کے لحاظ سے مجرور ہے اور جملہ مستانفہ ہے امرِ عبادت کی تعلیل کے طور پر لایا گیا ہے۔ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ (پس کیا تم اس سے ڈرتے نہیں ہو) یعنی کیا تمہیں اس کے عذاب کا ڈر نہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ جو کہ تمہارا رب ہے اور تمہارا خالق ہے جبکہ تم دوسروں کی عبادت کرتے ہو جو عبادت کا ذرا بھر استحقاق نہیں رکھتے۔

قوم کے بڑے:

۲۴: فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ (پس ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا) یعنی شرفاء و سرداروں نے عام لوگوں کو کہا۔ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (یہ تم جیسا انسان ہے) جو کھاتا پیتا ہے۔ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ (تم پر برتری چاہتا ہے) یعنی تم پر بزرگی اور سرداری کرنا چاہتا ہے۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ (اگر اللہ تعالیٰ چاہتے) کہ وہ انبیاء روانہ کریں۔ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً (تو وہ ضرور فرشتے اتارتا) مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا (ہم نے یہ بات نہیں سنی) یعنی بشر کو رسول بنا کر بھیجنے والی بات یا وہ بات جس کا یہ ہمیں حکم دیتا ہے یعنی توحید سب معبودان باطلہ وغیرہ۔

نکتہ: مزاج انسانی ملاحظہ ہو۔ پتھر کو اللہ کر کے الوہیت کا مرتبہ دے دیا۔ مگر بشر کے لئے نبوت کے قائل نہ ہوئے۔ فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ (اپنے پہلے آباء و اجداد میں)۔

إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوا بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ ۝ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا

اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ اس کو جنون ہو گیا ہے سو تم کچھ وقت تک اس کا انتظار کر لو۔ نوح نے عرض کیا اے میرے رب اس سبب سے کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا

كَذَّبُونِ ۝ فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا

میری مدد فرمائیے۔ سو ہم نے نوح کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارے سامنے اور ہماری وحی سے کشتی بنا لو پھر جب ہمارا حکم پہنچ

وَفَارَ التَّنُّورُ ۙ فَاسْلُكْ فِيهَا مِن كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ

اور تنور سے پانی جوش مارنے لگے تو ہر جوڑے سے دو عدد یعنی ایک نر ایک مادہ کشتی میں داخل کر لینا اور اپنے گھر والوں کو بھی سوائے اس کے جس پر

عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۖ وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ۝ فَإِذَا

ان میں سے پہلے بات طے ہو چکی ہے۔ اور ان لوگوں کے بارے میں مجھ سے خطاب نہ کرنا جنہوں نے ظلم کیا بلاشبہ وہ غرق کئے جانے والے ہیں۔ سو جب

اسْتَوَيْتَ أَنتَ وَمَن مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ

تم اور وہ لوگ جو تمہارے ساتھ ہیں ٹھیک طرح کشتی میں بیٹھ جائیں تو یوں کہنا کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہمیں ظالم قوم سے

الظَّالِمِينَ ۝ وَقُل رَّبِّ أَنزِلْنِي مُنزَلًا مُّبَارَكًا وَأَنتَ خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ۝ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ

نجات دی۔ اور تم یوں دعا کرو کہ اے میرے رب مجھے برکت کا اتارنا اتاریو اور آپ اتارنے والوں میں سب سے بہتر ہیں۔ بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں

وَإِن كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ۝

اور بلاشبہ ہم ضرور آزمانے والے ہیں۔

۲۵: إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جِنَّةٌ (یہ صرف ایک ایسا آدمی ہے جس کو جنون ہو گیا ہے) جنة کا معنی جنون ہے فَتَرَبَّصُوا بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ (پس اس کو برداشت کرو اور ایک وقت کا انتظار کرو) پس تم انتظار کرو اس کے متعلق ایک زمانہ تک صبر کرو یہاں تک کہ اس کا معاملہ کھل کر سامنے آ جائے۔ پھر اگر تو جنون سے افاقہ ہو گیا ورنہ اس کو قتل کر دینا۔

۲۶: قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ (کہا نوح علیہ السلام نے اے میرے رب چونکہ انہوں نے میری تکذیب کی ہے اس لئے تو ان سے میرا بدلہ لے) جب نوح علیہ السلام ان کے ایمان سے مایوس ہو گئے تو اللہ تعالیٰ سے انتقام کی دعا کی۔ مطلب یہ ہے میری تکذیب کرنے کی وجہ سے ان کو ہلاک کر دے۔ کیونکہ نوح علیہ السلام کی نصرت ان کے ہلاک کرنے سے ہی ہو سکتی تھی۔ یا نمبر ۲۔ انصرنی یہ ما کذبون کا بدل ہے جیسے تم کہو هذا بذاك ای بدل ذاك۔ اس طرح معنی یہ ہو گا اے میرے رب ان کی تکذیب کے غم کو ان پر غلبہ کی تسلی سے بدل دے۔

کشتی سامنے بنانے کا مطلب:

۲۷: فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ (پس ہم نے ان کی طرف وحی کی) یعنی ان کی دعا کو قبولیت بخشی اور ان کی طرف یہ وحی بھیجی۔ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا (تم ہمارے سامنے کشتی تیار کرو) تم اس کو اس حالت میں بناؤ کہ تمہیں اپنے متعلق اللہ تعالیٰ کی حفاظت کا یقین ہو اور یہ بھی یقین ہو کہ تم اس کی نگاہ میں ہو یا ہماری حفاظت و نگرانی کا یقین اس قدر ہو گویا کہ تمہارے ساتھ ہمارے حفاظت کرنے والے ہیں جو اپنی آنکھوں سے تمہاری نگہبانی کر رہے ہیں تاکہ کوئی تمہارے معاملے میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالے اور نہ کوئی خلل تمہارے کام کو پہنچے۔ دوسرے اہل عرب کا محاورہ ہے علیہ من اللہ عین کالنۃ اس پر اللہ تعالیٰ کی نگرانی ہے۔ وَوَحْيِنَا (اور ہماری وحی سے) ہمارے حکم اور ہماری اس تعلیم سے جو اس کے بنانے کے سلسلے میں ہم نے دی ہے۔ روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ وہ کشتی پرندے کے سینے کی مثال سامنے رکھ کر بنائیں۔

فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا (پس جب ہمارا حکم آجائے) عذاب والا حکم وَفَارَ التَّنُّوْرُ (اور تنور نے جوش مارا) یعنی پانی روٹی کے تنور سے جوش مارنے لگے۔

کرشمہ قدرت: دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے پانی کا چشمہ آگ جلنے کے مقام سے نکال دیا۔ تاکہ عبرت و انذار کے لیے زیادہ فائدہ دے۔

تفسیری روایت میں ہے نوح علیہ السلام سے کہا گیا کہ جب تم تنور میں سے پانی نکلتا دیکھو تو ایمان والوں کو لے کر کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ جب تنور سے پانی اُبلا تو ان کی بیوی نے ان کو اطلاع دی یہ تنور آدم علیہ السلام کے زمانے سے چلا آرہا تھا۔ یہ پتھر والے کا بنا ہوا تھا۔ البتہ اس کے متعلق یہ اختلاف ہے کہ وہ کہاں واقع تھا ایک قول یہ ہے کہ مسجد کوفہ والی جگہ پر واقع تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ شام میں تیسرا قول یہ ہے کہ ہند میں۔

فَاسْلُكْ فِيْهَا (پس اس میں داخل کر لینا) یعنی کشتی میں مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ (ہر قسم کے جانوروں کا ایک جوڑا) یعنی ایک نر ایک مادہ، جیسے ایک اونٹ ایک اونٹنی، ایک گھوڑا ایک گھوڑی۔ اثْنَيْنِ (دو یعنی مادہ نر) ایک اونٹ ایک اونٹنی، گھوڑی گھوڑا۔ تفسیری روایت میں ہے کہ انہوں نے اپنے ساتھ بچہ جننے اور انڈے دینے والے جانور لئے۔

قراءت: مِنْ كُلٍّ کسرہ کے ساتھ ابن عامر، حمزہ، نافع وغیرہ کی قراءت ہے۔ جبکہ حفص نے مِنْ كُلٍّ پڑھا ہے۔ یعنی ہر جماعت سے زوجین اثنین ایک جوڑا۔ اثنین یہ تاکید اور زیادہ وضاحت کے لئے لایا گیا ہے۔ وَاَهْلَكَ (اور اپنے اہل کو) عورتوں اور بچوں کو۔

اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ۔ (مگر وہ جن کے متعلق پہلے ہی حکم نافذ ہو چکا ہے) اللہ تعالیٰ کی طرف ان کی ہلاکت کے متعلق اور وہ ان کا بیٹا اور ایک بیوی تھی۔

یہاں علی کا لفظ لایا گیا اس کے باوجود کہ نقصان دہ چیز کا پہلے ذکر ہو چکا۔ جیسا کہ لام کو لایا گیا باوجودیکہ نافع کا تذکرہ ہو چکا اس ارشاد میں ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین [الصافات: ۱۷۱] اور اسی طرح لہا ما کسبت و علیہا ما اکتسبت

[البقرۃ:۲۸۶] وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّھُمْ مُّغْرَقُوْنَ (اور ظالموں کے متعلق ہم سے کلام نہ کرنا۔ بلاشبہ وہ غرق کئے جائیں گے) کافروں کے بچانے کا مجھ سے سوال نہ کرنا اس لئے کہ میں نے ان کو ڈبونا ہے۔

۲۸: فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَکَ عَلَی الْفُلْکِ (جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں بیٹھ چکیں) جب تم اچھی طرح مطمئن ہو کر سوار ہو جاؤ۔ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (تو اس طرح کہو تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے ظالم قوم سے ہمیں نجات دی) اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت اور ان سے نجات پر حمد و ثناء کا حکم دیا۔ یہاں قولوا نہیں کہا گیا اگرچہ فاذا استویت انت ومن معک معنی کے لحاظ سے اذا استویتم کے معنی جمع دے رہا ہے کیونکہ وہ ان کے پیغمبر و مقتدی ہیں۔ اور آپ کا قول نبی کا قول ہے اور مقتدی کا کہنا مقتدیوں کا کہنا ہے۔

مسئلہ: اس میں نبوت کی فضیلت کی طرف نشاندہی کی گئی ہے۔

سرِّ کشتی:

۲۹: وَقُلْ (اور کہو) جب تم کشتی پر سوار ہو یا جب اس سے نکلو۔ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَکًا (اے میرے رب تو مجھے اتارنا برکت کے ساتھ) مُنْزَلًا مصدر ہے یعنی انزالًا کے معنی میں۔ نمبر۲۔ اترنے کی جگہ۔ وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ (اور آپ سب سے بہتر اتارنے والے ہیں) کشتی کی برکت کا مطلب اس میں بیٹھ کر طوفان سے نجات پانا۔ نکلنے میں برکت کا مطلب نسل کا بڑھنا اور پے در پے نیکی و دولت کا حاصل ہونا ہے۔

۳۰: اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ (بے شک اس میں) جو نوح علیہ السلام اور قوم نوح کے ساتھ کیا گیا۔ لَاٰیٰتٍ (البتہ نشانیاں ہیں) البتہ عبرتیں اور نصائح ہیں۔ وَّاِنْ (اور بیشک) یہ مخففہ من المثقلہ ہے اور لام اس کو اور نافیہ کو جدا کرنے والا ہے۔ مطلب یہ ہے اِنَّ الشان والقصۃ شان اور قصہ یہ ہے۔ کُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ (ہم ضرور آزمانے والے تھے) قوم نوح کو سخت سزا اور بڑا عذاب دینے والے ہیں یا ان آیات سے اپنے بندوں کو آزمانے والے ہیں تاکہ ہم دیکھیں کہ کون عبرت و نصیحت حاصل کرتا ہے جیسا کہ اس ارشاد میں فرمایا ولقد ترکنھا ایۃ فھل من مدکر [القمر:۱۵]

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا

پھر ہم نے ان کے بعد ایک گروہ پیدا کیا ۔ پھر ہم نے انہی میں سے رسول بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت

اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کرو اسکے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے کیا تم نہیں ڈرتے ہو۔ اس رسول کی قوم کے چودھری جنہوں نے کفر اختیار کیا

وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ

اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا اور ہم نے انہیں دنیا کی زندگی میں عیش دیا تھا انہوں نے کہا یہ تو تمہارے جیسا ہی آدمی ہے اسی چیز سے یہ

مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ

کھاتا ہے جس سے تم کھاتے ہو اور اسی میں سے پیتا ہے جس سے تم پیتے ہو۔ اور اگر تم نے اپنے جیسے کسی آدمی کی بات مان لی تو بلاشبہ تم

اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۝

ضرور نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے۔ کیا یہ تم سے کہتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تم نکالے جاؤ گے

ع ۳

قوم ہود کو دعوت کا تذکرہ:

۳۱: ثُمَّ اَنْشَاْنَا (پھر ہم نے پیدا کئے) مِنْ بَعْدِهِمْ (ان کے بعد) قوم نوح کے بعد قَرْنًا اٰخَرِيْنَ (ایک اور قوم کو) وہ عاد ہے جو کہ ہود علیہ السلام کی قوم تھی جس کے لئے ہود علیہ السلام کا قول گواہی دیتا ہے: واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح [الاعراف: ۶۹] اور قصہ نوح کے بعد اعراف میں ہود کا قصہ لایا گیا اور اسی طرح سورت ہود اور شعراء میں۔

۳۲: فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ (پس ان میں بھیجا) ارسال کا لفظ الیٰ کے ساتھ متعدی ہوتا ہے فی کے ساتھ متعدی نہیں ہوتا۔ مگر یہاں اور اس قول میں کذٰلک ارسلناک فی امۃ [الرعد: ۳۰] اور وما ارسلنا فی قریۃ [الاعراف: ۹۴] فی کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے لیکن امت اور قریہ کو ارسال کی جگہ اور ظرف قرار دیا جیسا رؤبہ کا قول ہے۔

ارسلت فیھا مصعبا ذا اقحام

اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ کلام عرب میں اس کا استعمال پہلے پایا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ قرآن مجید کو دیکھ کر تم خود صرف ایجاد ہوئی ہے۔ رَسُوْلًا (ایک رسول) ہود علیہ السلام مِّنْهُمْ (انہی میں سے) ان کی قوم میں سے اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ (کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ پس کیا تم اس کے عذاب سے نہیں ڈرتے) اَنْ یہ ارسلنا کی تفسیر کرنے والا ہے۔ ای قلنا لھم علی لسان الرسول اعبدوا اللّٰہ ہم نے ان کو پیغمبر کی زبان سے کہا تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔

۳۳: وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖ (ان کی قوم کے سرداروں نے کہا)

واؤ کو مقدم کرنے کی وجہ:

اعراف و ہود میں قوم ہود کی بات بغیر واؤ ذکر کیا۔ کیونکہ وہ وہاں سائل کے سوال کو مقدر مان کر جواب میں لایا گیا فان قلت فما قال قومه؟ ان کی قوم نے کیا جواب دیا تو جواب دیا گیا انہوں نے یہ کہا۔ اور یہاں واؤ کے ساتھ لائے کیونکہ اس کا عطف اس پر ہے جو انہوں نے اسوقت کہا جب ان کو رسول نے کہا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اس حق اور باطل کے حصول میں جمع ہو گئے۔ اور یہ قالوا کا جواب ان کے کلام سے متصل نہیں اور فاء سے بھی نہیں لائے۔ البتہ فاء کے ساتھ قصہ نوح علیہ السلام میں لائے ہیں۔ کیونکہ یہاں ان کے اس قول کا جواب ہے جو ان کے متصل آ رہا ہے۔

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (وہ لوگ جو کافر ہوئے) یہ الملاء کی صفت ہے یا القوم کی صفت ہے۔ وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ (اور انہوں نے آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا) یعنی اس میں پیش آنے والے حساب اور ثواب اور عقاب وغیرہ کا انکار کیا۔

نبی بھی تمہاری مثل بشر ہیں:

وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (اور ہم نے ان کو نعمتیں دیں دنیا کی زندگی میں) کثرت اموال و اولاد دے کر۔ مَا هٰذَآ (نہیں ہے یہ) نبی اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ (مگر تم جیسا انسان ہے وہ کھاتا ہے وہی جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتا ہے جو تم پیتے ہو) ای تشربون منه۔ منہ کو، قبل کی دلالت سے حذف کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کہاں سے نبوت کا دعویدار بن بیٹھا جبکہ وہ تم جیسا ہے؟

۳۴: وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ (اگر تم نے اپنے جیسے انسان کی اطاعت کی) ان باتوں میں جن کا وہ تمہیں حکم دیتا ہے اور جن سے تمہیں منع کرتا ہے۔ اِنَّكُمْ اِذًا (بیشک تم اس وقت) اذا یہ جزاء شرط کے درمیان میں ہے اور ان کا جواب جنہوں نے قوم میں سے یہ بات کی تھی لخاسرون ہے۔ لَّخٰسِرُوْنَ (ضرور نقصان میں پڑنے والے ہو) اس لئے کہ تم نے اپنے جیسے انسان کی اطاعت اختیار کر لی۔

کفار کی حماقت:

اپنے جیسے انسان کی اتباع کا انکار کیا اور اپنے سے عاجز تر چیزوں کی عبادت کرنے لگے۔

۳۵: اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ (کیا وہ تمہیں وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے)

قراءت: نافع، حمزہ، علی، حفص نے میم کے کسرہ سے اور دیگر قراء نے مُتُّمْ ضمہ میم سے پڑھا ہے۔ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ (اور تم خاک اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو دوبارہ زندہ کر کے زمین سے نکالے جاؤ گے) سوال کیلئے اٹھائے جاؤ گے اور حساب، کتاب اور ثواب و عذاب ہوگا۔

نحو: انکم کو دو مرتبہ تاکید کیلئے لائے اور ظرف کے ساتھ دونوں کا فاصلہ بہت خوب ہے اور مخرجون اول کی خبر ہے۔ اور تقدیر کلام اس طرح ہے۔ ایعدکم انکم مخرجون اذا متم و کنتم ترابا و عظاما۔ ایعد کا استفہام انکاری ہے یعنی ایسا نہیں چاہیے یا سوال تقریری ہے یہ ضرور ایسا کہہ رہا ہے۔ یا مقولہ سابقہ کی علت ہے تم کہاں چلے جاؤ گے کہ یہ قیامت کا قائل ہے

نَمُوْتُ وَنَحْيَا (ہم مرتے اور زندہ ہوتے ہیں) یعنی بعض پر موت آتی ہے اور بعض پیدا ہوتے ہیں ایک زمانہ والے ختم ہو جاتے ہیں تو دوسرے اہل زمانہ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ یا اس میں تقدیم و تاخیر ہے ای نحیا ونموت اور یہ ابی رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی۔ وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ (اور اٹھائے نہ جائیں گے) موت کے بعد۔

پیغمبر پر دروغ گوئی کا الزام:

۳۸: اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨافْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا (وہ ایک جھوٹا شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر دروغ بندی کی ہے) یعنی اپنے دعویٰ نبوت کا جو دعویٰ کرتا ہے اس میں یہ اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے والا ہے اور جو ہم سے بعث کا وعدہ کرتا ہے اس میں بھی جھوٹا ہے۔ وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ (اور ہم تو اس کی بات کا یقین کرنے والے نہیں) مؤمنین کا معنی مصدقین ہے تصدیق کرنے والے۔

۳۹: قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ (پیغمبر نے کہا اے میرے رب کافروں نے میری تکذیب کی ہے تو میری مدد فرما) اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کیا اور فرمایا۔

۴۰: قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھوڑے وقت کے بعد)

نحو: ما زائدہ ہے یا ما شیٔ کے معنی میں ہے یا ما زمن کے معنی میں ہے اور قلیل یہ ما کا بدل ہے اور قسم کا جواب محذوف ہے۔ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ (یہ لوگ ضرور پشیمان ہوں گے) جب یہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے جو عذاب ان پر اترے گا۔

چیخ سے ہلاکت:

۴۱: فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ (ان کو چیخ نے آ پکڑا) یعنی جبرئیل علیہ السلام نے چیخ ماری جس نے تمام کو تہس نہس کر دیا۔ بِالْحَقِّ (حق کے موافق) اللہ تعالیٰ کے عدل کے مطابق۔ محاورہ میں کہتے ہیں: فلان يقضي بالحق اي بالعدل فلاں عدل سے فیصلے کرتا ہے۔ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً (پس ہم نے ان کو خس و خاشاک کر دیا) ان کی ہلاکت وتباہی کو غثاء سے تعبیر فرمایا۔ الغثاء اس کوڑا کرکٹ کو کہا جاتا ہے جو سیلاب کی رو بہا کر لاتی ہے اور وہ پرانے پتے اور بوسیدہ ٹہنیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ فَبُعْدًا (پس دوری ہے) ہلاکت ہے محاورہ میں کہا۔ نحو: بعدا وسحقا و بعدا ای هلك یہ ایسے مصادر ہیں جو اپنے افعال سے منصوب ہوتے ہیں جن افعال کو ظاہر کرنا درست نہیں۔ لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (ظالم قوم کیلئے) یہ ان لوگوں کا بیان ہے جن کے متعلق بددعا کی گئی۔ جیسا اس آیت میں ہیت لک سورۃ یوسف: ۲۳

نحو: بعدا مصدر قائم مقام اور للقوم الظالمین یہ قائم مقام فاعل ہے اور لام زائدہ ہے یا تاکید مصدر ہے۔

ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُونًا آخَرِينَ ﴿٤٢﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا

پھر ہم نے ان کے بعد دوسری امتیں پیدا کیں کوئی امت اپنی مدت سے نہ آگے بڑھ سکتی اور نہ

يَسْتَأْخِرُونَ ﴿٤٣﴾ ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۖ كُلَّ مَا جَاءَ أُمَّةً رَسُولُهَا كَذَّبُوهُ ۚ فَأَتْبَعْنَا

پیچھے رہ سکتی تھی پھر ہم نے پے در پے اپنے پیغمبر بھیجتے رہے جب کسی امت کے پاس اس کا پیغمبر آتا تھا وہ اسے جھٹلا دیتے تھے تو ہم بھی بعض کو

بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ ۚ فَبُعْدًا لِقَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٤٤﴾ ثُمَّ أَرْسَلْنَا

بعض کے پیچھے ہلاک کرتے رہے اور ان کے افسانے بنا دیئے پس جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان پر لعنت پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی

مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُبِينٍ ﴿٤٥﴾ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ

ہارون کو اپنی نشانیاں اور کھلی دلیل دے کر بھیجا فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس

فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ ﴿٤٦﴾ فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا

تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ سرکش لوگ تھے کہنے لگے کہ کیا ہم ان اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں اور ان کی قوم کے لوگ ہمارے

عَابِدُونَ ﴿٤٧﴾ فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ ﴿٤٨﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ

خدمتگار ہیں تو انہوں نے ان کو جھٹلایا سو وہ بھی ہلاک کر دیئے گئے اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی

لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿٤٩﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ

تاکہ وہ لوگ ہدایت پائیں اور ہم نے مریم کے بیٹے اور ان کی ماں کو ایک نشانی بنایا اور ان کو ایک اونچی جگہ پر جو رہنے کے لائق تھی

قَرَارٍ وَمَعِينٍ ﴿٥٠﴾

اور جہاں نتھرا ہوا پانی جاری تھا

دیگر اقوام اور رسولوں کی آمد

۴۲: ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُونًا آخَرِينَ (پھر ہم نے انکے بعد دوسرے زمانہ والوں کو) قوم صالح، قوم لوط، قوم شعیب وغیرہم۔

۴۳: مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ (نہیں سبقت کرتی کوئی امت)

بِاٰیٰتِنَا (اپنی آیات دے کر) آیات سے معجزات مراد ہیں وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ (اور روشن دلائل) غالب آنے والے دلائل یعنی عصا۔

۴۶: اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَاْئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا (فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف پس انہوں نے تکبر کیا) یعنی ان کی وجہ سے ایمان کو قبول کرنے سے باز رہے۔ وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ (اور وہ لوگ تھے ہی متکبر و مغرور)۔

۴۷: فَقَالُوْا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا (وہ کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے دو انسانوں پر ایمان لائیں)۔

نحو: البشر کا لفظ واحد اور جمع دونوں پر آتا ہے۔ اور مثل اور غیر کا لفظ تثنیہ اور جمع اور مذکر و مؤنث دونوں کی صفت بن سکتے ہیں۔

وَقَوْمُهُمَا (اور ان کی قوم) مراد بنی اسرائیل لَنَا عٰبِدُوْنَ (ہمارے خدمت گار ہیں) مطیع اور محکوم مراد ہیں۔

اطلاقِ عرب: اہل عرب کے ہاں ہر وہ شخص جو کسی بادشاہ کا خدمت گزار و مطیع ہو اس کو عابد کہتے ہیں۔

۴۸: فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ (پس انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا نتیجۃً وہ ہلاک ہونے والے لوگوں میں سے ہو گئے) غرق سے ان کو ہلاک کر دیا گیا۔

۴۹: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى (تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو دی) یعنی قوم موسیٰ علیہ السلام کو الْكِتٰبَ (کتاب) تورات لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ (تاکہ وہ ہدایت پائیں) اس کے احکام پر عمل پیرا ہوں اور اس کے مواعظ سے نصیحت پکڑیں۔

مریم اور ابن مریم علیہما السلام کا تذکرہ اور ان کا ٹھکانہ:

۵۰: وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً (اور ہم نے ابن مریم اور ان کی والدہ کو نشانی بنایا) جو ہماری قدرت تامہ پر دلالت کرنے والی ہے کہ ہم جو چاہتے ہیں کرتے ہیں کیونکہ وہ بلانطفہ پیدا کئے گئے۔ آیۃً لفظ واحد لایا گیا کیونکہ معجزہ دونوں میں ایک ہی ہے۔ یا مراد یہ ہے وجعلنا ابن مریم اٰیۃً و امّہ اٰیۃً اول کو حذف کر دیا کیونکہ ثانی کی دلالت اس پر موجود ہے۔ وَّاٰوَيْنٰهُمَآ (اور ہم نے ان کو پناہ دی) ان کو ٹھکانہ دیا اِلٰى رَبْوَةٍ (ایک بلند زمین پر)۔

قراءت: شامی و عاصم نے رَبوۃ پڑھا ہے۔ اور دیگر قراء نے رُبوۃ پڑھا۔

ربوۃ بلند زمین نمبر ۱۔ وہ بیت المقدس ہے نمبر ۲۔ دمشق نمبر ۳۔ رملہ یا نمبر ۴۔ مصر۔

ذَاتِ قَرَارٍ (قرار والی) ہموار زمین جس پر بسنے والے ٹھہر سکیں۔ نمبر ۲۔ پانی اور پھلوں والی یعنی پھلوں کی وجہ سے لوگ وہاں ٹھہرتے ہیں۔ وَّمَعِيْنٍ (اور جاری چشمے) ایسا پانی جو سطح زمین پر چلنے والا ہو۔

صرف: یہ مفعول کا صیغہ ہے۔ یعنی جس کے جاری ہونے کا آنکھ ادراک کرے ظاہر ہونے کی وجہ سے۔ یہ عانہ سے لیا گیا جبکہ آنکھ سے اس کا معائنہ کرے۔ نمبر ۲۔ یہ فعیل کا وزن ہے کیونکہ یہ پانی چلنے کی وجہ اور ظاہر ہونے کی بناء پر فائدہ پہنچانے والا ہے۔ اس لئے یہ الماعون سے ماخوذ ہوگا اور وہ منفعت کو کہتے ہیں۔ یا معن سے ہے جس کا معنی جاری ہونا ہے اس صورت میں میم اصلیہ ہے اور یہ صحیح ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾ اُولٰٓئِكَ یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَیْنَا كِتٰبٌ یَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾

بلاشبہ جو لوگ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ شرک نہیں کرتے اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں کہ ان کے دل اس بات سے خوف زدہ ہوتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں، یہ لوگ ہیں جو نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور ان کی طرف دوڑتے ہیں، ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور ہمارے پاس کتاب ہے جو حق کے ساتھ بیان کرنے والی ہے اور ان پر ظلم نہیں ہوگا۔

اولیاء کی صفات کا دوبارہ تذکرہ:

۵۷: پھر اپنے اولیاء کا وضاحت سے تذکرہ فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ (بیشک وہ لوگ جو اپنے رب کے ڈر سے ہیبت زدہ ہیں) خائف ہیں۔

۵۸: وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ (اور وہ لوگ جو اپنے رب کی آیات پر ایمان لانے والے ہیں) یعنی اللہ تعالیٰ کی تمام کتابوں پر۔ وہ ان کتابوں میں ایمان کے لحاظ سے تفریق کرنے والے نہیں ان لوگوں کی طرح جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور وہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ ہیں۔

۵۹: وَالَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِكُوْنَ (اور وہ لوگ جو اپنے رب کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے نہیں) جیسا کہ مشرکین عرب کرتے تھے۔

۶۰: وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا (اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیتے ہیں جو دیتے ہیں) یعنی جو دینے والی چیزیں ہیں زکوٰۃ و صدقات وغیرہ دیتے ہیں۔

قراءت: یاتون ما اتوا قصر کے ساتھ پڑھا گیا اس صورت میں معنی یہ ہوگا یفعلون ما فعلوا وہ جو کرنا ہوتا ہے کرتے ہیں۔ وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ (اس حال میں کہ ان کے دل خوف زدہ ہوتے ہیں) اس بات سے خائف ہوتے ہیں کہ ان کی کوتاہیوں کی وجہ سے کہیں یہ نامقبول نہ ہو۔ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ (بیشک وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں) جمہور کے نزدیک اس کی تقدیری عبارت یہ ہے لانهم الی ربهم راجعون اور ان الذین کی خبر اولئك یسارعون فی الخیرات ہے۔

۶۱: اُولٰٓئِكَ یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ (وہی لوگ بھلائی کے کاموں میں جلدی کرنے والے ہیں) وہ طاعات کی رغبت رکھتے ہیں

بیہودہ گوئی کرتا آتا ہے)

قراءت: نافع نے تُہْجِرُوْنَ پڑھا ہے اس صورت میں یہ اهجر فی منطقه ای افحش اس نے اپنی گفتگو میں فحش طریق اختیار کیا۔

کفار کا انکار محض عناد اور وہ ذاتی غیرت کی وجہ سے نہیں مانتے:

۶۸: اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ (کیا انہوں نے کلام الٰہی میں غور نہیں کیا) کیا انہوں نے قرآن مجید میں غور نہیں کیا تاکہ ان کو علم ہوتا کہ وہ کھلا ہوا حق ہے پس وہ اس کی تصدیق کرتے اور اس کو سچا جانتے جو وہ لے کر آئے ہیں۔ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَأْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ (یا ان کے پاس کوئی ایسی چیز آئی ہے جو ان کے بڑوں کے پاس نہیں آئی) اَمْ بَل کے معنی میں ہے اور استفہام انکاری ہے مطلب اس طرح ہے بلکہ ان کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جو ان کے اولین آباء کے پاس نہ آئی ہوتی ہو بلکہ وہی چیز آئی ہے پھر ان کا انکار اور اس کو اوپرا قرار دینا بے معنی دارد۔

۶۹: اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ (یا یہ لوگ اپنے رسول کو نہیں پہچانتے) محمد الصادق الامین کو اور ان کے وفورِ عقل اور صحیح نسب اور حسن اخلاق سے واقف نہیں۔ جن وہ ان صفات سے ان کو پہچانتے ہیں۔ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ (پھر آپ کے منکر ہیں) کیا وجہ ہے سوائے ضد اور حسد کے اور تو کچھ نہیں۔

۷۰: اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ (یا یہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول کو جنون ہے) جِنَّةٌ کا معنی جنون ہے حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ آپ ان میں عقلی اعتبار سے سب سے بڑھ کر پختہ اور دانائی کے لحاظ سے سب سے روشن ذہن والے ہیں۔ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ (بلکہ یہ رسول ان کے پاس حق بات لے کر آئے ہیں) الحق سے صراطِ مستقیم اور وہ چیز جو ان کی شہوات خواہشات کے خلاف ہے اور وہ توحید اور اسلام ہے۔ اب انہوں نے اس کا کوئی جواب اور دفاع موجود نہ پا کر اس کو مجنون کہنا شروع کر دیا۔

وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ (اور ان کی اکثریت حق سے نفرت کرنے والی ہے) مَسْئَلَه: اس میں اس بات کا ثبوت ملا ہے کہ ان میں سے قلیل تعداد حق کو ناپسند نہیں کرتی تھی بلکہ ایمان کو ذاتی غیرت اور اپنی قوم کی ناپسندیدگی اور حقارت کی خاطر چھوڑنے والی تھی کہ قوم کے لوگ ان کو صابی کہہ کر طعن زنی کریں گے اور آباء و اجداد کے دین کو چھوڑنے کے طعنے دیں گے جیسے خواجہ ابوطالب وغیرہ کہ ان کو دین سے عناد نہ تھا۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ وَهُوَ

اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تم کم شکر ادا کرتے ہو۔ اور وہی ہے

الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ يُـحْيٖ وَيُمِيْتُ

جس نے تمہیں زمین میں پھیلا رکھا ہے اور تم اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے۔ اور وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔

وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ۝

اور اسی کے قبضہ میں ہے رات اور دن کا یکے بعد دیگرے آنا جانا۔ سو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔ بلکہ انہوں نے وہ بات کہی جو ان سے پہلے لوگوں نے کہی۔

نکون الی کون۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف منتقل ہوا جیسا کہ کہا جاتا ہے استحال اذا نتقل من حال الی حال، ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہوا۔

۷۷: حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا (یہاں تک کہ جب ہم نے سخت عذاب کا دروازہ کھول دیا)۔

قراءت: یزید نے فَتَّحْنَا پڑھا ہے۔

قحط سے پکڑ:

عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ عذاب شدید سے بھوک مراد ہے جو کہ قید وقتل سے سخت تر ہے۔ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ (تو اسی وقت وہ حیران مایوس ہو گئے) متحیر اور ہر خیر سے مایوس ہونے لگے اور ان میں سے سب سے سرکش اور ضدی شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر طالب دعا ہوا اور رحم کی اپیل کی یا ہم نے ان کا امتحان ہر قسم کے امتحان قتل و بھوک سے لیا مگر ان میں نرمی اور زاری پیدا نہیں ہوئی اور وہ اسی طرح رہیں گے یہاں تک کہ جب جہنم کی آگ سے ان کو عذاب دیا جائے گا تو تب مایوس ہو گئے جیسا دوسرے مقام پر فرمایا یوم تقوم الساعة یبلس المجرمون (الروم:۱۲)

انعامات سے یاددہانی:

۷۸: وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ (اور اللہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے کان آنکھیں اور دل پیدا کئے) تین حواس کا خصوصاً اس لئے ذکر کیا کہ عموماً انہی سے دینی اور دنیوی فوائد زیادہ تر متعلق ہیں دیگر حواس سے اتنے نہیں قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ (تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو) تم تھوڑا شکر یہ ادا کرتے ہو۔ ما تاکید کیلئے زائد کیا گیا ہے اور جفا کے معنی میں ہے مطلب اس طرح ہوا تم نے ان انعامات کی عظمت نہیں پہچانی اور تم نے ان کو بے محل استعمال کیا۔ تم نے آنکھوں اور کانوں سے اللہ تعالیٰ کی آیات اور افعال کے سلسلہ میں کام نہیں لیا۔ اور نہ اپنے دلوں سے استدلال کیا۔ کہ تم اس کو پہچان کر کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہراتے۔

۸۲: قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ (وہ کہتے ہیں کہ جب ہم مرجائیں گے اور خاک اور ہڈیاں بن کر رہ جائیں گے تو کیا زندہ کر کے ہم اٹھائے جائیں گے)

قراءت: مِتْنَا نافع، حمزہ، علی، حفص نے پڑھا ہے۔

۸۳: لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا (اس کا ہم سے اور ہمارے آباء و اجداد سے وعدہ ہوا) هٰذَا کا مشارالیہ البعث ہے مِنْ قَبْلُ (اس سے قبل) محمد ﷺ کی آمد سے قبل اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (یہ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں)۔

نحو: اساطیر جمع اسطار، اسطار جمع سطر۔ وہ کہانی جس کی کوئی حقیقت نہ ہو۔ اور اسطورۃ کی جمع قرار دینا زیادہ مناسب ہے پھر اپنے پیغمبر ﷺ کو حکم دیا کہ مشرکین پر اتمام حجت کریں چنانچہ فرمایا۔

اعتراض و دلائل:

۸۴،۸۵: قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (آپ ان سے کہہ دیں کہ زمین اور جو بھی زمین میں ہے یہ کس کے ہیں۔ اگر تم جانتے ہو) یہ لوگ عنقریب کہیں گے۔ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ (عنقریب یہ کہیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہے) کیونکہ ان کو اس بات کا تو اقرار ہے کہ وہ خالق ہے۔ جب وہ اعتراف خالقیت کرلیں تو آپ فرمائیں۔

قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (کہہ دیجئے کہ پھر تم کیوں غور نہیں کرتے) پھر تمہیں یہ جان لینا ہوگا کہ جس نے زمین کو پیدا کیا وہ اس میں تمام اشیاء بنائیں وہ مخلوق کو دوبارہ لوٹانے کی قدرت رکھتا ہے اور وہ اس بات کے لائق ہے کہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرایا جائے اور اس کی مخلوق کو اس کی ربوبیت میں شریک نہ کیا جائے۔

قراءت: افلا تذکرون تخفیف کے ساتھ حمزہ، علی اور حفص نے پڑھا جبکہ دیگر قراء نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔

۸۶،۸۷: قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۔ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ۔ (آپ ان سے یہ کہیں کہ ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا رب کون ہے۔ وہ عنقریب کہیں گے اللہ تعالیٰ آپ فرمادیں پھر تم اللہ تعالیٰ سے کیوں نہیں ڈرتے) پھر تم اس سے کیوں نہیں ڈرتے کہ تم دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہو۔ یا تم اس کی قدرت دوبارہ اٹھائے جانے کے سلسلہ میں کیوں نہیں مانتے حالانکہ تم ان تمام اشیاء کی تخلیق کے قائل ہو۔

۸۸: قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ (کہہ دیں کہ کس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے) ملکوت الملک ایک معنی میں ہیں۔ واؤ اور تاء مبالغہ کیلئے ہیں یہ اس کی بادشاہت کی عظمت پر دلالت کرتے ہیں۔ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (اور وہی پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کسی کو پناہ نہیں دی جاسکتی۔ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ) عرب کا محاورہ ہے اجرت فلانا علی فلان جب اس سے بچانے کیلئے تم اس کی فریادرسی کرو اور اس کا دفاع کرو۔ مطلب یہ ہے وہ جس کی چاہتا ہے فریادرسی کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے حفاظت کرتا ہے اور کوئی اس کے ضرر سے بچنے کیلئے اس کے خلاف پناہ نہیں دے سکتا۔

۸۹: سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ (وہ عنقریب کہیں گے اللہ ہی کی ہے کہہ دیں پھر تم کو کیسا خبط ہورہا ہے) تسحرون کا

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ

اللہ نے کسی کو اپنا بیٹا قرار نہیں دیا اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہے اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوق کو جدا کر لیتا

وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

اور ہر ایک دوسرے پر چڑھائی کر لیتا اللہ ان چیزوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں پوشیدہ اور آشکارا ہر چیز کا جاننے والا ہے

فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۟

وہ ان لوگوں کے شرک سے بالاتر ہے

معنی تسحرون ہے۔ نمبر۲۔ تخدعون عن الحق کا مطلب یہ ہے کہ کس فریب میں پڑ کر حق و ہدایت سے روگرداں ہو رہے ہو۔ نمبر۳۔ تم پھر حق کو باطل کس طرح خیال کرتے ہو۔ نمبر۴۔ تم اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی اطاعت کے متعلق کیوں دھوکہ میں مبتلا ہو۔ دھوکہ باز شیطان اور خواہشات ہیں۔ من اول کا جواب تو تقدیر سے درست ہے کیونکہ من کے ساتھ بھی لام آیا ہے۔ اسی طرح دوسرے اور تیسرے من کا جواب اہل بصرہ کے علاوہ دیگر علماء کے ہاں درست ہے کیونکہ اس کا معنی جب تم کہو من رب ھذا؟ تو مطلب یہ ہے لمن ھذا؟ تو جواب میں لفلان کہا جائے گا۔ جیسے شاعر کا قول

اذا قیل من رب المزالف بالقری ورب الجیاد الجرد؟ قیل لخالد۔

مطلب یہ ہے کہ مزالف کس کے ہیں؟ تو جواب ملا خالد کے ہیں۔

دوسرا قول:

جنہوں نے حذف سے پڑھا تو انہوں نے ظاہر پر رکھا۔ کیونکہ جب اس طرح کہیں گے من رب ھذا؟ تو اس کے جواب میں کہتے ہیں فلان۔

۹۰: بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ (بلکہ ہم نے ان کو سچی بات پہنچائی ہے) کیونکہ اس کی طرف بیٹے کی نسبت ناممکن ہے اور شرک باطل ہے وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (اور بیشک وہ جھوٹے ہیں) اس بات میں کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنایا اور شریک تجویز کرنے میں ان کا جھوٹ اور کھوٹ دو یا فرمایا۔

اللہ اولاد سے پاک ہے:

۹۱: مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ (اللہ تعالیٰ نے کوئی بیٹا نہیں بنایا) کیونکہ وہ نوع و جنسیت سے پاک ہے اور آدمی کا بیٹا اس کی جنس سے ہوا کرتا ہے۔ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ (اور اس کے ساتھ کوئی شریک بھی نہیں) جو الوہیت میں اس کا ساجھی ہو۔ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ (ہر ایک اپنی مخلوق کو جدا کر لیتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتا) ہر معبود اپنی مخلوق لے کر منفرد ہو جاتا اور اپنی مخلوق

جاتا ہے۔) یا اور دونوں باتوں کی تاکید کیلئے ہیں۔ یعنی اگر ضروری ہے کہ تو ان سے وعدہ کیا جانے والا عذاب اپنی زندگی میں دکھائے یا آخرت میں۔

۹۴۔ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِیْ فِی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (تو اے میرے رب مجھے ان ظالموں کے ساتھ شامل نہ کرنا) یعنی مجھے ان کا ہمراہی نہ بنانا اور ان کو جو عذاب ملے مجھے نہ پہنچے۔ یا قول حسنؒ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطلاع دی تھی کہ آپ کی امت پر ناراضگی کی سزا واقع ہوگی مگر یہ اطلاع نہیں دی کہ کب وہ عذاب اترے گا۔ پس اپنے پیغمبر ﷺ کو یہ دعا کرنے کا حکم فرمایا۔ نمبر۲۔ یہ بھی درست ہے کہ نبی معصوم ﷺ نے اپنے رب سے سوال کیا جس کے متعلق آپ کو معلوم ہوا کہ عنقریب وہ کرنے والے ہیں اور اس سے پناہ طلب کر رہے ہوں جس کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ نہیں کریں گے یہ بطور اظہار عبودیت کے ہے۔ اور بطور تواضع ہے جیسے آپ ﷺ کا استغفار ایک ایک مجلس میں ستر ستر مرتبہ ہوا کرتا تھا۔

نحو: فلا یہ جواب شرط میں لائی گئی ہے۔ اور رب والا جملہ معترضہ ہے جو جزاء و شرط کے درمیان آیا ہے۔

۹۵۔ وَاِنَّا عَلٰٓی اَنْ نُّرِیَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ (اور بیشک ہم اس بات پر قادر ہیں کہ جس عذاب کا ان سے ہم وعدہ کر رہے ہیں وہ آپ کو دکھا دیں) کفار مکہ عذاب کا انکار کرتے اور اس کا مذاق اڑاتے تھے اس پر انہیں کہا گیا اللہ تعالیٰ اس وعدے کو پورا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ اگر تم غور کرو اس انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ (کیونکہ دلائل قدرت تو شاہد ہیں)

درگزر اور احسان سے کام لیں:

۹۶۔ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ (آپ ان کی برائی کا دفعیہ ایسی خصلت سے کر دیا کریں) ہِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ (جو کہ بہت ہی خوب ہو) یہ انداز بالحسنة السیئة کہنے کی نسبت زیادہ بلیغ اور قوی فی الطلب ہے اس لئے کہ اس میں اسم تفضیل ہے۔ گویا اس طرح فرمایا ادفع بالحسنی السیئة مگر اس انداز عبارت کی اس کے مقابلہ میں کیا حیثیت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی زیادتیوں کے مقابلہ میں درگزر اور احسان سے حتی الامکان کام لیا جائے۔ قول ابن عباسؓ کہ احسن لا الہ الا اللہ ہے اور السیئہ شرک ہے یا سلام میں فحش انداز کو موعظہ کو عمدہ انداز سے کرنا نمبر۲۔ یہ آیت قتال سے منسوخ ہے۔ نمبر۳۔ محکم آیت ہے۔ مدارات کا تو اس وقت تک حکم ہے جب تک اس سے دین میں نقصان نہ آتا ہو۔ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ (ہم خوب ان باتوں سے واقف ہیں جو وہ بیان کرتے ہیں) شرکیات وغیرہ یا آپ کے متعلق طعن و تشنیع یعنی ہم ان کو خود سزا دیں گے۔

۹۷۔ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ (اور کہہ دیں اے میرے رب میں شیاطین کے وسوسوں سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں) یعنی ان کے وساوس اور طعنہ زنیوں سے۔

الھمز: ھمزات ہمزۃ کی جمع ہے جو مرۃ اور ایک بار کا معنی دیتی ہے اور یہ ھمز النخس سے ہے۔ سدھانے والے کا کچوکا۔ مطلب یہ ہے شیاطین لوگوں کو گناہ پر ابھارتے ہیں جس طرح سدھانے والے جانوروں کو چال پر چلانے کیلئے ابھارتے ہیں۔

۹۸۔ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ (اور اے میرے رب میں شیطان کے اپنے پاس حاضر ہونے سے تیری پناہ مانگتا ہوں) نمبر۱۔ شیاطین کے چوکوں سے دعائیہ انداز میں پناہ مانگنے کا حکم دیا پہلے تو وساوس سے پناہ۔ گی اور دوسری مرتبہ بالکل ان کے پاس بھٹکنے سے پناہ کا حکم دیا۔ (کیونکہ جب وہ پاس آئیں گے تو ضرور وسوسہ ڈالیں گے) نمبر۲۔ یہ فقط تلاوت قرآن کے وقت حکم دیا

کیجئے اسے بتا دیا جائے۔ لَعَلِّي (شاید کہ میں) قراءت لَعَلِّي یا کے سکون کے ساتھ کوفی، یعقوب نے پڑھا ہے۔ یا کے فتح کے ساتھ نافع، ابن کثیر، ابو عمرو نے پڑھا ہے یعنی لَعَلِّيَ۔ كَلَّا (ہرگز نہیں) رجوع کے مطالبہ کو مسترد کیا اور اس سے انکار کیا اور اس سے استبعاد کا اظہار کیا ہے کہ ایسا ہونا بہت بعید تر ہے۔

بغوی نے کہا وعید ہے یعنی تنبیہ کی جاتی ہے۔

إِنَّهَا كَلِمَةٌ (اس کی یہ بات ہی بات ہے) کلمہ سے مراد کلام کا ایک ایسا مجموعہ جو ایک دوسرے سے مربوط ہو وہ اس کا مقولہ ہے رَبِّ ارْجِعُونِ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ۔ هُوَ قَائِلُهَا (جو وہ کہہ رہا ہے) اور کہا جائے گا کہ کوئی چھوڑنے کا ارادہ نہیں اس سے خاموشی اختیار کرے گا۔ کیونکہ حسرت و ندامت کا اس پر غلبہ ہوگا۔ وَمِنْ وَرَائِهِمْ (اور ان کے آگے) ہم کی ضمیر جماعت کی طرف ہے۔ بَرْزَخٌ (پردہ ہے) ان کے اور دنیا کی طرف واپس لوٹنے کے درمیان حائل کر دیا گیا ہے۔ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ (اس دن تک جب کہ ان کو اٹھایا جائے گا) یہ مراد نہیں کہ دوبارہ بعثت سے واپس لوٹیں گے بلکہ یہ کلی طور پر امید ہے اس لئے کہ یہ بات یقینی طور پر ثابت ہے کہ بعثت کے بعد آخرت ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

نفخ صور اور قیامت کا منظر:

۱۰۱۔ فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ (جب صور میں پھونک ماری جائے گی) ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد نفخہ ثانیہ یعنی نفخ بعث ہے۔ یہی صحیح ہے۔ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ (تو ان کے درمیان باہمی رشتہ داریاں اس دن نہ رہیں گی)

قراءت بینہم میں ادغام کے ساتھ ابو عمرو نے پڑھا ہے۔ کیونکہ اجتماع مثلین ہے۔ اگرچہ یہ دو کلمے ہیں۔ مطلب یہ ہے ان کے درمیان انقطاع اسی وقت ہی واقع ہو جائے گا جبکہ ان کی وجہ سے فخر، ثواب والے فخر، سزا والے ہو جائیں گی اور ان کے درمیان صرف نسبی تعلق سے منسوب کی صورت رہ جائے گی جیسے وہ ہوں گے يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ اس دن رشتہ داری صرف اعمال کی بنیاد پر ہو جائے گی۔

وَلَا يَتَسَاءَلُونَ (اور آپس میں ایک دوسرے سے سوال نہ کریں گے) یعنی رشتہ داری اور خاندان کا سوال نہ کریں گے جیسا کہ دنیا میں سوال کرتے تھے کیونکہ ہر ایک اپنی مصیبت میں اس قدر مگن ہوگا کہ ساتھی کے متعلق پوچھنے سے بے نیاز ہوگا۔

ایک حل:

اس آیت میں لا یتساءلون آیا ہے۔ اور دوسری آیت وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ (صافات ۲۷) میں سوال کا تذکرہ موجود ہے۔ حقیقت میں ان کے مابین کوئی تناقض نہیں کیونکہ قیامت کے طویل دن میں بہت سے مواقع پیش آئیں گے۔ بعض مقامات پر خوف شدید ہونے کی وجہ سے باہمی سوال نہ کر سکیں گے۔ اور بعض مواقع میں افاقہ پا کر ایک دوسرے سے پوچھیں گے۔

۱۰۲۔ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ (جن کے میزان بھاری ہوں گے) موازین جمع موزون کی ہے۔ اور یہ جو لے جانے والے اعمال صالح ہوں گے جن کی قدر و منزلت اللہ تعالیٰ کے ہاں پائی جاتی ہے۔ اور کافروں کے متعلق تو فرمایا فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

(پھر تم ان کو جھوٹا قرار دیتے تھے) اور یہ گمان کرتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہیں۔

۱۰۶: قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا (وہ کہیں گے اے ہمارے رب ہم پر غالب آگئی) ہمیں گھیر لیا شِقْوَتُنَا (ہماری بدبختی نے)

قراءت: حمزہ و علی نے شقاوتنا پڑھا ہے اور یہ دونوں مصدر ہیں۔ مطلب یہ ہے ہم اپنے برے اعمال سے بدبخت ہوگئے جو ہم نے کیے۔

اہل تاویل کا قول:

ہم پر غالب آگئی وہ بدبختی جو ہمارے لیے لکھی گئی۔ یہ درست نہیں ہے کیونکہ وہ لکھا جاتا ہے جو کہ بندہ کرتا اور جس کے متعلق وہ جانتا ہے کہ وہ اسی کا چناؤ کرے گا اور نہیں لکھا جاتا اس کے علاوہ کہ جس کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ اس کے اختیار کرے گا۔ پس بندہ مغلوب و مضطر فعل میں نہ ہوا۔

اہل جہنم یہ بات بطور معذرت کریں گے کیونکہ وہ جانتے ہوں گے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں بڑی کوتاہی کی ہے پس اس موقعہ پر یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے قصوروں کے سلسلے میں اپنے نفوس کیلئے معافی طلب کریں اور اسی لئے بطور اعتراف کہیں گے۔

وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ (اور ہم راستہ کو گم کرنے والے لوگ تھے) حق و صواب سے گم گشتہ تھے۔

۱۰۷: رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا (اے ہمارے رب! تو ہمیں اس سے نکال دے) ھا کی ضمیر آگ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ فَاِنْ عُدْنَا (پس اگر ہم دوبارہ ایسا کریں) یعنی کفر کی طرف لوٹیں اور تکذیب اختیار کریں۔ فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ (پس بیشک ہم ظالم و قصوروار ہوں گے) ہم اپنے نفوس پر ظلم کرنے والے ہوں گے۔

آخری کلام:

۱۰۸: قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا (اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اس میں ملامت زدہ پڑے رہو) ذلت و رسوائی کے ساتھ بالکل خاموشی اختیار کرو۔ وَلَا تُكَلِّمُوْنِ (اور مجھ سے بات نہ کرو) اپنے سے عذاب کو دور کرنے کے سلسلہ میں اس لئے کہ عذاب نہ ہٹایا جائے گا اور نہ اس میں تخفیف ہوگی۔

ایک قول یہ ہے یہ آخری کلام ہوگی جو جہنمی کر پائیں گے پھر کلام نہ ہوگا سوائے گدھے کی زوردار اور ہلکی آوازیں نکالیں گی۔ (لهم فيها زفير و شهيق)

قراءت: ان یحضرونی اور ارجعونی و لا تکلمونی وصل و وقف دونوں حالتوں میں یاء سے پڑھے گئے ہیں البتہ یعقوب وغیرہ نے بغیر یاء کے پڑھا ہے۔

نیکوں سے تمسخر کا نتیجہ:

۱۰۹: اِنَّهٗ (بیشک معاملہ اور شان یہ ہے) یہ ضمیر شان ہے۔ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا (کہ میرے بندوں کی ایک جماعت تھی جو کہا کرتے تھے اے ہمارے رب ہم ایمان لائے

(پس تو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے پس تم نے ان کا مذاق اڑایا)

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ

اللہ تعالیٰ کا سوال ہوگا کہ تم برسوں کی گنتی کے اعتبار سے زمین میں کتنے دن رہے ۔ وہ کہیں گے کہ ایک یا ایک دن سے بھی کم رہے

فَسْئَلِ الْعَادِّينَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۱۴﴾

سو آپ گننے والوں سے سوال فرما لیجئے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کہ تم تھوڑی ہی مدت رہے اگر تم جانتے ہو

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ

کیا تم نے یہ خیال کیا کہ ہم نے تمہیں بطور عبث پیدا کیا اور یہ کہ تم ہماری طرف نہ لوٹائے جاؤ گے ۔ سو برتر ہے اللہ جو بادشاہ ہے

الْحَقُّ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ

حق ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عرش کریم کا رب ہے۔ اور جو کوئی شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے

لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ

جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے سو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے بلاشبہ بات یہ ہے کہ کافر لوگ کامیاب نہیں ہوں گے۔ اور آپ یوں دعا کیجئے

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿۱۱۸﴾

کہ اے میرے رب بخش دیجئے اور رحم فرمائیے بلاشبہ آپ رحم کرنے والوں میں سے سب سے بہتر رحم فرمانے والے ہیں۔

نحو: سِخْرِيًّا یہ مفعول ثانی ہے (باتوں میں مذاق اڑانا استہزاء کرنا) جب سین کے کسرہ سے ہو کہا قال الفراء)

قراءت: سُخْرِيًّا مدنی حمزہ و علی نے پڑھا (کسی کو غلام بنانا اور تحقیر کرنا) در اصل یہ دونوں مصدر ہیں السخر اور السخر۔ یا ئے

نسبت لگ جانے سے معنی میں مبالغہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ ایک قول یہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ دوسرا قول خصوصاً اصحاب صفہ مراد

ہیں۔ مطلب یہ ہے تم نے ان کا مذاق اڑایا اور ان کے ساتھ تمسخر نے تمہیں ہر چیز سے بے خبر کر دیا۔ حَتَّىٰ أَنْسَوْكُمْ (یہاں تک

کہ اس بات نے تمہیں میری یاد بھلا دی) ایمان والوں کے ساتھ مشغلے نے ذِكْرِي (میری یاد کو تم نے چھوڑ دیا۔)

مطلب یہ ہے کہ ان میں مشغولیت میری یاد کے بھلانے کا سبب بنی۔ وَكُنْتُمْ مِنْهُمْ تَضْحَكُونَ (تم ان سے ہنسی کیا کرتے تھے)

۱۱۱: إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا (میں نے آج ان کو ان کے صبر کے باعث بدلہ دیا) ان کے صبر کے سبب۔ أَنَّهُمْ اس

لئے کہ وہ هُمُ الْفَائِزُونَ (وہی ہیں کامیاب)

نحو: جائز ہے کہ یہ مفعول ثانی ہو۔ تقدیر کلام اس طرح ہوگی جزیتهم الیوم فوزهم میں نے ان کو کامیابی کا بدلہ دیا۔ کیونکہ

جزا کا لفظ دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسا دوسرے مقام پر فرمایا: وجزاھم بما صبروا جنۃ [الانسان:۱۲]

قراءت: انھم کسرہ کے ساتھ حمزہ وعلی نے پڑھا اور جملہ مستانفہ قرار دیا ہے ای انھم ھم الفائزون الا انتم بیشک وہ وہی کامیاب ہیں نہ کہ تم۔

۱۱۲: قٰلَ (اللہ تعالیٰ فرمائیں گے) یا جو فرشتہ ان کے سوال و جواب پر مقرر کیا گیا ہوگا۔

قراءت: قل مکی، حمزہ، علی نے پڑھا ہے یا ملک فرشتہ کو حکم ہوگا کہ ان سے سوال کرے۔ کَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ (تم زمین یعنی دنیا میں کتنا عرصہ ٹھہرے) عَدَدَ سِنِیْنَ (گنتی کے سال) یعنی تمہارے ٹھہرنے کے سالوں کی گنتی کیا ہے۔

نحو: کم لبثتم کی وجہ سے منصوب ہے اور عدد سنین تمیز ہے۔

دنیا کی قلیل مدت:

۱۱۳: قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ (انہوں نے کہا ہم ایک دن یا دن کا بعض حصہ ٹھہرے ہیں) انہوں نے دنیا کی اس مدت کو خلود کے مقابلہ میں قلیل قرار دیا اور اس لئے بھی کہ وہ عذاب میں مبتلا ہیں اور عذاب میں پڑا ہوا تکلیف کے دنوں کو طویل قرار دیتا ہے اور خوش بختی کے ایام کو قلیل قرار دیتا ہے۔ فَسْئَلِ الْعَآدِّیْنَ (تم گنتی کرنے والوں سے دریافت کرو) یعنی حساب کرنے والے یا وہ ملائکہ جو انسانوں کی عمروں اور اعمال کی گنتی پر مقرر ہیں۔

قراءت: مکی وعلی نے فَسَلِ بلا ہمزہ پڑھا ہے۔

۱۱۴: قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا (ارشاد ہوگا کہ تم دنیا میں نہیں ٹھہرے مگر تھوڑا تھوڑا) لَّوْ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (لیکن کیا خوب ہوتا ہے کہ تم سمجھتے ہوتے) دنیا میں ٹھہرنے کی مدت کے قلیل ہونے میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تصدیق فرمائی اور ان کی غفلت پر ان کو تنبیہ کیا۔

قراءت: حمزہ وعلی نے قُلْ اِنْ پڑھا ہے۔

اپنے کو بیکار سمجھنا:

۱۱۵: اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا (کیا تم نے یہ خیال کر لیا تھا کہ ہم نے تم کو محض بیکار پیدا کیا ہے)

نحو: عبثا یہ حال ہے ای عابثین کہ تم بیکار قرار دینے والے تھے۔ نمبر۲۔ مفعول لہ یعنی عبث ہم نے تم کو بیکاری کیلئے پیدا کیا ہے۔ وَّ اَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ (اور تم ہمارے پاس لوٹا کر نہیں لائے جاؤ گے)

قراءت: حمزہ وعلی ویعقوب نے تاء کے فتح اور جیم کے کسرہ سے پڑھا ہے اور اس صورت میں اس کا عطف انما خلقنٰکم پر ہے یا عبثًا پر ہے۔ یعنی بیکاری کیلئے اور اس لئے تاکہ ہم تمہیں بغیر لوٹائے چھوڑ دیں گے؟ بلکہ ہم نے تمہیں مکلف بنایا تاکہ پھر تکلیف کے مقام سے دار الجزاء کی طرف لوٹا کر محسن کو ثواب اور گناہگار کو سزا دیں۔

وہ جس کی مملکت کو زوال نہیں:

۱۱۶: فَتَعٰلَی اللّٰہُ (پس بہت عالی شان ہے) اس سے کہ بے کار پیدا کرے۔ الْمَلِکُ الْحَقُّ (سچا بادشاہ) وہ ذات جس کو بادشاہی لائق ہے کیونکہ ہر چیز اسی نے بنائی اور اسی کی طرف رجوع کر جائے گی۔ نمبر۲۔ وہ قائم رہنے والی ذات ہے کہ جس پر زوال

مختلف فرائض ہیں۔ نمبر ۳۔ سلف اور ان کے بعد جو لوگ گزرے ہیں کیونکہ ان کی احمد داریاں زیادہ تھیں۔

وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ (اور ہم نے اس کے اندر کھلی آیات نازل کی ہیں) یعنی واضح دلائل لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (تا کہ تم نصیحت قبول کرو) تا کہ تم نصیحت حاصل کرو۔

قراءت: حمزہ، علی و خلف و حفص نے تذکرون ذال کی تخفیف سے پڑھا ہے۔ پھر اس کے احکامات کی تفصیل کرتے ہوئے فرمایا:

زانی کی سزا:

۲: اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ (زانی مرد و زانی عورت) ابتداء کی وجہ سے مرفوع ہیں اور خبر محذوف ہے۔ یعنی زانیہ اور زانی کے سلسلہ میں تم پر فرض ہے یعنی ان دونوں کو کوڑے لگانا۔ نمبر ۲۔ خبر فاجلدوا ہے الف لام الذی کے معنی میں ہے جس میں شرط کا معنی متضمن ہے اس وجہ سے خبر پر فا داخل کی گئی ہے تقدیر کلام یہ ہے وہ عورت جو زنا کرے اور وہ مرد جو زنا کا مرتکب ہو پس ان دونوں کو کوڑے لگاؤ اس کی مثال دوسرے ارشاد میں ہے والذین یرمون المحصنات ثم لم یاتوا باربعۃ شہداء فاجلدوھم [النور: ۴]

قراءت: عیسیٰ بن عمر نے نصب سے پڑھا ہے۔ اس فعل کو مضمر مانا ہے۔ جس کی ظاہر تفسیر کر رہا ہے اور یہ سورۃ انزلناھا سے زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ امر ہے۔

فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (تم ان میں سے ہر ایک کو کوڑے مارو) الجلد جلد پر مارنا۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ کوڑا مارنے میں اتنا مبالغہ کیا جائے گا۔ کہ تکلیف گوشت تک پہنچے اور خطاب حکام کو کیا گیا ہے کیونکہ حد کی اقامت دین میں سے ہے اور اس کی ذمہ داری تمام لوگوں پر ہے اور تمام کا اجتماع ممکن نہیں پس امام ان کے قائم مقام ہوا اور یہ اس آزاد کا حکم ہے جو شادی شدہ نہ ہو کیونکہ شادی شدہ کی سزا تو سنگساری ہے۔

شرائط احصان:

رجم کیلئے یہ ہیں۔ نمبر ۱۔ آزادی نمبر ۲۔ عقل نمبر ۳۔ بلوغ نمبر ۴۔ اسلام۔ نمبر ۵۔ صحیح نکاح سے شادی نمبر ۶۔ قربت۔

مسئلہ: یہ دلیل ہے کہ تغریب حد شرعی میں داخل نہیں اس لئے کہ فا شرط کی جزاء پر داخل ہوتی ہے اور جزا اس چیز کو کہتے ہیں جو کفایت کرنے والی ہو۔ جس روایت میں تغریب کا تذکرہ ہے وہ آیت سے منسوخ ہے جیسا کہ حبس اور ایذاء اس قول میں منسوخ ہے فامسکوھن فی البیوت [النساء: ۱۵] اور فاٰذوھما [النساء: ۱۶] اس آیت کے ذریعہ۔ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ (اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنا چاہیے) رافۃ کسی رحمت ہے۔

قراءت: مکی کی قراءت میں رافۃ راء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

ایک قول: ناپسند کو دفع کرنا رافت کہلاتا ہے پسندیدہ چیز کا پہنچانا رحمت کہلاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو پورا کرنے میں مسلمانوں کو سختی سے کام لینا چاہیے اور اس کی حدود کے پورا کرنے میں نرمی ہرگز نہ برتنی چاہیے کہ جس سے حدود

تہمت لگانے والوں کا حکم:

۴: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ (اور وہ لوگ جو پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں)

قراءت: علی نے مُحصِنات پڑھا ہے۔

مطلب یہ ہے وہ زنا کی تہمت آزاد، پاکدامن مسلمہ مکلفہ پر لگاتے ہیں۔ القذف: تہمت زنا اور دیگر تہمتوں کیلئے بھی آتا ہے یہاں مراد زنا کی تہمت ہے کہ اس طرح کہے یا زانیہ۔ نمبر۱۔ کیونکہ زانیہ عورتوں کے بعد پاکدامن عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ نمبر۲۔ اس لئے بھی کہ چار گواہوں کے لیے شرط بھی اس ارشاد کی بناء پر ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ (پھر وہ چار گواہ نہ لائے) وہ چار گواہ نہیں لائے جو زنا کی گواہی دیں کیونکہ قذف بغیر زنا یہ ہے کہ کسی کو یا فاسق یا آکل الربا کہے اس میں دو گواہ کافی ہیں اور اس پر تعزیر ہوتی ہے۔

شروط احصان القذف:

نمبر۱۔ حریت نمبر۲۔ عقل نمبر۳۔ بلوغ نمبر۴۔ اسلام نمبر۵۔ زنا سے پاک ہونا۔ محصن اور محصنہ وجوب حد قذف میں برابر ہیں۔

فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً (ان کو اسی کوڑے مارو) اگر (قاذف) تہمت لگانے والا آزاد ہو۔

نحو: ثمانین اسی طرح منصوب ہے جیسے مصدر منصوب ہوتے ہیں جیسا کہ مائۃ جلدۃ منصوب ہے اور جلدۃ تمییز کی وجہ سے منصوب ہے۔

وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا (اور تم ہرگز ان کی گواہی کبھی بھی قبول نہ کرو) شہادۃ کا لفظ نکرہ تحت النفی ہے جو کہ ہر شہادت کو عام ہے۔ احناف کے نزدیک حد کی شہادت رد کردی جائے گی اور اس کا تعلق استیفائے حد یا بعض حد سے ہے جیسا کہ معروف ہے۔

عند الشافعی رحمہ اللہ اس کی شہادت کا مسترد کرنا نفس قذف سے ہے۔ عندنا رد کی سزا کوڑے ہیں اور شہادت کا رد کرنا مدت حیات تک ہوگا۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (اور یہ لوگ فاسق ہیں۔) یہ جملہ مستانفہ ہے۔ شرط کی جزاء کی حدود میں داخل نہیں ہے جملہ شرطیہ کے اختتام پر گویا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تہمت لگانے والوں کی حکایت حال ذکر کی گئی اور اس کا فرمانا:

۵: اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ (مگر وہ لوگ جنہوں نے اس کے بعد توبہ کرلی) تہمت سے وَاَصْلَحُوْا (اور درستگی کرلی) اپنے حالات کی۔

نحو: یہ الفاسقون سے استثناء ہے اور اس پر یہ ارشاد دلالت کر رہا ہے۔

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں) ان کے گناہوں کو بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا۔ مستثنیٰ کا حق یہ ہے کہ وہ منصوب ہو کیونکہ وہ کلام موجب سے استثناء ہے۔ وہ مراد لی جنہوں نے استثناء کو جملہ ثانیہ سے متعلق قرار دیا ان کے ہاں مجرور ہے اور ھم کی ضمیر سے بدل ہے۔ (ربط) پہلے اجنبی عورتوں کے قذف کا ذکر تھا اب ازواج کے قذف کا ذکر فرمایا۔

۸: وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ (اور اس سے سزا کو روک دے گا) جس کو تم سے روک دے گا۔ یدرأ کا فاعل اَنْ تَشْهَدَ الآية ہے۔ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ (وہ عورت گواہی دے چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر) اس کا خاوند لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ (یہ سلے درجے کا جھوٹا ہے) اس الزام میں جو زنا کا اس نے میرے ذمہ لگایا ہے۔

۹: وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ (اور پانچویں مرتبہ وہ اس طرح کہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو اگر وہ) یعنی اس کا خاوند مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (سچوں میں سے ہے) اس بات میں جو اس نے زنا کی تہمت مجھ پر لگائی ہے۔

قراءت: الخامسة کو حفص نے اربع پر عطف کرتے ہوئے پڑھا اور اس کو منصوب قرار دیا جبکہ دیگر قراء نے ابتداء کی وجہ سے رفع دیا ہے اور اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ اس کی خبر ہے اور نافع نے اَنْ لَعْنَةُ اللّٰهِ اور اَنْ غَضِبَ اللّٰهُ کے نون کو تخفیف کے ساتھ اور غضب کی ضاد کو کسرہ سے پڑھا اور یہ دونوں ان مثقلہ کے حکم میں ہیں۔ اور اَنْ غَضَبُ اللّٰهِ سہل اور یعقوب نے پڑھا ہے۔

وجہ تخصیص:

عورت والی جانب خاص طور پر غضب اللہ کا لفظ استعمال فرمایا حالانکہ قضیہ تو طرفین کا ایک ہی قسم سے ہے کیونکہ عورتیں اپنی کلام میں لعنت کثرت سے استعمال کرتی ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے بسا اوقات ہو سکتا ہے کہ زبان پر کثرت سے جاری ہونے کی وجہ سے اس موقعہ پر بے پرواہ ہو کر لعنت کا لفظ زبان پر کہہ دیں اور معاملہ کی اہمیت ان کے سامنے نہ رہے بلکہ جانے تو عورتوں کی جانب غضب کا لفظ استعمال کر دیا تاکہ وہ قسم سے باز رہیں اور کسی شدید مجبوری کی بنا پر ہی قسم کھائیں۔

الاصل:

اصل بات یہ ہے کہ لعان ہمارے نزدیک گواہیاں ہیں جو قسم کے ساتھ مؤکد ہیں اور لعنت ان کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور مرد کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہیں اور عورت کے حق میں حد زنا کے قائم مقام ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو شہادت کہا ہے۔ جب خاوند نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی اور وہ دونوں اہل شہادت میں سے ہوں۔ تو لعان ان کے درمیان لازم ہے اور جب دونوں نے لعان کر لی جیسا کہ "الاحمد" کتاب میں بیان کیا گیا تو اس وقت تک فرقت واقع نہ ہو گی جب تک قاضی ان کے مابین تفریق نہ کرے۔ عند زفر لعان سے ہی فرقت واقع ہو جائے گی۔ یہ فرقت طلاق بائنہ ہے۔ عند ابی یوسف، زفر، امام شافعی ابدی حرمت ہے۔

شان نزول: آیت لعان ہلال یا عویمر عجلانی کے متعلق اتری جبکہ اس نے کہا تھا کہ اس نے اپنی بیوی کے پیٹ پر جس کا نام شریک بن سحماء لکھا پایا۔ عورت نے اس کی تکذیب کر دی آپ ﷺ نے ان پر لعان کو جاری فرمایا۔ (ابوداؤد)

۱۰: وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ (اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا) عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ (تم پر اور اس کی رحمت) تمہیں وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ (اور بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والے حکمت والے ہیں) لو لا کا جواب محذوف ہے ای لفضحکم ضرور تمہیں رسوا کر دیتا۔ تمہیں سزا جلد دیتا۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ
لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ
عَظِيمٌ ﴿١١﴾ لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا
هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿١٢﴾ لَّوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ
عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٣﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ
فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٤﴾ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُم
مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمٌ ﴿١٥﴾ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ
قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ﴿١٦﴾ يَعِظُكُمُ اللَّهُ
أَن تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٧﴾ وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ
حَكِيمٌ ﴿١٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ
أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ
عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٠﴾

امتناع کیلئے ہے دوسری چیز کے وجود کے سبب۔ بخلاف اس کے جو پہلے گزرا ہے مطلب یہ ہوا کہ اگر میں نے تم پر دنیا میں قسم قسم کی نعمتوں کو عنایت کرنے کا فیصلہ نہ کیا ہوتا۔ جس میں سے ایک یہ ہے کہ ہم مجرمین کو مہلت دیتے ہیں تاکہ توبہ کی طرف لوٹ آئیں اور آخرت میں ہم عفو و مغفرت کریں۔ تو جس افک والی بات میں تم مبتلا ہو گئے تھے اس پر جلد عذاب تم پر نازل ہوتا۔ محاورہ عرب ہے افاض فی الحدیث وخاض واندفع کسی بات میں گھس جانا۔

۱۵: اِذْ (یہ مَسَّکُمْ کا ظرف ہے یا افضتم کا ظرف ہے) تَلَقَّوْنَهٗ (نقل در نقل کرنا) ایک دوسرے سے لے کر نقل کرتے تھے کہا جاتا ہے تلقی القول وتلقفه وتلقنه بات کو اچک کر نقل کرنا۔ بِاَلْسِنَتِكُمْ (اپنی زبانوں سے) یعنی تم ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے۔ کیا تمہیں عائشہ کی بات پہنچی ہے؟ یہاں تک کہ یہ بات پھیل گئی اور منتشر ہوگئی کوئی گھر اور مجلس ایسی نہ رہی جس میں یہ بات شائع نہ ہو۔

وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ (اور تم اپنے مونہوں سے وہ باتیں کہہ رہے تھے جس کا تمہیں علم نہ تھا) اس کو افواہ سے مقید فرمایا حالانکہ بات تو ہوتی ہی منہ سے ہے کیونکہ معلوم چیز کا علم دل میں ہوتا ہے پھر زبان اس کی ترجمانی کرتی ہے اور یہ افک محض بات ہی ہے جو تمہارے مونہوں میں گھوم رہی ہے دل میں اس کا علم نہیں کہ جس کی ترجمانی زبانیں کر رہی ہوں۔ جیسے کہ دوسرے ارشاد میں فرمایا یقولون بافواههم ما ليس في قلوبهم [آل عمران: ۱۶۷]

وَتَحْسَبُوْنَهٗ (اور تم اس کو گمان کر رہے تھے) یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بات کے نقل کرنے کو تم گمان کر رہے تھے کہ هَيِّنًا (آسان ہے) چھوٹی بات ہے وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ (حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑی بات ہے) بڑی ہے بعض لوگوں نے موت کے وقت گھبراہٹ ظاہر کی تو ان کو اس سلسلہ میں کہا گیا مجھے اس گناہ کا خطرہ ہے کہ جس کی مجھے پرواہ نہ تھی مگر وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا ہے۔

۱۶: وَلَوْلَآ (اور کیوں نہ ایسا ہوا) اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا (جب تم نے یہ بہتان سنا تھا تو تم نے کہہ دیا ہوتا کہ ہمارے لئے یہ بات کہنی جائز نہیں)

نحو: لولا اور قلتم کے درمیان ظرف سے فاصلہ ہے کیونکہ ظروف کا معاملہ الگ ہی ہے کہ اشیاء کیلئے ان کی ذات کے قائم مقام آتے ہیں کیونکہ اشیاء انہی کے اندر پائی جاتی ہیں۔ اور یہ اشیاء سے الگ نہیں ہوتے اس لئے ظروف میں جو وسعت ہے وہ دوسروں میں نہیں۔

فائدہ تقدیم ظرف :

ان پر لازم تھا کہ جونہی انہوں نے افک کو سنا تو اس کے متعلق گفتگو نہ کرنے کا فائدہ اٹھاتے۔ جب وقت کو ذکر کر دیا تو عرصہ اہمیت والی بات ہو گئی مطلب یہ ہوا جب تم نے افک کو سنا تو اس طرح کیوں نہ کہا کہ ہمارے لئے درست نہیں کہ ہم اس کے متعلق کلام بھی کریں۔ سُبْحٰنَكَ (پاک ہیں آپ) معاملے کی بڑھائی پر تعجب کیلئے لایا گیا ہے۔

۲۰: وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ (اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی مہربانی ہے) تو وہ تمہیں جلد سزا دیتے۔ اس نے جلد عذاب نہ دینے کو بار دیگر احسان فرمایا ہے۔ اور جواب کو اس لئے حذف کر دیا ہے کہ احسان میں مبالغہ ظاہر ہو اور توبیخ کا فائدہ بھی حاصل ہو۔ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ (اور اللہ تعالیٰ بڑا شفیق ہے) کہ جس پر تہمت لگی اس کی براءت واضح فرمائی اور اس کو اجر سے نوازا۔ رَّحِيْمٌ (رحم کرنے والے ہیں) تہمت لگانے والا اگر توبہ کرے تو اس کی جنایت و گناہ کو بخشنے والے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ

اے ایمان والو شیطان کے قدموں کی اتباع مت کرو اور جو شخص شیطان کے قدموں کے پیچھے چلتا ہے

فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰي مِنْكُمْ

تو وہ بے حیائی کے کاموں کا اور برائیوں کا حکم دیتا ہے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی

مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ وَلَا يَاْتَلِ

کوئی شخص پاک نہ ہوتا لیکن اللہ پاک کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے اور جو لوگ تم میں سے

اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ

بزرگی والے اور وسعت والے ہیں وہ رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۽ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ

دینے کی قسم نہ کھائیں چاہئے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے اور اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي

بخشنے والا مہربان ہے جو لوگ پاک دامن بے خبر ایمان والی عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں دنیا اور آخرت میں ان پر

الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ

لعنت کی گئی اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور

وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ يَوْمَىِٕذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ

پاؤں ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے اس دن اللہ ان کو ان کا ٹھیک ٹھیک بدلہ پورا دے گا اور وہ جان لیں گے کہ اللہ ہی

هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ

حق ہے ظاہر کرنے والا ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لائق ہیں اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لائق ہیں اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لائق ہیں

وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰۗىِٕكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾

اور پاک مرد پاک عورتوں کے لائق ہیں یہ لوگ ان باتوں سے بری ہیں جو یہ لوگ کہتے ہیں ان کے لئے مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے

۲۱: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ (اے ایمان والو شیطان کے قدم بقدم نہ چلو) خطوات سے قدموں کے نشانات اور وساوس شیطانی مراد ہیں ان کی اتباع یہ ہے کہ افک کی طرف کان لگائے یا زبان سے گفتگو کرے۔ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ (اور جو شخص شیطان کے قدم بقدم چلے گا وہ تو ہمیشہ) ہ کا مرجع شیطان ہے یعنی شیطان يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ (وہ فحشاء کا حکم دیتا ہے) فحشاء اس کو کہتے ہیں جو انتہائی قبیح ہو۔ وَالْمُنْكَرِ (اور منکر کا) جس کو نفوس ناپسند کریں اور اس سے نفرت کریں اور نامعقول قرار دیں۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا (اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو اس گناہ سے تم میں سے کبھی کوئی پاک نہ ہوتا) اگر خاص توبہ کا احسان نہ فرمایا ہوتا تو افک کے گناہ سے ابدالآباد تک کیلئے تم میں سے کوئی پاک نہ ہو سکتا۔ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ (لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے پاک کرتا ہے) وہ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کر کے ان کو پاک کرتا ہے جبکہ وہ مخلصانہ طور پر توبہ کریں۔ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ (اور اللہ تعالیٰ سننے والے ہیں) ان کی بات کو عَلِيْمٌ (جاننے والے ہیں) ان کے ضمائر و سرائر اور ان کے اخلاص کو۔

فضل سے مستحقین پر احسان میں کمی نہ کریں:

۲۲: وَلَا يَاْتَلِ (اور نہ قسم کھائیں) نمبر ۱۔ ائتلی اذا حلف یہ الالیۃ سے باب افتعال ہے قسم کھانے کے معنی میں آتا ہے۔ نمبر ۲۔ الالو سے لیا جائے تو کمی نہ کریں معنی ہوگا۔ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ (تم میں سے دینی فضیلت والے) وَالسَّعَةِ (وسعت والے) مال میں اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (کہ نہ دیں گے قرابت والوں کو مساکین اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو) مطلب یہ ہے کہ وہ قسم نہ اٹھائیں کہ وہ مستحقین پر احسان نہ کریں گے۔

نمبر ۲۔ ان پر احسان کرنے میں وہ کمی نہ کریں خواہ ان کے مابین رنجش ہو گئی ایسے جرم کی وجہ سے جو مساکین نے کیا ہو۔

مَسْئَلَہ: معلوم ہوا کہ مسکین بحیثیت مسکین قابل رحم ہے اگرچہ گناہگار ہو۔

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا (اور ان کو معاف کر دیں اور ان سے درگزر کریں) عفو (پردہ پوشی) صفح (اعراض کرنا) مطلب یہ ہوا کہ جفاء سے تجاوز کریں اور عقوبت سے اعراض کریں اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ (کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے) پس تم وہی سلوک ان سے کرو اگرچہ ان کی غلطیاں زیادہ ہیں جو سلوک تم اپنے متعلق اپنے رب کی بارگاہ سے چاہتے ہو۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (اور اللہ تعالیٰ بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں) اللہ تعالیٰ کے آداب سے ادب حاصل کرو۔ بخشش کرو اور رحم کرو۔

شانِ نزول: یہ آیت صدیق اکبرؓ کے متعلق اتری جب انہوں نے قسم اٹھائی کہ وہ مسطح پر کچھ بھی خرچ نہ کریں گے کیونکہ مسطح نے افک کے طوفان میں براہِ راست حصہ لیا تھا۔ یہ مسطح ان کے بھانجے لگتے تھے مسکین تھے مہاجر بھی تھے اور غزوہ بدر میں شرکت کر چکے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے پڑھی تو وہ فوراً پکار اٹھے کیوں نہیں۔ میں پسند کرتا ہوں

کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے۔ اور مسطح کا خرچہ جاری کر دیا۔ بلکہ بعض روایت میں دو گنا کر دیا۔

پاکدامن پر تہمت لگانے والے ملعون ہیں:

۲۳: اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ (بیشک جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں) محصنات سے پاکدامن مراد ہیں۔ الْغٰفِلٰتِ (بے خبر) یعنی سالم سینہ والیاں۔ پاکیزہ دل ایسی کہ ان میں چالبازی اور فریب کا شائبہ نہیں کیونکہ ان کو کسی بات کا تجربہ نہیں الْمُؤْمِنٰتِ (مؤمنہ) جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ قول ابن عباسؓ۔ اس سے مراد آپ کی ازواج مطہرات ہیں۔ ایک قول: اس سے مراد تمام مؤمنہ عورتیں ہیں۔

ذیلی نکتہ: کیونکہ عموم الفاظ کا اعتبار ہے۔ سبب خاص کا لحاظ نہیں۔

ایک قول: اس سے مراد اکیلی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ صیغہ جمع کا لایا گیا تو اس کا حل یہ ہے کہ جو شخص ازواج مطہرات میں سے کسی ایک پر بھی تہمت زنی کرتا ہے وہ تمام پر تہمت لگاتا ہے۔ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (ان پر دنیا میں لعنت کی گئی اور آخرت میں بھی اور ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے) تہمت لگانے والوں کو ملعون قرار دیا اس دنیا میں اور آخرت دونوں جہانوں میں اور ان کو آخرت کے بہت بڑے عذاب سے ڈرایا اگر ان کی موت اسی حالت پر آ گئی۔

۲۴: یَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ (جس روز کہ ان پر گواہی دیں گی) یوم کا عامل یعذبون ہے۔

قراءت: حمزہ اور علی نے یاء سے پڑھا ہے۔

اَلْسِنَتُهُمْ وَاَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور پاؤں جو کچھ وہ کرتے رہے) یعنی جو بوجھ ان لوگوں نے اٹھایا یا جو بہتان باندھا۔

۲۵: یَوْمَئِذٍ یُّوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ دِیْنَهُمُ الْحَقَّ (اس دن اللہ تعالیٰ ان کو ان کے عمل کا پورا پورا بدلہ دے گا) یومئذ نصب کی صورت میں دین کی صفت ہے۔ اور دین کا معنی جزاء یعنی عوض ہے اور الحق وہ واجب و لازم جس کے وہ مستحق ہیں۔

قراءت: مجاہد نے رفع کے ساتھ پڑھا اور لفظ اللہ کی صفت قرار دیا۔ جیسا کہ قراءت میں یہ بھی جائز ہے کہ الحق کو اللہ کی صفت بنائیں اور مدح کی بناء پر منصوب پڑھیں۔ وَیَعْلَمُوْنَ (اور وہ جان لیں گے) اس وقت اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ (کہ اللہ تعالیٰ ہی بات کو ٹھیک ٹھیک کھول دینے والے اور ٹھیک فیصلہ کرنے والے ہیں) شکوک کے زوال اور علم ضروری کے حصول کی وجہ سے۔

معاملۂ افک:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کسی معصیت کے سلسلہ میں اتنی تغلیظ و شدت نہیں فرمائی جتنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سلسلہ میں فرمائی کبھی اختصار، کبھی اشباع، کبھی تفصیل اور کبھی اجمال اور کبھی تاکید اور پھر بار بار بیان کی اور یہ بات اس معاملہ کی اہمیت کے پیش نظر اختیار کی گئی۔

قول ابن عباس رضی اللہ عنہما: جس نے کوئی گناہ کیا پھر توبہ کی تو اس کی توبہ قبول کر لی گئی مگر وہ کہ جس نے عائشہ رضی اللہ عنہا

کے معاملہ میں حصہ لیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاملہ افک کی عظمت میں اور مبالغہ کے پیش نظر کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے چار کو چار گواہوں سے بری کیا نمبر ا۔ یوسف علیہ السلام کو عورت کے خاندان کے ایک گواہ سے بری الذمہ قرار دیا۔ نمبر ۲۔ موسیٰ علیہ السلام کو یہود کے الزام سے اس پتھر کے ذریعہ بری کیا جو آپ کے کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ نمبر ۳۔ مریم صدیقہ علیہا السلام کو عیسیٰ علیہ السلام کو گود میں گویا کر کے بری الذمہ ٹھہرایا۔

براءت عائشہ رضی اللہ عنہا قرآن سے:

نمبر ۴۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اپنی کتاب معجز نما کی ان آیات کو اتار کر بری الذمہ قرار دیا۔ یہ آیت اپنے مبالغانہ انداز سے رہتی دنیا تک پڑھی جاتی رہیں گی۔ ذرا توجہ تو کرو! کس قدر واضح کیا اور ان کی براءت کو کس شان سے بیان کیا؟ اور یہ تمام باتیں اپنے رسول کے مرتبہ عالی کو ظاہر کرنے اور آپ کے اور آپ کے گھر والوں کے مقام کی نزاکت پر تنبیہ کرنے کیلئے ہیں۔

۲۶: اَلْخَبِيْثٰتُ (خبیث باتیں) لِلْخَبِيْثِيْنَ (وہ خبیث مردوں اور عورتوں کیلئے ہیں) وَالْخَبِيْثُوْنَ (اور ان میں سے جو گندے ہیں وہ میلان رکھتے ہیں) لِلْخَبِيْثٰتِ (خبیث باتوں کی طرف) اسی طرح وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ (اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ انسانوں کے لئے اور پاکیزہ انسان پاکیزہ باتوں کیلئے ہیں وہ لوگ بری الذمہ ہیں ان تمام باتوں سے جو وہ کہتے ہیں) ان کے متعلق اہل افک کا مشار الیہ مطعون ہے۔ اور وہ ان خبیث کلمات سے بری الذمہ ہیں جو یہ خبیث لوگ کہتے ہیں اور یہ کلام بطور تمثیل کے عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے بیان فرمائی ہے کہ جو الزام بازی ان کے متعلق کی گئی ہے وہ ان کی نزاہت و پاکیزگی والی حالت کے مناسب نہیں ہے۔

نمبر ۲۔ یہ بھی درست ہے کہ اشارہ اہل بیت کی طرف ہو کہ وہ افک والوں کے اقوال سے بری الذمہ ہیں۔ اور الخبیثات اور الطیبات سے وہ عورتیں مراد ہوں کہ خبیث عورتیں خبیث مردوں سے شادی کرتی ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں سے شادی کرتے ہیں۔ اسی طرح پاکیزگی والی عورتیں پاکیزہ مردوں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں سے شادی کرتے ہیں۔ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ (ان کے لئے بخشش ہے) نمبر ا۔ یہ جملہ مستانفہ ہے۔ نمبر ۲۔ یہ خبر کے بعد دوسری خبر ہے۔ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (اور شاندار رزق ہے) جنت میں۔

قول ابن عباس رضی اللہ عنہما:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں مرض الموت میں داخل ہوئے وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیشی سے ڈر رہی تھیں۔ تو ابن عباس کہنے لگے مت گھبراؤ تم نے تو مغفرت اور رزق کریم کی طرف جانا ہے اور یہ آیت تلاوت کی اس پر خوشی سے یہ تلاوت سن کر بیہوش ہو گئیں۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کی نو فضیلتیں:

صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قول۔ مجھے نو ایسی فضیلتیں میسر آئیں جو کسی زوجہ کو میسر نہ آئیں۔ نمبر ا۔ جبرئیل امین میری تصویر لائے جب

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى

اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک کہ اجازت حاصل نہ کر لو اور ان گھر والوں کو سلام نہ کر لو،

اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ㉗ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا

یہ تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ سو اگر تم ان گھروں میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں داخل نہ ہو

حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا

جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے، اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ جایا کرو، یہ تمہارے لیے پاکیزہ بات ہے، اور اللہ تمہارے کاموں کو جانتا ہے۔

تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ㉘ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۭ

تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ ان گھروں میں داخل ہو جاؤ جن میں کوئی رہتا نہ ہو، جن میں تمہاری کوئی چیز ہو۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ㉙

اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو۔

آپ کو میرے ساتھ نکاح کا حکم ہوا۔ نمبر ۲۔ میرے علاوہ کسی کنواری عورت سے آپ نے شادی نہیں کی۔ نمبر ۳۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت آپ کا سر میری گود میں تھا۔ نمبر ۴۔ آپ کا دفن میرے حجرہ میں ہوا۔ نمبر ۵۔ آپ ﷺ پر وحی کا نزول اس حالت میں بھی ہو جاتا کہ میں آپ کے ساتھ ایک لحاف میں ہوتی۔ نمبر ۶۔ میری پاک دامنی کی صراحت آسمانوں سے نازل ہوئی۔ نمبر ۷۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ کی صاحبزادی ہیں اور آپ کے دوست کی صاحبزادی ہیں۔ نمبر ۸۔ میں طیب کے ہاں طیبہ پیدا ہوئی۔ نمبر ۹۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا۔

قول حسان رضی اللہ عنہ جو ان کے حق میں معذرت خیز کہا ہے:

نمبر ۱۔ وہ بڑی پاک دامن اور بڑی باوقار ہیں کسی شبہ کی بات سے متہم نہیں کی جا سکتیں ان کا پیٹ بے خبر بھولی عورتوں کے گوشت سے خالی رہتا ہے۔ (یعنی کسی کی غیبت نہیں کرتیں) نمبر ۲۔ وہ ان کی زوجہ محترمہ ہیں جو لوگوں میں دین و منصب کے اعتبار سے سب سے بہتر ہیں۔ وہ ہدایت و عظمت اور فضیلتوں والے پیغمبر ہیں۔ نمبر ۳۔ وہ لوی بن غالب کے قبیلہ کی چنی ہوئی عقل مند عورت ہیں جو کہ خاندان ہے۔ ان کی بزرگی زائل ہونے والی نہیں۔ نمبر ۴۔ وہ تہذیب والی ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی طبیعت و عادات کو پاکیزہ بنایا ہے اور ان کو ہر عیب اور بری بات سے پاک رکھا ہے۔

گھروں میں داخلے کے احکامات:

۲۷: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ (اے ایمان والو! تم اپنے گھروں کے علاوہ دوسرے کے گھر میں داخل

نہ ہو) یعنی ان گھروں میں جن کے تم مالک نہیں ہو۔ اور نہ ان میں تمہاری رہائش ہو۔ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا (یہاں تک کہ تم ان سے اجازت نہ حاصل کرلو) ان سے اجازت طلب کرلو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کو اسی طرح پڑھا الاستیناس اصل میں اطلاع طلب کرنا بطور طلب کرنا۔ یہ آنس سے باب استفعال ہے۔ آنس الشئی اس وقت کہتے ہیں جب کسی چیز کو ظاہر کھلا ہوا دیکھے یہاں تک کہ تم معلوم کرلو کہ آیا تمہیں داخلے کی اجازت ہے یا نہیں اور اس کا طریقہ زور سے سبحان اللہ کہنا یا اللہ اکبر کہنا یا الحمد للہ کہنا یا کھنکھارنا۔

وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا (اور تم گھر والوں کو سلام نہ کرلو) سلام یہ ہے کہ اس طرح کہے السلام علیکم۔ اندر داخل ہو جاؤں تین مرتبہ کہے (جیسا کہ ابوداؤد و ترمذی کی روایت میں ہے) اگر اجازت مل گئی تو ٹھیک ورنہ واپس لوٹ جائے۔ ایک قول یہ ہے اگر گھر والوں پر نظر پڑے تو سلام پہلے کیا جائے ورنہ اجازت طلب کی جائے۔ ذٰلِكُمْ (وہ اجازت و سلام تمہارے لئے) خَيْرٌ لَّكُمْ (تمہارے لئے بہت بہتر ہے) جاہلیت کے سلام یا بلا اجازت داخلہ سے۔ زمانہ جاہلیت میں اگر کوئی کسی کے گھر میں داخل ہوتا تو کہتا حییتم صباحًا و حییتم مساءً پھر داخل ہو جاتا۔ بعض اوقات وہ اس آدمی کو اپنی عورت کے ساتھ ایک لحاف میں پاتا۔ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (تاکہ تم نصیحت قبول کرو) یعنی تمہیں اس لئے کہا گیا تاکہ یاد رکھو اور نصیحت حاصل کرو۔ اور استیذان کے سلسلہ میں جو تمہیں حکم ملا ہے اس پر عمل پیرا ہو۔

۲۸: فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ (اگر تم ان میں نہ پاؤ) یعنی گھروں میں اَحَدًا (کسی کو) اجازت دینے والوں میں سے فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ (تو ان میں داخل نہ ہو یہاں تک کہ تمہیں اجازت دی جائے) یہاں تک کہ تم اجازت دینے والے کو پالو۔ نمبر ۲۔ اگر تم وہاں کسی کو نہ پاؤ اور تمہیں داخل ہونے کی ضرورت ہے تو ان میں داخل نہ ہو۔ جب تک گھر والوں کی طرف سے اجازت نہ مل جائے کیونکہ غیر کی ملک پر تصرف بلا اجازت درست نہیں ہے۔

وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا (اور اگر تمہیں لوٹنے کو کہا جائے) یعنی جب وہاں کچھ لوگ موجود ہوں اور وہ کہیں کہ واپس لوٹ جاؤ تو تم واپس آ جاؤ۔ اور اذن عام کیلئے اصرار نہ کرو۔ اور پردے کی آسانی کیلئے بہانہ مت تلاش کرو اور دروازوں پر مت کھڑے ہو کیونکہ اس سے ناپسندیدگی جنم لیتی ہے جب اس بات سے منع کر دیا جو ناپسندیدگی پیدا کرتی ہو تو ہر اس بات سے باز رہنا ضروری ہو گیا جو اس کی طرف لے جانے والی ہو۔ مثلاً زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانا اور گھر والے کو چیخ کر آواز دینا وغیرہ۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ میں نے کسی عالم کا دروازہ آج تک کبھی نہیں کھٹکھٹایا۔ فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ (اور تم لوٹ آؤ یہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے) یعنی لوٹ جانا زیادہ پاکیزہ اور عمدہ ہے کیونکہ اس میں سنگدلی سے دوری اور بغض سے دوری ہے۔ نمبر ۲۔ زیادہ نفع بخش اور بھلائی کو بڑھانے والا ہے۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ (اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کا علم رکھنے والا ہے) اس میں مخاطبین کیلئے وعید ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال معلوم ہیں وہ ان پر جزاء یا سزا دینے والے ہیں۔

غیر رہائشی مکانات کا حکم:

۲۹: لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا (تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم داخل ہو) تمہارے داخل ہونے میں بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْکُوْنَۃٍ (ایسے گھروں میں جہاں کسی کی سکونت نہ ہو) اجازت دائمہ سے ان گھروں کو مستثنیٰ کر دیا گیا جن میں رہائش نہ ہو مثلاً ہوٹل، سرائے، منڈیاں۔ فِیْهَا مَتَاعٌ لَّکُمْ (ان میں تمہارے لئے سامان نفع ہو)۔ اس میں فائدہ ہو مثلاً گرمی سردی سے بچنے کا سامان بچاؤ سے اور ہتھیاروں اور ان کی خرید و فروخت کے مقامات۔ ایک قول یہ ہے ویران جنگل جو قضائے حاجت کیلئے استعمال ہوتے ہیں المتاع سے مراد بول و براز کیلئے جانا۔ یہ قول عطاء ہے۔ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَکْتُمُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو تم ظاہر کرتے اور جو تم چھپاتے ہو) اس میں ان مشکوک لوگوں کیلئے وعید ہے جو ویرانوں اور گھروں میں فساد کی غرض سے داخل ہوتے ہیں۔

درست ہے۔ اسی طرح اس کے ہاتھوں اور قدمین کا بھی حکم ہے۔ ایک روایت امام اعظم کے مطابق سینہ پنڈلیاں اور بازوؤں پر ضرورت کے وقت نظر درست ہے۔ ذٰلِكَ (یہ) یعنی نگاہ کا نیچا کرنا اور شرمگاہ کی حفاظت اَزْكٰى لَهُمْ (ان کے لئے زیادہ ستھرائی کی بات ہے) یعنی گناہ کی میل سے زیادہ صفائی و پاکیزگی کی بات ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ (بیشک اللہ تعالیٰ ان کاموں کی خبر رکھتے ہیں جو وہ کرتے ہیں) ان میں تو غیب و تر ہیب دونوں پہلو پائے جاتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے احوال و افعال کی اطلاع ہے اور ان کی نگاہوں کی خیانت سے بھی واقف ہیں جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا۔ يعلم خائنة الاعين وما تخفي الصدور [غافر: ۱۹] پس ان کے لئے ضروری ہے کہ جب وہ اس بات کو پہچانتے ہیں ہر حرکت و سکون شمار ہیں اور تقویٰ کو سامنے رکھیں۔

غض بصر کا حکم عورتوں کو:

۳۱: وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ (اور ایمان والی عورتوں سے کہہ دیں کہ وہ بھی اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں)۔ عورتوں کو غض بصر کا حکم دیا گیا ہے عورت کو جائز نہیں کہ اجنبی مرد کے ناف سے لے کر گھٹنوں کے نیچے حصہ پر نگاہ ڈالے اور اگر دل کے اندر خواہش پیدا ہو تو سرے سے عورت اپنی نگاہ کو بند کر لے۔ اور عورت اجنبی مرد کے اس بدن کے حصہ پر نگاہ ڈال سکتی ہے۔ جتنے حصہ پر اجنبی مرد دوسرے مرد کے جسم پر ڈال سکتا ہے۔ اجنبیوں سے نگاہ کا نیچا کر لینا ہی اولیٰ ہے۔ تاکہ فتنہ میں مبتلا نہ ہو۔ آیت میں غض ابصار کو حفاظت فروج پر مقدم کیا کیونکہ نگاہ تو زنا کا قاصد ہے اور برائی کا مقدمۃ الجیش ہے۔ محبت کا بیج بدنظری ہی ہے۔

اظہار زینت کی ممانعت:

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ (اور وہ عورتیں اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں) الزینۃ سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کو عورت تزئین کیلئے استعمال کرتی ہے۔ مثلاً زیورات، یا سرمہ یا خضاب وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ زینت کے مقامات کو عورتیں ظاہر نہ کریں اس لئے کہ بعینہٖ زینت کا اظہار اور وہ زیورات وغیرہ ہیں تو جائز ہے پس مراد اس سے مقامات زینت ہی ہیں۔ نمبر ۲۔ ان زیورات کا اظہار جبکہ وہ اپنے مقامات پر سجے ہوں تاکہ وہ مقامات ظاہر ہوں نہ یہ کہ بعینہٖ زیورات ظاہر ہوں۔ مقامات تو زینت سر، کان، گردن، سینہ، بازو، کلائیں، پنڈلیاں اور ان کے زیورات تاج، بالی، ہار، بازو بند، جڑاؤ پہنچ، کنگن، پازیب اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا (مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہو) مگر وہ حصہ جس کے متعلق عادت و طبیعت ظاہر کرنے کی ہو۔ اور وہ چہرہ، ہتھیلیاں، دونوں قدم۔ ان کو چھپانے میں واضح تنگی ہے۔ عورت کیلئے اس سے کوئی چارہ کار نہیں کہ اپنے ہاتھ سے کام کاج کرتی ہے اور چہرے کو کھولنا خصوصاً گواہیوں اور گواہیوں اور نکاح میں مجبوری ہے اور راستوں پر آنے جانے میں قدموں کا ظاہر ہونا ضروری ہے خاص طور پر وہ عورتیں جو ان میں سے فقیر و محتاج ہیں۔ وَلْيَضْرِبْنَ (اور وہ ڈال لیں) اور وہ رکھ لیں اہل عرب کہتے ہیں ضربت بیدی علی الحائط۔ جبکہ ہاتھ کو دیوار پر رکھا جائے۔ بِخُمُرِهِنَّ (اپنی اوڑھنیاں) خمر جمع خمار کی ہے۔ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ (اپنے گریبانوں پر) قراءت: مدنی، بصری، عاصم نے ضمہ جیم سے پڑھا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کے رواج میں ان کے گریبان کھلے ہوتے تھے جس سے سینہ اور اس کے اردگرد کا حصہ نظر

اور خدا لگتی بات کہتا ہے۔ یہ دنیا تو اس کیلئے تجارت آخرت کا بازار ہے اور عقل اس کا حقیقی سرمایہ ہے۔ غصہ میں دامنِ عدل کو تھامنے والا ہے اور رضامندی الٰہی اس کا میزان ہے۔ فقر و فاقہ میں میانہ روی اس کا طرۂ امتیاز ہے اور علم اس کی پناہ گاہ اور نجات کا مقام ہے۔ اور قرآن مجید اس کے آقا کا خط ہے جو اس کے لئے اجازت نامہ ہے۔ اگرچہ اپنے ظواہر سے لوگوں میں ملا جلا ہے۔ مگر اپنے سرائر کے اعتبار سے ان سے جدا ہے۔ اس نیک لوگوں کو اپنے حقوق اللہ تعالیٰ کے ساتھ باطن میں تعلق کی وجہ سے چھوڑ دیا پھر اللہ تعالیٰ کی خاطر جو لوگوں کے ظاہرا حقوق اس کے ذمے تھے۔ ان کی ادائیگی کیلئے لوگوں سے میل جول اختیار کیا۔ بقول شاعر اس کا حال یہ ہے۔

وَمَا هُوَ مِنْهُمْ بِالْعَيْشِ فِيهِمْ ☆ وَلٰكِنْ مَعْدِنُ الذَّهَبِ الرَّغَامِ

ظاہری زندگی گزارنے میں تو وہ ان میں سے رہ رہا ہے مگر حقیقت میں وہ ان میں سے نہیں۔ بلکہ وہ مٹی میں سونے کی کان کی طرح ہے۔ وہ اگرچہ وہی کھاتا ہے جو وہ کھاتے اور وہی پیتا ہے جو وہ پیتے ہیں اور انہیں کیا معلوم کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کا مہمان ہے وہ خیال کرتا ہے گویا آسمان و زمین اس کے حکم سے قائم رہنے والے ہیں گویا اس کے متعلق کہا گیا ہے اگرچہ تو لوگوں کی موافقت کرے اس حال میں کہ تو ان میں ہے۔ تو یہ اسی طرح ہے مشک بھی تو ہرن کے خون کا ایک حصہ ہی ہے۔ ولی عزلت کا حال تو زیادہ صفائی والا اور زیادہ شاندار ہے۔ مگر ولی عشرت کا حال تو زیادہ اعلیٰ و وافی ہے رحمان کی بارگاہ احدیت میں اول کا مرتبہ دوسرے کے مقابلے میں ایسا ہے جیسا کہ بادشاہ کے درباری وزیر کا ہم نشین۔ رہے نبی کریم ﷺ تو وہ دونوں طرفوں کے اعتبار سے معزز ہیں۔ موتیوں اور سونے کے ٹکڑوں کا معدن ہیں۔ دونوں حالتوں کے جامع ہیں۔ دونوں میٹھے چشموں کا منبع ہیں۔ آپ کے احوال کا باطن ولی عزلت کیلئے ہدایت کا مینار ہے اور آپ کے ظاہر احوال ولی عشرت کیلئے مشکِ کامل ہیں۔

اور نمبر ۳۔ تیسرا مجاہد، محاسبہ کرنے والا، عمل کرنے والا دن اور رات میں پانچ قسطوں سے اپنے مقاصد پورے کرنے والا ہے جیسا کہ مکاتب اپنی اقساط پوری کرتا ہے۔ دو سو میں پانچ کی قسط (زکوٰۃ مراد ہے) اور سال میں ایک مہینے کی قسط (روزے) اور عمر میں ایک ملاقات، یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو اپنے رب کے ہاتھ ان اقساط مرتب پر بیچ ڈالا ہے۔ وہ اپنی گردن کو آزاد کرانے کی کوشش کرتا ہے تاکہ یہ بار اس کی گردن سے نکل جائے اور وہ آزادی کے میدان اور وسعت کی طلب و فکر ہے۔ تاکہ جنت کے باغ میں وہ چر سکے۔ اور اپنی تمنا کو وہ پا سکے اور اپنی مرضی اور خواہش کو پورا کرے۔ نمبر ۴۔ بھاگنے والا غلام۔ یہ تو بہت زیادہ ہیں ان میں سے ایک ظالم قاضی اور عالم بے عمل دکھلاوے کی خاطر قراءت کرنے والا۔ اور قول و فعل میں تضاد والا واعظ اور اس کے اکثر اقوال فضولیات ہوتے ہیں اور ہر ایسے آدمی پر جس کو تیروں کے پیکان بھی فائدہ نہیں دیتے چہ جائیکہ چور، زانی، غاصب کو اس سے فائدہ ہو۔ انہی کے متعلق نبی اکرم ﷺ نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد ایسے لوگوں کے ساتھ بھی فرمادے گا جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔ (رواہ احمد بطبرانی و مجمع الزوائد)

وقتی سبب بنا کر دولت پیدائی:

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ (اور نہ مجبور کرو اپنی لونڈیوں کو زنا پر) ابن ابی کی چھ لونڈیاں۔ معاذہ، مسیکہ،

امیمہ، عمرہ، اروی، قتیلہ بے حیائی کو ناپسند کرتی تھیں اس نے ان پر ٹیکس لگا رکھا تھا دو نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں شکایت کی تو یہ آیت اتری۔ الفتی اور الفتاۃ کا لفظ غلام و لونڈی دونوں کے متعلق بولا جاتا ہے البغاء کا لفظ عورتوں کیلئے زنا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یہ بغی کا مصدر ہے۔

اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا (اگر وہ پاکدامنی کا ارادہ کریں) اِن سے سمجھے کہ یہ شرط اس لئے لگائی گئی کیونکہ اکراہ ہوتا ہی تب ہے جبکہ انکا اپنا ارادہ پاکدامنی اختیار کرنے کا ہو۔ زنا پر اپنی مرضی سے آمادہ کو مجبور نہیں کہا جاتا ہے اور نہ ہی اس کو مجبور بنانا اکراہ کہا جاتا ہے۔
نمبر۲۔ یہ آیت ایک سبب کے پیش نظر اتری۔ پس نہی بھی اسی سبب کو پیش نظر رکھ کر وارد ہوئی۔ اس میں حقیقتاً ان آقاؤں کو توبیخ کی گئی ہے کہ یہ لونڈیاں ضعیف العقل ہو کر پاکدامنی اختیار کرنا چاہتی ہیں تم تو مکمل عقل والے ہو کر پاکدامنی اختیار کرنے کروانے کے زیادہ حقدار ہو۔

لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (تاکہ تم دنیا کی زندگی کا سامان چاہو) یعنی ان کو زنا پر مجبور کر کے تم ان کی کمائی حاصل کرنا چاہتے ہو اور ان سے اولاد بھی چاہتے ہو۔ وَمَنْ یُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (اور جس نے ان کو مجبور کیا پس اللہ تعالیٰ ان کو مجبور کرنے کے بعد بخشنے والے مہربان ہیں۔) اکراهھن لهن اور مصحف ابن مسعود میں اسی طرح ہے۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے لھن ہے اللہ کی قسم۔ شاید کہ اکراہ اس کے علاوہ صورت میں ہو جس کو شریعت نے اکراہ کہا ہے اور وہ اکراہ تو وہی ہے جس سے ہلاکت کا خدشہ ہو پس وہ گناہ گار ٹھہریں۔ پس ہم ان کو بخشنے والے ہیں جبکہ وہ توبہ کریں۔

۳۴: وَلَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ (تحقیق ہم نے تمہاری طرف واضح آیات اتاری ہیں)۔
قراءت: حجازی اور بصری اور ابوبکر و حماد نے مبیَّنات پڑھا ہے یاء کے فتح کے ساتھ۔ آیات سے مراد وہ آیات ہیں جو اس سورۃ میں واضح کر دی گئی۔ احکام و حدود کے معانی میں ان کو کھول دیا گیا۔
نحو: یہ بھی درست ہے کہ معنی ہو اور ظرف میں وسعت ہے۔

دیگر قراء نے کسرہ سے پڑھا ہے۔ یعنی احکام و حدود کی وضاحت شدہ ہیں اور فعل کو ان کا مجاز قرار دیا۔ بین کا معنی تبین ہے۔ مثال مشہور ہے قد بین الصبح لذی عینین وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ (اور مثال ان لوگوں کی جو تم سے پہلے ہو گزرے) تمہارے ہم مثل۔ یعنی عجیب واقعہ جیسا کہ یوسف و مریم علیہما السلام کا واقعہ یعنی قصہ عائشہ رضی اللہ عنہا وَّمَوْعِظَةً (نصیحت) وہ امثال و آیات جن سے نصیحت کی گئی ہے جیسا کہ اس ارشاد میں ولا تاخذکم بهما رافة فی دین الله [النور:۲] لولا اذ سمعتموه [النور:۱۲] ولولا اذ سمعتموه [النور:۱۶] یعظکم الله ان تعودوا لمثله ابدا [النور:۱۷] لِّلْمُتَّقِیْنَ (متقین کیلئے) کیونکہ وہی اس سے فائدہ حاصل کرنے والے ہیں اگرچہ نصیحت تو تمام کیلئے ہے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے اس میں ایک چراغ ہے وہ چراغ ایک

زُجَاجَةٍ ۭ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا

شیشے کے قندیل میں ہے۔ وہ قندیل ایسا ہے جیسے ایک چمکدار ستارہ ہو وہ چراغ ایک برکت والے درخت سے روشن کیا جاتا ہو جو زیتون ہے جو نہ

شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْۗءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ

نہ مشرق کی طرف ہے اور نہ مغرب کی طرف۔ قریب ہے کہ اس کا تیل خود بخود روشن ہو جائے اگرچہ اس کو آگ نہ چھوئے نور علی نور ہے۔

يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۙ۝۳۵

اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی ہدایت دیتا ہے اور لوگوں کے لئے اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

نورِ ایمان یا نورِ وجود:

۳۵: اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے) الله نور الآیة کی نظیر ہے اس کے ارشاد مثل نوره و یهدی الله لنوره۔ تمہارا یہ قول ہے زید کرم و جود۔ پھر تم کہو ینعش الناس بکرمه و جوده زید تو زید کی سخاوت سے لوگ اس کی سخاوت سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

مطلب یہ ہے ذو نور السمٰوٰت نمبر۱۔ آسمانوں کے نور والا ہے۔ اور آسمان و زمین کا نور حق ہے جس کو ظہور و بیان میں نور سے تشبیہ دی ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا اللہ ولی الذین امنوا یخرجهم من الظلمات الی النور [البقرۃ: ۲۵۷] یعنی باطل سے حق کی طرف نکال لاتے ہیں۔ آسمان و زمین کی طرف نور کی اضافت وسعت چمک اور روشنی کے پھیلنے کی وجہ سے ہے۔ یہاں تک کہ اس سے آسمان و زمین روشن ہیں۔ نمبر۲۔ اور یہ جائز ہے کہ اس سے مراد اہل السمٰوٰت والارض مراد لئے جائیں کیونکہ وہ اس روشنی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مَثَلُ نُوْرِهٖ (اور اس کے نور کی مثال) جو اپنی روشنی میں عجیب طرز کا ہے۔ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما: مثل نورہ اس کے نور کی مثال یعنی وہ نور جس سے مسلمان کو ہدایت بخشی ہے۔

قراءت: ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مثل نوره فی قلب المؤمن کمشکوۃ اور ابی رضی اللہ عنہ کی قراءت میں مثل نور المؤمن ہے۔

کَمِشْکٰوۃٍ (ایک طاقچہ کی طرح ہے) طاقچہ جس کی دوسری طرف سوراخ نہ ہو یعنی ایسا طاقچہ جو آر پار نہ ہو۔ فِیْهَا مِصْبَاحٌ (اس میں دیا ہو) بہت بڑا چمکدار دیا۔ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ (وہ دیا شیشے میں ہو) یعنی فی قندیل من زجاج۔ شیشے کے چراغ دان میں ہو۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ

اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چٹیل میدان میں چمکتا ہوا ریت جسے پیاسا آدمی پانی سمجھتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا

لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ اَوْ

تو اس کو کچھ بھی نہ پایا اور اس نے وہاں اللہ کی قضا کو پایا سو اللہ نے اس کا حساب پورا کر دیا اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا

یا جیسے گہرے سمندر میں اندھیریاں ہوں جس کو موج نے ڈھانپ لیا ہو اس کے اوپر موج ہو اس کے اوپر بادل ہو اندھیریاں ہیں جن میں سے بعض

فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝

بعض کے اوپر ہیں۔ جب اپنا ہاتھ نکالے تو اسے دیکھ نہ پائے۔ اور جس کے لئے اللہ نور مقرر نہ فرمائے سو اس کے لئے کوئی نور نہیں۔

آنکھیں پلٹ جائیں گی) اس وجہ سے کہ دل حلق تک پہنچ جائیں گے۔ وَالْاَبْصَارُ (اور آنکھیں) گھبرانے کی وجہ سے یا بیکلی کے سبب نمبر۲۔ دل ایمان کی طرف پلٹ جائیں گے حالانکہ وہ پہلے کفر کرتے تھے۔ اور آنکھیں کھلے طور پر معائنہ کریں گی اس کے باوجود کہ وہ پہلے سرکشی کی وجہ سے اندھی ہوں گی جیسے کہ دوسرے ارشاد میں ہے فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید [ق ۲۲]

۳۸: لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ (تاکہ اللہ تعالیٰ ان کا بہترین بدلہ عنایت کرے اور اپنے فضل سے اس سے زائد بھی عنایت فرمائے) یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے اور ڈرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کا بہترین بدلہ عنایت فرمائے یعنی تاکہ ان کو وہ ثواب سے بدلہ دے۔ ویزیدھم (اور اس میں اضافہ فرمائے) عمل پر مقررہ ثواب پر بطور فضل اضافہ فرمائے۔ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بغیر حساب رزق دیتے ہیں) یعنی جس کو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں ایسا ثواب دیتے ہیں جو مخلوق کے حساب میں داخل نہیں ہوتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نور سے ہدایت یافتہ کی صفات ہیں۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے گمراہی کو اختیار کیا ان کا تذکرہ اگلی آیت میں فرمایا ہے۔

کفار کے اعمال کی دو مثالیں:

۳۹: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ (اور وہ لوگ جو کافر ہیں ان کے اعمال سراب کی طرح ہیں) سراب دوپہر کے وقت چلچلاتی دھوپ میں چمکتی ہوئی ریت جو پانی کا سیلاب معلوم ہوتا ہے۔ بِقِيْعَةٍ یہ قاع یا قیعان کی جمع ہے ہموار میدان جیسا کہ جیرۃ و جار۔ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ (گمان کرتا ہے اس کو پیاسا) مَآءً حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ (پانی یہاں تک کہ جب اس کے پاس آتا ہے) یعنی وہ اس کی طرف آیا جس کو اس نے پانی خیال کیا۔ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا (اس نے کچھ بھی نہ پایا) جیسا اس نے گمان کیا تھا۔ وَّوَجَدَ اللّٰهَ (اور اس نے اللہ تعالیٰ کو پایا) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے بدلے کو پایا جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا یجد اللہ

غفورا رحیما [النساء: ۱۱۰] یعنی وہ اس کی مغفرت اور رحمت کو پائے گا۔ عِنْدَهٗ (اپنے پاس) کا مرجع کافر ہے (کافر کے پاس) فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ (پس اس نے پورا پورا دے دیا اس کا حساب) اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دے دیا۔

سوال: والذین کفروا میں جمع لائے اور یہاں ضمیر واحد ذکر کیں؟

جواب: ہر ہر کافر کا لحاظ کر کے ضمیر واحد لائے۔

وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (اور اللہ جلد حساب لینے والے ہیں) کیونکہ اس کو شمار وحساب کی حاجت نہیں اور ایک حساب اس کو دوسرے کے حساب سے مشغول نہیں کر سکتا۔ نمبر۲۔ اللہ تعالیٰ کا حساب قریب ہے کیونکہ ہر آنے والا قریب ہے۔

حاصلِ آیت:

اس آیت میں اس شخص کے اعمال کو جو ایمان نہ رکھتا ہو اور نہ اعمال صالحہ میں طریق حق کی پیروی کرتا ہو مگر ان اعمال صالحہ پر خوش گمانی رکھتا ہو کہ وہ اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کام دیں گے اور اس کے عذاب سے نجات کا باعث ہوں گے پھر آخرت میں اس کی امید بھر نہ آئے بلکہ اس کے اندازے کے خلاف واقع ہو۔ سراب سے تشبیہ دی جس کو کافر میدانِ حشر میں دیکھے گا۔ اور قیامت کے دن کی پیاس اس پر چھا چکی ہوگی وہ اس کو پانی سمجھ کر اس کی طرف جائے گا۔ تو وہاں اپنی امید کو بار آور نہ پائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کو وہاں پائے گا۔ جو اسے پکڑ کر جہنم کی طرف کھینچ کر لے جائیں گے۔ اور گرم پانی اور غساق پلائیں گے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا گیا۔ عاملة ناصبة [الغاشیہ: ۳] دوسری آیت میں وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا [الکہف: ۱۰۴]

ایک قول: یہ آیت عتبہ بن ربیعہ بن امیہ کے متعلق اتری۔ اس نے زمانہ جاہلیت میں دین حق کی تلاش میں رہبانیت اختیار کر لی تھی جب اسلام آیا تو اس نے انکار کر دیا۔

۴۰: اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ (یا ان کے اعمال اندھیروں کی طرح ہیں جو سمندر میں ہوں) یہاں او کا لفظ اسی طرح ہے جیسے کہ او کصیب [البقرۃ: ۱۹] میں ہے۔ لُّجِّيٍّ (جو گہرا ہو) بہت زیادہ پانی والا گہرا۔ یہ اللجّ سے اسم منسوب ہے۔ لجّ پانی کا وہ حصہ جہاں پانی زیادہ ہو۔ يَّغْشٰىهُ (ڈھانپے اس کو) یعنی سمندر کو ڈھانپے یا اس شخص کو ڈھانپے اور اس پر غالب آجائے اور اس پر چھا جائے۔ مَوْجٌ (موج) پانی کی اٹھنے والی لہریں مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ (اس موج کے اوپر موج ہو) مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ (اور اس کے اوپر پانی ہو) اوپر والی موج پر بادل ہو ظُلُمٰتٌ (اندھیرے) یعنی یہ اندھیرے تین ہیں نمبر۱۔ بادل کا اندھیرا نمبر۲۔ موج کا اندھیرا نمبر۳۔ سمندر کا اندھیرا۔ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ (جو ایک دوسرے کے اوپر ہیں) لہر کا اندھیرا سمندر کے اندھیرے پر اور لہر کا اندھیرا دوسری لہر پر اور پھر بادل کا اندھیرا موج پر چھایا ہوا ہے۔

اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ (جب وہ اپنا ہاتھ نکالتا ہے) وہ شخص جو سمندر میں گرنے والا ہے۔ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا (وہ اپنے ہاتھ کو دیکھنے کے قریب بھی نہیں) یہ نہ دیکھنے میں مبالغہ ظاہر کرنے کیلئے فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ دیکھنا تو درکنار دیکھنے کے قریب بھی نہیں۔

نکتہ: ان کے اعمال کو وہ لا شئی کے حاصل نہ ہونے پر اور نقصان دہ ہونے کو سراب سے تشبیہ دی۔ اس وہ شخص آمنا کام نہ آئے گا جس نے اس کو دور سے دھوکہ دیا اور نہ ہی وہ اس کی رسوائی روکنا کافی ہوگا۔ اگرچہ دوسرے تشبیہ جس طرح سراب سے کوئی

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ

اور اللہ رات اور دن کو بدلتا ہے بے شک اس میں عبرت ہے آنکھ والوں کے لئے۔ اور اللہ نے ہر چلنے والے جاندار کو

دَاۗبَّةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي رِجْلَيْنِ ۚ

پانی سے پیدا فرمایا پھر ان میں بعض وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓي اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اور بعض وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

قراءت: یزید نے یاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یُقْلِبُ۔

۴۴: یُقَلِّبُ اللّٰہُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ (اللہ تعالیٰ دن اور رات کو الٹ پلٹ کرتا ہے) لمبائی اور چھوٹائی کے مختلف ہونے کے ساتھ پھیرتا ہے ایک دوسرے کے پیچھے لانا۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ (بیشک اس میں) بادلوں کے اس طرح اور بارش اور سردی کے اتارنے اور دن اور رات کے آنے جانے میں نشانیاں ہیں۔

لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ (البتہ عبرت ہے آنکھوں والوں کے لیے) عقل مندوں کیلئے۔

آیات کا ربط:

ربوبیت باری تعالیٰ پر دلائل ذکر فرمائے۔ نمبر ۱: آسمان و زمین میں ان کی تسبیح کا ذکر کیا۔ نمبر ۲: جو ان کے مابین اڑنے والے ہیں ان کا تسبیح کرنا اور ان سے دعا کرنا مذکور ہوا۔ نمبر ۳: بادلوں کو مسخر کرنا الی آخرہ یہ وجود باری تعالیٰ پر واضح دلائل ہیں اور غور و تدبر کرنے والے کیلئے اللہ تعالیٰ کی صفات کو واضح کرنے والے اشارات ہیں۔ پھر ایک اور دلیل اس انداز سے ذکر فرمائی۔

۴۵: وَاللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ (اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا)

قراءت: حمزہ و علی نے خالق کل پڑھا ہے۔

دابہ کی مراد:

دَآبَّۃٍ (ہر حیوان کو جو زمین پر رینگتا ہے) مِّنْ مَّآءٍ (پانی سے) نمبر ۱: ایک خاص نوع کے پانی سے جو اس دابہ کے ساتھ خاص تھا۔ نمبر ۲: وہ مخصوص یعنی نطفہ ہے۔ پھر نطفہ سے مخلوقات میں بعض کو کیڑے مکوڑے اور بعض کو چوپائے اور بعض کو انسان بنا دیا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا یسقٰی بماء واحد ونفضل بعضھا علی بعض فی الاکل [الرعد:۴]

طریق استدلال:

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا کوئی خالق مدبر ہے ورنہ ایک اصل سے یہ مختلف کیسے بن گئے۔

وجہ فرق: اس آیت میں ماء کو نکرہ لائے جبکہ دوسری آیت وجعلنا من الماء کل شیء حی [الانبیاء: ۳۰] میں الماء معرفہ لایا گیا ہے؟

جواب: کیونکہ اس جگہ مقصود یہ تھا کہ حیوانات کی تمام اجناس کو بعض ماء سے پیدا فرمایا گیا ہے اور وہی ان کی اصل ہے اگرچہ ان کے درمیان بہت سے واسطے ہیں۔

قول بعض علماء:

نمبر۱۔ اول اللہ تعالیٰ نے پانی کو پیدا فرمایا پھر اس سے آگ پیدا فرمائی اور ہوا اور مٹی۔ پھر نار سے جنات کو پیدا فرمایا۔ اور ریح سے ملائکہ اور مٹی سے آدم اور دیگر دوابّ الارض کو پیدا فرمایا۔ جب دابہ کا لفظ تمیز اور غیر تمیز تمام کو شامل ہے پھر تمیز والوں کو غلبہ دے کر بقیہ پر وہی حکم لگا دیا۔ گویا تمام دواب تمیز والے ہیں اسی لئے فرمایا۔

پیٹ پر چلنے والے جاندار:

فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ (پس ان میں سے بعض وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں) جیسے سانپ مچھلی نمبر۱۔ اس میں پیٹ کے بل رینگنے کو استعارۃً مشی سے تعبیر فرمایا جیسا کہ امر مستمر میں کہا جاتا ہے قد مشی ھذا الامر۔ نمبر۲۔ بطریق مشاکلت فرمایا کیونکہ زاحف کو ماشی کے ساتھ ذکر کیا گیا تھا۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ (اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو دو ٹانگوں پر چلتے ہیں) مثلاً انسان، پرندے وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ (اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو چار ٹانگوں پر چلتے ہیں)۔ مثلاً بہائم۔

ترتیب عجیب:

اولاً ان کو لائے جو قدرت میں زیادہ فائق ہیں۔ اور وہ وہی ہیں جو آلۂ مشی کے بغیر چلتے ہیں مثلاً ٹانگیں وغیرہ پھر دوسرے نمبر پر دو ٹانگوں پر چلنے والے پھر چار ٹانگوں پر چلنے والے۔ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ (اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں) جس طرح چاہتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (بیشک اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت حاصل ہے) کوئی چیز اس پر مشکل نہیں۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۴۶﴾ وَیَقُوْلُوْنَ

بلاشبہ ہم نے واضح کرنے والی آیات نازل کی ہیں، اور اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہے سیدھے راستہ کی طرف۔ اور وہ لوگ کہتے ہیں

اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِکَ ؕ وَمَآ

کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور رسول پر اور ہم نے فرمانبرداری کی، پھر اس کے بعد ان میں سے ایک فریق روگردانی کرتا ہے، اور یہ لوگ

اُولٰٓئِکَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ

ایمان والے نہیں ہیں۔ اور جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ فرما دے تو اس وقت ان میں سے ایک فریق

مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِنْ یَّکُنْ لَّھُمُ الْحَقُّ یَاْتُوْٓا اِلَیْہِ مُذْعِنِیْنَ ﴿۴۹﴾ اَفِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ اَمِ

اعراض کرنے والا ہوتا ہے۔ اور اگر ان کا کوئی حق ہو تو اس کی طرف فرمانبردار ہو کر چلے آتے ہیں۔ کیا ان کے دلوں میں مرض ہے یا

ارْتَابُوْٓا اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ وَرَسُوْلُہٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾

شک میں پڑے ہوئے ہیں یا انہیں اس بات کا خوف ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ظلم کریں گے، بلکہ بات یہ ہے کہ وہی ظلم کرنے والے ہیں۔

۴۶: لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (تحقیق ہم نے واضح آیات اتاری ہیں اور اللہ تعالیٰ جس کی چاہتے ہیں راہنمائی فرماتے ہیں) اپنی مہربانی اور مشیت سے اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (سیدھے راستہ کی طرف) دین اسلام کی طرف جو کہ جنت کی طرف پہنچانے والا ہے۔ جیسے یہ آیات قرآن کی بہت سی جگہوں پر ذکر کی گئی ہیں۔

تین گروہ:

۴۷: جب آیات کے اتارنے کا ذکر ہو چکا اب اس کے بعد لوگوں کے تین گروہوں میں بٹ جانے کا ذکر کیا۔ پہلا ایک جماعت نے دل سے ان آیات کی تصدیق اور باطنا تکذیب کی یہ منافق تھے۔ دوسری جماعت نے ظاہر و باطن سے تصدیق کی یہ مخلصین کی جماعت ہے یہ مومن۔ تیسرا گروہ جس نے ظاہر و باطن میں تکذیب کی یہ کافر ہیں۔ اسی ترتیب سے تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ وَیَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالرَّسُوْلِ (وہ اپنی زبانوں سے آمنا باللہ والرسول کہتے ہیں) وَاَطَعْنَا (اور ہم نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی) ثُمَّ یَتَوَلّٰی (پھر ایک جماعت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کو ماننے سے گریزاں ہے) فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِکَ (اس اقرار کے بعد) امنا باللہ وبالرسول واطعنا۔ وَمَآ اُولٰٓئِکَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ (حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں) اس میں ان کہنے والوں کے قول آمنا واطعنا کی طرف اشارہ ہے۔ فقط اس فریق کی طرف نہیں جو معرض ہے اس میں اس بات کی اطلاع دی گئی ہے کہ ان تمام کا ایمان سے کوئی تعلق نہیں۔ جس کا سبب ان کا فاسد اعتقاد اور اعراض ہے۔ اگرچہ اعراض والی بات ایک جماعت سے صادر ہوئی ہے مگر دوسرے ان کے اعراض پر بوجہ اتفاق راضی اور خوش ہوتے ہیں (اور رضا بالکفر بھی کفر ہے۔)

۴۸: وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (اور جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دی جاتی ہے) رسول اللہ ﷺ کی طرف۔ یہ اس طرح ہے جیسے کہتے ہیں اعجبنی زیدٌ وکرمہ مراد اس سے کرم زید ہے مجھے زید کی سخاوت پسند ہے۔ لِیَحْکُمَ (تاکہ وہ فیصلہ کریں) رسول ﷺ بَیْنَھُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ مُّعْرِضُوْنَ (ان کے مابین تو اسی وقت ان کی ایک جماعت منہ موڑنے والی ہے) اچانک ایک گروہ اعراض کر رہا ہے۔

شانِ نزول: یہ بشر منافق اور اس کے مخالف یہودی کے متعلق نازل ہوئی جبکہ دونوں کا ایک قطعہ زمین پر جھگڑا ہوا۔ یہودی اس کو رسول ﷺ کی خدمت میں لے جانے کی کوشش کر رہا تھا اور منافق کعب بن اشرف یہودی کے پاس لے جانا چاہتا تھا۔ اور کہتا محمد (ﷺ) ہم پر ظلم کریں گے (نعوذ باللہ)

۴۹: وَاِنْ یَّکُنْ لَّھُمُ الْحَقُّ (اور اگر واقعی ان کا حق ہو) جب ان کا حق دوسرے پر لازم ہوتا۔ یَاْتُوْٓا اِلَیْہِ (تو رسول ﷺ کی طرف آتے) مُذْعِنِیْنَ (دوڑتے ہوئے)۔

نحو: یہ حال ہے۔ اور اطاعت میں جلدی کرتے ہوئے تاکہ اپنا حق طلب کریں اس لئے نہیں کہ آپ کے فیصلہ پر راضی ہوں۔

قول زجاج: الاذعان تیزی جس میں اطاعت ہو۔ مطلب یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ آپ تو خالص حق اور انصاف کا حکم فرمائیں گے۔ اس لئے آپ سے فیصلہ کرانے سے اعراض کرتے ہیں کیونکہ انہیں حق قبول کرنا پڑے گا۔ اور آپ ان کے مخالف کا حق ان سے چھین کر حقدار کے حوالے کریں گے۔ اور جب ان کا اپنا حق بنتا ہو اور مخالف ناحق پر ہو تو جلدی سے آپ کی طرف آتے ہیں۔ وہ آپ کے فیصلہ میں سے ان کو یہ بات پسند ہے کہ ان کا حق آپ ان کے مخالف سے لے کر انہیں دلائیں۔

اعراض کی تین وجوہ:

۵۰: اَفِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ یَخَافُوْنَ (کیا ان کے دلوں میں کوئی بیماری ہے یا وہ شک میں پڑ گئے ہیں یا وہ ڈرتے ہیں) اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ وَرَسُوْلُہٗ (یہ اندیشہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ان کی حق تلفی کرے گا) آپ کے فیصلے سے اعراض کے معاملہ کو تقسیم کیا اور تین وجوہ بیان فرمائے۔ نمبر ۱۔ جبکہ فیصلہ ان کے خلاف پڑتا ہو۔ کہ یا تو ان کے دل بیمار ہیں۔ ان میں منافقت بھری ہے۔ نمبر ۲۔ یا آپ کے معاملہ نبوت میں شک کرنے والے ہیں۔ نمبر ۳۔ یا پھر آپ کی طرف سے حق تلفی کا خدشہ ہے۔ پھر اس تیسری صورت کو باطل قرار دیتے ہوئے فرمایا۔ بَلْ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ (بلکہ یہی لوگ ظالم ہیں) یعنی ان کو یہ خطرہ نہیں کہ ان کی حق تلفی ہوگی کیونکہ وہ آپ کی عدالت سے واقف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ظالم ہیں اور صاحب حق کا حق مار کر ظلم کرنا چاہتے ہیں۔ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مجلس میں یہ کیا نہیں جا سکتا اسی وجہ سے آپ کے ہاں فیصلہ ہونے سے کتراتے ہیں۔

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا

جب مومنین کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے تو ان کا کہنا یہی ہوتا ہے

سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۞ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ

کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا، اور یہ لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔ اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی طاعت کرے اور اللہ سے ڈرے

وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۞

اور اس کی مخالفت سے بچے، سو یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔

۵۱: إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ (مسلمانوں کا قول) قول حسن رحمہ اللہ نے قول کا لفظ رفع سے پڑھا ہے لیکن نصب زیادہ قوی ہے کیونکہ دونوں اسموں میں سے جو زیادہ تعریف میں دوسرے کی نسبت ہو وہ مشغول ہونا چاہیے یہاں أَنْ يَقُولُوا جو کہ دوسرا اسم ہے وہ زیادہ مشغول ہے۔ قول المومنین کی نسبت۔ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ (جبکہ ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف کسی فیصلہ کے لئے بلایا جاتا ہے) تاکہ نبی اکرم ﷺ فیصلہ فرمائیں۔

قراءت: یزید نے لِيُحْكَمَ پڑھا ہے کہ ان کا فیصلہ کیا جائے۔ بَيْنَهُمْ (ان کے مابین) اس فیصلہ کے مطابق جو اللہ تعالیٰ نے ان پر اتارا ہے۔ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا (بس یہ ہوتا ہے کہ وہ کہہ دیتے ہیں) ہم نے آپ کا ارشاد سنا۔ وَأَطَعْنَا (اور آپ کا حکم مانا) وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (وہی کامیاب ہیں)۔ مفلح کا معنی فائز ہے۔

۵۲: وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ (جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے) اپنے فرائض میں وَرَسُولَهُ (اور اس کے رسول کی) ان کے طریق میں وَيَخْشَ اللَّهَ (اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے) اپنے گزشتہ گناہوں کے سلسلہ میں وَيَتَّقْهِ (اور وہ تقویٰ اختیار کرے) زمانہ مستقبل میں۔ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ (وہی کامیاب ہونے والے ہیں)

نکتہ: کسی بادشاہ نے پوچھا کہ قرآن مجید میں کافی آیت کونسی ہے تو جواباً ان کو یہ آیت پڑھ کر سنائی گئی۔ واقعی میں یہ آیت کامیابی کے تمام اسباب کو جمع کرنے والی ہے۔

قراءت: وَيَتَّقْهِ ہاء کے سکون سے پڑھا ابو عمرو اور ابو بکر نے بلحاظ وقف درست قرار دیا ہے اور حفص نے قاف کے سکون اور کسرہ ہاء سے اور قاف اور ہاء کے کسرہ سے دوسروں نے پڑھا ہے۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۖ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۖ طَاعَةٌ

اور انہوں نے خوب مضبوطی کے ساتھ قسم کھائی کہ اگر آپ انہیں حکم دیں گے تو وہ ضرور نکل جائیں گے۔ آپ فرما دیجئے کہ قسمیں نہ کھاؤ فرمانبرداری

مَّعْرُوْفَةٌ ۗ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۞ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ

پہچانی ہوئی ہے۔ بے شک اللہ ان کاموں سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ آپ فرما دیجئے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۗ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۗ

سو اگر تم روگردانی کرو گے تو رسول کے ذمہ وہ ہے جس کا ان پر بوجھ ڈالا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہ ہے جس کا تم پر بوجھ رکھا گیا اور اگر تم نے ان کی فرمانبرداری کی تو ہدایت پانے والے ہو

وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۞

اور رسول کے ذمہ صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔

منافقین کا طرز عمل:

۵۳: وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ (وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی پختہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں) منافقین نے اللہ تعالیٰ کے نام کی پکی قسمیں اٹھائیں ان کو جھد اس لئے کہا گیا کہ انہوں نے اپنی پوری کوشش ان میں صرف کر دی۔ جھد یجھد کو جھد نفسہ کیلئے بطور استعارہ استعمال کیا گیا۔ جبکہ وہ اس میں اپنی پوری وسعت وکوشش صرف کر دے اور یہ اسی وقت ہے جب وہ قسم میں مبالغہ کرے اور اس کی پختگی و تاکید میں انتہا کر دے۔

قول ابن عباس رضی اللہ عنہما: جس شخص نے اپنی قسم کے ساتھ باللہ کہا اس نے اپنی قسم کو انتہائی مضبوط کر دیا۔ اور اصل کلام اس طرح ہے اقسم جھد الیمین ای اقسم یجھد الیمین جھداً فعل کو حذف کر کے مصدر کو مقدم کر دیا اور اس کی جگہ رکھ کر مفعول کی طرف مضاف کر دیا۔ جیسا اس ارشاد میں ہے فضرب الرقاب [محمد: ۴] اس منصوب کا حکم حال والا ہے گویا اس طرح کہا گیا جاھدین ایمانھم اس حال میں کہ وہ اپنی قسموں میں کوشش کرنے والے ہیں۔

لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ (اگر آپ ہمیں حکم دیں گے تو ہم ضرور نکل کھڑے ہوں گے) یعنی اگر ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ کی طرف نکلنے کا حکم دیں گے تو ہم ضرور جائیں گے یا اگر ہمیں ہمارے گھروں سے نکلنے کا حکم دیں گے تو ہم ضرور نکل جائیں گے۔ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا (آپ ان سے کہہ دیں تم قسمیں مت اٹھاؤ) جھوٹی قسمیں مت اٹھاؤ کیونکہ وہ گناہ کبیرہ ہیں۔ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ (تمہاری فرمانبرداری معلوم ہے) اس جھوٹے ایمان سے کامل خالص اطاعت زیادہ اولیٰ اور بہتر ہے۔

نحو: یہ مبتدأ ہے اس کی خبر محذوف ہے نمبر۲۔ یہ خبر ہے اور اس کا مبتدأ محذوف ہے یعنی جو تم سے مطلوب ہے وہ معروف طاعت ہے جس میں کوئی اشتباہ نہ ہو اور نہ شک کیا جا سکے جیسا کہ مخلص مسلمانوں کی طاعت ہے وہ ایمان معتبر نہیں جس کی تم اپنے منہ سے

قسمیں اٹھاتے ہو۔ حالانکہ تمہارے دل اس کے مخالف ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (بیشک اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی خبر ہے) جو تمہارے ضمائر میں ہے اس کو بھی جانتے ہیں۔ اور تمہارے مخفی راز اس کے سامنے ہیں وہ تمہیں رسوا کرے گا اور تمہارے نفاق پر بدلہ دے گا۔

انکی طاعت سے اعراض پر آپ کا کچھ نقصان نہ ہوگا:

۵۴: قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ (کہہ دیجئے! تم خدا اور رسول کی طاعت کرو) التفات کی خاطر خطاب سے غائب کی طرف کلام کو موڑا۔ یہ بیان کے رو سے نہایت بلیغ انداز ہے۔ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ (اگر تم منہ موڑ لو تو رسول پر وہ لازم ہے جس کا بوجھ تم پر ڈالا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہ ہے جس کا بوجھ تم پر ڈالا گیا) مراد یہ ہے کہ اگر تم طاعت سے اعراض کرو گے تو ان کو کچھ نقصان نہ پہنچے گا بلکہ تمہارا اپنا نقصان ہوگا۔ رسول کی ذمہ داری تو یہ ہے جتنی اس پر ڈالی گئی اور ادائے رسالت کا ان کو مکلف بنایا گیا۔ جب انہوں نے پیغام کو پہنچا دیا تو وہ اپنی ذمہ داری سے نکل گیا۔ باقی تم پر ذمہ داری اس کی بات کو قبول کرنے اور یقین کرنے کی ہے اگر تم نے وہ ادا نہ کی اور منہ موڑ لیا تو تم نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے غضب کے حوالے کر دیا اور اس کے عذاب پر اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا (اگر تم اس کی طاعت کرو گے تو راہ پا جاؤ گے) یعنی اگر تم نے اطاعت کی ان تمام باتوں کی جن کو وہ تمہیں حکم دیتے اور منع کرتے ہیں تو ہدایت کا حصہ تم نے پا لیا۔ نفع و نقصان ہر صورت ہماری طرف لوٹنے والے ہیں۔

آپ کی ذمہ داری پہنچا دینا ہے:

وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (اور رسول کے ذمہ تو فقط ان احکامات کا کھول کر پہنچا دینا ہے) رسول ﷺ کے ذمہ تو ان احکام کا پہنچا دینا ہے تمہارے قبول کر لینے میں ان کا کوئی فائدہ نہیں اور نہ ہی تمہارے اعراض سے ان کو کوئی نقصان پہنچے گا۔ البلاغ کا معنی تبلیغ ہے۔ جیسا کہ اداء کا معنی ادائیگی آتا ہے۔ المبین ظاہر۔ یہ اس لئے کہا کیونکہ وہ احکام آیات و معجزات کے ساتھ ملی ہوئی ہیں۔

ربط: پھر مخلصین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا

اور تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اللہ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے کہ انہیں ضرور ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ

اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ

ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور ان کے لئے ان کے دین کو جما دے گا جو اس نے ان کے لئے پسند فرمایا ہے اور ان کے خوف کے بعد

مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ

ضرور ضرور امن سے بدل دے گا وہ میری عبادت کرتے ہیں میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتے اور جو شخص اس کے بعد ناشکری

ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا

کرے گا تو یہی لوگ نافرمان ہیں۔ اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی فرمانبرداری

الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ

کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اے مخاطب ان کے بارے میں یہ ہرگز خیال نہ کر کہ جو کافر ہیں زمین میں عاجز کرنے والے ہیں۔

وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اور البتہ وہ بری جگہ ہے۔

آیت تمکین فی الارض:

۵۵: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے وعدہ فرمایا) اس میں نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے۔ منکم بیانیہ وضاحت کیلئے ایک قول یہ ہے اس سے مراد مہاجرین ہیں اور من تبعیض کیلئے ہے۔ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ (ضرور بالضرور ان کو زمین میں خلافت عنایت فرمائیں گے) ارض سے ارض کفار مراد ہے ایک قول ارض مکہ مراد ہے۔

صحیح قول: یہ ہے کہ یہ عام ہے اس لئے کہ علیہ السلام کا ارشاد ہے لیدخلن ھذا الدین علی ما دخل علیه اللیل۔ اس دین کو اللہ تعالیٰ وہاں تک داخل کرے گا۔ جہاں تک رات چھاتی ہے۔ كَمَا اسْتَخْلَفَ جیسے ان سے خلیفہ بنایا۔

قراءت: ابوبکر نے اُسْتُخْلِفَ پڑھا ہے۔

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ (ان لوگوں کو جو ان سے پہلے ہوئے اور ضرور بالضرور تمکین عنایت فرمائے گا اس دین کو جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پسند کیا ہے۔ اور ضرور بالضرور بدل دے گا)۔

قراءت : لَیُبَدِّلَنَّھُمْ کو تخفیف سے مکی اور ابوبکر نے پڑھا ہے۔

مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ اَمۡنًا (ان کے خوف کو امن سے) اس میں نمبر۱۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو کفر پر غلبہ کا وعدہ فرمایا ہے اور ان کو زمین پر وارث اور خلفاء بنانے کا۔ وعدہ کیا ہے جس طرح کہ بنی اسرائیل کے ساتھ کیا جبکہ ان کو مصر و شام عنایت فرمائے۔ وہاں پر کافر جبابرہ کو ہلاک کر دیا۔ نمبر۲۔ یہ بھی وعدہ فرمایا کہ پسندیدہ دین کو تمکین عنایت فرمائے گا اور وہ دین اسلام ہی ہے۔ تمکین سے مضبوطی و پختگی مراد ہے۔ نمبر۳۔ ان کا قبیلہ ایمان لے آئے گا۔ اور موجودہ خوف کی حالت زائل ہو جائے گی۔ اور یہ اسی طرح ہوا کہ رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم دس سال تک مکہ میں خوف کی حالت میں اقامت پذیر رہے جب ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تو صبح و شام ہتھیار بند رہتے یہاں تک کہ ان میں سے ایک کی زبان سے نکلا کیا ہم پر کوئی دن ایسا آئے گا کہ ہم ہتھیار رکھیں گے تو یہ آیت اتری اس پر علیہ السلام نے فرمایا تم پر تھوڑا زمانہ گزرے گا یہاں تک کہ تم میں ہر آدمی بڑے گروہوں میں اطمینان سے ساتھ بیٹھے گا اور اس وقت اس کے ساتھ ذرا سا ہتھیار بھی نہ ہوگا۔ (ابن جریر فی تفسیرہ) اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جزیرۂ عرب پر غلبہ دیا اور انہوں نے مشرق و مغرب کے دور علاقے بھی فتح کر لیے قیصر و کسریٰ کے ممالک کو چیر کر پارہ پارہ کر دیا اور ان کے خزانوں کے مالک بنے اور دنیا میں غالب رہے۔

لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ میں قسم جو لام اور نون سے متصل تھی۔ اس کو حذف کر دیا تقدیر کلام اس طرح ہے۔ وعدھم اللہ واقسم اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا اور قسم اٹھائی لیستخلفنھم نمبر۲۔ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو وقوع کے لحاظ سے قسم کی جگہ پایا گیا اور لوازمات قسم کو ذکر کر دیا گویا کہ اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھا کر فرمایا لیستخلفنھم۔

یَعْبُدُوْنَنِیْ (وہ میری عبادت کرتے ہونگے) اگر تم اس کو جملہ مستانفہ بناؤ تو پھر اس کا کوئی محل اعراب نہیں گویا کلام اس طرح ہے مالھم یستخلفون ویؤمنون؟ پھر فرمایا یعبدوننی اگر اس کو تم وعدھم اللہ سے حال بناؤ یعنی وعدھم اللہ فی حال عبادتھم کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ وعدہ اس حالت میں فرمایا کہ وہ اس کی عبادت کرتے ہونگے اس صورت میں یہ محل نصب میں ہے۔ لَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ شَیۡـًٔا (وہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے ہونگے)۔

نحو: یہ یعبدون کے فاعل سے حال ہے یعنی یعبدوننی موحدین وہ میری عبادت ایسی حالت میں کریں گے کہ توحید پرست ہونگے۔ نمبر۲۔ اور یہ بھی درست ہے کہ یہ دوسرا حال پہلے حال سے بدل ہو۔

منکرینِ نعمتِ خلافت کو فاسق کہا:

وَمَنۡ کَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِکَ (اور اس کے بعد جو لوگ کفر کریں گے) یعنی اس وعدہ کے بعد۔ یہاں مراد کفر سے کفرانِ نعمت ہے۔

جیسا کہ اس ارشاد میں فرمایا فکفرت بانعم اللہ [النحل:۱۱۲]

فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ (پس وہی لوگ فاسق ہیں) یعنی فسق میں کمال کو پہنچنے والے ہیں اس لئے کہ وہ اس عظیم الشان نعمت کے منکر ہیں اور اس نعمت کو حقیر قرار دینے کی جسارت کی۔ علماء کہتے ہیں کہ اس نعمت کی سب سے اول ناشکری کرنے والے قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے اس کے بعد کہ وہ آپس میں بھائی بھائی تھے اور امامت کے امن کو خوف سے بدلا۔

واضح استدلال:

یہ آیت واضح دلیل ہے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی خلافت برحق تھی کیونکہ جن ایمان والوں اور اعمالِ صالحہ والوں کے متعلق قسم اٹھائی گئی ہے وہ یہی ہیں۔

۵۶: وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ (اور تم نماز کو قائم کرو۔)

نحو: اس کا عطف اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول پر ہے۔ اور فاصلہ خواہ زیادہ ہو اس سے عطف میں فرق نہیں پڑتا۔

وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (اور تم زکوٰۃ ادا کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو) جس کی طرف وہ بلاتے ہیں اطاعت رسول کو واجب ہونے کی بناء پر دوبارہ لایا گیا تاکہ مزید تاکید ہو جائے۔ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ (تاکہ تم پر رحم ہو) تاکہ تم پر رحم کیا جائے اس لئے کہ یہ اعمال رحمت کو کھینچ کر لانے والے ہیں۔

ربط: اب ان کے بالمقابل کفار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

۵۷: لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ (ہرگز کافر لوگ گمان نہ کریں کہ وہ زمین میں کہیں تھکا دیں گے) وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز کرنے والے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان پر قابو نہ ہو۔

نحو: اس میں تاء خطاب کیلئے ہے جو نبی اکرم ﷺ کو کیا جا رہا ہے اور وہی فاعل ہے اور دو مفعول نمبر ۱۔ الذین کفروا اور نمبر ۲۔ معجزین ہیں۔

قراءت: شامی اور حمزہ نے یاء سے پڑھا ہے۔ فاعل نبی اکرم ﷺ ہی ہیں کیونکہ پہلے آپ کا تذکرہ ہوا اور الذین کفروا مفعول اول ہے جبکہ معجزین مفعول دوم ہے۔

وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ (اور ان کا ٹھکانا آگ ہے)

نحو: اس کا عطف لا تحسبن الذین کفروا معجزین پر ہے۔ گویا کلام اس طرح ہے۔ الذین کفروا لا یفوتون اللہ وما واھم النار۔ کافر لوگ اللہ تعالیٰ سے بھاگ نہ سکیں گے اور ان کا ٹھکانا آگ ہے۔ وَلَبِئْسَ الْمَصِیْرُ (اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔) المصیر کا معنی مرجع ہے اور وہ آگ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ

اے ایمان والو جو تمہارے مملوک ہیں اور تم میں سے وہ لڑکے جو بلوغ کو نہیں پہنچے تین وقتوں میں

مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ

اجازت لیا کریں، نماز فجر سے پہلے اور جس وقت تم دوپہر کو اپنے کپڑے اتار کر رکھتے ہو

وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ

اور نماز عشاء کے بعد۔ یہ تین وقت تمہارے پردہ کے ہیں۔ ان اوقات کے علاوہ تم پر اور ان پر کوئی گناہ

جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ

نہیں ہے۔ وہ بکثرت تمہارے پاس آتے جاتے ہیں کوئی کسی کے پاس اور کوئی کسی کے پاس، اللہ اسی طرح تمہارے لئے احکام بیان

الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا

فرماتا ہے اور اللہ علیم ہے حکیم ہے۔ اور تمہارے لڑکے جب حد بلوغ کو پہنچ جائیں تو وہ بھی اجازت لیں جیسے

اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

ان لوگوں نے اجازت لی جو ان سے پہلے ہیں۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیات بیان فرماتا ہے اور اللہ علیم ہے حکیم ہے۔

تین آیات کے درجات:

۵۸: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (اے ایمان والو! چاہیے کہ اجازت طلب کریں وہ لوگ جن کے مالک تمہارے دائیں ہاتھ ہیں) اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ غلام اور لونڈیاں اجازت لے کر گھر میں داخل ہوں۔ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ (اور تمہارے وہ لڑکے جو ابھی حد بلوغ کو نہیں پہنچے) آزاد لڑکوں میں سے جو بچے ابھی بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچے۔

قراءت: الحُلْم اس کو لام کے سکون کے ساتھ تخفیف کے طور پر پڑھا گیا ہے۔

ثَلٰثَ مَرّٰتٍ (تین مرتبہ) دن اور رات میں اور وہ اوقات یہ ہیں۔ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ (فجر کی نماز سے قبل) کیونکہ یہ خوابگاہوں سے بیداری کا وقت ہوتا ہے۔ اس میں نیند کے کپڑے اتارے جاتے اور دن والے کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ (اور جس وقت تم دوپہر کے وقت اپنے کپڑے اتارتے ہو) اور وہ دوپہر کا وقت ہے جو گرما میں دن کی نیند کیلئے زائد کپڑے اتارنے کا وقت ہے۔ اور نیند کے کپڑے سے تہ بند پہن لئے جاتے ہیں۔

وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ (عشاء کی نماز کے بعد) کیونکہ یہ وقت بھی بیداری کے کپڑے اتارنے اور خواب کے کپڑے پہننے کا ہوتا ہے۔ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ (یہ تین اوقات تمہارے لئے پردے کے ہیں) یعنی یہ اوقات تمہارے پردے کے ہیں۔

نحو : مبتدا اور مضاف کو حذف کر دیا ہے تقدیر کلام یہ ہے ھی ثلاث عورات۔ نصب کی صورت میں کوفی قراء نے پڑھا مگر حفص نے مرفوع ہی پڑھا ہے۔ کوفی قراء نے ثلاث مرات سے بدل قرار دیا ہے ای اوقات ثلاث عورات۔

ان اوقات میں سے ہر وقت کو عورۃ کے لفظ سے تعبیر فرمایا کیونکہ ان اوقات میں آدمی اپنے تستر کو کم کرتا اور اس میں رخنہ اور شگاف ڈالتا ہے۔ اور العورۃ کا معنی شگاف ہے اور اسی سے الاعور ہے جس کی آنکھ میں خلل ہو دوسرے مقام پر فرمایا ان بیوتنا عورۃ۔

شانِ نزول : ایک انصاری غلام مدلج بن عمرو دوپہر کے وقت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں گیا جبکہ وہ سوئے ہوئے تھے اور آپ کا کپڑا ہٹا ہوا تھا۔ اس پر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں یہ پسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس وقت میں بلا اذن داخل ہونے سے منع فرما دیں۔ وہ غلام نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ربط : اگلی آیت میں ان تین اوقات کے علاوہ اوقات میں استیذان کی اجازت موقوف کی گئی۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ (ان تین اوقات کے علاوہ اوقات میں بغیر اجازت کے آنے میں تمہیں اور انہیں کوئی گناہ نہیں) یعنی نہ تو تم پر گناہ ہے اور نہ ہی ان مذکورین پر کوئی گناہ ہے کہ ان کے علاوہ اوقات میں اگر وہ بلا استیذان داخل ہو جایا کریں۔

عدم استیذان کی علت :

ربط : اب عدم استیذان کی علت واضح کی طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ (وہ تمہارے ہاں بار بار آنے والے ہیں) وہ گھریلو ضروریات میں بار بار آنے جانے والے ہیں۔ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (ایک دوسرے پر) یہ مبتدا خبر ہیں۔ تقدیر عبارت یہ ہے بعضکم طائف علی بعض۔ طائف کو حذف کر دیا کیونکہ طوافون اس پر دلالت کر رہا ہے۔

نمبر۲۔ اور یہ بھی درست ہے کہ پورا جملہ اوّل کا بدل ہو۔ نمبر۳۔ جملہ مبینہ مؤکدہ بھی بن سکتا ہے تقدیر کلام اس طرح ہوگی ان بکم و بھم حاجۃ الی المخالطۃ والمداخلۃ یطوفون علیکم للخدمۃ وتطوفون علیھم للاستخدام تمہیں اور انہیں میل جول اور آنے جانے کی بار بار ضرورت ہوتی۔ خدمت کیلئے اور ان سے خدمت لینے کیلئے بار بار آؤ جاؤ گے۔ پس اگر استیذان کو ہر وقت لازم کر دیا جائے تو اس سے تنگی پیدا ہوگی اور وہ نص کی وجہ سے شرعاً اٹھا دی گئی ہے۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ (اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہاری خاطر آیات کو کھول کر بیان فرماتے ہیں) جیسا کہ استیذان کا حکم کھول کر بیان کیا اسی طرح دیگر آیات کو وضاحت سے بیان فرماتے ہیں۔ جن میں تمہیں بیان کی ضرورت ہے۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ (اور اللہ تعالیٰ جاننے والے ہیں) اپنے بندوں کی مصلحتوں کو حَكِيْمٌ (حکمت والے ہیں) اس کی مراد کو بیان کرتے ہیں۔

حکم بلوغت :

۵۹ : وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ (اور جب تمہارے بچے بلوغت کو پہنچ جائیں) مراد احرار ہیں غلام مراد نہیں۔ الْحُلُمَ (بلوغت)

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ

اور جو عورتیں بیٹھ چکی ہیں جنہیں نکاح کرنے کی امید نہیں ہے سو اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے کپڑے اتار کر

ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۶۰﴾

رکھ دیں جبکہ زینت کا اظہار کرنے والی نہ ہوں اور یہ بات کہ پرہیز کریں ان کے لئے بہتر ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

حکم یعنی احتلام ہے یعنی بلوغت کو پالینا اور وہ بچے گھر میں داخل ہونا چاہیں۔ فَلْیَسْتَاْذِنُوْا (پس چاہئے کہ وہ اجازت طلب کریں) تمام اوقات میں کَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (جیسے ان لوگوں نے اجازت طلب کی جو ان سے قبل ہوئے) یعنی وہ لوگ جو ان سے قبل بالغ ہوئے اور وہ مرد ہیں نمبر۲۔ وہ لوگ مراد ہیں جن کا تذکرہ ہوا پہلے اس ارشاد میں ہے یاایھا الذین امنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا وتسلموا علی اھلھا [النور:۲۷]

تین اوقات کے علاوہ بچوں کا بلا اجازت داخلہ:

مطلب یہ ہے کہ بچوں کو بلا اجازت داخلے کی اجازت ہے سوائے ان تین اوقات کے ان میں ان کو بھی اجازت لے کر آنا ہوگا۔ جب وہ اس کے عادی ہو جائیں گے۔ پھر وہ بلوغت کی عمر کو پہنچیں گے یا احتلام کی علامت سے بالغ ہو گئے۔ تو پھر ان سے بلا اذن داخل ہونے کی عادت چھوڑ دی گئی ہوگی اور ان کو اس بات کا ذمہ دار بنایا جائے گا۔ کہ وہ بھی بڑوں کی طرح اجازت لے کر آیا کریں۔ حالانکہ لوگ اس بات سے غافل ہیں۔

قول ابن عباسؓ: تین آیات ہیں جن کا لوگوں نے زور سے انکار کر دیا ہے نمبر۱۔ تمام کا اجازت لینا نمبر۲۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم [الحجرات:۱۳] نمبر۳۔ اذا حضر القسمۃ [النساء:۸] سعید بن جبیر کا قول ہے کہ لوگ کہتے ہیں یہ منسوخ ہے اللہ کی قسم! یہ آیت منسوخ نہیں۔

کَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ (اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آیات کو کھول کر بیان کرتے ہیں) اللہ تعالیٰ جانتے ہیں) لوگوں کی مصلحتیں حَکِیْمٌ (حکمت والے ہیں)۔ (ان احکامات میں جن کو کھول کر بیان کیا)

۶۰: وَالْقَوَاعِدُ (اور بڑی بوڑھی عورتیں) یہ قاعد کی جمع ہے۔ یہ عورت کی مخصوص صفات میں سے ہے جیسے طالق اور حائض۔ مراد یہ ہے وہ عورتیں جو اولاد اور حیض سے زیادتی عمر کی وجہ سے بیٹھ جائیں مِنَ النِّسَآءِ (عورتوں میں سے)

نحو: یہ حال ہے۔

الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا (وہ عورتیں جو نکاح کی طمع نہ رکھتی ہوں)

نحو: یہ رفع میں القواعد مبتدا کی صفت ہے اور خبر فلیس علیہن جناح ہے۔

فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ (تو ان پر کوئی گناہ نہیں)

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ وَلَا عَلَىٰ

نہ تو نابینا کے لئے کوئی مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے آدمی کے لئے کوئی مضائقہ ہے اور نہ بیمار کے لئے کوئی مضائقہ ہے اور نہ خود تمہارے لئے

أَنفُسِكُمْ أَن تَأْكُلُوا مِن بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ

کوئی مضائقہ ہے کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے

أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخْوَالِكُمْ أَوْ بُيُوتِ

یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے

خَالَاتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكْتُم مَّفَاتِحَهُ أَوْ صَدِيقِكُمْ ۚ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَأْكُلُوا

گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی چابیاں تمہارے اختیار میں ہیں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے کھاؤ۔ تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ سب مل کر

جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا ۚ فَإِذَا دَخَلْتُم بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ

کھاؤ یا الگ الگ۔ سو جب تم گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنے لوگوں کو سلام کرو جو اللہ کی طرف سے مقرر ہے

عِندِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٦١﴾

دعا کے طور پر جو مبارک ہے پاکیزہ ہے۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنے احکام بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

نحو: الف لام کی وجہ سے مبتدا میں شرط کا معنی پایا جاتا تھا اس لئے خبر پر فاء داخل کی۔

اَنْ يَّضَعْنَ کہ وہ (اپنے زائد کپڑے) اتار دیں اس بات میں کہ وہ اپنے زائد کپڑے اتار دیں۔ ثِيَابَهُنَّ (اپنے کپڑے) یعنی ظاہری کپڑے جیسے اوپر اوڑھنے والا کپڑا۔ دوپٹے کے اوپر سے اوڑھنے والا جلباب۔ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِيْنَةٍ (وہ اپنی زینت کو ظاہر کرنے والی نہ ہوں) اور زینت کو (غیر مردوں) کے سامنے ظاہر کرنے والی نہ ہوں۔ الزینۃ سے مراد مخفی چیزیں مثلاً پازیب، پنڈلی وغیرہ ان کے اتارنے سے تبرج مقصود نہ ہو بلکہ کپڑوں کو ہلکا کرنا ہو۔

تبرج کی حقیقت:

جس کا چھپانا واجب ہو اس کے ظاہر میں تکلف سے کام لینا۔ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ (اور اگر وہ اس سے احتیاط کریں) اگر وہ کپڑے اتارنے سے اجتناب کریں اور کپڑے پہنے رکھیں تو بہت بہتر ہے۔

نحو: یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر خَيْرٌ لَّهُنَّ ہے۔

خَيْرٌ لَّهُنَّ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (ان کے لئے بہت بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ سب باتیں سننے والے ہیں) ان کی باتوں کو اور علیم ہیں (جاننے والے ہیں) ان کے مقصود کو۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ (اندھے پر کوئی تنگی نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی تنگی ہے اور نہ مریض پر کوئی تنگی ہے)۔

معذورین کا حکم:

قول سعید بن مسیب رحمہ اللہ ہے کہ مسلمان جب نبی اکرم ﷺ کے ساتھ غزوات میں نکلتے تو اپنی چابیاں نابیناؤں، مریضوں اور لنگڑوں اور اپنے اقارب کو دے جاتے اور ان کو اپنے گھروں سے کھانے پینے کی اجازت دے جاتے۔ مگر یہ لوگ اس بات میں تنگدلی محسوس کرتے کہ شاید انہوں نے دل سے اجازت نہ دی ہو۔ پس یہ آیت اتری اور ان کی رخصت کا ذکر فرمایا۔

بلا تکلف کھانے کے مقامات:

وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ (اور نہ تمہارے اپنے نفسوں پر کوئی حرج ہے)۔ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ (کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ)۔ یعنی اپنے اولاد کے گھروں سے کیونکہ آدمی کی اولاد اس کا بعض حصہ ہوتا ہے اور اس کا حکم اپنی ذات کا حکم رکھتا ہے اسی لئے اولاد کا ذکر آیت میں نہیں کیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((انت و مالك لابيك)) (رواہ ابوداؤد و ابن ماجہ) یا اپنی ازواج کے گھروں سے کیونکہ زوجین ایک نفس کی طرح ہیں اور عورت کا گھر مرد کا اپنا گھر ہے۔

اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ (یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا ماؤں کے گھروں سے یا بھائیوں کے گھروں سے یا بہنوں کے گھروں سے یا چچاؤں کے گھروں سے یا پھوپھیوں کے گھروں سے یا ماموں کے گھروں سے یا خالاؤں کے گھروں سے) کیونکہ ان کی طرف سے دلالۃً اجازت ثابت ہوتی ہے۔ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ (یا جن کی کنجیوں کے تم مالک ہو) مفاتح جمع مفتح کی ہے جس سے کسی بند چیز کو کھولا جائے۔ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما: آدمی کا وکیل ہونا جس کا نگران، چوپایوں کا نگران مراد ہے وہ اس کی حفاظت اور اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ایک قول: اس سے غلام کا گھر مراد ہے کیونکہ غلام کے پاس جو کچھ ہے وہ تمام آقا کا ہے۔

اَوْ صَدِيْقِكُمْ (یا دوستوں کے گھروں سے) بیوت اصدقائکم (اپنے دوستوں کے گھروں سے)۔

صدیق: ایک بھی ہو سکتا ہے اور کئی بھی ہو سکتے ہیں۔ صدیق وہ ہے جو تیری محبت میں سچا ہو اور جو اس کے ساتھ دوستی میں مخلص ہو۔ گزشتہ زمانہ میں لوگ اپنے دوستوں کے گھروں میں داخل ہو کر ان کی غیر موجودگی میں ان کی لونڈی سے ان کی تھیلی مانگتے اور اپنی ضرورت کے مطابق اس میں سے لے لیتے۔ جب وہ واپس لوٹتا تو خوشی سے لونڈی کو آزاد کر دیتا مگر آج کل طبائع میں بخل کا غلبہ ہو گیا اس لئے بغیر اجازت کھانا جائز نہیں ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا (تم پر کوئی گناہ نہیں مل کر کھانے میں) اَوْ اَشْتَاتًا (یا متفرق)۔ اشتات جمع شت کی ہے۔

شان نزول: یہ بنی لیث بن عمرو کے متعلق نازل ہوئی وہ اکیلے کھانے کو حرام قرار دیتے۔ بعض اوقات انتظار میں صبح سے شام ہو جاتی اگر کوئی بھی نہ ملتا تو کھا لیتے جو ضرورت کو پورا کرتا۔ بعض انصار کے متعلق اتری کہ جب ان کے ہاں کوئی مہمان آتا تو

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ

ایمان والے وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور جب وہ رسول کے ساتھ کسی ایسے کام کیلئے جمع ہوتے ہیں جس کے لئے جمع کیا جائے

لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

تو اس وقت تک نہیں جاتے جب تک ان سے اجازت نہ لیں، بلاشبہ جو لوگ آپ سے اجازت لیتے ہیں یہی لوگ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان

وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ

رکھتے ہیں، سو جب وہ آپ سے اپنے کسی کام کے لئے اجازت طلب کریں تو ان میں سے آپ جسے چاہیں اجازت دیدیں

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٢﴾ لَّا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ

اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا کیجئے، بلاشبہ اللہ غفور ہے رحیم ہے۔ تم اپنے درمیان رسول اللہ کے بلانے کو ایسا مت سمجھو

كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ

جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو، بے شک اللہ ان کو جانتا ہے جو تم میں سے آڑ میں ہو کر کھسک جاتے ہیں سو جو لوگ رسول کے

الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾

حکم کی مخالفت کرتے ہیں وہ اس بات سے ڈریں کہ ان پر کوئی مصیبت آپڑے یا انہیں کوئی درد ناک عذاب پہنچ جائے

والے مہمانوں کے ساتھ مل کر کھاتے۔ یا کھانے پر اجتماع کو گناہ خیال کرتے تھے کیونکہ لوگوں کے طبائع کھانے میں مختلف ہیں۔ بعض کچھ لوگ زیادہ کھاتے ہیں دوسرے کم۔ فَإِذَا دَخَلْتُم بُيُوتًا (جب تم گھروں میں داخل ہو) یعنی ان مذکورہ گھروں میں کھانے کیلئے داخل ہو۔ فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ (تو اپنوں کو سلام کرو) تم گھر والوں کو سلام کرنے میں پہل کرو۔ جو دین و قرابت کے لحاظ سے تمہیں میں سے ہیں۔ یا تمام سے خالی گھر مراد ہیں یا مساجد۔ تو تم اس طرح کہو السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔

تَحِيَّةً (بطور دعا) یہ سلموا کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ یہ تسلیما کے معنی میں ہے جیسے قعدت جلوسا۔ مِّنْ عِندِ اللَّهِ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) جو کہ اس کے حکم سے ثابت ہے اور اس کی طرف سے مقرر ہوا ہے۔ یا سلام اور دعا طلب سلامتی کا نام ہے اور جس کو سلام کیا گیا اس کے لئے زندگی کا پیغام ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحفہ ہے۔ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً (مبارک پاکیزہ) اس کی تعریف برکت اور طیب کے الفاظ سے کی۔ کیونکہ یہ تو ایک مومن کی دوسرے مومن کے حق میں دعا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے وہ اضافہ کا امیدوار ہے اور پاکیزہ رزق کا خواہش مند ہے۔

كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (اسی طرح اللہ تعالیٰ کھول کھول کر تمہارے لئے احکامات کو بیان کرتے ہیں تاکہ تم سمجھو) تاکہ تم سمجھو اور عمل کرو۔

ایسے منافقین کی حالت اس سے چھپی ہوئی کس طرح رہ سکتی ہے خواہ وہ چھپنے کی کتنی ہی کوشش کریں۔ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ (اور جس روز لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا کر لائے جائیں گے)

قراءت: يَرْجِعُوْنَ یعقوب نے یاء کے فتحہ اور جیم کے کسرہ سے پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہوگا وہ اس دن کو بھی جانتا ہے جس دن وہ اس کی بارگاہ میں جزاء کیلئے لوٹیں گے وہ قیامت ہی کا دن ہے۔

خطاب و غیبت:

قد يعلم ما انتم عليه و يوم يرجعون اليه میں خطاب و غیبت کے صیغے یہ بھی جائز ہے کہ تمام منافقین کیلئے ہوں بطور التفات۔ نمبر۲۔ اور یہ بھی درست ہے کہ ما انتم علیہ عام ہو اور یرجعون منافقین کیلئے ہو۔ فَيُنَبِّئُهُمْ (پس وہ ان کو مطلع فرمائیں گے) قیامت کے دن بِمَا عَمِلُوْا (اس پر جو انہوں نے عمل کئے) جو برے اعمال انہوں نے چھپائے وہ ان کو ان پر پوری سزا دیں گے۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے)۔ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ روایت میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سورۃ النور منبر پر حج کے ایام میں پڑھی۔ اور اس کی ایسے انداز سے تفسیر فرمائی کہ اگر اہل روم اس کو سن لیتے تو وہ ضرور مسلمان ہو جاتے۔

الحمد لله حمدا كثيرا والصلوة والسلام على رسوله افضل الخلق والبشر۔ الحمد سورۃ النور کی تفسیر کا ترجمہ آج بروز

الجمعہ ۲۴ شوال المکرم ۱۴۲۳ھ کو اختتام پذیر ہوا۔ الموافق ۲۷ دسمبر ۲۰۰۲ء

سورۃ الفرقان مکہ میں نازل ہوئی اس میں ستتر آیات اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ

وہ ذات بابرکت ہے جس نے اپنے بندہ پر فیصلہ کرنے والی کتاب نازل فرمائی تاکہ وہ سارے جہانوں کو ڈرانے والا ہو جائے۔ وہ ذات کہ اسی کے لئے ملک ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ

آسمانوں کے اور زمین کے اور اس نے کسی کو اپنی اولاد قرار نہیں دیا اور حکومت میں اس کا کوئی شریک نہیں اور اس نے ہر چیز کو پیدا

شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ

کیا پھر اس کا ٹھیک اندازہ مقرر فرمایا۔ اور لوگوں نے اس کے علاوہ معبود بنا لئے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے اور حال یہ ہے کہ وہ پیدا کئے جاتے ہیں اور وہ

يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً

اپنی جانوں کے لئے کسی ضرر اور کسی نفع کے مالک نہیں ہیں۔ اور وہ کسی کی موت کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ حیات کا

وَّلَا نُشُوْرًا ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ

اور نہ کسی کو دوبارہ زندہ کرنے کا۔ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا انہوں نے کہا کہ یہ کچھ بھی نہیں ہے مگر ایک جھوٹ ہے جسے اس نے گھڑ لیا ہے اور اس پر دوسرے لوگوں نے اس کی

قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۚ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا

مدد کی ہے سو یہ لوگ بڑے ظلم اور جھوٹ کو لے کر آئے ہیں۔ اور ان لوگوں نے کہا کہ یہ پرانے لوگوں کی لکھی ہوئی باتیں ہیں جنہیں اس نے لکھوا لیا ہے

فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ

سو صبح شام وہ اس کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ اس کو اس ذات نے نازل فرمایا ہے جو سب چھپی باتوں کو جانتا ہے آسمانوں میں

وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ

اور زمین میں۔ بلاشبہ وہ بخشنے والا ہے مہربان ہے۔ اور ان لوگوں نے کہا کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ کھانا کھاتا ہے

وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى

اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں ہوا جو اس کے ساتھ ڈرانے والا ہوتا۔ یا اس کی طرف کوئی

اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا

خزانہ آ پڑتا یا اس کے لئے کوئی باغ ہوتا جس میں سے کھایا کرتا۔ اور ظالموں نے کہا کہ تم تو بس ایسے آدمی کی راہ پر چل رہے ہو جس پر

مَّسْحُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝

جادو کیا گیا ہے۔ آپ دیکھئے ان لوگوں نے آپ کے لئے کیسی کیسی عجیب باتیں بیان کی ہیں سو وہ گمراہ ہو گئے پھر وہ کوئی راہ نہیں پا سکتے۔

تبارک اور فرقان کا معنی:

۱: تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ (بڑی خیر والا ہے وہ جس نے قرآن کو اپنے بندے پر تھوڑا تھوڑا) عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (اتارا کہ وہ سارے جہانوں کیلئے ڈرانے والا ہو)۔ تبارک یہ البرکة سے تفاعل کے وزن پر ہے۔ اور البرکت خیر کثیر اور اس کے اضافہ کو کہتے ہیں۔ تبارک اللہ کا معنی اس کی بھلائی بڑھنے والی ہے اور کثیر ہونے والی ہے۔ نمبر۲۔ ہر چیز سے بڑھنے والی ہے اور ہر چیز سے اپنی صفات و افعال میں بلند ہے۔ یہ تعظیمی کلمہ ہے جو اللہ وحدہ لاشریک کیلئے ہی استعمال ہوتا ہے۔ اس کی گردان نہیں آتی (البتہ مضارع کی گردان نہیں آتی کیونکہ یہ صفت باری کیلئے خاص ہے)

الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ (وہ جس نے قرآن مجید کو اتارا) الفرقان مصدر ہے جو دو چیزوں کے مابین جدائی کیلئے آتا ہے قرآن کو فرقان کہنے کی وجہ یہ ہے کیونکہ قرآن حق و باطل میں جدائی ڈالتا ہے حلال و حرام کو الگ کرتا ہے نمبر۲۔ اسلئے کہ اکٹھا نازل نہیں ہوا۔ بلکہ ٹکڑوں میں جدا جدا اور تھوڑا تھوڑا نازل ہوا۔ جیسا اس آیت میں مذکور ہے۔ وقرانا فرقناہ لتقراہ علی الناس علی مکث ونزلنہ تنزیلا [الاسراء:۱۰۶]

عَلٰى عَبْدِهٖ (اپنے بندے پر) یعنی محمد ﷺ پر لِيَكُوْنَ (تاکہ وہ) بندہ یا فرقان لِلْعٰلَمِيْنَ (جہان والوں کیلئے) جنات و انس کیلئے۔ رسالت کا عام ہونا آپ کی خصوصیات میں سے ہے۔ نَذِيْرًا (ڈرانے والا) نذیر منذر کے معنی میں ہے یا نذیر بمعنی انذار ہے جیسا نکیر بمعنی انکار ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں یہی معنی ہے فکیف کان عذابی و نذر [القمر:۱۶]

۲: الَّذِيْ (وہ اللہ تعالیٰ)

نحو: نمبر۱۔ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے۔ نمبر۲۔ یہ الذی نزل کا بدل ہے۔ اور بدل مبدل منہ میں لیکون کا فاصلہ جائز ہے کیونکہ مبدل منہ کا صلہ نزل ہے اور لیکون اس کی علت ہے گویا مبدل منہ اسی سے مکمل ہوا۔ نمبر۳۔ یہ منصوب علی المدح ہے۔

ہر چیز کا ایک موجد:

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اسی کا اقتدار آسمانوں اور زمین میں ہے) تمام۔ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا (اور اس نے بیٹا نہیں بنایا) جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے عزیر اور مسیح علیہ السلام کے بارے میں خیال کیا۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ (اور نہ ہی حکومت میں اس کا کوئی حصہ دار ہے) جس طرح کہ ثنویہ اور مجوسیوں کا خیال ہے۔ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ (وہ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا) یعنی ہر چیز کو اس اکیلے نے ہی ایجاد کیا اس طرح نہیں جیسا کہ مجوسی اور ثنویہ کہتے ہیں کہ نور سے یزداں کو اور ظلمت سے اہرمن کو پیدا کیا۔ اس آدمی کے لیے اس شبہ میں کوئی گنجائش نہیں جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شیٔ ہے اور نہ اس آدمی کیلئے جو یہ کہتا ہے قرآن مخلوق ہے کیونکہ فاعل اپنی تمام صفات کے ساتھ مفعول نہیں بن سکتا البتہ لفظ شیٔ کا بیان اس چیز کے لیے خاص ہے جس کے لئے مخلوق ہونا صحیح ہے اور اس معنی کے لیے قرینہ خود آیت میں موجود ہے۔ وخلق یہ ہماری واضح دلیل ہے جس کو ہم معتزلہ کی تردید کے لیے پیش کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق ہے۔ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا (پھر اس نے ہر چیز کا الگ الگ اندازہ رکھا)

اس کو ایسا ہی پیدا فرمایا جو اس کی زندگی کے اس کے مناسب اور درست تھی۔ جس طرح کہ اس نے انسان کو اس شکل میں بنایا جس کو اس کے لیے تیار کیا۔ پھر اس کے لیے دین و دنیا کی وہ مصلحتیں اور ضروریات یہاں ایک اندازہ کے مطابق مقرر فرمائیں۔ نمبر ۲۔ ایک مقررہ قلیل مدت تک کے لئے اس کے باقی رہنے کا اندازہ کیا۔

عاجز بندوں کو اس کی ذات پر ترجیح دی:

۳: وَاتَّخَذُوْا (اور انہوں نے بنا لئے ہیں) اس میں ضمیر کفار کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ عالمین کے تحت وہ بھی شامل ہیں۔ نمبر ۲۔ دلالت کی وجہ سے کیونکہ نذیر کا لفظ فرمایا گیا۔ پس منذر وہی ہیں جن کو ڈرانے والے سے مفہوم ہوا کہ ضمیر کفار کی طرف لوٹ رہی ہے۔ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً (اس کے سوا اور معبود) یعنی اصنام لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ (وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ خود مخلوق ہیں) یعنی ان لوگوں نے اس ذات کی عبادت پر جو کہ الوہیت، بادشاہی اور تخلیق میں منفرد ہے اور تقدیر میں اس کا کوئی ساجھی نہیں ایسے عاجز بندوں کو ترجیح دی جو کسی چیز کو پیدا کرنے کی قدرت تو کیا رکھتے وہ خود مخلوق ہیں۔ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا (وہ خود اپنے ضرر پر قادر رکھتے ہیں اور نہ نفع پر) یعنی اپنے نفسوں سے ضرر کو دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ اپنے نفسوں کو نفع پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں۔ وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا (وہ موت پر قابو نہیں رکھتے) یعنی کسی پر موت مسلط کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ وَّلَا حَيٰوةً (اور نہ زندگی پر) یعنی ابتداءً زندگی دینے پر وَّلَا نُشُوْرًا (اور نہ دوبارہ اٹھانے پر) یعنی موت کے بعد اٹھانے پر اور یہاں بتوں کو عقلاء شمار کیا گیا کیونکہ ان کی عبادت کرنے والے ان کے متعلق یہی خیال کرتے تھے۔

کفار نے قرآن کو مفتری کہا:

۴: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ (اور کافروں نے کہا نہیں ہے یہ) یعنی قرآن اِلَّآ اِفْكُ (مگر جھوٹ) افْتَرٰىهُ (جو اس نے گھڑا ہے) یعنی اس کو محمد ﷺ نے خود اپنی طرف سے گھڑ لیا اور تراش لیا ہے۔ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ (اور اس کام میں کچھ دوسرے لوگوں نے اس کی مدد کی ہے) یعنی یہود نے یا عداس نے یسار نے یا ابو فکیہہ رومی نے۔ یہ بات نضر بن حارث نے کہی فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا (پس تحقیق انہوں نے بے جا بات کی اور جھوٹ کہا) یہ ان کی تردید کے لئے اللہ کی طرف سے فرمائی گئی ہے۔ جاءوا کی ضمیر کا مرجع کفار ہے اور جاء فعل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اسی معنی سے متعدی ہوتا ہے۔ نمبر ۲۔ باء کو حذف کیا اور فعل کو ملا دیا۔ یعنی جاءوا بظلم و زور ان کا ظلم یہ تھا کہ ایک عربی کے متعلق یہ کہنے لگے کہ وہ ایک عجمی رومی سے عربی کلام حاصل کرتا ہے جس کلام کی فصاحت نے تمام فصحائے عرب کو عاجز کر دیا اور دروغ یہ تھا کہ انہوں نے آپ پر بہتان لگایا حالانکہ آپ تو اس سے بالکل بری الذمہ تھے۔

بے سند باتیں قرار دیا:

۵: وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (اور وہ کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کی بے سند باتیں ہیں) یعنی پہلے لوگوں کا منقول شدہ کلام یا

مکتوب شدہ باتیں ہیں۔ جیسے رستم اسفند یار وغیرہ (اساطیر) جمع اسطار ہے۔ سطر جیسے احدوثہ۔ اکْتَتَبَهَا (جن کو اس نے اپنے لیے لکھوا لیا ہے) فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (اور وہ اس پر اس لکھی ہوئی کتاب میں سے صبح و شام پڑھی جاتی ہے۔) بکرہ دن کے پہلے حصہ کو کہتے ہیں اور اصیل دن کے آخری حصہ کو۔ یہ محمد ﷺ ان پڑھے جانے والے واقعات کو یاد کر کے ہمیں سنا دیتے ہیں۔

اس کو کائنات کے راز دان نے اتارا:

۶: قُلْ (کہہ دیں محمد ﷺ) اَنْزَلَهُ (اس کو اتارا ہے) یعنی قرآن کو الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اس ذات نے جو آسمان و زمین کی پوشیدہ باتیں جانتے ہیں) یعنی ہر وہ پوشیدہ سے پوشیدہ چیز جو آسمان و زمین میں پائی جاتی ہے یعنی قرآن مجید جب اسی غیب کی اطلاعات پر مشتمل ہے جس کا عادۃً بیان لینا بغیر تعلیم کے محمد ﷺ کے لیے محال ہے تو یہ اس بات کی خود دلیل بن گئی کہ قرآن علام الغیوب کی طرف سے ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے) اسی لیے ان کو مہلت دے رہا ہے اور جلدی سزا نہیں دیتا۔ حالانکہ وہ انکارِ حق کی وجہ سے عذاب کے حقدار ہو چکے ہیں۔

رسالت پر اعتراض:

۷: وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ (اور انہوں نے کہا یہ کیسا رسول ہے) قرآن مجید میں لام کو اسم سے الگ لکھا گیا ہے۔ قرآن مجید کا یہ رسم الخط سنت ہے جس کو تبدیل نہ کیا جائے گا۔ کفار نے الرسول کا لفظ آپ ﷺ کے لئے بطور مذاق کے استعمال کیا گویا ان کی بات کا مطلب یہ تھا کہ اس اپنے آپ کو رسول کہنے والے کو کیا ہوا۔ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ (وہ کھانا کھاتا اور بازاروں میں چلتا ہے)

نحو: یہ حال ہے اور اس کا عامل ھذا ہے۔ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا (کیوں نہیں اس کے ساتھ فرشتہ بھیجا گیا کہ جو اس کے ساتھ ڈرانے والا ہوتا)

اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا (یا اس کی طرف کوئی خزانہ ڈال دیا جاتا یا اس کا باغ ہوتا جس پر یہ گزر اوقات کرتا) یعنی اگر اس کا رسول اللہ ہونا درست ہے تو پھر یہ ہماری طرح کھانا کیوں کھاتا ہے اور طلب معاش میں ہماری طرح بازاروں میں کیوں آتا جاتا ہے۔ مقصد ان کا یہ تھا کہ پیغمبر فرشتہ ہونا چاہیے جو کھانے پینے اور معاش سے بے نیاز ہو۔ پھر انہوں نے اپنے اس موقف سے نیچے اتر کر کہا کہ چلو ہم نے مان لیا کہ وہ انسان ہو مگر اس کے دعوائے نبوت کو ماننے کی شکل یہ ہے کہ ایک فرشتہ اس کی معیت میں ہو جو تخویف انداز میں اس کا دست و بازو ہے۔ پھر اس سے نیچے اتر کر کہنے لگے چلو یہ نہیں تو کم از کم آسمان سے اس پر خزانہ اتارا جاتا جس کے ذریعہ اپنی پشت کو مضبوط کر کے کسب معاش سے مستغنی ہو جاتا ہے اگر یہ بھی نہیں تو پھر کم سے کم ایک باغ کا مالک ہوتا جس سے خوشحال لوگوں کی طرح اپنی گزر اوقات کر لیتا یا ہم اس سے کھاتے اور فائدہ اٹھاتے۔

قراءت: حمزہ و علی نے نأکل پڑھا ہے۔

نحو: مضارع یلقی اور تکون کا انزل پر عطف بہت خوب ہے اگرچہ وہ ماضی ہے اور درمیان میں فیکون مضارع ہے اور اس پر نصب اس لئے کہ وہ لولا کے جواب میں آئی ہے اور یہ قراءۃ مشہورہ کے مطابق منصوب ہے لولا ھلا کے معنی میں ہے اور تحضیض مقام

والا ہے۔

وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ (اور ظالموں نے کہا) ظالموں سے مراد خاص معین لوگ ہیں البتہ ضمیر کی جگہ ظاہر اسم لائے تاکہ ان کی بات کا ظالمانہ ہونا تحریر سے ثابت ہو جائے یہ لوگ کفارِ قریش ہی تھے۔ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا (تم نہیں اتباع کرتے مگر ایک سحر کئے ہوئے آدمی کی) اس کو سحر کیا گیا جس سے مجنون ہوگیا۔ نمبر۲۔ یہ سحر والا ہے اور وہ رئت کے اندر کو کہا جاتا ہے ان کی مراد یہ تھی کہ یہ انسان ہیں فرشتے نہیں۔

اجمالی جواب:

۹: اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا (غور تو کرو کس طرح یہ بیان کرتے ہیں) ضرب کا معنی یہاں بیان کرنا ہے۔ لَكَ الْاَمْثَالَ (تمہارے متعلق مثالیں) یعنی تمہارے متعلق یہ عجیب باتیں کہتے ہیں اور یہ بات تیرے بارے میں تجویز کی ہے یہ مفتری کی کرو اور دوسروں سے سکھایا جاتا ہے۔ فَضَلُّوْا (پس وہ گمراہ ہوئے) حق کے راستے سے فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا (پس وہ راستے کی طاقت نہیں رکھتے) یعنی وہ حق کی راہ نہیں پاتے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا

بابرکت ہے وہ ذات جو اگر چاہے تو آپ کے لئے اس سے بہتر نعمتیں عطا فرما دے یعنی ایسے باغ جن کے نیچے نہریں جاری

الْاَنْهٰرُ وَ یَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَ اَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ

ہوں اور آپ کے لئے محل بنا دے۔ بلکہ ان لوگوں نے قیامت کو جھٹلایا اور جو شخص قیامت کو جھٹلاتا ہے ہم نے اس کے لئے

بِالسَّاعَةِ سَعِیْرًا ﴿۱۱﴾ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِیْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا وَّ زَفِیْرًا ﴿۱۲﴾ وَ اِذَآ

دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ جب وہ انہیں دور سے دیکھے گی تو وہ اس کی غضبناک اور جوش و خروش والی آواز سنیں گے۔ اور جب

اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَیِّقًا مُّقَرَّنِیْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ لَا تَدْعُوا الْیَوْمَ

وہ اس میں ایسی حالت میں ڈالے جائیں گے کہ ان کے ہاتھ پاؤں جکڑے ہوئے ہوں گے تو وہاں ہلاکت کو پکاریں گے۔ آج ایک

ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّ ادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِیْرًا ﴿۱۴﴾ قُلْ اَذٰلِكَ خَیْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِیْ

ہلاکت کو مت پکارو اور بہت سی ہلاکتوں کو پکارو۔ آپ فرما دیجئے کہ یہ بہتر ہے یا ہمیشہ کی رہنے والی جنت بہتر ہے جس کا

وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّ مَصِیْرًا ﴿۱۵﴾ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ خٰلِدِیْنَ كَانَ

متقیوں سے وعدہ کیا گیا جو ان کے لئے بطور بدلہ اور لوٹنے کی جگہ ہوگی۔ ان کے لئے اس میں وہ کچھ ہوگا جو چاہیں گے اس میں ہمیشہ رہیں گے یہ

عَلٰی رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾

آپ کے رب کا وعدہ جس کو پورا کرنا اس نے اپنے ذمے لیا ہے جس کی درخواست کرنی چاہیے۔

مال والے اعتراض کا جواب:

۱۰: تَبٰرَكَ الَّذِیْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ یَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا (بڑی برکت والا ہے وہ اللہ تعالیٰ کہ اگر چاہے تو آپ کیلئے اس سے بہتر دنیا ہی میں نعمتیں عنایت فرما دے ایسے باغ جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں اور آپ کیلئے محلات تیار کردے) یعنی مال کی وہ کثرت جس کو خدا تعالیٰ اگر دنیا میں آپ کو دینا چاہے تو اس سے کہیں بہتر دے سکتا ہے جو انہوں نے کہی اور وہ یہ ہے کہ آپ کو عنایت فرمائے اسی طرح کے باغات و محلات جن کا وعدہ اس نے آپ سے فرمایا ہے۔

نحو: جنات یہ خیرا سے بدل ہے۔

قراءت: یجعلُ رفع کے ساتھ مکی، شامی اور ابوبکر نے پڑھا ہے کیونکہ شرط جب ماضی ہو تو جزاء میں مضارع پر جزم و رفع دونوں جائز ہیں۔

اصل قیامت کو جھٹلا دیا ہے:

۱۱: بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ (بلکہ انہوں نے قیامت کو جھٹلایا) ان سے جو کچھ بیان کیا گیا یہ اس پر عطف ہے فرماتے ہیں بلکہ انہوں نے ان سب سے عجیب تر بات کی ہے اور وہ قیامت کو جھٹلانے والی بات ہے۔

نمبر۲۔ یہ قریب سے متصل و ملحق ہو۔ گویا انہوں نے اس طرح کہا بلکہ انہوں نے قیامت کو جھٹلایا اس لئے وہ اس جواب کی طرف کیسے توجہ دے سکتے ہیں؟ اور کس طرح وہ ان چیزوں کا جلد ملنا مان سکتے ہیں جن جیسی چیزوں کا وعدہ آخرت میں آپ سے کیا گیا جبکہ ان کو آخرت پر ایمان ہی نہیں۔ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا (اور ہم نے اس شخص کیلئے جس نے قیامت کو جھٹلایا دہکتی آگ کا وعدہ کر رکھا ہے) ہم نے قیامت کے منکروں کیلئے دہکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔

مناظر قیامت:

۱۲: اِذَا رَاَتْهُمْ (جب وہ آگ ان کو دیکھے گی) یعنی ان کے سامنے ہوگی مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ (دور مقام سے) یعنی جب آگ ان سے اتنی دور رہ جائے گی جتنی دیکھنے والوں کو آنکھوں سے نظر آ سکتی ہے۔ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا (تو وہ اس آگ کے غضبناک ہونے کی آواز اور غرغراہٹ سنیں گے) وہ اس کے جوش مارنے کو سنیں گے اور اس کو غضبناک اور غرانے والے کی آواز سے تشبیہ دی گئی ہے۔ نمبر۲۔ جب آگ کے نگران ان کو دیکھیں گے غضبناک ہونگے اور کفار پر غصہ فرمائیں گے۔

۱۳: وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا (اور جب ان کو ڈالا جائے گا) آگ میں مَكَانًا ضَيِّقًا (تنگ مقام میں)

قراءت: مکی نے ضیقاً پڑھا ہے۔

الضیق: دکھ، تنگی سمیت جیسا کہ الروح آرام بمعہ وسعت کو کہتے ہیں۔

نکتہ: اسی وجہ سے جنت کی تعریف اس طرح فرمائی کہ اس کی وسعت آسمان و زمین کے برابر ہے۔

قول ابن عباس رضی اللہ عنہما: ان پر اس طرح تنگی ہوگی جیسے پوری نیزے میں مُّقَرَّنِيْنَ (گردنوں سے ہاتھ باندھ کر) وہ اس تنگی کے ساتھ ساتھ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہونگے۔ اور ان کے ہاتھوں کو زنجیروں کے ذریعہ ان کی گردنوں سے باندھ دیا جائے گا۔ نمبر۲۔ ہر کافر کے ساتھ اس کے شیطان کو ملا کر باندھ دیا جائے گا۔ اور ان کی ٹانگوں میں بیڑیاں ہونگی۔ دَعَوْا هُنَالِكَ (اس وقت ہلاکت کو پکاریں گے) ثُبُوْرًا ہلاکت یعنی اس طرح کہیں گے ہائے: واثبوراہ اے ہلاکت آ جا یہ تیرے آنے کی گھڑی ہے۔ ان کو جواب میں کہا جائے گا۔

۱۴: لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا (تم ایک ہلاکت کو مت پکارو بلکہ یہ تو مجموعہ ہلاکت ہے۔)

۱۵: قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ (کہہ دیں کہ کیا یہ بہت بہتر ہے) یعنی آگ کی صفت جو مذکور ہوئی یہ بہتر ہے۔ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ (یا ہمیشگی کی وہ جنت جس کا وعدہ متقین سے کیا گیا۔)

۱۷: وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ (اور جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا) روبرو حشر کیلئے۔

قراءت: یاء کے ساتھ مکی، یزید، یعقوب، حفص نے پڑھا۔ نَحْشُرُهُمْ یہ قراءت جمہور قراء کی ہے۔ ابن عامر، حمزہ، کسائی، نافع، عاصم، علی، الحسن، شعبہ، خلف وغیرہم۔ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (اور ان کو جن کی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے تھے) اس سے وہ معبود مراد ہیں جو کہ ملائکہ، مسیح، عزیر کی قسم سے ہوں گے۔ بقول کلبی: بت مراد ہیں ان کو اللہ تعالیٰ قوت گویائی دیں گے۔

ایک اور قول: یہ عام ہے عقلاء اور غیر عقلاء تمام کو شامل ہے کیونکہ اس سے وصف مراد ہے گویا اس طرح فرمایا وَمَا يَعْبُدُوْنَ اے معبودیھم ان کے معبود۔ فَيَقُوْلُ (پس اللہ تعالیٰ فرمائیں گے)

یہ سوال تذلیل کیلئے ہوگا:

قراءت: شامی نے نقول پڑھا ہے۔ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ (کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا)

نحو: ھؤلاء یہ عبادی سے بدل ہے مراد اس سے مشرکین ہیں۔ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ (یا وہ خود راستہ بھول گئے)۔

نحو: قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ کہا جاتا ضل عن السبیل مگر یہاں جار کو اسی طرح چھوڑ دیا گیا۔ جس طرح اس محاورہ میں ھداہ الطریق حالانکہ اس کی اصل ھداہ الی الطریق ہے یا ھداہ للطریق۔ ضل یہ اضل کا مطاوع بن کر آتا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ تم نے ان کو گمراہی میں ڈالا۔ حق راستہ سے شبہات ڈال کر دور کر دیا۔ یا وہ خود گمراہ ہو گئے۔

یہاں اضللتم عبادی ھؤلاء ام ضلوا السبیل نہیں فرمایا بلکہ اس کی بجائے انتم اور ھم دو ضمائر کا اضافہ فرمایا کیونکہ اصل سوال فعل اور وجود فعل کا نہیں کیونکہ فعل نہ ہوا ہوتا تو عتاب ہی متوجہ نہ ہوتا بلاشبہ یہ سوال تو اس سے ہو رہا ہے۔ جو اس سے منسوب ہوا ہے پس ضروری ہو گیا کہ اس کا تذکرہ ہو اور ساتھ ہی حرف استفہام لائے تاکہ اس کو معلوم ہو کہ اسی سے دریافت کیا جا رہا ہے۔ اس سوال کا کیا فائدہ ہے جبکہ مسؤل عنہ کو عزوجل اللہ تعالیٰ جانتے ہیں؟ تاکہ وہی جواب دیں جو جواب انہوں نے دیا اس سے ان کی پوجا کرنے والوں کی تذلیل ہو اور ان کی حسرت میں اضافہ ہو۔

۱۸: قَالُوْا سُبْحٰنَكَ (وہ کہیں گے تو پاک ہے) ان کی طرف سے اس بات پر اظہار تعجب ہے کہ جو کچھ ان کے متعلق کہا گیا۔ نمبر۲۔ اس سے مقصود ان کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو شریکوں سے منزہ اور پاک قرار دیں اور یہ کہ کوئی پیغمبر یا فرشتہ اور کوئی مخلوق اس کی شریک ہے۔ پھر وہ کہنے لگے۔ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ (ہمارے لئے مناسب نہ تھا کہ ہم تیرے سوا دوسروں کا کارساز بنائیں) یعنی ہمارے لئے درست نہ تھا اور ٹھیک نہ تھا کہ ہم تیرے سوا اوروں کو کارساز بنائیں پھر یہ کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ ہم دوسروں کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ ہمیں تیرے سوا کارساز ماننے لگ جائیں؟

نُتَّخَذَ یزید نے پڑھا۔ اتخذ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ مثلاً اتخذ ولیا اور دونوں مفعول کی طرف جیسے اتخذ فلانا ولیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ام اتخذوا الھۃ من الارض [الانبیاء:۲۱] دوسرے مقام پر فرمایا: اتخذ اللہ ابراھیم خلیلا [النساء:۱۲۵] پس پہلی قراءت میں یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہے اور وہ من اولیاء ہے اصل یہ ہے ان نتخذ اولیاء من کا اضافہ نفی کے معنی کی تاکید کیلئے ہے۔ اور قراءت ثانیہ متعدی الی المفعولین کے لئے ہے۔ پہلا مفعول تو وہی ہے۔ جس کے لئے

فعل بنایا گیا ہے اور مفعول ثانی من اولیاء ہے اور مِن تبعیضیہ ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے ای لا نتخذ بعض اولیاء کیونکہ مِن مفعول ثانی میں نہیں آ سکتا بلکہ اول میں آتا ہے جیسا کہ تم کہو گے ما اتخذت من احد ولیا مگر اس طرح نہیں کہہ سکتے ما اتخذت احداً من ولی۔

وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ (و لیکن تو نے ان کو اور ان کے بڑوں کو خوشحالی دی) اموال، اولاد اور طول عمر اور عذاب سے حفاظت کے ذریعہ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ (یہاں تک کہ وہ تیری یاد کو بھلا بیٹھے) یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس پر ایمان اور قرآن و شرائع۔ وَكَانُوْا (اور وہ تھے) اللہ تعالیٰ کے ہاں۔ قَوْمًا بُوْرًا (وہ لوگ خود ہی برباد ہوئے) یہ جمع بائر کی ہے۔ جیسا کہ عائذ کی جمع عوذ ہے۔

غیبت سے تخاطب:

۱۹: پھر کفار سے تخاطب کر کے اور غیبت سے اعراض کرتے ہوئے کہا جائے گا۔ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ (انہوں نے تمہاری بات کو جھٹلا دیا) یہ مفاجاتی انداز کلام احتجاج و الزام کیلئے بہت مناسب ہے اور مخاطب کو جبکہ التفات کو اس کے ساتھ ملا دیا اور قول کو حذف کر دیا اس کی نظیر اس آیت میں موجود ہے یا اھل الکتاب قد جاء کم رسولنا یبین لکم علی فترۃ من الرسل الی قولہ فقد جاء کم بشیر و نذیر [المائدہ: ۱۹] اور شاعر کا یہ قول

قالوا خراسان اقصیٰ ما یراد بنا ○ ثم القفول فقد جئنا خراسانا

''انہوں نے کہا ہمارا انتہائی مقصود تو خراسان ہے اور پھر واپس لوٹنا ہے۔ لیجئے خراسان تو آ گیا''۔

بِمَا تَقُوْلُوْنَ (جو کچھ تم کہتے تھے) تمہاری بات جو ان کے متعلق تم کرتے تھے کہ وہ معبود ہیں۔ اس صورت میں باء اسی طرح ہے جیسا اس ارشاد میں بل کذبوا بالحق [ق: ۵] اور جار مجرور ضمیر کا بدل ہیں گویا کہ اس طرح فرمایا گیا ہے۔ فقد کذبوا بما تقولون یعنی تمہاری یہ بات جو تم کہتے تھے کہ یہ ہمارے معبود ہیں یا ہمیں گمراہ کرنے والے ہیں۔ خود انہوں نے تکذیب کر دی۔

قراءت: قنبل نے یاء سے پڑھا اور اس کا معنی انہوں نے تمہاری تکذیب خود اپنے قول سے کر دی جو کہ سبحانک ما کان ینبغی لنا ان نتخذ من دونک من اولیاء [الفرقان: ۱۸] اور باء اس صورت میں استعانت کیلئے جیسے کتبت بالقلم میں ہے۔

فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا (تم تو عذاب ہٹانے کی طاقت رکھتے ہو نہ مدد کی) تمہارے معبود طاقت نہیں رکھتے کہ وہ تم سے عذاب کو پھیر دیں اور ہٹا دیں۔ نمبر ۲۔ تمہاری مدد کریں۔

قراءت: حفص نے تاء سے پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ تم اپنے سے عذاب کو پھیرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہی تم اپنی مدد کر سکتے ہو۔ پھر علی العموم مکلفین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ (جو شخص تم میں سے ظلم کرے گا) یظلم، یشرک کے معنی میں ہے۔ کیونکہ ظلم وضع الشئی فی غیر موضعہ کو کہتے ہیں اور جس نے مخلوق کو اس کے خالق کا شریک بنا ڈالا تو اس نے یقیناً ظلم کیا۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے ان الشرک لظلم عظیم [لقمان: ۱۳]

نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا (ہم اس کو بڑا عذاب چکھائیں گے) اس کی تفسیر خلود فی النار سے کی گئی جو مشرک کے لائق ہے فاسق کے لیے نہیں بخلاف معتزلہ اور خوارج فاسق کے خلود فی النار کے قائل ہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي

اور بات یہی ہے کہ آپ سے پہلے جو پیغمبر ہم نے بھیجے وہ کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں

الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ⑳

چلتے تھے اور ہم نے تم میں بعض کو بعض کے لئے امتحان بنایا ہے کیا تم صبر کرتے ہو؟ اور آپ کا رب دیکھنے والا ہے

رسالت پر اعتراض کا جواب:

۲۰: وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ (اور ہم نے آپ سے پہلے پیغمبر نہیں بھیجے مگر ایسے ہی کہ جو کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے)

نحو: ان اخیر میں لام کی وجہ سے اِنَّ مکسور ہے اور اِلَّا کے بعد والا جملہ موصوف محذوف کی صفت ہے مطلب یہ ہے وما ارسلنا قبلك احدًا من المرسلين آكلين و ماشين اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کسی کو رسولوں میں سے مگر وہ کھانا کھانے والے پیدل چلنے والے تھے۔ اس کو حذف جار مجرور پر اکتفاء کی وجہ سے کیا ہے؟ یعنی من المرسلین اس کی مثال دوسرے مقام پر اس طرح ہے وما منا الا له مقام معلوم [الصافات: ۱۶۴] یعنی وما منا احدٌ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کا ایک مقام معلوم ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان لوگوں کے خلاف احتجاج ہے کہ جو کہتے ہیں مالهذا الرسول ياكل الطعام و يمشي في الاسواق اور اس میں پیغمبر ﷺ کیلئے تسلی کا پہلو بھی ہے۔

دلاسئہ رسول:

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً (اور ہم نے تمہیں ایک دوسرے کیلئے آزمائش بنایا) اِبتلاء و آزمائش بنایا ہے۔ اس میں حضور ﷺ کو دلاسہ دیا اس لئے کہ کفار آپ کو فقر کا طعنہ دیتے اور بازار میں چلنے کی طعنہ زنی کرتے تھے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مالداروں کو فقراء کیلئے آزمائش بنایا ہے جس کو وہ چاہتا ہے غنی بنا تا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے فقر دیتا ہے۔ اَتَصْبِرُوْنَ (کیا تم صبر کرو گے) اس آزمائش پر کیا جزع و فزع یا صبر کرو گے تو تم میں اضافہ ہوگا۔

حکایت: بعض صالحین اپنے تنگی گزران سے پریشان ہو کر آ نکلے اور باہر نکلے۔ انہوں نے ایک غلام کو سواریوں اور پالکیوں میں دیکھا تو ان کے دل میں ایک خیال گزرا۔ اسی وقت انہوں نے کسی کو یہ آیت پڑھتے سنا تو کہنے لگے بلی نصبر ربنا۔ اے رب ہم ضرور صبر کریں گے۔

نمبر۲۔ ہم نے آپ کو ان کیلئے آزمائش بنایا ہے کیونکہ اگر آپ مالدار باغات والے خزانوں کے مالک ہوتے تو لوگ آپ کی طاعت دنیا کی خاطر کرتے یا کم از کم دنیا سے ملاوٹ شدہ کرتے۔ ہم نے آپ کو تنگدست بھیجا تا کہ آپ کی اطاعت خالص ہماری رضا مندی کیلئے ہو۔ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا (اور آپ کا رب سب کو خوب دیکھتا ہے) اس چیز کا صواب وہی جانتا ہے جس میں کسی کا ابتلاء ہے۔ نمبر۲۔ اس کا صواب جانتے ہیں جو صبر کرنے والا اور گھبراہٹ کا اظہار کرنے والا ہے۔ یہ ترجمہ کلمہ شکر ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ۭ لَقَدِ

اور ان لوگوں نے کہا جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے کہ ہمارے اوپر فرشتے کیوں نہ نازل کئے گئے یا کیوں نہ ہوا کہ ہم رب کو دیکھ لیتے۔ بلاشبہ

اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَىِٕذٍ

انہوں نے اپنے نفسوں کو بڑا سمجھا اور انہوں نے بڑی سرکشی اختیار کی۔ جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن مجرمین کے لئے کوئی بشارت کی چیز

لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ

نہیں ہوگی اور وہ کہیں گے بچاؤ اور بچاؤ۔ اور انہوں نے جو بھی عمل کئے تھے ہم ان کی طرف متوجہ ہو کر فضاء میں نظر آنے والے

هَبَاۗءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَىِٕذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿۲۴﴾

ذرات بنا دیں گے۔ اس دن جنت والے بہتر ہوں گے ٹھہرنے کی جگہ کے اعتبار سے اور آرام کرنے کی جگہ کے اعتبار سے

ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے:

۲۱: وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا (اور کہتے ہیں وہ لوگ جو ہم سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے) لا یرجون کا معنی امید نہ رکھنا لقاءنا ہماری ملاقات خیر کے ساتھ کیونکہ وہ کافر ہیں بعث پر ان کا ایمان نہیں ہے۔ نمبر۲۔ وہ ہمارے عذاب سے نہیں ڈرتے خواہ اس وجہ سے کہ جو شخص امیدوار ہو وہ اپنی امید کے متعلق خوف تردد کی طرح مضطرب ہوتا ہے۔ نمبر۳۔ رجاء اہل تہامہ کی لغت میں خوف کے معنی کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

لَوْلَا یہ ھلّا کے معنی میں ہے۔ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ (کیوں نہیں اتارے جاتے ہم پر فرشتے) بطور رسول انسانوں کی بجائے نمبر۱۔ نبوت کی صداقت پر گواہ اور دعویٰ رسالت پر شاہد بنا کر اَوْ نَرٰى رَبَّنَا (یا کیوں نہیں ہم دیکھتے اپنے رب کو) سامنے تاکہ وہ ہمیں خود ان کی رسالت کی اطلاع دے اور اس کی اتباع کا حکم دے لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ (یہ لوگ اپنے دلوں میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رہے ہیں) حق کے متعلق ان کے ضمائر میں تکبر بھرا ہوا ہے اور وہ کفر و عناد ہے جو ان کے دلوں میں پایا جاتا ہے۔ وَعَتَوْ (وہ حد سے آگے نکل گئے) ظلم میں وہ حد سے تجاوز کر گزرے۔ عُتُوًّا كَبِيْرًا (بہت بڑا آگے نکلنا) العتو کی صفت کبیر کے لفظ سے فرما کر افراط میں ان کے مبالغہ کو ثابت کیا مطلب یہ ہے انہوں نے صرف اس بڑی بات پر جسارت نہیں کی بلکہ وہ تو تکبر کی انتہاء اور سرکشی کی آخری حد کو پہنچ گئے۔ لام قسم محذوف کے جواب میں آئی ہے۔

جب فرشتے سامنے آئیں گے تو وہ ان کے غم کا دن ہوگا:

۲۲: يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ (جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے) یعنی موت کے دن یا بعث کے دن۔

نحو: یوم اس فعل کی وجہ سے منصوب ہے جس پر لَا بُشْرٰی دلالت کرتا ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے یوم یرون الملائکۃ

بمعنی البشری۔ جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے وہ بشارت سے روک دیے جائیں گے۔ لَا بُشْرٰی یَوْمَئِذٍ (اس دن کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی۔)

نحو: یہ یوم یرون کی تاکید ہے نمبر۲۔ اذکر مضمر ہے ای اذکر یوم یرون الملائکۃ پھر فرمایا لا بشری بالجنۃ یومئذ (اس دن ان کو جنت کی خوشخبری نہ ہوگی) یہ یرون کی وجہ سے منصوب نہیں کیونکہ مضاف الیہ مضاف میں عمل نہیں کرتا اور نہ یہ بشریٰ کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ وہ مصدر ہے۔ اور مصدر اپنے ماقبل پر عامل نہیں ہوتا اور دوسری وجہ یہ بھی ہے لا سے جس کی نفی کی ہے وہ لا کے ماقبل میں عمل نہیں کرتا۔

لِّلْمُجْرِمِیْنَ (مجرمین کیلئے) ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا گیا ہے نمبر۲۔ یہ عام ہے اپنے عموم کو شامل ہے۔ اور اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو گناہ ہوں کو کمانے والے ہیں مراد اس سے کافر ہیں کیونکہ مطلق مجرم سے کامل افراد مراد ہوتے ہیں۔ وَیَقُوْلُوْنَ (اور وہ کہتے ہیں) یعنی ملائکہ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا (پردہ چاہئے) تم پر خوشخبری مکمل حرام ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارے حق میں حرام کر دیا بلاشبہ بشارت ایمان والوں کیلئے ہوگی۔

نحو: حِجْرًا یہ مصدر ہے اس میں کسرہ و فتحہ دونوں لغات ہیں۔ یہ حجرہ سے لیا گیا ہے جس کا معنی منع کرنا ہے۔ یہ ان مصادر میں سے ہے جو اپنے افعال کی وجہ سے منصوب ہیں جن افعال کا اظہار متروک ہے۔ محجورا یہ حجر کے معنی کی تاکید کیلئے مصدر منصوب لایا گیا ہے۔ جیسا کہتے ہیں موت مائت۔

بادشاہ کی مخالفت کی تمثیل:

۲۳: وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (اور ہم ان کے ان اعمال کی طرف جو وہ پہلے کر چکے تھے۔ متوجہ ہوں گے پس ان کو بکھرا ہوا غبار بنا دیں گے) یہ آیت عبادی کی صفت ہے۔ یہاں قدوم کا کوئی مطلب نہیں لیکن ان لوگوں کے احوال اور اعمال کو جو وہ کفر کی حالت میں بھی انجام دیتے رہے مثلاً صلہ رحمی، مظلوم کی اعانت، مہمان نوازی وغیرہ کو اس آدمی کی حالت کے ساتھ بطور تمثیل و تشبیہ بیان کیا جس نے اپنے بادشاہ کی مخالفت کی اور اس کا نافرمان ہو گیا پس بادشاہ نے اس کے حمایتوں اور اس کے مقبوضات میں جتنا کچھ تھا سب کا قصد کر کے سب کچھ تہس نہس کر دیا اور ان میں سے کسی چیز کا نشان تک باقی نہ چھوڑا ہو۔

هَبَآءً۔ سورج کی روشنی کے ساتھ روشندان میں اڑتے ذرات جو نظر آتے ہیں منثورا یہ ھباء سے تشبیہ یا استعارہ ہے کہ ان کے اعمال اس طرح ہو گئے کہ نہ وہ اجتماع کو قبول کرتے ہیں اور نہ انتفاع کو۔ اگلی آیت میں اہل جنت والوں پر حاصل ہونے والی فضیلت کا تذکرہ فرمایا۔

۲۴: اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ یَوْمَئِذٍ خَیْرٌ مُّسْتَقَرًّا (جنتی اس دن قرارگاہ کے اعتبار سے بہت بہتر ہوں گے) مستقرا یہ تمیز ہے المستقر سے مراد وہ مکان ہے جس میں وہ اکثر اوقات بیٹھیں اور باتیں کریں گے۔ وَّاَحْسَنُ مَقِیْلًا (مکان کے اعتبار سے بہت اچھے ہوں گے) مقیلا سے وہ مکان جس کی طرف آرام لینے اور بیویوں سے تمتع کرنے کیلئے رجوع کرتے ہو۔ جنت میں نیند نہیں ہے۔ لیکن خواب کے مقام کے ساتھ آرام کے مقام کو بطور تشبیہ مقیل فرمایا اور روایات میں ہے کہ حساب سے آدھے دن تک فراغت پالیں گے اور

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيلًا ﴿٢٥﴾ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ

اس دن کو یاد کرو جب آسمان بادلوں سے پھٹ جائے گا اور بکثرت فرشتے اتارے جائیں گے۔ آج بادشاہت رحمن ہی کے لئے ہے۔

وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿٢٦﴾ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ

اور یہ دن کافروں پر سخت ہوگا اور اس دن کو یاد کرو جس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو اپنے دانتوں سے کاٹے گا اور یوں کہے گا

يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿٢٧﴾ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿٢٨﴾

کاش میں رسول کے ساتھ راستہ پکڑ لیتا۔ ہائے میری بربادی کاش میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا۔

لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ۗ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿٢٩﴾ وَقَالَ

البتہ اس نے مجھے اس کے بعد ذکر سے ہٹا دیا جبکہ میرے پاس ذکر آگیا تھا اور شیطان انسان کو بے یارومددگار چھوڑنے والا ہے۔ اور رسول کا

الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿٣٠﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ

کہنا ہوگا کہ اے رب میری قوم نے اس قرآن کو نظر انداز کر رکھا تھا اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے

نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۗ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿٣١﴾

مجرموں میں سے دشمن بنائے ہیں اور ہدایت دینے اور مدد کرنے کو آپ کا رب کافی ہے۔

اہل جنت جنت میں جا کر قیلولہ کریں گے اور ان بار ہیں۔ احسن کا لفظ لا کر تہکم مقصود ہے۔

قیامت کا ایک منظر:

۲۵: ویوم اس سے پہلے اذکر فعل محذوف ہے تشقق السماء (جس دن آسمان پھٹ جائے گا) تشقق اصل میں تتشقق ہے ایک تاء کو حذف کر دیا۔ کوفی اور ابو عمرو وغیرہ قراء نے اس کو شین میں ادغام کیا ہے۔ بالغمام (بادلوں کے ساتھ) جب آسمان کا پھٹنا بادلوں کے ظاہر ہونے کے ساتھ ہوگا تو بادلوں کو اس طرح قرار دیا گیا گویا کہ اس سے آسمان پھٹ جائے گا۔ جب تم کہو شق السنام بالشفرة وانشق بها اس نے کوہان کو تلوار سے چیر دیا وہ تلوار سے پھٹ گئی۔ ونزل الملئكة تنزيلا (اور فرشتے اتارے جائیں گے خوب اتارنا)۔

قراءت: ننزل مکی نے پڑھا ہے۔ اس صورت میں تنزیلا مصدر بغیر لفظ فعل مانا جائے گا۔ مطلب یہ ہوگا کہ آسمان سے سفید بادل ظاہر ہوگا۔ جس سے آسمان پھٹ جائے گا۔ اور بادلوں میں سے فرشتے اتریں گے جن کے ہاتھوں میں انسانوں کے صحائف اعمال ہوں گے۔

۲۶: اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ٱلْحَقُّ (بادشاہی اس دن رحمان ہی کی ہوگی) الْمُلْكُ مبتدأ اور یومئذ اس کا ظرف اور الحق اس کی صفت ہے۔ الحق ثابت کو کہتے ہیں۔ کیونکہ تمام عارضی بادشاہتیں اس دن باقی نہ رہیں گی۔ فقط اسی کی بادشاہی ہوگی۔ لِلرَّحْمٰنِ (رحمان کی) یہ اس کی خبر ہے وَكَانَ (ہوگا) اور وہ یَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا (کافروں پر دشوار) عسیر کا معنی شدید ہے جیسے کہتے ہیں عَسُرَ عليه فهو عسير وعَسِر (اس پر دشوار ہوا) اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ مؤمنوں کیلئے آسان ہوگا۔ حدیث میں فرمایا قیامت کا دن مؤمن کیلئے فرضی نماز سے بھی زیادہ خفیف اور ہلکا ہوگا۔ (رواہ احمد وابو یعلیٰ)

کفار کی حسرت و تغیظ:

۲۷: وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ (اور جس روز ظالم اپنے دانتوں سے اپنے ہاتھ کاٹ لے گا) عض الیدین یہ حسرت و غیظ سے کنایہ ہے کیونکہ ہاتھ کا ٹنا اس کا ردیف ہے پس جو چیز آنے والے کا ذکر کر کے اصل پر دلالت کرادی۔ اس سے کلام کو مرتبہ فصاحت بھی انتہائی بلند ہو گیا اس کو ذکر کرنا سامع پر ایسا رعب طاری ہوتا ہے جو اصل کو ذکر کرنے میں نہیں ہوتا۔ لفظ الظالم میں الف لام عہد خارجی کا ہے اس سے ظاہر مراد عقبہ بن ابی معیط ہے۔ نمبر۲۔ الف لام جنس کا ہے اس صورت میں عقبہ اور ان جیسے دیگر کفار کو بھی شامل ہوگا۔

يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ (کہے گا کاش میں پکڑ لیتا) دنیا میں مَعَ الرَّسُوْلِ (رسول کے ساتھ) حضرت محمد ﷺ الرسول سے مراد ہیں۔ سَبِيْلًا (راستہ) نجات کی راہ اور جنت کی راہ وہ ایمان ہے۔

۲۸: يٰوَيْلَتٰى (ہائے افسوس)۔

ظالم کا افسوس:

قراءت: یاویلتی یاء کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ اور وہ اصل ہے کیونکہ آدمی اپنی ہلاکت کو پکارتا ہے اور اس کو کہتا ہے اے میری ہلاکت آجا یہ تیرا زمانہ ہے البتہ یاء کو الف سے اسی طرح بدلا جیسا صحاری اور مداری میں۔ لَيْتَنِي لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا (کاش میں فلاں کو دوست نہ بناتا) فلاں کا لفظ ظالم سے کنایہ ہے اگر ظالم سے عقبہ بن ابی معیط مراد ہو جیسا کہ روایت میں آیا ہے کہ اس نے ایک دن ضیافت کا انتظام کیا اور رسول ﷺ کو بھی اس میں دعوت دی آپ نے اس کا کھانا کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا جب تک شہادتین کا اقرار نہ کرے گا میں تیرا کھانا نہ کھاؤں گا اس نے اسی طرح کر دیا اس کے دوست ابی بن خلف نے کہا میں تیرا چہرہ نہ دیکھوں گا اور تو میرا چہرہ نہ دیکھ پائیگا۔ صرف ایک صورت ہے کہ کفر کی طرف لوٹ آ اور اسلام سے ارتداد اختیار کرلے۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ قیامت کو کہے گا کاش میں ابی بن خلف کو دوست نہ بناتا اس کے نام سے فلاں کہہ کر کنایہ کیا گیا اگر چہ مراد جنس ہے ہر وہ آدمی جو گمراہوں میں سے کسی کو دوست بنائے تو وہ اپنے تعلق کیلئے بہر صورت اسم علم ہوگا۔ پس اس سے کنایہ بن جائے گا۔

ایک قول یہ شیطان سے کنایہ ہے۔

نمبر ۱۔ آپ کے دل کو اکتاہٹ سے بچانے کیلئے تھوڑا تھوڑا قرآن کو بھیجا یا ۔ جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا کیونکہ محب کا دل محبوب کے خطوط و پیغامات مسلسل آنے سے پر سکون ہوتا ہے ۔ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا (اور ہم نے اس کو پڑھا الگ الگ) اس کا عطف اس فعل پر ہے جس کے متعلق کذلک ہے گویا اس طرح فرمایا کذلک فرقناہ ورتلناہ یعنی ہم نے ایک آیت کے بعد دوسری آیت سے اندازہ کیا ۔ وقفہ کے بعد وقفہ ۔ نمبر ۲۔ ہم نے اس کی قراءت میں ترتیل کا حکم دیا اور اسی معنی کو دوسری آیت میں اس طرح بیان فرمایا ورتل القرآن ترتیلا ۔ [المزمل: ۴] (یعنی اس کو ترتیل سے پڑھو ٹھہر ٹھہر کر) نمبر ۳۔ ہم نے اس کو خوب کھول کر بیان کیا اور الترتیل ایک الگ صاف صاف ٹھہر کر پڑھنا۔

۳۳. وَلَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ (وہ نہیں لاتے آپ کے پاس کوئی عجیب سوال) مثل ۔ سے یہاں عجیب سوال مراد ہے وہ باطل سوالات کرتے رہتے تھے گویا باطل ہونے میں ایک مثال ہے ۔ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ (مگر ہم آپ کو اس کا صحیح جواب عطا کر دیتے ہیں) مگر ہم آپ کے پاس صحیح تردید جس سے بچنے کا راستہ نہ ہو لے آتے ہیں ۔ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا (اور بہترین تشریح کے ساتھ) اور اس چیز کے ساتھ جو معنی میں زیادہ خوب ہو اور ان کے سوال کا جواب بھی ہو ۔ یہاں مفضل علیہ کا لفظ حذف کر دیا گیا کیونکہ خود کلام میں اس حذف کی دلیل ہے جیسے کہ تم کہو : ان زیدا وعمرا وکان عمرو احسن وجھا اس میں دلیل ہے کہ تمہارا مقصود احسن وجھا من زید ہے ۔ جب تفسیر خود کلام کی دلالت کو کھولنے والی ہے تو اس کو اس کے معنی کی جگہ رکھ دیا گیا ۔ چنانچہ کہتے ہیں تفسیر ھذا الکلام کیت و کیت ۔ جیسا کہا گیا ہے اس کا معنی کذا و کذا ۔ ولا یاتونک بحال و صفۃ عجیبۃ کیا وہ نہیں لاتے کسی حالت میں کوئی عجیب بات یہ کہتے ہوئے کہ قرآن ان پر اکٹھا نہیں اتارا گیا مگر ہم آپ کو ایسے جوابات دیتے ہیں جن سے ان کے احوال کے آپ ہماری حکمت کے مطابق حق ہیں اور وہ جوابات زیادہ واضح کرنے والے ہیں اس چیز کو جو آپ پر بھیجے گئے ہیں اور نبوت کی درستی پر دلالت کرنے والے ہیں ۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن تھوڑا تھوڑا اتارا دراں حالیکہ آپ ﷺ یہ چیلنج دیتے کہ کسی حصہ قرآن کا مقابلہ میں قرآن بنا کر لاؤ مگر ایسا کرنے سے وہ عاجز ہیں تو پورے قرآن کے مقابلہ سے خود عاجز ہوگئے کیونکہ قرآن سارا معجزہ ہے۔

۳۴. اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ (وہ لوگ جن کو منہ کے بل جہنم کی طرف ہانک کر لے جایا جائے گا وہ برے ہوں گے)

نحو: الذین مبتدا اور اولئک مبتدا ثانی اور شر خبر ہے اور اولئک مع شر الذین کی خبر ہے۔

مَّكَانًا (مقام کے اعتبار سے) مقام و مرتبہ یا ٹھکانے کے لحاظ سے ۔ وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا (اور طریقہ میں بھی بہت گمراہ ہوں گے) یعنی راستہ کے لحاظ سے غلط کرنے والے ہوں گے یا اسناد مجازی ہے مطلب یہ ہے کہ تمہیں ان سوالات پر یہ چیز آمادہ کرتی ہے کہ تم انکے راستہ کو گمراہی قرار دیتے ہو اور انکے مقام و مرتبہ کو حقیر قرار دیتے ہو اگر تم انصاف کی آنکھ سے دیکھتے اس حال میں کہ تمہیں جہنم پر منہ کے بل گھسیٹا جا رہا ہو تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ تمہارا مقام انکے مقام سے بہت برا اور تمہارا راستہ گمراہی میں بہت بڑھا ہوا ہے۔

قرآن مجید میں اسی کا ذکر فرمایا ۔ قل هل انبئكم بشر من ذلك مثوبة عند الله من لعنه الله وغضب عليه [المائدہ: ۶۰]

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزِيرًا ﴿٣٥﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَا إِلَى

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے ساتھ ان کے بھائی کو وزیر بنا دیا۔ پھر ہم نے دونوں کو حکم دیا کہ اس قوم کی طرف

الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَدَمَّرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا ﴿٣٦﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ

جاؤ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، پھر ہم نے انہیں بالکل ہی ہلاک کر دیا۔ اور ہم نے قوم نوح کو جب کہ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا

أَغْرَقْنَاهُمْ وَجَعَلْنَاهُمْ لِلنَّاسِ آيَةً ۖ وَأَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٣٧﴾ وَعَادًا وَثَمُودَ

ہم نے انہیں غرق کر دیا اور ان کو لوگوں کے لئے عبرت بنا دیا اور ہم نے ظالموں کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔ اور ہم نے عاد اور ثمود کو

وَأَصْحَابَ الرَّسِّ وَقُرُونًا بَيْنَ ذَٰلِكَ كَثِيرًا ﴿٣٨﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْأَمْثَالَ ۖ وَكُلًّا تَبَّرْنَا

اور اصحاب الرس کو اور ان کے درمیان بہت سی قوموں کو ہلاک کیا۔ اور ان میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے مثالیں بیان کیں۔ اور ہر ایک کو ہم نے پوری طرح

تَتْبِيرًا ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ أَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۚ أَفَلَمْ يَكُونُوا

ہلاک کر دیا۔ اور بلاشبہ یہ لوگ اس بستی پر گزرے ہیں جس پر بری بارش برسائی گئی۔ کیا یہ اسے نہیں دیکھتے

يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ نُشُورًا ﴿٤٠﴾ وَإِذَا رَأَوْكَ إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا

رہے، بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ موت کے بعد اٹھنے کی امید ہی نہیں رکھتے۔ اور جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ کا مذاق ہی اڑاتے ہیں

أَهَٰذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ﴿٤١﴾ إِن كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ آلِهَتِنَا لَوْلَا أَن صَبَرْنَا

کیا یہی شخص ہے جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اس نے تو ہمیں ہمارے معبودوں سے ہٹا ہی دیا ہوتا اگر ہم ان پر ڈٹے ہوئے

عَلَيْهَا ۚ وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٤٢﴾ أَرَأَيْتَ مَنِ

نہ رہتے۔ اور جس وقت یہ لوگ عذاب کو دیکھیں گے اس بات کو جان لیں گے کہ کون شخص راہ سے ہٹا ہوا تھا۔ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے

اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ﴿٤٣﴾ أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ

اپنا معبود اپنی خواہش کو بنا لیا، سو کیا آپ اس کے وکیل ہیں۔ کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر

يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ ۖ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٤٤﴾

سنتے ہیں یا سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں۔

حشر کی تین قسمیں:

حضرت نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے قیامت کے دن لوگوں کا حشر تین قسم پر ہوگا۔ نمبر ۱۔ جانوروں پر سوار۔ نمبر ۲۔ پیدل ۳۔ چہروں کے بل۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! وہ چہروں کے بل کیسے چلیں گے تو ارشاد فرمایا جس نے ان کو پاؤں سے چلایا وہی ان کو چہروں کے بل چلائے گا۔ [احمد و ترمذی]

موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کی فرعون کی طرف بعثت:

۳۵: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ (تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی) تورات جیسا کہ آپ کو قرآن دیا۔ وَ جَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا (اور ہم نے ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو مددگار بنایا)۔

نحو: ہارون یا اخاہ کا بدل ہے یا عطف بیان ہے۔ وَزِیْرًا مددگار۔ لغت میں اس کو کہتے ہیں جس کی رائے کی طرف رجوع کیا جاتا ہو اور جس کی رائے باعث تحسین ہو۔ یہ الوزر سے لیا گیا ہے جس کا معنی پناہ گاہ ہے اور وزارت نبوت کے منافی نہیں۔ ایک زمانہ میں انبیاء علیہم السلام کو بھیجا جاتا اور ان کو ایک دوسرے کی مدد کا حکم دیا جاتا۔

۳۶: فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا (اور ہم نے کہہ دیا کہ تم دونوں اس قوم کے پاس جاؤ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا ہے) مراد فرعون اور اس کی قوم ہے۔ تقدیر کلام اس طرح ہے۔ فذھبا الیھم وانذرا فکذبوھما۔ وہ ان کے پاس دونوں گئے اور ان کو ڈرایا مگر انہوں نے جھٹلا دیا۔

تکذیب کی وجہ سے فرعونیوں کو ہلاک کر دیا:

فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا (پس ہم نے ان کو ملیا میٹ کر دیا) التدمیر کسی عجیب انداز سے ہلاک کرنا۔ قصہ کو مختصر فرمایا اس کا اول و آخر ذکر کر دیا۔ کیونکہ مقصود قصہ یہی ہے۔ میری مراد یہ ہے کہ بعثت رسل کے ذریعہ حجت تمام کر دی جائے اور تکذیب کی وجہ سے استحقاق عذاب ظاہر کر دیا جائے۔

قوم نوح اور دیگر ہلاک شدہ اقوام کی طرف اشارہ:

۳۷: وَقَوْمَ نُوْحٍ (اور قوم نوح کو) یعنی ہم نے قوم نوح کو ہلاک کر دیا۔ لَمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ (جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا) یعنی نوح علیہ السلام اور ادریس علیہ السلام کو یا ایک کی تکذیب تمام کی تکذیب ہے۔ اَغْرَقْنٰهُمْ (ہم نے ان کو ڈبو دیا) طوفان کے ذریعہ وَجَعَلْنٰهُمْ (اور ہم نے بنا دیا ان کو) یعنی ان کے غرق یا واقعہ کو لِلنَّاسِ اٰيَةً (لوگوں کیلئے نشانی) عبرت جس سے وہ عبرت حاصل کرتے ہیں۔ وَاَعْتَدْنَا (ہم نے تیار کر رکھا ہے) لِلظّٰلِمِيْنَ (ظالموں کیلئے) قوم نوح کیلئے اور اصل عبارت اس طرح ہے واعتدنا لھم مگر ان کا ظلم بیان کرنے کیلئے ظالمین کی بجائے ضمیر لائے۔ نمبر ۲۔ یہ ہر اس آدمی کیلئے عام ہے جو شرک والا ظلم کرنے والا ہو اور اپنے عموم کی وجہ سے ان کو بھی شامل ہوگی۔ عَذَابًا اَلِيْمًا (دردناک عذاب) مراد آگ۔

۳۸: وَّعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ (اور عاد و ثمود کو ہم نے ہلاک کر دیا)۔

قراءت: حمزہ، حفص نے قبیلہ کی تاویل سے بلا تنوین پڑھا۔ اور دیگر قراء نے ثموداً تنوین سے پڑھا قاعدہ ان کی تاویل نمبر ۳۔ یہ بڑے باپ کا نام ہے۔

وَّاَصۡحٰبَ الرَّسِّ (کنوئیں والے) یہ قوم شعیب علیہ السلام ہے۔ وہ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ انہوں نے شعیب کو جھٹلایا ایک دن وہ کنوئیں کے گرد تھے۔ کنوئیں کی دیواریں گر پڑیں اور ان کو زمین میں گھروں سمیت دھنسا دیا۔

ایک قول یہ ہے کہ الرس ایک بستی کا نام ہے انہوں نے اپنے پیغمبر کو قتل کر دیا جس کے نتیجہ میں سب کو ہلاک کر دیا گیا۔ اور ایک قول یہ ہے یہی اصحاب اخدود ہیں۔ الرس خندق کو کہا جاتا ہے۔ وَّقُرُوۡنًا (اور بہت سی امتوں کو ہم نے ہلاک کیا)۔ بَیۡنَ ذٰلِکَ (ان کے مابین) کَثِیۡرًا (بہت) جن کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رسولوں کو بھیجا۔ انہوں نے جھٹلایا تو ان کو ہلاک کر دیا گیا۔

۳۹: وَکُلًّا ضَرَبۡنَا لَہُ الۡاَمۡثَالَ (تمام کیلئے ہم نے مثالیں بیان کیں) یعنی پہلے لوگوں کے عجیب عجیب واقعات بیان کیے۔ وَکُلًّا تَبَّرۡنَا تَتۡبِیۡرًا (ہم نے تمام کو برباد کر دیا) ان کو بالکل ہلاک کر دیا۔

نحو: پہلا کلًّا انذرنا کی وجہ سے منصوب یا حذرنا کی وجہ سے اور دوسرا کلًّا تبرنا کی وجہ سے منصوب ہے وہ اس کے لئے فارغ ہے۔

۴۰: وَلَقَدۡ اَتَوۡا عَلَی الۡقَرۡیَۃِ (اور تحقیق ان کا گزر اس بستی کی طرف سے ہوتا ہے۔)

نحو: اَتَوۡا کا فاعل اہل مکہ ہیں۔

القریہ سے مراد سدوم وغیرہ ہیں۔ یہ قوم لوط کا سب سے بڑا مرکزی شہر تھا۔ کل پانچ شہر تھے چار کو اللہ تعالیٰ نے اہل سمیت ہلاک کر دیا۔ اور ایک ان میں سے باقی رہ گیا۔

الَّتِیۡۤ اُمۡطِرَتۡ مَطَرَ السَّوۡءِ (جن پر بری بارش کی گئی) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر پتھر برسائے۔ قریش مکہ کا اکثر قافلوں میں گزر ان بستیوں کے پاس سے ہوتا تھا یہ شام کی شارع پر واقع ہوتے تھے۔ ان بستیوں کو پتھروں کی آسمانی بارش سے ہلاک کر دیا گیا۔

نحو: مطر السوء یہ مفعول ثانی ہے۔ اور اصل عبارت اس طرح ہے امطرت القریۃ مطرا نمبر ۲۔ مصدر محذوف الزوائد ہے یعنی امطار السوء۔

اَفَلَمۡ یَکُوۡنُوۡا یَرَوۡنَہَا (کیا یہ اس بستی کو دیکھا نہیں کرتے) کیا انہوں نے شام کی طرف سفر میں آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ پھر ان کو نصیحت پکڑ کر ایمان لانا چاہیے تھا۔ بَلۡ کَانُوۡا لَا یَرۡجُوۡنَ نُشُوۡرًا (بلکہ وہ دوبارہ اٹھنے کی امید نہیں رکھتے) بلکہ یہ لوگ تو بعث کے انکاری ہیں۔ یہ بعث سے نہ ڈرتے اور نہ ہی اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ نمبر ۲۔ ان کو اٹھنے کی امید نہیں جیسا کہ مؤمن امید کرتے ہیں کیونکہ مسلمانوں کو اپنے اعمال کے ثواب کی طمع ہے۔

۴۱: وَاِذَا رَاَوۡکَ اِنۡ یَّتَّخِذُوۡنَکَ (اور جب آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ کا مذاق بنا لیتے ہیں)

نحو: نافیہ ہے۔

استہزائے کفار:

اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا تتخذ هزوًا کا معنی استھزا بہ ہے اور اصل اتخذہ موضع هزؤ یا مھزوءا بہ آپ کو استہزاء کی جگہ بنائے ہیں یا مسخرہ بنا لیتے ہیں۔ اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا (کیا یہ وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنایا ہے) قول کو مضمر قرار دے کر محذوف بطور استہزاء تحقیر لائے۔ ای قائلین اھذا۔ وہ کہتے ہیں کیا یہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنایا ہے اور یہ محذوف حال ہے اور الذی کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے۔ ای بعثہ۔

۴۲: اِنْ كَادَ لَیُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَیْهَا (قریب تھا کہ ہم کو ہمارے معبودوں کی طرف سے بہکا دیتا۔ اگر ہم ان معبودوں پر جمے نہ رہتے)۔

نحو: ان مخففة من المثقلة ہے اور لام اس کی دلیل ہے۔ قریش کو دعوت دینے میں آپ ﷺ کیلئے کس قدر مشکلات تھیں اور ان کے سامنے معجزات کے پیش کرنے میں کتنا بڑا مجاہدہ تھا۔ کہ وہ اپنے خیال کے مطابق اپنا دین چھوڑنے کے قریب پہنچ گئے تھے۔ مگر وہ اس پر اصرار نہ کرتے اور اپنے معبودوں کی عبادت کو تھامے نہ رکھتے۔

وَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ حِیْنَ یَرَوْنَ الْعَذَابَ (وہ عنقریب جان لیں گے جب کہ وہ عذاب کو ملاحظہ کریں گے) اس میں کفار کیلئے وعید ہے اور یہ بھی دلالت ہے کہ اس کو ترک کرنے پر تیار نہیں خواہ مہلت کتنی طویل کر دی جائے۔ مَنْ اَضَلُّ سَبِیْلًا (کہ راستہ کے اعتبار سے کون گمراہ ہے۔) یہاں کا دلیضلنا کے جواب کی طرح جملہ لایا گیا ہے کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی طرف انہوں نے ضلال کی نسبت کی ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ دوسرے کو گمراہ وہ کرتا ہے جو خود گمراہ ہو۔

یہ خواہشات کے پجاری ہیں:

۴۳: اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (اے پیغمبر ﷺ) آپ نے اس شخص کی حالت دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے) یعنی جس نے کسی چیز کو چھوڑنے اور کرنے کیلئے خواہش کی اطاعت کی تو وہ اپنی خواہش کا پیرو ہے اور اس کو معبود بنانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو فرما رہے ہیں۔ اس شخص کو اپنی خواہش ہی معبود نظر آتی ہے آپ اس کو ہدایت کی طرف کس طرح دعوت دے سکتے ہیں۔ روایت میں ہے ایک آدمی اہل جاہلیت میں سے پتھر کو پوجتا تھا جب وہ کوئی خوبصورت پتھر دیکھتا تو پہلا چھوڑ کر دوسرا اٹھا لیتا اور اس کی پوجا شروع کر دیتا۔

قول حسن رحمہ اللہ علیہ: اس سے مراد ہر خواہش پرست ہے۔

اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا (تو کیا آپ اس کے ذمہ دار ہو گے) یعنی ایسے محافظ جو اس کو خواہشات سے اس کو بچا سکیں اور اپنی من پسندی کی عبادت سے اس کو روک لیں۔ نمبر ۲۔ کیا آپ کو اس بات پر مقرر کر دیا گیا کہ خواہشات سے موڑ کر اس کو ہدایت پر لگا دیں۔ اس میں آپ ﷺ کو بتلایا کہ آپ کے ذمہ فقط تبلیغ ہے۔

۴۴: اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا (کیا آپ یہ خیال کرتے

ہیں کہ ان کی اکثریت (کلام اللہ) کو سنتے یا سمجھتے ہیں وہ نہیں ہیں مگر چوپایوں کی طرح بلکہ جانوروں سے بھی زیادہ گمراہ۔

ترکیب: یہ ام منقطعہ ہے اور اس کا معنی بل ہے بلکہ کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں گویا پہلے جو مذمت گزری یہ اس سے زیادہ سخت ہے یہاں تک کہ اس سے اضراب کر کے اس کی طرف رجوع کرنا پڑا۔

تفصیلی اعراض:

وجہ یہ ہے کہ ان کی عقلیں اور قوت سمع چھن چکی ہے۔ کیونکہ وہ حق کو سننے کی طرف ذرا کان نہیں دھرتے۔ اور نہ اس میں تدبر کیلئے عقل کو استعمال کرتے ہیں۔ یہ تو اندھوں اور گمراہوں کے مشابہ ہیں جو غفلت وضلالت میں مستانہ ہیں ان پر شیطان ان کو ذلیل کرنے کیلئے سوار ہے جس وجہ سے انہوں نے استدلال کو بالکل ترک کر دیا۔ پھر یہ حیوانات سے گمراہی میں بڑھ کر ہیں کیونکہ چوپائے تو اپنے رب کے تسبیح خواں اور سجدہ کناں ہیں اور جوان کو چارہ ڈالے اس کی بات مانتے ہیں اور محسن و مسئی کی پہچان رکھتے ہیں اور اپنے نفع کے طالب اور دینے والی چیز سے گریزاں ہیں اپنے گھاٹوں اور چراگاہوں کی طرف راستہ پانے والے ہیں۔

یہ اپنے پروردگار کی اطاعت نہیں کرتے۔ نہ اس کے احسانات کو شیطان کی برائیوں سے جدا کر پاتے حالانکہ شیطان تو ان کا دشمن ہے اور یہ ثواب کو جو سب سے بڑا نفع ہے چھوڑنے والے ہیں۔ یہ اس انجام سے لرزاں و ترساں نہیں جو سب سے سخت نقصان اور ہلاکت کی جگہ ہے۔ اور حق کی طرف راہ نہیں پاتے حالانکہ وہ میٹھا اور خوشگوار چشمہ ہے۔

قول علماء: ملائکہ میں روح وعقل اور بہائم میں نفس وخواہش۔ اور آدمی میں تمام بطور امتحان آزمائش اکٹھی کر دیں اگر انسان پر نفس وخواہش نے غلبہ پالیا تو چوپائے اس سے بڑھ گئے اور اس پر روح وعقل کا غلبہ ہو گیا تو یہ معزز ملائکہ سے سبقت لے گیا۔ یہاں اکثر کا لفظ استعمال فرمایا کیونکہ ان میں بعض وہ تھے جن کو صرف سرداری ہی اسلام کے راستہ سے رکاوٹ تھی اور یہ لا علاج مرض ہے اور اسلئے کہ ان میں وہ بھی تھے جو ایمان لے آئے۔

۴۶: ثُمَّ قَبَضْنٰهُ (پھر ہم نے اس کو سمیٹ لیا) یعنی اس دراز سایے کو سمیٹ لیا۔ اِلَیْنَا (اپنی طرف سے) مراد جہاں ہم نے چاہا اس طرف قَبْضًا یَّسِیْرًا (تھوڑا تھوڑا کر کے) آسانی کے ساتھ اس میں تکلیف نہ تھی۔ تھوڑا تھوڑا یعنی ایک ایک جزو کر کے اس سورج کے ذریعہ جو اس پر آتی ہے۔

فائدہ: یہاں ثم امور کے مابین تفاضل کیلئے استعمال ہوا ہے گویا دوسرا پہلے سے بہت بڑا ہے اور تیسرا دوسرے سے بھی اعظم تر ہے نعمات کے مراتب میں فرق کو وقت میں پیش آمدہ حوادث سے تشبیہ دی۔

نیند و بیداری موت و حیات کے مشابہ ہے:

۴۷: وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا (اور وہی رب تو ہے جس نے تمہارے لئے رات کو لباس بنایا) ڈھانپنے والے اندھیرے کو لباس کی مانند قرار دیا۔ وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا (اور نیند کو آرام) تمہارے ابدان کی راحت اور اعمال کو منقطع کرنے والی۔ السبت کا معنی کاٹنا ہے اور سونے والا قطع کیا ہوا ہے۔ کیونکہ اس کا حس و حرکت منقطع ہوئی۔

ایک قول یہ ہے کہ السبات: موت کو کہتے ہیں اور منقطع کیا ہوا مردہ ہے کیونکہ اس کی زندگی منقطع کر دی گئی جیسا کہ اس ارشاد میں فرمایا: وھو الذی یتوفکم باللیل [الانعام: ۶۰] اور اس معنی کی تائید اس کے مقابلہ میں نشور کے تذکرے سے بھی ہوتی ہے۔ وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا (اور دن کو اٹھنے کا وقت بنایا) النشور نیند سے بیدار جیسا کہ میت کو حشر کے دن اٹھایا جائے گا۔

ایک قول یہ ہے کہ مخلوق دن میں معاش کیلئے پھیلتی ہے۔ آیت میں جہاں قدرت باری تعالیٰ پر دلالت موجود ہے اس میں مخلوق پر اظہار نعمت بھی ہے کیونکہ رات کے پردہ میں چھپ جانے پر دینی و دنیوی فوائد ہیں اور نیند و بیداری پر موت و حیات کے ساتھ مشابہت رکھتی ہیں اور عبرت والے کیلئے باعث عبرت ہیں حضرت لقمان رحمہ اللہ نے بیٹے کو فرمایا کما تنام فتوقظ کذالک تموت فتنشر جیسے نیند سے جاگنا اسی طرح موت سے اٹھنا۔

۴۸: وَهُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ (اور وہ رب وہی تو ہے جو اپنی رحمت سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے)

قراءت: مکی نے الریح مفرد پڑھا مراد جنس ہی ہے۔

ماء طہور کا ذکر:

بُشْرًا (خوشخبری دینے والیاں) تخفیف کے ساتھ بشر جمع بشور بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ (اس کی رحمت سے پہلے) بارش سے پہلے کیونکہ وہ رنگ ہے پھر بادل پھر بارش۔ یہ انتہائی عمدہ استعارہ ہے۔ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا) ماء سے بارش مراد ہے۔ طَهُوْرًا (بالکل پاک) یہ طہارت کا مبالغہ ہے اور صیغہ صفت ہے جیسا کہتے ہیں ماء طہورا یعنی طاہر اور یہ اسم کے طور پر استعمال ہوتا ہے جس سے طہارت حاصل کی جاتی ہے ان تمام کو طہور کہتے ہیں مثلاً وضوء اور ایندھن کیونکہ ان سے وضوء کیا جاتا ہے اور ان سے آگ جلائی جاتی ہے اور طہور مصدر بمعنی تطہر ہے جیسے کہتے ہیں تطہرت طہورا حسنا میں نے خوب طہارت حاصل کی اور یہی معنی اس ارشاد نبوی ﷺ کا ہے: لا صلٰوۃ الا بطھور (ترمذی) ای لا تقبل صلٰوۃ بغیر طہارۃ۔

میں پھیر پھیر کر بیان کی۔ اور وہ بادل کا بننا اور بارش کا اترنا تا کہ لوگ سوچ و بچار کریں اور عبرت حاصل کریں اور اس پانی میں اللہ تعالیٰ کے انعام کا حق پہچان کر شکریہ ادا کر لیں۔ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا (مگر لوگوں کی اکثریت ناشکری کے بغیر نہ رہی) اکثریت نے کفرانِ نعمت کے علاوہ ہر بات سے انکار کر دیا۔ اور نعمت کو جھٹلا دیا۔ اور کثرت میں قلت کر دی۔

نمبر۲: تصریف کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے بارش کو مختلف شہروں میں مختلف اوقات میں بانٹ دیا اور مختلف نوعیت کی بارش کی کہیں موسلا دھار اور کہیں ہلکی پھلکی بڑی بوندوں والی، چھوٹی بوندوں والی۔ مسلسل برسنے والی مگر لوگ ناشکری کرتے رہے اور یہ کہنے لگے فلاں ستارے کی وجہ سے بارش برسی۔ اللہ تعالیٰ کی صنعت و رحمت کو بالکل یاد نہیں کرتے۔

قولِ ابن عباسؓ: کوئی سال دوسرے سال سے کم بارش والا نہیں ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس کو جہاں چاہتے ہیں پھیر دیتے ہیں اور پھر یہ آیت پڑھی۔ ایک روایت تفسیر یہ ہے کہ فرشتے ہر سال کی مقدار مطر اور عدد مطر جانتے ہیں کیونکہ وہ پہلے سے مختلف نہیں لیکن علاقے مختلف ہو جاتے ہیں کسی سال کسی علاقہ میں اگلے سال دوسرے علاقہ میں یہاں سے بادل آگے کو ملانے کا جواب اور اسی طرح انعام والا اس کے کفر و ذکر نے کا جواب نکلتا ہے۔

مَسْئَلَہ: جس شخص نے بارش کی نسبت ستارے کی طرف کی اور بارش اور ستارے کے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ایسا ہونے سے انکار کیا وہ کافر ہو گا اگر اس کا خیال یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ بارش کا خالق ہے اور ستارے کی طرف نسبت صرف بارش کی علامت اور بارش کی دلالت کے طور پر کی ہے تو پھر کافر نہ قرار دیا جائے گا۔

ہر بستی کی بجائے ساری کائنات میں ایک ہی منذر بھیج دیا:

۵۱،۵۲: وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا۔ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ (اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے۔ پس آپ کافروں کی خوشی کا کام نہ کریں) اگر ہم چاہتے تو تمام بستیوں کو ڈرانے کی ذمہ داری آپ سے کم کر کے ہر بستی میں ایک پیغمبر بھیج دیتے۔ لیکن ہم نے چاہا کہ آپ کیلئے تمام رسولوں کے فضائل جمع کریں کافۃ للناس کی طرف آپ کو رسول بنائیں۔ ہم نے آپ کو بھیجنے پر اکتفا کیا اور آپ کو عظمت سے نوازا۔ پس آپ اکیلے ان تمام کی طرح ہیں اسی وجہ سے خطاب میں صیغہ جمع کا لائے یایها الرسل [المؤمنون: ۵۱] پھر شکر اور پختگی اور ہمت قدمی سے اس کا تقابل کیا کہ آپ کافروں کی بات ہرگز نہ مانیں جس کی طرف وہ آپ کو بلاتے ہیں کہ آپ ان کی موافقت اختیار کریں اور مداہنت اختیار کریں۔ جس طرح میں نے تمام انبیاء پر ترجیح دی ہے میری رضامندی کو تمام خواہشات پر ترجیح دو اس سے آپ کو دعا یمان والوں کو برانگیختہ کرنا مقصود ہے۔

جامع مجاہدہ اور جامع رسول:

وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ (اور اس سے ان کا زور سے مقابلہ کرو) نمبر ۱: ہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور مراد اس کی مدد و توفیق کے ساتھ۔ نمبر۲: ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے یعنی قرآن کے دلائل سے ان کا مقابلہ کرو اور ان کے مقابلے سے عاجزی پر ان کو مجبور کرو۔ جِهَادًا كَبِيْرًا (بڑا جہاد) اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا بڑا مرتبہ ہے اس لئے کہ اس میں تکالیف شاقہ کا سامنا ہوگا۔ نمبر۳: بہٖ کی ضمیر کا مرجع وہ ہو جس پر یہ آیت دلالت کرتی ہے ولو شئنا لبعثنا فی کل قریۃ نذیرا [الفرقان: ۵۱] اس لئے کہ

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ

اور وہ ایسا ہے جس نے دو دریاؤں کو ملایا جن میں یہ میٹھا ہے پیاس بجھانے والا ہے اور یہ کھاری ہے کڑوا ہے اور ان کے درمیان میں

بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُورًا ۞ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا

ایک حجاب بنا دیا۔ اور وہ ایسا ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا فرمایا پھر اس کو خاندان والا اور

وَصِهْرًا ۗ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ۞

سسرال والا بنا دیا۔ اور تیرا پروردگار بڑی قدرت والا ہے۔

آپ تمام شہروں کے نذیر ہیں اگر ہر بستی کی طرف الگ نذیر مبعوث ہوتا تو ہر نذیر کے ذمہ اپنی بستی والوں کے ساتھ مجاہدہ کی ضرورت تھی اب رسول اللہ ﷺ پر تمام مجاہدات جمع ہو گئے کیونکہ آپ کا جہاد و مجاہدہ سب سے بڑھ کر اور سب سے عظیم تر ہے۔ اسی لئے فرمایا: جاھدھم ان سے جہاد کرو کیونکہ تم ساری دنیا کے نذیر ہو اور ایسا جہاد کرو جو تمام مجاہدات کا جامع ہو۔

قدرت کا عجیب نظارہ:

۵۳: وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ (اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے دو سمندروں کو ملایا) مرج کا معنی ملا ہوا اور پاس پاس چھوڑ دیا۔ یہ مرجت الدابۃ سے لیا گیا جبکہ اس کو چرنے کیلئے چھوڑ دیا جائے۔ بحرین کثیر مقدار اور وسیع مقدار میں پانی کو کہتے ہیں۔ ھٰذَا (یہ) ایک ان میں سے عَذْبٌ فُرَاتٌ (میٹھا پیاس بجھانے والا)۔

نحو: فرات یہ عذب کی صفت ہے۔ بہت ہی میٹھا یہاں تک کہ حلاوت کے قریب پہنچ جائے۔

وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ (اور یہ نمکین کھاری ہے) اُجاج یہ ملح کی صفت ہے یعنی انتہائی نمکین۔ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا (اور ان کے درمیان پردہ بنا دیا) ان کے مابین حائل بنایا جو ان کو جدا کرتا ہے اور ملنے سے مانع ہے وہ بظاہر مل رہے ہیں مگر حقیقت میں جدا ہیں۔ وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا (ایک مضبوط بندش کر دی) ایک ایسا پردہ ہے جو آنکھوں سے اوجھل ہے مگر ان کو ایک دوسرے سے روکے ہوئے ہے جیسا دوسرے مقام پر فرمایا: حاجزًا ... [النمل: ۶۱]

انسانوں کی دو قسمیں:

۵۴: وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ (اور اللہ وہی ہے جس نے پانی سے پیدا کیا) الماء سے یہاں نطفہ مراد ہے۔ بَشَرًا (انسان) فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا (پس اس کو نسب والا اور دامادی والا بنایا) مراد یہ ہے کہ انسانوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے نسب اور صہر۔ نسب والے یعنی مذکر جن کی طرف نسبت کر کے کہا جاتا ہے فلاں بن فلاں اور فلانہ بنت فلاں نمبر ۲۔ دامادی والے یعنی مؤنث ان کی وجہ سے مصاہرت کی جاتی ہے جیسا کہ دوسرے مقام میں فرمایا: فجعل منه الزوجين الذكر والانثى [القیامۃ: ۳۹]

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۗ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى

اور اللہ کو چھوڑ کر یہ لوگ ان کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نہ کچھ نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ انہیں کچھ ضرر دے سکتی ہیں۔ اور کافر اپنے رب کا

رَبِّهٖ ظَهِيرًا ۝ وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا ۝ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ

مخالف ہے۔ اور ہم نے آپ کو صرف خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا

إِلَّا مَنْ شَآءَ أَنْ يَّتَّخِذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيلًا ۝ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ

ہاں جو شخص یہ چاہے کہ اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرے۔ اور آپ اس ذات پر بھروسہ کیجئے جو زندہ ہے جسے موت نہیں آئے گی اور

وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۚ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوبِ عِبَادِهٖ خَبِيرًا ۝ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

اس کی تسبیح و تحمید میں لگے رہئے اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار ہونے کے لئے کافی ہے۔ جس نے آسمانوں کو

وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ الرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ

اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا فرمایا پھر وہ عرش پر مستوی ہوا وہ بڑا مہربان ہے سو اس کی شان کو جاننے والے سے

خَبِيرًا ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ أَنَسْجُدُ لِمَا

دریافت کر لو۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رحمن کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں کہ رحمن کیا ہے کیا ہم اس کو سجدہ کرنے لگیں جس کو

تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا ۩ ۝ تَبٰرَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوجًا وَّجَعَلَ فِيهَا سِرٰجًا

تو کہہ دے اور اس بات نے ان کی نفرت اور بڑھا دی۔ بڑی برکت والی ہے وہ ذات جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں ایک چراغ

وَّقَمَرًا مُّنِيرًا ۝ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَنْ يَّذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ۝

اور روشن چاند بنایا۔ اور وہ ایسا ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا اس شخص کے لئے جو سمجھنا چاہے یا شکر کرنا چاہے۔

وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا (اور آپ کا رب بڑی قدرت والا ہے۔) کہ اس نے ایک ہی نطفہ سے دو قسم کے انسان بنا دیے۔ مذکر و مؤنث۔ ایک قول یہ ہے کہ نسبا کا معنی قرابت اور صہر کا معنی دامادی والا رشتہ ہے۔ اور یہ نسب بنا کر احسان فرمایا کیونکہ مواصلات اسی سے ہوتی ہے اور مصاہرت کا احسان کیا کیونکہ توالد و تناسل اسی سے ہوتا ہے۔

۵۵: وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ (وہ اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی چیزوں کو پوجتے ہیں جو ان کو فائدہ نہیں پہنچاتی) خواہ اس کی عبادت کریں۔ وَلَا يَضُرُّهُمْ (وہ ان کو نقصان بھی نہیں پہنچاتی ہیں) اگر ان کو چھوڑ دیں۔ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ (اور کافر

اپنے رب کے خلاف) اپنے رب کی معصیت و نافرمانی کرکے ظَہِیْرًا (مددگار ہے) ظاہر کرنے والے اور یہ فعیل بمعنی مفاعل ہے جیسا کہ عزیز کی طرح۔ الظہیر اور المظاھر یہ معین اور معاون کی طرح ہے اور المظاہرۃ معاونت کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کافر بت کی عبادت کرکے شیطان کی اتباع کرتا ہے اور رحمان کی نافرمانی میں اس کا معاون بنتا ہے۔

۵۶: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا (اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر بشیر بنا کر) ایمان والوں کیلئے وَّنَذِیْرًا (اور ڈرانے والا) کفار کیلئے۔

تبلیغ پر اجرت نہیں مانگتا:

۵۷: قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ (کہہ دیں میں تم سے اس پر نہیں مانگتا) تبلیغ رسالت پر مِنْ اَجْرٍ (کوئی اجرت) انعام اس کی مثل اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ یَّتَّخِذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیْلًا (مگر جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف پہنچنے کا راستہ بنا لے) مطلب یہ ہے مگر اس کا عمل جس نے چاہا۔

اجر کے استثناء کی مثال:

اجر کا استثناء اسی طرح ہے جیسا کہ کوئی تمہارا بڑا محسن ہو اور تمہارے لئے اس نے حصول میں کم و محنت بھی کی ہو وہ کہے۔ ما اطلب منك ثوابا علی ما سعیت الا ان تحفظ هذا المال ولا تضیعه میں تم سے اپنی معاونت پر ثواب نہیں چاہتا مگر اتنی بات ضرور چاہتا ہوں کہ تو اس مال کی حفاظت کر اور اس کو ضائع مت کر۔ یہاں تمہارا حفاظت مال کا مطالبہ تمہارے اپنے نفس کیلئے ثواب کی قسم سے نہیں لیکن اس کو ثواب کی شکل میں پیش کیا ہے گویا وہ کہنا چاہتا ہے کہ تیرا اپنے مال کی حفاظت کرنا یہ میرے لئے بطور ثواب ہے اور میری اس پر رضامندی اس شخص کی طرح ہے جو ثواب پر راضی ہو۔ اور میری عمر کی قسم کہ آنحضرت ﷺ اپنی امت کے ساتھ اسی مقام پر تھے۔ اتخاذهم الی الله سبیلا کا معنی ایمان و طاعت سے تقرب حاصل کرنا۔ نمبر۲۔ صدقہ و نفقہ سے قرب حاصل کرنا۔ ایک قول یہ ہے کہ مراد یہ ہے لیکن جو یہ چاہے کہ وہ مال خرچ کرکے اللہ تعالیٰ کی رضا کا راستہ اختیار کرے اس کو ایسا ضرور کرنا چاہیے۔ ایک اور قول یہ ہے کہ تقدیر کلام اس طرح ہے لا اسالکم علی ما ادعوکم الیه اجرًا الا اتخاذ المدعو سبیلا الی ربه بطاعته۔ فذلك اجری لان الله یاجرنی علیه میں تمہیں جس چیز کی طرف دعوت دیتا ہوں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے اس کے کہ جس کو دعوت دی گئی وہ اطاعت سے اپنے رب کی طرف سے راستہ بنائے پس یہی میرا اجر ہے اسی پر میرا رب مجھے اجر دے گا۔

۵۸: وَتَوَكَّلْ عَلَی الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ (اور اس ذات پر بھروسہ کرو جو زندہ ہے کبھی نہ مرے گا) جس پر موت نہیں اس کو کارساز بناؤ۔ وہ ان کے سپرد تمہیں نہیں کرے گا۔ جو ذلت کی موت مرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے اس پر اعتماد کرو اور ان کے شر سے بچاؤ کیلئے اپنا معاملہ اس کے سپرد کرے اور ایسے زندہ پر بھروسہ نہ کرے جس پر موت آئے گی۔

نکتہ: بعض صالحین نے جب یہ آیت تلاوت کی تو کہنے لگے عقل مند کو مناسب نہیں کہ اس کے بعد بھی مخلوق پر اعتماد کرے۔ التوکل ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ۔

وَسَبِّحْ (اور اس کی تسبیح بیان کر) اللہ تعالیٰ کو اس بات سے پاک قرار دے کہ اس پر توکل کرنے والا کسی غیر پر بھروسہ کرے گا۔ بِحَمْدِہٖ (اس کی حمد کے ساتھ) اس کی ایسی توفیق سے جو حمد کو لازم کرتی ہے۔ نمبر۲۔ کہو سبحان اللہ وبحمدہ نمبر۳۔ اللہ تعالیٰ کو ہر عیب سے پاک قرار دو۔ ایسی تعریف سے جو تم اس کی بیان کرو۔ وَکَفٰی بِہٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِہٖ خَبِیْرًا (اور وہ بندوں کے گناہوں سے پورے طور پر باخبر ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے گناہوں کی اطلاع ہونا کافی ہے۔ مطلب یہ ہے وہ ان کے حالات سے واقف ہے اور ان کے اعمال کا بدلہ دینے کیلئے کافی ہے۔

رحمٰن کی صفت کا تذکرہ:

۵۹: الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ (وہ اللہ تعالیٰ جس نے آسمانوں اور زمین اور ان کے مابین جو کچھ ہے چھ دن میں پیدا کر دیا) اتنی مدت کی مقدار کے مطابق کیونکہ یہ دن رات تو اس وقت نہ تھے۔

قول مجاہد رحمۃ اللہ علیہ: پہلا دن ہفتہ اور آخری یوم جمعہ تھا۔ اور ان کو چھ دن میں بنایا۔ حالانکہ وہ تو ان کو ایک لحظہ میں پیدا کر سکتا ہے صرف مخلوق کو معاملات میں پختگی اور آہستگی کی تعلیم دینے کیلئے ایسا کیا گیا۔ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ اَلرَّحْمٰنُ (پھر عرش پر جا ٹھہرا) یعنی وہ رحمان ہے۔

نحو: الرحمن یہ مبتدأ محذوف کی خبر ہے۔ نمبر۲۔ ضمیر سے بدل ہے جو استوٰی میں پائی جاتی ہے۔ نمبر۳۔ الذی خلق مبتدأ اور الرحمان اس کی خبر۔ فَسْئَلْ (تم پوچھو)

قراءت: بلا ہمزہ مکی و علی نے پڑھا۔

بہٖ نحو: یہ سئل کا صلہ ہے جیسا کہ اس ارشاد میں سال سائل بعذاب واقع [المعارج: ۱] جیسا کہ اس کا صلہ عن سے آتا ہے ارشاد الٰہی ہے ثم لتسئلن یومئذ عن النعیم [التکاثر: ۸] سال بہ اسی طرح ہے جیسا تم کہو اھتم بہ واشتغل بہ اور سال عنہ اسی طرح ہے جیسا کہیں بحث عنہ و فتش عنہ۔

نمبر۲۔ بہ ضمیر کا صلہ ہے اور خبیرا اسئل کا مفعول ہے تقدیر کلام یہ ہے فاسئل عنہ رجلاً عارفا یخبرک برحمتہ اس کے متعلق کسی ایسے شخص سے دریافت کرو وہ تمہیں اس کی رحمت کی اطلاع دے گا۔ نمبر۳۔ فاسئل رجلاً خبیرا بہ وبرحمتہ۔ پس تم اس کے بارے میں اور اس کی رحمت کے بارے میں خبر رکھنے والے سے پوچھو۔

نمبر۴۔ الرحمان کا وصف جو صفات باری تعالیٰ میں سے ہے۔ یہ کتب متقدمہ میں مذکور تھا۔ اور وہ اس کو جانتے بھی نہ تھے۔ اس لئے ان کو کہا گیا تم اس اسم کے متعلق اس سے دریافت کرو جو اس کتاب میں سے ہو اور تمہیں اس کی خبر دے تا کہ ان کو معلوم ہو جو ان کو عجیب خیال کرتے ہیں۔ اسی لئے کفار مکہ کہا کرتے تھے۔ کہ ہم تو رحمان یمامہ مسیلمہ کذاب نے اپنا لقب رکھا تھا) کو جانتے ہیں اور کسی رحمان کو نہیں جانتے۔ خَبِیْرًا (خبر رکھنے والا)۔

۶۰: وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ (اور جب ان سے کہا جاتا ہے) جب محمد ﷺ مشرکین کو کہتے ہیں۔ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ (کہ تم رحمان کو سجدہ کرو) اللہ تعالیٰ کیلئے نماز پڑھو اور خضوع اختیار کرو۔ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ (وہ کہتے ہیں رحمان کون ہے؟) ہم تو رحمان کو نہیں جانتے

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو عاجزی کے ساتھ زمین پر چلتے ہیں، اور جب ان سے جہالت والے بات کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں

سَلٰمًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ

کہ سلام ہے۔ اور وہ جو اپنے رب کے لیے راتیں گزارتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے۔ اور وہ جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہٹا دے

عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا

ہم سے جہنم کا عذاب، بے شک اس کا عذاب پوری طرح چمٹ جانے والا ہے۔ بے شک وہ برا ٹھکانا ہے

وَّمُقَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ

اور برا مقام ہے۔ اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو فضول خرچی نہیں کرتے اور تنگی نہیں کرتے، اور ان کا خرچ کرنا اس کے درمیان معتدل

قَوَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ

حالت پر ہوتا ہے۔ اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور کسی جان کو قتل نہیں کرتے جس کو اللہ نے

حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ

حرام قرار دیا ہے مگر حق کے ساتھ اور وہ زنا نہیں کرتے، اور جو شخص یہ کام کرے گا تو وہ بڑی سزا سے ملاقات کرے گا۔ اس کے لیے

لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا

قیامت کے دن عذاب دوچند ہو جائے گا اور اس میں وہ ذلیل ہو کر ہمیشہ رہے گا۔ مگر جس نے توبہ کر لی اور ایمان لایا اور نیک عمل

صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

کئے سو یہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے

ایک دوسرے کا قائم مقام ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی عمل دن کا فوت ہو تو رات میں قضاء کر لیا اور رات کا فوت ہوا تو دن میں قضاء کر لیا۔
لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا (جو سمجھنا یا شکر کرنا چاہتا ہو) ان کی تسخیر میں سوچے اور ان کے اختلاف میں غور کر کے ان کے مدبر کو پہچانے۔

قراءت: حمزہ و خلف نے یذکر پڑھا ہے یعنی ذکر اللہ یا بھولے ہوئے کو قضاء کرے۔

اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا (یا شکر گزاری کا ارادہ کرے) ان دونوں کے سلسلے میں جو اس پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا اس پر شکر ادا کرے۔

رحمٰن کے بندوں کی صفات:

۶۳: وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ (اور رحمان کے خاص بندے)

نحو: یہ مبتدا ہے اور الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ (وہ جو چلتے ہیں) یہ اس کی خبر ہے۔ نمبر۲۔ اولٰئک یجزون اور الذین یمشون اور اس کا مابعد یہ صفت ہے۔ رحمان کی طرف اضافت تخصیص اور تفضیل کو ظاہر کرتی ہے۔ پہلے اپنے اعداء کا حال بیان کیا اور پھر اپنے اولیاء کا۔ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا (زمین پر آہستگی سے) یہ حال یا مشی کی صفت ہے ای ھینین یا مشیًا ھینًا۔ الھون نرمی اور رفق کو کہتے ہیں یعنی سکون و وقار سے چلتے ہیں۔ وہ اپنے جوتے تکبر و بڑھائی کی وجہ سے نہیں چٹخاتے اسی لئے بعض علماء نے بازار میں سواری کو ممنوع قرار دیا ہے اور اس ارشاد کی وجہ سے بھی ویمشون فی الاسواق [الفرقان: ۲۰]

عدم مشارکت:

وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ (اور جب ان سے جاہل لوگ مخاطب ہوتے ہیں) بیوقوف لوگ جو چیز ان میں ناپسند کرتے ہیں۔ قَالُوْا سَلٰمًا (وہ سلام کہتے ہیں) درست بات کہتے ہیں جس میں ایذا اور گناہ سے محفوظ رہ سکیں۔ نمبر۲۔ ہم تم سے بچتے ہوئے تمہیں چھوڑتے ہیں اور تم سے جہالت کا مقابلہ نہیں کرتے۔ یہاں سلام کو تسلیم کی جگہ لایا گیا۔ ایک قول آیت قتال سے یہ منسوخ ہے اور اس کی ضرورت نہیں بیوقوفوں سے چشم پوشی مستحسن اور مشروع ہے اور مروت کے طور پر جائز ہے۔ یہ تو ان کے دن کا حال ہے پھر ان کی رات کا ذکر کیا۔

۶۴: وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا (اور وہ لوگ رات کو اپنے رب کے سامنے سجدہ اور قیام کرتے ہیں) سُجَّدًا جمع ساجد کی ہے اور قیامًا جمع قائم کی ہے۔ البیتوتۃ سونے کے خلاف کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ رات کو وہ پالے خواہ سوئے یا نہ سوئے۔ قول علماء: جس نے نماز میں تھوڑا سا قرآن رات کو پڑھا گویا اس نے ساری رات سجدہ و قیام میں گزار دی۔ ایک قول یہ مغرب کے بعد والی دو رکعتیں ہیں اور عشاء کے بعد والی دو رکعتیں۔ مگر ظاہر بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت احیائے لیل یا اکثر لیل کو بیان فرمایا۔

۶۵: وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا (اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہماری طرف سے عذاب جہنم (دوزخ) پھیر دے بلاشبہ جہنم کا عذاب بڑا سخت ہے)۔ غرامًا وہ ہلاکت جو لازم ہو جانے والی ہو۔ اسی سے الغریم کا لفظ ہے کیونکہ وہ اس کو لازم پکڑتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی احیائے لیل کی تعریف فرمائی کہ وہ سجدہ و قیام کی حالت میں رات گزار دیتے ہیں پھر ان کی دعا کا تذکرہ کیا تاکہ وہ باوجود اتنی محنت و کوشش جو رات کے سلسلہ میں انجام دیتے ہیں پھر بھی خوف زدہ اور رونے میں خوب گڑگڑانے والے ہیں کہ اے اللہ ہم سے جہنم کا عذاب پھیر دے۔

جہنم بدترین قرارگاہ:

۶۶: اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا (وہ دوزخ بری قرارگاہ اور برے قیام ہے۔)

نحو: ساءت کا حکم بئست ہے۔ اس میں ضمیر مبہم ہے جس کی تفسیر مستقراً کر رہا ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے۔ مطلب یہ ہے ساءت مستقرا و مقاما ھی ہے (وہ جہنم بہت بری قرارگاہ اور قیام گاہ ہے) اور ہی وہ ضمیر ہے جس نے جملہ کو ان کے اسم سے جوڑ دیا ہے اور اس کی خبر بنا یا ہے۔ یا نمبر ۲۔ ساءت بمعنی احزنت ہے اور اس میں ضمیر ہے جو ان کا اسم ہے اور مستقراً یہ حال یا تمیز ہے۔

قول آخر: اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں تعلیلیں ایک دوسری میں داخل یا معترض ہوں اور یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہو اور ان کے قول کی حکایت ہو۔

۶۷: وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا (اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہوئے اسراف سے کام نہیں لیتے) خرچ میں حدود سے تجاوز نہیں کرتے۔ نمبر ۲۔ وہ خوش عیشی کیلئے نہیں کھاتے اور خوبصورتی کیلئے نہیں پہنتے ہیں۔ قول ابن عباسؓ: وہ گناہوں پر خرچ نہیں کرتے

اسراف کی تعریف:

اسراف: حکم کے حدود سے تجاوز کو کہتے ہیں اور مقدار کے اندر تجاوز نہیں۔ ایک آدمی نے ایک دوسرے آدمی کو یہ کہتے سنا اسراف میں کوئی خیر نہیں تو اس نے کہا لا اسراف فی الخیر۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس نے کسی حق والے کا حق روکا اس نے بخل کیا اور جس نے کسی غیر مستحق کو دیا اس نے اسراف کیا۔

وَلَمْ يَقْتُرُوْا (اور وہ کنجوسی نہیں کرتے)

قراءت: کوفی نے ضمہ تاء کے ساتھ پڑھا ہے مدنی و شامی نے ضمہ یاء اور کسرہ تاء سے اور مکی و بصری نے فتح یاء اور کسرہ تاء سے پڑھا ہے۔ القتر اللاقتار اور تقتیر یہ تضییق کو کہا جاتا ہے جو کہ اسراف کی نقیض ہے۔ وَكَانَ (اور ہے) ان کا انفاق بَيْنَ ذٰلِكَ (ان کے درمیان) یعنی اسراف و اقتار کے مابین۔ قَوَامًا (اعتدال) ان کے دونوں کے درمیان معتدل۔ القوام۔ چیزوں کا درمیان۔ اور بین ذلك اور قواماً یہ دونوں خبریں ہیں۔ ان کی تعریف اس میانہ روی سے کی جو غلو و تقصیر کے مابین ہے اسی طرح کا حکم رسول اللہ ﷺ کو فرمایا گیا ولا تجعل یدك مغلولة الی عنقك [الاسراء: ۲۹]

قوام جو غلو و تقصیر کے مابین ہو:

نکتہ: عبدالملک بن مروان نے عمر بن عبدالعزیزؒ سے خرچ پوچھا جبکہ اپنی بیٹی کا ان سے نکاح کیا تو انہوں نے کہا الحسنة بین السیئتین تو عبدالملک سمجھ گیا جو عمر بن عبدالعزیزؒ کا اس آیت کے اشارے سے مقصود تھا۔ ایک قول یہ ہے وہ اصحاب محمد ﷺ تھے وہ کھانا خوش عیشی کیلئے نہ کھاتے اور نہ ہی لذت اندوزی کیلئے اور نہ کپڑے خوبصورتی اور زینت کیلئے پہنتے بلکہ بھوک دور کرنے اور ستر عورت کی غرض ہوتی اور گرمی و سردی کا دفاع مقصود ہوتا۔ قول عمر رضی اللہ عنہ: یہ اسراف ہے کہ جس چیز کی چاہت ہو وہی کھائی جائے۔

حق سے قتل پانچ قسم:

۶۸: وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود کو نہیں پکارتے) یعنی شرک نہیں کرتے۔ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ (اور اس جان کو قتل نہیں کرتے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے) اس کے قتل کو حرام کیا ہے۔ اِلَّا بِالْحَقِّ (مگر حق کے ساتھ) قصاص یا رجم یا نمبر۳۔ ارتداد یا نمبر۴۔ شرک یا نمبر۵۔ زمین میں فساد برپا کرنے کے باعث

نحو: یہ قتل محذوف سے متعلق ہے یا لا یقتلون سے وَلَا يَزْنُوْنَ (وہ زنا نہیں کرتے) اللہ تعالیٰ نے ان کبریٰ کی اپنے صالح بندوں سے نفی کی اس میں قریش پر تعریض ہے جن میں یہ رذائل پائے جاتے تھے۔ گویا اس طرح فرمایا وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں سے پاک کر دیا جن میں تم مبتلا ہو۔ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ (اور جو یہ مذکورہ کام کرتا ہے) يَلْقَ اَثَامًا (وہ گناہ کو پائے گا) یعنی گناہوں کی سزا پائے گا۔

۶۹: يُّضٰعَفْ (وہ دگنا کیا جائے گا) یہ یلق سے بدل ہے کیونکہ دونوں کا ایک معنی ہے۔ کیونکہ مضاعفہ عذاب وہی گناہوں کا ملنا ہے۔ جیسا کہ اس شعر میں ہے

متی تأتنا تلمم بنا فی دیارنا ☆ تجد حطبا جزلا ونارا تأججا

یہاں تلمم مجزوم ہے کیونکہ یہ تأتنا کے معنی میں ہے۔ کیونکہ آدمی اترنا اور تشریف رکھنا ہے۔

قراءت: مکی و یعقوب نے يُضَعَّفْ پڑھا ہے۔ اور شامی نے يُضَعَّفُ۔ اور ابوبکر نے يُضٰعَفُ پڑھا اور جملہ کو مستانف قرار دیا یا حال کی وجہ سے اس صورت میں يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ سے مراد ان کو آخرت میں مرو دائم پر عذاب پر عذاب دیا جائے گا۔ ایک قول یہ ہے جب مشرک شرک کے ساتھ اور معاصی بھی کرتا ہو تو اس کو شرک پر عذاب ہوگا اور معاصی پر بھی اور عذاب کا تضاعف گناہوں کے بڑھنے کی وجہ سے ہے۔ وَيَخْلُدْ فِيْهِ (اور وہ اس میں ہمیشہ رہے گا)

قراءت: جن قراء نے یضاعف کا جزم پڑھا انہی نے اس کا جزم پڑھا اور جنہوں نے رفع پڑھا انہوں نے اس کا بھی رفع پڑھا ہے کیونکہ وہ معطوف علیہ ہے فِيْهٖ (اس عذاب میں) قراءت: مکی حفص نے فیہی اشباع سے پڑھا۔ البتہ حفص نے اشباع کو اسی کلمہ سے خاص کیا تاکہ مبالغہ فی الوعید ہو اہل عرب مبالغہ کے لئے مد کرتے ہیں اس کے باوجود کہ ہاء کنایہ میں اصل اشباع ہے۔ مُهَانًا (ذلیل کیا ہوا)۔

نحو: یہ حال ہے۔

تائبین کی صفات:

۷۰: اِلَّا مَنْ تَابَ (مگر وہ شخص جس نے توبہ کی) یہاں شرک سے توبہ مراد ہے یہ جنس سے استثناء ہے اور مقام نصب میں واقع ہے وَاٰمَنَ (جو ایمان لایا) محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا (اور اس نے نیک عمل کیا) اپنی توبہ کرنے کے بعد فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ (ان لوگوں کی سیئات کو اللہ تعالیٰ حسنات سے بدل دیں گے) توبہ کے بعد محاسن کی توفیق دیں گے۔ نمبر۲۔ توبہ سے گناہوں کو مٹا دے گا۔ اور اس کی جگہ نیکیاں لکھ دے گا۔ الحسنات سے ایمان باللہ مراد ہے اس سے

وہاں حاضری اور نظارہ بھی رضامندی کی دلیل ہے۔ اور اس برائی میں اضافہ کا باعث ہے۔ مواعظ عیسیٰ خطا کاروں کی مجالس سے بچو! نمبر ۲۔ لا یشہدون الزور کا معنی جھوٹی شہادت نہیں دیتے گویا مضاف محذوف ہے۔

قول قتادہ ہے کہ اس سے مراد باطل مجالس ہیں۔

قول ابن حنفیہؒ کہ لہو ولعب میں وہ حاضر نہیں ہوتے وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ (اور جب وہ اچانک لغو مجالس کے پاس سے گزریں) لغو سے ہر فحش مراد ہے اور ہر ایسی چیز جو مناسب نہ ہو اور پھینکنے کے لائق ہو۔ مطلب یہ ہے جب ان کا گزر لغو والوں کے پاس سے ہوتا ہے اور لغو میں مشغول ہوتے ہیں تو مَرُّوْا كِرَامًا (تو وہ معزز انداز گزر جاتے ہیں) ان سے اعراض کرتے ہیں اور اس میں اپنے نفوس کو ملوث کرنے سے بچاتے ہیں جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا: واذا سمعوا اللغو اعرضوا عنہ [القصص: ۵۵]

قول باقرؒ جب وہ فروج کا ذکر کرتے ہیں تو کنایات سے کرتے ہیں۔

۷۳: وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ (اور وہ ایسے ہیں کہ جب ان کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کے ساتھ نصیحت کی جاتی ہے) یعنی ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے نمبر ۲۔ قرآن کے مواعظ بیان کیے جاتے ہیں۔ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا (تو ان احکام پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے) اس میں خرور کی نفی نہیں بلکہ اس کا اثبات ہے اور بہرے اور اندھے پن کی نفی ہے کہ پائی نفی مراد نہیں بلکہ مرور کی حالت کی نفی مقصود ہے جیسے کہتے ہیں لا یلقانی زید مسلما اس میں ملاقات کی نفی نہیں بلکہ سلام کی نفی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جب ان کو نصیحت کی جائے تو اندھوں بہروں جیسی ان کی حالت نہیں ہوتی بلکہ وہ سجدہ میں روتے ہوئے گر پڑتے ہیں اور یاد رکھنے والے کانوں سے سنتے اور نگران آنکھوں سے اوامر الٰہی پر نگاہ رکھتے ہیں نہ کہ منافقین اور ان جیسوں کی طرح۔ ورنہ کی دلیل اللہ کا قول ہے: وممن ھدینا واجتبینا اذا تتلی علیھم آیات الرحمان خروا سجدا وبکیا [مریم: ۵۸]

آنکھوں کی ٹھنڈک اولاد:

۷۴: وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا (اور وہ کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمیں تو ہماری اولاد اور ازواج میں سے) مِنْ بیانیہ ہے گویا اس طرح فرمایا ھب لنا قرۃ اعین۔ پھر (قرۃ) کو واضح کر کے اس کی تفسیر کر دی گئی۔ مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا اس کا مطلب یہ ہے ان کو اللہ تعالیٰ ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے۔ قُرَّةَ اَعْيُنٍ (آنکھوں کی ٹھنڈک) یہ اسی طرح ہے جیسے کہ اہل عرب میں کہتے ہیں۔ روایت منک اسدًا یعنی انت اسد تو شیر ہے۔

نمبر ۲۔ ابتدائیہ کیلئے ہے اس صورت میں معنی یہ ہے ہم کو ان کی طرف سے اس میں وہ ذات عنایت فرما جو ہماری آنکھوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بھلائی کی وجہ سے ٹھنڈا کرے۔

قراءت: ذُرِّيَّتِنَا ابو عمرو اور حفص کے علاوہ کوفیوں نے پڑھا ہے۔ اور مراد جنس لی گئی اور دیگر قراء نے ذریّاتنا قرۃ اعین۔ اعین کو نکرہ اس لئے لائے کیونکہ قرۃ نکرہ ہے کیونکہ مضاف کو نکرہ لانے کی ایک ہی شکل ہے مضاف الیہ کو نکرہ لایا جائے گویا اس طرح فرمایا: ھب لنا منھم سرورا ہمیں ان سے سرور عنایت فرما۔

یہاں عیون جمع قلت کا وزن لائے عیون نہیں لائے کیونکہ اس سے صرف متقین کی آنکھیں مراد ہیں اور یہ آنکھیں دوسروں کی

نسبت قلیل ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔ وقلیل من عبادی الشکور [سبا: ۱۳]

نمبر۲۔ اور یہ بھی درست ہے کہ اعین کو نکرہ لانے میں بھی یہی وجہ بیان کی جا سکتی ہے کہ اس سے مخصوص آنکھیں مراد ہیں۔ اور وہ متقین کی آنکھیں ہیں۔ مطلب یہ ہے انہوں نے بارگاہ الٰہی میں یہ سوال کیا کہ وہ ان کو بیویاں اور ایسے بیوی و کار جو اللہ تعالیٰ کی خاطر عمل کرنے والے ہوں اور اپنے مرتبہ اور تقرب سے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرنے والے ہوں۔

دین میں مقتدا:

ایک قول یہ ہے مؤمن کیلئے اس سے بڑھ کر کوئی چیز آنکھوں کو ٹھنڈا نہیں کر سکتی جبکہ وہ اپنی اولاد و ازواج کو اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار دیکھتا ہے۔ قول ابن عباسؓ: اس سے مراد بیٹا ہے جب اس کو دیکھے دین کی بھلائی باتیں لکھ رہا ہو۔ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا (اور ہمیں متقین کا مقتدا بنا) مقتدا ہوں کہ دین میں لوگ ہماری پیروی کریں۔ اماما کا لفظ واحد لائے اور مراد جنس لی گئی کیونکہ مراد میں کوئی شبہ و التباس نہیں۔ نمبر۲۔ تقدیر کلام اس طرح ہے واجعل کل واحد منا اماما ہم میں سے ہر ایک کو مقتدا بنا۔ ایک قول یہ ہے آیت دلالت کرتی ہے کہ ریاست دینیہ اور دینی طلب سے لینا ضروری ہے اور اس کی طرف رغبت رکھنا بھی ضروری ہے۔

صلۂ آخرت:

۷۵: أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ (ان لوگوں کو بدلے میں بالا خانے دیئے جائیں گے) غرفہ سے مراد غرفات ہے جنت کے بلند مقامات۔ واحد لا کر جنس کی طرف اشارہ کر دیا۔ اس کی دلیل یہ قول ہے وهم فی الغرفات امنون [سبا: ۳۷] بِمَا صَبَرُوا (صبر کے باعث و سبب) طاعات پر جمے رہنے اور شہوات سے باز رہنے اور کفار کی ایذاؤں اور تکلیفوں اور فقر وغیرہ پر صبر کرنے کی وجہ سے۔ وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا (اور ان کو ملے گا اس جنت میں)

قراءت یلقون حفص کے علاوہ کوئی قراء نے پڑھا۔

تَحِيَّةً (بقاء کی دعا) آبادی کی دعا وَسَلَامًا (اور سلام) سلامتی کی دعا یعنی فرشتے ان کو دعا دیں گے اور تحفہ سلام پیش کریں گے۔ نمبر۲۔ جنتی ایک دوسرے کو سلام کریں گے اور بقاء کی دعا دیں گے۔

۷۶: خَالِدِينَ فِيهَا (وہاں میں ہمیشہ رہیں گے) یہ حال ہے حَسُنَتْ (وہ بہت خوب ہے) وہ بالا خانہ بہت خوبصورت ہے۔ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا (قرارگاہ اقامت کی جگہ ہے) یہ ساءت مستقرا ومقاما کے مقابلہ میں ہے [الفرقان: ۶۶]۔

اگر تمہیں اسلام کی طرف دعوت دی جاتی نہ ہوتی:

۷۷: قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ (آپ کہہ دیں میرے رب کو تمہاری ذرہ بھر پرواہ نہیں اگر تم عبادت نہ کرو گے) اس میں استفہام کا معنی خود پایا گیا۔ اور یہ محل نصب میں ہے مطلب یہ ہے: ما یصنع لکم وبی میرے رب نے تمہیں کیا کرنا ہے اگر تمہارا اسلام کی دعوت دینا طے نہ ہو چکا ہوتا۔

نمبر۲: اگر تم اس کی عبادت نہ کرتے ہوتے یعنی اس نے اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا جیسا کہ فرمایا: وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون [الذاریات:۵۶] تمہارا اعتبار تمہارے رب کے ہاں تمہاری عبادت ہی کی وجہ سے ہے۔
نمبر۳: اللہ تعالیٰ نے تمہیں عذاب دے کر کیا کرنا ہے۔ اگر تم اس کے ساتھ دوسروں کو پکارنے والے نہ ہوتے یہ اس ارشاد کی طرح ہے۔ ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم [النساء:۱۴۷] فَقَدْ كَذَّبْتُمْ (پس تم نے اے اہل مکہ میری رسالت کو جھٹلا دیا)۔ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا (عنقریب لازم ہونے والا عذاب ہوگا)۔ نمبر۱: چمٹنے والا۔ نمبر۲: ذا لزوم یا ملازمًا لازم کے مصدر کو اسم فاعل کی جگہ لائے۔

قولِ ضحاک:

اس کو تمہارے بخش دینے کی کیا پرواہ ہے (اس کے خزانوں میں اس سے کچھ کمی نہیں آجاتی) اگر تم اس کے ساتھ دوسروں کو نہ پکارو۔

تمت ترجمة سورة الفرقان ليلة يوم الاثنين ۳ جنوری ۲۰۰۲ء الموافق ۲۰ شوال ۱۴۲۲ھ

سُورَةُ الشُّعَرَاءِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَتَانِ وَسَبْعٌ وَعِشْرُونَ آيَةً وَإِحْدَى عَشَرَ رُكُوعًا

سورۂ شعراء مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں دو سو ستائیس آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا

طسم۔ یہ کتاب مبین کی آیات ہیں۔ ایسا ہونے کو ہے کہ آپ اپنی جان کو اس وجہ سے ہلاک کر دیں کہ یہ لوگ ایمان

مُؤْمِنِيْنَ ③ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ

نہیں لاتے۔ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے ایک بڑی نشانی نازل کر دیں پھر ان کی گردنیں اس

لَهَا خٰضِعِيْنَ ④ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ

نشانی کی وجہ سے جھک جائیں۔ اور ان کے پاس رحمن کی طرف سے جو بھی کوئی نصیحت آتی ہے تو اس سے اعراض کرنے والے

مُعْرِضِيْنَ ⑤ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑥

بن جاتے ہیں۔ سو انہوں نے جھٹلا دیا سو آنے والی ہیں ان کے پاس اس چیز کی خبریں جس کے ساتھ وہ استہزاء کیا کرتے تھے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ⑦ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ

کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کتنی قسم کی اچھی اچھی چیزیں اگائی ہیں۔ بلاشبہ اس میں بڑی نشانی ہے۔

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ⑨

اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اور بلاشبہ آپ کا رب زبردست ہے رحمت والا ہے۔

طٰسٓمّٓ۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ۔

طسم۔ یہ کھلی کتاب کی آیات ہیں آپ اپنی جان کھو دیں گے اس وجہ سے کہ یہ ایمان نہیں لاتے۔ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے کوئی نشانی اتار دیں جس سے ان کی گردنیں جھک جائیں اور کوئی جدید نصیحت ان کے پاس رحمان کی طرف سے نہیں آتی مگر وہ اس سے روگردانی کرنے والے ہیں۔

(۱) طسم: قراءت: حمزہ، علی، خلف نے امالہ سے پڑھیں گے کوفیوں کے ہاں مگر عاصم، مدنی ادغام نہیں کرتے میم کے وقت نون کو

ظاہر کرتے ہیں: یہ جو معجزہ اور ان کے علاوہ وہ انعام کرتے ہیں۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ (یہ واضح کتاب کی آیات ہیں)۔ جس کا اعجاز ظاہر ہے اور جس کا من عند اللہ ہونا صحیح ہے کتاب سے مراد سورۃ ہے۔ یا نمبر ۲۔ قرآن مجید۔ مطلب یہ ہے کہ یہ مجموعی آیات کتاب مبین کی آیات کے حروف جس طرح شمار سے ہیں۔

ان کے ایمان لانے پر اپنے کو نہ گھلائیں:

۳: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ (شاید آپ اپنی جان کھو دیں گے) بخع کا معنی ہلاک کرنا ہے اور لعل شفقت کیلئے لایا گیا۔ نَّفْسَكَ (اپنی جان غم کی وجہ سے) یعنی آپ اپنے اوپر رحم کریں اس سے کہ اپنے کو اپنی قوم کے اسلام نہ لانے کی وجہ سے غم و حسرت میں ڈال کر ہلاک کریں۔ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (اس وجہ سے کہ وہ ایمان نہیں لاتے) نمبر ۲۔ ان کے ایمان سے باز رہنے کی وجہ سے۔ نمبر ۳۔ اس خطرے کے پیش نظر کہ وہ ایمان نہ لائیں گے۔

۴: اِنْ نَّشَاْ (اگر ہم ان کا ایمان چاہیں) نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً (ہم ان پر آسمان سے کوئی ایسی نشانی اتار دیں) واضح دلالت فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ (پھر ان کی گردنیں ہو جائیں گی)۔

نحو: یہاں ظلت ماضی بمعنی مضارع مستقبل ہے کیونکہ جزاء میں اگر ماضی آ بھی جائے وہ بھی مستقبل کے معنی میں ہے۔ جیسے کہتے ہیں ان زرتنی اکرمتک ای اکرمک کذا قالہ الزجاج۔

اعناقہم سے ان کے رؤساء اور پیش پیش لوگ مراد ہیں۔ نمبر ۲۔ ان کی جماعتیں جیسا کہ کہتے ہیں جاء عنق من الناس یعنی ان میں سے ایک جماعت آئی۔ لَهَا خٰضِعِيْنَ (جھکنے والی) مطیع۔

قول ابن عباس رضی اللہ عنہما: یہ ہمارے اور بنو امیہ کے متعلق اتری۔ عنقریب ہم کو ان پر برتری حاصل ہوگی۔ اور ان کی گردنیں بھی صعوبت کے بعد ذلیل ہو جائیں گی اور ان کو عزت کے بعد ذلت میسر ہوگی۔

ان کا اعراض بڑھ گیا عنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا:

۵: وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ (اللہ تعالیٰ ان کی طرف جو بھی وعظ و تذکیر کی باتیں اتارتے ہیں جس سے ان کا اعراض و نفرت بڑھ جاتا ہے)۔

۶: فَقَدْ كَذَّبُوْا (پس یقیناً انہوں نے تکذیب کی) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ان باتوں میں جو آپ ان کے پاس لے کر آئے۔ فَسَيَاْتِيْهِمْ (پس عنقریب ان کے پاس آ جائیں گی) عنقریب وہ جان لیں گے۔ اَنْۢبٰٓؤُا (خبریں) مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (اس چیز کا وہ مذاق اڑاتے تھے) اس سے مراد قرآن ہے۔ اس میں ان کے لئے وعید اور انذار ہے۔ عنقریب ان کو علم ہوگا جب ان کو اللہ تعالیٰ کا عذاب پہنچے گا۔ بدر کے دن اور قیامت کے دن کہ وہ کس چیز کا انکار کرتے تھے اور عنقریب ان کے سامنے وہ خبریں اور حالات آ جائیں گے جو ان پر مخفی تھے۔

وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ مُوسَىٰ أَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠﴾ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۚ أَلَا يَتَّقُونَ ﴿١١﴾

اور جب آپ کے رب نے موسیٰ کو پکارا کہ ظالم قوم یعنی قوم فرعون کے پاس چلے جاؤ کیا یہ لوگ ڈرتے نہیں ہیں؟

قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ ﴿١٢﴾ وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسِلْ

موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے رب میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں۔ اور میرا سینہ تنگ ہونے لگتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی لہٰذا

إِلَىٰ هَارُونَ ﴿١٣﴾ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنبٌ فَأَخَافُ أَن يَقْتُلُونِ ﴿١٤﴾ قَالَ كَلَّا ۖ فَاذْهَبَا بِآيَاتِنَا

ہارون کی طرف پیغام بھیج دیجئے۔ اور ان لوگوں کا میرے ذمہ ایک جرم ہے سو میں ڈرتا ہوں کہ مجھے قتل کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہرگز ایسا نہیں ہوگا سو تم دونوں ہماری آیات لے کر جاؤ

إِنَّا مَعَكُم مُّسْتَمِعُونَ ﴿١٥﴾ فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾ أَنْ أَرْسِلْ

بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں سننے والے ہیں۔ سو تم فرعون کے پاس جاؤ اور یوں کہو کہ بلاشبہ ہم رب العالمین کے پیغمبر ہیں۔ یہ کہ تو ہمارے ساتھ

مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿١٧﴾ قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ ﴿١٨﴾

بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ فرعون نے کہا کہ کیا ہم نے تجھے اپنے یہاں رہ کر اس وقت نہیں پالا جب تو نومولود تھا اور تو ہمارے اندر اپنی عمر کے برسہا برس رہا ہے

کمالِ قدرت:

۷: اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الْاَرْضِ کَمْ اَنْۢبَتْنَا (کیا انہوں نے زمین کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا کہ ہم نے کس قدر اگایا)

نحو: کم یہ انبتنا کی وجہ سے منصوب ہے۔

فِیْہَا مِنْ کُلِّ زَوْجٍ (اس میں ہر طرح کا سبزہ) زوج کا معنی اقسام نبات کَرِیْمٍ (شاندار) کثیر المنافع جس سے انسان و حیوان ہر دو مستفید ہوتے ہیں جیسا کہ کریم شخص کا نفع ہر ایک کیلئے عام ہوتا ہے۔

نکتہ: کثرت و احاطہ کے دونوں کلمات کو جمع کر دیا۔ کل کا لفظ نباتات کے افراد پر تفصیل سے بطور احاطہ دلالت کرتا ہے اور کم کثرت احاطہ کو بتلاتا ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال قدرت پر متنبہ کیا ہے۔

۸، ۹: اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً وَمَا کَانَ اَکْثَرُھُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (بلاشبہ اس میں نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے) یعنی ان اوصاف کے ثابت کرنے میں قدرت الٰہی کی نشانی ہے کہ ان کا اگانے والا مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ ان میں سے اکثریت کے دلوں پر مہر لگ چکی ہیں۔ ان سے ایمان کی کوئی امید نہیں ہے۔ وَاِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ الْعَزِیْزُ (اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کا رب غالب ہے۔) کفار سے انتقام میں الرَّحِیْمُ (مہربان ہے) ان کے لئے جو ان میں سے ایمان لائیں۔ آیۃ کا لفظ واحد لایا گیا حالانکہ ان کی کثرت کی خبر دی۔ کیونکہ ذلک سے انبتنا مصدر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ جنس پر دلالت کرتا ہے۔ نمبر۲۔ ان میں سے ہر نبات کے جوڑے میں کیا خوب نشانی ہے۔

۱۰: وَاِذْ نَادٰی (اور اس وقت کو یاد کرو جب پکارا)
نحو: اذ یہ اذکر فعل محذوف کا مفعول ہے ای واذکر اذ نادٰی (پکارا تھا)۔ رَبُّکَ مُوْسٰٓی اَنِ ائْتِ (تیرے رب نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کہ تم جاؤ)۔
نحو: یہاں ان ای کے معنی میں ہے۔ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (ظالم قوم کے پاس) اپنے نفسوں پر کفر کے سبب ظلم کرنے والے اور بنی اسرائیل پر غلام بنانے کی وجہ سے ظلم کرنے والے اور اسی طرح ان کے بچوں کا ظلم کے طور پر قتل کر کے ان پر غلامی کی دستاویز لکھ دی۔
۱۱: قَوْمَ فِرْعَوْنَ القوم الظالمین کا عطف بیان ہے گویا قوم ظالمین کا معنی اور ترجمہ ہی قوم فرعون ہے اور گویا دو عبارتیں یکے بعد دیگرے ایک ہی بات کو ادا کر رہی ہیں۔ اَلَا یَتَّقُوْنَ (کیا وہ ہمارے غضب سے نہیں ڈرتے) یعنی ان کے پاس [illegible] جائیں۔ ان کے ڈرنے کا وقت قریب آ چکا۔
نحو: الا کلمہ یہ برانگیختہ کرنے کیلئے ہے نمبر۱۔ یہ الظالمین کی ضمیر سے حال ہو یعنی وہ ظلم کرتے ہیں مگر اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کی سزا سے ذرا نہیں ڈرتے ہمزہ انکار کو حال پر داخل کر دیا گیا۔

خطرۂ تکذیب:

۱۲: قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَخَافُ (موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب مجھے اندیشہ ہے) خوف مستقبل میں پیش آنے والے معاملے پر غم۔ اَنْ یُّکَذِّبُوْنِ (کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے) ۱۳: وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ (اور میرا سینہ تنگ ہوگا) ان کے مجھے جھٹلانے کی وجہ سے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے نمبر۲۔ یا اخاف پر معطوف ہے۔ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ (اور میری زبان نہیں چلے گی) اس پر کہ ان کے غلط کام دیکھ کر غیرت مجھ پر غالب آئے گی۔ اور میں ان کا جھگڑا سنوں گا تو میری زبان نہ چلے گی۔ نمبر۱۔ ان دونوں کو یعقوب نے نصب سے پڑھا اور اس کا عطف یکذبون پر ہے۔ اس صورت میں خوف ان تینوں سے متعلق ہے۔ نمبر۲۔ اور اگر رفع مانیں تو اس صورت میں خوف تکذیب سے متعلق ہے۔ فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ (پس ہارون کے پاس (وحی) بھیج دے) یعنی جبرئیل علیہ السلام کو ان کی طرف بھیج کر ان کو پیغمبر بنا تاکہ پیغام رسالت میں وہ میری اعانت کریں۔ حضرت ہارون اس وقت مصر میں تھے جب موسیٰ علیہ السلام کو شام میں نبوت عنایت کی گئی۔ یہ التماس موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے تعمیل حکم میں ٹال مٹول نہ تھی۔ بلکہ اپنے ساتھ ملانے اور تبلیغ رسالت میں معاونت کی غرض سے التماس کی۔ معاملے کو چلانے کیلئے معین کا مطالبہ عذر سے شروع کیا اور معاون کی طلب قبولیت کی توقع کی وجہ سے ٹال مٹول نہ کی۔

دعویٰ گناہ کو گناہ کہا:

۱۴: وَلَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ (اور ان کا میرے اوپر ارتکاب گناہ کا دعویٰ ہے) قبطی کے مکے سے قتل ہو جانے کا۔ یہاں مضاف حذف کر دیا گیا۔ ای تبعۃ ذنب۔ نمبر۲۔ دعویٰ گناہ کو ذنب کہا جیسا کہ جزاء سیئہ کو سیئہ کہتے ہیں۔ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ (پس مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں) کہ وہ مجھے قصاصاً قتل کر دیں۔ یہ بھی بہانہ بازی نہیں بلکہ ایک متوقع مصیبت کو دفع کا مطالبہ ہے جس کے ہونے کا قوی اندیشہ ہے اور تبلیغ رسالت کے فریضہ کی ادائیگی سے قبل ہی قتل کر دیں یا اس اندیشے کا اظہار ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے:

حفاظت کا وعدہ فرمایا اور موسیٰ علیہ السلام کو کَلَّا جو کلمہ ردع ہے اس کے ذریعہ جواب دیکر دو توجیہیں ایک جگہ جمع فرما دیں۔ فرمایا

تسلی باری تعالیٰ:

۱۵: قَالَ كَلَّا فَاذْهَبَا (فرمایا ہرگز نہیں تم دونوں جاؤ) کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کی طرف سے پہنچنے والی مصیبت کا دفاع طلب کیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب اس طرح دیا کہ خوف گمان سے ہٹا دو۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے بھائی کیلئے رسالت طلب کی تو جواب ملا اذھبا یعنی میں نے اس کو تیرے ساتھ ہی رسول بنا دیا پس تم دونوں اداءِ فریضہ کیلئے جاؤ۔ فاذھبا کا عطف اس فعل پر ہے جس پر کلا دلالت کرتا ہے گویا اس طرح فرمایا اے موسیٰ تو اس قسم کے گمان سے باز رہو اور تم اور ہارون چل کر جاؤ۔ بِاٰيٰتِنَآ (ہماری آیات کے ساتھ) اور وہ ید بیضاء اور عصا وغیرہ ہیں۔ اِنَّا مَعَكُمْ (ہم معاونت و مدد سے تمہارے ساتھ ہیں)۔ اور جن کی طرف تم بھیجے گئے ہو علم و قدرت سے وہاں بھی موجود ہیں۔ مُّسْتَمِعُوْنَ نحو: یہ انّ کی خبر ہے اور معظم لنفسہٖ ہے۔ (ہم تمہاری باتیں سننے والے ہیں) نمبر۲۔ یہ دونوں انّ کی خبریں ہیں۔ یعنی سننے والے ہیں۔

استعمالِ استماع:

اس مقام کے علاوہ دوسری جگہ استماع تو صرف کان لگانے کیلئے آتا ہے کہا جاتا ہے استمع الی حدیثہ ای اصغی الیہ۔ مگر یہاں اس پر محمول کرنا درست نہیں۔ پس یہاں اس کا معنی سماع اخذ کیا جائے گا۔

گویا دونوں ایک رسول تھے:

۱۶: فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (پس تم دونوں فرعون کے پاس جا کر کہو ہم رب العالمین کے قاصد ہیں)

نکتہ: اس مقام پر رسول کا لفظ تثنیہ نہیں لائے جیسا کہ دوسرے مقام پر انا رسولا ربک ہے۔ کیونکہ الرسول بمعنی المرسل ہوتا ہے اور الرسالۃ کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس آیت میں تثنیہ لانے کے بغیر چارہ کار نہ تھا کیونکہ الرسول بمعنی المرسل تھا۔ اور موجودہ آیت میں بمعنی الرسالۃ ہے پس اس کی صفت واحد تثنیہ جمع تینوں طرح درست ہے۔ نمبر۲۔ کیونکہ یہ دونوں ایک شریعت پر متحد متفق تھے گویا دونوں ایک رسول تھے۔ نمبر۳۔ مراد یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک ہماری طرف سے ہے۔

۱۷: اَنْ اَرْسِلْ (کہ بھیج دو) یہ بمعنی اَیْ ہے۔ کیونکہ رسول کے لفظ میں ارسال کا معنی پہلے پایا جاتا ہے اور اس میں قول کا معنی ہے۔ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو) مراد یہ ہے کہ ان کو فلسطین جانے کیلئے آزاد چھوڑ دو۔ اور یہ فلسطین ان کا مسکن تھا۔ پس دونوں اس کے دروازہ پر گئے مگر ایک سال تک ان کو اندر آنے کی اجازت نہ ملی یہاں تک کہ ایک دربان نے کہا یہاں ایک انسان ایسا ہے کہ جو یہ خیال کرتا ہے کہ وہ رب العالمین کا رسول ہے۔ اس پر فرعون نے اندر آنے کی اجازت دی اور کہنے لگا اس کو اندر آنے دو۔ شاید اس سے ہنسی مذاق کر لیں۔ دونوں نے داخل ہو کر پیغامِ رسالت پہنچایا۔ اس وقت فرعون نے موسیٰ کو پہچان کر کہا۔

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٦﴾ قَالَ

فرعون نے اپنے ارد گرد والوں سے کہا کیا تم سنتے نہیں؟ موسیٰ نے کہا کہ تمہارا رب اور تمہارے اگلے باپ دادا کا رب ہے۔ فرعون نے کہا

اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْۤ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٢٧﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا

بے شک تمہارا رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور دیوانہ ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ وہ مشرق اور مغرب اور جو کچھ

بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢٨﴾ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ

ان کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ فرعون نے کہا اگر تو نے میرے سوا کوئی معبود ٹھہرایا تو میں ضرور تجھے قیدیوں میں

الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿٢٩﴾ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٠﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ

شامل کر دوں گا۔ موسیٰ نے کہا اگرچہ میں تیرے پاس کوئی واضح دلیل پیش کر دوں؟ فرعون نے کہا اگر تو سچوں میں سے ہے

الصّٰدِقِيْنَ ﴿٣١﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿٣٢﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ

تو اس کو پیش کر۔ پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ یکایک واضح اژدہا بن گیا۔ اور اپنا ہاتھ نکالا تو وہ اچانک دیکھنے والوں کے سامنے سفید تھا

لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿٣٣﴾

جواب موسیٰ علیہ السلام:

۲۴: قَالَ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو سوال کے موافق جواب دیتے ہوئے فرمایا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا (وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان سب کا رب ہے) یعنی دونوں جنسوں کے جو کچھ درمیان میں ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ (اگر تم یقین کرنے والے ہو) یعنی اگر تم دلائل سے اشیاء کو پہچانتے تو ان اشیاء کی تخلیق بطور دلیل کافی ہے۔ نمبر ۲: اگر تم سے اس یقین کی امید ہے جس تک صحیح سوچ و فکر پہنچاتی ہے تو یہ جواب تمہارے حق میں نفع بخش ہوگا۔ ورنہ کارآمد نہ ہوگا۔ الایقان سے مراد استدلال سے حاصل ہونے والا علم ہے اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ کہنا درست نہیں۔ اللہ موقن۔

۲۵: قَالَ (فرعون نے کہا) لِمَنْ حَوْلَهٗۤ (ان کو جو اس کے ارد گرد تھے) یعنی اس کی قوم کے سردار جن کی تعداد پانچ سو تھی جو کنگن پہنے ہوئے تھے یہ بادشاہوں کیلئے خاص تھی۔ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ (کیا تم سن رہے ہو!) اپنی قوم کو موسیٰ علیہ السلام کے جواب پر تعجب میں ڈالنا چاہ رہا تھا۔ کیونکہ وہ لوگ آسمان و زمین کے قدیم ہونے کے قائل تھے اور ان کے متعلق کسی رب کے قائل نہ تھے اسی لئے موسیٰ علیہ السلام کو ضرورت پڑی کہ ان کے سامنے ایسا استدلال پیش کریں جس سے آسمان و زمین کا حدوث و فناء ان کو مشاہداتی

صورت معلوم ہوجانے کے بعد استدلال کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

۲۶: قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ (موسیٰ علیہ السلام نے کہا وہ تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا رب ہے) یعنی وہ تمہارا بھی خالق اور تمہارے آباء کا بھی خالق ہے اگرچہ دوسروں سے دلیل اخذ نہیں کرتے تو اپنے اپنے نفوس سے استدلال پکڑو۔

فائدہ: موسیٰ علیہ السلام نے رب ابائکم فرمایا کیونکہ فرعون اپنے اہل عصر پر ربوبیت کا دعوے دار تھا جبکہ پہلوں کے متعلق ربوبیت کا مدعی نہ تھا۔

فرعون کا شیٹانا:

۲۷: قَالَ (فرعون نے کہا) اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْۤ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ (تمہاری طرف جو رسول بھیجا گیا ہے وہ بلاشبہ مجنون ہے) اس لئے کہ اس کا خیال یہ ہے میرے سوا اور بھی کوئی معبود موجود ہے۔ فرعون اپنے سوا کسی دوسرے کی ربوبیت کا منکر تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کی ایک اور دلیل:

۲۸: قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَیْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ (موسیٰ نے کہا وہی مشرق و مغرب کا رب ہے اور ان کے درمیان جو کائنات ہے اس کا رب ہے اگر تم عقل رکھتے ہو) تو تم میرے قول سے استدلال کر کے اپنے رب کو پہچان لوگے۔ اور یہ بعض مقصودی ارشاد ہے۔ نمبر ۲۔ پھر اس عام سے ان کے اور ان کے آباء اجداد کے نفوس کو وضاحت کیلئے خاص کیا کیونکہ دیکھنے کو اپنا نفس سب سے قریب تر ہوتا ہے۔ اور وہ بھی جس سے وہ پیدا ہوا۔ اور وہ مشاہدات بھی قریب تر ہوتے جو ولادت سے وفات تک دیکھتا ہے۔ نمبر ۳۔ پھر آپ نے مشرق و مغرب کی تفصیل فرمائی کیونکہ طلوع شمس ایک جانب ہو کر غروب آسمان کے دوسری جانب ہوتا ہے اور سال کے موسم میں ایک لطیف انداز سے اور ٹھیک حساب سے ہوتا ہے اس لئے یہ ظاہر ترین استدلال ہے اسی ظہور کی بناء پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے احیاء و اماتت سے نمرود لعین کے سامنے اسی دلیل کی طرف رجوع فرمایا۔

ایک قول یہ ہے کہ فرعون نے اپنے سوال کی حقیقت کیلئے مجنون سے سوال کر دیا مگر جب موسیٰ علیہ السلام نے اس کا حقیقی جواب دیا تو اس کے دماغ میں یہ بات پیدا ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام تو جواب سے رکنے والے ہیں اس لئے کہ میں نے سوال ماہیت کا کیا اور وہ جواب ربوبیت اور آثار صنعت سے دے رہے ہیں۔ اسی لئے اس نے موسیٰ علیہ السلام کے جواب سے ان کو تعجب میں ڈالنے کیلئے کہا۔ الا تستمعون؟ پس موسیٰ علیہ السلام نے پہلے قول جیسا قول کیا۔ اس پر فرعون نے ان کو مجنون قرار دے دیا یہ سمجھ کر کہ موسیٰ اس کے جواب سے رخ موڑنے والے ہیں۔

پھر موسیٰ علیہ السلام نے تیسری بار پہلی کلام جیسا کلام دہرا کر واضح کر دیا کہ فرد حقیقی کی معرفت و پہچان صفات سے ہی ہوتی ہے اور ماہیت کا سوال ناممکن ہے اور اس ارشاد میں اسی طرح اشارہ ہے ان کنتم تعقلون یعنی اگر تم میں عقل ہوتی تو تم جان لیتے کہ اس کی معرفت کا راستہ یہی ہے جب فرعون حیرت زدہ ہوا تو اسے آثار صنعت باری تعالیٰ کے آثار کو رد کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

فرعون کی دھمکی:

۲۹: قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِیْ (اگر تو نے میرے سوا اور کسی کو معبود مانا) لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ (تو میں تجھے قید کر دوں گا) یعنی میں تمہیں بھی ان لوگوں میں سے ایک بنا دوں گا جن کا حال تم میری جیلوں میں جانتے ہو اس کی عادت یہ تھی کہ جس کے متعلق چاہتا پکڑ کر جیل ڈلوا دیتا۔ وہ جیلیں زمین میں دور تک لمبی لمبی سرنگیں تھیں جو خوب گہری ہوتی تھیں۔ ان میں جانے والا نہ کچھ دیکھ سکتا اور نہ سن سکتا تھا اور یہ صورت حال قتل سے کہیں بڑھ کر تھی۔ اور اگر لاسجننک ہوتا تو یہ معانی ادا نہ ہو سکتے جو لاجعلنک من المسجونین سے ادا ہو رہے ہیں۔ اگرچہ وہ مختصر ہے۔

۳۰: قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ (موسیٰ نے کہا کیا تو مجھے (ایسی حالت میں بھی قید کرے گا) اگر میں تیرے پاس لے آؤں)۔

نحو: اس میں واؤ حالیہ ہے اور اس پر ہمزہ استفہام انکاری کا داخل کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کیا تو مجھے قید خانے میں اس حال میں بھی ڈال دیگا۔ اگرچہ میں تیرے پاس لے آؤں۔ بِشَیْءٍ مُّبِيْنٍ (کوئی ایسی واضح چیز) یعنی معجزہ لے آؤں۔

۳۱: قَالَ فَاْتِ بِهٖ (اس نے کہا تو اس کو پیش کر) جو تیری سچائی کو واضح کرے اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (اگر تو سچا ہے) تیرے پاس دلیل ہے۔ نحو: جواب شرط مقدر ہے۔ جو کہ (فاحضرہ) ہے یعنی تو اس کو حاضر کر دے۔

ظہور معجزہ:

۳۲: فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ (پس موسیٰ نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی تو وہ یکدم کھلا اژدھا بن گئی) جس کا اژدھا ہونا ظاہر تھا۔ وہ کوئی ایسی چیز نہ تھی جو اژدھا کے مشابہ ہو جیسا کہ سحر و شعبدہ بازی سے اشیاء ہو کرتی ہیں۔ تفسیری روایت میں ہے کہ اس کی بلندی آسمان میں ایک میل تھی پھر وہ نیچے اتر کر فرعون کی طرف متوجہ ہوا فرعون کہنے لگا اے موسیٰ تم جو چاہو مجھے حکم دو۔ اے موسیٰ میں تمہیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں کہ اس کو پکڑو۔ موسیٰ علیہ السلام نے پکڑا تو وہ عصا بن گیا۔

۳۳: وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ (اور موسیٰ نے اپنا ہاتھ کھینچا تو وہ دیکھنے والوں کی نگاہ میں ضیاء پاش تھا دیکھنے والوں کیلئے) اس میں دلیل ہے کہ اس کی سفیدی ایسی تھی کہ اس کی طرف نگاہیں دیکھنے سے جم جاتیں کیونکہ وہ خلاف عادت تھا اور اس کی سفیدی نورانیت کی وجہ سے تھی۔

روایت تفسیر یہ میں ہے کہ جب فرعون نے پہلی نشانی دیکھی تو کہنے لگا کیا اور کوئی نشانی بھی ہے؟ اس پر آپ نے اپنا دست اقدس نکالا اور فرعون کو کہا یہ کیا ہے اس نے کہا یہ تمہارا ہاتھ ہے پھر آپ نے اس کو اپنی بغل کے نیچے دبا کر نکالا تو اس میں ایسی شعاعیں نکل رہی تھیں جس سے آنکھیں چندھیا نے لگیں اور افق کو روشنی نے بھر دیا۔

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿٣٤﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ

فرعون نے اپنے ارد گرد سرداروں سے کہا کہ بلاشبہ یہ بڑا ماہر جادوگر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے ذریعہ تم کو تمہاری سرزمین سے نکال دے

فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿٣٥﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَاۗىِٕنِ حٰشِرِيْنَ ﴿٣٦﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ

سو تم کیا مشورہ دیتے ہو؟ وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ اس کو اور اس کے بھائی کو مہلت دیجئے اور شہروں میں جمع کرنے والوں کو بھیج دیجئے جو آپ کے پاس تمام

سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿٣٧﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٣٨﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ

بڑے ماہر جادوگروں کو لے آئیں سو ایک مقررہ دن کے خاص وقت پر جادوگر جمع کر لیے گئے اور لوگوں سے کہا گیا کیا تم جمع

مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿٣٩﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿٤٠﴾ فَلَمَّا جَاۗءَ

ہونے والے ہو؟ شاید ہم جادوگروں کی راہ کو قبول کر لیں اگر وہ غالب ہو جائیں گے۔ جب جادوگر

السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَىِٕنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿٤١﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ

آئے تو انہوں نے فرعون سے کہا کیا اگر ہم غالب ہو گئے تو کیا یقینی طور پر ہمیں کوئی بڑا انعام ملے گا؟ فرعون نے کہا ہاں اور اس میں شک نہیں کہ

اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٤٢﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿٤٣﴾

اس صورت میں تم مقرب لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے۔ موسیٰ نے کہا کہ تم ڈالو جو کچھ تم ڈالنے والے ہو۔

فرعون کی سیاسی چال:

۳۴: قَالَ (فرعون کہنے لگا) لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ (اپنے دربار کے سرداروں کو)

نحو: اس پر دو نصب ہیں لفظوں میں منصوب ہے اور اس کا عامل ظرف میں مقدر فعل ہے اور محلًا منصوب ہے کیونکہ یہ الملاء سے حال ہے۔ ای کائنین حولہ اور اس کا عامل قال ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ (بیشک یہ بڑا ماہر جادوگر ہے) یہ جادو کو جاننے والا ہے پھر اپنی قوم کو موسیٰ علیہ السلام کے خلاف برانگیختہ کیا۔ یہ کہتے ہوئے۔

۳۵: يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ فَمَاذَا (وہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے نکال باہر کرے) یہ منصوب ہے کیونکہ یہ مفعول بہ ہے یہ اس قول کی طرح ہے امرتك الخير۔ تَاْمُرُوْنَ (تم مجھے حکم دیتے ہو) اس کے متعلق کیا مشورہ دیتے ہو قید کر دوں یا نمبر۲۔ قول تامرون یہ الموامرۃ سے لیا گیا ہے جس کا معنی مشورہ ہے یا نمبر۳۔ ایسا حکم جو نہی کی ضد ہو۔ جب فرعون دونوں نشانیاں دیکھ کر حیران ہو گیا۔ اور اپنی الوہیت کا تذکرہ بھی بھول گیا اور اپنے کندھوں سے ربوبیت

کی جادوگری اور اس کے تقدم پر چکی طاری تھی اور ساتھیوں سے مشورے کرنے لگا گویا ان کو حاکم مان لیا حالانکہ اس کے خیال باطل میں وہ اس کے بندے اور غلام تھے اب گویا کہ ان کو آمر اور اپنی ذات کو ان کا محکوم مان لیا۔

سرداروں کا فتویٰ:

۳۶: قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ (انہوں نے کہا اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دے دو) ان کے ہر معاملے کو ملتوی کر دو۔ اور قتل کے خطرہ کی وجہ سے ان کے قتل پر براہ راست مت کرو۔ وَابْعَثْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ (اور شہروں میں جمع کرنے والے مقرر کرو) پولیس کے اہلکار جو جادوگروں کو جمع کر لائیں انہوں نے فرعون کے قول ان هذا لساحر عليم کا اس قول سے معارضہ کیا۔

۳۷: یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِیْمٍ (وہ تیرے پاس بڑے بڑے پڑھے لکھے جادوگروں کو لے آئیں گے) کل کا لفظ اور سحار مبالغہ کا صیغہ استعمال کیا تاکہ فرعون کے اضطراب میں کچھ کمی واقع ہو۔

۳۸: فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (چنانچہ جادوگروں کو مقررہ تاریخ کو معین وقت پر جمع کیا گیا) یوم معلوم یعنی یوم زینت اور میقات سے چاشت کا وقت کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے یہی وقت ان سے مقرر فرمایا تھا جیسا کہ اس ارشاد میں ہے موعدكم يوم الزينة وان يحشر الناس ضحى (طہٰ:۵۹) میقات جس کو مقرر کر دیں اور جس زمانہ وعدہ بندی کر دی جائے یا جو جگہ طے کی جائے اور اسی سے مواقیت الاحرام ہیں۔

۳۹: وَّقِیْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ (اور لوگوں کو کہا گیا کہ تم بھی جمع ہو جاؤ گے) یعنی تم جمع ہو جاؤ ان کے اجتماع کے سلسلہ میں ان سے سستی کا گمان ہے اور مراد اس سے ان کا جلد جمع کرنا ہے۔

۴۰: لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ (تاکہ ہم جادوگروں کی راہ پر چلیں) ان کے دین کے سلسلہ میں اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ (اگر وہ غلبہ پانے والے ہوں) موسیٰ کو اس کے دین کے سلسلہ میں مغلوب کر دیں اس سے ان کی غرض ساحروں کی اتباع نہیں بلکہ اصل غرض یہ ہے کہ وہ موسیٰ کی اتباع نہ کریں انہوں نے کنایہ کے انداز میں بات کی کہ جب وہ جادوگروں کے پیچھے لگے تو کم از کم موسیٰ کی پیروی تو نہ کریں گے۔

جادوگر کے مقابلے میں:

۴۱: فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِیْنَ (پس جب جادوگر آگئے تو انہوں نے فرعون سے کہا اگر ہم غالب آگئے تو کیا ہم کو کچھ اس کا بدلہ یقینی طور پر ملے گا)

۴۲: قَالَ نَعَمْ (فرعون نے کہا ہاں!)

قراءت: علی نے نَعِمْ پڑھا ہے اور یہ دونوں لغات ہیں۔

وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ (اور بلاشبہ تم اس وقت شاہی مقرب بن جاؤ گے) یعنی فرعون نے کہا ہاں! تمہارے لئے میرے ہاں اجر ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ تم شاہی مقربین میں شامل ہو جاؤ گے میرے ہاں تمہارا مرتبہ و مقام ہوگا تم میرے درمیان میں سب سے پہلے داخل ہونے والوں میں اور سب سے آخر میں نکلنے والوں میں سے ہو گے۔ جب کہ وہ جادوگروں کا

فَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ﴿٤٤﴾ فَأَلْقَىٰ مُوسَىٰ

سو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں اور فرعون کی عزت کی قسم کھا کر کہنے لگے کہ بلاشبہ ہم ہی غالب ہوں گے۔ سو موسیٰ نے اپنا عصا

عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿٤٥﴾ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ ﴿٤٦﴾ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ

ڈالا۔ سو اچانک وہ ان چیزوں کو نگلنے لگا جو انہوں نے بنا رکھی تھیں۔ پھر جادوگر سجدے میں ڈال دیئے گئے۔ کہنے لگے ہم رب العالمین پر

الْعَالَمِينَ ﴿٤٧﴾ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿٤٨﴾ قَالَ آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ

ایمان لائے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ فرعون نے کہا کہ تم اس پر اس سے پہلے ایمان لے آئے کہ میں تمہیں اجازت دوں، بلاشبہ یہ تمہارا بڑا ہے

الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۚ لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ

جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ سو یہ ضروری بات ہے کہ تم عنقریب جان لو گے۔ میں ضرور ضرور تمہارے ہاتھوں کو اور پاؤں کو مخالف جانب سے

خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٩﴾ قَالُوا لَا ضَيْرَ ۖ إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنقَلِبُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّا

کاٹ ڈالوں گا اور ضرور ضرور تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ کوئی حرج نہیں، بلاشبہ ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ہم

نَطْمَعُ أَن يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطَايَانَا أَن كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥١﴾

امید کرتے ہیں کہ ہمارا رب ہماری خطاؤں کو اس وجہ سے بخش دے گا کہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔

قول: اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا جزاء شرط کے معنی میں ہوا جیسا کہ اس پر دلالت موجود ہے تو فرعون کا قول وانکم اذا لمن المقربین اسی پر معطوف ہے اور اذا کو جواب جزاء کے تقاضے کے مطابق اس کے قائم مقام لایا گیا ہے۔

۴۳: قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنتُم مُّلْقُونَ (موسیٰ علیہ السلام نے ان کو کہا تم ڈالو جو تم نے ڈالنا ہے) جادو میں سے پس عنقریب تمہیں اس کا انجام نظر آ جائے گا۔

سحر کے اثرات:

۴۴: فَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ (پس انہوں نے اپنی رسیاں ڈالیں) جو کہ حبل کی جمع تھیں۔ وَعِصِيَّهُمْ (اور اپنی لاٹھیاں) جو کہ عصا کی جمع تھیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ بہت بڑا سحر تھیں۔ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ (اور کہنے لگے فرعون کی عزت کی قسم بیشک ہم ہی غالب رہیں گے) انہوں نے فرعون کی عزت و قوت کی قسم کھائی۔ یہ جاہلیت کا ایمان یعنی قسم تھا۔ یا قسم ہے یا بطور تبرک فرعون کی عزت کا ذکر کیا۔

اژدھا سب کچھ نگل گیا:

۴۵: فَأَلْقَىٰ مُوسَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ (پھر موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی تو وہ اسی وقت نگلنے لگی) تلقف کا معنی نگلنا ہے۔ مَا يَأْفِكُونَ (جو چیزیں انہوں نے شعبدہ گری سے بنائیں) یعنی جن چیزوں کو وہ اپنے سحر کے بل بوتے پر ان کی حقیقت و ظاہر سے پھیرتے تھے اور جھوٹی شعبدہ بازی کرتے تھے وہ اپنا لاٹھیوں اور رسیوں کے متعلق تخیل پیدا کرتے کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔

۴۶: فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ (جادوگر سجدہ میں ڈال دیے گئے) یہاں گرنے کو ڈالنے سے بطور مشاکلت تعبیر کیا گیا کیونکہ یہاں اس کو القاءات کے ساتھ ذکر کیا گیا تھا۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ سجدہ میں تیزی کی وجہ سے اس طرح ہو گئے گویا کہ ان کو سجدہ میں ڈال دیا گیا ہو۔

۴۷: قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ (وہ کہنے لگے ہم رب العالمین پر ایمان لائے) قول عکرمہ رضی اللہ عنہ: صبح سویرے جادوگر تھے شام پڑنے سے پہلے ایمان والے شہداء بن گئے۔

۴۸: رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ (جو موسیٰ و ہارون کا رب ہے) یہ رب العالمین کا عطف بیان ہے کیونکہ فرعون اپنے متعلق ربوبیت کا دم بھرتا تھا پس انہوں نے اس کو اس سے ایک طرف کر دیا۔

ایک قول یہ ہے فرعون نے جب ان سے سنا امنا برب العالمین تو کہنے لگا تم نے مجھے ہی مراد لیا ہے؟ انہوں نے جواباً کہا: رب موسیٰ و ھارون۔

فرعون کی دھمکی اور ساحروں کا مومنانہ جواب:

۴۹: قَالَ آمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ (فرعون نے کہا میری اجازت کے بغیر تم ایمان لے آئے ہو) اس پر إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ (حقیقت میں وہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا) تم نے ایک سازش پر موافقت کر لی ہے۔ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ (تم عنقریب جان لو گے) اس فعل کی سزا جو تم نے کیا ہے پھر اس نے تصریح کرتے ہوئے کہا۔ لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِنْ خِلَافٍ (میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف سے پاؤں کٹوا دوں گا) اس مخالفت کی وجہ سے جو تم سے ظاہر ہوئی ہے۔ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ (اور تم تمام کو میں سولی پر لٹکا دوں گا) اس سے اس کا مقصود عام لوگوں کو ڈرانا تھا کہ ایمان لانے میں وہ ان کی اتباع نہ کرنے لگیں۔

۵۰: قَالُوا لَا ضَيْرَ (انہوں نے کہا کوئی ضرر نہیں) اس میں ضیر ضرر کے معنی میں ہے۔ اور لا کی خبر محذوف ہے یعنی لاضیر ہم پر کوئی ضرر نہیں۔ إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ (بیشک ہم تو اپنے رب کی طرف ضرور لوٹ کر جانے والے ہیں)۔

۵۱: إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطَايَانَا أَنْ كُنَّا (ہم کو تو یہی خواہش ہے کہ ہمارا رب ہماری خطاؤں کو معاف کر دے اس وجہ سے کہ ہم) اس لئے کہ ہم أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ (سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں) اہل شہادت میں سے (جو اس میلہ میں موجود ہیں) نمبر۲۔ فرعون کی رعایا سے۔ نمبر۳۔ اہل مصر قبطیوں میں سے۔ ان کا مقصد یہ تھا۔ اس سلسلے میں ہم پر کوئی نقصان نہیں بلکہ ہمیں تو بہت نفع

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِى الْمَدَآئِنِ

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو ساتھ لے کر راتوں رات نکل جاؤ بے شک تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ پھر فرعون نے شہروں میں

حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ

جمع کرنے والے بھیجے۔ بلاشبہ یہ تھوڑی سی جماعت ہے۔ اور انہوں نے ہمیں غصہ دلایا ہے۔ اور ہم سب

حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ۭ

خطرہ رکھنے والے ہیں۔ سو ہم نے ان کو باغوں اور چشموں سے اور خزانوں سے اور عمدہ جگہوں سے نکال دیا۔ یہ بات اسی طرح ہے۔

وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان کا وارث بنا دیا۔ سو انہوں نے سورج نکلنے کے وقت ان کا پیچھا کیا۔ پھر جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو موسیٰ کے

اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾ فَاَوْحَيْنَآ

ساتھیوں نے کہا کہ بے شک ہم پکڑ لئے گئے۔ موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں، بلاشبہ میرے ساتھ میرا رب ہے وہ مجھے راہ بتا دے گا۔ سو ہم نے

اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۭ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾

موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی سمندر پر مارو، سو وہ پھٹ گیا اور ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا۔

فائدہ: جو اللہ تعالیٰ کی خاطر اس دین پر ثابت قدم رہنے کی بنا پر ہمیں پہنچے گی، نمبر۲۔ ہمیں اس کا کچھ نقصان نہیں جس سے تو ہمیں دھمکیاں دے رہا ہے۔ کیونکہ لازماً ہم نے اپنے رب کی بارگاہ میں اسباب موت میں سے کسی نہ کسی سبب کے ساتھ پہنچ جانا ہے اور قتل تو ان کے اسباب میں آسان اور زیادہ ترجیح ہے۔ نمبر۳۔ تیرا ہمیں قتل کر دینا ہمیں کوئی نقصان نہیں۔ اگر تو قتل کرے گا تو ہم اپنے رب کی بارگاہ میں اس شخص کی طرح پلٹ کر جائیں گے جو اس کے ہاں بخشش کی طمع رکھتا ہو اور اس کی رحمت کا امیدوار ہو اس لئے کہ ہمیں سبقت ایمان میسر آ گئی۔

بنی اسرائیل کو رات نکلنے کا حکم:

۵۲: وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ (اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو رات کو نکال کر لے جا)

قراءت: حجازی نے ہمزہ وصل سے پڑھا ہے اَنِ اسْرِ۔

بِعِبَادِیْ (میرے بندوں کو) مراد بنی اسرائیل۔ ان کو اپنے بندے ہونے کی نسبت سے اعزاز اس لئے کہ وہ خدا کے رسول پر ایمان لائے تھے۔ اسریٰ کا معنی ان کو رات کو لے کر جاؤ۔ یہ حکم جادوگروں کے ایمان لانے کے عرصہ بعد ہوا۔ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ (تمہارا

پیچھا کیا جائے گا) فرعون اور اس کی قوم تمہارا پیچھا کریں گے رات کو چلنے کے حکم کی علت فرعون اور اس کے لشکر کے تعاقب کو قرار دیا مطلب یہ ہے کہ میں نے تمہارے اور ان کے معاملے کی تدبیر اس طرح بنائی ہے کہ تم آگے چلو گے اور یہ تمہارے تعاقب میں پیچھے آئیں گے اور سمندر کی جس راہ میں تم داخل ہو گے اسی میں وہ داخل ہوں گے تو میں ان کو ہلاک کر دوں گا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس رات ان کے ہر گھر میں ایک ایک بیٹا مر گیا وہ ان اموات کے معاملہ میں مشغول ہو گئے ادھر موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر نکل گئے۔ روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے ہر چار گھروں کو ایک گھر میں جمع کرو پھر بکرے ذبح کر کے ان کے خون اپنے دروازوں پر لگا دو۔ میں فرشتوں کو حکم دوں گا کہ اس دروازے میں داخل نہ ہوں جس پر خون کا نشان لگا ہوا اور انہی فرشتوں سے قبطیوں کے بیٹوں کو قتل کروا دوں گا اور اپنے لئے جلدی سے تازی روٹی تیار کر کے ان کو راتوں رات لے چلو یہاں تک کہ سمندر تک پہنچو پھر اس کے متعلق میرا حکم اسی وقت اترے گا۔

فرعون کا شدید غم و غصہ:

۵۳: فَأَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ (فرعون نے شہروں میں جمع کرنے والے بھیج دیے) تاکہ وہ لوگوں کو زبردستی اکٹھا کر دیں جب لوگ جمع ہو گئے تو فرعون کہنے لگا۔

۵۴: إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ (یقیناً یہ تھوڑے سے آدمی ہیں) الشرذمۃ چھوٹی جماعت۔ ان کو اسی نام سے ذکر کیا جو قلت کو ظاہر کرتا ہے پھر اس کی صفت قلیلون لائے اور اس کو جمع قلت لائے گویا اس کے ہر گروہ کو بہت کم تعداد میں ظاہر کرنا مقصود ہے۔ نمبر۲۔ قلت سے مراد ذلت ہے تعداد کی قلت مراد نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ذلیل ہیں اس لئے ان کے غلبہ کی کوئی توقع ہی نہیں ہے اس نے قوم موسیٰ علیہ السلام کو قلیل قرار دیا حالانکہ ان کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تھی کیونکہ فرعونیوں کی تعداد ان کے مقابلہ میں بہت زیادہ تھی ان کی تعداد بقول ضحاک سات کروڑ تھی۔

۵۵: وَإِنَّهُمْ لَنَا لَغَائِظُونَ (بلاشبہ وہ ہم کو غصہ دلا رہے ہیں) یعنی وہ ایسے افعال کر رہے ہیں جو غصہ دلانے والے ہیں اور ان کی وجہ سے ہمارے سینوں میں تنگی پیدا ہوئی ہے وہ ان کا ہمارے مصر سے خروج اور ہمارے زیورات کو اٹھا کر لے جانا اور ہمارے پہلوٹھے بیٹوں کا قتل ہے۔

۵۶: وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَاذِرُونَ (اور بیشک ہم سب ایک مسلح جماعت ہیں)۔

قراءت: شامی و کوفی نے اسی طرح پڑھا اور دوسروں نے حذرون پڑھا ہے۔

الحذر کا معنی الحاذر احتیاط میں تجدید کرنے والا۔

ایک قول یہ ہے ہتھیار میں مسلح وہ اپنی ذاتی حفاظت کیلئے بطور احتیاط ایسا کرتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ہم بیدار مغز اور محتاط لوگ ہیں یہ چیز ہماری عادت بن چکی ہے کہ ہم حوادث کو دور اندیشی سے دیکھتے ہیں جب کوئی ہمارے خلاف خروج کرتا ہے تو جلدی سے ہم اس کا فساد مٹا دیتے ہیں یہ اعذار ہیں جو فرعون نے شہر والوں کو پیش کیا تاکہ وہ عاجزی اور کمزوری کا گمان نہ کریں۔

۵۷: فَأَخْرَجْنَاهُمْ مِنْ جَنَّاتٍ (اور ہم نے ان کو باغات سے نکال دیا) وَعُيُونٍ (اور چشموں سے) جاری نہروں سے

۵۸: وَّ كُنُوْزٍ (اور خزانوں سے) اموال ظاہرہ جو سونے اور چاندی کی جنس سے تھے ان کو کنوز کہا کیونکہ ان کو وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صرف نہ کرتے تھے۔ وَّ مَقَامٍ (اور مکان) كَرِيْمٍ (پر رونق عمدہ)۔ قول ابن عباسؓ: مقام سے منابر مراد ہیں۔

۵۹: كَذٰلِكَ (وہ واقعہ یونہی ہوا) اس میں نصب کا احتمال ہے جب کہ اخرجنا کے ماتحت ہو ای خرجنا هم مثل ذلك الاخراج الذی وصفناہ۔ نمبر۲۔ یہ مبتدأ محذوف کی خبر ہو تو مرفوع ہے ای الامر كذلك وَ اَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (اور ہم نے ان کا وارث بنی اسرائیل کو بنایا) قول حسن رحمۃ اللہ علیہ: جب سمندر پار گزر گئے تو واپس لوٹے اور انہوں نے اپنے مکانات و اموال واپس لے لئے (مگر یہ محل نظر ہے بنی اسرائیل و شام و فلسطین کی حکومت ملنے کے بعد بطور وراثت ان کو ملنا ممکن ہے تاہم واللہ اعلم)

فرعون کا تعاقب:

۶۰: فَاَتْبَعُوْهُمْ (پس انہوں نے ان کو آلیا)۔ قراءت: فاتبعوهم کو پڑھنے پڑھا ہے۔ مُّشْرِقِيْنَ (طلوع شمس کے وقت)۔ مُشْرِقِيْنَ: یہ حال ہے یعنی اس حال میں کہ وہ طلوع شمس میں داخل ہو رہے تھے۔ یعنی قوم فرعون اور فرعون نے طلوع شمس کے وقت ان کو آلیا۔

۶۱: فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ (جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا) آمنا سامنا ہوا اس طرح کہ ہر فریق دوسرے کو دیکھ سکتا تھا۔ اسرائیل اور قبطی مراد ہیں۔ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ (تو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا بیشک وہ تو ہم کو پکڑ لیں گے) قریب ہے کہ اعداء دشمن ہمیں آ ملے اور ادھر ہمارے سامنے سمندر رہا۔

۶۲: قَالَ (موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا) کیونکہ ان کو اپنے رب کے وعدہ پر پختہ یقین تھا۔ كَلَّا (ہرگز نہیں) اللہ تعالیٰ کے متعلق بدگمانی سے باز آؤ۔ وہ تمہیں ہرگز پکڑ نہ سکیں گے۔ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ (بیشک میرا رب میرے ساتھ ہے وہ عنقریب راہنمائی فرمائے گا)۔

قراءت: حفص نے مَعِیَ پڑھا۔ یعقوب نے سیھدینی یعنی پڑھا ہے سیھدین کا مطلب سیھدینی طریق النجاۃ منھم و ادراكهم و اضرارهم وہ عنقریب ان کے پکڑنے اور تکلیف پہنچانے سے نجات کے متعلق میری راہنمائی فرمائے گا۔

بنی اسرائیل کا لشکر سمندر کے درمیان:

۶۳: فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ (پس ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ تم اپنی لاٹھی سمندر پر مارو) البحر سے بحر قلزم مراد ہے یہی وہ سمندر ہے جس میں لوگ یمن سے مصر کی طرف جاتے ہیں۔ نمبر۲۔ دریائے نیل۔ فَانْفَلَقَ (پس وہ پھٹ گیا) یعنی انہوں نے مارا تو وہ پھٹ گیا۔ اور اس میں بارہ راستے بن گئے اور قبائل بنی اسرائیل کی تعداد بھی اسی قدر تھی۔ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ (ہر حصہ) ایک حصہ دوسرے سے جدا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ كَالطَّوْدِ (گویا کہ وہ ایک بڑا پہاڑ ہے) آسمان میں بلند ہونے والا پہاڑ الْعَظِيْمِ (بڑا)۔

وَأَزْلَفْنَا ثَمَّ الْآخَرِينَ ﴿٦٤﴾ وَأَنْجَيْنَا مُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ أَجْمَعِينَ ﴿٦٥﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا

اور ہم نے اسی موقع پر دوسروں کو قریب کر دیا ۔ اور ہم نے موسیٰ کو اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے سب کو نجات دی ۔ پھر ہم نے دوسروں کو

الْآخَرِينَ ﴿٦٦﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٦٧﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ

غرق کر دیا ۔ بلاشبہ اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہ تھے ۔ بلاشبہ آپ کا رب

لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٦٨﴾

زبردست ہے رحمت والا ہے۔

۶۴: وَأَزْلَفْنَا ثَمَّ (اور ہم نے قریب کر دیا) اسی جگہ کے (فرعونیوں کو) جہاں سے سمندر پھٹا۔ الْآخَرِينَ (پچھلوں کو) قوم فرعون یعنی ہم نے ان کو بنی اسرائیل کے قریب کر دیا۔ نمبر۲۔ سمندر کے قریب کر دیا۔

۶۵: وَأَنْجَيْنَا مُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ أَجْمَعِينَ (اور ہم نے موسیٰ اور ان کے ساتھ والوں تمام کو نجات دی) یعنی ڈوبنے سے نجات دی۔

ہلاکت فرعون :

۶۶: ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ (پھر دوسروں کو ہم نے ڈبو دیا) فرعون اور قوم فرعون کو۔

فائدہ عظیمہ :

زندگیوں میں ستاروں کی تاثیر کے نظریہ کو یہ آیت باطل کر رہی ہے ان سب کے طوالع مختلف تھے مگر ہلاکت میں سب اکٹھے ہو گئے۔ روایت تفسیریہ میں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام بنی اسرائیل اور آل فرعون کے درمیان آ گئے وہ بنی اسرائیل کو تلقین فرما رہے تھے کہ اپنے گروہ کو جا ملو۔ اور قبطیوں کے سامنے روک کر فرماتے تم ٹھہرو تاکہ تمہارے پیچھے والے ساتھ مل جائیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام سمندر کے کنارہ پر پہنچ گئے۔ تو یوشع علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا آپ کو کہاں کا حکم ملا ہے؟ یہ سمندر تمہارے سامنے ہے۔ اور آل فرعون پیچھے ہمارے چلے آ رہے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہاں کا حکم ہوا یوشع پانی میں گھس گئے اور موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر اپنی لاٹھی ماری پھر وہ داخل ہوئے۔ ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت فرمایا: یا من کان قبل کل شیء والمکون لکل شیء ۔ والکائن بعد کل شیء اے وہ ذات جو ہر چیز سے پہلے ہے اور ہر چیز کو بنانے والی ہے اور ہر چیز کے بعد ہمیشہ رہے گی۔

۶۷: إِنَّ فِي ذَٰلِكَ (بے شک اس میں) جو ہم نے موسیٰ اور فرعون کے ساتھ کیا لَآيَةً (عظیم نشانی ہے) عجیب عبرت ہے جس کا بیان نہیں کیا جا سکتا۔ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ (اور ان کی اکثریت یعنی ڈوبنے والوں کی) مُؤْمِنِينَ (ایمان لانے والی) علماء کا بیان ہے

کیونکہ یہ سوال معبود کے متعلق تھا عبادت کے متعلق نہ تھا۔ انہوں نے جواب میں فخر کے طور پر تعبد کا اضافہ کر دیا۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ ان کی عبادت پر مداومت کے طور پر تعبد لائے اور اس پر بطور عطف۔ فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ (پس ہم ان کی عبادت پر دن گزارتے ہیں) ہم ان کی عبادت سارا دن کرتے ہیں۔ انہوں نے نظل کہا کیونکہ وہ ان کی عبادت دن کے وقت کرتے تھے نہ کہ رات کو نمبر ا۔ اس کا معنی دوام و ہمیشگی ہے۔

۷۲: قَالَ (ابراہیم علیہ السلام نے کہا) هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ (کیا وہ سنتے ہیں) کیا وہ تمہاری دعائیں سنتے ہیں مضاف محذوف ہے کیونکہ اِذْ تَدْعُوْنَ اس پر دلالت کر رہا ہے۔

۷۳: اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ (یا وہ تمہیں فائدہ دیتے ہیں) اگر تم ان کی عبادت کرتے ہو اَوْ يَضُرُّوْنَ (یا وہ تمہیں نقصان پہنچاتے ہیں) اگر تم ان کی عبادت چھوڑ دو۔

۷۴: قَالُوْا بَلْ (انہوں نے کہا بلکہ) بل اضراب کیلئے ہے کہ وہ نہ سنتے ہیں اور نہ نفع پہنچاتے اور نہ نقصان دیتے ہیں اور نہ ہم ان میں سے کسی غرض کی بناء پر ان کی عبادت کرتے ہیں۔ بلکہ وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ (ہم نے اپنے آباء کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا) پس ہم ان کی تقلید کرتے ہیں۔

۷۵، ۷۶: قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ (ابراہیم علیہ السلام نے کہا کیا تم نے دیکھا کہ تم خود اور تمہارے اگلے باپ دادا کس چیز کو پوجتے ہیں) الاقدمون کا معنی پہلے ہے۔

۷۷: فَاِنَّهُمْ (پس بیشک وہ) یعنی اصنام عَدُوٌّ لِّيْٓ (میرے دشمن ہیں) عدو اور صدیق یہ دونوں لفظ واحد و جمع کیلئے مستعمل ہیں مطلب یہ ہے کہ اگر تم پوجا کرو تو قیامت کے دن وہ میرے دشمن ہونگے جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا سیکفرون بعبادتهم ويكونون عليهم ضدا [مریم ۸۲]

قول فراء: یہ کلام مقلوب کی قسم ہے مطلب اس طرح ہے: فانی عدو لهم (کہ میں ان کا دشمن ہوں) حالانکہ آپ کے قول میں عدولی ہے عدولکم نہیں۔ ان کی زیادہ خیرخواہی کرتے ہوئے قبولیت حق کی دعوت دی ہے اگر آپ فانهم عدو لکم فرماتے تو کلام سے یہ مقصد پورا نہ ہوتا۔

اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ (مگر رب العالمین)۔

نحو: یہ استثناء منقطع ہے کیونکہ وہ اعداء کے تحت داخل ہی نہیں کہ اس سے خارج کیا جائے گویا اس طرح فرمایا لکن رب العالمین لیکن رب العالمین میرا دوست ہے۔

۷۸: اَلَّذِيْ خَلَقَنِيْ (وہ جس نے مجھے پیدا کیا) ضمیر نے کی مقررہ جگہ میں رکھ کر فَهُوَ يَهْدِيْنِ (پس وہی میری راہنمائی کرنے والے ہیں) دنیاوی راستوں اور مصالح دین کی جانب یھدینی کو صیغہ مستقبل سے لایا گیا ہے حالانکہ ہدایت تو پہلے گزر چکی کیونکہ یھدینی ہم وافضل اور کامل واکمل کا احتمال رکھتا ہے۔ نمبر ۲۔ وہ ذات جس نے مجھے پیدا کیا اپنی خدمت کے اسباب کیلئے وہی وہی میری راہنمائی آداب خدمت کی طرف فرمائیں گے۔

۷۹: وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ (اور وہ ذات جو مجھے کھلاتی ہے) یہاں اطعام کی نسبت انعامات کے والی کی طرف کی گئی ہے۔ کیونکہ

۸۲: وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ (اور وہ ذات جس سے میں طمع رکھتا ہوں) مراد امید ہے غلاموں کی طمع تو افضال کی ہوتی ہے سوال سے ان کا استحقاق مقصود نہیں ہوتا۔ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـــَٔتِيْ (کہ وہ میری لغزش کو بخش دیں گے) ایک قول یہ ہے کہ اس خطاء سے انی سقیم [الصافات:۸۹] بل فعله كبيرهم [الانبياء:۶۳] هذه اختي [الاخرجہ ...] اور بادشاہ مصر کو سارہ کے متعلق فرمایا مگر اختی یہ تمام جائز تعریضات ہیں یہ خطایا نہیں کہ جن سے استغفار کی ضرورت ہو باقی انبیاء علیہم السلام کا استغفار تو رب کی بارگاہ میں تواضع و انکساری ہے اور امت کو طلب مغفرت کی تعلیم دینا مقصود ہے۔ يَوْمَ الدِّيْنِ (قیامت کے دن) جو کہ جزا کا دن ہے۔

دعائے ابراہیم علیہ السلام:

۸۳: رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا (اے میرے رب مجھے حکم عطا فرما) حکم سے حکمت مراد ہے یا نمبر۲۔ لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرنا۔ نمبر۳ نبوت کیونکہ نبی علیہ السلام حکمت والے اور لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (اور تو مجھے نیکوں کے ساتھ ملا دے) صالحین سے انبیاء علیہم السلام مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعا کو قبول فرما کر اعلان کر دیا وانه في الآخرة لمن الصالحين [البقرۃ:۱۳۰]

۸۴: وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ (اور میرا تذکرہ اچھا بعد آنے والے لوگوں میں کر دے) یعنی اچھی تعریف بعد آنے والی امتوں میں اچھا تذکرہ۔ پس یہ دعا قبول کر لی گئی تمام ادیان والے ان سے دوستی رکھتے اور ان کی تعریف کرتے ہیں۔

نکتہ: یہاں قول کی بجائے لسان کو لایا گیا کیونکہ قول زبان ہی سے ادا ہوتا ہے۔

۸۵: وَاجْعَلْنِيْ مِنْ (اور تو مجھے بنا دے)

نحو: یہ وارثا محذوف کے متعلق ہے ای وارثا من ورثة جنة النعيم

وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ (نعمتوں والی جنت) یعنی اس میں باقی رہنے والے لوگوں میں سے ہے۔

۸۶: وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ (اور میرے والد کو بخش دے) اس کو اسلام نصیب کر کے اہل جنت میں سے بنا دے۔ ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کے وقت اس سے جدائی اختیار کی تو اس وقت یہ وعدہ فرمایا سأستغفر لك ربي اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ (بیشک وہ گمراہوں میں سے ہے) ضال سے مراد کافر ہے۔

۸۷: وَلَا تُخْزِنِيْ (اور مجھے رسوا نہ کرنا) الاخزاء یہ خزی سے لیا گیا ہے جس کا معنی ذلت ہے نمبر۲۔ الخزایۃ سے ہے اور وہ حیاء کو کہتے ہیں۔ یہ استغفار کی طرح ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ (جس دن ان کو اٹھایا جائے گا) یبعثون کی ضمیر عباد کی طرف ہے کیونکہ وہ تذکرہ میں آ رہے ہیں۔ نمبر۲۔ ضالین کی طرف راجع ہے اور یہ اپنا استغفار والد کیلئے قرار دیا جائے مطلب اس طرح ہوگا ولا تخزني يوم يبعث الضالون وابي فيهم اور تو مجھے رسوا نہ کرنا جس دن گمراہوں کو اٹھایا جائے گا اس حال میں کہ میرا والد ان میں ہوگا۔

۸۸: يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ (جس دن مال کام نہ آئے گا)

نحو: یہ یوم اول سے بدل ہے۔

وَّلَا بَنُوْنَ (اور نہ بیٹے) کسی ایک کو بھی۔

قلب سلیم:

۸۹: اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ (مگر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے ہاں سالم دل کے ساتھ آیا) سلیم سے مراد کفر و نفاق سے بچا ہوا دل۔ کافر و منافق کا دل بیمار ہوتا ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا فی قلوبھم مرض [بقرۃ:۱۰] مطلب یہ ہے۔ کہ دل کو جب نیکی کے مقامات پر صرف کیا جائے اور اولاد کی صحیح ہو تو اس کو اس سے فائدہ پہنچے گا اور ان کی وجہ سے وہ سلیم القلب ہوگا۔ نمبر۲۔ مال اور اولاد کو غناء کے معنی میں قرار دیا گویا اس طرح فرمایا یوم لا ینفع غنی الاغنی من اتی اللّٰہ بقلب سلیم اس دن کسی کو غناء کام نہ دے گا مگر اس کا غناء جو صحیح سالم دل لے کر آیا۔ کیونکہ دینی غناء سلامتی قلب سے ہی میسر آتا ہے جیسا کہ غناء ظاہری مال و اولاد سے ملتا ہے۔

آیت میں من کو نفع کا مفعول قرار دیا گیا ای لا ینفع مال ولا بنون الا رجلا سلم قلبہ مع مالہ حیث انفقہ فی طاعۃ اللّٰہ و مع بنیہ حیث ارشدھم الی الدین و علمھم الشرائع۔ تو مال کام آئے گا۔ اور نہ اولاد مگر وہ آدمی جس کا دل مع مال بچا ہوا ہو۔ وہ اس طرح کہ اس نے مال کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صرف کیا اور اولاد کو دین کی طرف راہنمائی کی اور ان کو شرائع کا علم سکھایا۔ اس صورت میں یہ بھی جائز ہے الا من اتی اللّٰہ بقلب سلیم من فتنۃ المال مگر جو شخص فتنہ مال و اولاد سے بچا ہوا دل لے کر آیا۔ اللہ تعالیٰ جو کہ جلیل القدر ذات ہے اس نے خلیل کے تشریف کی بطور اکرام تو یہ فرمائی بلکہ ان کے وصف کے طور پر ذکر فرمایا۔ و ان من شیعتہ لابراھیم اذ جاء ربہ بقلب سلیم [صافات ۸۳،۸۴]۔

حسن ترتیب:

ابراہیم علیہ السلام نے مشرکین کے ساتھ کس عمدہ ترتیب سے کلام فرمایا۔ نمبر۱۔ اولاً ان سے سوال کیا کہ وہ کس چیز کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ سوال ان سے اقرار کروانے کیلئے فرمایا بطور استفہام نہیں فرمایا۔

نمبر۲۔ پھر ان کے معبودوں کی طرف متوجہ ہو کر ان کی حیثیت کو اس طرح باطل قرار دیا کہ وہ نقصان و نفع نہیں دے سکتے اور نہ ہی فریادوں کو سنتے ہیں۔ نمبر۳۔ پھر ان کی آبائی تقلید کا ابطال کیا یہ دلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی پھر دشمنی کی صورت اپنی ذات کی طرف نسبت کر کے سمجھائی ان کی طرف نسبت نہیں کی یہاں تک کہ اس گفتگو سے یاد الٰہی کی طرف متوجہ ہو کر اس کی عظمت بیان فرمائی اور اس کے انعامات ولادت سے وفات تک ذکر کئے اور اس کے ساتھ ساتھ آخرت کے امید یافتہ انعامات کا تذکرہ کر دیا۔ پھر بارگاہ الٰہی میں مخلصانہ دعائیں اور اس کی بارگاہ میں کامل رجوع کرنے والوں کی طرح گڑگڑاتے پھر اس کو تذکرۂ قیامت اور اللہ تعالیٰ کے ثواب و عتاب کے ساتھ ملایا اور مشرکین کے اس انجام کا ذکر کر دیا جس کی طرف ان کو اس دن دھکیلا جائے گا۔ وہاں جس قدر ان کو شرمندگی و ندامت پیش آئے گی جواب گمراہی کی بناء پر ہوگی جس پر آج وہ قائم ہیں وہ ندامت کی وجہ سے دنیا کی طرف لوٹنے کی تمنا ظاہر کریں گے تا کہ وہ ایمان و طاعت اختیار کریں۔ (مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ)

وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٩٠﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ ﴿٩١﴾ وَقِيلَ لَهُمْ أَيْنَمَا

اور متقیوں کے لئے جنت قریب کر دی جائے گی اور گمراہوں کے لئے دوزخ ظاہر کر دی جائے گی۔ اور ان سے کہا جائے گا کہ اللہ کو

كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٩٢﴾ مِن دُونِ اللَّهِ هَلْ يَنصُرُونَكُمْ أَوْ يَنتَصِرُونَ ﴿٩٣﴾ فَكُبْكِبُوا

چھوڑ کر تم جن کی عبادت کیا کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟ کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں یا اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں۔ پھر وہ لوگ اور گمراہ لوگ اور ابلیس کے لشکر سب اس میں اوندھے

فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ ﴿٩٤﴾ وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ﴿٩٥﴾ قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ﴿٩٦﴾

منہ ڈال دیئے جائیں گے وہ لوگ دوزخ میں ہوتے ہوئے آپس میں جھگڑیں گے

متقین کا انجام:

۹۰: وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ (جنت کو متقین کے قریب کر دیا جائے گا) اُزْلِفَت کا معنی قریب کیا جانا۔ جملہ کا عطف جملہ پر ڈالا گیا ای تزلف من موقف السعداء فینظرون الیہا۔ موقف سعداء اور جنت میں قرب پیدا کر دیا جائے گا پس وہ جنت کی طرف دیکھیں گے۔

غاوین کا تذکرہ:

۹۱: وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ (اور جہنم کو ظاہر کر دیا جائے گا) یعنی وہ اس قدر ظاہر کر دی جائے گی یہاں تک کہ یوں محسوس ہوگا کہ اس کی لپیٹ ان کو آ پہنچے گی۔ لِلْغَاوِينَ (گمراہوں کیلئے) کو دیکھئے۔

۹۲: وَقِيلَ لَهُمْ أَيْنَمَا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ هَلْ يَنصُرُونَكُمْ أَوْ يَنتَصِرُونَ (اور ان سے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تم جن کی پوجا کرتے تھے۔ وہ کہاں ہیں کیا وہ تمہاری مدد کریں گے یا وہ خود محفوظ ہو سکتے ہیں) ان کو شرک پر توبیخ کرتے ہوئے کہا جائے گا این الھتکم جو تمہارے معبود کہاں ہیں کیا وہ مدد کر کے تمہیں نفع پہنچائیں گے؟ یا کیا اپنے آپ کو اپنے غضب سے فائدہ پہنچا سکیں گے؟ کیونکہ وہ اور ان کے معبود آگ کا ایندھن بنیں گے۔

۹۴: فَكُبْكِبُوا (پس ان کو اوندھے منہ یا ایک دوسرے پر ان کو پھینکا جائے گا۔ فِيهَا (جہنم میں) هُمْ یعنی (معبود) وَالْغَاوُونَ (اور گمراہ) اور جن کی پوجا ان لوگوں نے کی ان کے لئے جہنم ظاہر کی جائے گی۔ الکبکبۃ: بار بار اوندھا کرنا۔ لفظ کب کو دوبارہ لانا یہ معنی میں تکریر کی علامت ہے گویا جب ان کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔ ان کو بار بار اوندھا کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اس کے پیندے میں جا رکے گا۔ نعوذ باللہ منہا۔

۹۵: وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ (اور شیطان کے تمام لشکروں کو) جنود سے مراد شیاطین ہیں یا پھر۔ نافرمان جن و انسان جنہوں نے ان کی اتباع کی۔

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا

اللہ کی قسم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم صریح گمراہی میں تھے۔ جبکہ ہم تمہیں رب العالمین کے برابر مانتے تھے۔ اور ہمیں گمراہ نہیں کیا مگر

الْمُجْرِمُوْنَ ۝ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ۝ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ۝ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ

مجرمین نے۔ سو ہمارے لئے نہ سفارش کرنے والے ہیں۔ اور نہ کوئی مخلص دوست ہے۔ سو کیا اچھا ہوتا کہ ہم کو پھر واپس جانا نصیب ہو جاتا تو ہم

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ

اہل ایمان میں سے ہو جاتے۔ بلاشبہ اس میں بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اور بلاشبہ آپ کا رب

لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

عزت والا ہے مہربان ہے۔

۹۶: قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ (اور کہنے لگے اس حال میں کہ وہ دوزخ کے اندر جھگڑ رہے ہوں گے) یہ بھی ممکن/جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اصنام کو بولنے کی قوت دیں تا کہ باہمی بات چیت اور گفتگو صحیح ثابت ہو۔ اور یہ بھی درست ہے کہ کلام و گفتگو شیاطین اور گنہگار مجرموں کے درمیان ہو۔

اعترافِ جرم:

۹۷، ۹۸: تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ (اللہ تعالیٰ کی قسم بیشک ہم کھلی گمراہی میں تھے جب کہ ہم تمہیں برابر قرار دیتے تھے) نسوّیکم کا معنی بتوں کا برابر قرار دینا۔ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (رب العالمین کے ساتھ) عبادت میں۔

۹۹: وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ (اور ہمیں مجرمین نے گمراہ کیا) یعنی ان کے وہ رؤساء جنہوں نے ان کو گمراہ کیا۔ نمبر۲۔ ابلیس اور اس کا لشکر اور جنہوں نے شرک کی بنیاد ڈالی۔

۱۰۰: فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ (پس ہمارے لئے آج کوئی شفاعت کرنے والا نہیں) جیسا کہ مومنوں کیلئے انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ اور اولیاء شفاعت کریں گے۔

۱۰۱: وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ (نہ کوئی گہرا دوست) جیسا کہ ہم دوست آج دیکھ رہے ہیں کیونکہ آخرت میں ایمان والوں کی دوستی ہوگی اہل جہنم میں باہمی عداوت ہوگی جیسا اس ارشاد میں ہے: الْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ [الزخرف: ٦٧]

نمبر۲۔ ہمارے لئے کوئی سفارشی نہیں اور نہ گہرا دوست ہے ان خلفاء میں سے جن کو ہم دوست و سفارشی خیال کرتے تھے کیونکہ مشرکین کا اپنے اصنام کے متعلق اعتقاد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ سفارشی بنیں گے اور ان کی دوستیاں شیاطین الانس سے تھی۔ الحمیم یہ الاحتمام سے ماخوذ ہے اور اس کا معنی اہتمام ہے۔ پھر اس شخص کو کہتے ہیں جو اس چیز کا اہتمام دے جس کو تم دیتے

ہو۔ نمبر۲۔ الحامۃ سے لیا گیا ہے جس کا معنی خاص آتا ہے اور وہ خاص دوست کو کہتے ہیں۔

نکتہ: الشافعین جمع شافع کی ہے اس کو جمع لائے جبکہ صدیق کو واحد لایا گیا ہے کیونکہ عموماً شفعاء زیادہ ہوتے ہیں باقی سچے دوست جو تمہارے غم رنج کو اپنا غم سمجھے بہت قلیل ہیں۔ اسی لئے واحد لائے۔

حکیم کا قول

صدیق اسم تو ہے مگر اس کا مقصد مفقود ہے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ صدیق سے جنس مراد ہو دے کر جمع مراد لے لیں۔

۱۰۲۔ فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً (پس کاش ہم کو ایک بار واپس لوٹنا میسر آ جاتا) کرۃ سے مراد دنیا کی طرف لوٹنا ہے۔ فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (پس ہم ضرور مومنین میں سے ہو جاتے)

نحو: لو کا جواب محذوف ہے اور وہ لفعلنا کیت و کیت ہے۔ نمبر۲۔ لو ایسے مقام پر تمنی کیلئے ہے گویا اس طرح کہا گیا ہے لیت لنا كرة کاش ہمارے لئے لوٹنا ہو کیونکہ لو اور لیت قریب المعنی ہیں۔

۱۰۳۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ (بیشک اس میں) جو اطلاعات مذکور ہوئیں۔ لَاٰيَةً (ضرور نشانی ہے) عبرت حاصل کرنے والے کیلئے عبرت ہے۔ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہ تھی) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک جماعت ایمان لائی۔

۱۰۴۔ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ (اور بیشک آپ کا رب البتہ زبردست) وہ ابراہیم کی تکذیب کرنے والوں سے بذریعہ جہنم انتقام لے گا۔ الرَّحِيْمُ (نہایت مہربان ہے) ہر سلامتی والے دل رکھنے والے کو جنت کے سپرد کرنے والے ہیں۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٠٥﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٠٦﴾ إِنِّي لَكُمْ

نوح کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا ۔ جبکہ ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا کیا تم نہیں ڈرتے ۔ بلاشبہ میں تمہارے لئے

رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٠٧﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٠٨﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ

امانت دار پیغمبر ہوں ۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو ۔ اور میں تم سے اس پر کسی عوض کا سوال نہیں کرتا، میرا ثواب تو بس

إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١١٠﴾ قَالُوا أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ

رب العالمین کے ذمہ ہے ۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو ۔ ان لوگوں نے جواب دیا کیا ہم تجھ پر ایمان لے آئیں حالانکہ تیرے پیچھے

الْأَرْذَلُونَ ﴿١١١﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِي بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١١٢﴾ إِنْ حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّي

رذیل ترین لوگ لگے ہوئے ہیں ۔ نوح نے کہا کہ مجھے ان کے کاموں کے جاننے کی کیا ضرورت ہے ۔ ان سے حساب لینا تو میرے رب ہی کا کام ہے

لَوْ تَشْعُرُونَ ﴿١١٣﴾ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٤﴾ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿١١٥﴾ قَالُوا لَئِنْ

کاش تم سمجھ رکھتے ۔ اور میں ایمان والوں کو دور کرنے والا نہیں ہوں ۔ میں تو بس واضح طور پر ڈرانے والا ہوں ۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ اے نوح اگر

لَمْ تَنْتَهِ يَا نُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ﴿١١٦﴾ قَالَ رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ ﴿١١٧﴾

تو باز نہ آیا تو ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جنہیں سنگسار کر دیا جاتا ہے ۔ نوح نے عرض کیا کہ اے میرے رب بلاشبہ میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا

تذکرہ نوح علیہ السلام:

۱۰۵: كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ (قوم نوح نے رسولوں کو جھٹلایا) القوم کا لفظ مؤنث و مذکر آتا ہے۔ ایک قول یہ ہے نوح علیہ السلام کی ولادت زمانہ آدم علیہ السلام میں ہوئی۔ المرسلین کو جمع لائے اور مراد نوح علیہ السلام لئے۔ اس کی مثال اس طرح ہے فلاں یرکب الدواب و یلبس البرود حالانکہ اس کے پاس ایک چوپایہ اور ایک کمبل چادر ہے۔

نمبر۲۔ وہ سرے سے بعثت رسل کے قائل ہی نہ تھے۔ اسی لئے جمع لائے نمبر۳۔ جس نے ان میں سے ایک کی تکذیب کی اس نے تمام کی تکذیب کی کیونکہ تمام رسول لوگوں کو تمام رسولوں پر ایمان لانے کی طرف بلاتے ہیں اور اسی طرح اس تمام پر جو اس سورت میں ہے۔

۱۰۶: إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ (جب ان کو ان کے بھائی نے کہا) نسبی بھائی مراد ہے نہ کہ دینی۔ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ (نوح علیہ السلام نے کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے) جو لوگوں کا خالق ہے تاکہ تم بتوں کی عبادت ترک کر دو۔

۱۰۷: إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ (بیشک میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں) نوح علیہ السلام ان میں اسی طرح امانت دار

معروف تھے جیسے حضرت محمد ﷺ قریش میں۔

۱۰۸: فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ (تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری بات مانو) جو میں تمہیں حکم دیتا ہوں اور جس حق کی طرف تمہیں دعوت دیتا ہوں۔

۱۰۹: وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ (اور میں اس پر تم سے نہیں مانگتا) اس امر تبلیغ پر مِنْ اَجْرٍ (کوئی مزدوری) اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (میرا ثواب تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے۔)

قراءت: اَجْرِیَ مدنی، شامی، ابو عمرو، حفص نے نصب سے پڑھا ہے۔ اسی طرح کل میں اس کو پڑھتا ہوں۔

۱۱۰: فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ (پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری بات مانو) اس کو دوبارہ لائے تاکہ ان کے دلوں میں بات بیٹھ جائے۔ اور اس کے ساتھ مربوط تھا ان میں سے ہر ایک ایک علت سے متعلق ہے۔

علت اول:

نوح علیہ السلام کا ان کے مابین امانت سے معروف ہونا۔

علت دوم:

ان سے طمع کے الزام کو ہٹانا۔

گویا اس طرح فرمایا کہ جب تم میری رسالت و امانت کو پہچان چکے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اذا عرفتم رسالتی و امانتی فاتقوا اللہ پھر جب تم بدلے سے میرا ہاتھ خالی ہونا معلوم کر چکے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اذا عرفتم احترازی من الاجر فاتقوا اللہ۔

۱۱۱: قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ (کہنے لگے کیا اس صورت میں ہم تم پر ایمان رکھتے ہیں۔ جبکہ تمہاری اتباع کرتے ہیں)۔

نحو: واؤ حالیہ ہے۔ اور اس کے بعد قد مضمر ہے۔ اس کی دلیل قراءت یعقوب ہے۔ واتباعک جمع تابع جیسے شاہد و اشہاد موجود ہے یا جمع تبع جیسے بطل و ابطال کی طرح ہے۔ الْاَرْذَلُوْنَ (رذیل)۔ کمینے۔ الرذالۃ: گھٹیا و خسیس۔ انہوں نے ان کو رذیل اس لئے کہا کیونکہ نسب اونچے نہ تھے اور دنیا کا مال بھی ان کے پاس قلیل تھا۔

ایک قول یہ ہے:

وہ کم درجہ پیشے والے تھے حالانکہ صناعات میں دیانت ہو تو کوئی عیب نہیں اصل غنی تو غنائے دین ہے اور اصل نسب بھی نسبت تقویٰ ہے۔ مؤمن کو رذیل کہنا جائز نہیں خواہ وہ لوگوں میں فقیر ترین ہو اور نسب میں انتہائی کم درجہ ہو انبیاء علیہم السلام کے متبعین اول ایسے ہی لوگ ہوتے رہے ہیں۔

۱۱۲: قَالَ وَمَا عِلْمِىْ (نوح علیہ السلام نے کہا مجھے کیا معلوم وہ کس غرض سے میری بات مانتے ہیں) یعنی اس چیز سے میری کیا غرض ہے ان کے متعلق۔ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (جو کچھ وہ کرتے ہیں) یعنی صناعات سے غرض نہیں۔ میں تو ان سے ایمان

فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ

سو آپ میرے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے اور مجھے اور جو ایمان والے میرے ساتھ ہیں ان کو نجات دے دیجئے۔ سو ہم نے نوح کو اور ان کے ساتھیوں کو جو

فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ

بھری ہوئی کشتی میں تھے نجات دے دی۔ پھر ہم نے اس کے بعد باقی لوگوں کو غرق کر دیا۔ بے شبہ اس میں بڑی عبرت ہے اور ان میں

اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۲﴾

اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں اور بلاشبہ تیرا رب عزیز ہے رحیم ہے۔

کا طالب ہوں۔

۱۱۳: کہا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی ایمانی رذالت کے باوجود ان ایمان والوں پر طعنہ زنی کی اور کہنے لگے کہ جو لوگ تم پر ایمان لائے ہیں جو ایمان یہ ظاہر کر رہے ہیں وہ ان کے دلوں میں پایا نہیں جاتا۔ اس پر نوح علیہ السلام نے فرمایا میرے ذمہ تو صرف ظاہر پر اعتبار کرنا ہے۔ رہا باطن وہ اس کی تفتیش میری ذمہ داری نہیں۔ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ (ان کا حساب تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ دار ہیں اگر تم کو شعور ہو) اللہ تعالیٰ ان سے اس چیز کا حساب لیں گے جو ان کے قلوب میں ہے۔

مؤمنوں کو نکالنے کا مطالبہ:

۱۱۴: وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ (اور میں ایمان والوں کو اپنے پاس سے نکالنے والا نہیں ہوں) میرے یہ لائق نہیں کہ میں تمہارے ایمان کی طمع میں تمہاری مرضیات پر چلتے ہوئے ان کو اپنے ہاں سے نکال دوں۔

۱۱۵: اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں) میرے ذمہ یہی ہے کہ میں کھلی دلیل سے تمہیں ڈراؤں۔ ایسی دلیل جس سے حق و باطل کا فرق واضح ہو جائے پھر تم جانو اور تمہارا کام۔

۱۱۶: قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ (کہنے لگے اے نوح! اگر تو باز نہ آیا) اس بات سے جو تو کہہ رہا ہے۔ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ (تو ضرور بضرور تمہیں سنگسار کر دیا جائے گا) مرجوم اس کو کہا جاتا ہے جس کو پتھر مار مار کر قتل کر دیں۔

۱۱۷: قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ (کہا نوح علیہ السلام نے اے میرے رب بیشک میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا) یہ اخبار تکذیب نہیں ہے کیونکہ نوح علیہ السلام جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہیں۔ وہ ہر چیز کو جانتے ہیں۔ لیکن انہوں نے ارادہ کیا کہ میری قوم نے تیری وحی و رسالت میں میری تکذیب کی ہے۔

طلبِ فیصلہ:

۱۱۸: فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا (پس میرے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دیں) میرے اور ان کے درمیان معاملہ طے کر دیں۔ الفتاحة (فیصلہ کرنا) الفتاح (حاکم) کیونکہ وہ بند کو کھولتا ہے جیسا کہ اس کو فیصل بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ فیصلے چکاتا ہے:

إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٢٧﴾ أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ﴿١٢٨﴾ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ

رب العالمین کے ذمہ ہے۔ کیا تم ہر اونچے مقام پر کھیل کے طور پر یادگار بناتے ہو۔ اور بڑے بڑے محل بناتے ہو

لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴿١٢٩﴾ وَإِذَا بَطَشْتُم بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ﴿١٣٠﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٣١﴾

شاید تم ہمیشہ رہو گے۔ اور جب تم پکڑتے ہو تو جابر بن کر گرفت کرتے ہو۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو۔

وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُم بِمَا تَعْلَمُونَ ﴿١٣٢﴾ أَمَدَّكُم بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ﴿١٣٣﴾ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٣٤﴾

اس اللہ سے ڈرو جس نے تمہاری ان چیزوں سے مدد کی جنہیں تم جانتے ہو۔ اس نے چوپایوں اور بیٹوں سے اور باغوں اور چشموں سے تمہاری مدد فرمائی

ہے۔ وَنَجِّنِي وَمَن مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (اور مجھے اور میرے ساتھ والے مؤمنوں کو نجات عنایت فرما) ان کے اعمال پر اترنے والے عذاب سے۔

قراءت: حفص نے مَعِيَ پڑھا ہے۔

۱۱۹: فَأَنجَيْنَاهُ وَمَن مَّعَهُ فِي الْفُلْكِ (پس ہم نے ان کو اور ان کے ساتھ جو کشتی میں تھے۔ نجات دی) الفلک (کشتی) اس کی جمع فُلْک آتی ہے۔ واحد فُفْل ہے اور جمع بروزن اُسْد ہے۔ الْمَشْحُونِ (بھری ہوئی)۔ اسی سے شحنۃ البلد جو اس کو پورے طور پر بھرا ہوا ہے۔ کہتے ہیں۔

غرقابی قوم نوح علیہ السلام:

۱۲۰: ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدُ (پھر ہم نے ڈبو دیا اس کے بعد) (نوح اور ان کے ساتھ جو ایمان لانے والے تھے ان کو بچا کر پیچھے ہوؤں کو ڈبو دیا) الْبَاقِينَ (باقی لوگ) ان کی قوم سے۔

۱۲۱، ۱۲۲: إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ۔ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ (یا شبہ اس میں نشانی ہے اور ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہ تھی۔ اور بیشک آپ کا رب البتہ بڑا زبردست نہایت مہربان ہے) عزیز (جو اللہ کی نافرمانی کرنے اور کفر پر اصرار کرے ان سے سخت انتقام لینے والا)۔ الرحیم (ایمان کا اقرار کرنے والے موحدین کی مدد کر کے ان پر انعامات کرنے والے ہیں)۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٤١﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صٰلِحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٤٢﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ

قوم ثمود نے پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ ان کے بھائی صالح نے ان سے کہا کیا تم نہیں ڈرتے۔ بلاشبہ میں تمہارے لئے اللہ کا رسول ہوں

أَمِيْنٌ ﴿١٤٣﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٤٤﴾ وَمَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى

امانت دار ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری فرماں برداری کرو۔ اور میں تم سے اس پر کسی عوض کا سوال نہیں کرتا، میرا اجر تو بس رب العالمین کے

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٤٥﴾ أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هٰهُنَآ أٰمِنِيْنَ ﴿١٤٦﴾ فِي جَنّٰتٍ وَّعُيُونٍ ﴿١٤٧﴾ وَّزُرُوعٍ

ذمہ ہے یہاں جو کچھ ہے کیا تمہیں اس میں امن و امان کے ساتھ چھوڑے رکھا جائے گا۔ باغوں میں اور چشموں میں اور کھیتیوں میں

وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿١٤٨﴾ وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فٰرِهِيْنَ ﴿١٤٩﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٥٠﴾

اور کھجوروں میں جن کے گچھے گندھے ہوئے ہیں۔ اور تم پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو اتراتے ہوئے۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری فرماں برداری کرو۔

لَاٰيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (بیشک اس میں البتہ نشان قدرت ہے اور ان میں سے اکثر ایمان نہ لانے والے تھے)

قوم ثمود کا تذکرہ:

۱۴۰: وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ۔ كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِيْنَ۔

صالح علیہ السلام کی تقریر:

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صٰلِحٌ أَلَا تَتَّقُونَ۔ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِيْنٌ۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ۔ وَمَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ أَتُتْرَكُونَ (اور بیشک آپ کا رب زبردست نہایت مہربان ہے قوم ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا جب ان کو ان کے بھائی صالح نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔ بیشک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔ پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری بات۔ نوا ور میں اس پر تم سے کوئی بدلہ نہیں۔ تمہارا اجر بس رب العالمین کے ذمہ ہے کیا تمہیں چھوڑا جائے گا)۔ یہ استفہام انکاری ہے کہ ان کو ان نعمتوں میں ہمیشہ چھوڑا نہ جائے گا کہ ان میں رہیں۔ فِي مَا هٰهُنَآ (یعنی اس مقام پر نعمتیں موجود ہیں)۔ أٰمِنِيْنَ (عذاب سے مامون) اور زوال و موت سے محفوظ۔ پھر اس کی وضاحت فرمائی۔

۱۴۷: فِي جَنّٰتٍ وَّعُيُونٍ (باغات اور چشموں میں) یہ بھی اجمال ہے پھر تفصیل ہے۔

۱۴۸: وَّزُرُوعٍ وَّنَخْلٍ (اور کھیتیاں اور کھجوریں) نخل کا عطف جنات پر ہے حالانکہ باغات میں تو کھجوریں ہوتی ہیں تاکہ کھجور کی تمام درختوں پر برتری ثابت ہو جائے۔ طَلْعُهَا (ان کے گچھے، گچھے) یہ کھجور کے پھل کی طرح نکلنے والا حصہ هَضِيْمٌ (گندھے ہوئے ہیں) نرم پکے ہوئے گویا اس طرح فرمایا کھجوریں کہ جن کا پھل پک چکا۔

۱۴۹: وَتَنْحِتُونَ (اور تم تراشتے ہو) مراد کر کے بناتے ہو مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فٰرِهِيْنَ (پہاڑوں سے اتراتے ہوئے مکانات

ب) اپنے دعویٰ رسالت و نبوت میں۔

۱۵۵: قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ (اس نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے اس کے لئے پانی کا حصہ مقرر ہے) شرب سے مراد پانی کا حصہ ہے کہ وہ اس کے پانی پینے میں مزاحم نہ بنیں۔ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (اور تمہارے لئے مقررہ دن کا پینا ہے) وہ مزاحمت نہ کرے گی۔

روایت میں ہے انہوں نے کہا ہم تو دس ماہ کی گابھن اونٹنی چاہتے ہیں جو اس چٹان سے نکلے اور ایک دم بچہ جنے صالح علیہ السلام سوچ و بچار کرنے لگے جبرئیل علیہ السلام نے کہا دو رکعت نماز ادا کرو اور اپنے رب سے اونٹنی کے متعلق سوال کرو انہوں نے اسی طرح کیا تو اونٹنی نکلی اور اس نے جیسا قوی ہیکل بچہ جنا۔ جس پہاڑ سے اونٹنی نکلی تھی نکلنے کا مقام ستر ہاتھ تھا۔ جب اونٹنی کے پانی پینے کا دن ہوتا تو یہ تمام پانی پی جاتی جب ان کے جانوروں کی باری ہوتی بالکل پانی نہ پیتی۔

اونٹنی کو حکومت دو:

مَسْئَلَہ: اس سے ثابت ہوتا ہے کہ باری مقرر کرنا جائز ہے۔ کیونکہ لها شرب ولكم شرب يوم معلوم یہ باری ہی کو ظاہر کرتا ہے۔

۱۵۶: وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ (اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ نہ لگانا) مار پٹائی یا کونچیں کاٹنا یا اور اسی قسم کی ایذا۔ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (ورنہ تم کو یوم عظیم کا عذاب آ پکڑے گا) عظیم اس لئے کہا کیونکہ اس میں عذاب اترنا ہے۔ عذاب کی صفت لانے کی بجائے زیادہ بلیغ یہ ہے کہ یوم کی صفت لائی جائے اس لئے کہ جب وقت اس کی وجہ سے سخت و مشکل ہو جائے گا تو اس کا واقع ہونا عذاب کے بڑے ہونے سے بڑھ کر ہوگا۔

حکم کی خلاف ورزی:

۱۵۷: فَعَقَرُوْهَا (پس انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں) قدار کونچیں کاٹنے والا تھا لیکن وہ تمام اس پر راضی تھے اس لئے ان کی طرف نسبت کر دی گئی۔

روایت میں ہے کہ اس کی کونچیں کاٹنے والے نے کہا میں اس کی کونچیں اس وقت کاٹوں گا جب تم اس پر راضی ہو گے چنانچہ وہ پردہ نشین عورتوں کے پاس جا کر پوچھتے کیا تم اس پر راضی ہو؟ وہ کہتی جی ہاں اسی طرح بچوں سے بھی رضامندی لی گئی۔

فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ (وہ پشیمان ہوئے) اس کی کونچیں کاٹنے پر۔ کیونکہ ان کو نزول عذاب کا خطرہ محسوس ہوا یہ شرمندگی توبہ کی بناء پر نہ تھی۔ نمبر۲۔ یہ اس وقت شرمندہ ہوئے جب شرمندگی کوئی کام نہ دے سکتی تھی اور یہ عذاب کو آنکھوں سے دیکھنے کا وقت ہے۔ نمبر۳۔ وہ شرمندہ ہوئے کہ انہوں نے اس کے بچے کو کیوں چھوڑ دیا۔

سزا کا تسلط:

۱۵۸: فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ (پس ان کو عذاب نے آ پکڑا) جس کا پہلے تذکرہ ہو چکا۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٦٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٦١﴾ إِنِّي لَكُمْ

لوط کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان کے بھائی لوط نے ان سے کہا کیا تم نہیں ڈرتے ہو میں بلاشبہ تمہارے لئے

رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٦٣﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ

امانت دار رسول ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو اور میں تم سے اس پر کوئی عوض کا سوال نہیں کرتا میرا اجر تو بس

إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٤﴾ أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٥﴾ وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ

رب العالمین کے ذمہ ہے کیا تمام دنیا جہان والوں میں سے مردوں سے بدفعلی کرتے ہو اور تمہارے رب نے جو تمہارے لئے

رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ﴿١٦٦﴾ قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا لُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ

بیویاں پیدا کی ہیں ان کو چھوڑتے ہو بلکہ تم حد سے آگے بڑھ جانے والے لوگ ہو وہ لوگ کہنے لگے کہ اے لوط اگر تم باز نہ آئے تو ضرور نکالے جانے والے

الْمُخْرَجِينَ ﴿١٦٧﴾ قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ ﴿١٦٨﴾ رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٦٩﴾

لوگوں میں شامل ہو جاؤ گے لوط نے کہا کہ میں تمہارے اس کام سے سخت نفرت رکھنے والوں میں سے ہوں اے میرے رب مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کے عمل سے نجات دیجئے

مؤمنین (بیشک اس میں البتہ نشانی ہے ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہ تھی)

۱۵۹: وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ (بیشک آپ کا رب ہی غالب اور بڑا مہربان ہے)۔

قوم لوط کا تذکرہ:

۱۶۰: كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطِ نِ الْمُرْسَلِينَ (قوم لوط نے رسولوں کو جھٹلایا)۔

۱۶۱: اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوهُمْ لُوطٌ اَلَا تَتَّقُونَ (جب ان کو ان کے بھائی لوط نے کہا کیا تم نہیں ڈرتے ہو)۔

۱۶۲: اِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ اَمِينٌ (بیشک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں)۔

۱۶۳: فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُونِ (پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو)۔

۱۶۴: وَمَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (اور میں اس پر تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا میرا بدلہ تو فقط رب العالمین کے ذمہ ہے)۔

۱۶۵: اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ (کیا تم تمام جہان والوں میں سے مردوں سے بدفعلی کرتے ہو)۔ العالمین سے یہاں مراد لوگ ہیں یعنی کیا تم مردوں سے فعل بد کرتے ہو حالانکہ عورتیں کثرت سے موجود ہیں۔ نمبر۲۔ کیا تم ہی صرف لوگوں میں سے ایسے ہو جو مردوں سے بدفعلی کرتے ہو۔ یہ بے حیائی تمہاری خصوصیت ہے۔ اس صورت میں العالمین سے مراد ہر وہ حیوان جو نکاح کرتا ہے وہ مراد ہے۔

فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝ وَاَمْطَرْنَا

سو ہم نے لوط کو اور ان کے تمام گھر والوں کو نجات دے دی سوائے ایک بڑھیا کے وہ باقی رہ جانے والوں میں سے تھی۔ پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا اور

عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

ہم نے ان پر ایک خاص قسم کی بارش برسائی سو کیا بری بارش تھی جو ان لوگوں پر برسی جن کو ڈرایا گیا تھا۔ بلاشبہ اس میں بڑی عبرت ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

اور بے شک آپ کا رب زبردست ہے مہربان ہے۔

۱۶۶: وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ (اور ان کو چھوڑتے ہو جو تمہارے رب نے تمہارے لئے بیویاں بنائی ہیں)۔

نحو: مِنْ ما خلق کی وضاحت کر رہا ہے۔

نمبر۲: یعنی تبعیضیہ ہے مراد عورتوں کا عضو مباح ہے اور اپنی عورتوں سے بھی لواطت کرتے تھے۔

مسئلہ: اس میں دلیل ہے کہ لواطت بیوی سے بھی حرام ہے۔ اور اسی طرح مملوکہ لونڈیوں سے بھی۔ جنہوں نے اس سلسلہ میں اجازت دی ہے انہوں نے بہت بڑے گناہ و غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ (بلکہ تم تو حد سے نکل جانے والے لوگ ہو)۔ العادی جو ظلم میں تعدی کرنے والے ہو اور اس میں حد سے تجاوز کرنے والا ہو۔ یعنی بلکہ تم لوگ تو اس بات کے مستحق ہو کہ تمہاری صفت عدوان سے کی جائے۔ اس لئے کہ تم اس قسم کی بدترین حرکت کر رہے ہو۔

قوم کا جواب:

۱۶۷: قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ (کہنے لگے اگر تو اے لوط باز نہ آیا) ہمارے اوپر تنقید کرنے اور ہمارے فعل کی مذمت کرنے سے۔ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ (تو تمہیں نکال باہر کیا جائے گا) تمہیں ان لوگوں میں سے کر دیں گے جن کو ہم نے جلا وطن کر دیا اور اپنے درمیان سے نکال دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جس کو نکالتے تو وہ انتہائی بدحالی کی حالت میں نکالتے تھے۔

ان کی حرکت پر شدید نفرت:

۱۶۸: قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ (اس نے کہا بیشک میں تمہارے عمل کا سخت دشمن ہوں)۔ القالین کہنا قال کہنے سے زیادہ بلیغ ہے۔ جیسے کہتے ہیں فلان من العلماء یہ فلان عالم سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ اس میں تم گواہی دے رہے ہو کہ وہ تمام علماء میں معدود ہیں۔ القلی شدید بغض کو کہا جاتا ہے۔ جو دل و جگر بھون ڈالے۔

مسئلہ: اس میں لواطت کا عظیم گناہ ہونا ثابت ہوا۔ کیونکہ آپ کا بغض دینی ہی کی وجہ سے تھا۔

۱۶۹: رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ (اے میرے رب مجھے اور میرے اہل کو ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں۔ نجات عنایت

(فرما)۔ ان کے اعمال کی سزا سے۔

۱۷۰: فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ (پس ہم نے اس کو اور ان کے تمام اہل کو نجات دی) اہل سے مراد یہاں ان کی اولاد بیٹیاں اور ان کے پیروکار مؤمن مراد ہیں۔

۱۷۱: اِلَّا عَجُوْزًا (مگر ایک بڑھیا) وہ لوط علیہ السلام کی بیوی تھی۔ وہ اس فعل پر راضی تھی اور معصیت پر رضامندی اختیار کرنے والا گناہگار کے حکم میں ہے۔

اور اہل میں سے کافرہ کا استثناء ہے باقی تمام مؤمن تھے اس بناء پر درست ہے کیونکہ اہل کے لفظ میں وہ شریک تھی اگرچہ ایمان میں شریک حال نہ تھی۔ فِي الْغٰبِرِيْنَ (پیچھے رہنے والوں میں سے) یہ عجوزا کی صفت ہے یعنی وہ عذاب سے نہ بچ سکی۔

الغابر: لغت میں باقی کو کہا جاتا ہے۔

گویا کہ کہا گیا الا عجوزا غابرۃ مگر ایک بڑھیا پیچھے رہنے والی تھی ای مقدرا غبورھا۔ اس کا پیچھے رہ جانا طے ہو چکا تھا۔ اس لئے کہ باقی رہنا ان کی نجات کے وقت اس کی صفت و حالت نہ تھی۔ (بلکہ وہ ہلاک ہو چکی تھی)

قوم کی ہلاکت:

۱۷۲: ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ (پھر ہم نے پچھلوں کو تہس نہس کر دیا)۔ یہاں تدمیر سے مراد ان کا الٹ دیا جانا ہے۔

۱۷۳: وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا (اور ہم نے ان پر بارش کی بارش کرنا)۔

قول قتادہ و جبیرہ: قوم کے منتشر لوگوں پر آسمان سے پتھر برسائے اور ان کو ہلاک کر دیا گیا۔ ایک قول یہ ہے اللہ تعالیٰ فقط پلٹ دینے پر راضی نہ ہوئے یہاں تک کہ اس کے بعد ان پر پتھروں کی بارش کی۔ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ (کیا بری بارش تھی جو ان لوگوں پر برسی جن کو عذاب سے ڈرایا گیا تھا)۔

نحو: ساء کا فاعل مطر المنذرین ہے۔ اور مخصوص بالذم محذوف ہے اور وہ مطرھم ہے المنذرین سے معین لوگ مراد نہیں بلکہ جنس کفار مراد ہیں۔

۱۷۴: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (بیشک اس میں الامت نشانی ہے اور ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہ تھی)۔

۱۷۵: وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ (اور بیشک آپ کا رب البتہ زبردست نہایت مہربان ہے)۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ

ایکہ والوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ ان سے شعیب نے کہا کیا تم نہیں ڈرتے۔ بے شک میں

لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ

تمہارے لئے رسول امین ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو۔ اور تم سے اس پر کسی اجرت کا سوال نہیں کرتا میرا

اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۝ وَزِنُوْا

ثواب تو بس رب العالمین ہی کے ذمہ ہے۔ تم پورا ناپا کرو اور نقصان میں ڈالنے والے مت بنو۔ اور

بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۝ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ

ٹھیک طرح سے وزن کیا کرو۔ اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر مت دیا کرو اور زمین میں فساد کرتے والے

مُفْسِدِيْنَ ۝ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ

مت پھرو۔ اور اس ذات سے ڈرو جس نے تم کو اور تمام اگلی مخلوقات کو پیدا فرمایا۔ ان لوگوں نے کہا بات یہی ہے کہ تو ان لوگوں میں سے ہے جن پر

الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝

جادو کر دیا گیا ہو۔ اور تو ہمارے ہی جیسا ایک آدمی ہے اور بے شک ہم تجھے جھوٹوں ہی میں سے خیال کرتے ہیں۔

قوم شعیب علیہ السلام:

۱۷۶: كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ۔ (اصحاب ایکہ نے جھٹلایا) الایکہ یہ جھاڑ اور جڑ کے ساتھ درختوں کی گھنی جھاڑی۔

قول خلیل رحمہ اللہ:

لئیکۃ حجازی و شامی قراء نے اسی طرح پڑھا ہے اور سورہ ص میں اسی طرح ہے اس صورت میں یہ ایک شہر کا نام ہے۔ یہ قول یہ ہے اصحاب ایکہ اور اصحاب مدین ایک ہیں۔ جب وادیاں ان پر تنگ ہو گئیں تو گھنے جنگل میں انہوں نے ڈیرے ڈال لیے۔

قول فیصل:

صحیح قول یہ ہے کہ یہ اصحاب مدین سے الگ لوگ ہیں۔ یہ جنگل میں ایک نالی درختوں کے جھنڈ میں مقیم تھے اور ان کے اکثر درخت مگل کے تھے۔ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ یہاں اخوهم شعیب نہیں کہا کیونکہ ان سے آپ کا نسبی رشتہ نہ تھا آپ تو

اہل مدین میں سے تھے حدیث میں فرمایا گیا شعیب اہل مدین کے بھائی ان کی طرف مبعوث ہوئے اور اصحاب ایکہ کیلئے بلا تعلق کا لفظ ذکر فرمایا۔

۱۷۷: إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ (جبکہ ان کو شعیب علیہ السلام نے کہا کیا تم (اللہ کے عذاب سے) نہیں ڈرتے)۔

وعظ شعیب علیہ السلام:

۱۷۸: إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ (بیشک میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں)۔

۱۷۹: فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ (پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو)۔

۱۸۰: وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ (میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا میرا معاوضہ تو بس رب العالمین کے ذمہ ہے)۔

خیانت کا مرض:

۱۸۱: أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ (تم ناپ پورا دو اور کمی نہ کرو)۔ اوفوا یہاں تمام کے معنی میں ہے المخسرین کا مطلب یہ ہے لوگوں کے حقوق میں کمی نہ کرو۔ ناپ پورا کر کے دینے کا حکم ہے کمی ممنوع ہے اور ان کو دینے کے متعلق خاموشی اختیار فرمائی گئی۔

مسئلہ: زائد سے خاموشی یہ اس کے مستحسن ہونے کی دلیل ہے اگر نہ کرے تو گناہ نہ ہوگا۔

۱۸۲: وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ (تم صحیح ترازو سے تول دیا کرو)۔

قراءت: بِقِسطاس قاف کے کسرہ سے کوفی قراء سوائے ابوبکر کے پڑھتے ہیں اس کا معنی میزان ہے۔ نمبر۲۔ اور اگر یہ القسط سے لیا جائے تو وہ عدل کو کہتے ہیں۔ میں کلمہ دوبارہ لایا گیا پس اس کا وزن فعلاس بنے گا۔ ورنہ یہ رباعی ہے۔ نمبر۳۔ وزن کنڈا۔

۱۸۳: وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ (اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو)۔ کہا جاتا ہے بخسته حقه جب وہ اس کا حق کم کر دے۔

أَشْيَاءَهُمْ (ان کی اشیاء) دراہم و دنانیر کی اطراف کاٹ لینا۔ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ (اور زمین میں فساد پھیلاتے مت پھرو) ان اشیاء کے بگاڑ میں مبالغہ مت کرو اور اس کی مثال ڈاکہ زنی لوٹ مار، کھیتوں کو نقصان پہنچانے والا ان کا یہ معمول تھا۔ اسی لئے ان کو اس سے روکا گیا کہا جاتا ہے عثا فی الارض جب کہ وہ اس میں بگاڑ پیدا کرے عثی یعنی میں ایک لغت یہ بھی ہے۔

۱۸۴: وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ (اور اس ذات سے ڈرو۔ جس نے تم کو پیدا کیا اور تم سے پہلی مخلوق کو) الجبلۃ کا عطف کم پر ہے۔ ای اتقوا الذی خلقکم وخلق الجبلۃ تم اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے پہلی مخلوق کو پیدا کیا۔

الْأَوَّلِينَ پہلی یعنی گزشتہ۔

۱۸۵: قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ (کہنے لگے تمہیں تو جادو کر دیا گیا ہے)۔

۱۸۶: وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا (اور تو تو ہم جیسا انسان ہے)

نکتہ: یہاں واؤ کو داخل اس لئے کیا تا کہ دو معنے رہیں اور وہ دونوں ان کے ہاں رسالت کے منافی تھے۔ نمبر۱ تسخیر۔ نمبر۲۔

فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿١٨٧﴾ قَالَ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨٨﴾

سو اگر تو سچوں میں سے ہے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے۔ شعیب نے کہا جو کام تم کرتے ہو میرا رب خوب جانتا ہے۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٨٩﴾ إِنَّ فِي

سو ان لوگوں نے انہیں جھٹلایا لہٰذا ان لوگوں کو سائبان والے دن کے عذاب نے پکڑ لیا بے شک وہ بڑے دن کا عذاب تھا۔ بلاشبہ اس میں

ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٩٠﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٩١﴾

بڑی عبرت ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اور بے شک آپ کا رب زبردست ہے رحم والا ہے۔

بالبشریت۔ قصہ ثمود علیہ السلام میں واؤ کو چھوڑنا اس وجہ سے ہے تاکہ ایک معنی کا فائدہ دے اور وہ ان کا جادو زدہ ہونا ہے پھر ان جیسا انسان ہونے کا اقرار کریں۔ وَإِن نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ (اور ہم یقیناً تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں) یہ اِن مخففہ من المثقلہ ہے اور اِن نافیہ اور اس کے مابین فرق کیلئے لام کو یہاں داخل کیا گیا ہے۔ اور یہ دونوں فعل ظن پر بھی الگ الگ داخل ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے دونوں میں سے دوسرے مفعول پر بھی کیونکہ دونوں میں اصل یہ ہے کہ وہ مبتدا و خبر سے جدا ہو جائیں جیسے کہتے ہیں۔ ان زیدٌ لمنطلق جب کان اور ظننت دونوں مبتدا اور خبر کی جنس سے تھے۔ اسی لئے دونوں موقعوں پر ان لایا جاتا ہے ان کان زیدٌ لمنطلقا اور ان ظننتہ لمنطلقا۔

۱۸۷: فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا (پس تو ہم پر ایک بادل کا ٹکڑا گرا دے)

قراءت: كِسَفًا یہ حمزہ، کسائی، ابن کثیر و دیگر تمام قراء کی قرات ہے جبکہ حفص نے كِسَفًا پڑھا ہے اور یہ دونوں كِسْفَة کی جمعیں ہیں اور وہ ٹکڑے کو کہتے ہیں كِسْفَة کا معنی قطعة ہے۔ مِنَ السَّمَاءِ (آسمان سے) یعنی بادل تیرا سائبان۔ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ (اگر تو سچوں میں سے ہے) اگر تو نبوت کا دعویٰ کرنے میں سچا ہے اللہ تعالیٰ سے دعا کر کہ وہ ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا دے یعنی آسمان کا ٹکڑا بطور سزا و عذاب گرا دے۔

۱۸۸: قَالَ رَبِّي (اس نے کہا میرا رب)

قراءت: حجازی نے ربیَ پڑھا ہے اور دیگر قراء اور ابو عمرو نے ربیْ سکون سے پڑھا ہے۔

أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ (خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو) یعنی اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کا علم ہے اور جس سے تم عذاب کے مستحق بنتے ہو۔ اگر آسمان کا ٹکڑا گرا کر وہ تمہیں عذاب دینا چاہے دے اگر وہ اور کوئی سزا دینا چاہے تو وہ اس کی مرضی اور اس کے حکم پر موقوف ہے۔

یوم ظلہ کا عذاب:

۱۸۹: فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ (پس انہوں نے جھٹلایا اس لئے یوم ظلہ کے عذاب نے ان کو آ پکڑا) ظُلَّة وہ ایک

سے اتارا گیا ہے۔

۱۹۳: نَزَلَ بِهِ (اس کو لے کر اترا) الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ (روح الامین) یعنی جبریل علیہ السلام۔

نحو: نزل بہ اس کا فاعل الروح الامین ہے۔ الامین اس لئے کہ وہ وحی کا امین ہے جس میں زندگی ہے۔

قراءت: حجازی، ابو عمرو، زید، حفص وغیرہ نے تخفیف سے پڑھا اور دیگر قراء نے تشدید سے اور الروح کا نصب پڑھا اور فاعل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی جعل الله الروح نازلا به اللہ تعالیٰ نے روح کو مقرر کیا اس حال میں کہ وہ اس کو لے کر اترنے والا ہے یا دونوں قراءتوں میں تعدیہ کیلئے ہے۔

۱۹۴: عَلٰى قَلْبِكَ (آپ کے دل پر) یعنی آپ کے حافظہ اور فہم پر اور اس کو آپ کے دل میں اس طرح پختہ کر دیا جو بالکل نہ بھولنے پائے جیسا کہ ارشاد فرمایا سنقرئک فلا تنسى [الاعلیٰ ۶] لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ (تا کہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں)۔

عربی زبان میں اتارنے کا بیان:

۱۹۵: بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ (عربی زبان میں) لغت قریش و جرہم میں مُّبِيْنٍ (واضح) اس میں ایسی وضاحت ہے کہ عام لوگوں کی زبان میں جو نقائص ہیں یہ ان سے پاک ہے۔

نحو: باء نمبر ۱۔ یہ منذرین سے متعلق ہے تقدیر کلام یہ ہے لتكون من الذين انذروا بهذا اللسان اور وہ ہود و صالح، شعیب و اسماعیل علیہم السلام ہیں۔ نمبر ۲۔ نزل سے متعلق ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے نزل بلسان عربی لتنذر به لانه لو نزله بلسان اعجمی لتجافوا عنه اصلا ولقالوا ما نصنع بما لا نفهمه فيتعذر الانذار به اس کو عربی زبان میں اتارا تاکہ آپ اس کے ذریعہ ڈرائیں کیونکہ اگر اس کو عجمی زبان میں اتارتے تو یہ اس سے بالکل دوری اختیار کرتے اور ضرور کہتے ہم اس کو کیا کریں جس کو ہم سمجھتے ہی نہیں پس انذار ناممکن ہو جاتا۔

نکتہ: جب ثابت کہ اس کا اتارا جانا عربی زبان میں ہے جو آپ کی قوم اور آپ کی مادری زبان ہے اس کو آپ کے دل پر اتارا گیا ہے کیونکہ تم اس کو سمجھتے ہو اور اپنی قوم کو سمجھا سکتے ہو۔ اگر عجمی زبان میں ہوتا تو آپ کے کانوں پر اتارا جاتا نہ کہ دل پر اس حالت میں آپ حروف کی گھنٹیاں تو سنتے مگر ان کے معانی نہ سمجھتے۔ اور نہ محفوظ کر سکتے بسا اوقات آدمی کئی لغات کو جانتا ہے جب اس سے مادری زبان میں گفتگو کی جائے اس وقت اس کا دل فوراً معانی کلام کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اگر دوسری زبان میں بات کی جائے تو اس کی نگاہ اولاً الفاظ کی طرف منتقل ہوتی ہے اور پھر معانی کی طرف خواہ اس کی کتنی مہارت رکھتا ہو۔ یہی معنی ہے کہ قرآن آپ کے دل پر اترا ہے کیونکہ وہ عربی زبان میں ہے۔

۱۹۶: وَاِنَّهٗ (اور بیشک وہ) قرآن لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ (البتہ پہلے صحیفوں میں ہے) یعنی اس کا تذکرہ تمام سابقہ صحائف میں ہے۔ ایک قول یہ ہے اس کے معانی ان صحائف میں پائے جاتے ہیں

استدلالِ مفسر:

اس میں دلیل ہے کہ قرآن کا غیر عربی میں ترجمہ کیا ہوا بھی قرآن ہے اس کو غیر عربی زبان (فارسی وغیرہ) میں جوازِ قراءت کا ثبوت قرار دیا ہے (مگر یہ قول مرجوح ہے انظر شروح الہدایہ)

۱۹۷: اَوَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ اٰیَةً (کیا ان کے لئے دلیل کافی نہیں)

نحو و قراءت:

شامی نے تکن پڑھا ہے۔ آیۃ کان کا اسم اور ان یعلمہ کان کی خبر ہے۔ ای القرآن موجود ذکرہ فی التوراۃ ای قرآن کو وہ جانتے ہیں کیونکہ اس کا تذکرہ تورات میں موجود ہے۔ نمبر۲۔ ایک قول تکن میں ضمیر قصہ ہے اور آیۃ خبر مقدم ان یعلمہ مبتدا اور یہ جملہ کان کی خبر ہے۔

نمبر۳۔ قول آخر کان تامہ ہے اور لہم فاعل ہے اور ان یعلمہ لہم سے بدل ہے یا مبتدا محذوف ہے یعنی: اَوَ لم تحصل لہم آیۃ کیا تم کو ان کی کوئی نشانی نہیں ملی اور دیگر قراء کے نزدیک یکن مذکر ہے اور آیۃ منصوب ہے اس طرح کہ یہ اس کی خبر ہے اور اَنْ یَّعْلَمَهٗ اس کا اسم ہے تقدیر کلام یہ ہے: او لم یکن لہم علم علماء بنی اسرائیل ایۃ کیا نہیں ہے ان کے لئے علمائے بنی اسرائیل کا علم ایک نشانی۔

عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ علمائے بنی اسرائیل جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا۔ واذا یتلی علیہم قالوا اٰمنا بہ انہ الحق من ربنا انا کنا من قبلہ مسلمین [القصص: ۵۳]

رسم خط: مصحف میں علمٰؤا واؤ کے ساتھ الف سے لکھا گیا ہے۔

عجمی و اعجمی کا فرق:

۱۹۸: وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِیْنَ (اور اگر ہم اس کو اتارتے بعض عجمیوں پر) الاعجمین یہ اعجم کی جمع ہے اور وہ غیر فصیح کو کہا جاتا ہے اسی طرح عجمی بھی البتہ اضافت یا کی وجہ سے تاکید زائد ہے۔ جب کوئی اہل عرب سے ان کی زبان کے علاوہ دیگر زبان میں بات کرتا تو وہ اس کی بات نہ سمجھتے اور اس کو کہتے اعجم و اعجمی اس کو ایسے شخص سے تشبیہ دیتے جو نہ فصیح ہو اور نہ کھول کر وضاحت کر سکتا ہو۔ والعجمی جو غیر عربی ہو خواہ وہ فصیح ہو یا غیر فصیح۔

قراءت حسن رحمۃ اللہ علیہ: الاعجمیین ایک قول یہ بھی ہے الاعجمین تخفیف کے ساتھ الاعجمیین تشدید کے ساتھ اسی طرح ہے جیسا کہ الاشعرون والاشعریون یائے نسبت کو حذف کر دیا اور اسی طرح نہ مانیں تو یہ جمع سالم نہیں بن سکتی کیونکہ اس کی مؤنث عجماء ہے۔

عجمی پر اتارنے میں نہ مانتے:

۱۹۹: فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ (پس وہ ان پر پڑھتا تو وہ اس پر ایمان لانے والے نہ تھے) مطلب یہ ہے ہم نے قرآن مجید ایک فصیح عربی زبان والے پر فصیح زبان میں اتارا انہوں نے اس کو سمجھ لیا اور اس کی فصاحت کو بھی پہچان لیا اور اس کا معجزہ ہونا بھی ظاہر کیا گیا اور اس کے ساتھ علماء اہل کتاب کا متفقہ بیان کہ اس کے اتارے جانے کی بشارت تورات میں موجود ہے بھی ملا دیا۔ وہ قرآن ان کے مقاصد اور قصص کو شامل ہے۔

اس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے قریش کے خیالات کے مطابق اساطیر الاولین نہیں۔ مگر قریش ایمان نہ لائے اور اس کا نام بھی شعر رکھا اور کبھی اس کو سحر قرار دیا اور کہنے لگے یہ محمد ﷺ خود گھڑ کر لاتے ہیں۔ اور اگر ہم اس کو کسی عجمی پر اتار دیتے جو عربی خوب طرح نہ جانتا چہ جائیکہ اس جیسا کلام بنا سکے۔ وہ وہ بھی ان کے سامنے معجزانہ طور پر اس کو پڑھتا تو پھر بھی یہ اس کا انکار کر دیتے جیسا کہ اب کر رہے ہیں۔ یہ اپنے انکار کیلئے کوئی عذر لنگ تلاش کر لیتے اور اس کو سحر قرار دیتے۔

۲۰۰: كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ (اسی طرح ہم نے اس کو داخل کر دیا) یعنی تکذیب کو داخل کر دیا کفر کو یہ ما كانوا به مؤمنين کا مدلول ہے۔ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ (مجرمین کے قلوب میں) المجرمین سے مراد وہ کفار ہیں جن کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ وہ کفر ہی اختیار کریں گے اور ان کی طرف سے اصرار کفر ہی ظاہر ہوگا۔ مطلب یہ ہے مثل هذا السلك سلكناه في قلوبهم وقررناه فيها فكيف ما فعل بهم و على اى وجه دبر امرهم فلا سبيل الى ان يتغيروا عما هم عليه من الكفر به والتكذيب له اس داخل کرنے کی طرح ہم نے تکذیب کو ان کے دلوں میں داخل کر دیا اور دلوں میں پختہ کر دیا ان کے ساتھ جو کچھ بھی کیا جائے اور جو تدبیر ان کو سمجھانے کی اختیار کی جائے۔ وہ اپنی بات سے بدلنے والے نہیں وہ کفر و تکذیب پر برقرار رہیں گے جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا۔ ولو نزلنا عليك كتابًا في قرطاس فلمسوه بايديهم لقال الذين كفروا ان هذا الا سحر مبين [الانعام: ۷]

مسئلہ: یہ آیت معتزلہ کے خلاف ہماری دلیل ہے کہ افعال خیر و شر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

قریش انکار پر قائم رہیں گے:

۲۰۱: لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ (وہ قرآن پر ایمان نہ لائیں گے) اسلكناه في قلوب المجرمين سے جملہ لا يؤمنون به لا کر وضاحت کر دی اور ماقبل کا خلاصہ بیان کر دیا کیونکہ یہ بات آپ کی تسلی قلبی کیلئے ہے۔ کیونکہ آپ کی تکذیب کی گئی اور انکار کیا گیا تو آخر میں اسی بات کو پختہ کرنے کیلئے یہ کلام لائے کہ وہ تکذیب کو ترک نہ کریں گے اور انکار کی شدت پر قائم رہیں گے جب تک کہ وہ عذاب کو دیکھ نہ لیں۔ اور یہ بھی درست ہے کہ یہ جملہ حال ہو اس وقت تقدیر یہ ہوگی سلکناہ فیھا غیر مؤمن به ہم نے اس تکذیب کو ان کے دلوں میں چلا دیا اس حال میں کہ وہ اس پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں) اس سے مراد وہ معاینہ عذاب ہے جو ان کو موت کے وقت پیش آئے گا اس وقت

ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿۲۰۷﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ

پھر جس کا ان سے وعدہ ہے وہ ان کے سر پر آ پڑے تو جن کا وہ بہرہ مند ہوتے تھے کیا فائدہ دے سکتا ہے اور ہم نے کوئی بستی ہلاک

قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿۲۰۸﴾ ذِكْرٰى وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۰۹﴾ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿۲۱۰﴾

نہیں کی مگر اس کے لئے نصیحت کے طور پر ڈرانے والے تھے۔ اور ہم ظلم کرنے والے نہیں ہیں۔ اور اس قرآن کو شیاطین لیکر نہیں اترے

وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾

اور نہ وہ طاقت رکھتے ہیں۔ بلاشبہ وہ سننے سے روک دیئے گئے ہیں۔

ایمان پر بھی ہوگا جو نفع بخش نہ ہوگا۔

۲۰۲: فَیَاْتِیَہُمْ بَغْتَۃً (پس وہ عذاب ان پر اچانک آ جائے گا)۔ وَّہُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ (اور ان کو اس کی آمد کا شعور بھی نہ ہوگا)۔

۲۰۳: فَیَقُوْلُوْا ہَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ (اس وقت وہ کہیں گے کاش ہمیں مہلت دے دی جائے)۔

نحو: فیقولوا اور فیاتیہم دونوں کا عطف یَرَوُا پر ہے۔ منظرون کا مطلب یہ ہے کہ پلک جھپک کیلئے مہلت کے طالب ہوں گے مگر ان کی بات مانی نہ جائے گی۔

۲۰۴: اَفَبِعَذَابِنَا یَسْتَعْجِلُوْنَ (کیا وہ ہمارے عذاب کو جلدی مانگتے ہیں) اس میں ان کو توبیخ ہے اور ان کی بات کا انکار کیا گیا ہے جو انہوں نے کی۔ فَاَمْطِرْ علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم۔ [الانفال: ۳۲] اور اسی طرح دیگر آیات۔

بڑا غافل: یحییٰ بن معاذ کا قول:

لوگوں میں سب سے بڑا غافل وہ ہے جو اپنی زندگی پر مغرور ہے اور اپنی امیدوں سے اس کو سکون ملتا اور اپنے مراد پالینے سے لذت میسر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

۲۰۵: اَفَرَءَیْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰہُمْ سِنِیْنَ (بھلا دیکھو تو! ہم ان کو برسہا برس تک مزے اڑانے دیں)۔ ایک قول یہ ہے کہ مدت دنیا کے سال ہیں۔

۲۰۶: ثُمَّ جَآءَہُمْ مَّا کَانُوْا یُوْعَدُوْنَ (پھر ان کے پاس وہ آ پہنچا جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا) یعنی عذاب۔

عذاب آنے پر طویل عمر کا فائدہ نہ ہوگا:

۲۰۷: مَآ اَغْنٰی عَنْہُمْ مَّا کَانُوْا یُمَتَّعُوْنَ (ان کا یہ نفع اٹھانا ان کو کچھ بھی فائدہ نہ دے گا) ما کانوا یمتعون بہ فی تلک السنین جن چیزوں سے وہ ان سالوں میں تمتع کرتے رہے۔ مطلب یہ ہے وہ جلدی عذاب تو اس وجہ سے مانگتے ہیں کہ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ عذاب واقع نہ ہوگا نہ ان کو پہنچے گا اور وہ طویل عمریں سلامتی و امن سے گزارتے رہیں گے اس پر اللہ تعالیٰ نے

فرمایا۔ افبعذابنا یستعجلون (کیا وہ ہمارے عذاب کے جلد پہنچنے کے خواستگار ہیں) استہزاء اور تمسخر کے طور پر اور لمبی امیدوں پر بھروسہ کرتے ہوئے پھر بطور فرض دا تسلیم فرمایا اگر ان کی یہی گمان کہ معاملہ ان کے اعتقاد کے مطابق بھی ہو اور وہ طویل عمر پالیں اور حیات دنیوی سے خوب تمتع حاصل بھی کرلیں۔ پھر اگر ان کو وعید آن پہنچے تو پھر ان کی گزری ہوئی عمریں اور خوشحال زندگی کیا نفع دے سکے گی۔

قول میمون بن مہران: ان کی ملاقات حسن سے طواف کے دوران ہوئی اور ان کے دل میں ان کی ملاقات کی تمنا بھی تھی۔ تو میمون نے کہا مجھے نصیحت فرمادیں حسن رحمۃ اللہ علیہ نے یہ آیت پڑھی۔ اس پر میمون نے کہا تو نے بڑا بلیغ بتلایا ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ سے منقول ہے کہ جب فیصلہ کیلئے بیٹھتے تو اس آیت کو تلاوت فرماتے۔

٢٠٨: وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ (اور جتنی بستیاں ہم نے ہلاک کیں ان میں ڈرانے والے آئے) منذرون سے رسل مراد ہیں جو ان کو ڈراتے رہے۔

نحو: یہاں الا کے بعد والے جملہ پر واؤ داخل نہیں ہوئی جیسا کہ اس ارشاد میں ہے وما اهلكنا من قرية الا ولها كتاب معلوم [الحجر:٣] کیونکہ اصل واؤ کا نہ ہونا ہے جاننے کہ جملہ قریہ کی صفت ہے جب بھی واؤ لاتے ہیں تو وہ صفت و موصوف کے اتصال کی تاکید کیلئے لائی ہوتی ہے۔

٢٠٩: ذِكْرٰى (نصیحت کیلئے)۔

نحو و ترکیب:

نحو: یہ منصوب ہے اور تذکرہ کے معنی میں ہے کیونکہ انذر اور ذکر قریب قریب ہیں۔ گویا اس طرح فرمایا مذکرون تذکرۃ یاد دلانے والے ہیں یاد دلانا۔

نمبر٢۔ منذرون کی ضمیر سے حال ہے تقدیر عبارت یہ ہے ينذرونهم ذوی تذكرة۔ ان کو نصیحت والے ڈراتے رہے۔

نمبر٣۔ یہ کا مفعول لہ ہے۔ یعنی ينذرون لاجل التذكرة والموعظة وہ تذکرہ اور موعظہ کیلئے ڈراتے رہے۔

نمبر٤۔ مرفوع ہے مبتدأ محذوف کی خبر ہے ای ہذہ ذکری اور جملہ معترضہ ہے۔

نمبر٥۔ یہ صفت ہے یعنی منذرون ذوو ذکری۔ ڈرانے والے نصیحت والے۔

نمبر٦۔ ذکری یہ اهلكنا کے متعلق ہے اس کا مفعول لہ ہے مطلب یہ ہے (وما اهلكنا من اهل قرية ظالمين الا بعد ما الزمنا هم الحجة بارسال المنذرين اليهم ليكون اهلاكهم تذكرة وعبرة لغيرهم فلا يعصوا مثل عصيانهم) اور ہم نے کسی بستی والوں کو ظلما ہلاک نہیں کیا مگر اس وقت جب ان کی طرف ہم نے منذرین کو بھیج کر حجت تمام کردی تاکہ ان کی ہلاکت دوسروں کیلئے نصیحت و عبرت بن جائے وہ ان کی طرح نافرمانی نہ کریں۔ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ (اور ہم ظلم کرنے والے نہ تھے) کہ غیر ظالم قوم کو ہلاک کرتے۔

٢١٠: جب مشرکین نے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ شیاطین محمد (ﷺ) پر قرآن لاتے ہیں تو یہ آیت اتری۔ وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ

فَلَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُعَذَّبِيۡنَ ﴿۲۱۳﴾ وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنۡ عَصَوۡكَ فَقُلۡ اِنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۱۶﴾ وَتَوَكَّلۡ عَلَى الۡعَزِيۡزِ الرَّحِيۡمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِىۡ يَرٰٮكَ حِيۡنَ تَقُوۡمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِى السّٰجِدِيۡنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۲۲۰﴾

سو آپ اللہ کے ساتھ کسی معبود کو نہ پکاریں ورنہ عذاب پانے والوں میں سے ہو جائیں گے اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرائیے۔ اور ان لوگوں کے ساتھ تواضع کے ساتھ پیش آئیے جو اہل ایمان سے آپ کا اتباع کرنے والے ہیں۔ سو اگر یہ لوگ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ میں تمہارے اعمال سے بری ہوں۔ اور آپ عزت والے رحم والے پر توکل کیجئے جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور سجدہ کرنے والوں میں آپ کے اٹھنے بیٹھنے کو۔ بلاشبہ وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

(اور اس قرآن کو شیاطین لے کر نہیں اترے)۔

۲۱۱: وَمَا يَنۡۢبَغِىۡ لَهُمۡ وَمَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ (اور شیاطین کو ایسا کرنا جائز بھی نہیں اور وہ اس کی طاقت بھی نہیں رکھتے) اور ان کو یہ میسر بھی نہیں اور نہ وہ اس کی قدرت رکھتے ہیں۔

۲۱۲: اِنَّهُمۡ عَنِ السَّمۡعِ (بیشک ان کو سننے سے) اس کے چرانے سے لَمَعۡزُوۡلُوۡنَ (شہابوں کے ذریعہ روک دیا گیا)۔

۲۱۳: فَلَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُعَذَّبِيۡنَ (پس تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو مت پکارو۔ کہیں تم بھی ان لوگوں میں ہو جاؤ جن کو عذاب دیا جائے گا۔) بطریق تعریض دوسروں کو تہدید کی گئی اور آپ ﷺ کو اور زیادہ اخلاص کی تحریک کی گئی ہے۔

اقرب کو خاص کرنے کی وجہ:

۲۱۴: وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ (اور آپ اپنے قریب ترین کنبہ والوں کو ڈرائیے۔) قریبی خاندان کو خاص کیا تاکہ آپ سے اس تہمت کی نفی کر دی جائے کہ عموماً انسان اپنے قرابت داروں کے متعلق چشم پوشی سے کام لیتا ہے۔ نیز تاکہ رشتہ داروں کو معلوم ہو کہ نجات آپ کی اتباع و پیروی میں ہے قرابت میں نہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے صفا پر چڑھ کر اپنے اقربا کو آواز دی: یا بنی عبدالمطلب یا بنی ہاشم یا بنی عبدمناف۔ اے پیغمبر کے چچا عباس، اے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہ میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑانے کے لئے کوئی کام نہ آؤں گا۔ (احمد، مسلم، ترمذی، نسائی)

تواضع کی مثال:

۲۱۵: وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ (اور تم جھکا دو اپنے بازو کو) تواضع اختیار کرو اور نرم گوشہ اختیار کرو۔ اس کی اصل یہ ہے کہ پرندہ اترنا چاہتا

ہے تو بازو کو بند کر کے جھکا لیتا ہے اور جب اڑنے کا ارادہ کرتا ہے تو اپنے پروں کو بلند کرتا ہے تو خفض جناح کو اترنے کے وقت تواضع کی مثال کے طور پر پیش کیا گیا اور نرم پہلو کیلئے لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (ان کے لئے جو تیرے پیروکار مؤمن ہیں) تمہارے خاندان میں سے ہوں یا غیر۔

۲۱۶: فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (پھر اگر وہ تیری نافرمانی کریں تو کہہ دیں میں تمہارے اعمال سے بری الذمہ ہوں) مطلب یہ ہے کہ تم اپنی قوم کو ڈراؤ۔ اگر وہ تمہاری اتباع اور اطاعت اختیار کرلیں تو ان کے لئے اپنے بازو کو جھکا دو۔ اور اگر وہ نافرمانی کریں اور اتباع نہ کریں تو ان سے بیزاری کا اظہار کریں اور ان کے اعمال شرکیہ سے بھی۔

۲۱۷: وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ (وہ زبردست اور نہایت رحم والی ذات پر بھروسہ کریں) جو اپنی عزت و جلال سے تمہارے دشمنوں کو مقہور اور اپنی رحمت سے تمہاری مدد فرمائے گا۔ اور تیرے تمام نافرمانوں کے شر کیلئے بھی وہ کافی ہے۔

توکل:

التوکل آدمی اپنا معاملہ اس کے سپرد کرے جس کو ان کے معاملہ پر اقتدار حاصل ہو۔ اور اس کے نفع و نقصان پر قدرت رکھتا ہو۔ علماء کا قول: متوکل وہ ہے اگر اس کو سخت معاملہ پیش آئے تو وہ اس کو دور کرنے کیلئے اس چیز کو استعمال نہ کرے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی والی ہو۔

قول جنید: توکل یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف مکمل طور پر متوجہ ہو جاؤ اور اس کے ماسوا سے مکمل اعراض کرلو۔ دونوں جہاں میں تمہاری ضرورت اسی کی بارگاہ سے متعلق ہو۔

قراءت: فتوکل۔ مدنی اور شامی نے پڑھا اور فتوکل پر اس کو عطف کیا یا فلا تدع پر عطف ہے۔

۲۱۸: الَّذِىْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ (جو تمہیں دیکھتا ہے جس وقت آپ کھڑے ہوتے ہیں) تہجد ادا کرتے ہوئے۔

خصوصی رحمتیں:

۲۱۹: وَتَقَلُّبَكَ فِى السّٰجِدِيْنَ (اور نمازیوں کے ساتھ آپ کی نشست و برخاست کو بھی دیکھتا ہے) تقلبک سے قبل یری محذوف ہے) الساجدین سے نمازی مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اپنے رسول پر رحمتوں کا اندازہ تو کرو کہ رات کے دوران جو کچھ آپ کرتے ہیں تاکہ ان کے جانے بغیر ان کے احوال آپ کو معلوم ہوں اور ان کی عبادت کا علم ہو سکے اور قربت کیلئے ان کے اعمال معلوم ہو سکیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اس وقت بھی تمہیں دیکھتے ہیں جب تم لوگوں کو جماعت کرانے کھڑے ہوتے ہو اور تقلبک فی الساجدین کا مطلب: یہ قیام و رکوع اور سجود سے امامت کے دوران ان میں تصرف و تبدیلی۔

قولِ مقاتل رحمہ اللہ:

کہ میں نے ابو حنیفہ سے سوال کیا کہ کیا جماعت کی نماز کا ذکر قرآن مجید میں ہے آپ نے فرمایا مجھے مستحضر نہیں پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔

ہے یہ سب پہلی خبر میں ہوگا۔ نمبر ۲۔ جملہ مستانفہ ہے اس کا کوئی محل اعراب نہیں گویا اس طرح فرمایا لم تنزل علی الملائکۃ کیوں؟ یا وہ کیوں پر نہیں اترا۔ پھر کہا گیا وہ ایسا کرتے ہیں۔ وَاَکْثَرُھُمْ کٰذِبُوْنَ (ان کی اکثریت جھوٹ بولتی ہے) اس میں جو کہ ان کی طرف خفیہ اشارہ کرتے ہیں کیونکہ ان کو وہ بات سناتے ہیں جو انہوں نے سنی نہیں ہوتی (اس لئے اس کا جو چاہتے ہیں مطلب بناتے ہیں)۔

ایک قول یہ ہے وہ اپنے اولیاء کے کانوں میں وہ بات ڈالتے ہیں جو کہ انہوں نے ملائکہ سے سنی ہوتی ہے۔ ایک اور قول افتراء پرداز اور جھوٹے شیاطین کی طرف کانوں کو لگاتے ہیں۔ اور ان کے شیطانی اشارے وصول کرتے ہیں۔

قول دیگر:

شیاطین سے سنی ہوئی بات لوگوں کے کانوں میں ڈالتے ہیں اور افتراء پرداز جھوٹے ہیں وہ شیاطین کے ذمہ وہ جھوٹی باتیں لگاتے ہیں جو شیاطین نے ان کو نہیں کہی ہوتیں۔

الافاک جو کثرت سے بہتان بازی کرے مگر یہ بات اس پر دلالت نہیں کرتی کہ وہ جھوٹ کے علاوہ بات کرتے ہی نہیں۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ یہ افتراء پرداز بہت جھوٹ بولتے ہیں ان اقوال میں جو جنات سے وہ نقل کرتے ہیں اور ان کی اکثریت جنات پر افتراء بندھنے والی ہوتی ہے۔

قول حسن: تمام خبری ہیں۔

جدا بیان کی حکمت:

لتنزیل رب العالمین اور وما تنزلت به الشیاطین اور هل انبئکم علی من تنزل الشیاطین ان کو الگ الگ ذکر کیا حالانکہ یہ ایک دوسری سے ملتی جلتی ہیں کیونکہ جب ان کے درمیان ایسی آیات سے فاصلہ کر دیا جو ان کے ساتھ مضمون میں نہیں ملتیں پھر بار بار ان کی طرف رجوع کیا تو اس سے یہ بات خود ثابت ہوئی کہ ان آیات کی طرف خصوصی توجہ ہے اس کی مثال اس طرح ہے کہ جب تم کوئی بات بیان کرو اور تمہارے دل میں کسی چیز کا خصوصی اہتمام ہو تو تم اس کا بار بار تذکرہ کرو گے اور اس بات کی طرف لوٹنا بالکل ترک نہ کرو گے۔

شعراء کے پیروکار گمراہ:

۲۲۴: یہ ان لوگوں کے متعلق اتری جو شعر کہتے اور اہل زبان سے یہ بڑ مارتے ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جیسے محمد ﷺ کہتے ہیں۔ حالانکہ ان لوگوں کے پیرو گمراہ قسم کے لوگ تھے جو ان کے اشعار سنتے۔ وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُھُمُ الْغَاوٗنَ (شعراء کی اتباع تو بے راہ لوگ چلتے ہیں)۔

نحو: الشعراء مبتداء اور یتبعھم الغاون اس کی خبر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شعراء کی اتباع ان کے باطل ان کے جھوٹ پر کلام اور اعراض کو پھاڑنے انسانوں کی عیب جوئی کرنے اور ان کی تعریف کرنے جو تعریف کے مستحق نہیں اور ہجو گوئی میں بے راہرو

لوگ کرتے ہیں سفہاء اور خود پرست اس کو خوب قرار دیتے ہیں۔ نمبر۲۔ شیاطین اس کو پسند کرتے ہیں نمبر۳۔ مشرکین اس کو پسند کرتے ہیں۔

قول زجاج: جب کوئی شاعر مدح یا مذمت ناممکن چیز کی کرے اور اس کو لوگ پسند کر کے اس کی اتباع کریں تو وہ غاوین میں شامل ہیں۔

قراءت: یَتْبَعُهُمْ نافع نے پڑھا ہے۔

۲۲۵: اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ (کیا تجھے معلوم نہیں کہ وہ ہر وادی میں) کلام کی وادی مراد ہے۔ یَهِیْمُوْنَ (سرگرداں پھرتے ہیں)۔

نحو: یہ اَنَّ کی خبر ہے وہ کذب کے ہر فن میں فرماتے اور بات بناتے ہیں۔ نمبر۲۔ ہر لغو و باطل میں گھسے پھرتے ہیں۔ الہائم جو بلا مقصد جدھر منہ آئے چل دے۔ یہ در حقیقت تمثیل ہے کہ وہ کلام کی ہر گھاٹی میں جاتے ہیں اور لوگوں میں سے سب سے بڑے بزدل کو عنترہ (جو جاہلیت کے زمانہ کا مشہور بہادر ہے) سے بڑا بہادر اور بخیل الذی کو حاتم سے بڑا سخی قرار دیتے ہیں۔

۲۲۶: فرزدق کا قول ہے سلیمان بن عبدالملک نے میرا یہ شعر سنا ؎

فَبِتْنَ بجانبیّ مُصرَّعاتٍ ☆ وبِتُّ أفُضُّ اغلاقَ الختام

تو سلیمان نے کہا تم پر حد لازم آتی ہے فرزدق کہنے لگا اللہ تعالیٰ نے حد مجھ سے یہ فرما کر ہٹالی۔ اور آیت پڑھی وَاَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ (اور وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے کذب اور وعدہ خلافی کو ذکر فرمایا۔

۲۲۷: پھر مؤمن صالح شعراء کو مستثنیٰ فرمایا۔ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالحہ کیے) جیسے عبداللہ بن رواحہ، حسان بن ثابت، کعب بن زہیر، کعب بن مالک وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا (اور وہ اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتے ہیں) یعنی ذکر الٰہی و تلاوت قرآن ان پر شعر سے زیادہ غالب ہے۔ اور جب کبھی وہ کوئی شعر کہتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ثناء اور حکمت و موعظت، زہد و ادب اور مدح رسول ﷺ اور مدح صحابہ و صلحائے امت پر کہتے ہیں اور اسی طرح کے دیگر موضوعات جن پر کلام کرنا گناہ نہیں ہے۔

قول ابو یزید:

ذکر کثیر گنتی اور تعداد کے شمار کرنے سے نہیں جبکہ اس کے ساتھ غفلت ہو بلکہ حضور قلب سے میسر آتا ہے۔

وَّانْتَصَرُوْا (اور انہوں نے انتقام لیا) اور کفار کی ہجو کی مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا (اس کے بعد کہ ان پر ظلم کیا گیا) ان کی ہجو کی گئی۔ یعنی انہوں نے ہجائے رسول ﷺ اور ہجائے مسلمین کی تردید جواب میں ہجو کی۔ اور ہجو کا وہ آدمی سب سے زیادہ مستحق ہے جو رسول اللہ ﷺ کی تکذیب بھی کرے اور آپ کی ہجو بھی کرے۔

قول کعب بن مالک: کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم ان کی ہجو کرو۔ مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان

ہے وہ ان کفار کیلئے تیر اندازی سے زیادہ گراں ہے (عبدالرزاق وابن سعد) آپ حسان رضی اللہ عنہ کو فرماتے تھے روح القدس معک تم کفار کے متعلق اشعار کہو اور روح القدس تمہارے ساتھ معاون ہیں۔

اختتام سورت:

سورت کا اختتام اس انداز سے فرمایا جو تدبر کرنے والوں کے جگر کو کھائے جا رہا ہے۔ وہ یہ ارشاد ہے۔ وَسَیَعْلَمُ (اور عنقریب جان لیں گے) اس میں انتہائی بلیغ وعید فرمائی گئی ہے۔ اور یہ ارشاد الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا (وہ لوگ جو ظالم ہیں) اور ظلموا کو مطلق لائے اور یہ ارشاد ہے۔ اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ (کہ ان کو کیسی جگہ لوٹ کر جانا ہے) یہاں بیان کے انداز میں تعظیم ہونے کا اظہار ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جب اپنا جانشین بنایا تو یہ آیت لکھی اور سلف صالحین اس کو بطور وعظ ایک دوسرے کو سناتے۔

قراءت ابن عباس: عنقریب ہم میں سے اعراض کرنے والا جان لے گا کہ کونسی چیز ہم سے روکی ہے۔

ای۔ ینقلبون کا مصدر ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یہ سیعلم کی وجہ سے منصوب نہیں کیونکہ اسمائے استفہام ما قبل پر عمل نہیں کر سکتے تقدیر اس طرح ہے ینقلبون ای انقلاب وہ پلٹیں گے کونسا پلٹنا۔ واللہ اعلم

تمت ترجمۃ سورۃ الشعراء لیلۃ الجمعۃ ۴ ذوالقعدہ [illegible] ھ ۱۷ جنوری [illegible] ء الحمد للہ اولاً و آخراً

سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ نمل مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اس میں ترانوے آیات اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ(۱) هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ(۲)

طٰسٓ۔ یہ آیات ہیں قرآن کی اور واضح طور پر بیان کرنے والی کتاب کی۔ اور روشنی ہیں خوشخبری ہیں ایمان والوں کے لئے

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ(۳) اِنَّ

جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ بلاشبہ

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ؕ(۴) اُولٰٓئِكَ

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے اعمال کو مزین کر دیا ہے سو وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔ یہ وہ

الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ(۵) وَاِنَّكَ

لوگ ہیں جن کے لئے برا عذاب ہے اور یہ لوگ آخرت میں سب سے زیادہ خسارے میں ہوں گے۔ اور بلاشبہ آپ کو

لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ(۶)

حکمت والے علم والے کی طرف سے قرآن دیا جا رہا ہے۔

۱: طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ (طٰسٓ۔ یہ قرآن اور کتاب مبین کی آیات ہیں۔ وہ ایمان والوں کیلئے ہدایت و بشارت ہے)۔

کتاب مبین ای آیات کتاب مبین۔ یہ کتاب مبین کی آیات ہیں۔ تِلْكَ سے سورت کی آیات کی طرف اشارہ ہے اور کتاب مبین سے لوح محفوظ مراد ہے۔

مبین کا معنی:

مبین کا معنی ظاہر۔ ابانت و ظہور سے ہے اور اس کے ظہور کا مطلب یہ ہے کہ سب کچھ ہونے والا اس میں ظاہر کر دیا گیا اس میں دیکھنے والوں کے لئے قرآن کی آیات واضح ہیں۔

نمبر۲۔ کتاب مبین سے قرآن مجید مراد ہے اور اس کے ابانت کا مطلب یہ ہے کہ جو حکمتیں اور علوم اس میں بیان کیے گئے یہ ان کو کھول کر بیان کرتا ہے۔ اس صورت میں عطف صفۃ علی الصفۃ الاخری کی قسم سے ہوگا۔ مثلاً ھذا فعل السخی والجواد۔

وجہ تنکیر:

کتاب کو نکرہ تعظیم شان کے لئے لایا گیا ہے۔

ایک قول:

یہاں کتاب کو نکرہ اور سورۃ الحجر میں معرفہ لائے۔ اور یہاں قرآن کو معرفہ اور وہاں نکرہ لایا گیا۔ کیونکہ القرآن اور الکتاب دونوں اسم علم ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر منزل شدہ وحی متلو کو کہتے ہیں اور اس کے وصف ہیں کیونکہ وہ کتاب پڑھی اور لکھی جاتی ہے۔ پس اس حیثیت سے بطور علم معرفہ لائے اور اس حیثیت سے کہ یہ اس کی صفتیں ہیں تو صفت کا لحاظ کر کے نکرہ لائے۔

۲: هُدًى وَّبُشْرٰى (وہ ہدایت و بشارت ہے)۔ آیات سے حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہیں۔ مطلب یہ ہو کہ یہ آیات راہنمائی کرنے والی اور بشارت دینے والی ہیں۔ ان میں عامل وہی ہے جو تلک کا ہے۔ یعنی نمبر۱۔ اشارہ کا معنی۔ نمبر۲۔ مجرور ہے اس طور پر کہ یہ کتاب سے بدل ہے۔ نمبر۳۔ کتاب کی صفت ہونے کی بناء پر مجرور ہے۔ نمبر۴۔ مرفوع ہیں ان کا مبتدا محذوف ہے ھدی و بشری۔ نمبر۵۔ آیات کا بدل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ نمبر۶۔ تلک کی دوسری خبر ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے تلک آیات وھادیۃ من الضلالۃ و مبشرۃ بالجنۃ۔ وہ آیات ہیں اور وہ گمراہی سے ہدایت بخشنے والی اور جنت کی خوشخبری والی ہیں۔

ایک قول:

ھدی لجمیع الخلق و بشری لِلْمُؤْمِنِيْنَ خاصۃ۔ یہ تمام مخلوق کے لئے ہدایت اور مومن کے لئے خصوصاً خوشخبری دینے والی ہیں۔

تکرار ضمیر کا فائدہ:

۳: الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ (جو نماز قائم کرتے ہیں) اس کے فرائض و سنن پر مداومت اختیار کرنے والے ہیں۔ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ (اور وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں) اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (اور وہی آخرت پر پورا پورا ایمان رکھتے ہیں)۔ یہ نمبر۱۔ الذین کے صلات میں سے صلہ ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے پہلے صلہ پورا ہو جائے اور یہ نمبر۲۔ جملہ معترضہ ہو۔ گویا اس طرح فرمایا۔ ھؤلاء الذین یؤمنون ویعملون الصالحات من اقامۃ الصلاۃ و ایتاء الزکاۃ ھم الموقنون بالآخرۃ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے جیسے اقامت صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کرتے رہے وہ آخرت پر یقین رکھنے والے ہیں اور وہاں پر دلالت موجود ہے۔ جملہ اسمیہ لایا گیا اور اس میں ھم مبتدا کو تکرار کے ساتھ

لائے۔ یہاں تک کہ اس کا معنی اس طرح بن گیا۔ اگر آخرت پر کسی کو یقین ہے تو وہ یہی لوگ ہیں جو ایمان و عمل صالح کو جمع کرنے والے ہیں۔ کیونکہ انجام کا خوف ان کو مشقتیں اٹھانے کیلئے آمادہ کرتا ہے۔

۴: اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَیَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ (بیشک وہ لوگ جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے ہم نے ان کے لئے ان کے اعمال کو مزین کر دیا)۔ ان میں شہوت پیدا کر کے یہاں تک کہ وہ اس کو اچھا سمجھنے لگے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے۔ اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا [فاطر: ۸]

فَهُمْ یَعْمَهُوْنَ (پس وہ سرگرداں و حیران ہیں) اپنی گمراہی میں متردد ہیں۔ جیسا کہ راستے سے گم گشتہ شخص کا حال ہوتا ہے۔

۵: اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ (یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے برا عذاب ہے)۔ قتل و قید کا جو بدر کے دن پیش آیا۔ اس لئے کہ ان کے اعمال برے تھے۔

وَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ (اور یہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ خسارہ پانے والے ہیں)۔ وہ خسارے میں تمام لوگوں سے بڑھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ اگر وہ ایمان لے آتے تو تمام امتوں پر گواہ بنتے۔ پس ان کو یہ نقصان بھی ہوا اور نقصان نجات اور نقصان ثواب اللہ تو اس سے زائد ہے۔

تمہیدی آیت:

۶: وَاِنَّكَ لَتُلَقَّی الْقُرْاٰنَ (اور بیشک آپ کو قرآن دیا جا رہا ہے)۔ تاکہ آپ اس کو لیں اور حاصل کریں۔ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ عَلِیْمٍ (حکمت والی علم والی ذات کی طرف سے) کتنے بڑے علیم اور کتنے بڑے حکیم کی طرف سے۔ اور یہ معنی ان دونوں کے نکرہ لانے سے ہے۔ یہ آیت بعد والے واقعات کے لئے بطور تمہید لائی گئی ہے اور ان میں جو اللہ تعالیٰ کی لطیف حکمتیں اور علمی نکات ہیں ان کے لئے ابتدائیہ ہے۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِاَھْلِهٖٓ اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْكُمْ بِشِهَابٍ

[illegible]

قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ

[illegible]

وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ یٰمُوْسٰٓی اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ

[illegible]

فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰی مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰی لَا تَخَفْ ۫ اِنِّیْ

[illegible]

لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ

[illegible]

رَّحِیْمٌ ۝ وَاَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫ فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ

[illegible]

اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً

[illegible]

قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ

[illegible]

فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ۝

[illegible]

واقعہ موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر واپسی:

۷: اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِاَھْلِهٖٓ (جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے گھر والوں کو کہا) اذ، اذکر کی وجہ سے منصوب ہے گویا اس طرح فرمایا تو ان کو یاد کرو ... کے بعد اللہ تعالیٰ کی حکمت و علم کے آثار سے یہ موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ پیش آیا ... قصہ ... ان کی زوجہ محترمہ

مکان النار وھم الملائکۃ ومن حولہا مکان لہا ای موسیٰ ان کو کہا گیا۔ بورک یعنی مقدس بنا دیا گیا۔ یا برکت وخیر ان میں رکھ دی گئی جو آگ میں اور جو اس کے ارد گرد ہیں۔ یعنی جو آگ کی جگہ میں ہیں ان کو برکت دی گئی اور وہ ملائکہ ہیں اور ان کو برکت دی گئی جو آگ کی جگہ کے گرد ہیں یعنی موسیٰ علیہ السلام اس لئے کہ اس جگہ میں ایک دینی معاملہ پیش آیا اور وہ موسیٰ سے اللہ تعالیٰ کا کلام فرمانا ہے۔ اور ان کا نبوت ملنا اور معجزات کا ظاہر ہونا۔

وَ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ (اور اللہ تعالیٰ پاک ہے جو رب العالمین ہیں)۔ یہ بھی اس نداء میں سے ہے۔ اس میں ذات باری تعالیٰ نے اپنے کو تشبیہ وغیرہ جو اس کی ذات کے لائق نہیں ہے منزہ قرار دیا۔ تا کہ درخت، آگ، نداء سے کوئی تشبیہ وحلول نہ نکال سکے۔

۹: یٰمُوۡسٰۤی اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ (اے موسیٰ حقیقت یہ ہے کہ میں ہی اللہ ہوں جو غالب اور حکمت والا ہے) انہ میں ضمیر شان ہے۔ اَنَا اللّٰهُ۔ مبتدا و خبر ہیں۔ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ۔ یہ دونوں خبر کی صفات ہیں یا ضمیر اس طرف لوٹتی ہے جس پر ماقبل کی دلالت ہے یعنی ان مکلمک انا اور اللہ یہ انا کا بیان ہے۔ العزیز الحکیم۔ اور یہ دونوں اس کی صفات ہیں۔ یہ ان معجزات کی تمہید ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ظاہر کیے جانے والے تھے۔

۱۰: وَ اَلۡقِ عَصَاکَ (اور تم اپنی لاٹھی پھینک دو)۔ تاکہ تمہیں اپنی نبوت کا معجزہ معلوم ہو اور تو اس سے مانوس ہو جائے۔ اس کا عطف بورک پر ہے۔ کیونکہ معنی اس طرح ہے نودی ان بورک من فی النار و ان الق عصاک۔ یہ دونوں نودی کی تفسیر ہیں مطلب یہ ہے کہ ان کو کہا گیا برکت دی گئی اس کو جو آگ میں ہے اور ان کو کہا گیا۔ تم اپنی لاٹھی ڈال دو۔ اس پر دلالت کے لئے سورۃ قصص کی یہ آیت وان الق عصاک القصص ۳۱۔ جو کہ ان یا موسیٰ انی انا اللہ کے بعد حرف تفسیر کو دوبارہ لا کر ذکر کی گئی۔

فَلَمَّا رَاٰهَا تَهۡتَزُّ (جب اس کو حرکت کرتے دیکھا)۔ تھتز: یہ رآھا کی ھا سے حال ہے۔ کَاَنَّهَا جَآنٌّ۔ (گویا وہ پتلا سانپ ہے)۔ چھوٹا سانپ۔ تھتز کی ضمیر سے حال ہے۔ وَلّٰی (موسیٰ علیہ السلام مڑے)۔ مُدۡبِرًا (اس سے پیٹھ پھیر کر) اور اس کو پشت کی جانب خوف کی وجہ سے کر دیا کہ کہیں وہ حملہ آور نہ ہو۔ وَّ لَمۡ یُعَقِّبۡ (اور متوجہ بھی نہ ہوئے)۔ یا نہ لوٹے اہل عرب کہتے ہیں قد عقب فلان۔ جبکہ وہ لوٹ کر لڑنا شروع کر دے۔ اس کے بعد کہ وہ پیٹھ پھیر کر جا چکا تھا۔ پس ان کو آواز دی گئی۔

یٰمُوۡسٰی لَا تَخَفۡ ۟ اِنِّیۡ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الۡمُرۡسَلُوۡنَ (اے موسیٰ ڈرو نہیں میرے ہاں پیغمبر ڈرا نہیں کرتے)۔ میرے خطاب کے وقت پیغمبر میری بارگاہ میں ڈرا نہیں کرتے۔ نمبر۲۔ میرے ہاں پیغمبر دوسروں سے ڈرا نہیں کرتے۔ موسیٰ علیہ السلام کو جو خوف پیدا ہوا وہ طبعی تھا اور ممانعت خوف عقلی کی ہے۔

۱۱: اِلَّا مَنۡ ظَلَمَ (مگر وہ جس سے قصور ہوا) لیکن جس نے قصور کیا دوسروں میں سے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام ظلم نہیں کرتے۔ نمبر۲۔ لیکن جس نے قصور کیا ان میں سے۔ مرسلین میں سے جس سے لغزش ہوگئی۔ جو اس کے مرتبہ عالی کے مناسب نہ تھی۔ اگرچہ

جس نے اپنے بہت سے مومن بندوں پر ہمیں فضیلت دی)۔ اور یہ آیت اہل سنت کی دلیل ہے معتزلہ کے خلاف انہوں نے اصلح کو واجب قرار دیا تھا انہوں نے کہا۔ یہاں محذوف ہے تاکہ واؤ کا عطف صحیح ہو جائے۔ اگر محذوف نہ مانیں تو پھر فاء آنی چاہیے۔ جیسا کہ اس قول میں اعطیتہ فشکر۔ آیت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ آتینا ھما علمًا فعملا به وعلماه وعرفا حق النعمة فيه وقالا الحمد لله الآية۔

ہم نے ان دونوں کو علم دیا پس انہوں نے عمل کیا اور دوسروں کو سکھایا اور اللہ تعالیٰ کا حق اس میں جانا اور کہا الحمد للہ۔ الخ۔ کثیر سے یہاں وہ لوگ مراد ہیں جن کو علم نہیں ملا۔ نمبر۲۔ وہ لوگ مراد ہیں جن کو علم تو ملا مگر ان جیسا نہیں ملا اور اس میں یہ بات ہے کہ ان کو بہت سے لوگوں پر فضیلت دی گئی اور بہت سوں کو ان پر فضیلت دی۔

مسئلہ: یہ آیت دلیل ہے کہ علم بڑے مرتبہ والی چیز ہے اور علم والے مقدم و معزز ہیں اور نعمت علم عظیم الشان انعام ہے اور جس کو یہ میسر ہوا اس کو بہت سے بندوں پر فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرف و منزلت میں اسی قرب کی وجہ سے ان کو ورثۃ الانبیاء قرار دیا ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام جو پیغام دے کر بھیجے گئے یہ اس کو قائم رکھنے والے ہیں۔

اعتراف نعمت:

مسئلہ نمبر۱: اس عظیم نعمت کا تقاضا ہے کہ وہ اس عظمت والے علم پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کریں اور عالم کے ذہن میں یہ بات ہو کہ اگر اس کو بہت سے بندوں پر فضیلت حاصل ہے تو اس پر بھی دوسروں کو فضیلت حاصل ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا قول اس سلسلہ میں کتنا شاندار ہے۔

کل الناس افقه من عمر۔

۱۶: وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ (اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے)۔ دوسرے بیٹوں کی بجائے ان کو نبوت اور بادشاہت ملی۔ داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹے تھے۔

قول علماء:

ان کو صرف والد کی طرح نبوت ملی تو گویا کہ یہ ان کے وارث بنے۔ ورنہ نبوت وراثت میں نہیں ملتی۔

وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ (سلیمان نے کہا اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی)۔ اس اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ذکر کر کے مشہور کیا اور اس نعمت کے مرتبہ کا اعتراف کیا اور معجزہ کے تذکرہ سے لوگوں کو اس کی تصدیق کی طرف بلایا۔ یہ معجزہ پرندوں کی بولی ہے۔ المنطق۔ ہر وہ آواز جو مفرد یا مرکب مفید و غیر مفید نکالی جائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولی اسی طرح سمجھتے جیسے پرندے ایک دوسرے کی سمجھتے ہیں۔

نمونہ گفتگو:

لطیفہ: روایت تفسیریہ میں ہے کہ نمبر۱۔ فاختہ بولی تو آپ نے فرمایا یہ کہتی ہے۔ کاش یہ مخلوق پیدا نہ کی جاتی۔ نمبر۲۔ مور نے آواز

دی۔ تو آپ نے فرمایا یہ کہتا ہے۔ جیسے کرو گے ویسا بھرو گے۔ نمبر ۳۔ ہد ہد نے آواز نکالی تو آپ نے فرمایا۔ یہ کہتا ہے۔ اے گناہ گار گناہوں کی معافی مانگو۔ نمبر ۴۔ ابابیل بولی آپ نے فرمایا یہ کہتی ہے۔ بھلائی بھیجو اس کو پالو گے۔ نمبر ۵۔ کبوتری چیخی۔ آپ نے فرمایا یہ کہتی سبحان ربی الاعلیٰ اس کے آسمان بھر کر اور زمین بھر کر مقدار ہیں۔ نمبر ۶۔ قمری بولی تو آپ نے فرمایا۔ یہ کہتی سبحان ربی الاعلیٰ۔ نمبر ۷۔ چیل چیخی تو آپ نے فرمایا یہ کہتی ہے۔ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ نمبر ۸۔ کونج بولی اٹھی تو آپ نے فرمایا یہ کہتی ہے۔ جو خاموش رہا وہ بچ گیا۔ نمبر ۹۔ مرغ نے اذان دی تو آپ نے فرمایا یہ کہتا ہے۔ اے غافلو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ نمبر ۱۰۔ گدھ چیخا تو آپ نے فرمایا یہ کہتا ہے اے ابن آدم تو زندہ رہ لے جتنا زندہ رہتا ہے تیرا انجام موت ہے۔ نمبر ۱۱۔ عقاب بولا تو آپ نے فرمایا یہ کہتا ہے۔ لوگوں سے دوری میں مانوسی ہے۔ نمبر ۱۲۔ مینڈک ٹرایا تو آپ نے فرمایا یہ کہتا ہے پاکیزگی والا میرا رب سبحان ہے۔

وَ اُوْتِیْنَا مِنْ کُلِّ شَیْءٍ (اور ہمیں سب کچھ دیا گیا)۔ اس سے مراد ان چیزوں کی کثرت بیان کرنا ہے جو ان کو عنایت کی گئیں۔ جیسا کہتے ہیں۔ فلان یعلم کل شئی۔ اور اس کی مثل یہ ارشاد ہے۔ واوتیت من کل شئی۔ النمل۔ ۲۳

اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْفَضْلُ الْمُبِیْنُ (بیشک یہ البتہ کھلا ہوا فضل ہے)۔ یہ بات بطور شکر کی۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انا سید ولد آدم ولا فخر۔ (رواہ الترمذی) یعنی میں یہ قول بطور شکر کہتا ہوں۔ بطور فخر نہیں کہتا۔ علمنا و اوتینا یہ نون واحدی کا ہے جو مطاوعت کے طور پر لایا گیا۔ آپ نے اپنے شاہانہ انداز میں اپنے اہل طاعت و رعایا کی حالت کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ الفاظ فرمائے۔ اس میں تکبر کا کوئی دخل نہیں۔

(مجہول کے صیغے لا کر اشارہ کر دیا۔ دینے والے اور سکھانے والے کا کمال ہے۔ مترجم)

لشکر سلیمان علیہ السلام:

۱۷: وَحُشِرَ (اور جمع کیے گئے)۔ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُہٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّیْرِ (سلیمان کے لشکر جن میں جن وانس و پرند شامل تھے)۔ روایت تفسیر یہ میں ہے۔ آپ کا معسکر و چھاؤنی ۱۰۰×۱۰۰ فرسخ تھی۔ ان میں ۲۵ فرسخ جنات کے لئے ۲۵ انسانوں اور ۲۵ پرندوں کے لئے تھے۔ جبکہ پچیس وحشی جانوروں کے لئے تھے۔ اور آپ کے لکڑی پر بنے ہوئے شیشے کے ایک ہزار مکانات تھے۔ ان میں تین سو آپ کے حرم اور سات سو لونڈیاں تھیں۔ اور جنات نے آپ کے لئے سونے اور ریشم کا قالین ایک مربع فرسخ میں تیار کیا۔ آپ کا منبر درمیان میں رکھا جاتا۔ یہ منبر سونے چاندی کا بنا تھا۔ جب آپ تشریف فرما ہوتے۔ تو چھ ہزار کرسیاں سونے چاندی کی آپ کے ارد گرد رکھی جاتیں۔ انبیاء سنہری کرسیوں پر اور علماء نقرئی کرسیوں پر بیٹھتے تھے۔ اور ان کے گرد لوگوں کا مجمع ہوتا اور لوگوں کے گرد شیاطین و جنات بیٹھتے۔ اور پرندے اپنے پروں سے ان پر سایہ کرتے۔ تاکہ دھوپ نہ لگے۔ آپ تیز ہوا کو اس کے اٹھانے کا حکم دیتے اور نرم ہوا کو اس کے چلانے کا ارشاد فرماتے۔ جب آسمان و زمین کے درمیان آپ چلے جا رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میں نے تمہاری مملکت میں اضافہ کر دیا۔ کوئی چیز جو کلام کرے گی۔ اللہ تعالیٰ اس کو بذریعہ ہوا تمہارے کان میں ڈال دے گا۔

حکایت میں ہے کہ آپ کا گزر کسانوں کے پاس سے ہوا تو وہ کہنے لگے آل داؤد کو بہت بڑی مملکت ملی ہے۔ ہوا نے یہ بات آپ کے کانوں میں پہنچائی۔ آپ تخت سے اتر کر کسانوں کی طرف چل دیئے۔ اور فرمایا میں تمہارے پاس چل کر آیا تاکہ تم اللہ تعالیٰ سے ایسی چیز نہ مانگو جس کی طاقت نہ ہو۔ پھر فرمایا آل داؤد کو جو سلطنت ملی ہے۔ ایک بار اللہ تعالیٰ کی تسبیح جس کو اللہ تعالیٰ قبول فرمالے اس سے افضل ہے۔

فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ (ان کو روکا جاتا تھا)۔ ان کے پہلوں کو پچھلوں کے ساتھ ملانے کے لئے روکا جاتا تھا۔ پس وہ مجتمع ہو کر چلتے اور یہ لشکر کی کثرت کو ظاہر کرتا ہے۔

الوزع۔ وزع روکنے کو کہتے ہیں۔ اسی سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔ ما یزع السلطان اکثر مما یزع القرآن۔ جتنا بادشاہ لوگوں سے برائی روکتا ہے وہ اس سے زیادہ ہے جتنا لوگ قرآن سے رکتے ہیں۔

آیت ۱۸: حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ (یہاں تک کہ ان کا گزر ایک چیونٹیوں کی وادی سے ہوا)۔ یہ شام کی وادی ہے جہاں چیونٹیاں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ اتی کا فعل علی سے متعدی کیا گیا ہے کیونکہ آپ کا گزر تو تخت پر ہوا تھا۔ اس لئے استعلاء کا حرف لایا گیا۔

چیونٹی کا واقعہ:

قَالَتْ نَمْلَةٌ (ایک چیونٹی نے کہا)۔ یہ لنگڑی تھی جس کا نام طاحیہ تھا یا منذرہ تھا۔ قول قتادہ: وہ کوفہ میں داخل ہوئے تو ہر طرف سے لوگ ان کو لپٹ گئے۔ قتادہ نے کہا جو چاہو سوال کرو۔ ابوحنیفہ نے جو جوان تھے سوال کیا کہ سلیمان کی چیونٹی مذکر تھی یا مؤنث۔ وہ لاجواب ہو گئے۔ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ مؤنث تھی۔ ان سے پوچھا گیا تمہیں یہ کہاں سے معلوم ہوا۔ تو انہوں نے کہا۔ اس ارشاد الٰہی سے۔ قالت نملة۔ اگر مذکر ہوتی تو کہا جاتا قال نملة۔ اور اس کی وجہ یہ ہے نملة کا لفظ حمامة کی طرح ہے۔ جس کا اطلاق مذکر و مؤنث ہر دو پر ہوتا ہے ان کے درمیان علامت سے فرق کیا جاتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں حمامة ذکر حمامة انثی۔ نملة کا لفظ بھی اسی طرح ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ (اے چیونٹیوں تم اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ)۔ یہاں ادخلن نہیں کہا کیونکہ جب چیونٹی کو ناطق قرار دیا۔ اور چیونٹیوں کو مخاطب بنایا تو عقلاء کی طرح ان کا خطاب بھی قرار دیا گیا۔ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ (تمہیں نہ روند دیں)۔ توڑ دیں۔ الحطم، توڑنا۔ یہ نہی جملہ مستانفہ ہے۔ یہ ظاہر میں سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر کو روکنا ہے۔ مگر حقیقت میں ان کو زیر ہونے کی ممانعت کی جا رہی ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں۔ لا اربنک ههنا۔ یعنی تو اس جگہ مت آ۔ ایک قول یہ ہے۔ یہ جواب امر ہے۔ مگر یہ قول ضعیف ہے۔ نون تاکید اس کا کم آتا ہے۔ کیونکہ یہ ضرورت شعر میں سے ہے۔ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ (سلیمان اور اس کا لشکر)۔ ایک قول یہ ہے۔ اس نے کہا یا لا یحطمنکم جنود سلیمان۔ مگر اس سے زیادہ ترجیح پہلے کو ہے۔ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (اور ان کو معلوم نہیں)۔ گویا یہ بات کہتی ہو گی اگر وہ جانتے ہیں تو ایسا نہ کریں۔ اس نے معذرت کے طور پر سلیمان اور ان کے لشکر کے عدل کی تعریف کی۔ سلیمان علیہ السلام نے اس کی یہ بات تین میل دور سے سن لی۔

علیٰ عاصم نے نصب سے پڑھا جبکہ دیگر قراء نے سکون یاء سے پڑھا ہے۔ التفقد اس چیز کو کھوجنا جو تم سے غائب ہو۔ تو آیت کی
ؕ اَمْ کَانَ مِنَ الْغَآئِبِیْنَ (میں ہدہد کو نہیں دیکھتا یا وہ غائب ہونے والوں میں سے ہے)۔ ام۔ یہاں بل کے معنی میں ہے۔
آپ نے پرندوں کا معاینہ کیا تو ہدہد کو نہ پایا۔ تو آپ نے فرمایا۔ وہ مجھے کیوں نظر نہیں آرہا۔ مطلب یہ ہے۔ وہ اس لئے نظر نہیں آرہا
کہ کسی روک نے اس کو چھپا ڈالا ہے۔ نمبر۲۔ یا کوئی دوسری صورت ہے۔ پھر آپ کو واضح ہو گیا کہ وہ واقعی غائب ہے۔ بس اس بات سے
اعراض کرتے ہوئے فرمایا بلکہ وہ تو غائب ہے۔ بیان کیا گیا کہ جب سلیمان نے حج کیا۔ تو آپ یمن کی طرف سے نکلے۔ آپ کا گزر
صنعاء کے زمانہ زوال میں ہوا۔ آپ صنعاء میں اتر کر نماز ادا فرمانے لگے۔ مگر انہوں نے پانی نہ پایا۔ ہدہد آپ کا کنوؤں کا مخبر تھا۔ وہ پانی
زمین کے نیچے دیکھ پاتا ہے۔ جیسا کہ شیشے میں پانی نظر آتا ہے۔ شیاطین کھود کر جلد پانی نکال لیتے۔ آپ نے اسی لئے اسکو تلاش
فرمایا۔

ایک تذکرہ:

ایک تذکرہ یہ بھی ہے کہ سلیمان کے سر پر سورج کی ایک لپٹ پہنچی آپ نے دیکھا تو ہدہد کی جگہ خالی تھی۔ آپ نے پرندوں کے
راہنما کو بلایا اور وہ گدھ تھا۔ اس سے پوچھا تو اس نے کہا مجھے علم نہیں۔ پھر پرندوں کے سردار کو کہا اور وہ شاہین ہے کہ اس کو میرے
پاس لے آؤ وہ اڑا اور نگاہ ڈالی تو ہدہد آرہا تھا۔ پس اس نے اس کو پکڑنے کا قصد کیا تو ہدہد نے اس کو اللہ تعالیٰ کی قسم دی جس کی وجہ
سے باز اس سے باز رہا۔ جب سلیمان علیہ السلام کے قریب آیا تو اپنی دم جھکالی۔ اور دونوں بازوؤں کو زمین پر کھینچنے لگا۔ اے
اللہ کے پیغمبر! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے کھڑے ہونے کو یاد کر۔ اس پر سلیمان علیہ السلام کانپ گئے اور اس کو معاف کر دیا۔

۲۱: لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیْدًا (میں اس کو عذاب دوں گا)۔ اس کے بال و پر نوچ ڈالے جائیں گے اور اس کو دھوپ میں ڈال دیا
جائے گا۔ نمبر۲۔ اس کے اور اس کے مالوفات کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔ اس کو اپنے ہمجولیوں کا خادم بنا دیا جائے گا اور
سرداری اس سے چھین لی جائے گی۔ نمبر۳۔ اس کے مخالفین کے ساتھ جیل میں ڈال دیا جائے گا۔
بعض کا قول ہے۔ اضیق السجون معاشرۃ الاضداد۔ سب سے تنگ قید یہی ہے جو مخالفین کے نرغہ میں رہے۔
نمبر۴۔ پنجرے میں ڈال دیا جائے گا۔ نمبر۵۔ چیونٹیوں کے سامنے اس کو ڈال دیا جائے گا تا کہ وہ اس کو کھائیں۔

مَسْئَلَۃ: سلیمان علیہ السلام کو جائز تھا کہ وہ مصلحت کی بناء پر ہدہد کو سزا دیں۔ جیسا کہ کھانے کی غرض سے پرندوں کو کھانا جائز
ہے۔ اسی طرح دیگر منافع حاصل کرنے کے لئے بھی ذبح جائز ہے۔ جب پرندے ان کے لئے مسخر کیے گئے تھے تو سیاست و
تادیب کے لئے ان کو سزا دینا درست تھا ورنہ تسخیر ہی کامل نہ ہوتی۔

اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ (یا میں ضرور اس کو ذبح کر ڈالوں گا یا وہ ضرور میرے پاس لے آئے)۔
لیاتینی کی نون ثقیلہ ہے تا کہ اس میں اور لاعذبنہ میں مشاکلت پیدا ہو جائے۔ اور ایک نون کو تخفیف کیلئے حذف کیا گیا
ہے۔
قراءت: مکی نے دونوں سے لیاتیننی پڑھا اول نون تاکید اور دوسری نون عماد ہے۔

بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ (واضح دلیل کے ساتھ) یعنی اپنی غیر موجودگی کی ایسی دلیل جس میں اس کا عذر ظاہر ہو۔

ایک اشکال:

آپ نے تین باتوں میں سے ایک پر قسم اٹھائی۔ پہلی دو تو آپ نے کیں وہ اس میں بات کی گنجائش نہیں مگر تیسری تو ہدہد کے کرنے کی اور بھی قابل اشکال ہے۔ کیونکہ ان کو کس طرح معلوم ہوا کہ وہ دلیل پیش کر دے گا اور آپ نے یہاں تک فرما دیا لیأتینی بسلطان؟

جواب: ان کے کلام کا معنی یہ ہے کہ ان میں سے ایک کام ضرور ہوگا۔ یعنی اگر دلیل لے آئے گا تو سزا نہ ہوگی۔ تو ذبح اور اگر وہ نہ ہوئی تو پھر ان میں سے ایک ہوگی۔ عقلاً تو اس میں کوئی دعویٰ نہیں۔

آیت ۲۲: فَمَكَثَ (وہ ٹھہرا)۔ یعنی ہدہد سلیمان علیہ السلام کی پڑتال کے بعد۔ قراءت: عاصم سہل، یعقوب کے علاوہ دیگر قراء نے کاف کا ضمہ پڑھا ہے۔ غَیْرَ بَعِیْدٍ (تھوڑی دیر) یعنی مکثا غیر طویل۔ زیادہ طویل ٹھہراؤ نہ تھا۔ نمبر۲۔ غیر زمان بعید۔ دور زمانہ نہ تھا جیسا کہتے ہیں قریب۔

اس کے ٹھہرنے کو مدت قلیلہ سے بیان کیا کیونکہ خوف سلیمانی اس کے مراد کی دلالت ہے۔ جب وہ لوٹ کر آیا آپ نے زمانہ غیوبت کی تفصیل دریافت کی۔ فَقَالَ اَحَطْتُّ (میں نے آپ کی اطراف سے کچھ معلومات لی ہیں)۔ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ (جو آپ کو نہیں)۔ اس نے سلیمان علیہ السلام سے ان کے علم کی آزمائش کے لئے یہ بات کی باوجودیکہ سلیمان علیہ السلام کو نبوت کی فضیلت اور بیشمار علوم دیئے گئے تھے۔

تنبیہ: اس میں روافض کے اس قول کی تردید ہے کہ امام پر کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی اور اس کے زمانہ میں اس سے بڑا عالم کوئی نہیں ہوتا۔

وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ (اور میں ملک سبا کی ایک تحقیقی خبر لایا ہوں)۔ قراءت: ابو عمرو نے سبأ کو غیر منصرف پڑھا اور اس کو قبیلہ کا نام قرار دیا یا شہر کا نام۔ دیگر قراء نے تنوین سے پڑھا ہے اور اس کو خاندان کا نام یا باپ کا نام قرار دیا ہے۔

النبا۔ عظیم الشان خبر۔ یہ الفاظ من سبا بنبا۔ خوبصورت ترین کلام ہے۔ اس کو بدیع کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ بھی عجیب و خوبصورت ہے اور معنی کے لحاظ سے بھی۔ ذرا توجہ فرمائیں بنبا کی بجائے بخبر ہوتا تو معنی صحیح ہوتا مگر نبا تو اس کے بالمقابل اصح ہے اور وصف حال میں اس کے مناسب ہے۔

آیت ۲۳: اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً (میں نے پائی ایک ایسی عورت جو سبا پر حکمرانی کرتی ہے)۔

بلقیس کا سلسلہ نسب:

وہ بلقیس بنت سراحیل ہے۔ اسکا والد یمن کا بادشاہ تھا۔ اسکے چالیس آباء بادشاہ ہوئے۔ اسکا اپنا کوئی بیٹا نہ تھا۔ فقط یہی بیٹی تھی۔ یہ بادشاہت پر قابض ہوگئی۔ یہ اور اس کی قوم مجوسی سورج کے پجاری تھے۔ تَمْلِكُهُمْ (ان کی حکمران ہے)۔ سبا کی طرف تملکهم کی ضمیر راجع ہے تاویل قوم ہے یا اہل المدینہ کی تاویل میں ہے۔ وَاُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ (اور اس کو سب کچھ دیا گیا ہے)۔

نحو: اوتیت حال ہے اور قد مقدر ہے۔ من کل شیء سے وہ اسباب دنیا مراد ہیں جو اسکے حال کے ساتھ مناسبت رکھتے تھے۔

وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ (اس کا تخت بہت بڑا ہے)۔ عرش بمعنی تخت اور عظیم بڑا کے معنی میں ہیں۔

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِن دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَٰنُ أَعْمَٰلَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ﴿٢٤﴾ أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿٢٥﴾ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۩ ﴿٢٦﴾ قَالَ سَنَنظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنتَ مِنَ الْكَٰذِبِينَ ﴿٢٧﴾ اذْهَب بِّكِتَٰبِي هَٰذَا فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ ﴿٢٨﴾ قَالَتْ يَٰٓأَيُّهَا الْمَلَؤُا إِنِّي أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتَٰبٌ كَرِيمٌ ﴿٢٩﴾ إِنَّهُ مِن سُلَيْمَٰنَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ﴿٣٠﴾ أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ ﴿٣١﴾ قَالَتْ يَٰٓأَيُّهَا الْمَلَؤُا أَفْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ ﴿٣٢﴾ قَالُوا نَحْنُ أُولُوا قُوَّةٍ وَأُولُوا بَأْسٍ شَدِيدٍ وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ ﴿٣٣﴾ قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿٣٤﴾ وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِم بِهَدِيَّةٍ فَنَاظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَٰنَ قَالَ أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ فَمَا آتَانِيَ اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا آتَاكُم بَلْ أَنتُم بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ ﴿٣٦﴾ ارْجِعْ إِلَيْهِمْ فَلَنَأْتِيَنَّهُم بِجُنُودٍ لَّا قِبَلَ لَهُم بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُم مِّنْهَا أَذِلَّةً وَهُمْ صَٰغِرُونَ ﴿٣٧﴾

جھوٹوں میں سے ہو)۔ یہ کلام ام کذبت کی بنسبت زیادہ فصیح ہے۔ نمبرا۔ کیونکہ جب وہ جھوٹوں کی فہرست میں شامل ہو جائے گا تو لازماً اس کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے گا اور جب وہ جھوٹا ہوگا تو جو اطلاع دے گا اس پر جھوٹے ہونے کا احتمال ہوگا اور وہ قابل اعتماد شمار نہیں ہوگا۔

خط سلیمانی:

پھر سلیمان علیہ السلام نے اس انداز سے خط لکھا من عبداللّٰہ سلیمان بن داؤد الی بلقیس ملکۃ سبا بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم السلام علی من اتبع الھدی اما بعد فلا تعلوا علی واتونی مسلمین اور کستوری سے اس کو بند کر کے اس پر اپنی مہر لگائی اور ہدہد کو کہا۔

۲۸: اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ (میرا یہ خط لے جاؤ اور اس کو ڈال دو)۔

قراءت: فالقہ۔ ہ کے سکون کے ساتھ بطور تخفیف ابو عمرو، عاصم اور حمزہ نے پڑھا اختلاس کسرہ کے ساتھ تاکہ یائے محذوفہ پر دلالت کرے یزید، قالون اور یعقوب نے پڑھا ہے فالقِھی یاء کے اثبات کے ساتھ دیگر قراء نے نمبرا۔ (فالقہی) پڑھا ہے۔ اِلَيْهِمْ (یعنی بلقیس اور قوم بلقیس کی طرف)۔ یہاں بھی ضمیر ذکر اور جمع کی لائی کیونکہ ہدہد نے اپنے قول میں اسی طرح ذکر کیا وجدتھا وقومھا یسجدون للشمس۔ [النمل: ۲۴] اسی لئے خط میں خطاب کی بنیاد جمع کے لفظ کے ساتھ لائی گئی۔ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ (پھر الگ ہو جاؤ تم ان سے)۔ کسی ایسے مقام میں جو بالکل قریب ہو کہ تم ان کو دیکھ سکو اور وہ تمہیں نہ دیکھ پائیں۔ تا کہ تم ان باتوں کو سن سکو جو وہ کہیں۔ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ (پس دیکھو وہ کیا جواب دیتے ہیں)۔

ہدہد کی پیغام رسانی:

۲۹: ہدہد نے وہ خط لے کر اپنی چونچ میں سنبھالا اور ایک روشن دان سے اس کے پاس داخل ہوا اور خط کو اس کے سینے پر ڈال دیا جبکہ وہ سو رہی تھی اور روشن دان میں جا چھپا۔ وہ اچانک بیدار ہوئی یا وہ ہدہد پہنچا۔ جبکہ لشکر اس ملکہ کے اطراف میں موجود تھے وہ کچھ دیر ستا یا پھر خط اس کی گود میں ڈال دیا اور وہ پڑھی لکھی تھی جب اس نے مہر کو دیکھا تو اپنی قوم کو کہنے لگی یہ خط جھکا دینے والا اور ڈرا دینے والا ہے۔ قَالَتْ (تو کہنے لگی)۔ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ (اے سردارو! بے شک میری طرف ایک معزز خط ڈالا گیا ہے)۔

کتاب کریم کا مضمون:

قراءت: انی کو مدنی نے یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اس خط کو کریم کہا گیا اس کے مضمون کی خوبی کی وجہ سے یا مہر کی وجہ سے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کرامۃ الکتاب ختمہ۔ خط کی عظمت اس کی مہر میں ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جس نے کوئی خط لکھا اور اس نے مہر نہ لگائی تو اس نے اس کی توہین کی یا خط کو کریم اس لئے کہا کہ وہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے شروع ہونے والا تھا یا اس لئے کہ وہ ایک معزز بادشاہ کا خط تھا۔

۳۰: اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (یہ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے اور اس کا مضمون بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع ہوتا ہے)۔ یہ درحقیقت جو خط اس کی طرف پہنچا تو اس کی وضاحت ہے گویا کہ جب اس نے یہ کہا انی القی الی کتب کریم۔ تو اسے کہا گیا کہ وہ خط کس کی طرف سے ہے اور اس کا کیا مضمون ہے تو وہ کہنے لگی انہ من سلیمان وانہ کیت و کیت۔ یعنی وہ ایسے ہے۔

۳۱: اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ (کہ تم مجھ پر بڑے مت بنو اور تکبر مت کرو) جس طرح کہ بادشاہ کیا کرتے ہیں۔ ان یہاں مفسرہ ہے جیسا کہ اس قول میں وانطلق الملا منہم ان امشوا سورۃ ص آیت نمبر ۶۔ یعنی ای امشوا۔ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ (اور تم میرے پاس فرمانبردار ہو کر آجاؤ) اور اطاعت گزاروں کے معنی میں ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے خطوط ایجاز و اختصار کا نمونہ ہوتے ہیں۔

۳۲: قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْۤ اَمْرِیْ (اس نے کہا اے سردارو! میرے معاملہ میں مجھے مشورہ دو)۔ یعنی اب پیش آنے والے معاملہ میں مشورہ دو۔

ملکہ کی مشاورت:

الفتوٰی: حادثے کے جواب کو کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ الفتی فی السن سے بطور استعارہ مشتق کیا گیا ہے اور یہاں فتویٰ سے مراد اپنی رائے سے مشورہ دینا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ ان سے مشورہ لے کر ان کے دل خوشی سے اس کی طرف مائل ہو جائیں اور وہ بھی اس کے ساتھ پتا کھڑے ہو جائیں۔ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا (اور میں کسی بات کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی)۔ قاطعة کا یہاں معنی فاصلة ہے یعنی ممضیہ ہے۔ حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ (جب تک کہ تم میرے پاس موجود نہ ہو)۔ قراءت: نون کے کسرہ کے ساتھ فتحہ پڑھنا اس میں غلط ہے کیونکہ نون مفتوح رفع کے مقام پر ہوتی ہے اور یہ مقام نصب ہے۔ یہ اصل میں تشھدوننی ہے پہلی نون کو نصب کی وجہ سے حذف کیا اور یاء کو اس لئے حذف کیا کہ کسرہ اس پر دلالت کر رہا ہے۔ یعقوب نے وصل و وقف میں یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

معنی آیت کا یہ ہے کہ یہاں تک کہ تم میرے پاس موجود ہو یا مجھے مشورہ دو اور اس بات کی درستگی پر گواہ بن جاؤ۔ مطلب یہ تھا میں تمہاری موجودگی کے بغیر کسی معاملے کو طے نہیں کرتی۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کو مشورہ دینے والوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ جن میں سے ہر ایک دس ہزار پر نگران تھا۔

مشورۂ جنگ:

۳۳: قَالُوْا (انہوں نے اس کے جواب میں کہا) نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّ اُولُوْا بَاْسٍ شَدِیْدٍ (ہم بڑے طاقتور اور سخت جنگجو ہیں)۔ قوۃ سے ان کی مراد آلات اور اجسام کی قوت تھی۔ اور باس سے مراد لڑائی کے وقت ثابت قدمی اور شدت شجاعت تھی۔ وَّالْاَمْرُ اِلَیْكِ فَانْظُرِیْ مَاذَا تَاْمُرِیْنَ (اب اختیار تیرے ہاتھ میں ہے آپ خود ہی غور کر لیں جو آپ حکم دیں)۔ یعنی حکم تمہارے سپرد ہے ہم تمہاری اطاعت کرنے والے ہیں۔ جب تم ہمیں حکم دو ہم اس کو مانیں گے تیری مخالفت ہرگز نہیں کریں گے گویا ان سب نے لڑائی کا مشورہ دیا نمبر۲۔ یا ان کی مراد یہ تھی کہ ہم جنگجو ہیں ہم مشورہ دینے والوں کی اولاد نہیں تو خود ہی رائے

اور ذی تدبیر ہے اس لئے تو غور کر لے تو کیا بات دینا چاہتی ہے ہم تیری رائے کی اتباع کریں گے۔ جب ملکہ بلقیس نے ان کا میلان لڑائی کی طرف پایا تو وہ مصالحت کی طرف مائل ہوئی اور جواب کو ترتیب دیا اس سے پہلے جو بات انہوں نے ذکر کی اس کو فضول قرار دیا اور ان کی غلطی اس میں یہ کہتے ہوئے واضح کی۔

مزاجِ شاہان:

۳۴: قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً (کہنے لگی کہ بادشاہ کسی بستی میں جب داخل ہوتے ہیں) یہاں داخلے سے زبردستی غلبے سے داخل ہونا مراد ہے۔ اَفْسَدُوْهَا (وہ اس کو اجاڑ دیتے ہیں)۔ وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً (اور وہاں کے معزز باشندوں کو ذلیل کر دیتے ہیں) یعنی معززین کو ذلیل کرتے ہیں اور شرفاء کی توہین کرتے ہیں اور ان کو قتل و قید میں ڈالتے ہیں۔ پس اس نے لڑائی کے برے نتیجے کو ذکر کرتے ہوئے کہا۔ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ (اور وہ اسی طرح کیا کرتے ہیں) اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ ان کی دوامی عادت ہے کہ جس میں تبدیلی نہیں۔ کیونکہ وہ پرانے بادشاہوں کے گھروں میں پلی تھی اور اس کے بارے میں بہت کچھ سنا اور دیکھا تھا اسی لئے اس نے اس خطرے کا احساس ان کو دلایا۔ پھر اس نے اپنی درست رائے کے مطابق ہدیے کا تذکرہ کیا۔ ایک اور قول: یہ اللہ کی طرف سے اس کے قول کی تصدیق ہے۔ ارشاد مفسر: اس زمین میں ایک فساد پیدا کرنے والے نے اس آیت سے استدلال کیا حالانکہ جس نے کسی حرام کو جائز کیا اس نے کفر کیا۔ اگر اس نے قرآن کو بطور تحریف کے دلیل بنایا ہے تو اس نے دو کفروں کو جمع کیا۔ نمبر۱۔ تحریف قرآن نمبر۲۔ اباحت حرام۔

ملکہ کی عاقلانہ رائے:

۳۵: وَاِنِّىْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ (میں ان کو ایک ہدیہ بھیجوں گی) یعنی قاصدوں کو ہدیہ دیکر بھیجوں گی۔ فَنٰظِرَةٌ (پھر دیکھوں گی) یعنی انتظار کروں گی۔ نحو: بِمَ اصل میں بما ہے کیونکہ حرف جر کے ساتھ ما استفہام آئے تو الف حذف کر دیا جاتا ہے۔ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ (قاصد کیا جواب لے کر آتا ہے)۔ ان ہدیوں کی قبولیت کا یا واپس لوٹانے کا۔ کیونکہ وہ بادشاہوں کی عادات اور ہدایا کے اچھے مواقع سے واقف تھی۔ پس اگر وہ بادشاہ ہوگا تو ان کو قبول کرے گا اور اگر وہ پیغمبر ہوا تو ان کو رد کر دے گا اور ہم سے سوائے اتباع دین کے کسی چیز پر راضی نہ ہوگا۔ اس نے ہدایا میں پانچ سو غلام جن کو لڑکیوں کا لباس اور زیورات پہنا کر ایسے گھوڑوں پر سوار کیا جو ریشم سے ڈھکے ہوئے تھے اور ان گھوڑوں کی لگامیں اور کاٹھیاں سونے اور جواہرات سے مزین تھیں اور پانچ سو لڑکیاں جو لڑکوں کے لباس میں گھوڑیوں پر سوار تھیں۔ اور ایک ہزار سونے چاندی کی اینٹیں اور موتی اور یاقوت کا جڑا ہوا تاج اور ایک ڈبیہ جس میں ایک نایاب موتی اور ایک ٹیڑھا کیا ہوا پتھر رکھ کر بند کر دیا اور قاصد بھیجے اور ان کا نگران منذر بن عمرو کو بنایا۔ اس کی دلیل اس ارشاد میں ہے بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ۔ اور اس نے ایک خط لکھا جس میں سارے ہدایا کی تفصیل تھی اور یہ کہا گیا کہ اگر آپ نبی ہیں تو غلاموں اور لونڈیوں میں امتیاز کر دیجئے اور یہ بھی اطلاع کر دیجئے کہ ڈبیہ میں کیا ہے اور موتی کے درمیان میں درست سوراخ کر دیا جائے اور پتھر کے اندر دھاگہ ڈال دیا جائے پھر اس نے منذر کو یہ حکم دیا کہ اگر وہ تمہیں غضب ناک نگاہوں سے دیکھے تو سمجھ لینا کہ وہ بادشاہ ہے۔ ہرگز اس سے خوف زدہ نہ ہونا اور اگر تم ان کو بشاش بشاش نرمی والا پاؤ تو وہ پیغمبر ہیں۔

ہدہد کی آگاہی کی صورت:

ہدہد حاضر ہوا اور سلیمان علیہ السلام کو اس ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔ سلیمان علیہ السلام نے جنات کو حکم دیا۔ کہ وہ سونے چاندی کی اینٹیں تیار کریں۔ اور سامنے کے میدان میں جس کی لمبائی سات فرسخ ہو اس کا فرش لگادیں اور اس میدان کے ارد گرد دیوار بھی سونے چاندی کی اینٹوں کی کھینچ دیں پھر آپ نے حکم دیا کہ سمندر اور خشکی کے بہترین جانوروں کو اس میدان کے دائیں اور بائیں ان کی قطاروں پر باندھ دیا جائے اور جنات کی اولاد کو حکم دیا کہ وہ اس میدان کے دائیں اور بائیں بیٹھ جائیں پھر آپ اپنے تخت پر تشریف فرما ہوئے تو تخت کے دونوں اطراف میں کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ شیاطین صفیں باندھے کئی فرسخ تک اور اسی طرح انسان صفیں باندھے کئی فرسخ تک اور وحشی جانور درندے اور پرندے اور کیڑے مکوڑے سب صف بستہ تھے۔ جب انہوں نے جانوروں کو سونے چاندی کی اینٹوں پر گوبر کرتے دیکھا تو ان کو اپنے ہدایا حقیر معلوم ہوئے۔ اس لئے ان کو وہیں پھینک دیا اور بڑھتے ہوئے سلیمان علیہ السلام کے جب سامنے آ کھڑے ہوئے تو آپ نے ان سب کو خوش کن چہرے سے دیکھا۔ انہوں نے ملکہ کا خط حاضر خدمت کیا آپ نے فرمایا موتی کہاں ہے پھر دیمک کو حکم دیا تو اس نے ایک بال پکڑ کر اس موتی میں سوراخ کر دیا اور ایک سفید کیڑے نے اپنے منہ میں دھاگہ لے کر اس پتھر میں دھاگہ ڈال دیا پھر آپ نے پانی منگوایا۔ لونڈیاں پانی کو پہلے ایک ہاتھ میں پکڑتیں پھر دوسرے پر رکھتیں اور پھر اس کو اپنے منہ پر ڈالتیں اور لڑکے اس کو جونہی پکڑتے اپنے چہرے پر ڈال لیتے ان کے درمیان بھی امتیاز کر دیا پھر سارے ہدایا کو واپس کر دیا پھر منذر کو کہا جاؤ واپس لوٹ جاؤ۔

جواب سلیمان علیہ السلام تم دنیا پر اترانے والے ہو:

۳۶: فَلَمَّا جَآءَ (جب اس کا قاصد منذر بن عمرو آیا)۔ سُلَیْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ (سلیمان علیہ السلام کے پاس تو آپ نے فرمایا کیا تم مال سے میری مدد کر رہے ہو)۔ قراءت۔ تمدونن اس میں دونوں اور وصل و وقف میں یاء کا اثبات کی اور کسی نے کیا ہے مدنی اور ابوعمرو نے وصل میں ان کی موافقت کی۔ تمدونی حمزہ اور یعقوب نے دونوں حالتوں میں پڑھا ہے جبکہ دیگر تمام قراء نے وقف اور وصل دونوں حالتوں میں بغیر یاء کے پڑھا ہے اور اس میں قاصدوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ فَمَآ اٰتٰنِ اللّٰهُ (جو کچھ اللہ نے مجھے دیا ہے)۔ یعنی نبوت بادشاہی اور حکمت۔ قراءت: یاء کے فتح کے ساتھ مدنی ابوعمرو نے اور حفص نے پڑھا ہے۔ خَیْرٌ مِّمَّآ اٰتٰكُمْ (وہ اس سے بہت بہتر ہے جو اس نے تم کو دیا ہے)۔ یعنی دنیا کی نعمتوں اور اسی طرح کی چیزیں۔ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِیَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ (بلکہ تم تو اپنے ہدیے پر اتراتے ہو)۔ الهدية۔ ہدیہ میں خوش کی جانے والی چیز جیسے عطیہ عطا کی جانے والی چیز۔ ہدیہ کی اضافت ہدیہ دینے والی اور جس کو ہدیہ دیا جائے دونوں کی طرف درست ہے جیسے کہتے ہیں هذه هدية فلان۔ اس سے مراد وہ چیز ہے جو اس نے ہدیہ میں دی۔ یا یوں کہتے ہیں اهديت اليه مجھے یہ ہدیہ دیا گیا۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جو کچھ میرے پاس ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے جو تمہارے پاس ہے وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ دین دیا کہ جس میں اعلیٰ نصیب اور وسیع مالداری ہے اور اس نے مجھے وہ دنیا دی ہے کہ جس پر اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کس طرح میرا ہمسر مجھے مال امداد دے سکتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ ظاہری دنیا ہی کو جانتے ہو اسی لئے جو تمہیں زائد دیا یا ہدیہ دیا جائے

اس پر اترانے لگتے ہو۔ کیونکہ تمہاری ہمت اسی حد تک پہنچنے والی ہے مگر میری حالت تمہاری حالت سے مختلف ہے میں تمہاری کسی چیز پر خوش نہیں ہو سکتا سوائے ایمان کے اور اسی بات پر خوش ہو سکتا ہوں کہ تم مجوسیت کو چھوڑ دو۔

لغوی نکتہ:

اتمدونی بمال و انا اغنی منک اور اسی طرح اس کو لا یا واو کے ساتھ لانے میں فرق یہ ہے۔ کہ جب واؤ سے لاؤ گے تو مخاطبین میری مالداری سے واقف ہیں اور اس کے باوجود وہ مجھے مالی امداد دے رہے ہیں۔ اور اگر فاء کے ساتھ لائیں تو مخاطب میری مالداری کو نہیں جانتا لیکن میں اس کو اس وقت اطلاع دے رہا ہوں کہ مجھے تمہاری معاونت کی ضرورت نہیں۔ گویا میں اس کو اس طرح کہہ رہا ہوں۔ انکر علیک ما فعلت فانی غنی عنہ۔ جو معاملہ تم نے کیا ہے میں اس کو عجیب سمجھتا ہوں۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

فما اتانی اللہ میں فاء اس بات کو ظاہر کر رہی ہے۔ بل کو لا کر آپ نے ان کی بات سے اعراض اختیار کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ نے ان کی امداد کو انوکھا قرار دیا اور اپنے انکار کی علت بیان کی۔ اس سے اعراض کرتے ہوئے آپ نے اس سبب کو بیان کر دیا جو اس کا باعث بنا تھا اور وہ یہی تھا کہ وہ خوشی و ناراضی کے بیہودہ سبب سے واقفیت رکھتے ہیں۔ جو کہ محض دنیا ہے۔ وہ اس کے سوا اور کسی سبب سے واقفیت ہی نہیں رکھتے۔

یعنی ان کی تمام وحظ دنیا تک ہے جو کہ کوتاہ نگاہی کی علامت ہے۔

۳۷: ارْجِعْ (تو لوٹ جا)۔ یہ قاصد کو خطاب ہے۔ یا ہدہد کو فرمایا۔ اگر دوسرے خط کا احتمال تسلیم کیا جائے۔ اِلَيْهِمْ (ان کی طرف) بلقیس اور اس کی قوم کی طرف۔ فَلَنَأْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا (ہم ایسا لشکر لے کر ان پر جا پہنچیں گے جن کے مقابلہ کی ان میں طاقت نہیں)۔ القبل کی حقیقت مقابلہ و مقاومت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ان کے مقابلہ پر قادر نہ ہوں گے۔ وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَا اور (ہم ان کو ضرور سبا سے نکال باہر کریں گے) اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ (بے عزت کر کے اور وہ ذلیل ہوں گے)۔ الذل عزت و ملک کا چھا جانا۔ الصغار۔ قید و غلامی میں مبتلا ہونا۔

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝ قَالَ عِفْرِيْتٌ

سلیمان نے کہا اے اہل دربار تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو اس کا تخت اس سے پہلے میرے پاس لے آئے کہ وہ میرے پاس فرمانبردار ہو کر آئیں۔ جنات میں سے

مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ۝

ایک دیو نے کہا کہ میں اسے اس سے پہلے لے آؤں گا کہ آپ اپنے مقام سے کھڑے ہوں اور بلاشبہ میں اس پر قدرت رکھتا ہوں امانت دار ہوں۔

قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ

اس شخص نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے آپ کے پاس اس سے پہلے لے آؤں گا کہ آپ کی آنکھ جھپکے

فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْۤ ءَاَشْكُرُ

سو جب اسے اپنے پاس دھرا ہوا دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ میرے رب کا ایک فضل ہے تاکہ وہ میری آزمائش کرے کہ میں شکر کرتا ہوں

اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ

یا ناشکری۔ اور جو شخص شکر کرتا ہے اپنی ذات کے لئے شکر کرتا ہے۔ اور جو شخص ناشکری کرے اس میں شک نہیں کہ میرا رب غنی ہے

كَرِيْمٌ ۝ قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْۤ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝

کریم ہے۔ سلیمان نے کہا کہ اس کے لئے اس کے تخت کو بدل دو تاکہ ہم دیکھیں کہ وہ سمجھ پاتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہو جاتی ہے جو سمجھ نہیں پاتے

۳۸: جب ملکہ کی طرف اس کے قاصد اپنے ہدایا لے کر واپس آئے اور انہوں نے واقعات بیان کیے۔ تو بلقیس نے کہا وہ نبی ہیں ہمیں ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں۔ پھر اس نے اپنے تخت کو سات کمروں میں بند کر کے ان کے دروازے بند کر دیئے اور اس پر پہرے دار مقرر کیے۔ جو حفاظت کریں اور سلیمان علیہ السلام کی طرف پیغام بھیجا کہ میں خدمت میں حاضر ہو رہی ہوں تا کہ آپ کی دعوت پر غور کروں۔ اور بارہ ہزار سرداروں کی سربراہی میں روانہ ہوئی ہر سردار کے ماتحت کئی ہزار لوگ تھے۔ جب سلیمان علیہ السلام سے اس کا فاصلہ ایک فرسخ رہ گیا تو آپ نے فرمایا۔

اظہارِ معجزہ:

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ (آپ نے فرمایا اے سردارو! تم میں سے کون اس کا تخت میرے پاس لے آئے گا۔ اس سے قبل کہ وہ فرمانبردار بن کر آئے)۔ نمبرا۔ آپ نے یہ چاہا کہ اس کو وہ عجائبات دکھائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر ظاہر فرمائے تھے۔ تا کہ نبوت سلیمان علیہ السلام کے لئے وہ شاہد کا کام دیں۔ اگر بلقیس کو اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا کچھ علم تھا۔ نمبر۲۔ آپ نے اس تخت کو اس کے اسلام لانے سے قبل لینا چاہا کیونکہ اسلام لانے کے بعد

اس کے اہل کا لینا آپ کے لئے جائز نہ تھا۔ مگر یہ قول تحقیق کے خلاف اور غلط ہے۔ نمبر۳۔ آپ نے اس کی عقل کا امتحان لینا چاہا۔ کہ آیا اس کو پہچانتی ہے یا نہیں اسی لئے اس کے اجزاء میں تبدیلی کرا دی۔

۳۹: قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ (جنات میں سے ایک خبیث دیو نے کہا)۔ عفریت۔ خبیث سرکش کو کہتے ہیں۔ اس کا نام ذکوان تھا۔ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ (میں اس کو تمہارے پاس لا سکتا ہوں) قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ (اس سے قبل کہ آپ اپنی مجلس فیصلہ و قضاء سے اٹھیں) وَاِنِّیْ عَلَیْهِ (اور میں اس کو لانے پر) اٹھانے پر۔ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ (طاقتور امانت دار ہوں) میں اس کو اسی طرح لے آؤں گا اس سے کوئی چیز کم نہ کروں گا۔ اور نہ تبدیل کروں گا۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا۔ میں اس سے بھی جلدی چاہتا ہوں۔

کرامت آصف خیار:

۴۰: قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ (کہا اس نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا)۔ نمبر۱۔ وہ فرشتہ جو تقدیر کی کتاب لئے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عفریت کی اس بات پر انا اٰتیک بہ قبل ان تقوم الاٰیۃ۔ اس فرشتہ کو بھیجا۔ نمبر۲۔ جبرئیل علیہ السلام اور کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ نمبر۳۔ خضر علیہ السلام۔ نمبر۴۔ آصف بن برخیا رضی اللہ عنہ جو سلیمان علیہ السلام کے کاتب وحی تھے اور سب سے صحیح تر یہی قول یہی ہے اور جمہور کا یہی قول ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم جانتے تھے۔ جس سے جب دعا کی جائے تو فوراً قبول ہوتی ہے۔ اور وہ یہ ہے یا حی یا قیوم یا ذالجلال والاکرام۔ یا الٰھنا واله کل شیء الٰھًا واحدًا۔ لا اله الا انت۔

ایک قول یہ ہے:

وہ الہام الٰہی سے غیب کے مقامات اجزاء کو جان لیتے۔ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ (میں اس کو تیرے پاس لے آؤں گا)۔ بہٖ سے تخت مراد ہے۔ اٰتیک۔ دونوں مقام پر فعل بھی بن سکتا ہے۔ نمبر۲۔ اسم فاعل بھی بن سکتا ہے۔

قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ (اس سے قبل کہ تیری نگاہ تیری طرف لوٹ کر آئے)۔ تم اپنی نگاہ کو کسی چیز کو دیکھنے کے لئے متوجہ کرو۔ اس کو اپنی طرف لوٹانے سے قبل تخت کو اپنے سامنے پاؤ گے۔ مروی ہے کہ آصف نے سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا۔ آپ اپنی آنکھوں کو حد نگاہ تک دراز کریں۔ آپ نے اپنی دونوں آنکھوں کو سامنے متوجہ کیا پھر آپ نے دائیں جانب دیکھا ادھر آصف نے دعا کی تو تخت زمین کے نیچے سے حکم الٰہی کے ساتھ سلیمان علیہ السلام کے سامنے نگاہ لوٹانے سے پہلے مجلس میں ظاہر ہو گیا۔ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ (جب اس تخت کو سامنے رکھا دیکھا)۔ بلا اضطراب سامنے جما ہوا۔ قَالَ هٰذَا (تو سلیمان علیہ السلام نے کہا)۔ یعنی میرے مقصود کا حاصل ہو جانا ہے اور وہ تخت بلقیس کا لانا ہے۔ جو پلک جھپک میں حاصل ہو گیا۔ مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ (یہ میرے رب کا فضل ہے)۔ جو مجھ پر ہے اور اس کا بلا استحقاق کے احسان مجھ پر ہے۔ بلکہ یہ فضل تو عوض سے بھی خالی ہے اور غرض سے مبرا ہے۔ لِیَبْلُوَنِیْٓ ءَاَشْكُرُ (تا کہ وہ میری جانچ کرے کہ میں اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں)۔ ابتلاء کا معنی امتحان لینا ہے۔

شکر کا فائدہ:

تیسرا۔ الشکر سے انعام کا شکریہ مراد ہے۔ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ (یا ناشکری کرتا ہوں اور جو شکر کرے گا وہ اپنے فائدہ کے لئے شکر کرے گا)۔ کیونکہ وہ اس شکر کے ذریعہ اپنے فرض کی ذمہ داری اپنے سے اتارتا ہے اور ناشکری کے نشان سے نفس کو بچاتا ہے اور شکریہ سے مزید کو حاصل کرنے والا اور نعمت کو باقی رکھنے والا ہے۔ شکریہ موجود نعمت کا بندھن اور مفقود نعمت کو شکار کرتا ہے۔

بعض کا مقولہ ہے:

کفرانِ نعمت ہلاکت ہے۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وحشی جانور کی رسی ڈھیلی کر دینے سے وہ اپنے مرکز پر واپس لوٹ آئے منتشر نعمتوں کو شکر سے پاس بلاؤ اور اپنے موجود پڑوس سے ساتھ کو قائم رکھو اور یہ خوب سمجھ لو: کہ اللہ تعالیٰ کی ستاری کا لٹکا ہوا پردہ اٹھ جائے گا اگر تم اس کی مخالفت کا خیال نہ کرو گے۔ یعنی اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا نہ کرو گے۔

وَمَنْ كَفَرَ (جس نے ناشکری اختیار کی) نعمتوں کا شکریہ ترک کر کے۔ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ (پس میرا رب بے نیاز ہے)۔ شکریہ سے كَرِيْمٌ (کرم کرنے والا ہے) کہ وہ جو اس کی نعمتوں کی ناشکری ہے اس پر اپنی نعمتوں سے کرم کرنے والا ہے۔

واسطی کا قول ہے:

ہمارا شکریہ تو اپنے لئے ہوتا ہے اور اس کی طرف سے ملنے والی نعمت بھی ہمیں ہی پہنچتی ہے اور اس کا احسان و فضل ہم پر سدا بہ الحق ہے۔

۴۱: قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا (آپ نے فرمایا اس کا تخت تبدیل کر دو)۔ یعنی اس کے مقدم کو موخر اور اعلیٰ کو اسفل کر دو۔ نَنْظُرْ (ہم دیکھیں)۔ نَنْظُرْ: جزم کی صورت میں یہ جواب ہے۔ اَتَهْتَدِيْٓ (کیا اس کو کچھ پتہ چلتا ہے)۔ اپنے تخت کی پہچان کرنے میں مراد سوال پر درست جواب دینے میں۔ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ (یا اس کا شمار انہی لوگوں میں ہے جو ایسی باتوں کا پتہ نہیں لگا سکتے)۔

فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَٰكَذَا عَرْشُكِ ۖ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ۚ وَأُوتِينَا

[illegible]

الْعِلْمَ مِن قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ﴿٤٢﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَت تَّعْبُدُ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ

[illegible]

إِنَّهَا كَانَتْ مِن قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿٤٣﴾ قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۖ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً

[illegible]

وَكَشَفَتْ عَن سَاقَيْهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّن قَوَارِيرَ ۗ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي

[illegible]

ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٤﴾

[illegible]

۴۲: فَلَمَّا جَآءَتْ (پس جب بلقیس آئی)۔ قِیْلَ اَھٰکَذَا عَرْشُکِ (اس کو کہا گیا کیا تیرا تخت اسی طرح کا ہے)۔ ھا حرف تنبیہ ہے اور کاف تشبیہ کے لئے ذا اسم اشارہ ہے۔

عجیب سوال و جواب:

آپ نے اھکذا عرشک فرمایا۔ اھذا عرشک۔ امثل ھذا عرشک نہیں فرمایا تا کہ تلقین نہ ہو۔
قَالَتْ کَاَنَّهٗ ھُوَ (اس نے کہا گویا وہی ہے) اس نے بجز یہی جواب دیا۔ اس نے ھو ھو یا لیس بہ نہیں کہا۔ یہ اس کی کمال عقل مندی کی علامت تھی۔ کہ ایسی بات کی جس میں دونوں باتوں کا احتمال تھا۔ یا جب انہوں نے اھکذا عرشک کہہ کر اس پر معاملے کو مشتبہ کیا تو اس نے بھی اپنے قول کَاَنَّهٗ ھُوَ سے ان پر بات کو مشتبہ کر دیا۔ باوجودیکہ اس کو معلوم ہو چکا تھا کہ یہ اسی کا تخت ہے۔

ملکہ کا اعتراف:

وَاُوْتِیْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِھَا (اور ہمیں تو اس نشانی سے قبل ہی علم ہو گیا تھا)۔ یہ کلام بلقیس ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور آپ کی صحت نبوت کا علم گزشتہ معجزات سے ہو چکا تھا۔ تخت منگوانے والے معجزہ کے ظہور سے پہلے یا اس حالت سے پہلے۔ وَکُنَّا مُسْلِمِیْنَ (اور ہم آپ کے فرمانبردار ہیں)۔ اور آپ کے حکم کو ماننے والے ہیں۔ نمبر۲۔ یا یہ سلیمان علیہ السلام اور آپ کے

سرداروں کا کلام ہے اور اس کا عطف و اوتینا العلم پر ہے۔ یعنی ہمیں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی ذات و صفات اور اس کی طرف سے آنے والی وحی پر اس کے علم سے پہلے ہی علم ہے۔ نمبر۳۔ ہمیں اس کا مسلمان ہونا معلوم ہو چکا تھا اور اس کی آمد سے قبل اس کا مسلمان ہو کر آنا معلوم ہو چکا تھا اور ہم اس کو وحدہ لاشریک ماننے والے اور اس کے سامنے جھکنے والے ہیں۔

اسے کس چیز نے روکا:

۴۳: وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (اور سلیمان علیہ السلام نے اس کو ان معبودوں کی عبادت سے روک دیا جن کی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتی تھی)۔ یہ سلیمان علیہ السلام کے کلام سے متصل ہے۔ یعنی سلیمان علیہ السلام نے اس کو روک دیا اس علم کی بنیاد پر جو ہم نے ان کو سکھایا تھا۔ یا اسلام کی طرف پیش قدمی کرنے نے اس کو سورج کی پوجا اور کفار کے مابین نشوونما سے روک دیا۔ پھر کفر کے درمیان اس کا پرورش پانا واضح فرمایا اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ۔ یہ ابتدائی کلام ہے۔ اسی قال اللّٰہ تعالٰی و صدها قبل ذلك عما دخلت فيه ضلالها عن سواء السبيل۔ نمبر۲۔ صدها اللّٰہ۔ نمبر۳۔ صدها سليمان عما كانت تعبد۔ حرف جار کے حذف کو مقدر مان کر اور فعل کو ملا کر۔

۴۴: قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ (اس کو کہا گیا تو محل میں داخل ہو)۔ الصرح۔ محل نمبر۲۔ گھر کا صحن۔ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً (جب اس کو دیکھا تو اس کو موجیں مارنے والا پانی گمان کیا)۔ لجة۔ (بڑا پانی)۔ وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا (اور اس نے اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اٹھایا)۔ قراءت: مکی نے ساقیھا ہمزہ سے پڑھا ہے۔

روایت تفسیر یہ میں ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے اس کی آمد سے قبل حکم دیا کہ اس کے راستے پر سفید شیشے کا محل بنایا جائے اور اس کے نیچے پانی جاری کر دیا اور اس پانی میں مچھلیاں چھوڑ دیں اور اس کے درمیان میں اپنا تخت بچھا کر بیٹھ گئے اور پرندے اور جنات و انس آپ کے ساتھ رک گئے۔ یہ فعل آپ نے اپنے معاملے کی عظمت کو بڑھانے اور نبوت کی سچائی ثابت کرنے کیلئے کیا۔

ایک قول یہ ہے:

جنات اس سے شادی کرنا ناپسند کرتے تھے اپنے اسرار و رموز اس کے پاس رکھنے کی وجہ سے کیونکہ یہ جنیہ کی بیٹی تھی۔

ایک قول یہ ہے:

ان کو خطرہ تھا کہ اس کا ایسا لڑکا پیدا نہ ہو جو جن و انس کی فطانت کا جامع ہو۔ وہ سلیمان کی بادشاہت سے نکل کر اس سے سخت بادشاہت میں نہ پھنس جائیں۔ وہ سلیمان علیہ السلام کو کہنے لگے اس کی عقل میں خرابی ہے اور اس کی پنڈلیوں پر بہت بال ہیں اور اس کے پاؤں گدھے کے کھروں کی طرح ہیں۔ آپ نے تخت کو تبدیل کر کے اس کی عقل کا امتحان لیا اور محل بنایا تاکہ پنڈلیوں اور پاؤں کا پتہ چل سکے۔ جب اس نے پانی سمجھ کر اس میں گھسنا چاہا تو اس کی پنڈلیاں اور پاؤں لوگوں میں خوبصورت ترین تھے۔ مگر ان پر بال تھے آپ نے اپنی نگاہ مبارک پھیر لی۔ پھر فرمایا۔ قَالَ (آپ نے اس کو فرمایا) اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ (بیشک یہ محل ہے بنا ہوا)۔ ملائم برابر اور امرد کا لفظ بے بال لڑکا اسی سے ہے۔ مِّنْ قَوَارِيْرَ (شیشے کا)۔ سلیمان علیہ السلام نے اس سے شادی کرنا چاہی

مگر اس کے بالوں کو ناپسند کیا۔ شیاطین نے نورہ تیار کیا جس سے بال جاتے رہے۔ پھر سلیمان علیہ السلام نے اس سے نکاح کر لیا اور اس سے محبت کی اور اس کو اس کے ملک پر برقرار رکھا۔ مہینہ میں ایک مرتبہ اس کے ہاں جاتے اور تین روز قیام فرماتے۔ اس سے اولاد بھی پیدا ہوئی۔ قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ (اس نے کہا اے میرے رب بے شک میں نے اپنے اوپر ظلم کیا)۔ سورج کی عبادت میں مصروف رہ کر۔ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (اور سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین پر ایمان لائی)۔

قول محققین:

کہ اس بات کا تقاضا احتمال بھی جائز نہیں کہ سلیمان علیہ السلام اس کی پنڈلیاں دیکھنے کے لئے یہ حیلہ کریں جبکہ وہ اجنبیہ تھی۔ حاشاوکلا۔ اس لئے اس قسم کی باتیں درست نہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ

[illegible]

يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ لَوْلَا

[illegible]

تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ قَالَ

[illegible]

طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَانَ فِى الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ

[illegible]

فِى الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ

[illegible]

مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا

[illegible]

يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۱﴾

[illegible]

فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوْا اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَنْجَيْنَا

[illegible]

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۳﴾

ان لوگوں کو نجات دے دی جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے تھے۔

قوم ثمود کا ذکر:

(۴۵) وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا (تحقیق ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا)۔ اخاهم نسبی بھائی۔

نحو: صالحًا یہ اخاھم سے بدل ہے۔ أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ (کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو)۔

قراءت: اَنِ کی نون کو وصل میں کسرہ سے عاصم، حمزہ، بصری قراء نے پڑھا اور دیگر قراء نے نون کو ضمہ سے باء کی اتباع میں پڑھا ہے۔ معنی یہ ہے تم اللہ کو وحدہ لاشریک مانو۔ فَاِذَا یہ مفاجات کیلئے ہے۔ هُمْ فَرِيقَانِ يَخْتَصِمُوْنَ (اچانک وہ دو فریق جھگڑنے لگے)۔ هم مبتدا فریقان خبر ہے۔ یختصمون یہ صفت ہے اور یہی اذا میں عامل ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ اچانک قوم صالح کے دو گروہ مومن و کافر بن کر جھگڑنے لگے۔ ہر فریق کہتا تھا کہ حق میرے ساتھ ہے۔ اس کی وضاحت اس آیت اعراف ۷۵-۷۶ میں موجود ہے۔ قال الملأ الذین استکبروا من قومه للذین استضعفوا لمن آمن منهم اتعلمون ان صالحًا مرسل من ربه قالوا انا بما ارسل به مؤمنون۔ ۷۵ قال الذین استکبروا انا بالذی آمنتم به کافرون ۷۶]۔ اور کافر کہنے لگے۔ یصالح ائتنا بما تعدنا ان کنت من المرسلین۔ [الاعراف ۷۷]

۴۶: قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ (کہا! اے میری قوم تم برائی کیوں جلدی مانگتے ہو)۔ السیئۃ سے وہ عذاب مراد ہے جس کا ان سے نہ ماننے کی صورت میں وعدہ کیا جاتا تھا۔ قَبْلَ الْحَسَنَةِ (اچھائی سے پہلے)۔ توبہ سے قبل۔ لَوْلَا (کیوں نہیں)۔ تَسْتَغْفِرُوْنَ (تم اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگتے)۔ کفر سے توبہ کرکے اور ایمان لا کر کیوں معافی نہیں مانگتے اس سے قبل کہ عذاب نازل ہو۔ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (کہ تم پر رحم کیا جائے)۔ تمہیں قبولیت عنایت فرما کر۔

۴۷: قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ (ہم تو تمہیں منحوس سمجھتے ہیں)۔ کیونکہ ان کی بعثت کے وقت تکذیب کی وجہ سے ان پر قحط مسلط کر دیا گیا تھا۔ کفار نے آپ کی آمد کی طرف اس کی نسبت کی اور اطَّيَّرْنَا اصل میں تطیرنا ہے۔ اور اسی طرح بھی پڑھا گیا ہے۔ تاء کو طاء میں ادغام کرکے ساکن طاء کو پڑھنے کے لئے ہمزہ کا اضافہ کر دیا۔ وَبِمَنْ مَّعَكَ (اور ان سے جو تیرے ساتھ ہیں)۔ ایمان لانے والے۔ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ (کہا تمہاری نحوست اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے)۔ یعنی وہ سبب جس سے تمہارے لئے خیر و شر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے۔ وہ اسی نے بنایا اور اسی کی تقسیم ہے۔ نمبر۲۔ تمہارا عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں لکھا ہوا ہے۔ پھر جو کچھ اترا بطور سزا اور آزمائش وہ اسی کی طرف سے ہے اور اس آیت میں یہی مذکور ہے۔ وکل انسان الزمناه طائره فی عنقه [الاسراء۔۱۳]۔

تطائر کی اصل:

اہل جاہلیت کے ہاں یہ تھی۔ جب مسافر کسی پرندے کے پاس سے گزرتا اور اس کو وہ اڑا دیتا۔ پھر وہ پرندہ اگر اس کے دائیں طرف سے گزر جاتا تو وہ اس کو تبرک قرار دیتے اور اگر وہ بائیں طرف گزرتا تو وہ اس سے بدشگونی لیتا۔ جب خیر و شر کی نسبت انہوں نے طائر کی طرف کی تو استعارۃً اللہ تعالیٰ کی تقدیر و تقسیم کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ نمبر۲۔ تمہاری قسمت بندوں کے عمل سے ہے۔ وہ بندہ جو کر رہے وہ سبب ہے۔ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ (بلکہ تم آزمائی ہوئی قوم ہو)۔ تمہارا امتحان لیا گیا ہے۔ نمبر۲۔ تمہارے گناہوں کی پاداش میں تمہیں عذاب دیا جا رہا ہے۔

ثمود کے مفسد:

۴۸: وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ (اور شہر میں)۔ شہر سے ثمود کا شہر مراد ہے۔ جس کا نام الحجر تھا۔ تِسْعَةُ رَهْطٍ (نو اشخاص تھے) رَهْط یہ جمع ہے جس کا واحد نہیں۔ اسی لئے یہ تسعة کی تمیز کے طور پر استعمال ہو گیا ہے۔ گویا اس طرح فرمایا گیا۔ تسعة انفس۔ کیونکہ تین سے دس تک کی تمیز جمع مجرور آتی ہے۔

قول ابن درید رحمۃ اللہ علیہ:

ان کا سربراہ قدار بن سالف تھا۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹنے میں دوڑ دھوپ کی تھی۔ یہ سب بڑے لوگوں کی اولاد تھے۔

يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ (وہ زمین میں فساد مچاتے درستی نہ کرتے تھے)۔ یعنی ان کا کام خالص بگاڑ پھیلانا تھا جس میں اصلاح کا ذرہ بھی نہ ہو۔ جیسا کہ بعض مفسدین سے کبھی کبھی صلاح و درستی بھی دیکھنے میں آتی ہے۔

قول حسن رحمۃ اللہ علیہ:

لوگوں کے عیب نکالتے اور ستر پوشی نہ کرتے۔

آیت ۴۹: قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ (انہوں نے کہا سب مل کر آپس میں قسمیں اٹھاؤ)۔ نحو: نمبر۱۔ یہ تقاسموا خبر ہے جو محل حال میں واقع ہے۔ اور قد مقدر ہے۔ ای قالوا متقاسمین باللہ۔ نمبر۲۔ یا امر ہے۔ یعنی انہوں نے ایک دوسرے کو قسم کا کہا اور حکم دیا۔ تقاسموا کا معنی تحالفوا۔ باہمی حلف ہے۔ لَنُبَيِّتَنَّهُ (ہم اس پر شب خون ماریں گے)۔ راتوں رات اس کو ضرور قتل کر دیں گے۔ وَأَهْلَهُ (اور اس کے اہل کو)۔ اولاد و پیروکاروں کو ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ (پھر ہم اس کے اولیاء کو کہیں گے)۔ خون کے وارث۔ قراءت: حمزہ و علی کی قراءت میں لتبیتنہ تا کے ساتھ اور تا کے ثانیہ کے ضمہ سے۔ لتقولن تاء اور ضمہ لام کے ساتھ آیا ہے۔ مَا شَهِدْنَا (ہم تو موجود ہی نہ تھے) مَهْلِكَ أَهْلِهِ (اس کے اہل کے ہلاک ہونے کی جگہ میں) قراءت: حفص نے مَهْلِكَ پڑھا اور ابوبکر، حماد، مفضل نے مَهْلَكَ پڑھا اور اصل ھلک قرار دیا۔ اول کا معنی موضع ہلاکت اور دوسرا مصدر ہے۔ اس کا معنی ہلاکت ہے۔ دیگر قراء نے مُهْلَكَ پڑھا اور اھلک کو اصل قرار دیا۔ نمبر۱۔ اس کا معنی اہلاک (ہلاک کرنا) نمبر۲۔ مکان اہلاک۔ ہلاک کرنے کی جگہ۔ حاصل معنی نمبر۱۔ یہ ہے ہم نے اس کے اہل و عیال پر کوئی تعرض ہی نہیں کیا۔ پس ہم ان پر کیسے تعرض کر سکتے ہیں۔ نمبر۲۔ ہم تو اس کی ہلاکت کے ٹھکانے پر موجود تھے۔ ہم اس کی ہلاکت کے کیونکر مباشر ہوں۔ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ (اور بیشک ہم ضرور سچے ہیں) اس بات میں جو ہم نے کہی ہے۔

وَمَكَرُوا مَكْرًا وَمَكَرْنَا مَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (اور انہوں نے ایک خفیہ تدبیر کی اور ہم نے بھی ایک خفیہ تدبیر کی اور اس تدبیر کی ان کو خبر بھی نہ تھی)۔ مکرھم سے ان کی وہ تدبیر جو انہوں نے صالح علیہ السلام اور ان کے اہل کے متعلق شب خون مارنے کی بنائی تھی۔ مکر اللہ سے مراد ان کا اس طور پر ہلاک کر دینا کہ ان کو خبر بھی نہ ہوئی۔

آیت میں: بطور استعارہ تدبیر کو مکر کر کے مکر سے تشبیہ دی ہے۔

صالح علیہ السلام کے خلاف سازش قتل:

روایت میں ہے کہ گھاٹی میں صالح علیہ السلام کی مسجد تھی جس میں آپ نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ صالح کا خیال یہ ہے کہ وہ ہم سے تین دن میں فارغ ہو جائے گا۔ ہم کیوں نہ اس سے اور اس کے اہل سے تین دن سے پہلے فارغ ہو جائیں۔ چنانچہ تو وہ اس گھاٹی کی طرف نکل کر گئے۔ اور آپس میں کہنے لگے اگر وہ نماز ادا کرنے آئے گا تو ہم اس کو قتل کر دیں گے۔ پھر اس کے اہل پر حملہ آور ہو کر ان کو قتل کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک پتھر مسلسل بارش سے ان کی جانب بھیج دیا۔ وہ جلدی بھاگے تو پتھر اوپر سے آ کر ان پر گھاٹی میں فٹ ہو گیا۔ ان کی قوم کو معلوم ہی نہ ہو سکا کہ وہ کہاں گئے اور نہ ان کو معلوم ہوا کہ ان کی قوم کا کیا حشر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام کو اسی جگہ سزا دے دی اور صالح علیہ السلام کو اور تمام ایمان والوں کو بچا لیا۔

قوم کی ہلاکت:

۵۱: فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ (غور کرو ان کی تدبیر کا انجام کیا ہوا بیشک ہم نے تمام کو تہس نہس کر دیا)۔

قراءت: کوفی و سہل نے اَنَّا کو فتحہ سے پڑھا اور دیگر قراء نے اِنَّا پڑھا اور جملہ مستانفہ قرار دیا۔

نحو: جنہوں نے فتحہ دیا انہوں نے اس کو۔ نمبر۱۔ العاقبۃ کا بدل مان کر مرفوع قرار دیا۔ نمبر۲۔ مبتدأ محذوف کی خبر مان لیا۔ تقدیر کلام یہ ہوئی وھی تدمیرھم اور جنہوں نے نصب دیا۔ انہوں نے لام کو محذوف مانا۔ نمبر۳۔ یا اس کو کان کی خبر قرار دیا۔ تقدیر کلام کان عاقبة مکرھم الدمار وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ (اور ان کی ساری قوم کو)۔ چیخ کے ذریعہ

آیت ۵۲: فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً (پس یہاں ان کے مکانات گرے پڑے ہیں)۔ منہدم گرے پڑے ہیں۔ خاویۃ یہ خوی النجم سے بنا ہے۔ جب کہ وہ گرے۔ نمبر۲۔ خالی پڑے ہیں۔ جبکہ الخواء سے لیا جائے۔

نحو: یہ حال ہے۔ جس پر تلک کا مدلول عامل ہے۔

بِمَا ظَلَمُوْا (ان کے ظلم کی وجہ سے)۔ ان کے ظلم کے باعث اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ (بیشک اس میں)۔ جو کچھ ثمود کے ساتھ ہوا۔ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (جاننے والی قوم کے لئے نشانی ہے)۔ ہماری قدرت کی پس وہ اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

۵۳: وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو (صالح علیہ السلام پر) ایمان لائے) وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ (اور وہ تقویٰ والے تھے)۔ وہ اس کے اوامر کو ترک کرنے سے بچنے والے تھے۔ ان کی تعداد چار ہزار تھی جنہوں نے صالح علیہ السلام کے ساتھ عذاب سے نجات پائی۔

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ ﴿٥٤﴾ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ

اور ہم نے لوط کو بھیجا جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم بے حیائی کے کام کرتے ہو حالانکہ تم دیکھتے ہو۔ کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر شہوت پوری کرنے کے لئے

الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿٥٥﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ

مردوں کے پاس آتے ہو بلکہ بات یہ ہے کہ تم جہالت کے کام کر رہے ہو۔ سو ان کی قوم کا جواب

قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِّن قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ﴿٥٦﴾

بجز اس کے کچھ نہ تھا کہ لوط کو اپنی بستی سے نکال دو۔ بے شک بات یہ ہے کہ یہ لوگ پاک بنتے ہیں۔

فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَاهَا مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٥٧﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم

سو ہم نے لوط کو اور ان کے گھر والوں کو نجات دے دی سوائے ان کی بیوی کے کہ ہم نے اس کو ان ہی لوگوں میں تجویز کر رکھا تھا جو عذاب میں رہ جانے والے تھے اور ہم نے ان پر ایک

مَّطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنذَرِينَ ﴿٥٨﴾ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ

خاص قسم کی بارش برسا دی سو ان لوگوں کی بری بارش تھی جو ڈرائے گئے۔ آپ کہہ دیجئے کہ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اور سلام ہو اس کے ان بندوں پر جنہیں

اصْطَفَىٰ ۗ آللَّهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٥٩﴾

اس نے چن لیا، کیا اللہ بہتر ہے یا وہ چیزیں جنہیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں!

مجالس میں بے حیائی:

۵۴: وَلُوطًا إِذْ قَالَ (اور لوط علیہ السلام کا تذکرہ کرو جب انہوں نے کہا)۔ لوطاً۔ اذکر کی وجہ سے منصوب ہے اور اذ یہ لوطاً سے بدل ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے اذکر وقت قول لوط۔ (لوط کے قول کے وقت کو یاد کرو۔) لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ (اپنی قوم سے کیا تم بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو)۔ لواطت فاحشہ مراد ہے۔ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ (حالانکہ تم سمجھدار ہو)۔ تم جانتے ہو کہ وہ بے حیائی ہے تو کیوں اس کا ارتکاب کرتے ہو۔ تبصرون سے تبصرۃ القلب مراد ہے۔ نمبر۲۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھتے۔ کیونکہ مجالس میں علانیہ اس کا ارتکاب کرتے ایک دوسرے سے چھپانے کے لئے پردہ نہ کرتے تھے۔ اس وجہ سے کہ وہ اس معصیت میں شدید منہمک تھے۔ اور مذاق و ٹھٹھے کے طور پر کرتے تھے۔ نمبر۳۔ تم اپنے سے پہلے مجرموں کے آثار دیکھتے ہو اور جو کچھ ان پر اترا وہ بھی تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔ پھر اگلی آیت میں صراحۃ فرمایا

۵۵: أَئِنَّكُمْ (کیا تم ہی)۔ قراءت: شامی، کوفی نے دو ہمزہ سے پڑھا۔ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ (کیا تم مردوں سے شہوت پوری کرتے ہو)۔ شَهْوَةً ای للشہوۃ۔ شہوت پوری کرنے کے لئے۔ مِّن دُونِ النِّسَاءِ (عورتوں کو چھوڑ کر)۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے عورت اور

کے لئے بنایا ہے مرد کو مرد کے لئے نہیں بنایا۔ اور نہ مؤنث کو مؤنث کے لئے بنایا گیا ہے۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت سے ٹکرانی ہے۔ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ (بلکہ تم جاہل لوگ ہو) نمبر۱۔ جاہلوں جیسے کام کرتے ہو اس لئے کہ اس کا بے حیائی ہونا تمہیں خوب معلوم ہے۔ نمبر۲۔ جہل سے مراد حماقت اور وہ طول جس پر وہ قائم تھے۔ اس جملہ میں خطاب و غائب دونوں جمع ہو گئے اور دوسری آیت بل انتم قوم تفتنون [النمل: ۴۷] میں دونوں جمع ہیں۔ اس آیت میں خطاب کو غائب پر غلبہ دیا گیا کیونکہ وہ قوت میں بڑھ کر ہے۔ اس لئے کہ اصل کلام تو موجود آدمیوں میں ہوتی ہے۔

۵۶: فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ (پس قوم کا جواب یہی تھا کہ کہنے لگے۔ آل لوط کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو بیشک یہ لوگ پاک بنتے ہیں)۔ آل لوط سے یہاں لوط علیہ السلام اور ان کے پیروکار مراد ہیں۔ نحو: کان کی خبر جواب ہے اور ان قالوا اس کا اسم ہے۔ یتطھرون۔ وہ گندگیوں سے بچتے ہیں۔ وہ اس گندے عمل کو ناپاک قرار دیتے ہیں۔ وہ کہیں ان کے انداز تعبیر سے عمل اور ہی ہے۔

ایک قول یہ ہے:

یہ استہزائی کلام ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے۔ انک لانت الحلیم الرشید۔ [ہود: ۸۷]

۵۷: فَاَنْجَيْنٰهُ (ہم نے ان کو نجات دی)۔ قوم پر واقع ہونے والے عذاب سے بچالیا۔ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ (اور اس کے اہل کو مگر ان کی بیوی ہم نے تجویز کر رکھا تھا اس کے لئے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں ہے)۔ قراءت: حماد و ابوبکر کے علاوہ باقی نے قدرنا تشدید سے پڑھا ہے۔ ای قدرنا کونها ہم نے مقدر کیا اس کا ہونا۔ الغابرین۔ عذاب میں باقی رہنے والے۔

۵۸: وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا (اور ہم نے ان پر بارش کی بارش کرنا)۔ پتھروں کی بارش جن پر ان کا نام لکھا تھا۔ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ (ڈرائے ہوؤں کی بارش بہت بری تھی)۔ منذرین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے انذار کو قبول نہ کیا۔

۵۹: قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى (آپ کہہ دیں۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جو چنے ہوئے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی حمد و ستائش کا حکم فرمایا۔ پھر چنے ہوئے بندوں پر سلام کا حکم دیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی توحید و وحدانیت پر بعد میں آنے والی دلالت کے لئے بطور تمہید حکم فرمایا۔

اس میں ہر اچھا عمل کرتے ہوئے ان دونوں سے تبرک حاصل کرنا چاہیے۔ اور دونوں کے ذریعہ سے خوب تقویت حاصل کرے۔ نمبر۲۔ یہ لوط علیہ السلام کو خطاب فرمایا کہ وہ اپنی قوم کی ہلاکت پر یہ دعا کیا کریں۔ کہ اے اللہ کفار کی ہلاکت اور پسندیدہ بندوں کے محفوظ رہنے پر تیرا شکر ہے اور اس ہلاکت سے ہمیں بچایا اور گناہوں سے معصوم بنایا۔ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ (کیا اللہ تعالیٰ بہتر ہے یا وہ جن کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں)۔ قراءت: بصری، عاصم نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

جن کو انہوں نے شریک ٹھہرایا ہے ان میں اس وقت کوئی خیر نہیں یہاں تک کہ ان کے اور اس ذات کے درمیان موازنہ کیا جائے جو کہ ہر چیز کا خالق ہے۔ یہ درحقیقت ان کو الزام دیا جا رہا ہے اور ان کی حماقت و بیک سری کا اظہار ہے اور اس کی وجہ یہ تھی

کہ انہوں نے بتوں کی عبادت کو اللہ تعالیٰ کی عبادت پر ترجیح دی ہے۔ اور کوئی عقل مند کسی چیز کو دوسری پر ترجیح دیتا ہے۔ تو اس کے لئے کوئی نہ کوئی داعیہ ضرور ہوتا ہے مثلاً اس میں خیر و بھلائی کی کثرت ہے اور منافع زیادہ ہیں۔ اس میں ان کو کہا جا رہا ہے۔ تم جانتے ہو کہ جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کے بالمقابل ترجیح دی ہے ان میں خیر کا شائبہ بھی نہیں۔ اور انہوں نے ترجیح بھی زیادتی خیر کی وجہ سے نہیں دی ہے۔ بلکہ ہوائے نفسانی اور لغو محض ہے۔ کفار کو خطا صریح پر متنبہ کرنا پھر ان کی جہالت پر خبردار کرنا ہے۔ تاکہ وہ معلوم کرلیں کہ ترجیح کے لئے خیر کا زائد ہونا ضروری ہے۔

اور وہ ان کے معبودوں میں مفقود ہے۔

عملِ نبوت:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ آیت پڑھتے تو آخر میں فرماتے: بل اللّٰہ خیر وابقی واجل واکرم۔

(اخرجہ الثعلبی)

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ

کیا وہ ذات جس نے آسمانوں کو اور زمینوں کو پیدا فرمایا اور تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس کے ذریعہ رونق والے

حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ

باغیچے اگائے، تم سے بھی نہ ہو سکتا تھا کہ ان کے درختوں کو اگا دو، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ بلکہ بات یہ ہے کہ یہ لوگ

قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا

ایسے لوگ ہیں جو ہٹتے ہیں، کیا جس ذات نے زمین کو ٹھہرا ہوا بنایا اور اس کے درمیان نہریں بنائیں اور اس کے لئے

رَوَاسِیَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾

پہاڑ بنائے اور دو دریاؤں کے درمیان آڑ بنا دی، کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ بلکہ ان میں سے اکثر وہ لوگ ہیں جو نہیں سمجھتے۔

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ

کیا وہ جو بے قرار کی دعا کو سنتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور دکھ کو دور فرماتا ہے اور تمہیں زمین میں خلیفہ بناتا ہے

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ

کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ بہت کم دھیان دیتے ہو۔ کیا وہ جو تمہیں خشکی میں اور سمندر کے اندھیروں میں راہ

الْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ

بتاتا ہے اور جو ہواؤں کو بھیجتا ہے جو اس کی رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوتی ہیں، کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے؟

تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ

اللہ اس سے برتر ہے جو وہ شرک کرتے ہیں۔ کیا وہ جو مخلوق کو اول بار پیدا فرماتا ہے پھر اسے دوبارہ پیدا فرمائے گا اور جو تمہیں آسمان سے اور زمین سے

مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾

رزق دیتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ آپ فرما دیجئے کہ تم اپنی دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو۔

۶۰: اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ یہاں سے اللہ تعالیٰ نے وہ خیرات و منافع ذکر فرمائے جو کہ اس کی رحمت و فضل کے آثار ہیں۔ چنانچہ فرمایا: امن خلق السمٰوٰت والارض۔ (کیا وہ ذات بہتر ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا)۔

فرق: امّا یشرکون کے ام اور امن خلق السمٰوٰت کے ام میں یہ ہے۔ امّا یشرکون کا ام متصل ہے اس لئے کہ ای ہے۔

ان میں کون زیادہ بہتر ہے۔ اور یہ ام منقطعہ ہے جو کہ بل کے معنی میں ہے۔ اور ہمزہ سابقہ استفہام سے اعراض کے لئے ہے۔ کیونکہ یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر خیر کا مبدأ ہے۔ دوسرے معبودوں میں خیر کا نشان بھی نہیں۔ پھر استفہام کی صورت میں دونوں میں برابری کرنا اور سوال میں موازنہ کرنا کسی طرح زیبا نہیں اسی لئے سابق استفہام سے اعراض کیا اس صورت میں یہ استفہام تقریری بنایا جا رہا ہے۔ کہ جس نے آسمان بنائے وہی بہتر ہے۔

وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً (اور اس نے اتارا تمہارے لئے آسمان سے پانی)۔ ماء سے مراد بارش ہے۔ فَاَنْۢبَتْنَا (پھر ہم نے اگائے)۔ کلام کا رخ غیبت سے متکلم کی طرف کر دیا۔ نمبر ۱۔ تاکہ اس بات کی تاکید کر دی جائے کہ یہ فعل اس کی ذات سے مختص ہے۔ نمبر ۲۔ اور مختلف قسم کے باغات جن کے رنگ ذائقے، بو، شکلیں ایک ہی پانی سے پیدا کرنے پر صرف ایک وحدہ لاشریک ذات کو قدرت حاصل ہے۔ بِهٖ (اس پانی کے ذریعہ) حَدَآئِقَ (باغات) ذَاتَ بَهْجَةٍ الحدیقۃ (دیوار سے گھرا ہوا باغ)۔ یہ احداق سے بنا ہے۔ دیوار احاطہ کو کہا جاتا ہے۔ ذات یہاں ذوات کی بجائے ذات لایا گیا۔ کیونکہ معنی بہت سے حدائق ہے۔ جیسا کہتے ہیں۔ النساء ذھبت۔ بَهْجَةٍ (بارونق)۔ حسین۔ کیونکہ دیکھنے والا اس سے سرور حاصل کرتا ہے۔ پھر خصوصیت کی طرف اس ارشاد سے اشارہ کیا۔ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا (تمہارے لئے ان کے درختوں کا اگانا ممکن نہیں تھا)۔ کینونت کا معنی یہاں انبغاء ہے۔ مراد یہ ہے کہ ایسا کرنا غیروں کے لئے محال ہے۔ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ (کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی معبود ہے)۔ کیا اس کے ساتھ اور کوئی ملایا جائے اور اس کا شریک بنایا جائے۔ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ (بلکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو دوسروں کو اس کے برابر قرار دیتے ہیں)۔ یا اللہ تعالیٰ کے حق توحید سے اعراض کرتے ہیں۔ بل ھم کے الفاظ خطاب کے بعد ان کی رائے کی غلطی کے اظہار کے لئے بہت بلیغ ہیں۔

۶۱: اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ (یا وہ ذات جس نے زمین کو بنایا)۔ اس کا ما بعد امن خلق سے بدل ہے۔ اور اس کا حکم وہی ہے کہ ام منقطعہ اور استفہام تقریری ہے۔ قَرَارًا (قرارگاہ)۔ زمین کو بچھایا اور اس کو قرار کے لئے درست کر دیا۔ وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ (اور اس کے درمیان بنائے)۔ خلالھا ظرف ہے۔ یعنی اس کے وسط میں۔ اَنْهٰرًا (نہریں)۔ جعل: یہ اول مفعول ہے اور دوسرا خلالھا ہے۔ اور بین البحرین بھی اسی کی مثل ہے۔ وَّجَعَلَ لَهَا (اور اس کے لئے بنائے)۔ ھا کا مرجع الارض ہے۔ رَوَاسِيَ (پہاڑ) جو کہ حرکت سے اس کو روکنے والے تھے۔ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ (اور بنائے دو سمندروں کے درمیان)۔ بحرین سے میٹھا اور نمکین مراد ہے۔ حَاجِزًا (مل جانے سے روک)۔ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی معبود ہے بلکہ ان کی اکثریت بے علم ہے)۔ وہ توحید کو جانتے ہی نہیں تب مانیں گے۔

۶۲: اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ (یا کون ہے ایسا کہ جب کوئی بے قرار اس کو پکارتا ہے تو وہ اس کی دعا کو قبول کرتا ہے)۔ اضطرار۔ یہ ضرورت سے افتعال کا باب ہے۔ اضطرار اس حالت کو کہتے ہیں جو پناہ کی طرف مجبور کر دے۔ کہا جاتا ہے۔ اضطرہ الی کذا۔ فاعل و مفعول دونوں صیغے مضطر ہیں۔ مضطر۔ اس شخص کو کہتے ہیں جس کو مرض یا فقر یا حوادث زمانہ نے اللہ کی طرف اور گڑگڑانے پر مجبور کر دیا ہو۔ یا گناہگار جب استغفار کرے یا مظلوم جب پکارے یا وہ آدمی جو اپنے ہاتھ اٹھائے اور اپنے پاس

سوائے توحید کے کوئی شکل نہ پائے اور اس کو اس مصیبت سے خطرہ ہو۔ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ (اور وہ مصیبت کو دور کرتا ہے)۔ السوء سے تکلیف جسمانی یا ظلم مراد ہے۔ وَیَجْعَلُکُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ (اور تمہیں زمین کا وارث بنایا)۔ یعنی زمین میں وارث بنایا۔ اس توارث سے اس میں رہائش اور صدیوں سے اس میں تصرف کرنا یا خلافت سے تسلط بادشاہی مراد ہے۔ ءَاِلٰہٌ مَّعَ اللّٰہِ قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ (کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور کوئی معبود ہے۔ مگر تم لوگ بہت کم یاد رکھتے ہو)۔

قراءت: ابوعمرو نے یذکرون پڑھا اور حمزہ علی وحفص نے تخفیف سے پڑھا۔

ما زائدہ ہے۔ ای یذکرون تذکرا قلیلا۔ (تم یاد کرتے ہو بہت کم یاد کرنا)۔

۶۳- اَمَّنْ یَّهْدِیْكُمْ (یا وہ ذات جو تمہاری راہنمائی کرتا ہے)۔ ستاروں کے ساتھ راہنمائی۔ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (سمندر اور خشکی کے اندھیروں میں)۔ رات کو اور دن کے وقت زمین میں علامات کے ذریعہ۔ وَمَنْ یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ (اور جو ہوائیں بھیجتا ہے)۔

قراءت: مکی علی حمزہ نے الریح پڑھا ہے۔

بُشْرًۢا (خوشخبری کے طور پر)۔ یہ بشارت سے ہے۔ یہ سورۂ اعراف ۵۷ آیت میں گزرا ہے۔ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ (بارش سے پہلے)۔ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ (کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود ہے اللہ تعالیٰ ان شریکوں سے بلند تر ہیں جن کو وہ اس کا شریک قرار دیتے ہیں۔

۶۴- اَمَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ (یا وہ (بہتر ہے) جس نے مخلوق کی ابتداء کی)۔ وہ مخلوق کو نئے سرے سے پیدا کرنے والا ہے۔ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ (پھر وہی اعادہ کرے گا)۔ یہاں ثم یعیدہ کہا گیا حالانکہ وہ تو اعادہ کے سرے سے انکاری تھے۔ جواب یہ ہے کہ اعادہ خلق ممکن ہے جس پر عقلی دلائل سے اعادہ کا واجب ہونا ثابت ہے۔ نقلی دلائل کے واجب الیقین ہونے پر معجزات کی تائید کافی ہے۔ پس عذر کے لئے گنجائش ذرہ بھر بھی نہیں۔ وَمَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ (آسمان سے کون تمہیں روزی دیتا ہے) رزق آسمان سے بارش مراد ہے۔ وَالْاَرْضِ (اور زمین سے)۔ ای من الارض یعنی زمین سے نباتات۔ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ (کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور کوئی معبود ہے۔ کہہ دیں تم اپنی دلیل پیش کرو)۔ اپنے شرک کی دلیل۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (اگر تم سچے ہو)۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریکوں کے دعویٰ میں سچے ہو۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَمَا يَشْعُرُوْنَ

آپ فرما دیجئے کہ آسمانوں میں اور زمین میں جتنی مخلوقات موجود ہیں ان میں سے کوئی بھی غیب کو نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ اور یہ لوگ نہیں جانتے

اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۞ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ۣ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۣ

کہ کب دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ آخرت کے بارے میں ان کا علم نیست و نابود ہو گیا بلکہ یہ لوگ اس کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں

بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ۞

بلکہ یہ اس کی طرف سے اندھے ہیں

۶۵: قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (آپ کہہ دیں آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے کوئی غیب کو سوائے اللہ تعالیٰ کے نہیں جانتا)۔ نحو: مَنْ يَعْلَمُ کا فاعل ہے۔ الغیب مفعول ہے۔ اللہ یہ مَن سے بدل ہے۔ الغیب ھو مالم یقم علیہ دلیل اطلع علیہ مخلوق۔ وہ جس کے ثبوت پر کوئی دلیل قائم نہ ہو اور نہ اس کی اطلاع مخلوق کو ہو۔ مطلب یہ ہے۔ لا یعلم احدٌ الغیب الا اللہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب کو نہیں جانتا۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بلند و بالا ہے کہ وہ ان میں سے ہو جو آسمان و زمین میں ہیں۔ یہ بنی تمیم کی لغت کے مطابق آیا ہے۔ کہ مستثنیٰ منقطع کو متصل کی جگہ لاتے ہیں اور مستثنیٰ منقطع میں نصب و بدل کو جائز قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ متصل میں ہوتا ہے اور وہ پڑھتے ہیں۔

مالی الدار احدٌ الا حمار۔

فرمانِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا:

جس کا یہ گمان ہو کہ وہ کل کی بات جانتا ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا:

قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ۔

ایک قول یہ ہے:

یہ آیت ان مشرکین کے متعلق اتری جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کا وقت دریافت کیا۔

وَمَا يَشْعُرُوْنَ (اور وہ نہیں جانتے)۔ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ کہ (ان کو کب اٹھایا جائے گا)۔

۶۶: بَلِ ادّٰرَكَ (بلکہ پورا ہو گیا)۔ قراءت: ادرک کی بصری نے یزید و مفضل نے پڑھا ہے۔ اس کا معنی پورا ہوا اور مکمل ہو گیا ہے اس صورت میں ادرکت الفاکھۃ سے لیا گیا ہے یعنی پک کر تیار ہو گیا۔ اعمش نے بل ادرک بوزن افتعل پڑھا ہے۔ دیگر قراء نے بل ادّارک پڑھا جس کا معنی اَدْرَکَ ہے اور اس کی اصل تدارک ہے۔ تاء کو دال میں ادغام کیا گیا اور الف وصل کو بڑھا دیا تاکہ پڑھ سکیں۔ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ (ان کا علم آخرت کے متعلق)۔ آخرت اور اس کے متعلقہ چیزوں کے متعلق۔ مطلب یہ ہے کہ

قیامت کے وقوع پر مستحکم و مضبوط دلائل قائم ہو چکے اور ان کے سامنے آ چکے اور ان کی پہچان بھی ان کو میسر آ چکی ہے مگر ان کا حال یہ ہے کہ یہ اس سے جہالت کا اظہار کرتے اور اس میں شک کرنے والے ہیں اور اس کو تذکرہ اس ارشاد میں فرمایا۔ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُونَ (بلکہ وہ اس کے متعلق شک میں مبتلا ہیں بلکہ وہ اس کے متعلق اندھے ہو چکے ہیں) تین مرتبہ بل لا کر اضراب و اعراض ان کے احوال کے مطابق علی سبیل الترقی اور ان کے جہل کو اور زیادہ پختہ کرنے کے لئے بیان فرمایا۔ نمبر۱۔ کہ ان کو بعث کے وقت کا شعور نہیں۔ نمبر۲۔ پھر فرمایا وہ نہیں جانتے کہ قیامت قائم ہونے والی ہے۔ نمبر۳۔ پھر فرمایا وہ شک اور ریب میں ٹامک ٹوئیاں مارنے والے ہیں۔ مگر اس کو زائل نہیں کرتے حالانکہ ازالہ ان کی طاقت میں ہے۔ پھر جو اس سے بدتر حالت (عمی) اندھا پن اس کو ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آخرت کو ان کے اندھے پن کا مبدأ و منشأ قرار دیا اسی لئے تو مِن کی بجائے عن سے متعدی بنایا۔ کیونکہ تدبر و تفکر سے باز رہنے کا اصل سبب جزاء و انجام کا انکار ہے۔ اس آیت کے مضمون میں کفار کو ملامت کی گئی جس کی وجہ ما قبل کا مضمون ہے۔ کفار کو منکرین بعث قرار دیا گیا باوجودیکہ علم کے اسباب مضبوط اور دلائل سے اس کی پہچان پختہ ہو چکی۔ اور وہ مضمون اللہ تعالیٰ کا علم غیب کے ساتھ مختص ہونا ہے۔ اور بندوں کو کچھ علم نہ ہونا۔ جب یہ بیان کر دیا کہ بندے غیب کو نہیں جانتے تو ان کی عاجزی کا اظہار ہے اور ان کے قصور علم کا بیان ہے۔ تو اس کے ساتھ ملا کر یہ بات کہہ دی گئی کہ ان کا عجز تو اس سے بہت ہی بڑھ کر ہے۔ وہ اس طرح کہ وہ کسی معین ہونے والی چیز کو جس کا واقع ہونا یقینی ہے اور وہی ان کے اعمال کی جزاء کا وقت ہے۔ کہتے ہیں کہ وہ آئے گی نہیں۔ حالانکہ اس کے واقع ہونے کی پہچان کے پختہ اسباب ان کے ہاں موجود ہیں۔ نمبر۲۔ اور یہ بھی جائز ہے۔ ان کے علم کا استحکام کا قول بطور استہزاء کے ہو جیسا کہ سب سے بڑے جاہل کو کہیں ما اعلمک۔ تو کتنا بڑا علامہ ہے اور اس تحکم کی وجہ ان کا قیامت کے متعلق شک اور اس کے اثبات سے اندھا پن اختیار کرنا ہے۔ جس کے لئے عمل کی شاہراہ موجود ہے۔ اس کی بجائے وہ اس کا وقت معلوم کرنا چاہتے ہیں جس کو جان لینے کا کوئی راستہ نہیں۔ نمبر۳۔ اور ادرک انتہاء اور فناء کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے یہ ادرکت الثمرۃ سے ہو۔ پھل پک گیا۔ کیونکہ اس کی وہ نہایت ہے جس پر وہ معدوم کر دی جائے گی۔

حسن بصری رحمہ اللہ کا قول:

اِدّارک علمھم۔ ای اضمحل علمھم فی الاخرۃ آخرت کے متعلق ان کا علم مضمحل ہو چکا اور تدارک یہ تدارک بنو فلاں سے ماخوذ ہے جبکہ وہ پے در پے ہلاک ہوں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ۞ لَقَدْ

اور کافروں نے کہا کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے باپ دادے تو کیا ہم ضرور نکالے جائیں گے۔ بلاشبہ

وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۞

بات یہ ہے کہ اس سے پہلے ہم سے اور ہمارے باپ دادوں سے اس کا وعدہ کیا گیا ہے یہ پرانے لوگوں کی نقل کی ہوئی باتیں ہیں۔

قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۞ وَلَا تَحْزَنْ

آپ فرما دیجئے کہ زمین میں چلو پھرو پھر دیکھو کہ مجرموں کا کیا انجام ہوا۔ اور آپ ان پر

عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِىْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۞ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ

غم نہ کیجئے اور یہ جو مکر کرتے ہیں اس کی وجہ سے تنگ دل نہ ہو جائیے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِىْ

اگر تم سچے ہو۔ آپ فرما دیجئے کہ تم جس عذاب کی جلدی مچا رہے ہو عجب نہیں کہ اس کا بعض حصہ تم سے

تَسْتَعْجِلُوْنَ ۞ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

آ لگا ہے۔ اور بلاشبہ آپ کا رب لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے لیکن ان میں سے بہت سے لوگ

يَشْكُرُوْنَ ۞ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۞ وَمَا

شکر نہیں کرتے۔ اور بلاشبہ آپ کا رب ان باتوں کو جانتا ہے جنہیں ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ اور

مِنْ غَآئِبَةٍ فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۞

آسمان اور زمین میں کوئی پوشیدہ چیز ایسی نہیں ہے جو کتاب مبین میں نہ ہو

۶۷: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ (اور کافروں نے کہا۔ جب ہم خاک ہو گئے اور ہمارے باپ دادا بھی تو کیا ہم برآمد کیے جائیں گے) یعنی اپنی قبروں سے زندہ کر کے؟

قراءت: عاصم، حمزہ و خلف کی قراءت میں اذا اور ان میں حرف استفہام دوبارہ تکرار سے آیا ہے۔ یہ در حقیقت انکار کے بعد انکار ہے۔ شدید انکار کے بعد شدید انکار۔ اور یہ ان کے کفر کے مؤکد اور شدید ہونے کی دلیل ہے۔

نحو: اذا کا عامل وہ ہے جس پر لمخرجون دلالت کرتا ہے یعنی نخرج۔ کیونکہ اسم فاعل اور مفعول ہمزہ استفہام کے بعد

ہیں۔ نمبر ۲۔ ہمزہ فاعل و مفعول بہٖ کے بعد ہیں۔ نمبر ۳۔ لام ابتداء کے بعد ہے۔ ان تینوں صورتوں میں جب ہم مٹی ہو چکے ہوں گے کی حالت میں ہم اور ہمارے و مفعول ماضی میں عمل نہیں کرتے تو پھر ہے جب مٹی ہو گئے تو عمل کریں گے۔ اس سے مخروج نکالا جائے۔ اِنّا کی ضمیر کو دوبارہ لانے کا باعث ان کی طرف راجع ہے۔ چونکہ مٹی ہونے میں وہ اور ان کے آباء سب شامل ہیں لیکن حکایت غائب کی ضمیر یا اور آباؤنا کا عطف کنّا کی ضمیر پر ہے۔ کیونکہ مفعول تاکید کے قائم مقام ہو گیا ہے۔

۶۸: لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا (یہ خبر ہم سے اس کا وعدہ کیا گیا) یعنی بعث بعد الموت کا۔ نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ (اور ہمارے آباء و اجداد سے اس سے پہلے) یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل۔

نکتہ: اس آیت میں نحن و آباؤنا پر هذا کو مقدم کیا گیا۔ جبکہ سورۃ المومنون میں نحن و آباؤنا کو هذا پر مقدم کیا گیا ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہاں مقصود بعث بعد الموت کا تذکرہ ہے اس لئے هذا اشارہ قریب کو مقدم لائے اور وہاں مبعوث کا تذکرہ مقصود ہے اس لئے نحن و آباؤنا کو مقدم کیا۔ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (یہ تو پہلے لوگوں کی جھوٹی باتیں ہیں)۔ اور جھوٹے قصے اور بناوٹی باتیں ہیں۔

۶۹: قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ (آپ کہہ دیں کہ ملک میں چل پھر کر دیکھو کہ مجرموں کا انجام کیا ہوا؟) عاقبۃ آخری معاملہ۔

لطیف نکتہ:

اس آیت میں مجرمین کا لفظ بول کر جرم کو ذکر کر کے مسلمانوں کو لطیف اشارہ کر دیا کہ جرم کو چھوڑ دو۔ جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: فدمدم عليهم ربهم بذنبهم فسوّاها [الشمس:۱۴] مما خطيئاتهم اغرقوا فادخلوا نارا [نوح:۲۵]

۷۰: وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ (آپ ان پر غم نہ کریں) اس بناء پر کہ وہ آپ کی اتباع نہیں کرتے اور حق سے بچتے اور ہلاکت سے بچنے کے لئے مسلمان ہو جاتے ہیں۔ وَلَا تَكُنْ فِىْ ضَيْقٍ (اور تنگدل نہ ہوں)۔ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ (ان کے مکر اور اپنے خلاف سازشوں سے)۔ بیشک اللہ تعالیٰ آپ کی لوگوں سے حفاظت کرنے والے ہیں۔ عرب کہتے ہیں۔ ضاق الشیء ضیقا۔ یہ دیگر قراء کی قراءت ہے جبکہ ابن کثیر کی قراءت کسرہ کے ساتھ ہے (ضِیق)

۷۱: وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ (اور وہ کہتے ہیں یہ وعدہ کب ہو گا)۔ الوعد سے وعدۂ عذاب مراد ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (اگر تم سچے ہو) کہ عذاب جھٹلانے والوں کو پہنچے گا۔

آیت ۷۲: قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ (آپ کہہ دیں کہ جس عذاب کے جلد پہنچنے کے تم خواستگار ہو)۔ الَّذِىْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ہو سکتا ہے کہ اس کا کچھ حصہ تمہارے پیچھے آ لگا ہو)۔ کفار نے عذاب موعود کو جلد طلب کیا تو انہیں یہ جواب دیا گیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا کچھ حصہ تمہارے پیچھے ہو اور وہ بدر کے دن کا عذاب مراد ہے۔ یہاں لام تاکید کے لئے اسی طرح لائی گئی ہے جیسا کہ باء اس آیت میں تاکید کے لئے لائی گئی ہے۔ ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة [البقرہ:۱۹۵]

نمبر ۲۔ فعل متعدی کے معنی کو متضمن ہے۔ جیسے کہتے ہیں دنا لکم و ازف لکم۔ پہلا فعل مجرد ہونے کے باوجود دوسرے

متعلق فعل کے معنی کو متضمن ہے۔ اس ردف لکم کا معنی تبعکم ولحقکم۔ (تمہارے پیچھے اور تمہیں ملنے والا ہے)۔
فائدہ: عسی، لعل اور سوف شاہی وعدوں اور وعیدوں میں اس معاملے کی سچائی اور حقیقت پر دلالت کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کا وعدہ اس مقام پر اسی قسم میں سے ہے۔

۷۳: وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ (اور بیشک آپ کا رب افضال والا ہے)۔ عَلَى النَّاسِ (لوگوں پر) کہ جلد عذاب نہیں بھیجتا۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ (لیکن ان کی اکثریت شکر گزار نہیں ہے)۔ یعنی ان کی اکثریت اللہ تعالیٰ کی نعمت کا حق نہ پہچانتی اور نہ ہی شکر ادا کرنے والی ہے۔ بلکہ جہالت سے عذاب میں جلد بازی کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔

آیت ۷۴: وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ (اور بیشک آپ کا رب اس چیز کو جانتا ہے جو ان کے سینے چھپاتے ہیں) وَمَا يُعْلِنُوْنَ (اور جو ظاہر کرتے ہیں)۔ تکن۔ کا معنی چھپانا ہے۔ یعلنون سے مراد زبان سے جس کا وہ اظہار کرتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ان سے عذاب کی تاخیر کچھ اس بناء پر نہیں ہے۔ کہ ہم پر ان کا کوئی حال مخفی ہے۔ لیکن اس کا ایک وقت مقرر ہے۔ نمبر۲۔ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو کفار عداوت رسول چھپاتے اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں یعنی عداوت رسول اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو استحقاق کے مطابق سزا دے گا۔

قراءت: تکن پڑھا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کننت الشی واکننتہ جبکہ تم اس کو چھپاؤ اور مخفی رکھو۔

۷۵: وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ (اور آسمان و زمین میں کوئی مخفی چیز ایسی نہیں مگر وہ لوح) كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (محفوظ میں موجود نہ ہو)۔ غائبۃ۔ اس چیز کو کہا جو غائب ہوتی اور مخفی ہے اور خافیہ بھی اسی کو کہتے ہیں۔ ان دونوں کے آخر میں عاقبت اور عافیت کی طرح ت۔ آئے گی۔ اس کے نظائر الرمیۃ والذبیحۃ والنطیحۃ ہیں۔ یہ اسماء ہیں صفات نہیں ہیں۔

نمبر۲۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ دونوں صفت ہوں۔ اور ان کی تاء مبالغہ کے لئے ہے۔ جیسے کہ الراویۃ میں ہے گویا اس طرح فرمایا۔ وما من شیء شدید الغیوبۃ الا وقد علمہ اللّٰہ واحاطہ بہ واثبتہ فی اللوح المحفوظ۔ کہ جو چیز بہت زیادہ چھپنے والی ہو اور اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں اور اس کا احاطہ کرنے والے ہیں۔ اور لوح محفوظ میں اس کا اندراج کرنے والے ہیں۔ المبین (ظاہر ہے)۔ اس کے لئے جو اس کو دیکھتے ہیں یعنی فرشتے۔

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ۝ وَمَا

بلاشبہ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ آپ بہروں کو پکار سنا سکتے ہیں جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں۔ اور

أَنتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ ۖ إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا

نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے ہٹا کر راستہ دکھا سکتے ہیں۔ آپ تو انہیں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں

فَهُم مُّسْلِمُونَ ۝

سو وہ فرمانبردار ہیں۔

لئے کہ آپ صریح حق پر ہیں۔ وہ صریح حق وہ دین ہے۔ جس سے شک کا تعلق ہو نہیں سکتا۔

نکتہ: اس میں وضاحت کر دی۔ کہ حق پرست کو اللہ تعالیٰ پر کامل وثوق و اعتماد اور اس کی مدد پر یقین ہونا چاہیے۔

آیت ۸۰: إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ (آپ یقیناً مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ ہی بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں)۔

۸۱: وَمَا أَنتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ (اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے سیدھا راستہ دکھا سکتے ہیں)۔ جب کفار مکہ جو سنتے اس کو یاد نہ رکھتے اور نہ سنتے اور نہ اس سے نفع اٹھاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مردوں سے مشابہت دی حالانکہ وہ ظاہر میں زندہ صحیح الحواس تھے اور ان بہروں سے تشبیہ دی جن کو پکارا جائے تو نہ سنتے ہوں اور ان اندھوں سے جو راستہ گم کر دیں۔ کوئی شخص اس بات کی قدرت نہیں رکھتا کہ ان سے یہ چیزیں ہٹا کر ان کو راستہ دیکھنے والا اور راستہ پر چلنے والا بنا دے مگر اللہ جل شانہٗ (وہ اسی کی طرف سے ہدایت میں کوتاہی نہیں کیونکہ انہوں نے گمراہی کو جان بوجھ کر اختیار کیا ہے) پھر بہرے کی حالت کو یہ کہہ کر اور مؤکد کر دیا ہے اذا ولوا مدبرین کیونکہ بہرا جب آواز دینے والے سے دور ہو اور اس کی طرف پشت کرنے والا بھی ہو تو وہ اس کی آواز کے ادراک سے بالکل ہی محروم رہے گا۔

قراءت: ولا تسمع الصم کی نے یہاں پڑھا اور سورۂ روم میں بھی اسی طرح اور وما انت تھدی العمی یہاں پڑھا اور الروم میں بھی اسی طرح حمزہ نے پڑھا۔ إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا (آپ تو صرف انہی لوگوں کو سنا سکتے ہیں۔ جو ہماری آیات کا یقین رکھتے ہیں) آپ کا سنانا فائدہ نہ دے گا مگر صرف ان لوگوں کو جن کے متعلق اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ وہ اس کی آیات پر ایمان لائیں گے یعنی ان آیات کی تصدیق کریں گے۔ فَهُم مُّسْلِمُونَ (اور وہ فرمانبردار ہیں) پھر وہ جانتے بھی ہیں اپنے قول میں مخلص ہیں جیسا اس ارشاد میں ہے: بلی من اسلم وجهه لله وهو محسن۔ [البقرہ: ۱۱۲]

اس کو صحیح سالم اور خالص اللہ کے لئے قرار دیا۔

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ

اور جب ان پر وعدہ پورا ہونے والا ہوگا تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا کہ

النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿۸۲﴾

لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں لاتے تھے۔

۸۲: وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ (جب ان پر قول واقع ہو جائے گا)۔ یہاں قول کے مقصود اور نتیجہ کو قول سے تعبیر فرمایا۔ اور وہ عذاب اور قیام ساعت کا وعدہ ہے۔ وقوعہ کا معنی حصول ہے اور مراد قرب اور اس کی نشانیوں کا ظہور ہے۔ وہ وہ وقت جبکہ توبہ نافع نہ ہوگی۔ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ (ہم ان کے لئے زمین سے ایک چوپایہ نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا)۔ یہ وہی ہے جس کو حدیث میں جساسہ سے تعبیر کیا گیا۔ اس کی لمبائی ساٹھ ہاتھ ہوگی۔ اس کو پکڑنے والا پکڑ نہ سکے گا اور بھاگنے والا اس سے فرار اختیار نہ کر سکے گا۔ اس کی چار ٹانگیں ہوں گی۔

داڑھی والی ہوگی اور اس کا سر بیل جیسا، آنکھیں خنزیر جیسی، کان ہاتھی جیسے، سینگ بارہ سنگھے جیسے، گردن شتر مرغ کی طرح، سینہ شیر کی مانند، رنگت چیتے جیسی، کوکھ بلی کی، دم مینڈھے کی طرح، پاؤں اونٹ جیسے اور اس کے دو جوڑوں کے درمیان بارہ ہاتھ کا فاصلہ ہوگا۔ صفا سے نکل کر عربی زبان میں بات کرے گا اور کہے گا۔ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ (لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں رکھتے)۔ یعنی میرے نکلنے پر۔ کیونکہ اس کا نکلنا بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ اور وہ یہ کہے گا: الا لعنة الله على الظالمين۔

نمبر۲۔ ان سے تمام ادیان کے باطل ہونے اور فقط دین اسلام کے برحق ہونے کی بات کرے گا۔ نمبر۳۔ اور یہ بات کرے گا کہ یہ شخص مومن اور یہ کافر ہے۔

قراءت: اَنَّ کوفی و سہل نے مفتوح پڑھا اور جار کو حذف کر دیا۔ یعنی تکلمهم بان۔ دیگر قراء نے کسرہ دیا کیونکہ کلام قول کے معنی میں ہے اور قول کے بعد اِنّ آتا ہے۔ یا قول مضمر ہے۔ یعنی تقول الدابة ذلك۔ اب آیات سے آیات ربنا مراد ہوگی۔ یا نمبر۲۔ اس وقت یہ اللہ تعالیٰ کے قول کی حکایت ہے۔ پھر قیامت کا تذکرہ فرمایا۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿۸۳﴾

جس دن ہم ہر امت میں سے ایک ایک جماعت ان لوگوں کی جمع کریں گے جو ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے پھر ان کی جماعت بندی کر دی جائے گی۔

حَتّٰى إِذَا جَاءُوا قَالَ أَكَذَّبْتُمْ بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنْتُمْ

یہاں تک کہ وہ جب حاضر ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا کیا تم نے میری آیات کو جھٹلایا حالانکہ تم ان کو اپنے احاطہ علمی میں بھی نہ لائے۔ بلکہ تم اور کیا کیا

تَعْمَلُونَ ﴿۸۴﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ ﴿۸۵﴾ أَلَمْ

کام کرتے تھے۔ اور ان کے ظلم کی وجہ سے ان پر وعدہ پورا ہو چکا ہے سو وہ بات نہ کر سکیں گے۔ کیا

يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ

انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے رات کو بنایا کہ وہ اس میں آرام کریں اور ہم نے دن کو بنایا جس میں دیکھیں بھالیں۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے

لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۸۶﴾

نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔

۸۳: وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا (اور اس دن کو یاد کرو جب ہم ہر امت میں سے ان لوگوں کا ایک گروہ جمع کریں گے)۔ پہلا من تبعیض کے لئے ہے۔ ای اذکر یوم نجمع من کل امۃ من الامم زمرۃ۔ اس دن کو یاد کرو جب ہم ہر امت میں سے ایک گروہ جمع کریں گے۔ مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا (جو ہماری آیات کی تکذیب کرتے رہے)۔ دوسرا من تبیین کے لئے ہے۔ آیات سے وہ آیات مراد ہیں جو حضرات انبیاء علیہم السلام پر اتاری گئیں۔ فَهُمْ يُوزَعُونَ (پھر ان کو روکا جائے گا)۔ ان کو روکیں گے تاکہ پچھلے ان کے ساتھ جمع ہو سکیں۔ پھر ان کو موضع حساب کی طرف لے جائیں گے۔ اس تعبیر سے مقصود کثرت تعداد کو بیان کرنا ہے اور الفوج سے بھی بہت بڑی جماعت مراد ہے۔

۸۴: حَتّٰى إِذَا جَاءُوا (یہاں تک کہ جب وہ آجائیں گے)۔ موقف حساب و سوال میں جمع ہو جائیں گے۔ قَالَ (تو اللہ تعالیٰ ان کو بطور تہدید فرمائیں گے)۔ أَكَذَّبْتُمْ بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا (کیا تم نے میری آیات کو جھٹلایا سوچے سمجھے بغیر سرسری رائے سے تکذیب کر دی اور اس کی حقیقت کے معلوم ہونے کے بغیر) کہ یہ واقعہ میں بھی حقیقت ہے یا جھوٹی بات۔ أَمَّاذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (یا پھر تم کیا عمل کرتے رہے۔ جبکہ تم نے ان میں غور ہی نہیں کیا۔ تمہیں بے کار تو نہیں بنایا گیا)۔

۸۵: وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ (اور ان پر بات ان کے ظلم کرنے کی وجہ سے واقع ہو جائے گی پس وہ کوئی بات نہ کر سکیں گے)۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کا جو ظلم انہوں نے ڈھایا تھا اس کی وجہ سے موعودہ عذاب ان کو ڈھانپ لے گا اور وہ ان کو حضرت و بات چیت سے مشغول کر دے گا جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے۔ هذا يوم لا ينطقون۔ [المرسلات: ۳۵]

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا

اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں سب گھبرا جائیں گے سوائے اس کے

مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۚ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً

جسے اللہ چاہے اور سب اس کے حضور میں عاجزی کے ساتھ حاضر ہو جائیں گے اور اے مخاطب تو پہاڑوں کو دیکھ رہا ہے جس کی وجہ سے تو خیال کرتا ہے کہ یہ اپنی جگہ سے جمے ہوئے ہیں

وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۚ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ اِنَّهٗ خَبِيْرٌ بِمَا

حالانکہ وہ بادلوں کی طرح گزر رہے ہوں گے یہ اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو ٹھیک طرح بنایا ہے بلاشبہ وہ ان کاموں سے باخبر ہے

تَفْعَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾

جو تم کرتے ہو جو شخص نیکی لے کر آئے گا اسے اس سے بہتر ملے گا اور ایسے لوگ اس دن گھبراہٹ سے با امن ہوں گے

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

اور جو شخص برائی لیکر آئے گا تو یہ لوگ اوندھے منہ کر کے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے تمہیں وہی بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے

۸۶: اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ (کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے رات بنائی تاکہ لوگ اس میں آرام کریں)۔ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا (اور دن بنایا جس میں دیکھیں)۔ نحو: مبصرًا یہ حال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کو دن کے لئے بنایا اور دن آنکھوں والوں کے لئے ہے۔ معنی کے اعتبار سے تقابل کی رعایت کی گئی کیونکہ مبصرًا کا معنی یہ ہے تاکہ وہ معاش میں آنے جانے کے راستے دیکھ لیں۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (بیشک اس میں البتہ ایمان والوں کے لئے نشانیاں ہیں)۔ جو تصدیق کر کے ان سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

اس میں دلیل ہے کہ اٹھایا جانا درست ہے۔ کیونکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ کیا انہیں معلوم نہیں کہ ہم نے رات اور دن کو بنایا ہے معاش کے دنیا میں برقرار رہنے کا ذریعہ تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان کو بیکار نہیں بنایا بلکہ آخرت کے لئے ہے جس میں ثواب وعذاب کا ہونا یقینی وضروری ہے۔ جب یہ ثواب وعذاب اس دنیا میں پیش نہیں آتے تو ایک اور گھر ثواب وعقاب کے لئے ہونا ضروری ہے۔

۸۷: وَيَوْمَ (اور اس دن کو یاد کرو)۔ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ (جس دن صور میں پھونک ماری جائے گی)۔ الصور جمع صورۃ کی ہے یا سینگ کو کہتے ہیں۔ صور پھونکنے والے اسرافیل علیہ السلام ہوں گے۔ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ (پس گھبرا جائیں گے جو آسمانوں اور جو زمین میں ہیں)۔ اس سے نفخۂ اولیٰ والا فزع مراد ہے جب سب بے ہوش ہو جائیں گے۔

نکتہ: فزع ماضی لائے یفزع مضارع ذکر نہیں کیا تاکہ فزع کا قطعی ویقینی وقوع ثابت کر دیا جائے۔ کہ وہ بہر صورت آئے

کی۔ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ (مگر جس کو چاہے اللہ تعالیٰ) مگر جس کے دل کو اللہ تعالیٰ ملائکہ میں سے مضبوط کر دیں گے۔ قول علماء۔ نمبر ۱۔ وہ جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، ملک الموت علیہم السلام مراد ہیں۔ نمبر ۲۔ شہداء کی ارواح مراد ہیں۔ نمبر ۳۔ حوریں اور آگ کا داروغہ اور حملۃ العرش۔ نمبر ۴۔ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان میں سے موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ ان کو ایک مرتبہ بے ہوشی ہو چکی ہے۔ اور اسی طرح اس آیت میں ہے و نفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض الا من شاء اللہ۔ [الزمر۔ ۶۸]

وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ (اور سب کے سب اس کے سامنے دبے جھکے رہیں گے)۔ قراءت: حمزہ، حفص، خلف نے اَتَوْہُ پڑھا ہے دیگر قراء نے اٰتُوْہُ پڑھا ہے۔ اور اس کی اصل اٰتِیُوْہُ ہے۔

تحقیق: داخرین یہ حال ہے۔ ای صاغرین و ذلیل و عاجز ہو کر۔ الاتیان کا مطلب موقف میں حاضری ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف رجوع اور اس کے حکم کی اطاعت۔

۸۸: وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا (اور تم پہاڑوں کو دیکھو گے۔ تم خیال کرو گے کہ وہ) تحقیق: تحسبھا۔ ضمیر مخاطب سے حال ہے۔ قراءت: تَحْسَبُهَا۔ شامی، حمزہ، یزید، عاصم نے فتحہ سین سے پڑھا۔ جبکہ دیگر قراء نے کسرہ سین سے تَحْسِبُهَا پڑھا ہے۔ جَامِدَةً (اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں) ٹھہرے اور حرکت سے رکے ہوئے ہیں۔ یہ جمد فی مکانہ سے بنا ہے۔ جبکہ وہ اپنی جگہ سے نہ ٹلے۔ وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ (حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چل رہے ہیں) تحقیق: ھی تمر یہ تحسبھا کی ضمیر منصوب سے حال ہے۔

مر السحاب ای مرًا مثل مر السحاب۔ بادلوں جیسا چلنا۔ مطلب یہ ہے۔ جب تم نفخہ کے وقت پہاڑوں کو دیکھو تو تم ان کو اپنی جگہ جما ہوا محسوس کرو گے۔ کیونکہ وہ بڑی جسامت والے ہیں۔ مگر واقعہ میں وہ دوڑتے ہوئے تمہیں بادل کی طرح تیزی سے چلے جا رہے ہونگے۔ جبکہ ہوا ان کو دھکیل رہی ہو۔ بڑے اجسام جب حرکت کرتے ہیں تو ان کی حرکت معلوم نہیں ہوتی۔ جیسے نابغہ جعدی نے لشکر کی تعریف میں کہا۔ بارعن مثل الطود تحسب انھم۔ وقوف لحاج والرکاب تھملج۔ صُنْعَ اللّٰهِ (یہ اللہ تعالیٰ کی کاریگری ہے)۔ تحقیق: یہ مصدر ہے اس کا عامل وہ ہے جس پر تمر دلالت کر رہا ہے کیونکہ ان کا بادلوں کی طرح چلنا یہ اللہ تعالیٰ کی کاریگری میں ہے۔ گویا عبارت اس طرح ہے صنع اللہ ذلک صنعا۔ (اللہ تعالیٰ نے اس کو بنایا بنانا)۔ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام اللہ ذکر کیا کیونکہ پہلے کلام میں مذکور نہیں۔ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ (جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا)۔ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ (وہ تمہارے اعمال سے خبردار ہیں)۔ قراءت: یفعلون کی ابو عمرو بصری نے سوائے سہل اور یحییٰ کے پڑھا اور ابوبکر نے پڑھا ہے۔ جبکہ دیگر قراء نے تاء سے پڑھا۔ وہ جو کچھ بندے کرتے ہیں۔ ان اعمال سے واقف ہے۔ پس وہ ان کو اس کے مطابق بدلہ دیں گے۔

پھر اس کا خلاصہ ذکر فرمایا۔

۸۹: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ (جو شخص نیکی لایا)۔ حسنۃ سے جمہور نے لا الٰہ الا اللہ کا سچا اقرار مراد لیا ہے۔ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا (اس

إِنَّمَآ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَٰذِهِ ٱلْبَلْدَةِ ٱلَّذِى حَرَّمَهَا وَلَهُۥ كُلُّ شَىْءٍ ۖ وَأُمِرْتُ

مجھے یہی حکم ہوا ہے کہ اس شہر کے رب کی عبادت کروں جس نے اسے حرمت عطا کی ہے اور ہر چیز اسی کی ہے اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے رہوں۔

أَنْ أَكُونَ مِنَ ٱلْمُسْلِمِينَ ﴿٩١﴾ وَأَنْ أَتْلُوَا۟ ٱلْقُرْءَانَ ۖ فَمَنِ ٱهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِى لِنَفْسِهِۦ

اور قرآن کی تلاوت کروں سو جو شخص ہدایت اختیار کرتا ہے سو وہ اپنی ہی لیے راہ ہدایت پاتا ہے

وَمَن ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُنذِرِينَ ﴿٩٢﴾ وَقُلِ ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ سَيُرِيكُمْ ءَايَٰتِهِۦ

اور جو شخص گمراہی پر رہا سو آپ فرما دیجئے کہ میں تو صرف ڈرانے والوں میں سے ہوں۔ اور آپ یوں کہیے کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے عنقریب وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھا دے گا

فَتَعْرِفُونَهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَٰفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾

سو تم ان کو پہچان لو گے اور آپ کا رب ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو تم لوگ کرتے ہو۔

کے لئے اس سے بہت بہتر ملے گا) یعنی اس کو اس عمل حسنہ کی جانب سے اس سے بہتر بدلہ حاصل ہوگا۔ وہ جنت ہے اس صورت میں خیر افعل کے معنی میں نہ آئے گی۔ نحو: منھا یہ موضع رفع میں خیر کی صفت ہے۔ وھم من فزع (اور وہ گھبراہٹ سے)۔ قراءت: کوفی من فزع شدید جو بہت ہی زیادہ ہو۔ گھبراہٹ اور وہ آگ کا خوف ہے۔ نمبر۲۔ یہ جہنم کا خوف خواہ معمولی ہو۔ باقی قراء نے بلا تنوین پڑھا ہے۔ یومئذ کوفی و مدنی نے میم کے فتحہ سے جبکہ دیگر نے کسرۂ میم سے یوم سے قیامت کا دن مراد ہے۔ اٰمِنُوْنَ (وہ امن میں ہوں گے)۔ امن کا لفظ حرف جار کے ساتھ بھی متعدی ہوتا ہے اور اس کے بغیر بھی۔ جیسا کہ اس آیت میں افامنوا مکر اللہ [الاعراف: ۹۹]

۹۰: وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ (اور جو کوئی برائی لایا)۔ السیئۃ سے شرک مراد ہے۔ فَكُبَّتْ (تو ان کو اوندھے کیا جائے گا)۔ الکب (ڈالے جائیں گے) وُجُوهُهُمْ فِى النَّارِ (ان کے چہرے آگ میں)۔ کہا جاتا ہے کببت الرجل ای القیتہ علی وجھہ۔ (میں نے اسے چہرے کے بل گرا دیا)۔

آیت میں تمام جسم کو وجہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ سر اور گردن سے تعبیر کرتے ہیں۔ ای القوا فی النار۔ ان کو ڈالنے کے بعد ملامت کیا جائے گا۔ اور کہا جائے گا۔ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (تمہیں نہیں بدلہ دیا جا رہا مگر انہی کا جو تم کرتے تھے)۔ یعنی دنیا میں رہتے ہوئے۔ مثلاً شرک اور دیگر معاصی۔

۹۱: إِنَّمَآ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَٰذِهِ ٱلْبَلْدَةِ (مجھے حکم ملا ہے کہ میں اس شہر کے رب کی عبادت کروں)۔ البلدۃ سے مکہ مراد ہے۔ ٱلَّذِى حَرَّمَهَا (جس کو اس نے حرمت والا بنایا)۔ امن والا حرم محترم بنایا۔ اس میں پناہ لینے والا محفوظ رہتا ہے۔ اس کے کانٹے کو کاٹا نہ جائیگا اور نہ اس کی گھاس کو کاٹا جائیگا اور اس کے شکار کو بھگایا نہ جائے گا۔ وَلَهُۥ كُلُّ شَىْءٍ (اور ہر چیز اسی کی ہے)۔ یہ شہر سمیت وہ تمام اشیاء کا مالک ہے۔ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ ٱلْمُسْلِمِينَ (مجھے تو حکم ملا ہے کہ میں اس کی فرمانبرداری کروں)۔

۹۲: وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ (اور یہ حکم ملا کہ میں قرآن کی تلاوت کروں)۔ اتلوا کو اگر تلاوت مصدر سے بنایا گیا تو قرآن کی تلاوت کروں اور اگر اس کو التُلُوّ سے لیا جائے جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے۔ واتبع ما یوحی الیک من ربک۔ (الاحزاب: ۲)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ملا کہ آپ کہیں امرت ان اخص اللہ وحدہٗ بالعبادۃ مجھے حکم ملا ہے کہ اللہ تعالیٰ اکیلے کو عبادت کے ساتھ خاص کروں۔ اور قریش کی طرح اس کا شریک نہ بناؤں۔

اور میں ہو جاؤں اسلام پر ثابت قدم رہنے والوں میں سے اور ہو جاؤں ان میں سے جو ملت اسلام پر جمنے والے ہیں اور قرآن مجید کی تلاوت کروں تا کہ حلال و حرام کا امتیاز کر سکوں۔ جن کا اسلام تقاضا کرتا ہے۔

نکتہ: مکہ کو تمام شہروں میں خاص کیا اور اپنے اسم مبارک کی طرف اضافت فرمائی۔ کیونکہ مکہ مکرمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب اور زیادہ مرتبے والا ہے اور اس کی طرف اس قول سے اشارہ فرمایا۔ ھذہ البلدۃ۔ یہ ھذہ اسم اشارہ مکہ کی تعظیم کے لئے لایا گیا۔ اور اشارہ قریب اس بات پر دلالت کرنے کے لئے کہ یہ اس کے پیغمبر کا وطن، مولد اور مہبط وحی ہے اور اپنی ذات کی صفات کو الذی حرمھا سے تعبیر فرمایا۔ کیونکہ یہ خصوصی وصف مکہ مکرمہ کو ہی حاصل ہے۔ اور ہر چیز اس کی ربوبیت اور ملکوتیت کے ماتحت اسی طرح داخل ہے جیسا تابع اپنے متبوع کے ماتحت ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کی ربوبیت میں داخل ہیں۔ فَمَنِ اهْتَدٰى (جو سیدھے راستہ پر چلے گا)۔ خاص میری پیروی کرتے ہوئے ان باتوں میں جو میں بتاتا ہوں جیسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور شرکاء کی نفی اور ملت حنیفہ میں داخل ہونا اور میرے اوپر اترنے والی وحی میں میری اتباع کرنا۔ فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ (وہ سیدھے راستہ پر اپنے لئے چلے گا)۔ اس کی ہدایت کا فائدہ اسی کی طرف لوٹنے والا ہے نہ کہ میری طرف۔ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ (اور جو شخص گمراہ ہوا تو آپ کہہ دیجئے میں تو ڈرانے والوں میں سے ہوں)۔ جو شخص گمراہ ہوا اور اس نے میری اتباع اختیار نہ کی اس کا مجھ پر الزام نہیں اس لئے کہ میں تو ڈرانے والا رسول ہوں۔ جیسا دوسرے مقام پر فرمایا: وما علی الرسول الا البلاغ المبین۔ [النور: ۵۴]

۹۳: وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ (اور کہہ دیں (الحمد للہ) تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں عنقریب فَتَعْرِفُوْنَهَا وہ اپنی آیات دکھلائیں گے اس وقت تم ان کو پہچان لو گے)۔ پھر آپ کو حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت نبوت پر شکر ادا کریں جس کے برابر کوئی نعمت نہیں اور یہ بھی حکم دیا کہ اپنے دشمن کو دھمکائیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ عنقریب ان کو آخرت میں اپنی آیات دکھائیں گے اس وقت ان کو یقین آ جائے گا۔

ایک قول یہ ہے:

کہ اس سے مراد چاند کا پھٹنا، دھواں کا ظاہر ہونا۔ اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کی جو سزائیں ان پر اتریں۔

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (اور آپ کا رب ان کاموں سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو)۔ قراءت: تعملون کو تاء کے ساتھ مدنی، شامی اور حفص، یعقوب نے پڑھا ہے۔ اس صورت میں اہل مکہ کو خطاب ہے۔ اور دیگر قراء نے یاء سے پڑھا ہے۔ یعنی ہر وہ عمل جو وہ کرتے ہیں پس اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والے ہیں۔ غفلت و سہو و نسیان سے اس کی ذات وراء الوراء ہے۔

الحمدللہ آج ۲۰ ذیقعد یوم الجمعہ ۱۴۲۳ھ بعد نماز عشاء ترجمہ سورۃ نمل مکمل ہوا۔ ذٰلک من فضل اللہ علی

سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ القصص مکی ہے اور اس کی اٹھاسی آیات اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ

طٰسٓمّٓ یہ کتاب مبین کی آیات ہیں ہم آپ کو موسیٰ اور فرعون کا کچھ قصہ ٹھیک ٹھیک سناتے

بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ③ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا

ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔ بلاشبہ فرعون زمین میں چڑھ گیا تھا اور اس نے زمین والوں کی کئی قسمیں بنا رکھی تھیں۔

يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ

ان میں ایک جماعت کو کمزور کر رکھا تھا ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ بلاشبہ وہ فساد

الْمُفْسِدِيْنَ ④ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ

کرنے والوں میں سے تھا۔ اور ہم نے چاہا کہ جن لوگوں کو زمین میں کمزور کیا جا رہا ہے ان پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنا دیں اور انہیں

اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ⑤ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ

وارث بنا دیں اور زمین میں انہیں حکومت دے دیں۔ اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو

وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ⑥

ان مستضعفین کی جانب سے وہ واقعہ دکھلا دیں جس سے وہ بچاؤ کرتے تھے۔

۱: طٰسٓمّٓ اللہ تعالیٰ ہی اس کی مراد کو جانتے ہیں۔

۲: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ (یہ کتاب مبین کی آیات ہیں)۔ کہا جاتا ہے۔ بان الشیء و ابان۔ دونوں کا ایک معنی ظاہر ہونا۔ اور کہا جاتا ہے ابنتہ فابان۔ یہ لازم و متعدی دونوں طرح مستعمل ہے۔ یعنی اس کی خیر و برکت ظاہر ہے۔ نمبر۲۔ یہ حلال و حرام کو ظاہر کرنے والی اور وعدہ و وعید اور اخلاص و توحید کو ظاہر کرنے والی ہے۔

۳: نَتْلُوْا عَلَيْكَ (ہم تم پر پڑھتے ہیں)۔ یہاں نتلوا نقرا علیک کے معنی میں ہے۔ یعنی ہمارے حکم سے جبرئیل پڑھیں گے۔

نتلوا کا مفعول ہے مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ ہے۔ یعنی ہم تم پر ان کے بعض حالات پڑھیں گے۔ (موسیٰ و فرعون کی کچھ خبر) من تبعیضیہ ہے۔ بِالْحَقِّ (حق کے ساتھ) یعنی تحقیق یہ جملہ کرنے والے ہیں۔

نحو: یہ حال ہے۔

لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (ایمان والے لوگوں کے لئے)۔ جن کے متعلق ہمارے علم میں یہ بات سبقت کر چکی کہ وہ ایمان لائیں گے۔ کیونکہ تلاوت الٰہی ان ہی کو فائدہ دے گی نہ کہ دوسروں کو۔

۴: اِنَّ فِرْعَوْنَ (بیشک فرعون)۔ نحو: یہ جملہ مستانفہ ہے مجمل کی تفسیر کی طرح ہے۔ گویا کوئی اس طرح کہہ رہا ہے۔ ان کی خبر کس طرح ہوگی۔ تو فرمایا بیشک فرعون نے تکبر کیا۔ عَلَا (سرکشی کی) اور ظلم میں انتہاء کو پہنچ گیا۔ نمبر۲۔ تکبر کیا اور اپنے آپ پر فخر کرنے لگا اور اپنی غلامی کو بھول گیا۔ فِي الْاَرْضِ (زمین میں) یعنی سرزمین مصر میں۔ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا (اور اس کے رہنے والوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا)۔ ایک گروہ اس کے ارادوں میں اس کو ساتھ دینے والا اور اطاعت کرنے والا تھا۔ ان میں سے کسی کو مجال نہ تھا کہ وہ اس کی گردن کو خلاف ارادہ موڑ دے۔ نمبر۲۔ مختلف گروہوں میں بانٹ دیا۔ ایک گروہ پر مہربانی کرتا اور دوسرے کی تذلیل۔ قبطی گروہ کو عزت دی اور گروہ اسرائیل کو ذلت میں ڈال دیا۔ يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ (ان میں سے ایک گروہ کو اس نے کمزور کر رکھا تھا)۔ طائفہ سے مراد بنو اسرائیل ہیں۔ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ (وہ ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑتا)۔ ان کی بیٹیوں کو خدمت کے لئے زندہ چھوڑتا۔

وجہ ذبح اطفال:

ایک قبطی کاہن نے فرعون کو کہا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہوگا۔ جس کے ہاتھ تیرا ملک برباد ہوگا۔ اس میں فرعون کی حماقت نکلی ہے۔ اس لئے کہ اگر کاہن نے سچ کہا تو اس کو قتل سے فائدہ نہ ہوگا اور اگر اس نے جھوٹ بولا تو قتل کا کیا مقصد؟

نحو: یستضعف یہ جعل کی ضمیر سے حال ہے۔ نمبر۲۔ شیعًا کی صفت ہے۔ نمبر۳۔ جملہ مستانفہ ہے اور یذبح یہ یستضعف کا بدل ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ (بلاشبہ وہ مفسدین میں سے تھا)۔

مسئلہ: اس میں دلیل ہے کہ قتل ناحق یہ مفسدین کا فعل ہے۔ کاہن نے سچ کہا یا جھوٹ اس کے تحت قتل فضول حرکت ہے۔

۵: وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ (اور ہم چاہتے ہیں کہ ہم احسان کریں)۔ ہم فضل و مہربانی کریں۔

یہ آیت مسئلہ اصلح میں دلیل ہے۔

نحو: یہ جملہ ان فرعون علا فی الارض پر معطوف ہے۔ کیونکہ یہ موسیٰ و فرعون کی تفسیر ہونے میں یہ اس کی نظیر ہے۔ اور اسی کا بیان ہے۔ نمبر۲۔ یستضعف سے حال ہے۔ یعنی فرعون نے ان کو کمزور بنا رکھا تھا اور ہم ان پر احسان کرنا چاہتے تھے۔ اور ارادہ الٰہی تو بہر صورت واقع ہونے والا ہے۔ پس اس جملہ کو ان کے استضعاف کے ساتھ بطور مقارنت ذکر کیا۔

عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً (ان لوگوں پر جن کو زمین میں کمزور کر دیا گیا تھا اور ہم ان کو پیشوا بنائیں)۔ نمبر۱۔ ایسے قائد جن کی خیر میں اقتدا کی جاتی ہے۔ نمبر۲۔ بھلائی کے داعی۔ نمبر۳۔ والی اور بادشاہ۔

وَنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ (اور ہم ان کو وارث بنائیں)۔ یعنی فرعون اور اس کی قوم کے ملک و اسباب کا ان کو وارث بنائیں۔

۶: وَنُمَكِّنَ (اور ہم ان کو حکومت دیں)۔ مکن لہ کا معنی اس کے لئے ایسی جگہ بنا دینا جس پر وہ بیٹھ سکے۔ نمبر۲۔ یا سو سکے اور تمکین فی الارض کا مطلب ارض مصر و شام کو اس طرح کر دینا کہ وہاں ان کو کوئی روک ٹوک نہ ہو اور ان کو تسلط دے دیا جائے اور ان کا حکم چلے۔ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ (زمین میں)۔ ارض سے شام و مصر مراد ہے۔ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا (اور فرعون، ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ بات دکھا دیں)۔ قراءت: نُرِی۔ نون کا ضمہ اور فرعون اور مابعد کا نصب۔ نمبر۲۔ یاء کے ساتھ یَرٰی اور فرعون اور مابعد پر رفع علی وحمزہ نے پڑھا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے۔ یرون منھم ما حذروہ من ذھاب ملکھم وھلاکھم علی ید مولود منھم۔ انھوں نے ان سے وہ دیکھ لیا جس کا خطرہ تھا یعنی ملک کا ہاتھ سے نکلنا اور انہی میں سے ایک بچے کے ہاتھوں ان کا ہلاک ہونا۔ نمبر۳۔ نُرِی نصب کی صورت میں اس کا ماقبل منصوب پر عطف ہے جیسا کہ نون کی قراءت ہے۔ نمبر۴۔ جملہ مستانفہ ہونے کی بناء پر مرفوع ہے۔ مِنْهُمْ سے مراد بنی اسرائیل۔ منھم: نری کے متعلق ہے۔ یحذرون کے متعلق نہیں ہے۔ کیونکہ صلہ موصول سے مقدم نہیں آ سکتا۔ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ (وہ باتیں جن سے وہ ڈرتے اور اندیشہ کرتے تھے)۔ الحذر نقصان سے بچنا۔

وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ أُمِّ مُوسَىٰٓ أَنْ أَرْضِعِيهِ ۖ فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِى ٱلْيَمِّ وَلَا

اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کے دل میں ڈالا کہ تم اس کو دودھ پلاؤ۔ پھر جب تمہیں اس کی جان کا خطرہ ہو تو اسے سمندر میں ڈال دینا اور

تَخَافِى وَلَا تَحْزَنِىٓ ۖ إِنَّا رَآدُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ ٱلْمُرْسَلِينَ ﴿٧﴾ فَٱلْتَقَطَهُۥٓ

نہ ڈرنا نہ غم کرنا۔ بیشک ہم اسے تیری طرف واپس کر دیں گے۔ اور اسے پیغمبروں میں سے بنا دیں گے۔ سو اسے آل فرعون نے

ءَالُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا ۗ إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَـٰمَـٰنَ وَجُنُودَهُمَا

اٹھا لیا تاکہ ان کے لئے دشمن بن جائے اور غم کا باعث بنے۔ بیشک فرعون اور ہامان اور ان کا لشکر

كَانُوا۟ خَـٰطِـِٔينَ ﴿٨﴾ وَقَالَتِ ٱمْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّى وَلَكَ ۖ لَا تَقْتُلُوهُ ق

خطاکار لوگوں میں سے تھے۔ اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرو

عَسَىٰٓ أَن يَنفَعَنَآ أَوْ نَتَّخِذَهُۥ وَلَدًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٩﴾ وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ

شاید یہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنا لیں۔ اور ان کو خبر نہ تھی۔ اور موسیٰ کی ماں کا دل

مُوسَىٰ فَـٰرِغًا ۖ إِن كَادَتْ لَتُبْدِى بِهِۦ لَوْلَآ أَن رَّبَطْنَا عَلَىٰ قَلْبِهَا لِتَكُونَ

بےقرار ہو گیا۔ قریب تھا کہ وہ اس کا حال ظاہر کر دیتی اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کر دیتے تاکہ وہ

مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠﴾ وَقَالَتْ لِأُخْتِهِۦ قُصِّيهِ ۖ فَبَصُرَتْ بِهِۦ عَن جُنُبٍ وَهُمْ

یقین کرنے والوں میں سے رہے۔ اور موسیٰ کی والدہ نے اس کی بہن سے کہا کہ تو اس کے پیچھے چلی جا۔ سو اس نے اسے دور سے دیکھا اور انہیں

لَا يَشْعُرُونَ ﴿١١﴾ ۞ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ ٱلْمَرَاضِعَ مِن قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰٓ

خبر بھی نہ ہوئی۔ اور ہم نے پہلے ہی سے موسیٰ پر دودھ پلانے والیوں کی چھاتیاں حرام کر دی تھیں۔ تو موسیٰ کی بہن بولی کہ میں تمہیں ایسے گھر والے بتاؤں

أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُۥ لَكُمْ وَهُمْ لَهُۥ نَـٰصِحُونَ ﴿١٢﴾ فَرَدَدْنَـٰهُ إِلَىٰٓ أُمِّهِۦ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا

جو تمہارے لئے اس کی پرورش کریں اور وہ تمہارے لئے خیرخواہی بھی کریں۔ سو ہم نے موسیٰ کو اس کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں

وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ ٱللَّهِ حَقٌّ وَلَـٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٣﴾ ع

اور غمگین نہ ہو اور تاکہ وہ جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

۷۔ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى (اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں بات ڈال دی)۔ وحی سے ۔ نمبر ۱۔ الہام سے ۔ نمبر ۲۔ خواب سے ۔ نمبر ۳۔ فرشتے کی اطلاع سے جیسا کہ مریم کیلئے ہوا۔ اس سے وحی رسالت مراد نہیں کیونکہ وہ رسول نہ تھیں۔

اَنْ اَرْضِعِيْهِ (تم دودھ پلاؤ)۔ اَنْ ۔ اَیْ کے معنی میں ہے ۔ نمبر ۲۔ ان مصدریہ ہے ۔ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ (پس جب تمہیں اس کے متعلق خطرہ ہو)۔ قتل کا اس طرح کہ پڑوسی اس کی آواز سن کر چغلی لگا دیں ۔ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ (پس اس کو دریا میں ڈال دو)۔ الیم سے نیل نہر مراد ہے ۔ وَلَا تَخَافِىْ (اور تم نہ ڈرو)۔ ڈوب جانے اور ضائع ہونے سے ۔ وَلَا تَحْزَنِىْ (اور نہ غم کرو)۔ اس کی جدائی کا ۔ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ (بیشک ہم اس کو تیرے ہاں لوٹانے والے ہیں)۔ ایک لطیف انداز سے تا کہ تو اس کی پرورش کرے ۔ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (اور اس کو رسولوں میں سے بنانے والے ہیں)۔

دو اہم باتیں:

اس آیت میں دو امر ہیں ۔ اور دو نہی ہیں ۔ اور دو خبریں اور دو بشارتیں ہیں ۔ خوف و حزن میں فرق یہ ہے ۔ خوف ایسے غم جو انسان کو کسی متوقع حادثے میں لاحق ہو۔

الحزن ۔ ایسا غم جو واقعہ پیش آنے کے بعد لاحق ہو اور وہ موسیٰ کی جدائی اور اس کے متعلق خطرات ہیں ۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان دونوں باتوں سے منع کر دیا۔

بشارتیں:

موسیٰ علیہ السلام کو واپس لوٹائے جانے کی بشارت ۔ نمبر ۲۔ رسالت ملنے کی بشارت۔

ایک روایت ہے:

کہ موسیٰ کی تلاش میں فرعون نے نوے ہزار بچے ذبح کر ڈالے۔

روایت میں ہے:

جب موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا زمانہ قریب آیا تو ایک دائی کو بلایا گیا یہ ان عورتوں میں سے تھی جن کو فرعون نے بنی اسرائیل کی حاملہ عورتوں کے لئے مقرر کیا تھا ۔ وہ والدہ موسیٰ کی سہیلی تھی ۔ دائی نے معاملہ شروع کیا جب موسیٰ پیدا ہو گئے تو دائی نے ایک نور دیکھا جو موسیٰ کی پیشانی سے نکل رہا تھا ۔ موسیٰ کی محبت اس دائی کے دل میں سما گئی ۔ کہنے لگی میں تیرے بچے کو قتل کرنے آئی تھی اور فرعون کو اطلاع پہنچانے آئی تھی لیکن مجھے تیرے بیٹے سے محبت ہو گئی ہے ۔ جو میں نے کسی سے نہیں دیکھی پس تو اس کی حفاظت کر۔ ادھر دائی نکلی تو فرعون کے جاسوس آ گئے ۔ موسیٰ کی والدہ نے موسیٰ کو کپڑے میں لپیٹ کر جلتے تنور میں رکھ دیا ۔ ڈر اور خوف سے اس کی عقل اس طرح زائل کی گئی کہ اسے معلوم نہ ہوا کہ وہ کیا کر رہی ہے ۔ جاسوسوں نے اندر گھس کر تلاشی لی تو کچھ بھی نہ ملا ۔ وہ اپنے منہ نکل گئے ۔ موسیٰ کی والدہ کو ہوش آیا تو اس نے پوچھا کہ میں نے موسیٰ کو کہاں رکھ دیا ۔ اتنی دیر میں تنور سے رونے کی آواز سنی ۔ تو اس کی طرف

قائل رہی۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے آگ کو برد وسلام بنا دیا۔ جب فرعون نے بچوں کی تلاش میں تیزی پیدا کر دی تو اللہ تعالیٰ نے دریا میں ڈالنے کا حکم فرما دیا۔ تین ماہ دودھ پلانے کے بعد ان کو دریائے نیل میں ڈال دیا۔

۸: فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ (فرعون کے لوگوں نے موسیٰ کو اٹھایا) لے لیا۔

قول زجاج رحمۃ اللہ علیہ:

فرعون کا سحر کا رہنے والا قاری تھا۔

لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا (تا کہ وہ ان کا دشمن بن جائے)۔ یعنی تا کہ معاملہ یہاں تک پہنچے۔ یہ مراد نہیں کہ انہوں نے اس مقصد کی خاطر اٹھایا۔ جیسا کہتے ہیں۔ لِلْمَوْتِ مَا تَلِدُ الْوَالِدَةُ۔ ماں موت کے لئے جنتی ہے۔ حالانکہ ماں نے تو موت کے لئے نہیں جنا لیکن انجام تو موت ہی ہے۔

زجاج نے اسی طرح کہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مفسرین نے اس لام کو لام عاقبت وصیرورت کے نام سے موسوم کیا ہے۔

صاحب کشاف رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

یہ لام کئی ہے جو تعلیل کا معنی دیتی ہے۔ جیسا کہتے ہیں۔ جِئْتُكَ لِتُكْرِمَنِيْ۔ میں تیرے پاس آیا تا کہ تو میرا اکرام کرے۔ مگر اس میں تعلیل کا معنی بطور مجاز وارد کیا گیا ہے۔ کیونکہ جب ان کے اٹھانے کو یہ نتیجہ نکلا تو اس فعل کو داعی کے اس فعل سے تشبیہ دی۔ وہ داعی کہ فاعل اپنا فعل اس کی خاطر کرے۔ اور وہ اکرام ہے جو کہ تشریف آوری کا ہی نتیجہ ہے۔ وَحَزَنًا (اور غم کا باعث)۔ علی و حمزہ نے حُزْنًا پڑھا ہے۔ دیگر نے حَزَنًا۔ یہ دونوں لغت ہیں۔ اس کی نظیر الْعُدْمُ اور الْعَدَمُ ہے۔ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ (بیشک فرعون، ہامان اور ان کا لشکر غلطی کرنے والے تھے)۔ خاطئین تخفیف کے ساتھ ابو جعفر نے پڑھا۔ اس کا معنی مذنبین وہ گناہ گار تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی۔ کہ ہر ایک ان کا دشمن تھا۔ وہ وہی جو ان کے سامنے ہلاک ہونے کا سبب بنے۔ نمبر ۲۔ وہ ہر چیز میں خطا کرنے والے تھے۔ اپنے دشمن کی تربیت کرنا یہ ان کی کوئی پہلی غلطی نہ تھی۔

۹: وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ (فرعون کی بیوی نے کہا یہ میرے اور تیرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے)۔ روایت میں ہے۔ کہ جب انہوں نے صندوق اٹھایا۔ تو اس کو کھولنے کی کوشش کی مگر نہ کھلا۔ پھر توڑنا چاہا اس سے بھی نہ ٹوٹ سکا۔ آسیہ قریب ہوئیں تو انہوں نے صندوق کے درمیان میں نور دیکھا۔ پس اس نے کھولنے کی کوشش کی تو صندوق کھل گیا۔ اچانک بچے کو دیکھا جس کی جبین نور سے منور تھی۔ ان سب کو دیکھتے ہی اس سے محبت ہو گئی۔ فرعون کی ایک بیٹی برص زدہ تھی۔ اس نے اس بچے کے چہرے پر تھوک ڈالی تو اس کا برص جاتا رہا۔ فرعون کی قوم کے بعض گمراہ لوگوں نے کہا یہی وہ بچہ ہے جس سے آپ کو

لولا کا جواب محذوف ہے۔ یعنی لَاَبْدَتْ بِهٖ ضرور ظاہر کر دیتی۔ نمبر۲۔ اس کا دل غم سے خالی ہو گیا جب اس نے سنا کہ فرعون نے اس کو متبنّیٰ بنا لیا ہے۔ قریب تھا کہ خوشی میں ظاہر کر بیٹھیں کہ وہ اس کا بیٹا ہے۔ کیونکہ اس خبر کو سن کر اس کو اپنے اوپر خوشی سے اختیار نہ رہا اگر ہم اس کے دل کو مطمئن نہ کرتے اور دل کے اضطراب کو پرسکون نہ بناتے جس کی وجہ سے انتہائی خوشی پیش آئی تھی۔ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے وعدے پر پختہ یقین کرنے والے لوگوں میں سے ہو جائے نہ کہ فرعون کے متبنّیٰ بنانے پر۔

یوسف بن حسین نے کہا: موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو دو باتیں کہی گئیں۔ اور دونوں باتوں سے منع کیا گیا اور دو بشارتیں دی گئیں۔ مگر اس کو ان سے فائدہ نہ ہوا جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کر کے ان کے دل کو مضبوط نہ کر دیا۔

۱۱: وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ (اور اس نے موسیٰ کی بہن سے کہا)۔ اخت کا نام مریم تھا۔ قُصِّيْهِ (اس کے پیچھے پیچھے چلی جا)۔ تو اس کے پیچھے چلی جا تاکہ تو اس کے حالات معلوم کر سکے۔ فَبَصُرَتْ بِهٖ (پس اس نے دور سے دیکھا)۔ عَنْ جُنُبٍ جنب یہاں دور کے معنی میں ہے۔ مجنوز: یہ بِهٖ کی ضمیر سے حال ہے۔ یا بصرت کی ضمیر سے۔ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (اور ان کو خبر تک نہ تھی)۔ کہ یہ اس کی بہن ہے۔

۱۲: وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ (اور ہم نے روک دیا موسیٰ پر دودھ پلانے والیوں کو)۔ حرمنا۔ ممانعت کے معنی میں ہے۔ تحریم شرعی مراد نہیں یعنی ہم نے ان کو روک دیا کہ وہ اپنی ماں کے پستان کے علاوہ دوسرا پستان قبول کرے۔ وہ کسی مرضعہ کا پستان قبول نہ کرتے تھے یہاں تک کہ ان کے ہاں یہ بات اہمیت پکڑ گئی۔

المراضع جمع مرضع۔ دودھ پلانے والی عورت۔ نمبر۲۔ مرضع کی جمع ہے یعنی موضع الرضاع یعنی پستان۔ نمبر۳۔ دودھ پلانا۔

مِنْ قَبْلُ (مریم کے اس کے پیچھے جانے سے پہلے)۔ نمبر۲۔ والدہ کی طرف لوٹانے سے پہلے۔ فَقَالَتْ (اس نے کہا)۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا جب کہ وہ مراضع کے درمیان فرعونی محل میں داخل ہو گئی اور موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ پستان قبول نہیں کر رہا۔ هَلْ اَدُلُّكُمْ (کیا میں تمہیں بتلاؤں)۔ تمہاری راہنمائی کروں۔ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ (ایسے گھر والوں کے متعلق جو اس کی کفالت کریں گے)۔ ہٗ کی ضمیر موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ (جو تمہارے لئے اس کی خیر خواہی کرتے رہیں)۔ النصح۔ فساد و بگاڑ کی مذمت سے عمل کا خالی ہونا۔

روایت میں ہے:

کہ جب مریم نے کہا وهم له ناصحون۔ تو ہامان نے کہا: یہ اس بچے کو پہچانتی ہے۔ اور اس کے گھر والوں کو پہچانتی ہے۔ اس کو پکڑو تاکہ اس لڑکے کے متعلق اعتراف کرے۔ لڑکی کہنے لگی میری مراد یہ ہے کہ وہ بادشاہ کے خیر خواہ ہیں۔ پس وہ اپنی والدہ کی طرف ان کے حکم سے گئی اور والدہ کو لے آئی۔ اس وقت بچہ فرعون کے ہاتھوں میں تھا۔ اور اس کو شفقت سے بہلا رہا تھا۔ اور بچہ دودھ کے لئے رو رہا تھا۔ جونہی اس کی خوشبو محسوس کی تو بچہ مانوس ہو گیا۔ اور اس کے پستان سے چمٹ گیا۔ فرعون نے دایہ کو کہا تم

اس کی کیا گنجائش ہے؟ اس نے ہر عورت کے پستان کو قبول کرنے سے انکار کر دیا مگر میرے دودھ کو۔ تو موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا میں ایک پاکیزہ بو والی عورت ہوں۔ دودھ بھی پاکیزہ رکھتی ہوں ہر بچہ مجھے قبول کر لیتا ہے۔ اس نے بچہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے سپرد کر دیا اور اس کا وظیفہ جاری کر دیا۔ وہ اس کو لے کر اپنے گھر آ پہنچیں۔ اللہ تعالیٰ نے واپس لوٹانے والا وعدہ پورا فرمایا۔ اس وقت والدہ موسیٰ علیہ السلام کو یہ پختہ یقین ہو گیا کہ وہ عنقریب پیغمبر ہوں گے۔ اور اس ارشاد میں یہی فرمایا۔

۱۳ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا (پس ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو) اس کے ساتھ ٹھہرنے سے۔ وَلَا تَحْزَنَ (اور وہ اس کی جدائی سے غم زدہ نہ ہو)۔ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ (اور تاکہ وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے)۔ یعنی تاکہ اس کو مشاہدہ سے علم ہو جائے جیسا اطلاع سے ہوا۔

نحو: ولا تحزن کا عطف تقر پر ہے اور ان کی ماں کے لئے دودھ پلانا حلال ہو گیا جس کو وہ ہر روز لیتی تھیں جیسا کہ سدی نے فرمایا کیونکہ وہ حربی کا مال تھا نہ کہ دودھ پلانے کی اجرت تھی۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (لیکن ان کی اکثریت نہیں جانتی)۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم کے تحت داخل ہے۔ یعنی اور تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔ لیکن ان کی اکثریت نہیں جانتی کہ وہ سچ ہے پس وہ شک کرنے لگتے ہیں۔ یہ ارشاد اس پر تعریض کے مشابہ ہے جو گھبراہٹ اس پر طاری ہوئی جب اس نے موسیٰ کی خبر سنی۔

لو کانوا یعلمون۔ البقرہ ۱۰۲۔ علم پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ان کو جاہل قرار دیا گیا۔

۱۵: وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ (اور (مصر کے) شہر میں داخل ہوئے۔) عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا (جبکہ شہر والے بے خبر تھے)۔ نحو: یہ فاعل سے حال ہے۔ یعنی چھپ کر مغرب و عشاء کے درمیان یا قیلولہ کے وقت جبکہ نصف النہار کا وقت تھا۔ ایک قول یہ ہے۔ جب آپ جوان ہوئے اور عقل پختہ ہوئی تو حق کی بات کہنے لگے اور فساد یا توں پر نکیر کرنے لگے۔ فرعونیوں نے ان کو ڈرایا۔ پس آپ شہر میں مخفی طور پر داخل ہوئے۔ فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ (پس انہوں نے دو آدمی پائے جو آپس میں لڑ رہے تھے ایک ان کے گروہ کا تھا)۔ ان میں سے تھا جو بنی اسرائیل میں سے دین میں آپ کے ساتھ چلنے والے تھے۔ ایک قول: یہ سامری تھا۔

وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ (اور یہ اس کے دشمن میں سے) ان کے مخالفین اقباط میں سے۔ اس کا نام فاتون تھا۔ ان کے متعلق هذا هذا کہا گیا اگرچہ وہ غائب تھے۔ یہ نقل حکایت ہے۔ یعنی جب کوئی دیکھنے والا دیکھے تو کہے کہ یہ اس کے گروہ میں سے ہے اور یہ اس کے دشمن گروہ سے۔ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى (اس شخص نے جو موسیٰ علیہ السلام کے گروہ میں سے تھے مدد طلب کی اس کے خلاف جو آپ کے دشمنوں میں سے تھا)۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے اس کو مکا مارا۔ تحقیق: استغاثہ۔ مدد طلب کرنے کو کہتے ہیں۔ فَقَضٰى عَلَيْهِ (اس کا کام تمام ہو گیا) وہ مر گیا۔ قَالَ هٰذَا (اس نے کہا) یہ۔ ہذا سے بلا قصد ہونے والے قتل کی طرف اشارہ کیا۔ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ (یہ شیطانی عمل ہے)۔ قتل کافر کو شیطان کا عمل قرار دیا اور اس کو اپنے نفس کے لئے ظلم قرار دیا اور اس سے استغفار کیا۔ کیونکہ آپ ان میں مستامن تھے اور کافر حربی کا قتل جائز نہیں۔ نمبر۲۔ اجازت قتل سے پہلے آپ نے اس کو قتل کر دیا۔

قول ابن جریج رحمہ اللہ:

امر کے بغیر کسی نبی کو قتل کرنا جائز نہیں۔ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ (وہ کھلا غلطی میں ڈالنے والا دشمن ہے)۔ اس کی دشمنی ظاہر ہو رہی ہے۔

۱۶: قَالَ رَبِّ (موسیٰ نے کہا اے میرے رب) اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ (بے شک میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا) ایسے فعل سے جو قتل پر منتج ہوا۔ فَاغْفِرْ لِيْ (پس تو میری لغزش معاف فرما)۔ فَغَفَرَ لَهٗ (پس اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا)۔ اس کی لغزش کو۔ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ (بیشک وہ بخشنے والا ہے)۔ لغزشوں کا ازالہ کر کے۔ الرَّحِيْمُ (رحیم ہے) شرمندگی کا ازالہ کر کے۔

۱۷: قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا (کہا اے میرے رب اس سبب کہ آپ نے مجھ پر انعام فرمایا میں ہرگز پشت پناہ نہ ہوں گا)۔ ظہیر۔ معاون۔ لِّلْمُجْرِمِيْنَ (مجرمین کے لئے)۔ الغاء کے لئے بما انعمت علی۔ یہ قسم ہے۔ اس کا جواب محذوف ہے۔ تقدیر کلام اس طرح ہے۔ میں تجھے انعام مغفرت کی قسم اٹھاتا ہوں کہ میں توبہ کرتا ہوں میں کبھی مجرموں کا پشت پناہ نہ ہوں گا۔ نمبر۲۔ طلب پر مبنی ہے۔ گویا اس طرح فرمایا اے میرے رب تو میری حفاظت فرما اس مغفرت والے

فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ ۚ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ

پھر صبح کو شہر میں ڈرتے ڈرتے انتظار کی حالت میں گئے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے تو دفعۃً وہی شخص جس نے کل ان سے مدد طلب کی تھی پھر ان سے مدد طلب کر رہا ہے، موسیٰ نے اس سے کہا

إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُبِينٌ ﴿١٨﴾ فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَهُمَا قَالَ

بلاشبہ تو تو صریح گمراہ ہے۔ پھر جب موسیٰ نے ارادہ کیا کہ اس شخص کو پکڑیں جو ان دونوں کا دشمن تھا تو وہ اسرائیلی شخص بول اٹھا

يَا مُوسَىٰ أَتُرِيدُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ ۖ إِنْ تُرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ

اے موسیٰ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ مجھے قتل کر دو جیسا کہ کل تم نے ایک شخص کو قتل کیا ہے، بس تم یہی چاہتے ہو کہ زمین میں اپنا زور

جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ ﴿١٩﴾ وَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَقْصَى

بٹھلاتے رہو اور صلح کرنے والوں میں سے نہیں ہونا چاہتے۔ اور ایک شخص شہر کے پرلے کنارے سے

الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ

دوڑتا ہوا آیا، کہنے لگا کہ اے موسیٰ بلاشبہ بات یہ ہے کہ اہل دربار آپ کے بارے میں مشورہ کر رہے ہیں کہ آپ کو قتل کر دیں۔ لہٰذا آپ نکل جائیے بلاشبہ میں

مِنَ النَّاصِحِينَ ﴿٢٠﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ ۖ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٢١﴾

آپ کی بھلائی چاہنے والوں میں سے ہوں۔ سو وہاں سے ڈرتے ہوئے انتظار کرتے ہوئے نکل گئے۔ کہنے لگے کہ اے میرے رب مجھ کو ظالم قوم سے نجات دیجئے۔

انعام کے حق سے جو آپ نے مجھ پر فرمایا۔ اگر آپ نے میری حفاظت فرمائی تو میں ہرگز مجرموں کا مددگار نہ ہوں گا۔ مجرمین کی پشت پناہی سے مراد فرعون کے ساتھ رہنا اور قیام کے ساتھ انتظام کرنا اور اس کی جماعت میں اضافہ کرنا۔ اس طرح کہ اس کے سواروں کے ساتھ اس طرح سوار ہونے جیسے بیٹا والد کے ساتھ ہوتا ہے۔

۱۸: فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا (آپ نے شہر میں خوف کی حالت میں صبح کی)۔ اپنے متعلق قتل قبطی کے سلسلہ میں خوف زدہ تھے کہ ان کو پکڑ لیا جائے۔ يَتَرَقَّبُ (انتظار کرتے)۔ نحو: یہ حال ہے۔ ناپسند چیز کی توقع کرتے اور وہ اندیشہ انتقام تھا۔ یا خبر اور اطلاع قتل کی خبر جو کہ اس کے بارے میں کہا جا رہا تھا۔

قول ابن عطاء رحمہ اللہ:

اپنے نفس کے متعلق خطرہ تھا اپنے رب کی مدد کے منتظر تھے۔

فیہ نکتہ: اس میں دکھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے ڈرنے میں حرج نہیں۔ بخلاف ان لوگوں کے جو اس کو درست قرار نہیں دیتے۔ فَإِذَا الَّذِي (اچانک وہ شخص جس نے)۔ نحو: اذا مفاجات کے لئے ہے اور اس کا مابعد مبتدا ہے۔ اسْتَنْصَرَهُ

(موسیٰ علیہ السلام سے مدد طلب کی تھی)۔ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ (کل گزشتہ وہی ان کو چیخ کر پکار رہا تھا)۔ ان سے فریاد طلب کر رہا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ وہی سابقہ اسرائیلی نے دوسرے قبطی کے خلاف مدد کے لئے موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی۔ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى (موسیٰ علیہ السلام نے اسرائیلی کو فرمایا)۔ اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ (تو بلاشبہ کھلا ہوا ٹیڑھا چلنے والا ہے)۔ ہدایت سے ہٹا ہوا ہے جس کی گمراہی واضح ہے۔ تو نے کل گزشتہ ایک آدمی سے لڑائی مول لی۔ تیری وجہ سے جس کو میں نے قتل کر دیا۔ عقل و سمجھ والا تو ایسی مصیبت سے بچے اور پڑا لڑائی نہیں اور نہ اس پر جو اس کی امداد کرے۔

آیت ۱۹: فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ (جب موسیٰ علیہ السلام نے ارادہ کیا)۔ اَنْ يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ (اس قبطی کی طرف ہاتھ بڑھائیں)۔ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا (جو دونوں کا دشمن تھا)۔ یعنی موسیٰ و اسرائیلی کا کیونکہ وہ ان کے دین پر نہ تھا اور قبطی بنی اسرائیل کے دشمن تھے۔ قَالَ (اس اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا)۔ اس کو وہم و خیال ہوا کہ موسیٰ مجھے پکڑنے لگے ہیں جبکہ قبطی کو اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو انک لغوی مبین فرمایا تھا۔ يٰمُوْسٰۤى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا (اے موسیٰ کیا تو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے جیسا کہ تو نے ایک جان کو قتل کیا) نفس سے قبطی مراد ہے۔ بالامس۔ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا (کل گزشتہ تو نہیں چاہتا مگر زور دکھانا)۔ ان نافیہ ہے۔ جبارا۔ (شدت غضب سے قتل کرنے والا)۔ فِي الْاَرْضِ ارض سے مصر مراد ہے۔ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ (اور تو صلح کرانے والوں میں سے بننا نہیں چاہتا)۔ قصہ کو بار کر کل والے قبطی کا قتل تو لوگوں میں معروف تھا۔ لیکن قاتل معلوم نہ تھا۔ جب اس نے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بات ظاہر کر دی۔ تو قبطی کو معلوم ہو گیا کہ قتل کا قاتل موسیٰ علیہ السلام ہے۔ اس نے جا کر فرعون کو اطلاع دی۔ تب انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا پختہ ارادہ کر لیا۔

۲۰: وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ (اور ایک آدمی شہر کے آخری کنارے سے آیا)۔ یہ آل فرعون کا مومن ہی تھا۔ یہ فرعون کا چچازاد تھا۔ يَسْعٰى (دوڑتا ہوا)۔ نحو: یہ رجل کی صفت ہے۔ نمبر۲۔ رجل سے حال ہے کیونکہ اس کی صفت من اقصی المدینہ سے کی گئی ہے۔ قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ (کہا اے موسیٰ بلاشبہ سردار تمہارے متعلق مشورہ کر رہے ہیں تا کہ تمہیں قتل کر دیں)۔ وہ ایک دوسرے کو تیرے قتل کرنے کے لئے کہہ رہے ہیں۔ نمبر۲۔ وہ تیرے متعلق باہمی مشورہ کر رہے ہیں۔

الائتمار۔ (مشورہ کرنا)۔ کہا جاتا ہے الرجلان یتامران و یاتمران۔ وہ دو مشورہ کرتے ہیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو کسی چیز کا حکم دیتا ہے۔ یا کسی کام کا اشارہ کرتا ہے۔ فَاخْرُجْ (تو اس شہر سے نکل)۔ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ (بیشک میں تیرا خیر خواہ ہوں)۔ نحو: لک یہ بیان ہے۔ یہ ناصحین کا صلہ نہیں ہے کیونکہ صلہ موصول سے پہلے نہیں آ سکتا۔ گویا عبارت اس طرح ہے۔ انی من الناصحین پھر وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ لک تمہارا جیسا کہ وہ کہتے ہیں۔ سقیاً لک و مرحباً لک۔

۲۱: فَخَرَجَ (پس موسیٰ علیہ السلام نکلے)۔ مِنْهَا (اس شہر سے) خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ (ڈرتے ڈرتے ٹوہ لگاتے) کہ راستے میں کوئی تعرض کرنے والا تو نہیں یا پیچھے ان کو قتل کرنے والا تو آ نہ لے۔ اللہ کی مدد کی امید کرتے اور دشمنوں سے ڈرتے ہوئے نکل پڑے۔ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (کہا اے میرے رب تو مجھے ظالم قوم سے نجات عنایت فرما)۔ یعنی قوم فرعون سے۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيٓ أَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا وَرَدَ

اور جب موسیٰ نے مدین کی طرف رخ کیا تو کہنے لگے امید ہے کہ میرا پروردگار مجھے سیدھا رستہ بتائے۔ اور جب مدین کے پانی

مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۥ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَأَتَيْنِ

پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں لوگوں کی ایک جماعت (اپنے چارپایوں کو) پانی پلا رہی ہے اور ان کے ایک طرف دو عورتیں

تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۖ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ۖ وَأَبُوْنَا شَيْخٌ

(اپنی بکریوں کو) روکے کھڑی ہیں۔ موسیٰ نے کہا تمہارا کیا کام ہے؟ وہ بولیں کہ جب تک چرواہے (اپنے چارپایوں کو) لے نہ جائیں ہم پانی نہیں پلا سکتے اور ہمارے والد

كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰىٓ إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّيْ لِمَآ أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ

بڑی عمر کے بوڑھے ہیں۔ تو موسیٰ نے ان کے لئے (بکریوں کو) پانی پلا دیا پھر سائے کی طرف چلے گئے اور کہنے لگے کہ پروردگار میں اس کا محتاج ہوں کہ تو مجھ پر اپنی

فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾ فَجَآءَتْهُ إِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۫ قَالَتْ إِنَّ أَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ

نعمت نازل فرمائے۔ (تھوڑی دیر کے بعد) ان میں سے ایک عورت جو شرماتی اور لجاتی چلی آتی تھی موسیٰ کے پاس آئی (اور) کہنے لگی کہ تم کو میرے والد بلاتے ہیں کہ تم نے جو ہمارے لئے

أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ

پانی پلایا تھا اس کی تم کو اجرت دیں۔ جب وہ ان کے پاس آئے اور ان سے اپنا ماجرا بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ کچھ خوف نہ کرو۔ تم ظالم لوگوں سے

الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَتْ إِحْدٰىهُمَا يٰٓأَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ ۖ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ

بچ آئے ہو۔ ایک لڑکی بولی کہ ابا ان کو نوکر رکھ لیجیئے کیونکہ بہتر نوکر جو آپ رکھیں وہ ہے (جو) توانا اور

الْأَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ إِنِّيْٓ أُرِيْدُ أَنْ أُنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى أَنْ تَأْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ

امانت دار (ہو)۔ انہوں نے (موسیٰ سے) کہا کہ میں چاہتا ہوں اپنی دو بیٹیوں میں سے ایک کو تم سے بیاہ دوں اس عہد پر کہ تم آٹھ برس میری

حِجَجٍ ۚ فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ أُرِيْدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ ۚ سَتَجِدُنِيْٓ إِنْ شَآءَ

خدمت کرو اور اگر دس سال پورے کر دو تو تمہاری طرف سے (احسان) ہے اور میں تم پر تکلیف ڈالنی نہیں چاہتا۔ مجھے انشاء اللہ

اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۖ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ

نیک لوگوں میں پاؤ گے۔ موسیٰ نے کہا کہ مجھ میں اور آپ میں یہ (عہد پکا ہوا)۔ میں جونسی مدت (چاہوں) پوری کر دوں پھر مجھ پر کوئی

عَلَيَّ ۖ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾

زیادتی نہ ہو۔ اور ہم جو معاہدہ کرتے ہیں خدا اس کا گواہ ہے۔

۲۲: وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ (جب وہ مدین کی جانب چل دیئے)۔ تلقاء۔ (جانب)۔ التوجہ۔ (کسی چیز کی طرف پورے متوجہ ہونا)۔ مدین۔ یہ شعیب علیہ السلام کا شہر ہے۔ اس کا نام مدین بن ابراہیم علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا۔ یہ علاقہ سلطنت فرعون میں نہ تھا۔ اس کا مصر سے آٹھ دن رات کا پیدل سفر تھا۔

قول ابن عباس رضی اللہ عنہما:

موسیٰ علیہ السلام نکلے مگر ان کو راستہ کا علم نہیں تھا۔ فقط اپنے رب پر حسن ظن تھا۔ قَالَ عَسٰى رَبِّيٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ (کہا امید ہے کہ میرا رب میری راہنمائی سیدھے راستہ کی طرف فرما دے گا)۔ سواء: وسط اور بڑے راستہ کو کہا جاتا ہے کہا ایک فرشتہ آیا اور ان کو مدین لے گیا۔

۲۳: وَلَمَّا وَرَدَ (جب آپ پہنچے)۔ مَآءَ مَدْيَنَ (مدین کے پانی پر)۔ جس سے لوگ جانوروں کو پلاتے تھے۔ یہ کنواں تھا۔ وَجَدَ عَلَيْهِ (اس کنوئیں کے ایک جانب پایا)۔ اُمَّةً (بڑی جماعت کو) مِّنَ النَّاسِ (مختلف انسانوں کی)۔ يَسْقُوْنَ (وہ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے)۔ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ (اور آپ نے پایا ان سے نچلی جانب)۔ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ (دو عورتیں وہ روکنے والی تھیں اپنی بکریوں کو پانی سے)۔ کیونکہ پانی پر ان سے قوی تر لوگ قابض تھے۔ وہ پلانے کی طاقت نہ رکھتی تھیں۔ نمبر ۲۔ یا اس لئے کہ ان کی بکریاں دوسروں میں خلط ملط نہ ہو جائیں۔ الذود دور کرنا۔ ہانکنا۔ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا (آپ نے فرمایا تمہارا کیا معاملہ ہے)۔ یہ حقیقت میں اس طرح ہے ما مخطوبکما؟ تمہارا ان بکریوں کو روکنے کا کیا مقصد ہے؟ آپ نے مخطوب کو خطب سے تعبیر فرمایا۔ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ (دونوں نے کہا ہم اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلاتی ہیں)۔ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ (یہاں تک کہ چرواہے لوٹا لے جائیں اپنے مویشیوں کو)۔

قراءت: يَصْدُرُ۔ شامی، یزید، ابوعمرو کی قراءت میں ہے معنی یہ ہے: لوٹ جائیں۔ الرعاء جمع راع کی ہے۔ جیسا قائم کی جمع قیام ہے۔ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ (اور ہمارا والد بہت بوڑھا ہے)۔ اور بکریوں کو پانی پلانے کی قدرت نہیں رکھتا۔ کبیر سے مراد وہ دینی حالت میں بڑا ہے یا عمر میں بڑا ہے۔ بکریوں کو چرانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے سامنے پانی پلانے کی ذمہ داری سنبھالنے کا عذر واضح کر دیا۔

۲۴: فَسَقٰى لَهُمَا (پس آپ نے ان کو پلا دیا)۔ ان کی بکریوں کو ان کی خاطر تنگی میں رغبت کرتے ہوئے اور مظلوم کی مدد کرتے ہوئے پانی پلا دیا۔

روایت میں ہے:

آپ نے لوگوں کو کنوئیں سے ہٹایا۔ اور ان سے ڈول لیا۔ انہوں نے ڈول دے دیا۔ اور کہنے لگے اس سے پانی پلاؤ۔ اس ڈول کو چالیس آدمی کھینچتے تھے۔ آپ نے اس ڈول سے پانی نکالا۔ اور اس کو حوض میں ڈال کر برکت کی دعا فرمائی۔

ترکِ مفعول:

یسقون اور تذودان اور لا نسقی اور یصدر میں مفعول کو ترک کر دیا گیا۔ کیونکہ اصل مقصد فعل ہے۔ مفعول نہیں۔ ذرا غور تو کریں۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کو ان پر رحم آیا۔ کیونکہ وہ بکریوں کو روکے کھڑی تھیں۔ وہ لوگ پلا رہے تھے اور ان پر رحم نہ کھا رہے تھے۔ کیونکہ ان کی روکی ہوئی بکریاں ہوں گی اور پانی والے اونٹ۔ اسی طرح لا نسقی اور یصدر میں مقصود فعل ہے۔ پلانے والا نہیں اور ان کے جواب کی مطابقت کی وجہ موسیٰ علیہ السلام کا سوال تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے روکنے کا سبب دریافت کیا۔ تو دونوں نے عرض کیا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہم عورتیں ہیں۔ جو کہ کمزور اور ضعیف ہیں۔ مردوں سے مزاحمت کی طاقت نہیں۔ اور اختلاط سے حیاء مانع ہے۔ اس لئے ہمارے حق میں ان کی فراغت تک تاخیر کرنا ضروری ہو گیا۔

شعیب علیہ السلام کا عمل:

شعیب علیہ السلام کا اپنی بیٹیوں کے حق میں جانوروں کے چرانے اور پانی پلانے کا کام سپرد کرنا کوئی نقص جانتا ہے۔ دین اس کا انکار نہیں کرتا۔ البتہ مروت اور لوگوں کی عادات اس سلسلہ میں مختلف ہیں۔ عرب کے حالات اس میں اہل عجم سے مختلف ہیں۔ شہری لوگوں کا راستہ اس میں دیہاتیوں سے جدا جدا ہے۔ خصوصاً جبکہ ضرورت ہو جس کے بغیر چارہ کار نہ ہو۔ ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ (پھر وہ سایہ کی طرف لوٹ گئے)۔ کیکر کے درخت کا سایہ۔

مسئلہ: دنیا میں استراحت کا جواز اس سے نکلتا ہے۔ اگرچہ شدت پسند صوفیوں کا مذہب اس کے خلاف ہے۔ جب آزمائش طویل ہو جائے تو مولیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرنا نقص نہیں۔

فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ (کہا اے میرے رب جو کچھ آپ نعمت مجھے بھیج دیں میں اس کا) خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ۔ موٹی ہو یا چھوٹی۔ فَقِیْرٌ (محتاج ہوں)۔ فقیر لام سے متعدی بنایا گیا۔ کیونکہ یہ سائل و طالب کے معنی کو متضمن ہے۔

ایک قول یہ ہے:

انہوں نے سات روز سے کھانا چکھا تک نہیں تھا۔ آپ کی پشت سے پیٹ جا لگا تھا۔

ایک احتمال:

یہ ہے کہ یہ مراد لی جائے انی فقیر من الدنیا لاجل ما انزلت الیّ من خیر الدارین وھو النجاۃ میں دنیا کا محتاج ہوں اس لئے کہ آپ نے میری طرف دونوں جہان کی خیر یعنی نبوت اتاری ہے۔ کیونکہ فرعون کے پاس رہتے ہوئے دولت و وجاہت والے تھے۔ یہ بات آپ نے اللہ تعالیٰ کے دینی عمل پر خوش ہو کر شکریہ میں کہی۔ قول ابن عطاءؒ: عبودیت کی نظر سے ربوبیت کو دیکھا اس سے محتاجی کی زبان سے بات کی۔ اس لئے کہ اپنے اندرونی انوار پائے۔

۲۵: فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْیَآءٍ قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ (پھر ان میں سے ایک موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی جو شرماتی

ہوئی تھی)۔ یَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا (چلتی تھی اور کہنے لگی کہ میرے والد آپ کو بلاتے ہیں تا کہ آپ کو اس کا صلہ دیں جو آپ نے ہماری خاطر پانی پلایا ہے)۔ نَحْو: علی استحیاء یہ حال ہے تمشی کی ضمیر سے ای مستحیۃً۔

یہ آیت اس عورت کے کمال ایمان کی دلیل ہے اور عفت وحیا کی گواہی ہے۔ کیونکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو مہمانی کی دعوت دے رہی تھی آیا وہ یہ جانتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اس کو قبول کریں گے یا نہیں۔ پس وہ ان کے پاس حیاء کے ساتھ اپنے کرتے کی آستین کو ادڑھنی بنائے ہوئے حاضر ہوئی۔

نَحْو: ماسقیت میں ما مصدریہ ہے۔ ای جزاء سقیک۔ روایت میں ہے کہ جب وہ لوگوں سے پہلے اپنے والد کی طرف لوٹ کر گئیں اور ان کی بکریاں دودھ سے بھری تھیں۔ والد نے ان سے سوال کیا۔ آج تم جلد کیوں لوٹ آئیں۔ دونوں نے جواب دیا۔ ہم نے آج ایک نیک آدمی پایا جس نے ہم پر رحم کھا کر ہماری بکریوں کو پانی پلا دیا۔ والد نے ان میں سے ایک سے کہا تم جا کر اس آدمی کو بلا لاؤ۔ وہ آ گئیں۔ موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے چلے۔ ہوا نے کپڑے کو اس کے جسم سے چپکا دیا جس سے اس کے جسم کے کچھ حصہ کی کیفیت ظاہری ہوئی۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اسے کہا۔ تم میرے پیچھے چلو اور راستہ بتلاتی جاؤ۔ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ (جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس پہنچ گئے اور اپنے واقعہ کو بیان کیا)۔ اپنا واقعہ اور فرعون کے ساتھ گزرنے والے حالات۔ القصص مصدر ہے۔ مقصوص کو قصہ کہا۔ قَالَ (اس نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا)۔ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (تم ڈرو نہیں ظالم قوم سے تم نے نجات پالی ہے)۔ کیونکہ اس سرزمین میں فرعون کی حکومت نہیں۔

مسائل: نمبر ۱۔ اس میں دلیل ہے کہ خبر واحد پر عمل جائز ہے۔ اگرچہ خبر دینے والا غلام و عورت ہی کیوں نہ ہو۔ نمبر ۲۔ اس احتیاط اور پاکبازی کے ساتھ اجنبیہ کے ساتھ چلنا درست ہے۔ نمبر ۳۔ نیکی و احسان پر اجر و مزدوری لینے میں بعض نے ضرورت کے وقت جواز نقل کیا جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت ضرورت تھی۔ نمبر ۴۔ اس کے باوجود مروی ہے کہ جب اس عورت نے کہا۔ لیجزیک تو آپ نے ناپسند کیا۔ مگر اس کی بات کو قبول کر لیا تاکہ اس کا مقصود فوت نہ ہو۔ کیونکہ ایک عورت تھی۔ جب شعیب علیہ السلام نے کھانا رکھا تو آپ نے ہاتھ ہٹا لیا۔ شعیب علیہ السلام نے دریافت کیا۔ کیا تمہیں بھوک نہیں؟ آپ نے کہا کیوں نہیں! لیکن مجھے خطرہ ہے کہ یہ پانی پلانے کا بدلہ نہ بن جائے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے جواب دیا۔ ہم لوگ اپنے دین کو دنیا کے بدلے فروخت نہیں کرتے اور نہ ہی نیکی پر قیمت وصول کرتے ہیں۔ یہ کھانے کی خدمت تو ہماری ہر آنے والے مہمان کے ساتھ ہے۔

۲۶: قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ (ان میں سے ایک نے کہا اے ابا جی! اس کو اجیر بنا لیں)۔ جس کو بکریاں چرانے والا مزدور بنا لیں۔ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ (ان میں سے بہتر جس کو آپ مزدور رکھیں جو امانت دار اور طاقتور ہو)۔ شعیب علیہ السلام نے کہا تمہیں اس کی امانت و قوت کا کیسے علم ہوا۔ اس نے ڈول والا واقعہ ذکر کر دیا اور پیچھے چلنے کا حکم دینے والے واقعہ کا۔

نکتہ: استاجرت ماضی کے لفظ سے لائے۔ تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ اس کی امانت وقوت دونوں تحقیقی چیزیں ہیں۔ اور لڑکی کا مقولہ ان خیر من استاجرت القوی الامین۔ یہ جامع کلام ہے۔ اس میں اس نے بتلا دیا کہ جب اس ذمہ داری میں یہ دو خصلتیں جمع ہو جائیں۔ تو آپ کا دل خدشات سے خالی ہو جائے گا اور مقصود بھی حاصل ہو جائے گا۔

ایک قول:

القوی سے قوی فی الدین مراد ہے۔ الامین۔ امین مسائل میں۔ اس قول کے قائم مقام کلام نے اس قسم کی باتوں سے بے نیاز کر دیا۔ استاجرہ لقوتہ و امانتہ۔

قول ابن مسعود رضی اللہ عنہ:

لوگوں میں فراست والے تین آدمی گزرے ہیں۔ نمبر۱۔ شعیب علیہ السلام کی لڑکی جس نے یہ کہا۔ نمبر۲۔ یوسف علیہ السلام کا صاحب جس نے عسی ان ینفعنا (یوسف۔ ۲۱) کہا۔ نمبر۳۔ ابوبکر صدیق جنہوں نے عمر رضی اللہ عنہما کو خلیفہ بنایا۔

۲۷: قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ (شعیب علیہ السلام نے کہا میں چاہتا ہوں کہ میں ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تم سے کر دوں)۔ اُنکحک کا معنی شادی کرتا ہے۔ اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ان کے علاوہ بیٹیاں بھی تھیں۔ یہ ان کی طرف سے وعدہ ہے۔ یہ عقد نکاح نہیں تھا۔ اگر عقد ہوتا تو اس طرح کہتے ہیں۔ قد انکحتک عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِيْ (اس شرط پر کہ تو آٹھ سال میری ملازمت کرے)۔ تاجر یہ اجرتہ سے ماخوذ ہے جب کسی کے ہاں مزدوری کی جائے۔ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ (آٹھ سال)۔ یہ تاجر کا ظرف ہے۔ الحجۃ۔ سال کو کہتے ہیں اس کی جمع حجج ہے۔

مسئلہ: بکریاں چرانے پر شادی بالاتفاق جائز ہے۔ کیونکہ یہ شادی کو قائم کرنے والے معاملات کی قسم سے ہے۔ اس لئے اس پر اعتراض نہیں۔ بخلاف تزوج علی الخدمۃ کے۔ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا (اگر تم نے پورے دس سال کام کیا)۔ فَمِنْ عِنْدِكَ (تو یہ تیری جانب سے ہے)۔ یعنی یہ تیری مہربانی ہے۔ تم پر لازم نہیں یا اس کی تکمیل تیری طرف سے ہے۔ میں اس میں تم پر کوئی حتمی بات لازم نہیں کرتا۔ لیکن اگر تم کر دو تو یہ تمہاری طرف سے مہربانی اور تبرع شمار ہوگا۔ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ (اور میں تم پر مشقت ڈالنا نہیں چاہتا)۔ کہ دونوں مدتوں میں سے کامل تر مدت ضرور تم پوری کرو۔ اَشُقّ علیہ کی حقیقت یہ ہے شققت علیہ وشق علیہ الامر۔ جب وہ معاملہ گراں گزرے۔ تو تمہارا گمان دو حصوں میں بٹ جائے۔ کبھی تم کہو کہ میں اس کی طاقت رکھتا ہوں اور کبھی کہو میں اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (عنقریب تم مجھے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا نیکوں میں سے پاؤ گے)۔ جو حسن معاملہ سے پیش آتے ہیں۔

شرط وعدہ:

ان شاء اللہ کے ساتھ اپنے وعدے کو شرط کیا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق و معونت پر اعتماد اور بھروسہ ثابت ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو کوئی کام ہو سکتا ہے اور اگر نہ چاہے تو نہیں ہو سکتا۔

۲۸: قَالَ (موسیٰ علیہ السلام نے کہا) ۔ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ (یہ میرے اور تیرے درمیان ہے)۔ نحو: ذٰلک مبتدأ اور بینی و
بینک خبر ہے۔ مراد یہ ہے جو تم نے کہا اور مجھ سے معاہدہ کیا اور اس پر شرائط مقرر کیں۔ وہ ہمارے درمیان طے ہو گیا۔ ہم میں
سے کوئی اس سے نہ نکلے۔ نہ تو میں ان شرائط کی خلاف ورزی کروں اور نہ آپ اپنی مقرر کردہ شرائط سے پھریں پھر کہا۔ اَيَّمَا
الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ (دونوں میں سے جو مدت میں پوری کر دوں)۔ ان دونوں مدتوں میں سے۔ تم جو بھی پاؤ۔
نحو: قضیت کی وجہ سے ایّما منصوب ہے اور ما تاکید کے لئے زائد ہے۔ کیونکہ ای مبہم ہے۔ یہ ما شرط کا معنی دے رہا ہے
اور اس کا جواب فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ہے۔ یعنی اس پر اضافہ کرنے میں مجھ پر تعدی نہ کی جائے گی۔

قولِ مبرد رحمہ اللہ

موسیٰ نے معلوم کر لیا کہ تکمیل میں اگرچہ مجھ پر زیادتی نہ ہو گی۔ لیکن انہوں نے دونوں مدتوں کو جمع کر دیا تا کہ قلیل مدت وقت
میں طے شدہ بھی جانے۔ اور جس طرح دس سال کی کامل مدت پر اضافہ اجرت سے عدوان بنتا تھا اسی طرح اقل مدت میں اور قلت کا
مطالبہ تعدی تھی۔ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ (اور اللہ تعالیٰ اس پر جو ہم کہتے ہیں نگہبان ہیں)۔ وکیل وہ کل الیہ الامر جس کو
معاملہ سپرد کیا ہوا ہے۔ اور علیٰ سے یہاں اس کو متعدی لایا گیا ہے کیونکہ یہاں یہ شاہد اور نگران کے معنی میں آیا ہے۔
روایت میں ہے کہ شعیب علیہ السلام کے پاس انبیاء علیہم السلام کی ایک لاٹھی چلتی آرہی تھی انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو
رات کے وقت کہا اس کمرے میں داخل ہو کر ان لاٹھیوں میں سے ایک لے لو۔ آپ نے وہ لاٹھی لے لی جس کو لے کر آدم علیہ
السلام زمین پر تشریف لائے تھے۔ اور انبیاء علیہم السلام اس کے وارث چلے آرہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ شعیب علیہ السلام تک
پہنچی۔ موسیٰ علیہ السلام جو لاٹھی اٹھا کر لائے شعیب علیہ السلام نے اس کو چھوا تو باوجود نابینا ہونے کے وہ پہچان گئے۔ آپ نے
فرمایا اور کوئی لاؤ۔ اسی طرح سات مرتبہ ہوا۔ یہی لاٹھی سات مرتبہ ان کے ہاتھ میں آئی۔ پس شعیب علیہ السلام نے جان لیا کہ
اس کو عظیم الشان مرتبہ ملنے والا ہے۔ جب صبح ہوئی تو شعیب علیہ السلام نے کہا۔ جب تم چلتے چلتے چوراہے پر پہنچو تو دائیں جانب
کے راستہ کو مت جاؤ اگرچہ وہاں گھاس زیادہ ہے مگر وہاں سانپ ہے جس سے میں تمہارے اور بکریوں کے متعلق خطرہ محسوس کرتا
ہوں۔ آپ نے بکریوں کو لیا۔ مگر ان کو دائیں جانب سے نہ روک سکے۔ ان کے پیچھے چلتے گئے۔ یہاں تک اس جگہ عمدہ گھاس اور
کھیت تھے جن جیسے کہیں نظر نہ پڑتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام سو گئے۔ تو سانپ کی آواز سنائی دی۔ لاٹھی نے اس سانپ کا مقابلہ کر
کے اس کو ہلاک کر دیا۔ اور خون آلود موسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹ کر آگئی۔ جب موسیٰ علیہ السلام لکڑی کو خون سے آلودہ اور آواز کو
بند پایا تو راحت محسوس کی۔ جب شعیب علیہ السلام کی طرف لوٹے تو بکریوں کے پیٹ بھرے تھے اور ان کے پستانوں سے دودھ
اتر رہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس بات کی اطلاع دی وہ بڑے خوش ہوئے ان کو معلوم ہو گیا کہ موسیٰ علیہ السلام اور لاٹھی کا ایک
عجیب شان حاصل ہے۔ پھر فرمایا۔ میں نے اپنی بکریوں کے بچوں میں سے جو ابلق پیدا ہو وہ دے دیے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے
خواب میں اشارہ ہوا کہ اپنی لاٹھی کو بکریوں کے پانی پینے کی جگہ میں مارو۔ انہوں نے ایسا کر دیا۔ جس بکری نے وہ پانی پیا اس نے
ابلق بچہ جنا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی شرط کو پورا کر دیا۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ

پھر جب موسیٰ نے مدت پوری کر دی اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلے تو طور کی جانب سے آگ دکھائی دی۔ اپنے گھر والوں سے کہا

امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ

کہ تم ٹھہرو مجھے آگ نظر آئی ہے۔ امید ہے کہ میں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر لے آؤں یا آگ کا انگارہ لے آؤں تاکہ تم

تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ

تاپو۔ جب اس آگ کے پاس پہنچے تو اس میدان کی دائیں جانب سے ایک مبارک جگہ میں ایک

مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ

درخت میں سے آواز آئی کہ اے موسیٰ میں تو خدا ہوں رب العالمین۔ اور یہ کہ تم اپنی لاٹھی ڈال دو

فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ

جب دیکھا کہ وہ اس طرح حرکت کر رہی ہے گویا سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اے موسیٰ آگے آؤ اور ڈرو مت

اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ۝ اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ

بیشک تم امن پانے والوں میں ہو۔ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو تو بغیر کسی عیب کے سفید نکل آئے گا اور

سُوْٓءٍ ؗ وَّاضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى

خوف دور ہونے کی وجہ سے اپنے بازو کو اپنی طرف سکیڑ لو۔ یہ دو دلیلیں تمہارے پروردگار کی طرف سے ہیں فرعون

فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ

اور اس کے درباریوں کی طرف، کہ وہ نافرمان لوگ ہیں۔ موسیٰ نے کہا اے پروردگار ان میں کا ایک شخص میرے ہاتھ سے قتل ہو چکا ہے

نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ۝ وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ

سو مجھے خوف ہے کہ وہ مجھ کو مار نہ ڈالیں۔ اور ہارون جو میرا بھائی ہے اس کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے تو اس کو

مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْۤ ؗ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ۝ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ

میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج کہ میری تصدیق کرے مجھے خوف ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب کریں گے۔ فرمایا ہم تمہارے بھائی سے تمہارے بازو مضبوط کریں گے

بِاَخِیْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ۚۛ بِاٰیٰتِنَاۤ ۚۛ اَنْتُمَا

اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے تو ہماری نشانیوں کی وجہ سے وہ تم تک پہنچ نہ سکیں گے۔ تم اور

وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ۝

جنہوں نے تمہاری پیروی کی غالب رہو گے۔

۲۹۔ فَلَمَّا قَضٰی مُوْسَی الْاَجَلَ (جب موسیٰ علیہ السلام نے مدت کو پورا کیا)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ نے مدت کامل ترین پوری کی اور شادی ان دونوں میں سے چھوٹی سے کی۔ (یہ بیہقی کی روایت ہے) مگر یہ گزشتہ روایت کے خلاف ہے۔ وَسَارَ بِاَهْلِهٖ (آپ اپنے گھر والوں کو لے کر چلے) اہل سے مراد بیوی تو مصر کی طرف لے کر چلے۔

قول ابن عطاء رحمہ اللہ:

جب آپ نے مشقت کا زمانہ پورا کر لیا تو قرب کا زمانہ قریب آن لگا۔ انوار نبوت ظاہر ہونے لگے۔ اپنے گھر والوں کو لے کر مصر روانہ ہوئے تاکہ بیوی بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں میں شریک حال ہو۔ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ (طور کی جانب آگ کو دیکھ۔ آپ نے اپنے گھر والوں کو کہا تم ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے شاید وہاں سے کوئی خبر لاؤں)۔ راستہ کے متعلق کیونکہ آپ راستہ بھول گئے تھے۔ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ○ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ (یا آگ کی جلتی لکڑی تاکہ تم تاپ سکو۔ جب موسیٰ علیہ السلام آگ) مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ (پر پہنچے تو برکت والی وادی کے دائیں کنارے سے آواز دی گئی)۔ موسیٰ علیہ السلام کی نسبت دایاں۔ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ (مبارک جگہ میں)۔ اس مقام میں شرف کلام ملنے کے سبب۔ مِنَ الشَّجَرَةِ (درخت سے)۔ یہ درخت عناب یا عوسج کا تھا۔ اَنْ یّٰمُوْسٰی (کہ اے موسیٰ)۔ یٰمُوْسٰی: یہاں مفسرہ ہے یا مخففہ من المثقلہ ہے۔ اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (بلاشبہ میں ہی رب العالمین ہوں)۔

قول جعفر رحمہ اللہ:

انہوں نے آگ دیکھی جس نے ان کی انوار کی طرف راہنمائی کی اس لئے کہ انہوں نے نور کو آگ کی شکل میں دیکھا۔ جب وہ اس کے قریب پہنچے تو ان کو انوار قدسیہ نے گھیرے میں لے لیا۔ اور موانست کی چادر یہاں ان پر ڈال دی گئیں۔ انتہائی لطیف انداز سے ان کو خطاب کیا گیا۔ اور ان سے بہترین جواب دلایا گیا۔ پس اس طرح وہ اعلیٰ مرتبہ والے متکلم بن گئے۔ جو انہوں نے مانگا وہاں تھا۔ خوف سے ان کو مطمئن کر دیا۔

قراءت: الجذوة۔ تینوں لغات سے پڑھا گیا ہے۔ عاصم نے فتحہ اور حمزہ و خلف نے ضمہ اور دیگر قراء نے کسرہ پڑھا ہے۔ اس موٹی لکڑی کو کہتے ہیں جس کے سرے پر خواہ آگ ہو یا نہ ہو۔

پہلا مِن اور دوسرا ابتدائے غایت کے لئے ہے۔ یعنی درخت کی جانب وادی کے کنارے سے ان کو آواز آئی۔ مِنَ الشجرة۔ یہ من شاطئ الواد کا بدل الاشتمال ہے۔ کیونکہ درخت وادی کے کنارے پر اگا ہوا تھا۔

۳۱۔ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ (اور یہ کہ تم اپنی لاٹھی ڈال دو)۔ اور ان کو آواز دی گئی کہ اپنی لاٹھی ڈال دو انہوں نے ڈال دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو سانپ سے بدل دیا۔ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ (جب موسیٰ علیہ السلام نے حرکت کرتے دیکھا)۔ تھتز کا معنی حرکت کرنا۔

كَاَنَّهَا جَآنٌّ (گویا کہ وہ سانپ ہے)۔ دوڑنے میں چھوٹا سانپ اور جسامت میں بڑا سانپ۔ وَلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ (پشت پھیر کر بھاگے اور مڑ کر بھی نہ دیکھا)۔ لم یعقب کا معنی نہ لوٹے۔ پس ان کو پکارا گیا۔ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ (اے موسیٰ متوجہ ہوا اور ڈرو نہیں بیشک تم امن والوں میں سے ہو)۔ یعنی تم اس سے امن میں ہو کہ سانپ کی طرف سے تجھے کوئی ناپسندیدہ چیز پیش آئے۔

۳۲: اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ (تم اپنا ہاتھ داخل کرو اپنے قمیص کے گریبان میں وہ سفید ہو کر نکلے گا کہ سورج کی طرح اس کی شعاعیں ہوں گی)۔ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ (بغیر کسی بیماری کے)۔ سوء سے مراد برص۔ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ (اور خوف دور کرنے کے لئے تم اپنا بازو اپنی طرف ملا لینا)۔ قراءت: الرہب۔ حجازی و بصری قراء نے دونوں فتحوں کے ساتھ پڑھا اور حفص نے الرَّهْب پڑھا۔ دیگر قراء نے الرُّهْب پڑھا ہے۔ تمام کا معنی خوف ہے۔ مطلب یہ ہوا۔ تم اپنا ہاتھ اپنے سینے کے ساتھ لگاؤ اس سے تمہارا خوف جاتا رہے گا۔ جو خوف سانپ کی وجہ سے ہوا۔

قول ابن عباس رضی اللہ عنہما:

ہر ڈرنے والا جب اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لے تو اس کا خوف زائل ہو جاتا ہے۔

ایک قول:

ضم جناح کا معنی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے لاٹھی کو سانپ بنا دیا موسیٰ علیہ السلام گھبرائے اور اس کو ہاتھ سے دور کیا جیسا کہ کسی چیز سے خوف زدہ اس کو ہٹاتا ہے۔ انہیں کہا گیا۔ تمہارا ہاتھ سے اس کو دور کرنے میں دشمنوں کے ہاں کمزوری خیال کی جائے گی۔ پس تم جب لاٹھی کو ڈال چکو اور یہ سانپ بن جائے۔ تو اپنا ہاتھ اپنے بازو کے نیچے داخل کر لو بجائے اس کے کہ سانپ کو اس سے ہٹاؤ۔ پھر اس کو نکالو تو سفید ہو کر نکلے گا تا کہ تجھے اس سے بیک وقت دو چیزیں حاصل ہوں۔ نمبر ا۔ جو چیز تمہاری کمزوری شمار ہو سکتی ہے اس سے بچت رہے گی اور یہ بیضاء والا دوسرا معجزہ بھی ظاہر ہو جائے گا۔ الجناح سے مراد ید ہے۔ کیونکہ انسانی ہاتھ پرندے کے دو پروں کی طرح ہیں۔ جب دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں بازو کے نیچے داخل کر دیا تو گویا اس نے اپنا بازو اس سے ملا دیا۔

نمبر ۲۔ ضم جناحہ الیہ سے مراد مضبوطی اور عصا کے سانپ بننے کے وقت ضبطِ نفس ہے۔ تا کہ آپ مضطرب نہ ہوں اور نہ ڈریں۔ استعارۃً پرندے کے عمل سے تعبیر کیا۔ کیونکہ جب اسے خطرہ محسوس ہوتا ہے تو وہ اپنے پروں کو پھیلاتا اور ڈھیلا کرتا ہے ورنہ اس کے پر تو ہر وقت اس کے ساتھ ملے ہوتے ہیں اور وہ پابہ رکاب ہوتا ہے۔

مِنَ الرَّهْبِ کا مطلب خوف کی وجہ سے۔ یعنی جب تمہیں سانپ دیکھ کر خوف پہنچے تو اپنے بازو کو اپنے ساتھ ملا لو۔ ضم جناح کا جو حکم ان کو دیا گیا تھا اس کے لئے سبب دہشت رہب کو قرار دیا گیا۔ پس وَاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ کا معنی اور واسلک یدک

علی جمعلت کا معنی ایک ہو جائے گا۔ لیکن دو عبارتوں سے تعبیر اغراض کے مختلف ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے کی گئی ہے۔ کیونکہ ایک کی غرض ہاتھ کا سفید ہو کر نکلنا ہے اور دوسرے میں غرض خوف کو ختم کرنا اور ہلکا کرنا ہے۔ اور اضمم یدک الی جناحک کا معنی سورۂ طٰہٰ میں یہ ہے کہ اپنا دایاں ہاتھ بائیں کے نیچے داخل کرلو۔

قراءت: فَذٰنِكَ یہ فذالک کا تثنیہ ہے تخفیف سے پڑھا گیا۔ مکی ابوعمرو نے تشدید سے پڑھا۔ اس صورت میں ذلک کا تثنیہ ہے۔ ایک نون دونوں میں سے لام محذوف کے بدلہ میں ہے۔ اور اس سے مراد ید بیضاء اور عصا ہے۔ بُرْهَانٰنِ (یہ دو دلیلیں ہیں) یہ دو روشن دلیلیں ہیں حجت کو برہان روشن ہونے کی بناء پر کہا۔ جیسے کہتے ہیں۔ سفید عورت کو برھرھۃ۔ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ (تیرے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجو)۔ یہ دو نشانات دیکر اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ (بلاشبہ وہ فاسق قوم تھے)۔ فاسق سے کافر مراد ہے۔

۳۳: قَالَ رَبِّ اِنِّىْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ (کہا اے میرے رب! بیشک میں نے ان میں سے ایک جان کو قتل کیا۔) اَنْ يَّقْتُلُوْنِ (پس مجھے خطرہ ہے کہ وہ اس کی وجہ سے مجھے قتل کر دیں گے)۔ قراءت: یعقوب نے یاء سے پڑھا ہے۔

۳۴: وَاَخِىْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّىْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِىَ رِدْاً (اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح ہے اس کو میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج دیجئے)۔ قراءت: حفص نے مَعِیَ پڑھا ہے۔ ردءً مددگار/معاون کہا جاتا ہے ردأتہ ای اعنتہ: میں نے اس کی مدد کی۔ قراءت: بلا ہمزہ مدنی نے پڑھا ہے۔ يُّصَدِّقُنِیْۤ (جو میری تصدیق کرے گا)۔ قراءت: عاصم و حمزہ نے یصدقنی ردءًا کی صفت قرار دیا یا ای مصدقاً۔ رفع سے پڑھا۔ اور دیگر قراء نے جزم یصدقنی پڑھا اور ارسلہ کا جواب قرار دیا۔

تصدیق کا مفہوم:

جھگڑے اور مناظرے کے مقامات میں ثبوت دعویٰ میں مزید وضاحت کی اگر ضرورت پیش آئے تو وضاحت کرکے دعویٰ کو مبرہن کر دے۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی تقریر پر کہے صدقت۔ اس کی دلیل موسیٰ علیہ السلام کے ارشاد ھو افصح منی لسانا فارسلہ معی سے ہو رہی ہے۔ فصاحت کا زائد ہونا بیان حق اور وضاحت کے لئے کام دے گا۔ صدقت کہنے کے لئے نہیں۔ کیونکہ صدقت کہنے میں تو سحبان وائل خطیب عرب اور باقل جیسا عاجز الکلام دونوں برابر ہیں۔ اِنِّىْۤ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ (مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھٹلا دیں گے)۔

قراءت: یعقوب نے دونوں حالتوں میں یکذبون پڑھا ہے۔

۳۵: قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ (فرمایا: ہم عنقریب تیرا بازو تیرے بھائی کے ساتھ مضبوط کر دیں گے)۔ اس کے ذریعہ تمہیں قوت دیں گے کیونکہ ہاتھ بازو کی مضبوطی سے مضبوط ہوتا ہے۔ کیونکہ ہاتھ کی طاقت وہی ہے اور تمام میں قوت ہاتھ کی مضبوطی کے باوجود معاملات کے تجربے سے آتی ہے۔ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا (اور ہم تمہارے لئے غلبہ مقرر کر دیں گے) سلطان غلبہ تسلط اور دشمنوں کے دلوں میں رعب کو کہا جاتا ہے۔ فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا بِاٰيٰتِنَا (پس وہ تم تک پہنچ نہ سکیں گے)۔ بآیاتنا یہ

فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مُّوۡسٰی بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوۡا مَا هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّفۡتَرًى وَّمَا سَمِعۡنَا

پھر جب ان کے پاس موسیٰ ہماری واضح آیات کے ساتھ آئے تو انہوں نے کہا کہ یہ تو محض ایک جادو ہے جو افترا کیا گیا ہے اور ہم نے یہ بات

بِهٰذَا فِیۡۤ اٰبَآئِنَا الۡاَوَّلِیۡنَ ۞ وَقَالَ مُوۡسٰی رَبِّیۡۤ اَعۡلَمُ بِمَنۡ جَآءَ بِالۡهُدٰی مِنۡ

اپنے پہلے باپ دادوں میں نہیں سنی تھی۔ اور موسیٰ نے کہا کہ میرا رب اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کے پاس سے ہدایت

عِنۡدِهٖ وَمَنۡ تَكُوۡنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ ۞ وَقَالَ فِرۡعَوۡنُ

لے کر آیا اور اسے بھی خوب جانتا ہے جس کا اس آخرت میں اچھا انجام ہوگا۔ بلاشبہ بات یہ ہے کہ ظالم لوگ کامیاب نہیں ہوتے۔ اور فرعون نے کہا

يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَاُ مَا عَلِمۡتُ لَـكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرِىۡ ۚ فَاَوۡقِدۡ لِىۡ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيۡنِ

کہ اے میرے درباریو! میں تمہارے لیے اپنے علاوہ کوئی معبود نہیں جانتا۔ سو اے ہامان تو میرے لیے مٹی پر آگ جلا دے

فَاجۡعَلۡ لِّىۡ صَرۡحًا لَّعَلِّىۡۤ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوۡسٰى ۙ وَاِنِّىۡ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ ۞

پھر میرے لیے ایک محل بنا دے تاکہ میں موسیٰ کے معبود کو دیکھوں۔ اور بلاشبہ میں اسے جھوٹوں میں سے گمان کرتا ہوں

یصلون کے متعلق ہے۔ ای لا یصلون الیکما بسبب آیاتنا۔ نمبر۲۔ وہ ہماری آیات ومعجزات کے سبب تم تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ یہ بات پوری ہوئی۔ نمبر۲۔ نجعل کے متعلق کریں ای نسلطکما بایاتنا ہم اپنی آیات سے تمہیں مسلط کریں گے۔

نمبر۳۔ محذوف کے متعلق ہے۔ ای اذھبا بایاتنا تم دونوں ہماری آیات کے ساتھ جاؤ۔

نمبر۴۔ اس کو الغالبون کا بیان بنایا جائے نہ کہ صلہ۔

نمبر۵۔ باء کو قسم کے لئے قرار دیں لا یصلون جواب قسم مقدم ہے۔ ہمیں اپنی آیات کی قسم ہے یہ تم تک نہ پہنچ سکیں گے۔

اَنۡتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الۡغٰلِبُوۡنَ (تم دونوں اور جو تمہارے پیروکار ہیں غلبہ پانے والے ہوں گے)۔

۳۶: فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مُّوۡسٰی بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوۡا (جب موسیٰ ان کے پاس ہماری واضح آیات لے کر آئے تو وہ کہنے لگے) یہ تو مَا هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّفۡتَرًى (محض گھڑت جادو ہے) اور بات کا معنی واضح۔ سحر مفتری کا مطلب یہ کہ وہ گھڑ لیتے تو خود کرتا ہے۔ پھر اس کو جھوٹ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔ نمبر۲۔ وہ ایسا جادو ہے جو تمام انواع سحر کی طرح افتراء کے ساتھ موصوف ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا معجزہ نہیں ہے۔ وَمَا سَمِعۡنَا بِهٰذَا فِیۡۤ اٰبَآئِنَا الۡاَوَّلِیۡنَ (اور ہم نے یہ اپنے پہلے آباؤ اجداد میں سنا تک نہیں)۔

نحو: فی آبائنا یہ حال ہے اور ھذا کی وجہ سے منصوب ہے۔ ای کائنا فی زمانھم۔ مطلب یہ ہے ہمیں تو نہیں بتلایا گیا کہ

بیان کے زمانہ میں پایا جاتا ہو۔

۳۷: وَقَالَ مُوسٰى رَبِّىٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ میرا رب اس کو خوب جانتا ہے۔ جو اس کی طرف سے ہدایت لے کر آیا اور کس کے لئے آخرت کا انجام ہے بیشک وہ کافروں کو کامیابی نہیں دیتا)۔ مطلب یہ ہے کہ میرا رب تم سے بڑھ کر واقف ہے۔ کہ کس کو اس نے عظیم فلاح کا اہل بنا کر نبوت سے سرفراز فرمایا اور ہدایت سے نوازا ہے اور اس نے حسن عاقبت کا وعدہ کر لیا۔ یعنی میں موسیٰ اگر بقول تمہارے میں ساحر و مفتری ہوتا تو وہ مجھے نبوت کے اہل قرار نہ دیتے کیونکہ وہ بے نیاز اور حکمت والے ہیں جھوٹوں کو نبوت نہیں دیتے اور نہ ہی ساحرین نبوت کے لائق ہیں۔ بلکہ یہ تو ظالم ہیں اور ظالم اس کے ہاں کامیابی کا اہل ہی نہیں۔

عاقبۃ الدار کا مطلب حسن انجام ہے جیسا اس ارشاد میں فرمایا۔ اولئک لہم عقبی الدار جنات عدن۔ [الرعد۔۲۲۔۲۳]

دار سے مراد دنیا ہے اور اس کے انجام کا مطلب یہ ہے کہ خاتمہ رحمت و رضوان سے ہو اور فرشتے مغفرت و بشارت سے ملیں۔ وقال موسٰی۔ مکی نے بغیر واؤ پڑھا۔ یہ زیادہ بہتر ہے۔ نمبر۱۔ کیونکہ موقعہ سوال و بحث ہے۔ جب ان لوگوں نے بڑی آیات کو سحر قرار دے کر ٹھکرا دیا تو موسیٰ علیہ السلام نے جواب یہ فرمایا۔ اس لئے واؤ کی حاجت نہیں۔

نمبر۲۔ ان لوگوں نے یہ بات کہی کہ سحر مفتری ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ دیکھنے والا دونوں باتوں میں فرق کر سکتا ہے اور ایک کی خرابی جانچ لے گا اور دوسرے کی درستی۔

قراءت: ربی اعلم حجازی اور ابوعمرو نے پڑھا ہے اور حمزہ و علی نے ومن یکون پڑھا ہے۔

۳۸: وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِىْ (فرعون نے کہا اے سردارو! مجھے اپنے سوا تمہارا کوئی معبود معلوم نہیں)۔ نمبر۱۔ فرعون کا مقصد اپنے علاوہ کسی اور معبود کے متعلق علم کی نفی سے اس کے وجود کی نفی تھی۔ نمبر۲۔ یہ اپنے ظاہر پر ہے۔ کہ میرے علم میں اپنے سوا معبود نہ معلوم ہے۔ فَاَوْقِدْ لِىْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ (اے ہامان تم میرے لئے مٹی پر آگ جلاؤ) پکی اینٹیں تیار کراؤ۔ اس نے یہاں یہ نہیں کہا کہ پہلے اس سے کسی نے اینٹ بنائی نہ تھی۔ درحقیقت وہ اس کو اس تعبیر سے صنعت سکھا رہا تھا اور یہ جباروں کی گفتگو کے مناسب و مشابہ ہے۔ کیونکہ ہامان کو وہاں مجلس میں نام لے کر یا ہامان کہہ کر آواز دی اور اینٹیں پکانے کا کہنا یہ تکبر و بد معاملی کی علامت ہے۔ فَاجْعَلْ لِّىْ صَرْحًا (تم میرے لئے ایک محل بناؤ)۔ صرح بلند محل کو کہتے ہیں۔ لَّعَلِّىْٓ اَطَّلِعُ (تاکہ میں جھانکوں)۔ اطلع یہ چڑھنے کے معنی میں ہے الطلوع والاطلاع۔ دونوں کا معنی چڑھنا ہے۔ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى (موسیٰ کے معبود کو)۔ اس نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ کسی مکان میں ہے جیسا کہ وہ مکان میں ہے۔ وَاِنِّىْ لَاَظُنُّهٗ (اور بیشک میں اس کو گمان کرتا ہوں)۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کو۔ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ (جھوٹوں میں سے)۔ اپنے دعویٰ میں کہ اس کا ایک معبود ہے اور اس نے اسے رسول بنا کر بھیجا۔ اس قول نے ایک دوسری کے الٹ بات کی۔ ایک طرف کہا ماعلمت لکم من الٰہ

۴۰: فَاَخَذْنٰهُ وَ جُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ (ہم نے اسے اور اس کے لشکر کو پکڑ کر سمندر میں پھینک دیا)۔ یہ جلال والی کلام ہے۔ جو اس کی عظمت شان کو ظاہر کرتی ہے۔ ان کی تعداد کو قلیل ٹھہرا کے تشبیہ دی اگرچہ وہ جم غفیر تھا ان کنکریوں سے جن کو کسی کی مٹھی میں پکڑ کر سمندر میں پھینک دیا جائے۔ فَانْظُرْ (پس دیکھیں) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ (ظالموں کا انجام کیسے ہوا)۔ اور آپ اپنی قوم کو ڈرائیں بلاشبہ آپ کو ان کے مقابلہ میں غلبہ دیا جائے گا۔

۴۱: وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ (اور ہم نے ان کو گمراہوں کا پیشوا بنایا جو آگ کی طرف دعوت دینے والے تھے)۔ الی النار سے اہل دوزخ والے کام۔

قول ابن عطاءؒ:

ان کے دل سے توفیق اور انوار تحقیق چھین لئے۔ وہ اپنے نفوس کے اندھیروں میں پڑے سیدھے راستے کی طرف راہ پانے والے نہیں ہیں۔ اس میں دلالت ہے کہ افعال عباد کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ (اور قیامت کے دن ان کی امداد نہ کی جائے گی) عذاب سے بچنے کیلئے۔

۴۲: وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً (اور ان کے پیچھے اس دنیا میں لعنت لگادی) رحمت سے دوری اور بعد میں ہم نے لازم کر دیا۔

ایک قول یہ ہے:

ان کے بعد جو لوگوں کی لعنت ان کو پہنچتی ہے۔ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ (قیامت کے دن وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے)۔ رحمت سے دور ہانکے ہوئے۔ نمبر۲۔ ہلاک کیے ہوئے۔ نمبر۳۔ چہروں کی سیاہی اور آنکھوں کی نیل گونی سے بدصورت۔ نحو: یوم یہ مقبوحین کا ظرف ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى

اور اس کے بعد کہ ہم نے اگلی امتوں کو ہلاک کر دیا تھا ہم نے موسیٰ کو کتاب دی

بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۞ وَمَا كُنْتَ

جو لوگوں کے لئے بصیرتوں کا ذریعہ تھی اور سراپا ہدایت اور رحمت تھی تاکہ وہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ اور آپ مغربی

بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۞ وَلٰكِنَّاۤ

جانب میں نہیں تھے جبکہ ہم نے موسیٰ کو احکام دیئے اور آپ مشاہدہ کرنے والے نہ تھے اور لیکن ہم نے

اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْۤ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا

بہت سی جماعتوں کو پیدا کیا پھر ان پر دراز زمانہ گزر گیا۔ اور آپ اہل مدین میں مقیم نہ تھے کہ آپ ان پر ہماری

عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۞ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا

آیتیں تلاوت کرتے ہوں اور لیکن ہم ہی رسول بنانے والے تھے۔ اور آپ طور کی جانب نہ تھے جب ہم نے آواز دی

وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۞

اور لیکن آپ کے رب کی طرف سے آپ پر رحمت ہوئی تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں

۴۳: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى (اور ہم نے موسیٰ کو تورات دی اس کے بعد کہ ہم نے پہلے زمانہ والوں کو ہلاک کیا) پہلے زمانہ والوں سے قوم نوح، ہود، صالح، لوط علیہم السلام مراد ہیں۔

بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ (لوگوں کے لئے بصیرتیں بنا کر)۔ یہ کتاب سے حال ہے۔ بصیرۃ دل کا وہ نور جس سے ہدایت و سعادت نظر آتی ہے۔ جیسا کہ بصر آنکھ کی اس روشنی کو کہتے ہیں جس سے نظر آتا ہے۔

مراد یہ ہے کہ ہم نے دلوں کو روشن کرنے کے لئے تورات دی۔ کیونکہ وہ تو اندھی تھیں بصیرت نہیں رکھتی تھیں کہ اس سے حق و باطل کو پہچانتی ہوں۔ وَهُدًى (اور رہنمائی)۔ کیونکہ وہ گمراہی میں ٹامک ٹوئیاں مارنے والے تھے۔ وَّرَحْمَةً (اور رحمت)۔ ان کے لئے جو اس کی اتباع کرے۔ کیونکہ جب وہ اس پر عمل کریں گے تو رحمت پانے کے حقدار ہو جائیں گے۔ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (تاکہ وہ اس سے نصیحت حاصل کریں)۔

۴۴: وَمَا كُنْتَ (اور نہیں تھے آپ) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ (پہاڑ کی مغربی جانب)۔ اس سے مراد وہ جگہ ہے جو مغربی جانب واقع تھی اور وہ وہی جگہ ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ وقت مقرر کیا گیا۔ اِذْ قَضَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ

(جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو احکام دیئے) یعنی اس سے کلام کیا جیسا کہ دوسری آیت میں ہے وطور سیناء لغتا۔ [سورہ مریم آیت نمبر ۵۲]

وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ (اور نہ آپ ان لوگوں میں تھے جو موجود تھے) وحی کے لئے تاکہ آپ بطور مشاہدہ کے موسیٰ علیہ السلام کے پاس ہوتے لیکن جو اس موقع پر پیش آیا یا مشاہدہ کرنے والوں میں سے ہوتے۔

۴۵: وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا (لیکن ہم نے پیدا کیا)۔ موسیٰ علیہ السلام کے بعد۔ قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ (بہت ساری نسلیں پھر ان پر زمانہ دراز گزرا) یعنی ان کی عمریں لمبی ہوئیں اور نبوت کا انقطاع رہا اور خبریں قریب تھا کہ بالکل چھپ جائیں علوم مٹ گئے اور ان میں بہت ساری تحریفات ہوئیں ہم نے ان خبروں کی تجدید کے لئے انبیاء بھیجے اور جو تحریفات واقع ہو چکی تھیں ان کی وضاحت کی۔ انبیاء کے حالات کا علم ہم نے دیا۔ اور قصہ موسیٰ علیہ السلام گویا کہ اس طرح فرمایا گیا۔ نہ آپ موسیٰ علیہ السلام کا مشاہدہ کرنے والے تھے اور نہ ہی ان واقعات کا جو ان پر گزرے۔ لیکن ہم نے آپ کی طرف وحی کی اور یہ سارے واقعات بتلائے اس آیت میں وحی کو سبب انقطاع کے زمانے کی طوالت قرار دیا گیا۔ اور اس سے سبب پر اختصار کے ساتھ خود روشنی پڑ گئی۔ بس یہ لکنا کا استدراک جو دوسرے دونوں استدراکوں کی طرح ہے۔ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ (اور آپ اہل مدین میں مقیم نہیں تھے)۔ اہل مدین سے شعیب علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے مراد ہیں۔ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا (کہ ہماری آیات ان کو پڑھ پڑھ کے سنا رہے ہوں)۔ یعنی آپ وہاں کے حالات جان کر ان آیات کو پڑھ رہے ہوں۔ ان آیات سے مراد وہ ہیں جن میں شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ مذکور ہے۔ تَتْلُوْا: یہ موضع نصب میں کنت کی خبر ثانی ہے یا ثاویا کی ضمیر سے حال ہے۔ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ (بلکہ ہم ہی بھیجنے والے ہیں)۔ یعنی ہم نے آپ کو بھیجا اور آپ کو ان واقعات کی اطلاع دی اور آپ کو ان کا علم دیا۔

۴۶: وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا (اور آپ طور کی جانب موجود نہ تھے جب کہ ہم نے موسیٰ کو پکارا)۔ کہ اس کتاب کو مضبوطی سے تھام لو۔ وَلٰكِنْ (لیکن)۔ ہم نے آپ کو علم دیا اور آپ کو رسول بنایا۔ رَّحْمَةً (رحمت کی وجہ سے) مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ (تیرے رب کی طرف سے تاکہ تم اس قوم کو ڈراؤ جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا)۔ اس فترت کے زمانہ میں جو آپ اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان گزرا۔ اور اس کی مقدار پانچ سو پچاس سال ہے۔ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (تاکہ وہ نصیحت کو قبول کریں)۔

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا

اور ہم رسول نہ بھیجتے اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان کے اعمال کی وجہ سے ان پر مصیبت آجاتی تو یہ کہنے لگتے

رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٧﴾ فَلَمَّا

کہ اے ہمارے رب آپ نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا تاکہ ہم آپ کی آیتوں کا اتباع کرتے اور ایمان لانے والوں میں سے ہو جاتے۔ سو جب

جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ

ہماری طرف سے ان کے پاس حق آگیا تو کہنے لگے کہ ان کو ایسی کتاب کیوں نہ ملی جیسی موسیٰ کو ملی تھی۔ کیا ان سے پہلے لوگوں نے

يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۫ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ

اس چیز کے ساتھ کفر نہیں کیا جو موسیٰ کو دی گئی تھی کہنے لگے یہ دونوں جادو ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کرنے والے ہیں اور کہنے لگے کہ ہم دونوں سے

كٰفِرُوْنَ ﴿٤٨﴾ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ

کسی کو نہیں مانتے۔ آپ فرما دیجئے کوئی کتاب لے آؤ جو اللہ کی طرف سے ہو جو ہدایت کرنے میں ان دونوں سے بہتر ہو اگر تم

صٰدِقِيْنَ ﴿٤٩﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ

سچے ہو۔ سو اگر آپ کی بات قبول نہ کریں تو آپ جان لیجئے کہ یہ اپنی خواہشوں کا اتباع کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر کون

مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٠﴾ ع

گمراہ ہوگا جو اللہ کی طرف سے ملنے والی ہدایت کے بغیر اپنی نفسانی خواہشوں کا اتباع کرتا ہو۔ بلاشبہ اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

۴۷: وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ (اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان پر کوئی عذاب آ پڑے گا)۔ یہاں مصیبت سے عذاب اور سزا مراد ہے اور بما قدمت ایدیھم سے کفر و ظلم۔

نکتہ: اکثر اعمال میں ہاتھ چلتے ہیں۔ اس لئے اعمال کی نسبت ہاتھوں کی طرف کردی اگرچہ کچھ اعمال کا تعلق دل سے بھی ہے گویا اکثر کو اقل پر غلبہ دے کر ہاتھوں کا ذکر کر دیا۔ فَيَقُوْلُوْا (پس وہ کہیں گے) عذاب کے وقت۔ رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (اے رب ہمارے تو نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر کیوں نہیں بھیجا تاکہ ہم تیری آیات کی اتباع کرتے اور مومنوں میں سے ہو جاتے)۔ نحو: پہلا لولا امتناعیہ ہے اور اس کا جواب محذوف ہے اور دوسرا لولا تحضیض کے لئے ہے اور پہلی فاء عاطفہ ہے اور دوسری لولا کے جواب میں آئی ہے۔ کیونکہ وہ امر کے حکم میں ہے۔ کیونکہ امر کی حقیقت [illegible]

آمادہ کرتا ہے اور تخصیص بھی یہی ہے اور فاء جواب امر ہی میں آتی ہے اب مطلب یہ ہوگا اگر وہ یہ کہنے والے نہ ہوتے جبکہ ان کو عذاب دیا جاتا ان کی بداعمالیوں یعنی شرک و معاصی کی وجہ سے هلا ارسلت الینا رسولا۔ آپ نے کیوں نہ ہماری طرف رسول بھیجا تا کہ وہ اس بات سے ہمارے خلاف حجت پیش کرتے۔ اسی لئے ہم نے ان کی طرف رسول بھیجا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ رسول کا مقصد یہ ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا لئلا یکون للناس علی اللہ حجة بعد الرسل [النساء: ۱۶۵]

سوال: یہ معنی کس طرح درست ہے جبکہ ارسال رسل کے لئے سبب عذاب کو قرار دیا گیا ہے نہ کہ قول کو کیونکہ لولا امتناعیہ اسی پر داخل ہے قول پر نہیں؟

جواب: قول ہی تو اصل میں مقصود ہے کہ وہ ارسال رسل کا سبب بن سکے۔ لیکن سزا جب قول کی وجہ سے ہوئی تو گویا قول کا وجود خود سزا کے وجود سے ثابت ہو گیا۔ اسی لئے سزا کو گویا سبب ارسال کے طور پر ذکر کر کے اس پر لولا کو داخل کر دیا گیا۔ اور قول کو اس پر عطف کر کے فاء سببیہ اس پر داخل کر دیا۔ قول کے ساتھ اس کا معنی اس طرح بنے گا۔ ولولا قولهم هذا اذا اصابتهم مصيبة لما ارسلنا۔ (یعنی مصیبت پہنچنے کے وقت اگر ان کا یہ کہنا نہ ہوتا تو ہم رسول نہ بھیجتے)۔

۴۸: فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا (جب وہ ان کے پاس ہماری طرف سے حق لے کر آ گیا)۔ حق سے مراد قرآن یا رسول جس کی تصدیق کتاب معجزے کی گئی ہے۔ قَالُوْا (وہ کہنے لگے)۔ یعنی کفار کہ لَوْلَآ اُوْتِیَ مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی (ان کو کیوں نہ دی گئی اسی کی مانند جو موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی)۔ یعنی ایک ہی دفعہ اترنے والی کتاب۔ اَوَلَمْ یَکْفُرُوْا (کیا انہوں نے انکار نہیں کیا)۔ یعنی ان کے ابناء جنس جن کے مذہب سے اتفاق مذہب ہے اور جن کے عناد سے ان کا عناد ہے اور مراد وہ کافر ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھے۔ بِمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ (جو موسیٰ علیہ السلام کو اس سے پہلے دیا گیا تھا)۔ یعنی اس قرآن سے پہلے۔ قَالُوْا (انہوں نے کہا) موسیٰ اور ہارون کے بارے میں۔ سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا (یہ دو جادوگر ہیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں)۔

قراءت: سحران۔ یہ کوفی قراء کی قراءت ہے یعنی جادو والے۔ یا ان دونوں کو جادو کے ساتھ مبالغۃً موصوف قرار دیا گیا۔ ابن عامر، ابن کثیر اور نافع نے ساحران پڑھا ہے۔

وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ (اور وہ کہنے لگے ہم تو ان میں سے ہر ایک کے منکر ہیں)۔

ایک قول یہ ہے:

اہل مکہ نے جس طرح قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا۔ انہوں نے موسیٰ اور تورات کا بھی انکار کیا ہے کہتے ہیں موسیٰ اور محمد یہ دو جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کے موافق ہیں۔ نمبر۲۔ تورات و قرآن یہ دو جادو ہیں جو ایک دوسرے کی تائید کر رہے ہیں۔ یہ اس موقعہ کی بات ہے۔ جب کفار مکہ نے ایک وفد یہود کے ہاں روانہ کیا تا کہ ان سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کریں۔ یہود نے ان کو اطلاع دی کہ یہ بات ان کی کتاب میں موجود ہے۔ وہ وفد قریش کے پاس یہود کی بات لے کر واپس ہوا تو قریش مکہ نے اس پر یہ گلفشانی کی کہ یہ دونوں جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کے مددگار و معاون ہیں۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

اور ہم نے اس کلام کو ان لوگوں کے لئے مسلسل بھیجا تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ جن لوگوں کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی

مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ

ہے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جب ان کے سامنے اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے بلاشبہ یہ حق ہے ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے

اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا

بیشک ہم پہلے ہی سے فرمانبردار تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو صبر کرنے کی وجہ سے دہرا ثواب دیا جائے گا

وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ

اور یہ لوگ بھلائی کے ذریعہ برائی کو دفع کرتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جب لغو بات سنتے ہیں

اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي

تو اس سے اعراض کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال۔ ہم تم کو سلام کرتے ہیں ہم جاہلوں سے

الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾

بات کرنا نہیں چاہتے۔

۴۹: قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ (کہہ دیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی کتاب پیش کردو جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت والی ہو)۔ جو موسیٰ علیہ السلام پر اتری اور جو مجھ پر نازل ہوئی۔ اَتَّبِعْهُ (تاکہ میں اس پر چلوں)۔ نحو: یہ فاْتوا کا جواب ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (اگر تم سچے ہو) کہ وہ دونوں جادو ہیں۔

۵۰: فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ (پھر اگر وہ آپ کی بات کو پورا نہ کرسکیں تو سمجھ لیں کہ یہ لوگ محض اپنی نفسانی خواہشات کے پیرو ہیں)۔ پھر اگر وہ زیادہ ہدایت والی کتاب لانے کے مطالبہ کو پورا نہ کرسکیں تو تم سمجھ لو کہ ان پر الزام پورا ہوگیا اور ان کے پاس کوئی دلیل سوائے اتباع خواہشات کے باقی نہیں۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ (اور ایسے شخص سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اپنی نفسانی خواہشات پر چلنے والا ہو بغیر اس کے کہ کوئی دلیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پاس ہو)۔ یعنی اس سے بڑا کوئی گمراہ نہیں جس نے دین کے سلسلہ میں اپنی خواہشات کی اتباع کی۔ نحو: بغیر ھدی یہ حال ہے۔ یعنی وہ مطیع ہونے کر خواہشات کا پیرو۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (بیشک اللہ تعالیٰ ظالم قوم کی راہنمائی کرنے والے نہیں)۔

آیت ۵۱: وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (تحقیق ہم نے کلام کو مسلسل ان پر اتارا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں)۔ التوصیل۔ (بہت زیادہ ملانا اور بار بار ملانا)۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید پے در پے اور مسلسل اترا ہے۔ اس میں وعدہ وعید، قصص، عبر اور مواعظ موجود ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کر کے کامیاب ہوں۔

۵۲: اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ (وہ لوگ جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی)۔ ہٖ کی ضمیر قرآن مجید کی طرف راجع ہے۔ هُمْ بِهٖ (وہ اس قرآن پر) يُؤْمِنُوْنَ (ایمان لانے والے ہیں)۔ جملہ هم به۔ الذین کی خبر ہے۔ یہ آیت اہل کتاب میں سے جو لوگ ایمان لائے ان کے متعلق اتری۔

۵۳: وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ (اور جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے)۔ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ (وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے بیشک وہ ہمارے رب کی طرف سے برحق ہے ہم تو اس سے پہلے ہی فرمانبرداری کرنے والے ہیں)۔ قبله یعنی قرآن مجید کے نزول سے پہلے۔ مسلمین کا مطلب دین اسلام پر تھے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یقین رکھتے تھے۔ انه۔ یہ ایمان کی علت ہے۔ کیونکہ اس کا حق ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور قرآن اس لائق ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے۔ انا کنا۔ یہ امنا کا بیان ہے۔ کیونکہ قریبی زمانے یا دور زمانے کا ایمان ہر دو کا احتمال ہے۔ پس انہوں نے خبر دی کہ ان کا ایمان قدیم دور پرانا ہے۔

۵۴: اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا (ان لوگوں کو ان کا اجر دو مرتبہ دیا جائے گا اس سبب سے کہ انہوں نے صبر کیا)۔ اس سبب کہ وہ ایمان بالتورات اور ایمان بالقرآن پر جمے رہے۔ نمبر ۲۔ قرآن کے نزول سے پہلے وہ قرآن پر جو ایمان لائے تھے اس کے نزول کے بعد وہ اس پر جمے رہے۔ نمبر ۳۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے مشرکین و یہود کی ایذاؤں پر صبر کیا۔ وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ (اور وہ بھلائی سے برائی کو دفع کرتے ہیں)۔ طاعت کے ذریعہ معصیت کو دور کرتے ہیں۔ نمبر ۲۔ حلم و حوصلے کے ذریعہ ایذا برداشت کرتے ہیں۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (اور جو روزی ہم نے دی اس میں سے خرچ کرتے ہیں)۔ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

۵۵: وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ (اور جب وہ لغو بات سنتے ہیں)۔ لغو: باطل مشرکین کی طرف سے کلام گلوچ۔ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا (تو وہ اس سے اعراض کرتے اور کہتے ہیں)۔ ان لوگوں کو جو لغو گو ہیں۔ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ (ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے تم کو سلام ہو)۔ ہماری طرف سے تم مطمئن رہو کہ ہم تمہاری لغویات کا مقابلہ اسی طرح کی لغویت سے نہیں کرتے۔ لَا نَبْتَغِى الْجٰهِلِيْنَ (اور ہم جاہلوں کو نہیں چاہتے)۔ یعنی جاہلوں سے میل جول اور ان کی صحبت نہیں چاہتے۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾

بلاشبہ آپ جس کو چاہیں ہدایت پر نہیں لا سکتے اور لیکن اللہ جس کو چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔

۵۶: إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ (بیشک آپ ہدایت نہیں دے سکتے) جس کو آپ پسند کریں۔ آپ اس بات کی قدرت نہیں رکھتے کہ جس کو اپنی قوم اور دیگر لوگوں میں سے چاہیں اسلام میں داخل کر دیں۔ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ (لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے)۔ جس میں چاہے ہدایت دینے کا فعل پیدا کر دے۔ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ (وہ ہدایت والوں کو خوب جانتے ہیں)۔ جو ہدایت کو پسند کرے اور اس کو قبول کرے اور دلائل و آیات سے نصیحت حاصل کرے۔

زجاج رحمۃ اللہ علیہ:

نے فرمایا کہ مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ ابوطالب کے متعلق اتری اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اس نے اپنی موت کے وقت کہا۔ یا معشر بنی هاشم۔ صدقوا محمداً تفلحوا۔ اے بنی ہاشم تم محمد کی تصدیق کرو تو کامیاب ہو جاؤ گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یا عم! تامرهم بالنصيحة لانفسهم وتدعها لنفسك! اے چچا! تم ان کو نصیحت کرتے ہو اور اپنے آپ کو چھوڑتے ہو تو جواب ابوطالب نے کہا: اے بھتیجے تو کیا چاہتا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ میں چاہتا ہوں کہ تو لا الٰہ الا اللہ کہہ دے۔ تا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تیرے متعلق گواہی دے سکوں۔ اس نے کہا اے بھتیجے۔ میں جانتا ہوں کہ تو سچا ہے لیکن میں ناپسند کرتا ہوں کہ یہ کہا جائے۔ کہ موت کے وقت اس نے بزدلی اختیار کی۔

رد معتزلہ:

یہ آیت معتزلہ کے اس قول کی تردید کرتی ہے کہ ہدایت صرف بیان کو کہتے ہیں۔ حالانکہ آپ نے بہت سے لوگوں کی راہنمائی فرمائی مگر وہ اپنے غلط انتخاب کی وجہ سے ایمان نہ لائے۔ پس اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ بیان کے بعد وہ چیز ہے جس کو ہدایت کہتے ہیں اور وہ ہدایت کا پیدا کرنا اور اس کے لئے توفیق و قدرت کا عطا کرنا ہے اور آیت میں اسی کی نفی ہے۔

حرمت بیت اللہ کے ساتھ حرمت اسلام کو جمع کر لیں۔ اس کی نسبت اہل حرم کی طرف حقیقی ہے اور حرم کی طرف مجازی۔

یُجْبٰٓی اِلَیْهِ (کھنچے چلے آتے ہیں)۔ قراءت: مدنی، یعقوب، سہل نے تجبی پڑھا ہے۔ جمع کیے اور لائے جاتے ہیں۔

ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ (ہر قسم کے پھل)۔ کل سے مراد کثرت ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں و اوتیت من کل شیء۔ [النمل۔۲۳]

رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا (ہماری طرف سے بطور رزق)۔ رزقاً یہ مصدر ہے۔ کیونکہ یجبی الیہ کا معنی یرزق ہے۔ نمبر۲۔ یہ مفعول لہ ہے۔ نمبر۳۔ حال ہے ثمرات سے جبکہ اس کو معنی مرزوق کے لیا جائے۔ تا کہ اس کو اضافت سے خاص کیا جائے۔ جیسا کہ نکرہ مخصص بالصفۃ کو منصوب کیا جاتا ہے۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (لیکن ان کی اکثریت نہیں جانتی)۔ یہ من لدنا کے متعلق ہے۔ یعنی ان میں سے بہت کم تعداد ایسی ہے جو کہ اس بات کا اقرار کرتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے رزق ہے۔ ان کی اکثریت جاہلوں کی ہے۔ جو اس کو جانتے ہی نہیں۔ اگر ان کو علم ہو جاتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو خوف و امن کو بھی اسی کی طرف سے سمجھتے اور ایمان لانے پر اچک لیے جانے کا خطرہ ظاہر نہ کرتے۔

۵۸: وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍ بَطِرَتْ مَعِیْشَتَهَا (بہت سی ایسی بستیاں ہم نے ہلاک کر دیں جو اپنے اسباب معیشت پر اتراتے تھے)۔ اس میں اہل مکہ کے لئے تخویف ہے۔ کہ اس قوم کے برے انجام سے بچو جن کی حالت اللہ تعالیٰ کے انعامات کے سلسلہ میں ایسی ہی تھی۔ پھر انہوں نے نعمتوں کا شکر یہ ادا نہ کیا بلکہ نعمتوں کا مقابلہ تکبر سے کیا جس کے نتیجہ میں ان کو ہلاک کر دیا گیا۔ اہلکنا کی وجہ سے کم منصوب ہے۔ معیشتہا منصوب ہے اس لئے کہ حرف جر حذف کر دیا گیا ہے ای فی معیشتہا۔ البطر۔ مالداری میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت نہ کرنا۔

فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ (وہ یہ ان کے مکانات ہیں)۔ ان کے مکانات کے بقیہ آثار جن کو سفروں میں آتے جاتے وہ دیکھتے ہیں۔ جیسے قوم ثمود، قوم شعیب وغیرہم کے علاقے۔ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِیْلًا (ان کے بعد ان کے گھروں میں آبادی نہیں ہوئی مگر بہت قلیل)۔ رہائش یعنی وہاں مسافر راستے سے گزرنے والا ایک دن یا ایک گھڑی ٹھہر جاتا ہے۔

نحو: لم تسکن یہ حال ہے اور اس میں عامل اسم اشارہ ہے۔

وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِیْنَ (اور ہم ہی وارث ہوئے)۔ ان مکانات کے جو ان کی رہائش کے تھے۔ یعنی ان میں ہمارے سوا کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔

۵۹: وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى (اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں)۔ ہر زمانہ میں حَتّٰى یَبْعَثَ فِیْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا (جب تک کہ ان کے مرکز میں ایک رسول نہ بھیج دے)۔

قراءت: اِمّہا میں ہمزہ کو کسرہ دے کر حمزہ و علی نے پڑھا ہے۔ یعنی اس بستی میں جو اس کی جڑ و بنیاد ہے۔ یعنی اس کے اصل اور اعلیٰ حصہ میں ایک رسول بھیج دیتا کہ حجت لازم ہو جائے اور معذرت منقطع ہو۔ نمبر۲۔ اللہ تعالیٰ کے علم اور سابقہ قضاء میں یہ بات تھی کہ زمین میں وہ کسی بستی کو ہلاک کرے یہاں تک کہ ام القریٰ یعنی مکہ میں رسول بھیجے کیونکہ زمین کو وہیں سے پھیلایا گیا۔ رسول

سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا (جو ان پر ہماری آیات پڑھے) ۔ آیات سے قرآن مجید مراد ہے۔ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِی الْقُرٰٓی اِلَّا وَ اَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ (اور ہم بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں مگر اس وقت جبکہ وہاں کے رہنے والے ظلم کرنے والے ہوں) ۔ یعنی ہم نے ان کو اتفاقاً ہلاک نہیں کیا۔ جب تک کہ وہاں کے رہنے والے اپنے ظلم کی وجہ سے عذاب کے مستحق نہیں بن گئے۔ ظلم سے مراد عنادا ور کفر پر اصرار اور عذر نہ ہونے کے باوجود مکابرہ ہے۔

۶۰: وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا (اور جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے وہ دنیوی زندگی کا سامان) وَزِیْنَتُهَا (اور اس کی زینت ہے) ۔ یعنی تمہارے پاس جتنے اسباب دنیا پائے جاتے ہیں۔ یہ صرف چند دن نفع اٹھانے اور زینت کرنے کے لئے ہے۔ اور وہ چند ایام اس فنا ہونے والی زندگی کی مدت ہے۔ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ (اور جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے) ۔ وہ اس کا ثواب ہے۔ خَیْرٌ (وہ بہت بہتر ہے) ۔ وہ ذاتی لحاظ سے ان سے بہت بہتر ہے۔ وَّاَبْقٰی (اور وہ باقی رہنے والا ہے) ۔ کیونکہ وہ دائمی ہے۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (کیا تم عقل نہیں رکھتے ہو) کہ باقی فانی سے بہتر ہے۔

قراءت: ابو عمرو نے یا اور تاء دونوں میں اختیار دیا ہے۔ اور باقی قراء نے تاء ہی کو پڑھا ہے۔

قول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما:

اللہ تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کیا اور اس کے رہنے والوں کی تین اقسام کر دیں۔ نمبر ۱۔ مؤمن۔ نمبر ۲۔ منافق۔ نمبر ۳۔ کافر۔ پس مؤمن تو آخرت کا زاد راہ لیتا ہے اور کافر خوب عیش اڑاتا ہے اور منافق زیب و زینت کرتا ہے۔ پھر اس آیت کو دوبارہ لائے۔

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ

سو جس شخص سے ہم نے اچھا وعدہ کیا ہو پھر وہ اسے پانے والا ہو کیا اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جسے ہم نے دنیاوی زندگی کا سامان دے دیا پھر

هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۶۱﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ

وہ قیامت کے دن گرفتار کر کے لایا جائے گا۔ اور جس دن وہ انہیں پکارے گا سو فرمائے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شرکاء جن کے بارے میں

كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ

تم گمان کرتے تھے۔ جن لوگوں پر اللہ کا فرمودہ ثابت ہو چکا ہو گا وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکایا

اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ ۖ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَقِيْلَ ادْعُوْا

ہم نے ان کو ویسا ہی بہکایا جیسا کہ ہم خود بہکے تھے ہم آپ کے حضور میں ان سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں یہ لوگ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ اور کہا جائے گا کہ اپنے

شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا

شرکاء کو پکارو۔ سو وہ انہیں پکاریں گے پھر وہ ان کو جواب نہ دیں گے اور عذاب کو دیکھ لیں گے۔ اے کاش وہ ہدایت پر ہوتے

يَهْتَدُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶۵﴾

ہوتے۔ اور جس دن انہیں آواز دے گا سو فرمائے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا

۶۱: اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا (کیا وہ شخص جس سے ہم نے پسندیدہ وعدہ کر رکھا ہے) یعنی جنت۔ کیونکہ اس سے زیادہ خوبصورت کوئی شئی نہیں اس لئے کہ وہ دائمی ہے۔ اسی لئے جنت کو حسنیٰ فرمایا گیا۔ فَهُوَ لَاقِيْهِ (پس وہ اس کو پانے والا ہے)۔ دیکھنے پانے والا اس تک پہنچ جائے گا۔ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ (اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کو دنیوی فوائد سے نوازا ہو۔ پھر قیامت کے دن وہ ان لوگوں میں سے ہو جن کو پکڑ کر حاضر کیا جائے گا) ان لوگوں میں سے جن کو آگ پر حاضر کیا جائے گا اور دوسرے موقع پر فرمایا۔ فکذبوہ فانھم لمحضرون [الصافات: ۱۲۷]

شانِ نزول: نمبر ۱۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل لعین کے متعلق اتری۔

نمبر ۲۔ علی و حمزہ اور ابوجہل کے سلسلہ میں۔

نمبر ۳۔ ہر مؤمن و کافر کے متعلق۔

تو آیت اول کا معنی یہ ہے۔ جب دنیا کی زندگی اور عقبیٰ کی نعمتوں کا فرق ذکر کیا تو اس کے بعد افمن وعدنٰہ لا کر مطلب یہ ہوا کہ اتنے بڑے واضح فرق کے بعد جو دنیا کے پرستاروں اور حق پرستوں میں پایا جاتا ہے۔ پھر کوئی شخص دونوں کو برابر قرار دے

سکتا ہے۔

فائدہ دوم سببیہ ہے۔ کیونکہ موعود کا ملنا یہ وعدے کا مسبب ہے۔ ثم تراخی کے لئے لائے کیونکہ احضار کی حالت تمتع کی حالت نفع اندوزی سے متاخر ہے۔

قراءت: علی نے ثم ھو پڑھا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے عَضُدٌ عَضْدٌ ضمیر منفصل کو متصل کے مشابہ قرار دیا۔

۶۲: وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ (اور اس دن کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ ان کو پکار کر فرمائے گا)۔ یہ اللہ تعالیٰ کا پکارنا کفار کو ڈانٹنے و توبیخ ہوگی۔

نحو: نمبرا۔ اس کا عطف یوم القیامۃ پر ہے۔ نمبر۲۔ اذکر محذوف سے منصوب ہے۔

فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ (پس فرمائیں گے میرے وہ شریک کہاں ہیں)۔ جن کو تم اپنے گمان کے مطابق میرا شریک قرار دیتے تھے۔ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ (جن کو تم خیال کرتے تھے)۔

نحو: تزعمون کے دونوں مفعول محذوف ہیں۔ تقدیر کلام یہ ہے۔ کنتم تزعمونهم شرکائی۔ اور ظننت کے باب میں دونوں مفعولوں کا حذف تو جائز ہے۔ مگر ایک پر اکتفا جائز نہیں۔

۶۳: قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ (اور وہ لوگ کہیں گے جن پر اللہ تعالیٰ کی بات پوری ہو چکی ہوگی)۔ نمبرا۔ شیاطین نمبر۲۔ کافروں کے لیڈر۔ حق علیہم القول کا مطلب یہ ہے کہ قول کا مقتضیٰ ان پر لازم ہو جائے گا اور وہ اس ارشاد میں ہے لاملان جهنم من الجنة والناس اجمعين [السجدہ: ۱۳]

رَبَّنَا هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا (اے ہمارے رب یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکا دیا تھا)۔ یعنی ان کو شرک کی طرف بلایا۔ اور گمراہی کو ان کے لئے مزین کیا۔

نحو: ہٰؤلاء الذین اغوینا۔ یہ مبتدأ ہے۔ موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے اور اس کی خبر أَغْوَيْنٰهُمْ ہے۔ كَمَا غَوَيْنَا کاف مصدر محذوف کی صفت ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے۔ اغویناهم فغووا غیا مثل ما غوینا۔ ان کا مقصد یہ ہوگا کہ ہم نے بھی اپنے اختیار سے ان کو گمراہ کیا اور یہ اپنے اختیار سے گمراہ ہوئے کیونکہ ہمارا اغوا تو وسوسہ اندازی اور تسویل کی حد تک تھا پس ان کی اور ہماری گمراہی میں کوئی تفاوت نہیں ہے اور اگر ہماری تزئین و تسویل دعوت کی صورت میں تھی تو دوسری طرف اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی تو ان کی دعوت موجود تھی جس میں عقلی دلائل اور نقلی دلائل اور کتب منزلہ سب کچھ موجود تھیں اور یہ بالکل شیطان لعین کے اس اقرار کی طرح ہے۔ جو سورۃ ابراہیم آیت ۲۲ میں گزرا۔

وقال الشيطان لما قضي الامر ان الله وعدكم وعد الحق الى قوله ولوموا انفسكم۔

تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ (ہم ان سے تیری بارگاہ میں بیزاری کا اظہار کرتے ہیں)۔ ان سے اور اس کفر سے جس کو انہوں نے اختیار کیا۔

مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ (وہ ہماری عبادت نہ کرتے تھے) بلکہ اپنی خواہشات کے پیروکار اپنی شہوات کے اطاعت گزار تھے۔

نحو: یہ دونوں جملے حرف عطف سے خالی ہیں کیونکہ یہ جملہ اولیٰ کے معنی کو پختہ کرنے کے لئے لائے گئے ہیں۔

فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ

سو اس دن ان کی خبریں گم ہو جائیں گی پھر وہ آپس میں پوچھ پاچھ نہ کریں گے — سو جس شخص نے توبہ کی اور ایمان لایا

وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ۝

اور نیک عمل کئے سو امید ہے کہ یہ لوگ فلاح پانے والوں میں سے ہوں گے۔

۶۴: وَقِيْلَ (مشرکین کو کہا جائے گا)۔ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ (تم اپنے شرکاء کو پکارو!) اپنے اصنام کو پکارو تا کہ وہ تمہیں عذاب سے چھڑائیں۔ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ (پس وہ ان کو پکاریں گے مگر وہ جواب نہ دیں گے)۔ لم یستجیبوا کا معنی لم یجیبوا ہے۔ وَرَاَوُا الْعَذَابَ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ (اور وہ عذاب کو دیکھیں گے اگر وہ ہدایت یاب ہو چکے ہوتے)۔ لو کا جواب محذوف ہے یعنی لما راوا العذاب۔ (اگر وہ ہدایت یافتہ ہوتے تو آج عذاب کو سامنے نہ دیکھتے)۔

۶۵: وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ (اور اس دن کو یاد کرو جس دن ان کافروں سے پکار کر پوچھا جائے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا)۔ وہ رسول جو تمہاری طرف بھیجے گئے۔ اولاً اللہ تعالیٰ نے شرکاء بنانے پر توبیخ کی پھر شیاطین کا مقولہ نقل کیا۔ یا کفر کے مقتدر سرداروں کا مقولہ ان کی توبیخ کے وقت نقل کیا۔ کیونکہ جب ان کو معبودان باطلہ کی عبادت پر توبیخ کی جائے گی تو یہ معذرت پیش کریں گے کہ شیاطین نے ان کو اغوا کیا ہے۔ پھر ان کو معبودان باطلہ کے اغواء کرنے پر شماتت کے انداز میں بات فرمائی۔ اور ان کی نصرت سے عاجزی کا تذکرہ کیا۔ پھر ارسال رسل اور وضاحت عمل واسباب کا احتجاج ان کے خلاف پیش کیا جائے گا۔ جس سے وہ لاجواب ہو جائیں۔

۶۶: فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ (ان پر خبریں اس دن گم ہو جائیں گی)۔ الانباء سے دلائل، خبریں، اطلاعات مراد ہیں۔

ایک قول یہ ہے:

ان پر جواب مخفی ہو جائے گا۔ وہ نہ جانیں گے کہ کیا جواب دیں اس لئے کہ ان کے پاس جواب ہوگا ہی نہیں۔

فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ (پس وہ آپس میں ایک دوسرے سے کچھ پوچھ نہ سکیں گے) اور دلیل اور عذر کوئی چیز بھی پوچھ نہ سکیں گے۔ اس امید سے کہ اس کے پاس شاید عذر یا حجت مل جائے۔ کیونکہ وہ تمام جواب کے سلسلہ میں عاجزی میں برابر ہوں گے۔

۶۷: فَاَمَّا مَنْ تَابَ (پھر وہ شخص جس نے توبہ کر لی)۔ شرک سے۔ وَاٰمَنَ (اور وہ ایمان لے آیا)۔ اپنے رب پر اور جو کچھ اس کی طرف سے آیا۔ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ (اور نیک عمل کیے تو امید ہے کہ وہ فلاح پانے والے لوگوں میں سے ہوگا)۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کامیاب ہوگا۔

نحو: عسٰی کا لفظ معززین کی طرف سے ثبوت و وقوع کے لئے ہوتا ہے۔ اس میں ایمان والوں کے اسلام لانے پر عظیم

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٨﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٦٩﴾ وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ ۖ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٧٠﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِضِيَاءٍ ۖ أَفَلَا تَسْمَعُونَ ﴿٧١﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ ۖ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٧٢﴾ وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٧٣﴾

[illegible]

بشارت دی گئی ہے اور کافروں کو ایمان کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

۶۸: یہ لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم (الزخرف: ۳۱) جو ولید بن مغیرہ نے کہا تھا۔ رجل سے اپنی ذات یا ابو مسعود ثقفی مراد لے رہا تھا۔ اس کے جواب میں یہ آیت اتری۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ (اور آپ کا رب جس چیز کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے)۔

مسئلہ: اس میں دلالت ہے کہ افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

قراءت: ویختار پر وقف ہے۔ یعنی اور آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور آپ کا رب جو چاہتا ہے چنتا ہے۔ تقدیر کلام: وربك يخلق ما يشاء وربك يختار ما يشاءُ۔

مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ (ان کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے)۔ یعنی ان کو کچھ بھی اختیار نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر کسی چیز کو اختیار کریں۔ اور اس کو ہی ان پر اختیار حاصل ہے۔

عاطف ما كان لهم الخيرة میں داخل نہیں کیونکہ وہ یختار کا بیان ہے۔ کیونکہ آیت کا معنی یہ ہے۔

ان الخيرة لله۔ (کہ اختیار اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے)۔ وہ اپنے افعال میں حکمت کی جوانب سے خوب واقف ہے۔ فليس لاحد من خلقه ان يختار عليه۔ اس کی مخلوق میں سے کسی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خلاف کسی چیز کو اختیار کرے۔

اہم تنبیہ:

جنہوں نے تو یختار میں وقف کیا ہے اور یہ معنی لیا۔ ویختار الذی لهم فیه الخیرة۔ اور وہ اس کو چنتا ہے جس میں ان کو اختیار ہے۔ اس نے حق سے بعید بات کی۔ بلکہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ ما تو مخلوق کے اختیار کی نفی کے لئے لایا گیا ہے۔

ایک اور غلطی کی تردید:

جنہوں نے اس کا معنی یہ کیا۔ یختار للعباد ما هو خیر لهم واصلح۔ اور وہ بندوں کے لئے وہ چنتا ہے جو کہ ان کے لئے بہت بہتر اور اصلح ہوتا ہے۔ یہ معتزلہ کے قول کی ترجمانی ہے الخیرۃ کا لفظ یہ التخییر سے لیا گیا ہے۔ یہ مصدر کے معنی میں مستعمل ہے۔ اور المتخیر کے معنی میں بھی آیا ہے۔ جیسا کہ اہل عرب کا قول ہے۔ محمد خیرة الله من خلقه۔ یہاں مفعول ہی کا معنی ہے۔ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (اللہ تعالیٰ پاک اور بلند و برتر ہیں ان تمام شرکاء سے جن کو وہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں)۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے بری ہے۔ وہ اس سے منزہ اور پاک ہے کہ کسی کو اس کے خلاف چناؤ کا اختیار حاصل ہو۔

۶۹: وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ (اور آپ کا رب جانتا ہے جو ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں)۔ تکن کا معنی چھپاتا ہے۔ اور سینوں میں وہ چھپانے والی بات عداوت اور حسد برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔

وَمَا يُعْلِنُوْنَ (اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں)۔ ان کے متعلق طعنہ زنیاں کہ ان کے علاوہ نبوت کے لئے اور کسی کو منتخب کیوں نہ کیا۔

۷۰: وَهُوَ اللّٰهُ (اور وہی اللہ تعالیٰ) الوہیت میں خاص اور سب پر قابل ترجیح ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (اس کے سوا کوئی عبادت کے

لائق نہیں)۔ یہ قول کی تقریر ہے۔ جیسا کہتے ہیں۔ الکعبۃ القبلۃ لا قبلۃ الاھی۔ یہ پچھلا جملہ تاکید و تقریر ہے۔ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولٰى (اور اسی ہی کیلئے تعریف ہے دنیا میں) وَالْآخِرَةِ (اور آخرت میں) اور دوسرے مقام پر اس طرح مذکور ہے۔ الحمد للّٰہ الذی اذھب عنا الحزن۔ [فاطر۔۳۴]

ایک اور مقام پر فرمایا۔ الحمد للّٰہ الذی صدقنا وعدہ۔ [الزمر۔۷۴]

ایک مقام پر ارشاد ہوا۔ وقیل الحمد للّٰہ رب العالمین۔ [الزمر۔۷۵]

مَسْئَلَہ: جنت میں حمد و ثنا بطور لذت کے ہوگی بطور امر تکلیفی کے نہ ہوگی۔ (جیسا کہ دنیا میں امر تکلیفی ہے)۔

وَلَهُ الْحُكْمُ (اور فیصلہ اسی ہی کے لئے ہے)۔ بندوں کے مابین فیصلہ کرنا۔ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (اور اسی ہی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے)۔ دوبارہ اٹھا کر کے۔

قراءت: یعقوب نے تَرجِعون پڑھا ہے۔

۷۱: قُلْ أَرَءَيْتُمْ (کہہ دیں ذرا دیکھو تو سہی)۔

قراءت: علی نے حذف ہمزہ سے پڑھا ہے۔ إِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (اگر اللہ قیامت کے دن تک مسلسل رات ہی رات بنا دے)۔ تو اللہ تعالیٰ مَنْ إِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ أَفَلَا تَسْمَعُوْنَ (کے سوا کونسا معبود ہے۔ جو تمہارے لئے روشنی لے آئے گا کیا تم نہیں سنتے)۔

نحو: سرمدا یہ جعل کا مفعول ثانی ہے۔ معنی دائمًا۔ ہمیشہ یہ لفظ السرد سے ماخوذ ہے۔ اور اس کا معنی مسلسل ہے۔ عرب کہتے ہیں۔ الاشہر الحرم ثلاثۃ سرد و واحد فرد۔ یہ صیغہ مبالغہ ہے اور میم زائد ہے۔ اس کا وزن فَعْمَل ہے۔ معنی الآیۃ کا مطلب یہ ہے کہ مجھے بتاؤ ذرا کون اس کی قدرت رکھتا ہے۔

۷۲: قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ إِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَأْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ (آپ کہہ دیجئے! بھلا دیکھو تو اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ قیامت تک دن ہی دن کر دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون ایسا معبود ہے۔ جو تم پر رات لے آئے جس میں تم آرام کر سکو)۔

نکتہ: آیت میں نہار (دن) کے ساتھ یہ نہیں فرمایا بنھار تتصرفون فیہ (ایسا دن لائے جس میں کام کاج کر سکو) جیسا کہ پچھلی آیت میں لیل کے ساتھ فرمایا بلیل تسکنون فیہ۔ بلکہ اس کی بجائے سورج کی روشنی کا ذکر فرما دیا۔ کیونکہ سورج کی روشنی سے بے شمار منافع حیات متعلق ہیں صرف معاش کیلئے نہیں اور اس کے بالمقابل اندھیرا ایسا نہیں کہ جس سے اتنے کثیر منافع متعلق ہوں۔ اس لئے اہم ترین فائدہ کا ذکر فرما دیا اور یہی وجہ ہے کہ ضیاء کے ساتھ لفظ افلا تسمعون ملایا ہے۔ کیونکہ کان جس چیز کا ادراک کر لیتے ہیں جیسے تذکرہ منافع اور بیان فوائد آنکھ ان کے ادراک کی قوت نہیں رکھتی۔ اور رات کے ساتھ افلا تبصرون کو ملا کر لائے۔ أَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (کیا تم لوگ نہیں دیکھتے) کیونکہ تیرے علاوہ اندھیرے کا وہ فائدہ دیکھتے ہیں جس کو تو

السلام اپنی اپنی امتوں پر گواہ ہیں۔ جو کہ ان کے متعلق ان اعتقادات کی گواہی دیں گے جن پر وہ تھے۔ فَقُلْنَا (پھر ہم امتوں کو کہیں گے)۔ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ (تم اپنی دلیل پیش کرو)۔ اس شرک پر جس پر تم قائم تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر۔ فَعَلِمُوْٓا (پس اس وقت وہ جان لیں گے)۔ اَنَّ الْحَقَّ (کہ توحید) لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ (اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہے اور ان سے گم ہو جائیں گی) اور ان سے وہ تمام معبود اس طرح غائب ہو جائیں گے جس طرح کوئی ضائع ہونے والی چیز غائب ہوتی ہے۔ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (وہ تمام جو وہ گھڑا کرتے تھے)۔ یعنی غیر اللہ کی الوہیت اور ان کے لئے زبردستی شفاعت۔

إِنَّ قَٰرُونَ كَانَ مِن قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ وَءَاتَيْنَٰهُ مِنَ ٱلْكُنُوزِ مَآ

[illegible]

إِنَّ مَفَاتِحَهُۥ لَتَنُوٓأُ بِٱلْعُصْبَةِ أُو۟لِى ٱلْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُۥ قَوْمُهُۥ لَا تَفْرَحْ ۖ إِنَّ

[illegible]

ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْفَرِحِينَ ﴿٧٦﴾ وَٱبْتَغِ فِيمَآ ءَاتَىٰكَ ٱللَّهُ ٱلدَّارَ ٱلْءَاخِرَةَ ۖ وَلَا تَنسَ

[illegible]

نَصِيبَكَ مِنَ ٱلدُّنْيَا ۖ وَأَحْسِن كَمَآ أَحْسَنَ ٱللَّهُ إِلَيْكَ ۖ وَلَا تَبْغِ ٱلْفَسَادَ فِى

[illegible]

ٱلْأَرْضِ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْمُفْسِدِينَ ﴿٧٧﴾ قَالَ إِنَّمَآ أُوتِيتُهُۥ عَلَىٰ عِلْمٍ

[illegible]

عِندِىٓ ۚ أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ ٱللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِن قَبْلِهِۦ مِنَ ٱلْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ

[illegible]

قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا ۚ وَلَا يُسْـَٔلُ عَن ذُنُوبِهِمُ ٱلْمُجْرِمُونَ ﴿٧٨﴾ فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِۦ فِى

[illegible]

زِينَتِهِۦ ۖ قَالَ ٱلَّذِينَ يُرِيدُونَ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا يَٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ أُوتِىَ قَٰرُونُ

[illegible]

إِنَّهُۥ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴿٧٩﴾ وَقَالَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ ٱللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ

[illegible]

ءَامَنَ وَعَمِلَ صَٰلِحًا ۚ وَلَا يُلَقَّىٰهَآ إِلَّا ٱلصَّٰبِرُونَ ﴿٨٠﴾ فَخَسَفْنَا بِهِۦ وَبِدَارِهِ ٱلْأَرْضَ

[illegible]

فَمَا كَانَ لَهُۥ مِن فِئَةٍ يَنصُرُونَهُۥ مِن دُونِ ٱللَّهِ وَمَا كَانَ مِنَ ٱلْمُنتَصِرِينَ ﴿٨١﴾

[illegible]

۷۶: إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِن قَوْمِ مُوسَىٰ (بیشک قارون قوم موسیٰ میں سے تھا)۔

نحو: قارون یہ غیر منصرف ہے۔ کیونکہ عجمہ و معرفہ دو سبب موجود ہیں۔ اگر اس کو فاعول کے وزن پر مانیں تو یہ منصرف ہوگا۔ پھر یہ قرنت الشیء سے ماخوذ ہوگا۔

یہ اسرائیلی الاصل تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کا ابن عم تھا۔ سلسلہ نسب قارون بن یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب اور موسیٰ علیہ السلام کا سلسلہ موسیٰ بن عمران بن قاہث ہے۔ اس کو خوبصورتی کی وجہ سے منور کہا جاتا تھا۔ یہ بنی اسرائیل میں تورات کا بڑا قاری تھا۔ لیکن سامری کی طرح منافق تھا۔ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ (پھر یہ قوم پر تکبر کرنے لگا)۔ بغی یہ البغی سے نکلا ہے۔ جس کا معنی ظلم ہے۔

ایک قول یہ ہے:

اس کو فرعون نے بنی اسرائیل پر حکمران بنایا یہ ان پر ظلم کرتا۔ نمبر۲۔ یہ البغی بمعنی تکبر سے ہے۔ اس نے بنی اسرائیل پر کثرت مال واولاد کی وجہ سے تکبر کیا۔ نمبر۳۔ دوسروں سے ایک بالشت کپڑے بڑھائے (اور بطور تکبر ان کو لٹکا کر اور کھینچ کر چلتا تھا) بغوی۔ وَءَاتَيْنَٰهُ مِنَ ٱلْكُنُوزِ مَآ إِنَّ مَفَاتِحَهُۥ (اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیئے جن کی چابیاں)۔

ما۔ الذی کے معنی میں آتینا کی وجہ سے منصوب ہے اور انّ اور اس کا اسم وخبر مل کر الذی کا صلہ بنتے ہیں اسی لئے انّ مکسور ہے۔ اور المفاتح جمع مِفتح کی ہے میم کے کسرہ کے ساتھ ہے جس کا معنی چابیاں۔ نمبر۲۔ مَفتح فتح کے ساتھ جس کا معنی خزانہ ہے اور زیادہ درست بات یہ ہے کہ چابیاں مراد ہیں۔

لَتَنُوٓأُ بِٱلْعُصْبَةِ (بھاری کر دیتی تھی ایک جماعت کو) جماعت کو بوجھل کر دیتیں۔ العصبۃ بڑی جماعت۔ وہ اپنے خزانوں کی چابیاں ستر خچروں پر لادتا تھا۔ باء تعدیہ کے لئے ہے جیسے کہتے ہیں ناء بہ الحمل اس کو بوجھ نے جھکا دیا۔ اس کے ہر خزانہ کی ایک چابی تھی۔ اور ہر چابی ایک انگشت کے برابر چمڑے کی بنی ہوئی تھی۔ أُولِي ٱلْقُوَّةِ (طاقتور مضبوط)۔ إِذْ قَالَ لَهُۥ قَوْمُهُۥ (جب اس کو اس کی قوم نے کہا)۔ قوم سے یہاں مؤمن مراد ہیں۔

ایک قول یہ ہے:

یہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

نحو: اذ تنوء کی وجہ سے محل نصب میں ہے۔

لَا تَفْرَحْ (کثرت مال پر تکبر مت کرو)۔ جیسا دوسرے مقام پر فرمایا ولا تفرحوا بما اتاکم [الحدید: ۲۳] دنیا پر وہ شخص اتراتا ہے۔ جو دنیا پر راضی اور مطمئن ہو۔ باقی وہ شخص جس کا دل آخرت کی طرف لگا ہوا اور وہ جانتا ہو کہ عنقریب اس کو چھوڑ دیا جائے گا۔ وہ دنیا پر بالکل نہیں اتراتا۔ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْفَرِحِينَ (بیشک اللہ تعالیٰ ان پر تکبر کرنے اور

اترانے والوں کو پسند نہیں فرماتے)۔

۷۷: وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ (اور اللہ تعالیٰ نے جو تجھے دیا ہے اس میں عالم آخرت کو تلاش کر) یعنی جو غنی اور ثروت تمہیں دی ہے۔ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ (آخرت والے گھر کو)۔ اس طرح کہ تم فقراء پر خیرات کرو اور صلہ رحمی کرو اور مقامات خیر میں اس کو صرف کرو۔ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا (اور دنیا سے اپنا حصہ (آخرت) ہرگز نہ بھول)۔ وہ یہ ہے کہ بقدر کفایت اس میں سے لو جو تمہارے لئے بہتری والا ہو۔

ایک قول یہ ہے:

اپنی دنیا کے ذریعہ آخرت کو طلب کرو۔ یہی تو دنیا میں سے آخرت کا حصہ ہے۔

وَاَحْسِنْ (اور احسان کرو) اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ (جیسا اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا ہے) یعنی انعامات دیکر وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ (اور زمین میں فساد مت چاہو) ظلم و تکبر کے ذریعہ) اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ (بیشک اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے)۔

۷۸: قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ (اس نے کہا مجھے جو کچھ ملا ہے۔ وہ مجھے میرے علم کی وجہ سے ملا ہے)۔ ہ سے مراد مال ہے۔ علی علم عندی کہہ کر اس نے اپنے علم کو سبب قرار دیکر استحقاق مال کا دعویٰ کیا ہے۔ جو علم تورات ہے لوگوں سے زیادہ ملا ہوا تھا۔ نمبر۲۔ تجارت و زراعت سے کمائی کے طرق۔

نحو: عندی یہ علم کی صفت ہے۔

قول سہل رحمۃ اللہ علیہ:

کوئی ایسا شخص نہیں کہ جس نے اپنی طرف دیکھا ہو (تکبر کیا ہو) اور پھر وہ کامیاب ہو ہو۔ خوش نصیب وہ ہے جس نے اپنے افعال و اقوال سے اپنی نگاہ کو پھیر لیا اور اپنے لئے اللہ تعالیٰ کے احسانات کو اپنے تمام افعال و اقوال دیکھنے کا دروازہ کھول لیا اور بدنصیب وہ ہے جس کے افعال، اقوال، احوال اس کی اپنی نگاہ میں مزین نظر آئیں۔ پھر وہ ان پر فخر کرنے لگا اور ان کے بارے دعویٰ کیا کہ یہ اس کے اپنے ذاتی کمال والے افعال و اقوال ہیں۔ ایک دن اس کی بدبختی اس کو ہلاک کر دے گی۔ جیسے کہ قارون کو دھنسا دیا گیا جب اس نے اپنی ذات کے لئے فضیلتوں کا دعویٰ کیا۔

اَوَلَمْ يَعْلَمْ (کیا قارون کو معلوم نہیں) اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً (کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے زمانے والے ہلاک کر دیئے جو اس سے طاقت میں بڑھ کر تھے)۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے لئے علم کو ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے قد اهلك من قبله من القرون ہلاک کر دیا ان سے پہلے زمانہ والوں کو جو کہ اس سے زیادہ طاقتور اور زیادہ مالدار تھے۔ کیونکہ وہ تورات میں پڑھ چکا تھا۔ گویا اس کو اس طرح کہا گیا۔ اولم يعلم في جملة ما عنده من العلم هذا

حتی لایغتر بکثرۃ مالہ وقوتہ۔ کیا اسے معلوم نہیں کہ جو کچھ اس کے پاس علم ہے یہ اس تمام علم میں سے ہے۔ تاکہ وہ اپنے مال کی کثرت وقوت پر دھوکا میں مبتلا نہ ہوتا۔ نمبر۲۔ یا اس میں اس کے علم کی نفی ہے۔ کیونکہ جب اس نے یہ کہہ دیا۔ اوتیتہ علی علم عندی۔ تو اسے کہا گیا کہ کیا اس کے پاس اس علم کی مثل ہے جس کا اس نے دعویٰ کیا ہے اور جس کی وجہ سے اس نے ہر نعمت کو اپنے لئے لازم سمجھ لیا ہے۔ اس کو اس نفع بخش کا علم نہ ہوا کہ جس سے اپنے آپ کو ہالکین کے نتائج سے بچالے۔

وَّاَكْثَرُ جَمْعًا (اور جماعت وجمعہ کے اعتبار سے بڑھ کر تھے) مال میں۔ نمبر۲۔ جماعت وتعداد میں۔ وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ (اور مجرموں سے ان کے گناہوں سے متعلق (تحقیق واطلاعات کے لئے) نہ پوچھا جائے گا)۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان سے متعلق جانتے ہیں۔ بلکہ وہ تو بلا حساب دوزخ کا ایندھن بن جائیں گے۔ نمبر۲۔ بغیر سوال ان مجرم گناہوں کا اعتراف کر لیں گے۔ نمبر۳۔ وہ نشانات سے پہچان لیے جائیں گے اس لئے پوچھنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ نمبر۴۔ ان سے معلومات کی غرض سے تو پوچھا نہ جائے گا البتہ توبیخ کے لئے سوال ہوگا۔ نمبر۵۔ گزشتہ لوگوں کے گناہوں کے بارے میں ان سے سوال نہ ہوگا۔ اس امت کے مجرمین سے۔

۷۹: فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ (وہ اپنی قوم کے سامنے بن سنور کر نکلا)۔ زرد اور سرخ کپڑے پہن کر۔

ایک قول یہ ہے:

وہ ہفتہ کے دن سفید خچر پر سوار ارغوانی لباس جس پر سنہری سورج بنے ہوئے تھے پہن کر نکلا۔ اس کے ساتھ چار ہزار آدمی اسی کے لباس و زیب تن کیے ہوئے نکلے۔

ایک قول:

ان پر اور ان کے گھوڑوں پر سرخ پاکھریں تھیں اور اس کے دائیں جانب تین سو غلام اور بائیں طرف تین سو لونڈیاں جن کی رنگت سفید اور زیورات وریشم میں لپٹی ہوئی تھیں۔

نحو: فی زینتہ یہ فاعل سے حال ہے اسی طرح متزینا۔

قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا (ان لوگوں نے کہا جو دنیا کی زندگی کو چاہنے والے تھے)۔

ایک قول:

یہ مسلمان تھے۔ انہوں نے یہ تمنا خوشحالی کی حرص عام انسانوں کی طرح رغبت رکھتے ہوئے کی تھی۔

اور ایک قول:

یہ کافر تھے۔ يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ (اے کاش آج ہمارے لئے بھی طرح ہو جس طرح قارون کو دیا ہے)۔ یہ بطور رشک کے کہا۔ الغابطہ۔ جو غبطہ کرنے والے کی نعمت کو دیکھ کر اسی جیسی نعمت کی اپنے متعلق تمنا کرے لیکن اس کی نعمت کے زوال کی

خواہش دل میں پیدا نہ کرے ۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے ۔

الحاسد ۔ جو نعمت والے کی نعمت دیکھ کر اس کے زوال کی تمنا کرے ۔ اس کی مثال دوسری آیت میں ہے ۔ ولا تتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علی بعض [النساء ۔ ۳۲]

فرمان نبوت صلی اللہ علیہ وسلم :

کیا غبطہ نقصان دیتا ہے؟ فرمایا نہیں مگر اتنا جتنا کانٹے جھاڑی کو ۔ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ (بیشک وہ بڑا نصیب ور ہے) ۔

الحظ ۔ نصیب ' بخت ' دولت کو کہتے ہیں ۔

۸۰ : وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ (اور کہا ان لوگوں نے جن کو علم ملا) ۔ ثواب ' عقاب اور فنائے دنیا اور بقائے عقبیٰ کے متعلق انہوں نے قارون پر رشک کرنے والوں سے کہا ۔ وَیْلَکُمْ (تم پر افسوس ہے) ۔ اس کلمہ کی اصل ویلک ہے ۔ یہ ہلاکت کی بددعا ہے ۔ پھر زجر و توبیخ کے لئے استعمال ہونے لگا ۔ اور اس چیز پر آمادہ کرنے کے لئے جو ناپسند ہو ۔

نحو : یہ فعل محذوف کا مفعول ہے ۔ ای الزمکم اللہ ویلکم کذا فی التبیان فی اعراب القرآن ۔

ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا یُلَقّٰهَاۤ (اللہ تعالیٰ کا بدلہ بہت بہتر ہے اس شخص کے لئے جو ایمان لایا اور اس نے نیک اعمال کیے اور یہ ثواب نہیں دیا جاتا) ۔ لا یلقی کا معنی اس کلمہ ثواب اللہ خیر کی تلقین دین پر ثابت قدم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے ۔ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ (مگر صبر کرنے والے) مگر وہ لوگ جو طاعات پر جمے رہنے والے اور شہوات سے باز رہنے والے اور اسی طرح دنیا کی زینت سے دور رہنے والے اور جو کچھ ان کی قسمت میں ہے اس پر صبر کرنے والے ہیں ۔

۸۱ : فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ (پس ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا) ۔ قارون موسیٰ علیہ السلام کو ہر وقت ایذاء پہنچاتا تھا ۔ موسیٰ علیہ السلام اس قرابت نسبی کی وجہ سے مدارات فرماتے ۔ یہاں تک کہ زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا ۔ پس اس نے موسیٰ علیہ السلام سے ایک ہزار دینار پر ایک دینار اور ہزار درہم پر ایک درہم کی ادائیگی کا اقرار کر کے صلح کر لی ۔ جب اس نے حساب لگایا تو اس کی مقدار بہت زیادہ ہو گئی ۔ اس کا نفس بخل پر آمادہ ہوا ۔ اس نے بنی اسرائیل کو جمع کر کے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام تو تمہارا مال لینا چاہتا ہے ۔ انہوں نے کہا تم ہمارے بڑے ہو جو حکم دو ہم وہ تسلیم کریں گے ۔

اس نے کہا ہم فلاں فاحشہ عورت کو معاوضہ دیتے ہیں ۔ تاکہ وہ موسیٰ علیہ السلام پر اپنے ساتھ زنا کی تہمت لگائے ۔ بنی اسرائیل نے اس بات میں شرکت سے انکار کر دیا ۔ مگر اس نے اس عورت کو تھیلا ایک ہزار دینار پر آمادہ کر لیا ۔ تھیلا سونے کا ایک قول ۔ تھیلا جس طرح اور جتنا وہ مانگے ۔ جب عید کا دن آیا موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہو کر بنی اسرائیل کو وعظ فرمانے لگے ۔ جو چوری کرے ہم اس کا ہاتھ کاٹ دیں گے ۔ جو افتراء باندھے ہم اس کو کوڑے لگائیں گے ۔ جو زنا کرے اور وہ غیر شادی شدہ ہو ۔ ہم اس کو کوڑے لگائیں گے ۔ اور اگر شادی شدہ ہو تو اس کو سنگسار کریں گے ۔

قارون نے کھڑے ہو کر کہا ۔ اگرچہ آپ ہی کیوں نہ ہوں؟ آپ نے فرمایا خواہ میں ہی ہوں ۔ اس نے کہا ۔ بنی اسرائیل کا

خیال ہے کہ تم نے فلاں عورت سے (نعوذ باللہ) بے حیائی کی ہے۔ وہ عورت سامنے بلائی گئی۔ آپ نے اس کو اس ذات باری تعالیٰ کی قسم دی جس نے سمندر کو پھاڑا اور تورات کو نازل فرمایا کہ تم سچ سچ کہو۔ وہ عورت بولی۔ قارون نے تم پر تہمت لگانے کے بدلے میرے لئے انعام مقرر کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام روتے ہوئے سجدہ میں گر پڑے۔ اور عرض کیا یا رب۔ اگر میں آپ کا رسول ہوں۔ تو آپ اس پر اس انتقام میں غضب نازل فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ تم زمین کو حکم دو وہ تمہاری تعمیل کرے گی۔ آپ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے قارون کی طرف اسی طرح بھیجا ہے جیسا فرعون کی طرف۔ جو اس کا ساتھی ہے وہ اپنی جگہ رک جائے اور جو میرے ساتھ ہے۔ وہ اس سے علیحدگی اختیار کرلے۔ تمام مجمع سوائے دو آدمیوں کے اس سے الگ ہو گیا۔ پھر آپ نے زمین کو حکم دیا۔ ان کو پکڑ لو۔ ان کو زمین نے ایڑیوں تک پکڑ لیا۔ پھر آپ نے فرمایا ان کو پکڑ لو۔ زمین نے کمر تک ان کو دھنسا دیا۔ پھر فرمایا پکڑو۔ زمین نے گردن تک ان کو دھنسا دیا۔ قارون اور اس کے ساتھی موسیٰ علیہ السلام سے گڑگڑا کر کہتے تھے اور ان کو اللہ تعالیٰ اور رحم کا واسطہ دیتے۔ موسیٰ علیہ السلام شدت غضب کی وجہ سے ان کی طرف توجہ نہ فرماتے تھے۔ پھر کہا ان کو پکڑ لے۔ زمین نے ان کو دبوچ لیا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا۔ اس نے تم سے کئی مرتبہ فریاد کی مگر تو نے رحم نہ کیا۔ میری عزت کی قسم! اگر وہ مجھ سے ایک مرتبہ رحمت طلب کرتا تو میں اس پر رحم کر دیتا۔

بعض بنی اسرائیل نے یہ پروپیگنڈا کیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اس لئے ہلاک کیا تاکہ اس کے مال پر قبضہ کرلے۔

آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے اس کے گھر اور خزانوں کو زمین میں دھنسا دیا۔

فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ (پس نہیں تھی کوئی جماعت اس کے لئے)۔ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ (جو اس کی مدد کرے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کے لئے)۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِينَ (اور نہ وہ بدلہ لینے والوں میں سے) جو موسیٰ علیہ السلام سے انتقام لیتے۔ نمبر۲۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو روکنے میں مدد کرتے۔

عرب کہتے ہیں: نصرہ من عدوہ فانتصر ای منعہ منہ فامتنع اس کو اس سے روکا پس وہ رک گیا۔

وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۭ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور کل گزشتہ جو لوگ آرزو کر رہے تھے کہ ہم بھی اس جیسے ہو جائیں صبح ہونے پر کہنے لگے کہ اب یوں معلوم ہوتا ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ رزق اپنے بندوں میں سے جسے چاہے زیادہ دیدے اور جس پر چاہے رزق تنگ کر دے اگر ہم پر اللہ تعالیٰ کا احسان نہ ہوتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا۔ ارے بس معلوم ہوا کہ کافر لوگ کامیاب نہیں ہوتے۔

۸۲: وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ (اور ہو گئے وہ لوگ جو تمنا کرتے تھے اس کے مرتبہ کی)۔ اصبح یہاں صار کے معنی میں ہے اور مکانہ سے مراد دنیا میں اس کا مقام و مرتبہ بِالْاَمْسِ (کل گزشتہ)۔ یہ تمنوا کا ظرف ہے۔ اس سے مراد کل گزشتہ نہیں بلکہ قریب وقت سے کنایہ ہے۔ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (اور کہنے لگے ارے ایسا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کی روزی فراخ کرنا چاہتا ہے اپنے) وَيَقْدِرُ (بندوں میں سے وہ فراخ کر دیتا ہے اور جس کی روزی تنگ کرنا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے)۔

نحو: وَيْ علماء بصرہ کے ہاں کَاَنَّ سے جدا ہے۔

سیبویہ کا قول:

وَيْ کلمہ ہے جو تنبیہ اور شرمندگی والے کے لئے آتا ہے۔ اس کو شرمندہ آدمی اظہار شرمندگی کے لئے لاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قوم کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ ہم نے یالیت لنا مثل ما اوتی قارون والی تمنا کی اور شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگے۔ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا (اگر اللہ تعالیٰ ہم پر احسان نہ فرماتے)۔ اس تمنا کو پھیر کر جو ہم نے کل گزشتہ کی تھی لَخَسَفَ بِنَا (تو وہ ہمیں بھی دھنسا دیتا)۔

قراءت: خَسَفَ دونوں فتحہ کے ساتھ حفص یعقوب سہل نے پڑھا اور لَخُسِفَ یہ حمزہ نسائی ابو عمرو ابن کثیر کی قراءت ہے۔ اس میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے۔ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ (ارے کیا تم نہیں جانتے کہ کافر فلاح نہیں پاتے)۔ پھر کہنے لگے ایسا لگتا ہے کہ کافر کامیاب نہیں ہوتے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا

یہ آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لئے خاص کر دیں گے جو زمین میں بڑا بننے اور فساد کا ارادہ نہیں

فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ مَنْ جَاۗءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَاۗءَ

کرتے اور اچھا نتیجہ متقین کے لئے ہے۔ جو شخص نیکی لے کر آئے گا سو اس کے لئے اس سے بہتر بدلہ ہے اور جو شخص

بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

بدی لیکر آئے گا سو جن لوگوں نے برے عمل کیے انہیں انہی اعمال کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ لوگ کیا کرتے تھے۔

۸۳: تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ (یہ آخرت والا گھر ہم ان لوگوں کے لئے خاص کرتے ہیں جو دنیا میں بڑے بننے کے خواہاں نہیں ہوتے)۔

نحو: تلک یہ دارِ آخرت کی تعظیم کے لئے اشارہ بعید استعمال فرمایا گیا۔ مطلب یہ ہے۔ تلک التی سمعت بذکرھا و بلغک وصفھا۔ وہ وہی تو ہے جس کا تذکرہ تم نے سنا اور اس کی تعریف معلوم ہوئی۔ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر نجعلھا ہے۔ اور الدار یہ مشارالیہ صفت ہے۔

عُلُوًّا سے مراد بغاوت و سرکشی یہ ابن جبیر کا قول ہے۔ نمبر۲۔ یا ضحاک نے ظلم سے تفسیر کی۔

وَلَا فَسَادًا (اور نہ فساد)۔ فساد سے معاصی پر عمل نمبر۲۔ قتل نفس نمبر۳۔ غیر اللہ کی عبادت کی طرف بلانا۔

نکتہ: آیت میں آخرت والے وعدے کو علو و فساد کے ترک سے متعلق نہیں کیا بلکہ ان کے ارادہ کے ترک سے متعلق فرمایا اور ان کی طرف میلان کے ترک سے متعلق کیا گیا جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا۔ ولا ترکنوا الی الذین ظلموا۔ [ھود: ۱۱۳]

پس حاصل یہ ہوا کہ غلو کی وعید کو ن اور جھکاؤ سے متعلق ہے۔

فرمانِ علی رضی اللہ عنہ:

آدمی کو بھی پسند آتا ہے کہ اس کے جوتے کا تسمہ دوسرے ساتھی سے عمدہ ہو تو وہ بھی اس میں داخل ہو جائے گا۔

فرمانِ فضیل رحمہ اللہ:

نے اس آیت کو پڑھا پھر کہنے لگے تمنائیں یہاں دم توڑ گئیں۔

عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ:

موت کے وقت اس کو اپنی زبان پر دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کی روح قبض ہوگئی۔

بعض علماء کا قول یہ ہے:

اس کا مطلب یہ ہے کہ فرعون اور قارون کی پیروی سے نفرت انتہائی دلائی جائے اور اس ارشاد کو تھامے رہے۔ ان فرعون علا فی الارض ۔ القصص ۴ ۔ ولا تبغ الفساد فی الارض ۔ القصص ۷۷ ۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (اور اچھا انجام متقین کا ہے)۔

۸۴: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا (جو شخص قیامت کے دن نیکی لے کر آئے گا اس کو نیکی کی مقدار سے بہت زیادہ اچھا صلہ ملے گا)۔ یہ آیت سورۃ النمل ۸۹ میں گزر چکی۔

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ (اور جو شخص برائی لائے گا ایسے لوگوں کو جو برے کام کرتے ہیں اتنا ہی بدلہ دیا جائے گا)۔ ولا یجزی کا معنی فلا یجزون ہے۔ یہاں الذین عملوا السیئات ظاہر کو ضمیر کی جگہ لائے۔ تاکہ برے اعمال کی اسناد ان کی طرف دوبارہ کر کے ان کی بدحالی اور تذلیل خوب ظاہر ہو اور سننے والوں کے دلوں میں برائی کی نفرت بڑھ جائے۔ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (جتنا وہ کرتے تھے۔ گمراہی کی مثل جو وہ کرتے رہے)۔

فضل اللہ العظیم:

اللہ تعالیٰ کا عظیم فضل ملاحظہ فرمائیں کہ برائی و گناہ کی سزا تو اس کی مثل سے دی اور نیکی کا بدلہ کم از کم دس گنا اور اس سے بڑھا کر سات سو تک کر دیا۔ (اللھم متعنا بفضلک العظیم آمین)

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ ۚ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ

بلاشبہ جس نے آپ پر قرآن کو فرض کیا ہے وہ آپ کو لوٹنے کی جگہ واپس پہنچا دے گا۔ آپ فرما دیجئے کہ میرا رب اس شخص کو

مَن جَاءَ بِالْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٨٥﴾ وَمَا كُنتَ تَرْجُو أَن يُلْقَىٰ

خوب جانتا ہے جو ہدایت لے کر آیا اور اسے بھی جانتا ہے جو کھلی ہوئی گمراہی میں ہے۔ اور آپ کو اس کی امید نہ تھی کہ آپ کی طرف

إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ ﴿٨٦﴾

کتاب ڈالی جائے گی مگر محض آپ کے رب کی رحمت سے۔ سو آپ ہرگز کافروں کے مددگار نہ ہو جائیے۔

وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنزِلَتْ إِلَيْكَ ۖ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ

اور ہرگز لوگ آپ کو اللہ کی آیات سے روکنے نہ پائیں اس کے بعد کہ وہ آپ کی طرف نازل ہو چکی ہیں۔ اور آپ اپنے رب کی طرف بلاتے رہیے

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٨٧﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۘ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ

اور ہرگز مشرکین میں سے نہ ہو جائیے۔ اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکاریئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٨﴾

اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ اسی کی حکومت ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

۸۵: اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ (بیشک وہ ذات جس نے تم پر قرآن کو فرض کیا ہے)۔ اس کی تلاوت کو تم پر لازم کر دیا۔ اور اس کی تبلیغ اور عمل کو ضروری کر دیا۔ لَرَآدُّکَ (وہ ضرور آپ کو لوٹانے والا ہے)۔ موت کے بعد اِلٰی مَعَادٍ (لوٹنے کی جگہ کی طرف)۔ کیا خوب ہی لوٹنے کی جگہ ہے جو اور کسی فرد بشر کو آپ کے علاوہ حاصل نہیں۔ اس کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے نکرہ لائے۔ نمبر ۲۔ مکہ مراد ہے۔ آپ کا فتح کے دن لوٹنا کیونکہ اس دن لوٹنا ایک خاص شان و عظمت کے ساتھ ہوگا۔ مکہ والے مغلوب و مقہور ہو جائیں گے اور اسلام اور اہل اسلام کی عزت ظاہر ہوگی۔ شرک اور اہل شرک ذلیل ہو جائیں گے۔

یہ سورت اگرچہ مکیہ ہے۔ مگر یہ آیت جحفہ کے مقام پر اتری جو کہ مکہ و مدینہ کے درمیان میں واقع ہے۔ اس وقت آپ کے قلب اطہر میں مکہ مکرمہ کا شوق موجزن تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معاد (مکہ) کا وعدہ فرمالیا تو فرمایا۔

قُلْ رَّبِّیْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْھُدٰی (آپ کہہ دیں میرا رب اس کو خوب جانتا ہے جو ہدایت لے کر آیا ہے)۔ یعنی مَن سے مراد آپ کی ذات گرامی ہے صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کو معاد میں کتنا بڑا ثواب ہے۔ وَمَنْ ھُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (اور کون کھلی گمراہی میں مبتلا ہے)۔ مراد اس سے مشرکین مکہ ہیں۔ اور جو ان کو شرک کے نتیجہ میں آخرت میں سزا ملے گی۔

یجُوز: محل نصب میں ہے اس کا فعل یعلم مضمر ہے۔

٨٦۔ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْا اَنْ يُّلْقٰٓى (اور آپ کو تو کوئی امید بھی نہ تھی کہ آپ کو دی جائے گی) یلقی کا معنی وحی کرے۔ اِلَيْكَ الْكِتٰبُ (کتاب یعنی قرآن مجید) اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ (مگر یہ تو محض آپ کے رب کی رحمت کی وجہ سے ہوا)۔ یہ اس معنی پر محمول ہے کہ آپ کی طرف قرآن کی وحی آپ کے رب کی رحمت کی وجہ سے ہوئی ہے۔ نمبر۲۔ الا کو لکن کے معنی میں لیا جائے۔ جو کہ استدراک کے لئے آتا ہے۔ یعنی لیکن تیرے رب کی رحمت کی وجہ سے آپ پر وحی کی گئی۔ لیکن تیرے رب کی رحمت کے لئے آپ پر وحی قرآن کی گئی ہے۔

فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ (پس تم ہرگز کافروں کے مددگار و پشت پناہ مت بننا) ان کے دین میں ان کے مددگار ہرگز نہ بنیں۔

٨٧: وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ (اور وہ ہرگز نہ روکیں آپ کو اللہ کی آیات (پڑھنے یا عمل کرنے) سے) مراد اس سے منع ہے یعنی یہ لوگ ہرگز آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیات پر عمل سے نہ روکیں۔ آیات سے قرآن مجید مراد ہے۔

بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ (بعد اس کے کہ وہ آپ کی طرف اتاری جا چکی ہیں) یعنی قرآن کے نزول کے بعد اور اذ کی طرف اسماء زمان کی اضافت کی جاتی ہے مثلاً حینئذ یومئذ۔

وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ (اور اپنے رب کی طرف بلاتے رہئے) یعنی اس کی توحید اور عبادت کی دعوت دیتے رہئے۔

وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (اور مشرکین میں سے مت ہو جائیے)

٨٨: وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (اور اللہ کے ساتھ کسی معبود کو مت پکاریئے)۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ خطاب بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد اس سے ہر وہ شخص ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو اختیار کر لیا ہے تیز گناہوں سے معصوم ہونا اس کا مقتضی نہیں کہ گناہوں سے روکا نہ جائے اور لفظ اخر پر وقف ضروری ہے کیونکہ ملا کر پڑھنے کی صورت میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کا جملہ الٰہا اخر کی صفت بن جائے گا جس کا فاسد ہونا ظاہر ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (اور اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاکت پذیر ہے) وجہ سے اس کی ذات مراد ہے۔ وجہ سے تعبیر کی گئی ہے۔

قول مجاہد رحمہ اللہ:

الا وجہہ سے مراد وہ کام ہے جب اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی مقصود ہو۔ لَهُ الْحُكْمُ (اسی کے لئے حکم دینا خاص ہے) یعنی اس کا حکم مخلوق میں جاری ہے۔ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے)۔

قراءت: یعقوب نے تَرْجِعُوْنَ پڑھا ہے۔

سُورَةُ الْعَنْكَبُوتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَسِتُّونَ آيَةً وَسَبْعُ رُكُوعَاتٍ

سورۃ العنکبوت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس میں انہتر آیات اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الٓمّٓ ① اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ② وَلَقَدْ

الم ۞ کیا لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ وہ اتنا کہنے سے چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا۔ اور یہ بات

فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ③

ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو آزمایا ہے سو اللہ ضرور ضرور ان لوگوں کو جان لے گا جو سچے ہیں اور ضرور ضرور جھوٹوں کو بھی جان لے گا۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ④

جو لوگ برے کام کرتے ہیں کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم سے بھاگ کر کہیں نکل جائیں گے۔ برا فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔

الم۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ۔ الم (کیا لوگوں نے خیال کرلیا ہے کہ صرف اتنا کہہ دینے سے کہ ہم ایمان لے آئے۔ ان کو چھوڑ دیا جائے گا۔ اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی)۔

الحسبان۔ باہمی متناقض چیزوں میں سے ایک کا دوسرے کے مقابلہ میں قوت پکڑ: جیسا کہ ظن میں ہوتا ہے بالشک۔ دو متناقضین میں دونوں کے مابین تحیر۔ العلم۔ دونوں میں سے ایک کے متعلق قطعیت پیدا ہونا۔ ان دونوں کا اطلاق معانی مفردات پر نہیں آتا بلکہ مضامین جمل پر ہوتا ہے۔ اگر تم اس طرح کہو۔ حسبت زیداً و ظننت الفرس۔ تو اس سے کچھ حاصل نہیں جب تک کہ تم اس طرح نہ کہو۔ حسبت زیداً عالماً و ظننت الفرس جواداً۔ کیونکہ زید عالم اور الفرس جواد یہ دونوں مضمون جملہ پر دلالت کرتے ہیں۔ جب تو ایسا مضمون جملہ جو تمہارے ہاں ثابت ہو بطور ظن کے خبر دینا چاہو تو جملے کے دو حصوں پر حسبان کو داخل کر دو گے تو تمہاری غرض حاصل ہو جائے گی۔

اس موقعہ پر حسبان کا تقاضا کرنے والا مضمون جملہ ان یترکوا ان یقولوا آمنا وھم لا یفتنون ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ احسبوا ترکھم غیر مفتونین لقولھم آمنا۔ (انہوں نے اپنے آپ کو بے امتحانی چھوڑا سمجھنے کی وجہ سے)۔ یہاں حسب کے دونوں مفعولوں میں سے پہلا ترک کر دیا ہے۔ اور آمنا خبر ہے۔ بلا آزمائش ہونے کو ترک کہا گیا کیونکہ یہ ترک وہ ہے جو تصییر کے معنی میں آتا ہے۔ جیسا کہ عنترہ کا قول ہے۔ فترکتہ جزر السباع

نکتہ:

ذرا غور تو کرو کہ ایمان کے لانے سے قبل تم اس طرح کہہ سکتے ہو۔ تو کہیم علیہ ملفوظین لقولہم امنا۔ (ان کو یا آزمائش چھوڑ دیا ان کے صرف آمنا کہنے پر)۔ اس میں لام سے قبل عامل مستقر مقدر ہوگا۔ یا استفہام توبیخ کے لئے ہے۔ الفتنة سے مراد سخت تکالیف جیسے وطن سے جدائی دشمنوں سے جہاد تمام مشکل طاعات ترک شہوات فقر قحط انفس و اموال میں قسم قسم کے مصائب کفار کا ان کی ایذا دہی اور ان کے خلاف سازشوں پر جتنا وغیرہ مراد ہیں۔

روایت ہے:

کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ کے متعلق نازل ہوئی جو مشرکین کی ایذاؤں پر گھبرا گئے یا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے متعلق اتری ان کو بھی اللہ تعالیٰ کی خاطر تکالیف دی جاتی تھیں۔

۳: وَلَقَدْ فَتَنَّا (ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو آزمایا)۔ امتحان لیا۔ یہ احسب سے متصل ہے۔ نمبر۲۔ لا یفتنون سے متصل ہے۔ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (وہ لوگ جو ان سے قبل ہوئے)۔ مختلف قسم کی آزمائشوں کے ذریعے ان کو آزمایا ان میں سے بعض کے سروں پر آرا رکھ کر دو حصوں میں چیر دیا گیا۔ مگر یہ بات بھی اس کو دین سے ہٹا نہ سکی۔ اور بعض کو لوہے کی کنگھیوں سے چھیدا گیا مگر یہ چیز ان کو دین سے نہ پھیر سکی۔ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ (پس اللہ تعالیٰ امتحان سے ضرور ظاہر کرے گا)۔ الَّذِينَ صَدَقُوا (ایمان میں سچے لوگوں کو) وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِينَ (اور ضرور بضرور ایمان میں جھوٹے لوگوں کو ظاہر کر کے رہے گا)۔

علم باری تعالیٰ:

کا مطلب یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے موجود کو اس کے وجود کے وقت اور وجود سے قبل بھی جانتے ہیں۔ کہ وہ ایمان فرمائیں گے بالفعل ظاہر فرمائیں گے یعنی سچے اور جھوٹے کو بالفعل جدا کر دیں گے۔

قول ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ:

بندے کا صدق و کذب تنگدستی اور خوشحالی میں پایا جاتا ہے۔ جو خوشحالی میں شکر کرے اور ایام مصیبت میں صبر کرے۔ وہ سچا ہے۔ اور جو خوشی کے ایام میں تکبر و خود ستائی میں مبتلا ہوا اور مصیبت میں جزع و فزع کی وہ جھوٹا ہے۔

۴: أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ (کیا بدکاریاں کرنے والوں نے گمان کر لیا)۔ السیئات سے شرک و گناہ مراد ہیں۔ أَنْ يَسْبِقُونَا (کہ وہ ہم سے سبقت کر جائیں گے)۔ وہ ہم سے نکل جائیں گے۔ یعنی سزا ان کو بہر صورت ملے گی۔

نحو: ان کا صلہ مسند اور مسند الیہ کو شامل ہونے کی وجہ سے دو مفعولوں کے قائم مقام ہو گیا۔ جیسا کہ اس ارشاد میں ہے ام حسبتم ان تدخلوا الجنة [البقرہ: ۲۱۴]

نمبر۲۔ اور یہ بھی درست ہے کہ حسب میں قدر کا معنی متضمن ہو۔ اور ام منقطعہ ہو اور اس میں اضراب کا معنی پایا جائے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا

اور ہم نے انسان کو تاکیدی حکم دیا کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرے اور اگر وہ تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے

لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ

جس کی دلیل تیرے پاس نہیں ہے سو تو ان کا کہنا نہ ماننا۔ میری ہی طرف تم سب کو لوٹ کر آنا ہے سو میں تمہیں ان کاموں سے باخبر کر دوں گا جو تم

تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ﴿٩﴾

کیا کرتے تھے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے سو ہم ان کو ضرور نیک بندوں میں داخل کر دیں گے۔

قول زجاج رحمہ اللہ:

مَن شرطیہ ہے ابتداء کی وجہ سے مرفوع ہے۔ اور فان اجل اللہ جواب شرط ہے۔ جیسا کہتے ہیں۔ ان کان زید فی الدار فقد صدق الوعد۔ اگر زید گھر میں ہے تو اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔

۶: وَمَنْ جَاهَدَ (جس نے اپنے نفس سے جہاد کیا) ۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر نفس کو مضبوطی سے روک کر۔ نمبر۲۔ وسوسوں کو دور کر کے شیطان سے جہاد کیا۔ نمبر۳۔ کفار سے جہاد کیا۔ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ (پس بے شک وہ اپنے نفس کیلئے جہاد کرے گا) کیونکہ اس کا فائدہ اسے ہی ملے گا۔ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (اللہ تعالیٰ تو جہان والوں میں سب سے بے نیاز ہیں) ان کی اطاعت اور عبادات کی اسے ضرورت نہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی یہ بندوں پر محض رحمت ہیں۔

۷: وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ (اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالح کیے) ۔ ہم ضرور بضرور ان کی سیئات کو مٹا دیں گے۔ ایمان و توبہ کی برکت سے شرک و معاصی کو مٹا دیا جائے گا۔ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ (اور ضرور بضرور ہم ان کو بہترین بدلہ ان اعمال کا دیں گے جو وہ کرتے تھے) ۔ یعنی اسلام میں کیے جانے والے اعمال کا بہترین بدلہ دیں گے۔

۸: وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا (اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کی نصیحت کی) وصّی اس نے حکم دیا۔ امر کا معنی اور استعمال بھی اسی معنی میں ہوتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں۔ وصیت زیدا بان یفعل خیرا۔ جیسا کہ کہتے ہیں امرت زیدا بان یفعل خیرا۔ اس ارشاد میں بھی یہی معنی ہے۔ ووصی بھا ابراھیم بنیہ۔ [البقرۃ۔ ۱۳۲] ہم نے ان کو کلمہ توحید کی وصیت کی اور اس کا حکم دیا۔

باقی اس مقولہ کا مطلب وصیت زید بعمرو۔ میں نے اس کو وصیت کی کہ عمرو کا خیال و دھیان رکھے اور اس کی نگرانی کرے وغیرہ وہ اسی طرح کا معنی اس ارشاد میں ہے۔ ووصینا الانسان بوالدیہ حسنا ۔ ہم نے اس کو وصیت کی کہ وہ اپنے والدین

کو بھلائی پہنچائے۔

نمبر۲۔ ہم نے اس کو وصیت کی کہ وہ اپنے والدین کو حسن و بھلائی کا والی بنائے۔ یعنی خوبی والے فعل کا والی بنائے یا وہ فعل جو اپنی ذات کے لحاظ سے خوب تر ہو اس لئے کہ اس میں خوبی بہت پائی گئی تو گویا وہ فعل مجسم حسن بن گیا۔ جیسا کہ اس ارشاد میں فرمایا۔ و قولوا للناس حسنا۔ [البقرہ:۸۳] لوگوں کو وہ بات کہو جو ذات کے اعتبار سے بہت خوب ہو۔

نمبر۳۔ یہ بھی جائز ہے حسناً کو اس کلام کے قرینہ سے قرار دیں یا زیداً ای اضرب زیداً۔ جبکہ تم اس کو ضرب کے لئے تیاری کرتے ہوئے پاؤ تو کہو زیداً۔

پس حسنا کا نصب اولھما فعل مضمر کی وجہ سے ہے۔ ای اعطھما یا افعل بھما حسنا۔ کیونکہ وصیت اس پر دلالت کر رہی ہے۔ اور اس کا مابعد اسی کے مطابق ہے۔ گویا اس طرح کہا گیا ہے۔ قلنا اولھما معروفاً و لا تطعھما فی الشرک اذا حملاک علیہ اور ہم نے کہا تم ان کو بھلائی کا والی بناؤ اور شرک میں ان کی اطاعت نہ کرو جبکہ وہ تمہیں اس پر آمادہ کریں۔ اس تفسیر کے مطابق اگر بوالدیہ پر وقف کریں اور حسناً کو ابتدائی کلام قرار دیں تو یہ وقف خوب ہے۔ اور اگر تفسیر اول مراد لیں تو قال کو مضمر ماننا ضروری ہے۔ ای و قلنا۔

وَاِنْ جٰهَدٰكَ (اور اگر وہ تمہیں مجبور کریں) اے انسان۔ لِتُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہرائے جس کا تمہیں علم نہیں)۔ یعنی اس کی الوہیت کا تمہیں علم نہیں۔ مقصود نفی علم سے نفی معلوم ہے۔ گویا کہ کلام اس طرح ہے لتشرک بی شیئاً لایصح ان یکون الٰھاً۔ کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہرائے جس کا معبود ہونا درست نہیں۔

فَلَا تُطِعْهُمَا (تو ان کی بات مت مان)۔ اس سلسلہ میں کیونکہ لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ (تم نے میرے پاس لوٹ کر آنا ہے)۔ تمام کا مرجع خواہ وہ ایمان دار یا شرک کیا۔ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (میں تمہیں مطلع کروں گا ان اعمال کے متعلق جو تم کرتے رہے)۔ پھر ان پر ہر ایک کا بدلہ دوں گا یہاں مرجع اور وعید دونوں کو ذکر کرکے شرک میں ان کی متابعت سے ڈرانا مقصود ہے اور دین میں استقامت پر آمادہ کیا گیا ہے۔

روایت میں ہے:

کہ سعد بن ابی وقاصؓ جب مسلمان ہو گئے تو ان کی والدہ نے نذر مانی کہ وہ اس وقت تک نہ کھائے گی اور نہ پئے گی جب تک سعد دین اسلام کو نہ چھوڑیں گے۔ سعد نے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کر کے استفتاء کیا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ اور وہ آیت جو لقمان ۱۴ اور وہ آیت جو احقاف ۱۵ میں ہے۔

۹: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ (اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالحہ کیے ہم ضرور بضرور انہیں صالحین میں داخل فرمائیں گے)۔ یعنی جملہ صالحین میں۔ الصلاح مؤمنین کی کامل ترین صفت ہے۔ یہ انبیاء علیہم السلام کا مطلوب ہے۔ سلیمان علیہ السلام کی دعا میں ہے وادخلنی برحمتک فی عبادک الصالحین [النمل:۱۹]

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطَايَاكُمْ وَمَا هُمْ

اور کافروں نے ایمان والوں سے کہا کہ تم ہمارے رستہ کا اتباع کرو اور ہم تمہارے گناہوں کو ہم اٹھا لیں گے حالانکہ وہ

بِحَامِلِينَ مِنْ خَطَايَاهُمْ مِنْ شَيْءٍ ۖ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۱۲﴾ وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا

ان کے گناہوں میں سے ذرا بھی اٹھانے والے نہیں ہیں، بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں۔ اور وہ لوگ ضرور اپنے بوجھوں کو اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ

مَعَ أَثْقَالِهِمْ ۖ وَلَيُسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۱۳﴾

دوسروں کے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور قیامت کے دن ضرور ضرور ان باتوں کا سوال کیا جائے گا جو وہ جھوٹ بنایا کرتے تھے۔

بھی ظاہر کریں گے)۔ ان کا حال تو یا ظاہر ہو جائے گا۔ ان دونوں کی حالت اس کے سامنے ظاہر ہے۔ جو ان دونوں کو بدلہ دینے کا اختیار رکھتا ہے۔

۱۲: وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا (اور کافروں نے مؤمنوں کو کہا ہماری راہ پر چلو)۔ تو ہم تمہارے جرائم وَلْنَحْمِلْ خَطَايَاكُمْ (ضرور اپنے اوپر اٹھائیں گے)۔ کفار نے مسلمانوں کو اپنے کفریہ راستے پر چلنے کا امر کیا اور اپنے بارے میں ان کے گناہوں کی ذمہ داری قبول کرنے کا حکم دیا۔ امر کا عطف امر پر کیا گیا۔ مقصد کفار کا یہ تھا کہ یہ دونوں امر حاصل ہو جائیں۔ نمبرا۔ ہمارے راستے کی پیروی۔ نمبر۲۔ تمہاری خطاؤں کو اپنے سر لینا۔ حاصل یہ ہوا کہ اگر تم ہمارے راستہ کی اتباع کرو گے تو تب ہم تمہارے گناہوں کو اٹھائیں گے۔ کفار قریش یہی کہتے تھے۔ جو شخص ان میں سے اسلام قبول کرتا۔ ہم اور تم اٹھائے نہیں جائیں گے اگر اٹھائے بھی گئے تو ہم تمہارے گناہ اپنے سر لے لیں گے۔

وَمَا هُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ خَطَايَاهُمْ مِنْ شَيْءٍ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ (اور وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی نہ اٹھائیں گے۔ واقع میں وہ جھوٹے ہیں)۔ کیونکہ وہ بات زبانوں سے تو کہہ رہے ہیں مگر ان کے اپنے دل اس کو نہیں مانتے یہ ان جھوٹوں کی طرح ہیں جو کسی چیز کو شمار کرتے ہیں مگر ان کے دل میں نیت اس کے خلاف ہوتی ہے۔

۱۳: وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ (اور یہ لوگ اپنے بوجھ اٹھائیں گے)۔ اپنے نفسوں کا بوجھ اٹھائیں گے۔ یعنی وہ بوجھ جو ان کے گناہوں کے سبب ہوں گے۔ وَأَثْقَالًا مَعَ أَثْقَالِهِمْ (اور اپنے گناہ کے بوجھ کے ساتھ کچھ اور بوجھ بھی لادے ہوں گے)۔ اور وہ بوجھ اٹھائیں گے ان گناہوں کا جن کی گمراہی کا یہ سبب بنے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا۔ لیحملوا اوزارھم کاملۃ یوم القیامۃ ومن اوزار الذین یضلونھم بغیر علم۔ [نحل۔۲۵] یہ وہ بوجھ ہیں جن کی وجہ سے ان کو دوسروں پر ڈالتے تھے۔

وَلَيُسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ (اور ضرور ان سے قیامت کے دن ان کی افتراء پردازیوں کی باز پرس ہو گی۔ جو جھوٹ اور باطل باتیں گھڑتے تھے)۔

ہو یا جھوٹ گھڑتے ہو)۔

قراءت: ابوحنیفہ اور سلمی رحمہما اللہ نے تَخْلُقُوْنَ پڑھا ہے۔ یہ خلق سے لیا گیا۔ جس کے معنی: التکثیر فی الخلق یعنی جس کی تخلیق میں کثرت ہو۔

اِفْكًا (جھوٹ)۔ قراءت: یہ اَفِكًا پڑھا گیا ہے۔ یہ مصدر ہے جیسے کذب واصب۔ اور ایک یہ کذب واصب کی طرح مخفف ہے۔ اختلاق الافک۔ بتوں کو معبود قرار دینا۔ اور اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا (بیشک وہ جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا پوجا کرتے ہو وہ تمہارے رزق کے مالک نہیں)۔ وہ تمہیں رزق کی ایک چیز کا ذرہ بھی نہیں دے سکتے۔ فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ (پس تم اللہ تعالیٰ کے ہاں رزق تلاش کرو)۔ یعنی تمام رزق۔ اس لئے کہ وہی اکیلا رزاق ہے اس کے سوا کوئی رزق نہیں دے سکتا۔ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (تم اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکریہ ادا کرو اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے)۔ اس کی عبادت کر کے اس کی ملاقات کی تیاری کرو اور اس کی نعمتوں پر شکریہ ادا کرو۔

قراءت: یعقوب نے تَرْجِعُوْنَ پڑھا ہے۔

۱۸: وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ (اور اگر تم میری تکذیب کرو تو تم سے پہلے بہت سی امتیں تکذیب کر چکیں)۔ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ (اور رسول پر تو کھول کر بیان کرنا ہے)۔ اگر تم میری تکذیب کرو گے تکذیب کے ساتھ تم مجھے کچھ نقصان نہ پہنچاؤ گے اس لئے کہ مجھ سے پہلے رسولوں کو ان کی قوموں نے جھٹلایا اور ان کا کوئی نقصان نہ کر سکے۔ بلکہ انہوں نے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا جبکہ تکذیب کی وجہ سے ان پر عذاب اترا۔ باقی رسول کا فریضہ تو پورا ہو چکا اس لئے کہ انہوں نے کھول کر پیغام پہنچا دیا جس سے شک جاتا رہا اور وہ ان کی آیات و معجزات سمیت آتا تھا۔ مطلب یہ ہے اگر تم میری تکذیب کرتے ہو تو میرے لئے تمام انبیاء میں اسوۂ حسنہ موجود ہے۔ جب ان کی تکذیب کی گئی اور رسول کے ذمہ تو بات کو پہنچانا ہے۔ ان کے ذمہ یہ نہیں کہ ان کی تصدیق کی جائے اور تکذیب نہ کی جائے۔

دو احتمال نمبر ۱: یہ آیت اور اس کے بعد والی آیات لفظ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖ تک احتمال رکھتی ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کو خطاب ہو۔ اور الامم سے مراد قوم شیث، ادریس، نوح اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی قومیں مراد ہوں گی۔

نمبر ۲: یہ بھی احتمال ہے کہ جملہ معترضہ کے طور پر یہ آیات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور قریش کی حالت کے متعلق ہوں۔ اور اول و آخر ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ہو۔

سوال: اب اس پر ایک سوال ابھرتا ہے کہ جملہ معترضہ کا ان کے ساتھ اتصال ضروری ہے۔ جن کے درمیان بطور اعتراض واقع ہو۔ اس طرح تو نہیں کہا جا سکتا۔ [illegible]؟

جواب: جی ہاں یہ بات درست ہے۔ اس کی تشریح اس طرح ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ آپ کی تسلی دلانے کے لئے لایا گیا۔

أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ

کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح مخلوق کو پہلی مرتبہ پیدا فرمایا ہے پھر وہ اسے دوبارہ پیدا فرمائے گا۔ بے شک یہ اللہ پر

يَسِيرٌ ﴿١٩﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ۚ ثُمَّ اللَّهُ

آسان ہے۔ آپ فرما دیجئے کہ زمین میں چلو پھرو سو دیکھو اللہ نے کیسے مخلوق کو پہلی بار پیدا فرمایا پھر دوسری مرتبہ بھی

يُنْشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾ يُعَذِّبُ مَنْ

پیدا فرمائے گا، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ جس کو چاہے عذاب

يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَشَاءُ ۖ وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ ﴿٢١﴾ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ

دے اور جس پر چاہے رحم فرمائے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور تم زمین میں کسی کو عاجز کرنے والے نہیں ہو

وَلَا فِي السَّمَاءِ ۖ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿٢٢﴾ وَالَّذِينَ

اور نہ آسمان میں اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی کارساز اور مددگار نہیں۔ اور جن لوگوں نے

كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَٰئِكَ يَئِسُوا مِنْ رَحْمَتِي وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ

اللہ تعالیٰ کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا انکار کیا یہ لوگ میری رحمت سے ناامید ہو گئے اور ان کے لئے

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٣﴾

دردناک عذاب ہے۔

کہ آپ سے پہلے ابراہیم علیہ السلام بھی اپنی قوم کی طرف سے شرک اور عبادت اصنام کے جھگڑے میں ڈالے گئے اس دوران جملہ معترضہ لائے۔ وان تکذبوا۔ (اگر تم جھٹلاؤ) اے گروہ قریش! اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے ہو تو ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم نے جھٹلایا اور ہر امت نے اپنے پیغمبر کو جھٹلایا۔ کیونکہ فقد کذب امم من قبلکم کا ارشاد ضروری ہے کہ امت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ہو۔ اور یہ متصل جملہ معترضہ کی طرح ہے۔ پھر بقیہ آیات جو اس کے بعد آرہی ہیں وہ ابراہیم کے قول میں سے ہیں۔ کیونکہ وہ توحید اور دلائل توحید اور انہدام شرک اور شرک کی بنیادوں کی تدمیر اور اللہ تعالیٰ کی قدرت وسلطنت کی تعریف اور اللہ تعالیٰ کی دلیل وبرہان کی خوب وضاحت کر رہی ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ (کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو کس طرح پہلی بار پیدا کرتا ہے)۔

قراءت: حفص کے علاوہ دیگر کوئی قراء نے تروا پڑھا ہے۔ اولم یروا کا مطلب یہ ہے انہوں نے یہ بات دیکھی اور جان لی

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ

سو ان کی قوم کا جواب بس یہ تھا کہ کہنے لگے کہ اس کو قتل کر دو یا اس کو جلا دو۔ سو اللہ نے ان کو آگ سے نجات

النَّارِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝۲۴ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

دے دی۔ بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔ اور ابراہیم نے کہا کہ تم نے اللہ کو چھوڑ کر جو بتوں کو

اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَیْنِكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُ بَعْضُكُمْ

ٹھہرا رکھا ہے یہ تمہاری آپس کی دوستی کی وجہ سے ہے جو دنیا والی زندگی میں ہے۔ پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کے

بِبَعْضٍ وَّیَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ؗ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ۝۲۵ ۗ

مخالف ہو گے اور تم میں سے بعض بعض پر لعنت کریں گے اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہو گا اور تمہارے مددگار بالکل نہ ہوں گے۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۲۶

سو لوط نے ان کی تصدیق کی۔ اور ابراہیم نے کہا کہ بلاشبہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں، بے شک وہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

۲۲: وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ (اور تم اپنے رب کو عاجز بنا دینے والے نہیں) یعنی اگر تم اس کے حکم و قضاء سے بھاگنا چاہو تو اس کی گرفت سے نکل نہیں سکتے ہو۔ فِی الْاَرْضِ (زمین کی وسعتوں میں) وَلَا فِی السَّمَآءِ (اور نہ ہی آسمان میں) جو زمین سے وسیع تر ہے اور اس سے زیادہ پھیلاؤ والا ہے اگر تم اس میں ہوتے۔ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ (اور تمہارا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست نہیں جو تمہارے معاملہ کا والی ہو)۔ وَلَا نَصِیْرٍ (اور نہ مددگار) جو تمہیں میرے عذاب سے بچا سکے۔

۲۳: وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖ (اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا انکار کیا)۔ آیات سے مراد وحدانیت کے دلائل اور کتب الٰہیہ اور معجزات۔ اُولٰٓئِكَ یَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِیْ (وہ میری رحمت سے ناامید ہو گئے)۔ رحمت سے جنت مراد ہے۔ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے)۔

۲۴: فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ (ان کی قوم کا جواب یہ تھا) کہ قوم ابراہیم علیہ السلام کا اس وقت یہ جواب تھا جب آپ نے ان کو ایمان کی طرف دعوت دی۔ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ (کہ کہنے لگے اس کو قتل کر دو یا اس کو جلا دو)۔ تفسیر: وہ ایک دوسرے کو کہنے لگے۔ یا نمبر۲۔ ان میں سے ایک نے کہا اور باقی اس پر خوش تھے۔ تو وہ تمام ہی کہنے والوں کے حکم میں ہو گئے۔ سب نے ان کو جلانے پر اتفاق کیا۔ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ (پس اللہ تعالیٰ نے ان کو آگ سے بچایا)۔ جبکہ انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ (بے شک اس میں)۔ جو کچھ کہ انہوں نے کہا اور ہم نے کیا۔ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ

ایک قول یہ ہے:

وہ چلتے راستوں پر لوگوں کو پکڑ کر بدفعلی کرتے تھے۔

وَتَأْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ (اور تم اپنی مجلس میں بری حرکات کرتے ہو) مجلس کو نادی اس وقت کہا جاتا ہے جبکہ مجلس والے اس میں موجود ہیں۔ المنکر سے مراد آواز کے ساتھ ریاح خارج کرنا۔ جماع کرنا۔ گالی گلوچ کرنا۔ فحش مذاق کرنا۔ کنکریاں مارنا۔ مست چبانے۔ سیٹیاں بجانے۔ لوگوں کے درمیان مسواک۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (قوم کے پاس ان کی بات کا کوئی جواب نہ تھا سوائے اس بات کے کہ تو اللہ تعالیٰ کا عذاب لے آ اگر تو سچا ہے)۔ جو تو ہمارے ساتھ نزول عذاب کا وعدہ کرتا ہے۔

قراءت: اَئِنَّكُمْ کو اِنَّكُمْ شامی حفص نے پڑھا ہے۔ اور مصحف شامی میں بھی موجود ہے۔ اور ہر ایک ان میں سے دو ہمزہ کے ساتھ کوئی قراء نے سوائے حفص کے پڑھا ہے۔ اور ابو عمرو نے آئِنَّكُمْ ہمزہ ممدودہ جس کے بعد یا مکسورہ ہے پڑھا ہے۔ اور مکی نے اَیِنَّكُمْ اور نافع نے بھی پڑھا ہے مگر ہمزہ دونوں نے نہیں اور اسی طرح سہل و یعقوب نے تو پڑھا مگر مد نہیں۔

۳۰: قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ (کہا اے میرے رب تو میری انزال عذاب میں مدد فرما)۔ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ (اس مفسد قوم کے خلاف) جو کہ لوگوں کو معاصی وفحش پر برانگیختہ کر کے فساد کا ارتکاب کرنے والے ہیں۔

۳۱: وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى (جب ہمارے قاصد ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوشخبری لائے)۔ ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق کی خوشخبری اور پوتے یعقوب کی بشارت دینے آئے۔ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ (انہوں نے کہا بیشک ہم ان بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں)۔

نحو: مهلكوا کی اضافت سے تعریف کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ مضارع کے معنی میں ہے۔ القریہ سے مراد سدوم ہے۔ جس کے بارے میں کہا گیا۔ اَجْوَرُ مِنْ قَاضِيْ سَدُوْمَ (سدوم کے قاضی سے بڑھ کر ظالم)۔ ھذہ القریہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے قریبی علاقہ میں یہ بستیاں تھیں۔

اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ (یاشبہ وہاں کے رہنے والے ظالمین تھے)۔ یعنی ظلم ان سے لگاتار چلتا رہا تھا۔ اور ظلم تو کفر تھا اور دیگر قسم قسم کے معاصی۔

۳۲: قَالَ (ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا) اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا (وہاں تو لوط بھی رہتا ہے)۔ کیا تم ان کو اسی حالت میں ہلاک کر دو گے کہ وہاں تو لوط ہے جو کہ ظلم سے پاک اور بری ہے۔ قَالُوْا (ملائکہ نے کہا)۔ نَحْنُ اَعْلَمُ (ہم آپ سے زیادہ واقف ہیں)۔ بِمَنْ فِيْهَا لَنُنَجِّيَنَّهٗ (ان سے جو اس بستی میں ہیں ہم ضرور اس کو نجات دیں گے)۔ قراءت: لَنُنْجِيَنَّهٗ یعقوب و کوفی نے سوائے عاصم کے پڑھا ہے۔

وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ (اور اس کے اہل کو مگر ان کی بیوی وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہوگی)۔ جو عذاب

قراءت: حفص کے علاوہ کوفی اور مکی قراء نے مُنَجُّوكَ تخفیف سے پڑھا ہے۔

وَاَهْلَكَ (اور آپ کے اہل کو)۔ یہ کاف کے محل جر میں ہے۔ اھلک فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے۔ ای ننجی اهلك۔

اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ (مگر تیری بیوی کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہوگی)۔

۳۴: اِنَّا مُنْزِلُوْنَ (بے شک ہم اتارنے والے ہیں)۔

قراءت: منزلون تشدید کے ساتھ شامی نے پڑھا ہے۔

عَلٰٓى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا (اس بستی والوں پر عذاب) مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ (آسمان سے اس سبب سے کہ وہ فسق کرتے تھے) یعنی ان کے فسق کے سبب اور ان کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت سے نکل جانے کی وجہ سے۔

۳۵: وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ (اور ہم نے چھوڑ دیے ان بستیوں سے) اٰيَةًۢ بَيِّنَةً (کھلے نشانات)۔ وہ ان کے برباد شدہ مکانات کے کھنڈرات ہیں۔

ایک قول یہ ہے:

یہ زمین پر سیاہ پانی۔

لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (عقل والوں کے لئے)۔ مجرور بالقوم یہ ترکنا سے متعلق ہے۔ یا بینۃ سے متعلق ہے۔

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَارْجُوا الْیَوْمَ

اور ہم نے مدین والوں کے پاس ان کے بھائی شعیب کو بھیجا۔ سو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اور آخرت کے دن کی

الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۳۶﴾ فَکَذَّبُوْہُ فَاَخَذَتْھُمُ الرَّجْفَۃُ

توقع رکھو۔ اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ۔ سو ان لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا پھر انہیں زلزلہ نے آ پکڑا

فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِھِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۳۷﴾ وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۠ وَقَدْ تَّبَیَّنَ لَکُمْ مِّنْ مَّسٰکِنِھِمْ

سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ گرے رہ گئے۔ اور ہم نے عاد اور ثمود کو ہلاک کیا اور بے شک تمہارے لئے ان کے رہنے کی جگہوں سے واضح ہو چکا ہے

وَزَیَّنَ لَھُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَھُمْ فَصَدَّھُمْ عَنِ السَّبِیْلِ وَکَانُوْا مُسْتَبْصِرِیْنَ ﴿۳۸﴾

اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کے لئے اچھا کر کے دکھایا سو اس نے انہیں راستہ سے روک دیا۔ اور وہ صاحب بصیرت تھے۔

وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَھَامٰنَ وَلَقَدْ جَآءَھُمْ مُّوْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ فَاسْتَکْبَرُوْا فِی

اور ہم نے قارون اور فرعون اور ہامان کو ہلاک کیا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ موسیٰ ان کے پاس کھلی کھلی دلیلیں لے کر آئے سو انہوں نے زمین میں تکبر کیا

الْاَرْضِ وَمَا کَانُوْا سٰبِقِیْنَ ﴿۳۹﴾ فَکُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِہٖ فَمِنْھُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَیْہِ

اور وہ آگے بڑھ جانے والے نہ تھے۔ سو ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کی وجہ سے پکڑ لیا۔ سو ان میں بعض پر ہم نے سخت ہوا

حَاصِبًا وَمِنْھُمْ مَّنْ اَخَذَتْہُ الصَّیْحَۃُ وَمِنْھُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِہِ الْاَرْضَ وَمِنْھُمْ

بھیجی اور ان میں بعض کو چیخ نے پکڑ لیا اور ان میں بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں بعض کو

مَّنْ اَغْرَقْنَا وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیَظْلِمَھُمْ وَلٰکِنْ کَانُوْا اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾

غرق کر دیا۔ اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان پر ظلم فرماتا اور لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

۳۶: وَاِلٰی مَدْیَنَ (اور مدین کی طرف) یعنی ہم نے مدین کی طرف بھیجا۔ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَارْجُوا الْیَوْمَ الْاٰخِرَ (ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو پس انہوں نے کہا اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور آخرت کے دن کی امید رکھو)۔ اور ایسے اعمال کرو جس پر آخرت میں ثواب کے امیدوار بن سکو۔ نمبر۲۔ اس سے ڈرو۔ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ (اور زمین میں فساد پھیلاتے مت پھرو) یعنی فساد کا قصد کرتے ہوئے۔

۳۷: فَکَذَّبُوْہُ فَاَخَذَتْھُمُ الرَّجْفَۃُ (پس انہوں نے اس کو جھٹلا دیا) تو ان کو سخت زلزلے نے پکڑ لیا۔ الرجفۃ: سخت زلزلہ۔

نمبر ۱۔ جبرئیل علیہ السلام نے چیخ ماری۔ جس سے ان کے دل کانپ اٹھے۔ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ (انہوں نے اپنے گھروں میں صبح کی)۔ اپنے شہر اور سرزمین میں۔ نمبر ۲۔ گھروں میں۔ دار کو واحد لائے کیونکہ اس میں کوئی التباس و اشتباہ نہ تھا۔ جٰثِمِیْنَ (زانو کے بل بیٹھے ہوئے مر گئے)۔

۳۸: وَعَادًا (اور عاد کو ہلاک کیا)۔ یہ اہلکنا مضمر کی وجہ سے منصوب ہے۔ کیونکہ فاخذتهم الرجفة اس پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ یہ اہلاک کے ہم معنی ہے۔ وَّثَمُوْدَا۟ (اور ثمود کو)۔ قراءت: حمزہ، حفص اور سہل اور یعقوب نے پڑھا ہے۔

وَقَدْ تَّبَیَّنَ لَكُمْ (اور تمہارے لئے واضح ہو رہا ہے)۔ اس سے جو ان کا ہلاک کرنا بیان کیا۔ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ (ان کے مقامات سے) سکونت کی جانب سے۔ جب کہ تم گزرتے ہوئے ان پر نگاہ ڈالو۔ اہل مکہ اپنے سفروں میں آتے جاتے ان کو دیکھتے تھے۔ وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ (اور شیطان نے ان کے اعمال ان کے لئے مزین کر دیئے)۔ اعمال سے کفر و معاصی مراد ہیں۔ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ (پس اس نے ان کو راہ سے روک دیا تھا)۔ وہ راہ جس پر چلنے کا ان کو حکم دیا گیا۔ وہ ایمان باللہ والرسل ہے۔ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِیْنَ (اور وہ ہوشیار تھے)۔ عقل اور غور و فکر کی قدرت اور حق کو باطل سے الگ کرنے کی قدرت رکھتے تھے مگر انہوں نے ایسا نہ کیا۔

۳۹: وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ (اور قارون فرعون اور ہامان کو) ہم نے ہلاک کر دیا۔ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ (تحقیق ان کے پاس موسیٰ علیہ السلام دلائل لے کر آئے۔ پس انہوں نے زمین) وَمَا كَانُوْا سٰبِقِیْنَ (میں تکبر کیا اور وہ ہم سے آگے بڑھنے والے نہ تھے) کہ گرفت سے نکل جاتے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم عذاب نے ان کو آ لیا جب وہ بھاگ نہ سکے۔

۴۰: فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ (پس ہم ہر ایک کو ہم نے ان کے گناہوں کے بدلے پکڑ لیا)۔ مسئلہ: اس میں ان لوگوں کی تردید ہے جنہوں نے بلا گناہ عذاب کو جائز قرار دیا۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِ حَاصِبًا (ان میں سے بعض وہ ہیں جن پر ہم نے پتھر برسانے والی ہوا بھیجی)۔ حاصب اس تیز ہوا کو کہتے ہیں جس میں کنکریاں ہوں۔ اس سے مراد قوم لوط ہے۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّیْحَةُ (اور ان میں سے بعض کو چیخ نے آ پکڑا)۔ یہ اصحاب مدین اور قوم ثمود ہے۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ (اور ان میں سے کچھ وہ تھے جن کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا)۔ یعنی قارون۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا (اور ان میں سے کچھ وہ تھے جن کو ہم نے ڈبو دیا)۔ یعنی قوم نوح علیہ السلام اور فرعون علیہ اللعنة۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیَظْلِمَهُمْ (اور اللہ تعالیٰ ان پر ظلم کرنے والے نہ تھے)۔ کہ بغیر گناہ کے ان کو وہ سزا دے دیتے۔ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ (اور لیکن وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے تھے)۔ کفر و سرکشی کے سبب۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ

جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر کارساز بنا رکھے ہیں ان کی مکڑی جیسی مثال ہے کہ اس نے گھر

بَيْتًا ۭ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۱ اِنَّ اللّٰهَ

بنایا اور بلاشبہ سب گھروں میں کمزور تر گھر مکڑی کا ہے اگر وہ جان لیتے تو ایسا نہ کرتے۔ بلاشبہ اللہ

يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۴۲ وَتِلْكَ

جانتا ہے جس کسی کو بھی وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ زبردست ہے، حکمت والا ہے۔ اور یہ

الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝۴۳ خَلَقَ اللّٰهُ

مثالیں لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں، ان کو بس علم والے ہی سمجھتے ہیں۔ اللہ نے پیدا فرمایا

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۴ۧ

آسمانوں کو اور زمین کو حق کے ساتھ۔ بلاشبہ اس میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

۴۱: مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ (اور حالت ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو کارساز بنا رکھا ہے) یعنی معبود۔ مثال اس کی جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو ضعف اور سوء اختیار میں شریک ٹھہراتے ہیں۔ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا (مکڑی جیسی مثال ہے جس نے گھر بنایا) یعنی اس میں جو وہ اپنے لئے گھر بناتی ہے۔ یہ گھر گرمی و سردی کو دور نہیں کر سکتا اور نہ اس سے ان چیزوں سے بچا جا سکتا ہے۔ جن چیزوں سے دوسرے گھروں کے ذریعہ بچا جاتا ہے۔ یہی اسی طرح بت ان کو دنیا و آخرت میں فائدہ نہیں دے سکتے۔

نحو: بنا کر نے صفت کو حال قرار دیا ہے۔

وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ (اور بے شک گھروں میں سب سے زیادہ کمزور مکڑی کا گھر ہے) یعنی کوئی گھر بھی اس کے گھر سے زیادہ کمزور نہیں۔ قول علی رضی اللہ عنہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اپنے گھروں کو مکڑی کے جالے سے پاک رکھو اس کا چھوڑنا فقر لاتا ہے۔ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (کاش کہ وہ جانتے ہوتے) یہ ان کی مثال ہے۔ ان کے دین کا معاملہ کمزوری کی اس انتہا کو پہنچ رہا ہے۔

ایک قول یہ ہے:

کہ آیت کا مطلب اس طرح ہے اس مشرک کی مثال جو بت کی پوجا کرتا ہے۔ اس مومن کے مقابلہ میں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے۔ مکڑی جیسی ہے جو اپنا گھر بناتی ہے۔ اس آدمی کے بالمقابل جو اپنا گھر اینٹ اور چونے سے بناتا ہے۔ یا پتھروں سے کھود کر بناتا ہے۔ جیسا کہ تم ایک ایک گھر کا گھروں میں استقراء کرو تو سب سے کمزور گھر مکڑی کا ہے۔ اسی طرح اگر تم سوچ و بچار کر کے ادیان ایک ایک دین کا تقابلی مطالعہ کرو تو بتوں کی عبادت سب سے کمزور ترین نکلے گی۔

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (کاش کہ وہ جان لیتے)۔

قول زجاج رحمۃ اللہ علیہ:

ایک جماعت کے ساتھ ہے۔ کہ تقدیر آیت یہ ہے: مثل الذین اتخذوا من دون اللّٰہ اولیاء لو کانوا یعلمون کمثل العنکبوت۔ (مثال ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کارساز بنالئے کاش کہ وہ یہ جانتے کہ مکڑی جیسی مثال ہے ان کی)۔

آیت ۴۲: إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ (بیشک اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔ جن کو وہ پکارتے ہیں)۔ قراءت: بصری و عاصم نے سوائے اعشیٰ و یحییٰ کے یاء سے پڑھا ہے۔

نحو: ما الذی کے معنی میں ہے۔ اور یہ یعلم کا مفعول ہے۔ اور یدعون کا مفعول مضمر ہے۔ ای یدعونہ یعنی وہ اس کی عبادت کرتے ہیں۔ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ (اس کے سوا جس کوئی چیز بھی ہے)۔

نحو: من بیانیہ ہے۔

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (وہ زبردست حکمتوں والے ہیں)۔ وہ ایسا غالب ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ ایسی حکمتوں والا ہے کہ جس جیسا کوئی نہیں ہے۔

اس میں ان کی جہالت کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس طرح کہ انہوں نے جمادات کی عبادت کی۔ جس کو کچھ علم نہیں اور نہ ہی قدرت ہے۔ اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والے زبردست کی عبادت کو چھوڑ دیا۔ الحکیم اس کو کہتے ہیں جو بلا حکمت و تدبیر کوئی کام نہ کرے۔

۴۳: وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ (یہ مثالیں)۔ نَضْرِبُهَا (ہم ان کو بیان کرتے ہیں)۔ لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کرتے ہیں۔

نحو: تلک الامثال مبتدا اور نضربها اس کی خبر ہے۔

لِلنَّاسِ (لوگوں کے لئے)۔ قریش کے بے وقوف و جہلاء کہتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب تو مکھی اور مکڑی کی مثال بیان کرتا ہے۔ وہ ان مثالوں سے ہنستے۔ اسی لئے فرمایا۔ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ (اور ان کو وہ سمجھتے ہیں جو سمجھ والے ہیں)۔ ان مثالوں اور

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کو سمجھنے والے سمجھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے۔ ان کی صحت و خوبی و جانتے اور اس کے فائدے کو وہی جاننے والے واقف ہیں۔ کیونکہ امثال اور تشبیہات وہ تو مخفی معانی کی طرف پانے والے راستے ہیں۔ تاکہ وہ ظاہر ہو جائیں جیسا کہ ان کا تصور فہموں میں آ جائے جس طرح یہ مثال مشرک و موحد کی حالت کو جدا کرتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ و فرمایا: عالم وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھ پائی ہو اور اس کی اطاعت پر چلا اور اس کی ناراضگی سے پرہیز کیا۔ ذکرہ الجوزی فی الموضوعات۔

مسئلہ: یہ آیت بتلا رہی ہے کہ علم عقل سے افضل ہے۔

آیت ۴۴: خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ (اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا) ۔ حق کے لئے یعنی ان کو باطل نہیں بنایا بلکہ اس میں حکمت ہے وہ یہ ہے کہ زمین اس کے بندوں کا مسکن ہے اور عبرت والوں کے لئے عبرت ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی دلیل ہو۔ کیا تم اس ارشاد کو نہیں دیکھتے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (بلاشبہ اس میں بڑا ایمان والوں کے لئے نشانی ہے)۔ ایمان والوں کو خاص اس لئے کیا گیا کیونکہ وہی اس سے فائدہ اٹھانے والے ہیں۔

(تمت) جلد ہذا